هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (آل عمران)

بیانُ القُرآن

جلد دوم

ترجمہ ومختصر تفسیر

الاَنعَام - تا - الکَھف

از

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدّامُ القرآن لاہور

جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن اور دینِ حق ٹرسٹ محفوظ ہیں!

مذکورہ بالا دونوں ادارے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی کتابوں، تحریروں اور اقتباسات کے ضمن میں اجازت دیتے ہیں کہ کوئی شخص یا پبلشر اگر ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے علمی مواد کو شائع کرنا چاہتا ہے تو وہ اشاعت سے قبل چند ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے، قیمتاً فروخت کرنے یا مفت تقسیم کرنے کے لیے، تحریری اجازت بلا معاوضہ مذکورہ بالا دونوں اداروں میں سے کسی ایک سے ضرور حاصل کرلے۔ اگر کوئی فرد / پبلشر معین کردہ ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو اُس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

نام کتاب : بیان القرآن (جلد دوم) طبع جدید

مبنی بر "دورۂ ترجمۂ قرآن" از ڈاکٹر اسرار احمدؒ (۱۹۹۸ء)

ترتیب و تدوین:

حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی، فاضل قرآن اکیڈمی

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین، ایجوکیشن کور

اشاعت اوّل تا چہارم (مارچ 2021ء تا نومبر 2022ء) ——— 9,000

اشاعت پنجم (مئی 2023ء) ——— 2200

قیمت (فی جلد) ——— 2,400 روپے

(مکمل سیٹ: چار جلد) ——— 9,600 روپے

ISBN: 978-969-606-071-0

زیر اہتمام:

شعبہ مطبوعات، قرآن اکیڈمی، لاہور

publications@tanzeem.org

فون: 38939321(042)

شائع کردہ:

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاہور

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501(042)

maktaba@tanzeem.org

مطبع: مکتبہ جدید پریس، لاہور

ترتیب

⑥ اَلْاَنْعَام	5
⑦ اَلْاَعْرَاف	87
⑧ اَلْاَنْفَال	181
⑨ اَلتَّوْبَة	223
⑩ يُوْنُس	291
⑪ هُوْد	328
⑫ يُوْسُف	371
⑬ اَلرَّعْد	411
⑭ اِبْرٰهِيْم	429
⑮ اَلْحِجْر	451
⑯ اَلنَّحْل	475
⑰ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْل	523
⑱ اَلْكَهْف	575

سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ

تمہیدی کلمات

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' حجم کے اعتبار سے قرآن مجید کا دو تہائی حصہ مکّی ہے' جبکہ لگ بھگ ایک تہائی حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ البتہ قرآن حکیم میں مکّی اور مدنی سورتوں کے جو سات گروپ ہیں' ان میں سے پہلے گروپ میں مکّی سورت صرف ایک ہے یعنی سورۃ الفاتحہ۔ یہ سورۃ اگرچہ حجم کے اعتبار سے بہت ہی چھوٹی (کُل سات آیات پر مشتمل) ہے' مگر معنوی اعتبار سے بہت عظمت اور فضیلت کی حامل ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سورۃ مکّی اور مدنی تقسیم سے بہت اعلیٰ وارفع اور بلند تر ہے۔ بہر حال مکّی اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں تو مکّی قرآن گویا بہت ہی تھوڑا ہے (سورۃ الفاتحہ کی صورت میں)' البتہ دوسرے گروپ میں دو بڑی مکّی سورتوں یعنی سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کا جوڑا شامل ہے۔ اب ہم اس جوڑے کی پہلی سورۃ یعنی سورۃ الانعام کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق سورۃ الانعام پوری کی پوری بیک وقت' ایک ہی تنزیل میں نازل ہوئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ستّر ہزار فرشتوں کے جلو میں اس سورۃ کو لے کر اُترے۔ اس سورت سے مکّی اور مدنی سورتوں کا دوسرا گروپ شروع ہو رہا ہے جو چار سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہ گروپ اس لحاظ سے بہت متوازن ہے کہ اس میں دو مکّی سورتیں (الانعام اور الاعراف) اور دو ہی مدنی سورتیں (الانفال اور التوبہ) ہیں۔ مضامین کی مناسبت سے یہ چاروں سورتیں بھی دو دو کے جوڑوں میں ہیں' یعنی ایک جوڑا مکّی سورتوں کا جب کہ دوسرا جوڑا مدنی سورتوں کا۔

اس سے پہلے ہم مدنی قرآن پڑھ رہے تھے (سوائے سورۃ الفاتحہ کے)' لیکن اب مکّی قرآن کا ایک حصہ ہمارے زیر مطالعہ آ رہا ہے۔ سورۃ البقرۃ' سورۂ آلِ عمران' سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ (مدنیات) میں منافقین اور یہود و نصاریٰ سے براہِ راست خطاب تھا' لیکن اب مکّی سورتوں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) میں مشرکینِ عرب سے گفتگو ہے۔ ان سورتوں میں اہلِ کتاب کا ذکر تو ہے' لیکن ان سے براہِ راست کوئی خطاب یا گفتگو نہیں ہے۔

مکّی اور مدنی سورتیں اپنے ماحول اور پس منظر کے اعتبار سے مضامین و موضوعات کے دو الگ الگ گلدستے پیش کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے میں نے مکّی اور مدنی قرآن کو دو الگ الگ جنّتوں کے نام سے موسوم کر رکھا ہے ـــــ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾﴾ (الرحمٰن) ''اور جو کوئی اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو جنّتیں ہوں گی'' ـــــ قرآن مجید کی ایک مکّی جنّت ہے اور دوسری مدنی جنّت۔ گویا قبل ازیں ہم مدنی جنّت کی سیر کر رہے تھے' اب ہم مکّی جنّت میں داخل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا سورۃ الانعام پڑھتے ہوئے آپ بالکل ایک نیا ماحول محسوس کریں گے۔ یہ دونوں سورتیں (سورۃ الانعام

اور سورۃ الاعراف) چونکہ رسول اللہ ﷺ کے قیامِ مکہ کے تقریباً آخری دور میں نازل ہوئی تھیں اس لیے ان میں مشرکینِ عرب (بنی اسماعیل) پر بالکل اسی انداز سے اتمامِ حجت کیا گیا ہے جیسے مدنی سورتوں میں اہلِ کتاب پر کیا گیا تھا۔ پھر ان سورتوں کے موضوعات کے اندر بڑی پیاری تقسیم ملتی ہے۔ مکی سورتوں کا اہم ترین مضمون 'ایمان' ہے یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ' وغیرہ۔ ایمان کی طرف بلانے کے لیے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی اصطلاحات کے مطابق قرآن حکیم میں دو طرح سے استدلال کیا جاتا ہے: التذکیر بآلاءِ اللہ اور التذکیر بِاَیّامِ اللہ۔

التذکیر بآلاءِ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے احسانات' اس کی نعمتوں' اس کی عظمت وقدرت' اس کی آیاتِ آفاقیہ وآیاتِ انفسیہ وغیرہ کے حوالے سے یاددہانی اور تذکیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان ہمارے اندر پہلے سے بِالقُوّۃ (potentially) تو موجود ہے' مگر یہ فعال نہیں ہے' سویا ہوا (dormant) ہے۔ اسے فعال (active) کرنے اور جگانے کے لیے اللہ کی قدرت' اُس کی نعمتوں اور انفس وآفاق میں اُس کی نشانیوں سے استدلال کر کے یاددہانی کرائی جاتی ہے' جس کو شاہ ولی اللہؒ نے التذکیر بآلاءِ اللہ کا نام دیا ہے۔

دعوت اِلی الایمان کے قرآنی استدلال کا دوسرا پہلو یا طریقہ شاہ ولی اللہؒ کے مطابق التذکیر بِاَیّامِ اللہ ہے' یعنی اللہ کے دِنوں کے حوالے سے استدلال۔ اللہ تعالیٰ کے دنوں کے اعتبار سے سب سے اہم اور عبرت ناک وہ دِن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی قوموں کو تہس نہس کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا اور اُس رسول نے اپنی امکانی حد تک قوم کے افراد کو حق کی دعوت پہنچا دی' حق کو مبرہن کر کے ان پر اتمامِ حُجت کر دیا' لیکن اس کے باوجود بھی اگر وہ قوم کفر پر اَڑی رہی اور اُس نے رسول کی دعوت کو رد کر دیا تو پھر اُس قوم کے ساتھ رعایت نہیں برتی گئی' یعنی ایسی صورت میں وہ قوم ختم کر دی گئی۔ جیسے قومِ نوحؑ کے ساتھ ہوا تھا' حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے معدودے چند اہلِ ایمان ساتھی ایک کشتی پر محفوظ رہے' باقی پوری نوعِ انسانی (جو اُس وقت تک اسی قوم کے افراد تک محدود تھی) نیست ونابود کر دی گئی۔ قومِ عاد پوری ختم کر کے نسیاً منسیاً کر دی گئی' صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے چند لوگوں کو بچایا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور مٹھی بھر اہلِ ایمان کے علاوہ قومِ ثمود کو بھی برباد کر دیا گیا۔ اسی طرح قومِ شعیبؑ کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ عامورہ اور سدوم کی بستیوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا گیا' صرف حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں کے ساتھ وہاں سے نکل سکے' باقی پوری قوم ختم ہو گئی۔ اسی طرح آلِ فرعون کو بھی غرق کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ ازلی وابدی حقائق بھی اَیّامِ اللہ میں شامل ہیں' یعنی ازل میں کیا واقعات پیش آئے' ابد میں کیا ہوگا' بعث بعد الموت کی تفصیلات' عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کے احوال' اصحابِ جنّت' اصحابِ جہنّم اور اصحابِ اعراف کی کیفیات وغیرہ۔ اس لحاظ سے سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں موضوعات کی جو ایک خوبصورت اور متوازن تقسیم ملتی ہے وہ اس طرح ہے کہ سورۃ الانعام میں جگہ جگہ التذکیر بآلاءِ اللہ کی تفصیلات ہیں' جبکہ سورۃ الاعراف کا بڑا حصہ التذکیر بِاَیّامِ اللہ پر مشتمل ہے۔

یہاں پر رسول اور نبی کی دعوت کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ رسول کی دعوت کا انکار کرنے کی صورت میں متعلقہ قوم تباہ و برباد کر دی جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے رسول کے آجانے کے بعد بھی اگر کسی قوم کی آنکھیں نہیں کھلتیں تو اس سے ثابت ہو گیا کہ اس قوم کے افراد خیر سے مکمل طور پر خالی ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ قوم گویا زمین کا بوجھ ہے' جس کا صفایا ضروری ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی باغ کی صفائی کے لیے جھاڑ جھنکاڑ کو اکٹھا کر کے آگ لگا دی جاتی ہے' اسی طرح ایسی قوم کو نیست ونابود کر دیا جاتا ہے۔ جب

کہ نبی کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ نبی کی حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے اولیاء اللہ ہیں۔ جس کسی نے نبی کی بات مان لی اس کو فائدہ ہو گیا' جس نے نہیں مانی وہ ذاتی طور پر نقصان میں رہا' لیکن نبی کے انکار سے پوری قوم کی تباہی اور ہلاکت نہیں ہوتی۔ اولیاء اللہ اور انبیاءؑ میں فرق یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر وحی نہیں آتی' جبکہ انبیاءؑ پر وحی آتی تھی۔

مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین میں جو بنیادی فرق ہے اسے ایک دفعہ پھر سمجھ لیجیے۔ مکی سورتوں میں خطاب اور دعوت کا رخ زیادہ تر مشرکینِ عرب کی طرف ہے' لہٰذا ان سورتوں کا اصل مضمون توحید ہے' یعنی توحید کا اثبات' شرک کی نفی اور ایمانیات کا تذکرہ ہے۔ ان سورتوں میں اہلِ ایمان سے خطاب بہت کم ہے' اور ہے بھی تو براہِ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ سے واحد کے صیغے میں خطاب کیا جاتا ہے اور آپؐ کے ذریعے سے مسلمان مخاطب ہوتے ہیں۔ ان سورتوں میں نفاق کا ذکر شاید ہی کہیں ملے' کیونکہ مکی دور میں نفاق کا مرض موجود ہی نہیں تھا۔ اہلِ مکہ کے اندر کردار کی پختگی تھی' وہ وعدے کے پکے تھے' جس چیز کو مانتے تھے پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ مانتے تھے اور نہ ماننے کی صورت میں اُس کی مخالفت بھی بہت شدومد سے کرتے تھے۔ ان میں چال بازیاں اور ریشہ دوانیاں نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ مکی سورتوں میں انسانی اخلاقیات پر بڑا زور دیا گیا ہے' مثلاً سچ بولنے کی تاکید' جھوٹ کی حوصلہ شکنی' بخل کی مذمت' سخاوت کی تعریف' مساکین کو کھانا کھلانے پر زور اور ان لوگوں پر تنقید جو دولت مند ہونے کے باوجود کٹھور دل ہیں۔ اِن سورتوں کا ایک خاص اور اہم مضمون سابقہ قوموں اور رسولوں کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں اس سلسلے میں جو فلسفہ بار بار بیان ہوا ہے اس کا ذکر ان سطور میں ''التذکیر بِاَیّامِ اللہ'' کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کا انکار کرنے والی قوم کو ہمیشہ عذابِ استیصال سے دوچار ہونا پڑتا رہا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا:

﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ (الانعام:۴۵) ''پس جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی ظالم قوم کی۔''

دوسری طرف مدنی سورتوں میں زیادہ تر خطاب یا تو مسلمانوں سے بحیثیت اُمتِ مُسلمہ ہے یا پھر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے بحیثیت سابقہ اُمتِ مُسلمہ' دعوت کے انداز میں بھی اور ملامت کے طور پر بھی' ترغیب سے بھی اور ترہیب سے بھی۔ ان سورتوں میں نفاق اور منافقین کا ذکر کثرت سے ہے۔ اوس اور خزرج کے جو لوگ مدینہ میں آباد تھے وہ اگرچہ تھے تو عرب ہی' لیکن یہودیوں کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے اُن کا مزاج اور کردار بدل چکا تھا۔ جو اخلاقی خرابیاں کسی بگڑی ہوئی مسلمان اُمت میں ہوتی ہیں' وہ یہودِ مدینہ میں بتمام و کمال موجود تھیں۔ چنانچہ ان کے زیر اثر اوس و خزرج کے لوگوں میں بھی اخلاق و کردار کی ویسی ہی کمزوریاں کسی نہ کسی درجے میں پائی جاتی تھیں اور اسی وجہ سے مدینہ میں منافقین کا باقاعدہ ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ منافقین اور منافقت کا ذکر مدنی سورتوں میں ایک مستقل مضمون کے طور پر آیا ہے۔ مدنی سورتوں کا اہم ترین مضمون احکامِ شریعت یعنی جائز و ناجائز' فرائض' واجبات' اوامر و نواہی وغیرہ کی تفاصیل پر مبنی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے مکی سورتوں کے مضامین کی ایک اور تقسیم کا ذکر کرنا بھی یہاں ضروری محسوس ہوتا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کے جن سات گروپوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے دوسرے اور تیسرے گروپ میں جو مکی سورتیں (سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف اور سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک مسلسل چودہ سورتیں) شامل ہیں ان میں ایمانیات میں سے زیادہ زور رسالت پر ہے' درمیانی دو گروپس کی سورتوں میں زیادہ زور توحید پر ہے' جبکہ آخری دو گروپوں میں شامل مکی سورتوں میں زیادہ زور آخرت (بعث بعد الموت' جزا و سزا' جنّت اور جہنّم) پر ہے۔

آیات ۱ تا ۱۱

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا: ١٦٥ رُكُوْعَاتُهَا: ٢٠

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝١ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣ وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ ع قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١

آیت ۱ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ﴾ ”کُل تعریف اور تمام شکر اُس اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی اور بنایا اندھیروں اور اُجالے کو۔“

اس سورت کی ابتدائی آیت کے حوالے سے ایک خاص نکتہ یہ نوٹ کر لیجیے کہ قرآن مجید میں تقریباً سات سات پاروں کے وقفے سے ایک سورۃ ”اَلْحَمْدُ“ کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ سے ہوا ہے‘ پھر ساتویں پارے میں سورۃ الانعام ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۚ﴾ سے شروع ہو رہی ہے‘ اس کے بعد پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ۝١﴾ سے ہو رہا ہے‘ پھر بائیسویں پارے میں اکٹھی دو سورتیں (سورۂ سبا اور سورۂ فاطر) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سے شروع ہوتی ہیں۔ اس طرح تقریباً ایک جیسے وقفوں سے سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف سے ہوتا ہے۔

یہاں دوسرا نکتہ نوٹ کرنے کا یہ ہے کہ اس آیت میں خَلَقَ اور جَعَلَ دو ایک جیسے اَفعال مادّی اور غیر مادّی تخلیق کا فرق واضح کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ آسمان اور زمین چونکہ مادّی حقیقتیں ہیں لہٰذا ان کے لیے لفظ خَلَقَ آیا ہے‘ لیکن اندھیرا اور اُجالا اس طرح کی مادّی چیزیں نہیں ہیں (بلکہ اندھیرا تو کوئی چیز یا حقیقت ہے ہی نہیں‘ کسی جگہ یا کسی وقت میں نور کے نہ ہونے کا نام اندھیرا

ہے)' اس لیے ان کے لیے الگ فعل جَعَلَ استعمال ہوا ہے کہ اُس نے ان دونوں کو ٹھہرا دیا' بنا دیا' نمایاں کر دیا' جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ اُجالا ہے اور یہ اندھیرا ہے۔

﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱﴾ ''پھر بھی وہ لوگ جو اپنے ربّ کا کفر کرتے ہیں اُس کے برابر کیے دیتے ہیں (جھوٹے معبودوں کو)۔''

یعنی يَعْدِلُوْنَ بِهٖ شُرَكَاءَهُمْ کہ وہ ان نام نہاد معبودوں کو اللہ کے برابر کر دیتے ہیں' جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات یا حقوق میں شریک سمجھا ہوا ہے' حالانکہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے' ظلمات اور نور کا بنانے والا بھی تنہا اللہ تعالیٰ ہی ہے' لیکن پھر بھی ان لوگوں کے حال پر تعجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہراتے ہیں۔

شرک کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ شرک صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی مورتی ہی سامنے رکھ کر اس کو سجدہ کیا جائے' بلکہ اور بہت سی باتیں اور بہت سے نظریات بھی شرک کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو ہر دور میں بھیس بدل بدل کر آتی ہے' چنانچہ اسے پہچاننے کے لیے بہت وسعتِ نظری کی ضرورت ہے۔ مثلاً آج کے دور کا ایک بہت بڑا شرک نظریۂ وطنیت ہے' جسے علامہ اقبال نے سب سے بڑا بُت قرار دیا ہے ع ''اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے!'' یہ شرک کی وہ قسم ہے جس سے ہمارے پرانے دور کے علماء بھی واقف نہیں تھے۔ اس لیے کہ اس انداز میں وطنیت کا نظریہ پہلے دنیا میں تھا ہی نہیں۔

شرک کے بارے میں ایک بہت سخت آیت ہم دو دفعہ سورۃ النساء (آیت ۴۸ اور ۱۱۶) میں پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اللہ تعالیٰ اِسے ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے' البتہ اس سے کمتر گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا''۔ اللہ تعالیٰ شرک سے کمتر گناہوں میں سے جو چاہے گا' جس کے لیے چاہے گا' بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا' البتہ شرک سے بھی اگر انسان تائب ہو جائے تو یہ بھی معاف ہو سکتا ہے۔ شرک اور توحید کے یہ مضامین حوامیم (وہ سورتیں جن کا آغاز حٰمٓ سے ہوتا ہے) میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔ ان سورتوں کے مطالعے کے دوران' ان شاء اللہ' توحیدِ عملی اور توحیدِ نظری کے بارے میں بھی بات ہو گی۔ حوامیم سورۃ الفرقان سے سورۃ الاحقاف تک مکّی سورتوں کے اس طویل سلسلے کا حصّہ ہیں جس میں شامل تمام سورتوں کا مرکزی مضمون توحید ہے۔ سورۂ یٰسٓ اس سلسلے کے اندر مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ بہرحال یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ جو حضرات شرک کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے موضوع پر میری تقاریر سماعت فرمائیں۔ (یہ چھ گھنٹوں کی تقاریر ہیں' جو اسی عنوان کے تحت اب کتابی شکل میں بھی دستیاب ہیں۔) بڑے بڑے جیّد علماء نے ان تقاریر کو پسند کیا ہے۔

آیت ۲ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں بنایا ہے گارے سے' پھر ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔''

یعنی ہر شخص جس کو اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے اُس کا اِس دنیا میں رہنے کا ایک وقتِ معیّن ہے۔ ''اجل'' سے مراد ہر انسان کی موت کا وقت ہے۔

﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲﴾ ''اور ایک اور معیّن وقت اُس کے پاس موجود ہے' پھر بھی تم شک کرتے ہو!''

یعنی ایک تو ہے انفرادی موت کا وقت' جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ))(۱) ''جس کو موت آ گئی اُس کی قیامت تو قائم ہوگئی''۔ جبکہ ایک اس دنیا کی اجتماعی موت کا مقررہ وقت ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے پاس رکھا ہے' کسی اور کو نہیں دیا۔

آیت ۳ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ''اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔''

ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں کا خدا کوئی اور ہو' زمین کا کوئی اور۔ ہاں فرشتوں کے مختلف طبقات ہیں۔ جیسے زمین کے فرشتے' فضا کے فرشتے اور آسمانوں کے فرشتے معیّن ہیں۔ پھر ہر آسمان کے الگ فرشتے ہیں۔ پھر ملائکہ مقرّبین ہیں۔ لیکن ذاتِ باری تعالیٰ تو ظاہر ہے ایک ہی ہے۔

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳﴾ ''وہ جانتا ہے تمہارا چھپا بھی اور تمہارا ظاہر بھی' اور وہ جانتا ہے جو کچھ (نیکی یا بدی) تم کماتے ہو۔''

آیت ۴ ﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴﴾ ''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے' مگر یہ اس سے اعراض کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔''

ہم نئی سے نئی سورتیں بھیج رہے ہیں' نئی سے نئی آیات نازل کر رہے ہیں' لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اعراض پر تُلے ہوئے ہیں۔

آیت ۵ ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ﴾ ''تو اب انہوں نے جھٹلا دیا ہے حق کو جبکہ ان کے پاس آ چکا ہے۔''

یہاں ''فَقَدْ كَذَّبُوْا'' کا انداز ملاحظہ کیجیے اور یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ یہ مکی دور کے آخری زمانے کی سورت ہے جبکہ حضور ﷺ کو دعوت دیتے ہوئے تقریباً بارہ برس ہو چکے تھے۔ مطلب یہ کہ اب تک بھی جو لوگ ایمان نہیں لائے' وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر پورے طور سے جم چکے ہیں۔

﴿فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵﴾ ''تو اب جلد ہی ان کے پاس آجائیں گی اُس چیز کی خبریں جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

مشرکینِ مکہ مذاق اڑاتے تھے کہ عذاب کی دھمکیاں سنتے سنتے ہمیں بارہ سال ہو گئے ہیں' لیکن اب تک کوئی عذاب نہیں آیا' لہٰذا یہ خالی دھونس ہے' صرف دھمکی ہے۔ اس طرح وہ لوگ اللہ کی آیات کا استہزا کرتے تھے۔ یہاں دوٹوک انداز میں واضح کیا جا رہا ہے کہ جن چیزوں کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے ان کی حقیقت عنقریب ان پر کھلنا شروع ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ اس گروپ کی پہلی دو مکی سورتیں (الانعام اور الاعراف) مشرکینِ عرب پر اتمامِ حجت کی سورتیں ہیں اور ان کے بعد دو مدنی سورتوں (الانفال اور التوبہ) میں ان لوگوں پر عذابِ موعود کا بیان ہے۔ یعنی ان لوگوں پر عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر میں آئی تھی' جس کا ذکر سورۃ الانفال میں آیا ہے اور اس عذاب کی آخری قسط کے بارے میں تفصیل سورۃ التوبہ میں بیان ہوئی ہے۔ اسی مناسبت سے دو مکی اور دو مدنی سورتوں پر مشتمل یہ ایک گروپ بن گیا ہے۔

۱۔ تخریج الکشاف للزیلعی: ۴۳۶/۱۔ وتخریج الاحیاء للعراقی: ۷۹/۴۔ وسلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی: ۱۱۶۶۔ راوی: انس بن مالک ؓ۔ اسنادہٗ ضعیف۔

آیت ۶ ﴿اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہم نے زمین میں ایسا تمکن عطا فرمایا تھا جیسا تمہیں عطا نہیں کیا ہے''

اے قومِ قریش! ذرا قومِ عاد کی شان و شوکت کا تصور کرو! وہ لوگ اسی جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے۔ اُس قوم کی عظمت کے قصے ابھی تک تمہیں یاد ہیں۔ قومِ ثمود بھی بڑی طاقتور قوم تھی' اپنے علاقے میں ان کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ایسے عالی شان محل بناتے تھے کہ تم لوگ آج اس اہلیت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ہو۔ ہم نے ان قوموں کو زمین میں وہ قوت و سطوت دے رکھی تھی جو تمہیں نہیں دی ہے۔ تو جب ہم نے ایسی عظیم الشان اقوام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تو تمہاری کیا حیثیت ہے؟

﴿وَّاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ ''اور ہم نے ان پر آسمان (سے مینہ) برسایا موسلا دھار اور ہم نے نہریں بہا دیں ان کے نیچے''

ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور انہیں خوشحالی عطا کی۔ بارش کا پانی برکت والا (مَآءً مُّبٰرَكًا) ہوتا ہے جس سے زمین کی روئیدگی خوب بڑھتی ہے اور پھلوں' اناج وغیرہ کی بہتات ہوتی ہے۔

﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝۶﴾ ''پھر ان کو بھی ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم کو اُٹھا کھڑا کیا۔''

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق بڑی بڑی طاقتور اقوام تباہ کر دی گئیں تو تم کس کھیت کی مولی ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟

اگلی آیت سے اس سورۂ مبارکہ کے مرکزی مضمون کا آغاز ہو رہا ہے۔ جس دور میں یہ سورتیں (الانعام اور الاعراف) نازل ہوئی تھیں اُس دور میں حضور ﷺ پر قریشِ مکہ کا شدید دباؤ تھا کہ اگر آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور ہم سے اپنی رسالت منوانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی حسی معجزہ دکھایئے' مُردوں کو زندہ کیجیے' آسمان پر چڑھ کر دکھایئے' مکہ میں کوئی باغ بنا دیجیے' کوئی نیا چشمہ نکال دیجیے' سونے چاندی کا کوئی محل بنا دیجیے' آسمان سے کتاب لے کر آپؐ کو اترتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں' وغیرہ۔ ان کی طرف سے اس طرح کے تقاضے روز بروز زور پکڑتے جا رہے تھے اور عوام الناس میں یہ سوچ پختہ ہوتی جا رہی تھی کہ ہمارے سرداروں کے یہ مطالبات ٹھیک ہی تو ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو کیسے کیسے معجزے دکھائے تھے! اگر محمد (ﷺ) بھی نبوت کے دعوے دار ہیں تو آپؐ ویسے معجزات کیوں نہیں دکھاتے؟ جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ اب کوئی حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ سب سے بڑا معجزہ قرآن نازل کر دیا گیا ہے۔ جو شخص حق کا طالب ہے اس کے لیے اس میں ہدایت موجود ہے ـــــ ان حالات میں حضور ﷺ کی جانِ مبارک گویا چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئی تھی۔ یہ اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہے۔ آگے چل کر جب یہ موضوع اپنے نقطۂ عروج (climax) کو پہنچتا ہے تو اسے پڑھتے ہوئے واقعتاً رونگٹے کھڑے ہو جانے والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

آیت ۷ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ﴾ ''اور اگر ہم نے اُتار (بھی) دی ان پر کوئی کتاب جو کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو' پھر وہ اسے چھو بھی لیں اپنے ہاتھوں سے''

﴿لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷﴾ ''تب بھی یہ کافر یہی کہیں گے کہ یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔''

یہ لوگ ایسے معجزات کو دیکھ کر بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر جادو کا اثر ہو گیا ہے' یا یہ کہ ہماری نظر بند کر دی گئی ہے۔ جو نہ ماننے کا تہیہ کر چکا ہو وہ صریح معجزات کو دیکھ کر بھی نہیں مانے گا۔ البتہ اگر ہم ان کے مطالبے پر کوئی ایسا معجزہ دکھا دیں گے تو ان کی مہلت ختم ہو جائے گی اور پھر اس کے بعد ان پر فوراً عذاب آ جائے گا۔ ابھی ہماری رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں مزید مہلت دی جائے۔ گویا ابھی اس دودھ کو مزید بلویا جانا مقصود ہے' شاید کہ اس میں سے کچھ مزید مکھن نکل آئے۔ اس لیے حسی معجزہ نہیں دکھایا جا رہا۔

آیت ۸ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اُترا ان پر (علانیہ) کوئی فرشتہ؟ اور اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو پھر فیصلہ ہی چکا دیا جاتا' پھر انہیں کوئی مہلت نہ ملتی۔''

یعنی اس دنیا کی زندگی میں انسان کو جو امتحان درپیش ہے اس کا تعلق پردۂ غیب سے ہے۔ اگر غیب کا پردہ اٹھ جائے تو پھر امتحان ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد تو پھر نتیجے کا اعلان کرنا ہی باقی رہ جاتا ہے۔

آیت ۹ ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹﴾ ''اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تب بھی آدمی ہی کی شکل میں بناتے اور انہیں ہم اُسی شبہ میں ڈال دیتے جس شبہ میں یہ اب مبتلا ہیں۔''

اگر محمد رسول اللہ (ﷺ) کے بجائے کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجا جاتا تو ظاہر ہے انسانوں کے درمیان اسے بھی ہم انسانی شکل میں ہی بھیجتے۔ اس طرح جو التباس انہیں اس وقت ہو رہا ہے وہی التباس انہیں فرشتے کی صورت میں بھی ہو جاتا۔ ہاں اگر فرشتوں میں ہمیں رسول بھیجنا ہوتا تو ضرور ہم کوئی فرشتہ ہی بھیجتے۔ حدیثِ جبریلؑ کے حوالے سے ہمیں معلوم ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے' اور یوں پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی پتا نہ چلا کہ یہ جبرائیلؑ ہیں' وہ انہیں انسان ہی سمجھتے رہے۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا (اسی طریقے سے) مذاق اڑایا گیا''

ان الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کو گویا تسلی دی جا رہی ہے کہ آپؐ دل گرفتہ نہ ہوں' یہ ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا۔ آپؐ سے پہلے بھی انبیاء و رُسل علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ان کی قومیں اسی طرح غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک ایسا سب کچھ جھیلتے رہے۔ سورۃ الاحقاف (آیت ۹) میں یہی بات حضور ﷺ کی زبان سے کہلوائی گئی ہے: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ یعنی اے نبی ﷺ! آپ انہیں کہہ دیجیے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں۔

﴿فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰﴾ ''پھر گھیر لیا ان لوگوں میں سے ان کو جو مذاق اڑاتے تھے اُسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''

(اے نبی ﷺ!) اگرچہ آپ کی خواہش ہے کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تاکہ ان کی زبانیں بند ہو جائیں' لیکن ہم ابھی

ایسا نہیں چاہتے' اس لیے کہ ابھی ان کی مہلت کا وقت ختم نہیں ہوا۔ یعنی یہ سارا معاملہ وقت کے تعین کا ہے' یہاں time factor ہی اہم ہے' جس کا فیصلہ ہماری مشیت کے مطابق ہونا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ گھومو پھرو زمین میں پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

تمہارے اس جزیرہ نمائے عرب میں ہی قومِ عاد اور قومِ ثمود آباد تھیں۔ اور جب تم شام کی طرف سفر کرتے ہو تو وہاں راستے میں قومِ مدین کے مسکن بھی دیکھتے ہو اور قومِ لوط کے شہروں کے آثار بھی۔ یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو' پھر تم ان قوموں کے انجام سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟

آیات ۱۲ تا ۲۰

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۱۶ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۸ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ ع ۲

آیت ۱۲ ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ﴾ ''ان سے پوچھیے کس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں؟ کہہ دیجیے اللہ ہی کا ہے!''

دراصل یہ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ مشرکینِ مکہ بھی اس کائنات کا مالک اور خالق اللہ ہی کو مانتے تھے۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ لات' منات' عُزّیٰ اور ہُبل نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ وہ ایسے احمق نہیں تھے' بلکہ اپنے ان معبودوں کے بارے میں اُن کا ایمان یہ تھا: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ (یونس:۱۸) کہ یہ اللہ کی جناب میں ہماری شفاعت کریں گے۔ آیت زیر مطالعہ کا یہ مضمون سورۃ العنکبوت (آیت ۶۱) میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمان اور زمین کس نے بنائے ہیں اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ تو یہ لازماً کہیں گے کہ اللہ نے!'' چنانچہ وہ لوگ کائنات کی تخلیق کو اللہ ہی کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس کا مالک بھی اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ البتہ ان کا شرکیہ عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے بڑے چہیتے اور لاڈلے ہیں' اللہ کے ہاں ان کے بڑے اونچے مراتب ہیں' یہ ہمیں اللہ کی پکڑ سے چھڑوالیں گے۔

﴿کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ ؕ﴾ ''اُس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

یہ لزوم اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر کیا ہے' ہم اُس پر کوئی شے لازم قرار نہیں دے سکتے۔

﴿لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ ؕ﴾ ''وہ تمہیں لازماً جمع کر کے لے جائے گا قیامت کے دن کی طرف جس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

یہاں ایک غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قیامت کا دن تو بڑا سخت ہوگا' جس میں احتساب ہوگا' سزا ملے گی۔ پھر یہاں پر رحمت کے لزوم کا ذکر کس حوالے سے آیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رحمت کا ظہور قیامت کے دن خاص اہلِ ایمان کے لیے ہوگا۔ اس لحاظ سے ان الفاظ میں دراصل خوشخبری ہے انبیاء و رُسل علیہم السلام کے لیے' صِدِّیقین' شہداء اور صالحین کے لیے' اور جملہ مخلص اہلِ ایمان کے لیے' کہ جو سختیاں اور مصیبتیں تم لوگ اپنی دنیوی زندگی میں برداشت کر رہے ہو' ان کا بدلہ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہاری منتظر ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری خدمات کا تمہیں بھرپور صلہ ملے گا' تمہاری سرفروشیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرِ محشر قدر افزائی کا اعلان ہوگا۔ اس لیے تمہیں یہ خیال نہ آنے پائے کہ ہم تو اپنا سب کچھ اللہ کے لیے لٹا بیٹھے ہیں' پتا نہیں وہ دن آئے گا بھی یا نہیں' پتا نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہماری ملاقات ہوگی بھی یا نہیں' معلوم نہیں یہ سب کچھ واقعی حق ہے بھی یا نہیں! تو اے میرے بندو! ان وسوسوں کو اپنے دل و دماغ سے دور رکھو اور خوشخبری سنو: ﴿کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ ؕ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ ؕ﴾

﴿اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَہُمْ فَہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''جو لوگ اپنے آپ کو خسارے میں ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں وہی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔''

آیت ۱۳ ﴿وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّہَارِ ؕ وَہُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور اُسی کا ہے جو کچھ ساکن ہو جاتا ہے رات میں اور (متحرک ہو جاتا ہے) دن کے وقت۔ اور وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

یہاں سَکَنَ کے مقابل لفظ تَحَرَّکَ محذوف ہے۔ ایسے مقابل کے الفاظ کو عام طور پر قرآن مجید میں حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے یا سننے والا خود سمجھے۔ جیسے یہاں رات کے ساتھ سکون کا لفظ آیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دن کا ذکر کر دیا گیا ہے' جبکہ دِن کا وقت سکون کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا آیت کا اصل مفہوم یوں واضح ہوتا ہے: وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَمَا تَحَرَّکَ فِی النَّہَارِ ''اور اُسی کا ہے جو کچھ رات کے وقت سکون پکڑتا ہے اور دن کے وقت متحرک ہو جاتا ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''ان سے کہیے: کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا ولی بنا لوں' جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟''

تم بھی مانتے ہو کہ زمین و آسمان اور پوری کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے' تو ایسے خالق' مالک' مولا اور کارساز کو چھوڑ کر کیا میں کسی اور کو اپنا ولی اور حمایتی بنالوں؟ یہ تو بڑی حماقت کی بات ہے' بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔

﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾ ''اور وہ کھانا کھلاتا ہے اُسے کھلایا نہیں جاتا۔''

تم بتوں کے سامنے نذریں اور حلوے مانڈے پیش کرتے ہو لیکن اللہ کو تو ایسی چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو پوری مخلوق کا ربّ ہے سب کو کھلاتا ہے سب کا رازق ہے۔

﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ڈنکے کی چوٹ) کہہ دیجیے مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلا فرمانبردار میں خود بنوں''

﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴﴾ ''اور تم ہرگز نہ ہونا مشرکین میں سے۔''

آیت ۱۵ ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵﴾ ''کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے خوف ہے ایک بڑے (ہولناک) دن کے عذاب کا۔''

میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ جیسے میں آپ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی ترغیب دے رہا ہوں' ویسے ہی مجھے بھی اللہ کی بندگی کرنی ہے۔ مجھے کوئی استثناء حاصل نہیں ہے۔ جیسے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو' ویسے ہی مجھ پر اس کی فرمانبرداری فرض ہے۔ اور جیسے میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اگر اللہ کی نافرمانی کرو گے تو پکڑے جاؤ گے' ایسے ہی میں بھی اگر بالفرض اس کی نافرمانی کروں گا تو مجھے بھی اللہ کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ان آیات میں بہت اہم نکات بیان ہوئے ہیں' ان پر بہت غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

آیت ۱۶ ﴿مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۱۶﴾ ''جو شخص اُس دن اس (عذاب) سے دُور رکھا گیا تو اُس پر اللہ کی بڑی رحمت ہوگئی' اور یہی ہوگی واضح کامیابی۔''

دُنیا کی بڑی سے بڑی کامیابیاں اُس دن کی کامیابی کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس کامیابی کے سامنے دُنیوی دولت' وجاہت' عزّت' شہرت' اقتدار وغیرہ ساری چیزیں عارضی اور فانی ہیں۔ اصل الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ تو آخرت کی کامیابی ہی ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ ''اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے پہنچادی جائے کوئی تکلیف تو کوئی نہیں ہے اس کا دور کرنے والا سوائے اُس کے۔''

یہ توحید کا بیان ہے۔ تکلیف میں پکارو تو اُسی کو پکارو' کسی اور کو نہ پکارو۔ ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (القصص:۸۸)۔ وہی مشکل کشا ہے' وہی حاجت روا ہے اور وہی تمہاری تکلیفوں کو رفع کرنے والا ہے۔

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷﴾ ''اور اگر اُس کی طرف سے کوئی خیر تمہیں پہنچادی جائے تو یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

کوئی اُس کا ہاتھ روکنے والا نہیں ہے۔ اسے اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے کسی اور سے منظوری لینے کی حاجت نہیں۔ وہ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔

آیت ۱۸ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۸﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح سے غالب ہے' اور وہ ہے کمال حکمت والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا۔''

وہ زور آور ہے' اس کا اقتدار پوری کائنات پر محیط ہے' اس کی مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کے قابو سے باہر نہیں ہے۔

آیت ۱۹ ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۙ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے کونسی چیز ہے جو گواہی میں سب سے بڑی ہے؟ (پھر خود ہی) کہیے کہ اللہ (کی گواہی سب سے بڑی ہے)! وہ میرے اور تمہارے مابین گواہ ہے۔''

﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ ''اور میری جانب یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں بھی خبردار کردوں اس کے ذریعے سے اور اُس کو بھی جس تک یہ پہنچ جائے۔''

یہ گویا اس سورۃ کے عمود یعنی مرکزی مضمون کا عکس ہے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس سورۃ کا عمود یہ مضمون ہے کہ مشرکین کے مطالبے پر کسی قسم کا حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ پر جو قرآن نازل کیا ہے آپ کا اصل معجزہ یہی ہے۔ آپ تبشیر' انذار اور تذکیر کے فرائض اسی قرآن کے ذریعے سے سرانجام دیں۔ جس کے اندر صلاحیت ہے اور جو ہدایت چاہتا ہے' وہ ہدایت پالے گا۔ لیکن جس کے دل میں کجی' تعصب' ہٹ دھرمی' حسد اور تکبر ہے' آپؐ اس کو دس لاکھ معجزے دکھا دیجیے وہ نہیں مانے گا۔ کیا علماءِ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر آپؑ پر ایمان لے آئے تھے؟ آپؑ گارے سے پرندے کی شکل بنا کر پھونک مارتے اور وہ اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا۔ یہ احیائے موتٰی اور خلقِ حیات تو وہ چیزیں ہیں جو بالخصوص اللہ تعالیٰ کے اپنے (exclusive) اَفعال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ایسی نشانیاں بھی ظاہر کر دیں' لیکن ایسے عظیم الشان معجزات دیکھ کر بھی علماءِ یہود ایمان نہ لائے' لہٰذا ہم ان کے مطالبے پر ایسا کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے۔ البتہ آپ (ﷺ) محنت اور کوشش جاری رکھئے' دعوت و تبلیغ کرتے جائیے۔

یہاں لفظ بِهٖ خاص طور پر لائقِ توجہ ہے۔ فرمایا کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کردوں تمہیں اس کے ذریعے سے (بِهٖ)۔ یعنی میرا انذار قرآن کے ذریعے سے ہے۔ مزید فرمایا: ﴿وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ ''اور جس تک یہ پہنچ جائے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں قرآن کو تم لوگوں تک پہنچا رہا ہوں' اس کے بعد جو اُمت بنے گی وہ آگے پہنچائے گی۔ جس تک یہ قرآن پہنچ گیا اُس تک گویا رسول اللہ ﷺ کا انذار پہنچ گیا' اس طرح یہ سلسلہ تا قیامت چلے گا' کیونکہ حضور ﷺ صرف اپنے زمانے کے لیے رسول بن کر نہیں آئے تھے۔ یہ آپ ﷺ ہی کی رسالت کا دور چل رہا ہے۔ جو انسان بھی قیامت تک دنیا میں آئے گا وہ آپ ﷺ کی اُمتِ دعوت میں شامل ہوگا' اُس تک قرآن کا پیغام پہنچانا اُمتِ محمد ﷺ کے ذمہ ہے۔

اب اگلی آیت میں آ رہا ہے ایک متجسسانہ سوال (searching question)۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا' جب آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا مخالف جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اپنے دل کے یقین سے نہیں کہہ رہا ہے' بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر کہہ رہا ہے' تو پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر متجسسانہ (searching) انداز میں اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ یہی انداز یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ﴾ ''کیا واقعی تم لوگ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور بھی الٰہ ہیں؟''

﴿قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے (اگر تم یہ گواہی دیتے بھی ہو تو) مَیں اس کی گواہی نہیں دے سکتا۔''

تم ایسا کہو تو کہو' لیکن میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ایسی خلافِ عقل اور خلافِ فطرت بات کہوں۔

﴿قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''کہہ دیجیے وہ تو بس ایک ہی الٰہ ہے اور مَیں بَری ہوں ان

تمام چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔''

اب اگلی آیت میں یہودیوں کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ یہ سورۃ مکی دور کے آخری سالوں میں نازل ہوئی۔ اس وقت تک مدینہ میں یہ خبریں پہنچ چکی تھیں کہ مکہ کے اندر ایک نئی دعوت بڑے زور وشور اور شد و مد کے ساتھ اُٹھ رہی ہے۔ چنانچہ مدینہ کے یہودیوں کی طرف سے سکھائے ہوئے سوالات مکہ کے لوگ حضور ﷺ سے اکثر امتحاناً پوچھا کرتے تھے۔ مثلاً آپ بتائیے کہ ذوالقرنین کون تھا؟ اگر آپ نبی ہیں تو بتائیے کہ اصحابِ کہف کا قصہ کیا تھا؟ اور یہ کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ ان سوالات اور ان کے جوابات کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں آئے گا۔ مدینہ کے یہودیوں تک اُن کے سوالات کے جوابات سے متعلق بھی تمام خبریں پہنچ چکی تھیں اور ان کے سمجھ دار اور اہلِ علم لوگ سمجھ چکے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ مگر یہ لوگ یہ سب کچھ سمجھنے اور جان لینے کے باوجود بھی ایمان سے محروم رہ گئے۔

آیت ۲۰ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ﴾ ''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی تھی' پہچانتے ہیں اس کو جیسا کہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔''

یَعْرِفُوْنَهٗ کی ضمیر مفعولی دونوں طرف جا سکتی ہے' قرآن کی طرف بھی اور حضور ﷺ کی طرف بھی۔ البتہ اس سے قبل یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ قرآن اور رسول ﷺ مل کر ہی ''بَیِّنَہ'' بنتے ہیں' یہ دونوں ایک وحدت اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ حضور ﷺ خود قرآنِ مجسم ہیں۔ قرآن اگر ایک انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کا جامہ پہن لے تو وہ محمد ﷺ کی شخصیت ہوگی۔ جیسا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: '' كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ ''(۲) یعنی حضور ﷺ کی سیرت قرآن ہی تو ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰﴾ ''(البتہ) جو لوگ اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تُل گئے ہیں تو وہی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔''

آیات ۲۱ تا ۳۰

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱ وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝۲۳ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝۲۴ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۲۵ وَ هُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ یَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا

۲۔ مسند احمد' ح ۲۳۴۶۰' ۲۴۱۳۹۔ ۲۴۶۲۹۔

يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾

آیت ﴿٢١﴾ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾﴾ ''اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر کوئی جھوٹی تہمت لگائی یا اُس کی آیات کو جھٹلایا۔ یقیناً ایسے ظالم (کبھی) فلاح نہیں پا سکتے۔''

یعنی یہ دو عظیم ترین جرائم شناعت میں باہم برابر ہیں' اللہ کی آیات کو جھٹلانا یا کوئی جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دینا۔

آیت ﴿٢٢﴾ ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾﴾ ''اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان سے جنہوں نے شرک کیا تھا: کہاں ہیں تمہارے وہ شرکاء جن کا تمہیں گھمنڈ ہو گیا تھا؟''

تمہارا گمان تھا کہ وہ تمہیں ہماری پکڑ سے بچا لیں گے۔ اب وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے؟

آیت ﴿٢٣﴾ ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾﴾ ''پھر نہیں ہوگی ان کی کوئی اور چال سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے کہ اللہ کی قسم جو ہمارا ربّ ہے ہم مشرک نہیں تھے۔''

آیت ﴿٢٤﴾ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ ''دیکھو کیسے وہ جھوٹ بولیں گے اپنے اوپر اور جو افترا انہوں نے کیا ہوا تھا وہ سب ان سے گم ہو جائے گا۔''

عذاب کو دیکھ کر اس وقت ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں گے اور ان کے یہ دعوے کہ فلاں دیوی انہیں بچا لے گی اور فلاں دیوتا ان کی سفارش کرے گا' سب نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔

آیت ﴿٢٥﴾ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کی بات کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔''

مکّہ میں قریش کے سرداروں کے لیے جب عوام کو ایمان لانے سے روکنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے بھی علماء یہود کی طرح ایک ترکیب نکالی۔ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ آ کر حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے اور بڑے انہماک سے کان لگا کر آپؐ کی باتیں سنتے۔ وہ یہ ظاہر کرتے کہ ہم سب کچھ بڑی توجہ سے سن رہے ہیں' تاکہ عام لوگ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ واقعی ہمارے ذی فہم سردار یہ باتیں سننے' سمجھنے اور ماننے میں سنجیدہ ہیں' مگر پھر بعد میں عوام میں آ کر ان باتوں کو رد کر دیتے۔ عام لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ ان کی ایک چال تھی' تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ ہمارے یہ سردار سمجھدار اور ذہین ہیں' یہ لوگ شوق سے محمد (ﷺ) کی محفل میں جاتے ہیں اور پورے انہماک سے ان کی باتیں سنتے ہیں' پھر اگر یہ لوگ اس دعوت کو سننے اور سمجھنے کے بعد رد کر رہے ہیں تو آخر اس کی کوئی علمی اور عقلی وجوہات تو ہوں گی۔ لہٰذا آیت زیرِ نظر میں ان کی اس سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے نبی (ﷺ) ان میں سے کچھ لوگ آپ کے

پاس آتے ہیں اور آپ کی باتیں بظاہر بڑی توجہ سے کان لگا کر سنتے ہیں۔

﴿وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ﴾ ''حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ ان کو سمجھ نہیں سکتے اور ان کے کانوں کے اندر ہم نے ثقل پیدا کر دیا ہے۔ اور اگر یہ ساری نشانیاں (جو یہ مانگ رہے ہیں) بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

اللہ نے ان کے دلوں اور دماغوں پر یہ پردے کیوں ڈال دیے؟ یہ سب کچھ اللہ کی اس سُنّت کے مطابق ہے کہ جب نبی کے مخاطبین اس کی دعوت کے مقابلے میں حسد، تکبّر اور تعصّب دکھاتے ہوئے اپنی ضد پر اَڑے رہتے ہیں تو ان کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۷) میں فرمایا گیا: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰي سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓي اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠﴾ ''اللہ نے مہر کر دی ہے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ چکا ہے''۔ لہٰذا ان کا بظاہر توجہ سے نبی ﷺ کی باتوں کو سننا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵﴾ ''یہاں تک کہ (اے نبی ﷺ) جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا (اور مناظرہ) کرتے ہیں (اور) کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن جو آپ سنا رہے ہیں) کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

یعنی یہ جو کچھ آپ (ﷺ) ہمیں سنا رہے ہیں یہ پرانی باتیں اور پرانے قصے ہیں، جو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہودیوں اور نصرانیوں سے سن رکھے ہیں۔

آیت ۲۶ ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ﴾ ''اور وہ اس سے روکتے بھی ہیں اور خود بھی رُک جاتے ہیں۔''

اس جملے میں لفظی اور معنوی اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے دو افعال استعمال ہوئے ہیں، ایک کا مادہ 'ن ھ ی' ہے اور دوسرے کا 'ن ء ی' ہے۔ نَھٰی یَنْھٰی (روکنا) تو معروف فعل ہے اور ''نہی'' کا لفظ اردو میں بھی عام استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ﴿يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ کے معنی ہیں ''وہ روکتے ہیں اس سے''۔ کس کو روکتے ہیں؟ اپنے عوام کو۔ ان کی لیڈری اور سرداری عوام کے بَل پر ہی تو ہے۔ عوام برگشتہ ہو جائیں گے تو اُن کی لیڈری کہاں رہے گی۔ عوام کو اپنے قابو میں کرنا اور ان کی عقل اور سمجھ پر اپنا تسلّط قائم رکھنا ایسے نام نہاد لیڈروں کے لیے انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو وہ اپنے عوام کو راہِ ہدایت اختیار کرنے سے روکتے ہیں اور دوسری طرف وہ خود اس سے گریز اور پہلوتہی کرتے ہیں۔ نَاٰی یَنْاٰی نَأْیًا کا مفہوم ہے دور ہونا، کنی کترانا، جیسے سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۸۳) میں فرمایا: ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَي الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ ''اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور پہلوتہی کرتا ہے''۔ چنانچہ ﴿يَنْــَٔوْنَ عَنْهُ﴾ کے معنی ہیں ''وہ اس سے گریز کرتے ہیں، کنی کتراتے ہیں۔''

﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶﴾ ''اور وہ نہیں ہلاک کر رہے کسی کو سوائے اپنے آپ کے، لیکن انہیں اس کا احساس نہیں ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾ ''اور کاش تم دیکھ پاتے جب یہ کھڑے کیے جائیں گے آگ کے کنارے پر تو یہ کہیں گے ہائے کاش! کسی طرح ہمیں لوٹا دیا جائے (تو ہم تصدیق کریں

گے)اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہیں جھٹلائیں گے‘‘

یہاں پر نُرَدُّ کے بعد فَنُصَدِّقُ محذوف مانا جائے گا‘ کہ اگر ہمیں لوٹا دیا جائے تو ہم تصدیق کریں گے اور اپنے ربّ کی آیات کو جھٹلائیں گے نہیں۔ کاش کسی نہ کسی طرح ایک دفعہ پھر ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔

﴿وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۷﴾ ’’اور ہم (پکے اور سچے) مؤمن بن جائیں گے۔‘‘

آیت ۲۸ ﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ’’بلکہ یہ تو ان پر وہی حقیقت ظاہر ہوئی ہے جو اس سے پہلے (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے تھے۔‘‘

ایسا نہیں تھا کہ انہیں حقیقت کا علم نہیں تھا۔ حق پہلے ہی ان پر واضح تھا‘ بات ان پر پوری طرح کھل چکی تھی‘ لیکن اس وقت ان پر حسد‘ بغض اور تکبّر کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۸﴾ ’’اور اگر (بالفرض) انہیں لوٹا بھی دیا جائے تو پھر وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا جا رہا تھا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔‘‘

دنیا میں جا کر پھر وہاں کے تقاضے سامنے آجائیں گے‘ دنیا کے مال و دولت اور اولاد کی محبت اور دوسری نفسانی خواہشات پھر انہیں گمراہی کے راستے پر ڈال دیں گی۔

آیت ۲۹ ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۲۹﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے مگر بس ہماری دنیا ہی کی زندگی اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کیے جائیں گے۔‘‘

جیسے آج کل کفر و الحاد کے مختلف shades ہیں‘ نزولِ قرآن کے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔ آج ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں جو اللہ کو تو مانتے ہیں‘ آخرت کو نہیں مانتے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور آخرت کو مانتے ہیں‘ لیکن رسالت کو نہیں مانتے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بالکل ملحد اور مادہ پرست ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ہم خود ہی پیدا ہوتے ہیں اور خود ہی اپنی طبعی موت مر جاتے ہیں‘ اور ہماری زندگی صرف یہی ہے‘ مرنے کے بعد اٹھنے والا کوئی معاملہ نہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے دور میں بھی کفر و شرک کے مختلف shades موجود تھے۔ قریش کے اکثر لوگ اور عرب کے بیشتر مشرکین اللہ کو مانتے تھے‘ آخرت کو مانتے تھے‘ بعث بعد الموت کو بھی مانتے تھے‘ لیکن اس کے ساتھ وہ دیوی دیوتاؤں کی سفارش اور شفاعت کے قائل تھے کہ قیامت کے دن ہمیں فلاں چھڑا لے گا‘ فلاں بچا لے گا‘ فلاں ہمارا حمایتی اور مددگار ہوگا۔ لیکن ایک طبقہ ان میں بھی ایسا تھا جو کہتا تھا کہ ہماری زندگی بس اسی دنیا کی حد تک ہے‘ اس کے بعد کوئی اور زندگی نہیں ہے۔ یہاں اس آیت میں انہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

آیت ۳۰ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ’’اور کاش کہ تم دیکھ سکتے جبکہ یہ کھڑے کیے جائیں گے اپنے ربّ کے سامنے۔ (اُس وقت) وہ پوچھے گا: کیا یہ حق نہیں ہے؟‘‘

﴿قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰﴾ ’’وہ کہیں گے: کیوں نہیں‘ ہمارے ربّ کی قسم (یہ حق ہے)! تو وہ کہے گا کہ اب مزا چکھو عذاب کا اپنے کفر کی پاداش میں۔‘‘

آیات ۳۱ تا ۴۱

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

آیت ۳۱ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''بڑے گھاٹے میں پڑ گئے وہ لوگ جو اللہ سے ملاقات کے انکاری ہیں۔'' وہ اس بات کو جھٹلا رہے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی پیشی' حاضری یا اللہ سے ملاقات ہوگی۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ''یہاں تک کہ جب آجائے گا ان پر وہ وقت اچانک''

ایک شخص کے لیے انفرادی طور پر تو السَّاعَة (گھڑی) سے مراد اُس کی موت کا وقت ہے' لیکن عام طور پر اس سے قیامت ہی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب ہے کہ جب قیامت اچانک آجائے گی۔

﴿قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾

''تو وہ کہیں گے ہائے افسوس ہماری اس کوتاہی پر جو اِس (قیامت) کے بارے میں ہم سے ہوئی' اور وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔ آگاہ ہو جاؤ' بہت بُرا بوجھ ہوگا جو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

جب قیامت حق بن کر سامنے آجائے گی تو ان کی حسرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ وہ اپنی پیٹھوں پر کفر' شرک اور گناہوں کے

بوجھ اٹھائے ہوئے میدانِ حشر میں پیش ہوں گے۔

آیت ۳۲ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ﴾ ''اور نہیں ہے دُنیا کی زندگی مگر کھیل اور کچھ جی بہلا لینا۔''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے' بلکہ تقابل میں ایسا کہا جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی محض لہو ولعب ہے۔ ایک شے ابدی ہے' ہمیشہ ہمیش کے لیے ہے اور ایک شے عارضی اور فانی ہے۔ ان دونوں کا آپس میں کیا مقابلہ؟ جیسے دعائے استخارہ میں الفاظ آئے ہیں: فَاِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ (اے اللہ! تو ہی سب کچھ جانتا ہے' میں کچھ نہیں جانتا)۔ ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کچھ بھی نہیں جانتا' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم کے مقابلے میں کسی دوسرے کا علم کچھ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح یہاں آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو لعب اور لہو قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ دنیا تو ایک اعتبار سے آخرت کی کھیتی ہے۔ ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ: ((اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ)) [۳] ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔ یہاں بوؤ گے تو وہاں کاٹو گے۔ اگر یہاں بوؤ گے نہیں تو وہاں کاٹو گے کیا؟ یہ تعلق ہے آپس میں دنیا اور آخرت کا۔ اس اعتبار سے دنیا ایک حقیقت ہے اور ایک امتحانی وقفہ ہے۔ لیکن جب آپ تقابل کریں گے دنیا اور آخرت کا تو دنیا اور اس کا مال ومتاع آخرت کی ابدیت اور اس کی شان وشوکت کے مقابلے میں گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔ دنیا کی زندگی تو محض تین گھنٹے کے ایک ڈرامہ کی مانند ہے جس میں کسی کو بادشاہ بنا دیا جاتا ہے اور کسی کو فقیر۔ جب ڈرامہ ختم ہوتا ہے تو نہ بادشاہ سلامت بادشاہ ہیں اور نہ فقیر فقیر ہے۔ ڈرامہ ہال سے باہر جا کر کپڑے تبدیل کیے اور سب کردار اپنی اصل حالت میں آ گئے۔ یہ ہے دنیا کی اصل حقیقت۔ اسی مفہوم میں اس آیت میں دنیا کو کھیل تماشا قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کریں' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

اب وہ مقام آ گیا ہے جسے میں نے اس سورۃ کے عمود کا ذروۂ سنام (climax) قرار دیا تھا۔ یہاں ترجمہ کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے' لیکن ہمیں ترجمانی کی کوشش تو بہرحال کرنی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپ غمگین ہوتے ہیں''

ہم جانتے ہیں کہ جو مطالبات یہ لوگ کر رہے ہیں اور آپؐ سے معجزات دکھانے کا تقاضا کر رہے ہیں اس سے آپؐ رنجیدہ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات گویا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئی ہے۔ ایک طرف اللہ کی مشیت ہے اور دوسری طرف ان لوگوں کے تقاضے۔ اب اس کا پہلا جواب تو یہ ہے:

﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳﴾ ''تو (اے نبی ﷺ! آپ صبر کیجیے) یقیناً

۳۔ اسے حافظ زین الدین العراقی نے ''تخریج الاحیاء'' (۲۴/۴) میں' علامہ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی نے ''المقاصد الحسنة'' (ح ۲۶۰) میں' ملا علی قاری نے ''الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة'' (ح ۲۰۶) میں اور علامہ زرقانی نے ''مختصر المقاصد'' (ح ۴۶۷) میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں محدثین کی آراء کا خلاصہ یہ ہے: قیل لا اصل له او باصله موضوع۔ (مرتب)

وہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے' بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی نشانیوں کا انکار کر رہے ہیں۔''

دراصل یہ لوگ قرآن کا انکار کر رہے ہیں' ہمارا انکار کر رہے ہیں۔ یہ سمجھانے اور دلجوئی کرنے کا بہت خوبصورت انداز ہے۔ کیا انہوں نے آپ کو کبھی جھوٹا کہا؟ نہیں کہا! آپ پر کوئی تہمت انہوں نے لگائی؟ نہیں لگائی! لہٰذا یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں' یہ آپ کی تکذیب نہیں ہو رہی' یہ ہماری تکذیب ہو رہی ہے' غصہ تو ہمیں آنا چاہیے' ناراض تو ہمیں ہونا چاہیے۔ قرآن ہمارا کلام ہے اور یہ لوگ ہمارے کلام کو جھٹلا رہے ہیں۔ آپ کا کام تو ہمارے کلام کو ان تک پہنچا دینا ہے۔ یہ سمجھانے کا ایسا انداز ہے' جیسے کوئی شفیق استاد اپنے شاگرد کو سمجھا رہا ہو۔

اب اگلی آیات میں یہ بات درجہ بدرجہ آگے بڑھے گی۔ لہٰذا ان آیات کو پڑھتے ہوئے یہ اصول ذہن میں ضرور رکھئے کہ اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی۔ اب اس ضمن میں دوسرا جواب ملاحظہ ہو:

آیت ۳۴ ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انہوں نے صبر کیا اس پر جو انہیں جھٹلایا گیا اور جو انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں' یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور (اے نبی ﷺ!) اللہ کے ان کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔''

ہمارا ایک قانون' ایک طریقہ اور ایک ضابطہ ہے' اس لیے آپ (ﷺ) کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ آپ کو جس منصب پر فائز کیا گیا ہے اس کے بارے میں ہم نے پہلے ہی بتا دیا تھا: ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵﴾ (المزمل) ''بے شک ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری بوجھ ڈالنے والے ہیں۔''

﴿وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴﴾ ''اور آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔''

آپ (ﷺ) تمام انبیاء و رسلؑ کے حالات و واقعات سے آگاہ ہیں۔ آپ (ﷺ) کے علم میں ہے کہ ہمارے بندے نوح (علیہ السلام) نے ساڑھے نو سو برس تک صبر کیا۔ اب اس کے بعد سخت ترین بات آ رہی ہے۔

آیت ۳۵ ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ﴾ ''اور اگر ان کا اعراض آپ پر بہت شاق گزر رہا ہے تو اگر آپ میں طاقت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ لگا لیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا لیں تو لے آئیں کوئی نشانی۔''

ہمارا تو فیصلہ اٹل ہے کہ ہم کوئی ایسا معجزہ نہیں دکھائیں گے' آپ لے آئیں جہاں سے لا سکتے ہیں۔ غور کیجیے کس انداز میں حضور ﷺ سے گفتگو ہو رہی ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا''

اگر اللہ چاہتا تو آنِ واحد میں سب کو صاحبِ ایمان اور نیک بنا دیتا۔ اس کے لیے تو ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵﴾ ''تو آپ جذبات سے مغلوب ہونے والوں میں سے نہ بنیں!''

اس معاملے میں آپ جذباتی نہ ہوں۔ یہی لفظ سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب میں آیا ہے۔ جب حضرت نوحؑ نے عرض کی کہ اے اللہ! میرا بیٹا میری نگاہوں کے سامنے غرق ہو گیا جب کہ تیرا وعدہ تھا کہ میرے اہل کو تو بچا لے گا: ﴿اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ

وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ (ہود: ۴۵) ''میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے''۔ تو اس کا جواب بھی بہت سخت تھا: ﴿اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝۴۶﴾ ''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ''۔ ذرا غور کریں' یہ اللہ کا وہ بندہ ہے جس نے ساڑھے نو سو برس تک اللہ کی چاکری کی' اللہ کے دین کی دعوت پھیلائی' اس میں محنت کی' مشقت کی اور ہر طرح کی مشکلات اٹھائیں۔ لیکن اللہ کی شان بہت بلند ہے' بہت بلند ہے' بہت بلند ہے! ظاہر ہے اگر سب انسانوں کو ہدایت پر لانا مقصود ہو تو اللہ کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ آنِ واحد میں سب کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مانند بنا دے' اور اگر وہ سب کو بگاڑنا چاہے تو آنِ واحد میں سب کے سب ابلیس بن جائیں۔ مگر اصل مقصود تو امتحان اور آزمائش ہے۔ لہٰذا جو حق کا طالب ہوگا اور جو حق پر چلنا چاہے گا' حق صرف اسی کو ملے گا۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ۝۳۶﴾ ''بات تو وہی قبول کریں گے جو (حقیقتاً) سنتے ہیں۔ رہے یہ مُردے تو اللہ ان کو اٹھائے گا' پھر وہ اُسی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔''

آیت ۳۷ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اُتار دی گئی اس پر کوئی نشانی اُس کے ربّ کی طرف سے؟''

ان کے پاس بس یہی ایک دلیل رہ گئی تھی کہ اگر محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو ان پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتار دی جاتی؟ اسی ایک حُجت پر انہوں نے ڈیرہ لگا لیا تھا۔ باقی ساری دلیلوں میں وہ مات کھا رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں حضور ﷺ کی طبیعت میں تنگی (ضیق) کی جو کیفیت پیدا ہو رہی تھی اس کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ جیسے سورۃ الحجر میں فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ۝۹۷﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ بھنچتا ہے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں۔''

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۳۷﴾ ''کہہ دو' اللہ قادر ہے کہ وہ کوئی (بڑی سے بڑی) نشانی اُتار دے' لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح کا معجزہ دکھانے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اس طرح ان کی مہلت ختم ہو جائے گی۔ یہ بدبخت لوگ جس موقف پر مورچہ لگا کر بیٹھ گئے ہیں اس کی حساسیت کا انہیں علم ہی نہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ معجزہ نہ دکھانا ان کے لیے ہماری رحمت کا مظہر ہے' اس لیے کہ ہم ابھی انہیں مزید مہلت دینا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ دودھ ابھی اور بلو یا جائے' شاید اس میں سے کچھ اور مکھن نکل آئے۔

آیت ۳۸ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ﴾ ''اور نہیں ہے زمین پر چلنے والا کوئی بھی جانور اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہے' مگر وہ بھی تمہاری ہی طرح کی اُمتیں ہیں۔''

انسانوں کی طرح جانوروں' پرندوں اور کیڑوں مکوڑوں کے بھی رہنے سہنے کے اپنے اپنے طور طریقے اور نظام ہیں' ان کے اپنے leaders ہوتے ہیں جن کے تحت وہ بہت منظم طور پر رہتے ہیں۔ یہ چیزیں آج کی سائنسی تحقیق سے ثابت شدہ ہیں۔ جیسے چیونٹیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے' جس کے ماتحت وہ منظم انداز میں رہتی اور کام وغیرہ کرتی ہیں۔ اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بھی ملکہ ہوتی ہے۔

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''ہم نے تو اپنی کتاب میں کسی شے کی کوئی کمی نہیں رکھی ہے' پھر یہ اپنے ربّ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

قرآن میں ہم نے ہر طرح کے دلائل دے دیے ہیں' ہر طرح کے شواہد پیش کر دیے ہیں' ہر طرح سے استشہاد کر دیا ہے۔ ان سب کو آخر کار ہمارے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں پر ہر ایک کو اپنے کیے کا پورا بدلہ مل جائے گا۔

آیت ۳۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں (اور) اندھیروں میں (بھٹک رہے) ہیں۔''

﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾﴾ ''جس کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر لے آتا ہے۔''

''اللہ گمراہ کر دیتا ہے'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اس کی گمراہی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دیتا ہے' اس کی گمراہی کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''ان سے کہیے' ذرا غور کرو' اگر تم پر (کسی وقت) اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو (اُس وقت) کیا تم سوائے اللہ کے کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو (تو ذرا جواب دو)!''

یہ بھی ایک مجتسسانہ (searching) سوال ہے۔ اس حوالے سے حقیقت یہ تھی کہ جب بھی کبھی کوئی مصیبت آتی' مثلاً سمندر میں سفر کے دوران کبھی طوفان آ جاتا' موت سامنے نظر آنے لگتی تو مشرکین کو لات' منات' عُزّیٰ' ہُبل وغیرہ میں سے کوئی بھی دوسرا خدا یاد نہ رہتا۔ ایسے مشکل وقت میں وہ صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ چنانچہ خود ان سے سوال کیا جا رہا ہے کہ ہر شخص ذرا اپنے دل سے پوچھے کہ آخر مصیبت کے وقت اسے ایک اللہ ہی کیوں یاد آتا ہے؟ کسی شخص میں شرافت کی کچھ بھی رمق موجود ہو تو اس طرح کے سوالات کے جواب میں اس کا دل ضرور گواہی دیتا ہے کہ ہاں بات تو ٹھیک ہے' واقعی مشکل وقت میں میری زبان پر بے اختیار ''اللہ'' ہی کا نام آتا ہے۔ گویا ایک اللہ کو ماننا اور اس پر ایمان رکھنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔

آیت ۴۱ ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''بلکہ (مصیبت کی گھڑی میں) تم اُسی کو پکارتے ہو' پھر اگر وہ چاہتا ہے تو جس تکلیف کے لیے تم اسے پکارتے ہو وہ دُور کر دیتا ہے اور (ایسے مواقع پر) تم بھول جاتے ہو اُن کو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔''

آیات ۴۲ تا ۵۰

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾
فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ
اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ
اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ
اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ
الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ
یَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ
لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا
یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

آیت ۴۲ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''اور ہم نے بھیجا ہے بہت سی اُمتوں کی طرف آپؐ سے قبل (رسولوں کو) ' پھر ہم نے پکڑا انہیں سختیوں اور تکلیفوں سے ' شاید کہ وہ عاجزی کریں۔''

یہاں رسولوں کی بعثت کے بارے میں ایک اہم قانون بیان ہو رہا ہے (واضح رہے کہ یہاں انبیاء نہیں بلکہ صرف رسول مراد ہیں) کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا جاتا تھا تو اس قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے عذاب آتے تھے' لیکن اگر وہ قوم اس کے باوجود بھی نہ سنبھلتی اور اپنے رسول پر ایمان نہ لاتی ' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی تھی ' تاکہ چند دن کی جو مہلت ہے اس میں وہ خوب دل کھول کر من مانیاں کر لیں۔ پھر اچانک اللہ کا بڑا عذاب ان کو آ پکڑتا تھا جس سے وہ قوم نیست و نابود کر دی جاتی تھی۔ یہ مضمون اصل میں سورۃ الاعراف کا عمود ہے اور وہاں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

آیت ۴۳ ﴿فَلَوْلَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب ہماری طرف سے کوئی سختی ان پر آئی تو وہ گڑگڑاتے ' لیکن ان کے دل تو سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے مزین کیے رکھا ان کے لیے ان اعمال کو جو وہ کر رہے تھے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار کی تنبیہات کے باوجود بھی وہ لوگ سوچنے ' سمجھنے اور اپنے رویّے پر نظر ثانی کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔

آیت ۴۴ ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ﴾ ''پھر جب انہوں نے بھلا دیا اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے اُن پر دروازے کھول دیے ہر چیز کے۔''

کہ اب کھاؤ پیو ' عیش کرو ' اب دنیا میں ہر قسم کی نعمتیں تمہیں ملیں گی ' تاکہ اس دنیا میں جو تمہارا نصیب ہے اس سے خوب فائدہ اٹھا لو۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ اِترانے لگے ان چیزوں پر جو انہیں مل گئی تھیں تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا ' پھر وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے۔''

آیت ۴۵ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵﴾ ''پھر جڑ کاٹ دی گئی اُس قوم کی جس نے ظلم (اور کفر و شرک) کی روش اختیار کی تھی۔ اور کُل شکر اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۴۶ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) پوچھئے! کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو دوبارہ تمہیں یہ (ساری صلاحیتیں) دلائے گا؟''

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۴۶﴾ ''دیکھئے ہم کس طرح ان کے لیے اپنی آیات مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں' پھر بھی وہ کنارہ کشی کرتے ہیں۔''

ع ''اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں'' کے مصداق قرآن میں مختلف مضامین پھرا پھرا کر' مختلف انداز سے کفار و مشرکین کے سامنے لائے گئے' مگر اس کے باوجود یہ لوگ مسلسل اعراض کر رہے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے۔

آیت ۴۷ ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۷﴾ ''(ان سے) کہیے دیکھو تو اگر تم پر عذاب آ جائے اچانک یا علی الاعلان' تو کون ہلاک ہوگا سوائے ظالموں کے؟''

یہ عذاب اچانک آئے یا بتدریج' پیشگی اطلاع کے بغیر وارد ہو جائے یا ڈنکے کی چوٹ اعلان کر کے آئے' ہلاک تو ہر صورت میں وہی لوگ ہوں گے جو اللہ کے رسول کی دعوت کو ٹھکرا کر اپنی جانوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اب اگلی آیت میں انبیاء و رُسل علیہم السلام کی بعثت کا وہی بنیادی مقصد بیان ہو رہا ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ النساء (آیت ۱۶۵) میں پڑھ چکے ہیں: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ...﴾

آیت ۴۸ ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ﴾ ''ہم نہیں بھیجتے رہے ہیں اپنے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر۔''

﴿فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۴۸﴾ ''تو جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنی اصلاح کر لی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یعنی تمام انبیاء و رُسل اہلِ حق کے لیے بشارت دینے والے اور اہلِ باطل کے لیے خبردار کرنے والے تھے۔

آیت ۴۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۴۹﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان پر عذاب مسلط ہو کر رہے گا ان کی نافرمانی کے باعث۔''

آیت ۵۰ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے اختیار میں ہیں اللہ کے خزانے اور نہ (میں نے دعویٰ کیا ہے کہ) مجھے غیب کا علم حاصل ہے اور نہ میں نے (کبھی) یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔''

تم لوگ مجھ سے معجزات دکھانے کے مطالبات کرتے ہو اور غیب کے احوال پوچھتے ہو' لیکن کسی شخص سے مطالبہ تو کیا جانا چاہیے اُس کے دعوے کے مطابق۔ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں غیب جانتا ہوں اور الوہیت میں میرا حصہ ہے۔ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ میں

اللہ کا ایک بندہ ہوں‘ بشر ہوں‘ مجھ پر وحی آتی ہے‘ مجھے مامور کیا گیا ہے کہ تمہیں خبردار کر دوں اور وہ کام میں کر رہا ہوں۔

﴿اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ؕ﴾ ’’میں تو بس اتباع کر رہا ہوں اُس شے کا جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔‘‘

﴿قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾ ’’کہیے تو کیا اب برابر ہو جائیں گے اندھے اور دیکھنے والے؟ تو کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟‘‘

آیات ۵۱ تا ۵۵

وَ اَنۡذِرۡ بِہِ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ لَیۡسَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیۡعٌ لَّعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَ لَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ ؕ مَا عَلَیۡکَ مِنۡ حِسَابِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّ مَا مِنۡ حِسَابِکَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَتَطۡرُدَہُمۡ فَتَکُوۡنَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۲﴾ وَ کَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لِّیَقُوۡلُوۡۤا اَہٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰکِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ وَ اِذَا جَآءَکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ ۙ اَنَّہٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡکُمۡ سُوۡٓءًا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَ اَصۡلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۴﴾ وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَ لِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۵۵﴾ ع

ابھی پچھلے رکوع میں ہم نے پڑھا: ﴿وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ ۚ﴾ (آیت ۴۸) کہ تمام رسول تبشیر اور انذار کے لیے آتے رہے اور اسی سورت میں ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا گیا: ﴿وَاُوۡحِیَ اِلَیَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ ؕ﴾ (آیت ۱۹) ’’یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعے سے میں خبردار کروں تم لوگوں کو اور اُن تمام لوگوں کو بھی جن تک یہ پہنچے‘‘۔ یہاں اب پھر قرآن کے ذریعے سے (بِہٖ) انذار کا حکم آ رہا ہے کہ (اے نبی ﷺ) آپ کا کام انذار اور تبشیر ہے جسے آپ اس قرآن کے ذریعے سے سرانجام دیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَاَنۡذِرۡ بِہِ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ﴾ ’’اور خبردار کر دیجیے اِس (قرآن) کے ذریعے سے اُن لوگوں کو جنہیں واقعتاً کچھ خوف ہے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے‘‘

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے‘ مشرکینِ مکہ میں بہت کم لوگ تھے جو بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ ان میں زیادہ تر لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد ہم اٹھائے جائیں گے‘ قیامت آئے گی اور سب انسانوں کی اللہ کے حضور پیشی ہوگی‘ لیکن اپنے باطل معبودوں کے بارے میں اُن کا گمان تھا کہ وہ انہیں چھڑانے کے لیے وہاں موجود ہوں گے اور انہیں سزا سے بچا لیں گے۔

﴿لَیۡسَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ لَّعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾﴾ ’’اس حال میں کہ ان کے لیے نہیں ہوگا اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا‘ شاید کہ (اس طرح سمجھانے سے) ان میں کچھ تقویٰ پیدا ہو جائے۔‘‘

ان کو خبردار کر دیں کہ اپنے باطل معبودوں کی شفاعت کے بارے میں وہ لوگ اپنی غلط فہمیوں کو دور کر لیں۔ شاید کہ حقیقتِ حال

کا ادراک ہونے کے بعد ان کے دلوں میں کچھ خوفِ خدا پیدا ہو جائے۔

آیت ۵۲ ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ﴾ ''اور مت دھتکاریے آپ ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے ربّ کو صبح وشام (اور) وہ اُس کی رضا کے طالب ہیں۔''

دراصل یہ اشارہ ہے اس خاص معاملے کی طرف جو تقریباً تمام رسولوں کے ساتھ پیش آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر رسولوں کی دعوت پر سب سے پہلے مفلس اور نادار لوگ ہی لبیک کہتے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نبی کی محفل میں دیکھ کر صاحبِ ثروت وحیثیت لوگ اس دعوت سے اس لیے بھی بدکتے تھے کہ اگر ہم ایمان لائیں گے تو ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا خصوصی طور پر ذکر ہوا ہے۔ آپؑ کی قوم کے سردار کہتے تھے کہ اے نوح! ہم تو آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں' آپ کے پیغام کو سمجھنا بھی چاہتے ہیں' لیکن جب ہم آپ کے اردگرد گھٹیا قسم کے لوگوں کو بیٹھے دیکھتے ہیں تو ہماری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ ہم ان کے ساتھ بیٹھیں۔ یہی بات سردارانِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپؐ کے پاس ہر وقت جن لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے وہ لوگ ہمارے معاشرے کے پست طبقات سے تعلق رکھتے ہیں' ان میں سے اکثر ہمارے غلام ہیں۔ ایسے لوگوں کی موجودگی میں آپؐ کی محفل میں بیٹھنا ہمارے شایانِ شان نہیں۔ ان کی ایسی باتوں کے جواب میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کی ایسی باتوں سے کوئی اثر نہ لیں' اور ان کے لیے آپؐ خواہ مخواہ اپنے مخلص ساتھیوں کو خود سے دور نہ کریں۔ اگر وہ غریب ہیں یا ان کا تعلق پست طبقات سے ہے تو کیا ہوا' ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ صبح شام اللہ کو پکارتے ہیں' اللہ سے مناجات کرتے ہیں' اُس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں' اُس کے روئے انور کے طالب ہیں اور اُس کی رضا چاہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ایسے لوگوں کے بارے میں ہی فرمایا گیا ہے: ﴿مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۲۰۷) کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنی زندگیاں اللہ کی رضا جوئی کے لیے وقف کر دی ہیں۔

﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''آپ کے ذمے ان کے حساب میں سے کچھ نہیں ہے اور نہ آپ کے حساب میں سے ان کے ذمے کچھ ہے''

یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے لیے خود جواب دہ ہے اور ہر شخص کو اپنی کمائی خود کرنی ہے۔ آپؐ کے ذمے آپ کا فرض ہے' وہ آپؐ ادا کرتے رہیں۔ جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت پر ایمان لا رہے ہیں وہ بھی اللہ کی نظر میں ہیں اور جو اس سے پہلوتہی کر رہے ہیں ان کا حساب بھی وہ لے لے گا۔ ہر ایک کو اُس کے طرزِ عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ نہ آپؐ ان کی طرف سے جواب دہ ہیں اور نہ وہ آپؐ کی طرف سے۔

﴿فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲﴾ ''تو اگر (بالفرض) آپؐ انہیں اپنے سے دُور کریں گے تو آپؐ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

آیت ۵۳ ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمایا ہے''

یہ اللہ کی آزمائش کا ایک طریقہ ہے۔ مثلاً ایک شخص مفلس اور نادار ہے' اگر وہ کسی دولت مند اور صاحبِ منصب وحیثیت شخص کو حق کی دعوت دیتا ہے تو وہ اس پر حقارت بھری نظر ڈال کر مسکرا دیتا ہے کہ اس کو دیکھو اور اس کی اوقات کو دیکھو' یہ سمجھانے چلا ہے مجھ کو! حالانکہ اصولی طور پر اس صاحبِ حیثیت شخص کو غور کرنا چاہیے کہ جو بات اس سے کہی جا رہی ہے وہ صحیح ہے یا غلط' نہ کہ بات کہنے والے

کے مرتبہ و منصب کو دیکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم لوگوں کی آزمائش کرتے ہیں۔

﴿لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝۵۳﴾ ''تاکہ وہ کہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے خاص انعام کیا ہے ہم میں سے؟ تو کیا اللہ زیادہ واقف نہیں ہے ان سے جو واقعتاً اس کا شکر کرنے والے ہیں؟''

صاحبِ حیثیت لوگ تو دعویٰ رکھتے ہیں کہ اللہ کا انعام اور احسان تو ہم پر ہوا ہے' دولت مند تو ہم ہیں' چودھراہٹیں تو ہماری ہیں۔ یہ جو نچلے طبقات کے لوگ ہیں ان کو ہم پر فضیلت کیسے مل سکتی ہے؟ سردارانِ قریش بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کرنی تھی' کسی کو نبوت دینی تھی تو اس کے لیے کوئی ﴿رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (الزخرف:۳۱) منتخب کیا جاتا۔ یعنی یہ مکہ اور طائف جو دو بڑے شہر ہیں ان میں بڑے بڑے سردار ہیں' سرمایہ دار ہیں' بڑی بڑی شخصیات ہیں' ان میں سے کسی کو نبوت ملتی تو کوئی بات بھی تھی۔ یہ کیا ہوا کہ مکہ کا ایک یتیم جس کا بچپن مفلسی میں گزرا ہے' جوانی مشقت میں کٹی ہے' جس کے پاس دولت ہے نہ کوئی منصب' وہ نبوت کا دعویدار بن گیا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات کا ایک اور مسکت جواب اسی سورۃ کی آیت ۱۲۴ میں ان الفاظ میں آئے گا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ﴾ ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا منصب کس کو دینا چاہیے''۔ اور کس میں اس منصب کو سنبھالنے کی صلاحیت ہے۔ جیسے طالوت کے بارے میں لوگوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ کیسے بادشاہ بن سکتا ہے: ﴿وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۴۷) ''اسے تو مال و دولت کی وسعت بھی نہیں دی گئی''۔ ہم دولت مند ہیں' ہمارے مقابلے میں اس کی کوئی مالی حیثیت نہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ طالوت کو جسم اور علم کے اندر کشادگی ﴿بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ عطا فرمائی گئی ہے۔ لہٰذا اس میں بادشاہ بننے کی اہلیت تم لوگوں سے زیادہ ہے۔

اب اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو مزید تاکید کی جا رہی ہے کہ ان غریب و نادار مؤمنین کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔

آیت ۵۴ ﴿وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ﴾ ''جب آپؐ کے پاس آئیں وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ تم پر سلامتی ہو' تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے''

﴿اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۴﴾ ''(اور تمہارے لیے اللہ کی خاص رحمت کا مظہر یہ ہے) کہ تم میں سے جو کوئی کسی بُرے کام کا ارتکاب کر بیٹھے گا جہالت کی بنا پر' پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے گا اور اصلاح کر لے گا تو یقیناً اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

آیت ۵۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۵۵﴾ ''اور اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ (لوگ ان پر غور و فکر کریں) اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔''

یہاں پر ''نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ'' کے بعد ''لِيَتَفَكَّرُوْا بِهَا'' محذوف مانا جائے گا۔ یعنی ہم آیات کی تفصیل اس لیے بیان کرتے ہیں کہ لوگ ان پر غور و فکر کریں۔ اگر وہ ان پر غور کریں گے' تفکر کریں گے تو مجرموں کا راستہ ان کے سامنے کھل کر واضح ہو جائے گا۔

آیات ۵۶ تا ۶۰

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۷

آیت ۵۶ ﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے ان کو پوجنے سے جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔''

یہ لات، منات، عُزّیٰ وغیرہ جن کو تم لوگ اللہ کے علاوہ معبود مانتے ہو، ان کو میں نہیں پکار سکتا۔ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے: ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾﴾ (الجن) کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

﴿قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتا، اگر ایسا کروں گا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور پھر نہ رہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں۔''

آیت ۵۷ ﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے ایک بڑی بَیِّنہ پر ہوں''

یہ بیّنہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت سورۂ ہود میں آئے گی۔ یہاں اس بارے میں مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ ایک عام انسان کے لیے بَیِّنہ دو چیزوں سے مل کر بنتی ہے، انسان کی فطرتِ سلیمہ اور وحیٔ الٰہی۔ فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم ہر انسان کے اندر اللہ کی طرف سے ودیعت کر دی گئی ہے جس کی بنا پر اس کو نیکی بدی اور اچھے بُرے کی تمیز فطری طور پر عطا ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اگر کسی انسان تک نبی یا رسول کے ذریعے سے اللہ کی وحی بھی پہنچ گئی اور اس وحی نے بھی اُن حقائق کی تصدیق کر دی جن تک وہ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی راہنمائی میں پہنچ چکا تھا، تو اس پر حُجّت تمام ہو گئی۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں یعنی فطرتِ سلیمہ اور وحیٔ الٰہی مل کر اس شخص کے لیے بیّنہ بن گئیں۔ پھر اللہ کا رسول اور وحی الٰہی دونوں مل کر بھی لوگوں کے حق میں بَیِّنہ بن جاتے ہیں۔ خود رسولؐ کے حق میں بَیِّنہ یہ ہے کہ آپؐ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی راہنمائی میں جن حقائق تک پہنچ چکے تھے وحیٔ الٰہی نے آ کر ان حقائق کو اُجاگر کر دیا۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ آپؐ ان کو بتائیں کہ میں کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہا، میں تو اپنے ربّ کی طرف سے بیّنہ پر ہوں۔ میں جس راستے پر چل رہا ہوں وہ بہت واضح اور روشن راستہ ہے، اور مجھ پر اس راستہ کی باطنی حقیقت بھی منکشف کر دی گئی ہے۔

﴿وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ ''اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ شے موجود نہیں ہے جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔''

وہ لوگ جلدی مچا رہے تھے کہ لے آیئے ہمارے اوپر عذاب۔ دس برس سے آپ ہمیں عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہیں' اب جب کہ ہم نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے تو وہ عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا؟ جواب کے طور پر حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ انہیں صاف الفاظ میں بتا دیجیے کہ عذاب کا فیصلہ میرے اختیار میں نہیں ہے' وہ عذاب جب آئے گا' جیسے آئے گا' اللہ کے فیصلے سے آئے گا اور جب وہ چاہے گا ضرور آئے گا۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝۵۷﴾ ''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے۔ وہ حق کو کھول کر بیان کر دیتا ہے اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۵۸ ﴿قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۵۸﴾ ''کہہ دیجیے اگر میرے پاس وہ ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ طے ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ خوب واقف ہے ظالموں سے۔''

ان الفاظ سے ایک حد تک تلخی اور بیزاری ظاہر ہو رہی ہے کہ اگر یہ فیصلہ کرنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم لوگوں کو مزید مہلت نہ دیتا۔ اب میں بھی تمہارے رویے سے تنگ آ چکا ہوں' میرے صبر کا پیمانہ آخری حد تک پہنچ چکا ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾ ''اور اُسی کے پاس غیب کے سارے خزانے ہیں' کوئی نہیں جانتا اُن (خزانوں) کو سوائے اُس کے' اور وہ جانتا ہے جو کچھ ہے خشکی میں اور سمندر میں۔''

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ ''اور نہیں گرتا کوئی ایک پتا بھی (کسی درخت سے) مگر وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے''

﴿وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹﴾ ''اور نہیں (گرتا) کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں' اور نہ کوئی تر و تازہ اور نہ کوئی سوکھی چیز' مگر ایک کتابِ مبین میں (سب کی سب) موجود ہیں۔''

یہ کتابِ مبین اللہ کا علمِ قدیم ہے' جس میں ہر شے (مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن) آنِ واحد کی طرح موجود ہے۔

آیت ۶۰ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ ''اور وہی ہے جو تمہیں وفات دیتا ہے رات کے وقت''

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۵۵ کی تشریح کے سلسلے میں یُوَفِّی ، یَتَوَفّٰی اور مُتَوَفِّی وغیرہ الفاظ کی وضاحت ہو چکی ہے' جس سے قادیانیوں کی ساری خباثت کا توڑ ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کیجیے! یہاں وفات دینے کے کیا معنی ہیں؟ کیا نیند کے دوران انسان مر جاتا ہے؟ نہیں' جان تو بدن میں رہتی ہے' البتہ شعور نہیں رہتا۔ اس سلسلے میں تین چیزیں الگ الگ ہیں' جسم' جان اور شعور۔ فارسی کا ایک بڑا خوبصورت شعر ہے ؎

جاں نہاں در جسم' او در جاں نہاں اے نہاں' اندر نہاں' اے جانِ جاں!

''جان جسم کے اندر پنہاں ہے اور جان میں وہ پنہاں ہے۔ اے کہ جو پنہاں شے کے اندر پنہاں ہے' تُو ہی تو جانِ جاں ہے!''

اس شعر میں ''اُو'' (وہ) سے مراد کچھ اور ہے' جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ یہاں موضوع کے حوالے سے صرف یہ سمجھ لیجیے کہ انسانی شخصیت کی مذکورہ تین چیزوں (یعنی جسم' جان اور شعور) میں سے نیند کی حالت میں صرف شعور جاتا ہے' جبکہ موت میں شعور بھی جاتا ہے اور جان بھی چلی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ''تَوَفِّی'' مکمل صورت میں وقوع پذیر ہوا تھا' یعنی جسم' جان اور شعور تینوں چیزوں کے ساتھ۔ عام آدمی کی موت کی صورت میں یہ ''تَوَفِّی'' ادھورا ہوتا ہے' یعنی جسم یہیں رہ جاتا ہے' جان اور شعور چلے جاتے ہیں' جب کہ نیند کی حالت میں صرف شعور جاتا ہے۔

﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ﴾ ''اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو دن کے وقت' پھر وہ اس میں (اگلی صبح کو) تمہیں اُٹھا تا ہے' تا کہ (تمہاری) مدتِ معین پوری ہو جائے۔''

یعنی انسان جب سوتا ہے تو ایک طرح سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے' کیونکہ نیند آدھی موت ہے۔ جیسے کہ صبح کے وقت اٹھنے کی مسنون دعا میں مذکور ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے دوبارہ زندہ کیا' اس کے بعد کہ اس نے مجھ پر موت وارد کر دی تھی اور اُسی کی طرف جی اُٹھنا ہے)۔ اس دعا سے ایک بڑا عجیب نکتہ ذہن میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ ہر روز صبح اٹھتے ہی جس شخص کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہوں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ'' قیامت کے دن جب وہ قبر سے اٹھے گا تو دنیا میں اپنی عادت کے سبب اُس کی زبان پر' ان شاء اللہ' خود بخود یہی ترانہ جاری ہو جائے گا' جو اُس وقت لفظی اعتبار سے صدفی صد درست ہوگا' کیونکہ وہ اٹھنا حقیقی موت کے بعد کا اٹھنا ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ زندگی میں روزانہ اس کی ریہرسل کی جائے تا کہ یہ عادت پختہ ہو جائے۔

﴿ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾﴾ ''پھر اُسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں جتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔''

آیات ۶۱ تا ۷۰

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۣ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَ مَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ لٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

آیت ۶۱ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان بھیجتا رہتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انسان کو اپنی اجلِ معین تک بہرصورت زندہ رہنا ہے' اس لیے ہر انسان کے ساتھ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے اس کے باڈی گارڈز کی حیثیت سے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اس غیر مرئی حفاظتی حصار کی موجودگی کو بعض اوقات انسان خود بھی محسوس کرتا ہے جب انسان کو کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے جس سے زندہ بچ جانے کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہوتا' لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی غیبی ہاتھ نے اسے بچا لیا ہو۔ اس طرح جب تک انسان کی موت کا وقت نہیں آتا' اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ محافظ اُس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُس کو قبضے میں لے لیتے ہیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔''

اب یہاں پھر لفظ تَوَفّٰی شعور اور جان دونوں کے جانے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے جان نکالنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے' جب دیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

آیت ۶۲ ﴿ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ﴾ ''پھر وہ لوٹا دیے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو اُن کا مولیٰ ہے برحق۔''

﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ فیصلے کا اختیار اُسی کے ہاتھ میں ہے' اور وہ حساب کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تیز ہے۔''

حقیقی حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ یہ بات یہاں دوسری دفعہ آئی ہے۔ اس سے پہلے آیت ۵۷ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کہ فیصلے کا اختیار کلیتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں مزید فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ تیز حساب چکانے والا ہے۔ اُسے حساب چکانے میں کچھ دیر نہیں لگے گی' صرف حرفِ کُن کہنے سے آنِ واحد میں وہ سب کچھ ہو جائے گا جو وہ چاہے گا۔

آیت ۶۳ ﴿قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ۚ﴾ ''ان سے پوچھئے کون تمہیں نجات دیتا ہے خشکی اور سمندروں کے اندھیروں سے جبکہ تم اُسی کو پکارتے ہو بہت ہی گڑگڑاتے ہوئے اور (دل ہی دل میں) چپکے چپکے۔''

کبھی تم نے غور کیا کہ جب تم سمندر میں سفر کرتے ہوئے کسی خوفناک طوفان میں گھر جاتے ہو' وہاں گھپ اندھیرے میں جب ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دیتا اور سمندر کی خوفناک طوفانی لہریں ہر لحظہ موت کا پیغام دے رہی ہوتی ہیں تو ایسے میں اللہ کے سوا تمہیں کون

بچاتا ہے؟ کون ہے جو ایسے جان لیوا حالات میں تمہاری دستگیری کرتا ہے اور تمہارے لیے عافیت کا راستہ نکالتا ہے۔ اسی طرح ع ''اندھیری شب ہے جُدا اپنے قافلے سے ہے تُو!'' کے مصداق جب کوئی قافلہ صحرا میں بھٹک جاتا ہے' اندھیری رات میں نہ دائیں کا پتا ہوتا ہے نہ بائیں کی خبر' ہر درخت اندھیرے میں ایک آسیب معلوم ہوتا ہے' ایسے خوفناک ماحول اور انتہائی مایوسی کے عالم میں بھی سب خداؤں کو بھلا کر تم لوگ ایک اللہ ہی کو پکارتے ہو۔

﴿لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''(اور کہتے ہو) اگر اللہ نے ہمیں اس سے بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار بن کر رہیں گے۔''

آیت ۶۴ ﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''کہیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے' پھر تم شرک کرنے لگتے ہو!''

مصیبت سے نجات کے بعد پھر سے تمہیں دیویاں' دیوتا' جھوٹے معبود اور اپنے سردار یاد آ جاتے ہیں۔ اب اگلی آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں عذابِ الٰہی کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔

آیت ۶۵ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ قادر ہے اس پر کہ تم پر بھیج دے کوئی عذاب تمہارے اوپر سے''

مثلاً آسمان کا کوئی ٹکڑا یا کوئی شہابِ ثاقب (meteorite) گر جائے۔ آج کل ایسی خبریں اکثر سننے کو ملتی ہیں کہ اس طرح کی کوئی چیز زمین پر گرنے والی ہے' لیکن پھر اللہ کے حکم سے وہ خلا میں ہی تحلیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ozone کی تہہ بھی اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین والوں کے بچاؤ کے لیے پیدا کر رکھی ہے' وہ چاہے تو اس حفاظتی چھتری کو ہٹا دے۔ بہرحال آسمانوں سے عذاب نازل ہونے کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے اور اللہ جب چاہے یہ عذاب نازل ہو سکتا ہے۔

﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ ''یا تمہارے قدموں کے نیچے سے''

اللہ کا کوئی عذاب تمہارے قدموں کے نیچے سے بھی آ سکتا ہے۔ زمین پھٹ سکتی ہے' زلزلے کے باعث شہروں کے شہر زمین میں دھنس سکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت سے پہلے تین بڑے بڑے ''خسف'' ہوں گے' یعنی زمین وسیع پیمانے پر تین مختلف جگہوں سے دھنس جائے گی۔ عذاب کی دو شکلیں تو یہ ہیں' اُوپر سے یا قدموں کے نیچے سے۔

﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ﴾ ''یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک کی طاقت کا مزا دوسرے کو چکھا دے۔''

خانہ جنگی کی صورت میں یہ عذاب کی تیسری قسم کا ذکر ہے کہ کسی ملک کے عوام کے مختلف گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ جیسے پنجابی اور اردو بولنے والے آپس میں الجھ جائیں' بلوچ اور پختون ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں' شیعہ سُنّی کو مارے اور سُنّی شیعہ کو قتل کرے۔ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے کچھ گرانے کی ضرورت ہے نہ زمین کو دھنسانے کی۔ یہ گروہ بندی اور اس کی بنیاد پر باہمی خون ریزی عذابِ الٰہی کی بدترین شکل ہے' جو آج بدقسمتی سے مسلمانانِ پاکستان پر مسلط ہے۔ تقسیمِ ہند سے قبل جب ہندو سے مقابلہ تھا تو مسلمان ایک قوم تھے۔ پاکستان بنا تو اُس کے تمام باسی پاکستانی تھے۔ اب یہی پاکستانی قوم چھوٹی چھوٹی قومیتوں اور عصبیتوں میں تحلیل ہو چکی

ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے خلاف سرگرمِ عمل ہے۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵﴾ ''دیکھو کس کس طرح ہم اپنی آیات کی تصریف کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔''

تصریف کے معنی ہیں گھمانا۔ ع ''اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں'' کے مصداق ایک ہی بات کو اسلوب بدل بدل کر' مختلف انداز میں' نئی ترتیب اور نئی ترکیب کے ساتھ بیان کرنا۔

آیت ۶۶ ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کی قوم نے اسے جھٹلا دیا حالانکہ وہ حق ہے۔''

یہاں بِہٖ سے مراد قرآن ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' اس سورۃ کا عمود یہ مضمون ہے کہ مشرکین کے مطالبے پر کوئی حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا' اور یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اصل معجزہ قرآن ہے۔ اسی لیے اس مضمون کی تفصیل کے بیان میں ''بِہٖ'' کی تکرار کثرت سے ملے گی۔

﴿قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶۶﴾ ''(ان سے) کہہ دیجیے کہ (اب) میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

اب میں نہیں کہہ سکتا کہ کب اللہ کے عذاب کا دروازہ کھل جائے اور عذابِ ہلاکت تم پر ٹوٹ پڑے۔

آیت ۶۷ ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷﴾ ''ہر بڑی بات کے لیے ایک وقت مقرر ہے' اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں فرمایا گیا: ﴿وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۹﴾ ''میں یہ تو نہیں جانتا کہ جس عذاب کی تمہیں دھمکی دی جا رہی ہے وہ قریب آ چکا ہے یا دُور ہے''۔ البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر تمہاری روش یہی رہی تو یہ عذاب تم پر ضرور آ کر رہے گا۔

اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا حوالہ سورۃ النساء کی آیت ۱۴۰ میں آیا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ تم پر کتاب میں یہ بات نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے پاس مت بیٹھو.....''۔ یعنی ایمان کا کم از کم تقاضا ہے کہ ایسی محفل سے احتجاج کے طور پر واک آؤٹ تو ضرور کیا جائے۔

آیت ۶۸ ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ''اور جب تم دیکھو لوگوں کو کہ وہ ہماری آیات میں مین میخ نکال رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ''

اردو میں ''غور و خوض'' کی ترکیب کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ ''غور'' اور ''خوض'' دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں اور معانی کے اعتبار سے دونوں کی آپس میں مشابہت ہے۔ 'غور' مثبت انداز میں کسی چیز کی تحقیق کرنے کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ 'خوض' منفی طور پر کسی معاملے کی چھان بین کرنے اور خواہ مخواہ میں بال کی کھال اُتارنے کے معنی دیتا ہے۔ اس جملے میں لفظ يَخُوْضُوْنَ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

﴿حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ﴾ ''یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''

جب کسی محفل میں لوگ اللہ اور اُس کی آیات کا تمسخر اڑا رہے ہوں تو ان سے کنارہ کشی کر لو' اور جب وہ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے لگیں تو پھر تم ان کے پاس جا سکتے ہو۔

﴿وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾﴾ ''اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔''

یعنی کسی محفل میں گفتگو شروع ہوئی اور کچھ دیر تک تمہیں احساس نہیں ہوا کہ یہ لوگ کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں' لیکن جونہی احساس ہو جائے کہ ان کی گفتگو اور اندازِ گفتگو قابلِ اعتراض ہے تو احتجاج کرتے ہوئے فوراً وہاں سے واک آؤٹ کر جاؤ۔ لیکن چونکہ دعوت و تبلیغ کے لیے تمہارا لوگوں کے پاس جانا ایک ضرورت ہے لہٰذا ایسی محفلوں کے بارے میں کسی بہتر صورتِ حال کے منتظر رہو' اور جب ان لوگوں کا رویہ مثبت ہو تو ان کے پاس دوبارہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ یعنی وہی ''قَالُوْا سَلٰمًا'' والا انداز ہونا چاہیے کہ علیحدہ بھی ہونا پڑے تو لٹھ مار کر نہ ہوا جائے بلکہ چپکے سے' متانت کے ساتھ کنارہ کر لیا جائے۔

آیت ۶۹ ﴿وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''اور یقیناً جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں ان پر ان لوگوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے' لیکن یہ یاد دہانی ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔''

آیت ۷۰ ﴿وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا﴾ ''اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے''

آج بھی ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو دین کے معاملے میں کبھی سنجیدہ نہیں ہوتے اور دین کی ہر بات کو استہزاء اور تمسخر میں اڑانے کے عادی ہوتے ہیں۔

﴿وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾ ''اور اُن کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے دنیا کی زندگی نے''

ایسے لوگوں کی ساری توجہ' تمام بھاگ دوڑ دنیا کے لیے ہے۔ زیادہ سے زیادہ کمانا' مال جمع کرنا اور جائیدادیں بنانا ہی ان کا مقصدِ حیات ہے' خواہ حلال سے ہو یا حرام سے' اس بارے میں انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔

﴿وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ﴾ ''اور آپؐ تذکیر کیجیے اسی (قرآن) کے ذریعے سے' مبادا کوئی جان اپنے کرتوتوں کے سبب گرفتار ہو جائے۔''

سورۂ قٓ کی آخری آیت میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿۴۵﴾﴾ کہ آپؐ قرآن کے ذریعے سے تذکیر کیجیے اُس شخص کو جس کے اندر اللہ کی وعید کا کچھ خوف ہے۔ اسی طرح یہاں بھی حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ دنیا کے ان پرستاروں کو بھی قرآن کے ذریعے سے تذکیر کرتے رہیے' انہیں یاد دہانی کراتے رہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کے وبال میں گرفتار ہو جائے۔

﴿لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ﴾ ''پھر اُس کے لیے نہیں ہوگا اللہ کے مقابلے میں کوئی کارساز اور نہ کوئی سفارشی۔''

شفاعت کے بارے میں دوٹوک انکار (categorical denial) یہاں دوسری دفعہ آیا ہے۔ اس سے پہلے آیت ۵۱ میں بھی یہ مضمون آ چکا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۴) میں ﴿یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ کے دوٹوک الفاظ کے بعد اگلی

آیت (آیت الکرسی) میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت کی کچھ شرائط اور کچھ حدود (limits) بھی ہیں۔ ظاہر ہے یہ شرائط وحدود شفاعتِ حقہ کی نفی نہیں کرتیں لیکن ان شرائط اور حدود و قیود کے بغیر مطلق شفاعت کا تصور گویا ایمان بالآخرت کی نفی کے مترادف ہے۔ یعنی جب آپ کو چھڑانے والے موجود ہیں تو پھر ڈر کاہے کا؟ جو دل چاہے کریں' جس ڈھب سے چاہیں زندگی بسر کریں۔ بس گاہے بگاہے اللہ تعالیٰ کو یاد کراتے رہیں کہ ہم شرابی ہیں' زانی ہیں' چور ہیں' ڈاکو ہیں' حرام خور ہیں' غبن کرتے ہیں' جو کچھ بھی ہیں' لیکن اے اللہ! تیرے محبوب ﷺ کی اُمت میں ہیں! تو اگر آخرت کے معاملات اسی طرح سے طے ہونے ہیں تو خواہ مخواہ کاہے کو کوئی اپنا ہاتھ روکے' جی بھر کر عیش کیوں نہ کرے؟ اور ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!'' کے محاورے کو اپنی زندگی کا ماٹو کیوں نہ بنائے؟

﴿وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا﴾ ''اور اگر وہ فدیہ دینا چاہے کُل کا کُل فدیہ تو بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔''

یہ مضمون بھی سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ (آیت ۴۸ اور ۱۲۳ میں) آچکا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو گرفتار ہو چکے ہیں اپنے کرتوتوں کی پاداش میں۔ ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا پینے کو اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی پاداش میں۔''

آیات ۷۱ تا ۸۲

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۫ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی الْهُدَی ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَ یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ۬ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَ لَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ

اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَ كَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ ع

آیت ۷۱ ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے: کیا ہم پکاریں اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان؟''

یہ بُت کسی کو کچھ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ اپنی ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اڑا سکتے۔ ان کو پکارنے کا کیا فائدہ؟ ان کے سامنے سجدہ کرنے سے کیا حاصل؟ بتوں کے بارے میں تو یہ بات خیر بہت ہی واضح ہے' لیکن ان کے علاوہ بھی پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کسی کے لیے خیر کی کچھ قدرت رکھتا ہے نہ شر کی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا مفہوم یہی ہے۔ یہ یقین جب انسان کے دل کی گہرائیوں میں پوری طرح جاگزیں ہو جائے تو تب ہی توحید مکمل ہوتی ہے' جس کے بعد انسان کسی کے آگے جھک کر کبھی اپنی عزّتِ نفس کا سودا نہیں کرتا۔ اس نکتے کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے اس طرح فرمائی تھی: ''اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اگر دنیا کے تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے' اور اگر تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے''[۴]۔ لہٰذا ''یک در گیر و محکم بگیر'' کے مصداق مدد کے لیے پکارو تو اُسی ایک اللہ کو پکارو۔ غیر اللہ کو پکارنے' کسی دوسرے سے سوال کرنے' کسی اور سے ڈرنے' التجائیں کرنے' استغاثہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

﴿وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۖ﴾ ''اور ہم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹا دیے جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی ہے' اُس شخص کی مانند جسے شیاطین نے بیابان میں بھٹکا کر حیران و سرگرداں چھوڑ دیا ہو؟''

﴿لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ﴾ ''اُس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ آؤ ہماری طرف!''

یہاں جماعتی زندگی کی برکت اور انفرادی زندگی کی قباحت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اگر آپ اکیلے ہوں' کہیں بھٹک گئے ہوں' تو آپ کے لیے دوبارہ سیدھے راستے پر آنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی میں دوسرے ساتھیوں کے مشورے اور ان کی راہنمائی سے ہر فرد کو اپنی سمت کے سیدھا رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جیسے سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

۴۔ سنن الترمذی' کتاب صفة القیامة والرقائق والورع (قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)۔ الاربعین للنووی' ح ۱۹۔

اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ''اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ساتھ رہو صادقین (سچوں) کے''۔ مؤمنینِ صادقین کی صحبت کے اثر سے انسان کے لیے نیکی کے راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص معاشی مجبوریوں یا اہلِ خانہ کے دباؤ کے باعث حرام کی طرف مائل ہونا بھی چاہے تو نیک دل دوست احباب کی معیت کے باعث وہ اس گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''کہہ دیجیے یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں تو حکم ہوا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری اختیار کریں۔''

آیت ۷۲ ﴿وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا۔''

آیت ۷۳ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں حق کے ساتھ۔''

یعنی یہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے تحت پیدا کیے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ (آیت ۱۹۱) ''اے رب ہمارے! تو نے یہ سب باطل (بے مقصد) پیدا نہیں کیا''۔ گویا ''حق'' کا لفظ یہاں ''باطل'' کے مقابلے میں آیا ہے۔

﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴾ ''اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔''

جب وہ چاہے گا اس کائنات کی بساط کو لپیٹ دے گا۔ اُسی نے اسے حق کے ساتھ بنایا ہے اور اُسی کے حکم کے ساتھ یہ لپیٹ دی جائے گی۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) ''جس دن ہم (ان تمام خلاؤں، فضاؤں اور) آسمانوں کو ایسے لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے''۔ اسی طرح سورۃ الزمر میں ارشاد ہوا: ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ﴾ (آیت ۶۷) ''اور (اُس روز) آسمان اللہ کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''

﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ﴾ ''اُس کا فرمان ہی حق ہے۔''

اُس کا فرمان شدنی ہے۔ اس کا کُن کہہ دینا برحق ہے۔ اسے کسی چیز کو تخلیق کرنے کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں، اس کے لیے مادہ (material) یا توانائی (energy) وغیرہ کچھ بھی اسے درکار نہیں۔

﴿وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ﴾ ''اور اُسی کے لیے ہوگی بادشاہی جس دن صور پھونکا جائے گا۔''

اگرچہ حقیقت میں تو دنیا میں بھی بادشاہی اُسی کی ہے لیکن دنیا میں جھوٹے سچے کئی بادشاہ ڈراموں کے کرداروں کی طرح اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب کے سب نسیاً منسیا ہو جائیں گے اور قیامت کے دن سب کو صرف اللہ ہی کی بادشاہی نظر آئے گی۔ لہٰذا اُس وقت تمام جنّ و اِنس کو مخاطب کر کے پوچھا جائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ﴾ کہ آج بادشاہی کس کی ہے؟ پھر جواب بھی خود ہی دیا جائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾﴾ (المؤمن) یعنی صرف اللہ کی جو اکیلا اور سب پر غالب ہے۔

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾﴾ ''وہ تمام غیب اور کھلی باتوں کا جاننے والا ہے اور وہ کمالِ حکمت والا اور ہر شے سے باخبر ہے۔''

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپؑ کی نسل کے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ انبیاء کے ناموں پر مشتمل ایک خوبصورت

گلدستہ تو سورۃ النساء کے آخر میں ہم دیکھ آئے ہیں' وہاں آیات ۱۶۳ اور ۱۶۴ میں ہم نے ۱۳ انبیاء ورُسل علیہم السلام کے نام پڑھے تھے۔ جبکہ یہاں اس گلدستے میں ۱۷ انبیاء ورسل کے نام شامل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ آیا ہے' لیکن یہ ذکر قصص النبیین کے انداز میں ہے۔ آپؑ کی قوم پر کسی عذاب کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا۔ اسی لیے آپؑ کا ذکر یہاں اس سورت میں الگ آیا ہے اور سورۃ الاعراف میں ان پیغمبروں کے ساتھ نہیں آیا جن کی قوموں پر عذاب آیا تھا۔ واضح رہے کہ اس سورۃ میں التذکیر بآلاءِ اللہ کی مثالیں بیان ہوئی ہیں' جبکہ سورۃ الاعراف میں التذکیر بِاَیّامِ اللہ کا ظہور نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب' حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا ذکر سورۃ الاعراف میں انباء الرسل کے انداز میں آیا ہے۔ یعنی ان رسولوں کی قوموں پر عذاب آیا اور اُن کو عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

آیت ۷۴ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب کہا تھا ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کیا تم نے ان بتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟''

تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''تارِخ'' لکھا گیا ہے۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ یہاں پر لفظ ''آزر'' خصوصی طور پر تورات میں مندرج اس نام کی تصحیح کرنے کے لیے آیا ہے۔ ورنہ یہاں یہ فقرہ لفظ ''آزر'' کے بغیر بھی مکمل تھا۔ اس واضح نشاندہی کے باوجود بھی بعض لوگ مغالطے میں پڑ گئے ہیں اور تورات میں مذکور نام ہی درست سمجھتے ہیں۔ جیسے اہلِ تشیع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ''تارخ'' ہی مانتے ہیں اور آزر جس کا ذکر یہاں آیا ہے اس کو وہ لوگ آپؑ کا چچا بتاتے ہیں۔ ان کے یہ موقف اختیار کرنے کی ایک خاص وجہ ہے' جس کے بیان کا یہ موقع نہیں۔

﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۴﴾ ''میری رائے میں تو آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔''

آیت ۷۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اسی طرح ہم دکھاتے رہے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت''

یہاں ملکوت سے مراد وہ پورا نظام ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ یعنی وہ تکوینی حکومت (Universal Government) جسے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کارندے چلا رہے ہیں۔ اس نظام کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اس لیے کراتا ہے تاکہ اس بارے میں انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے۔

﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵﴾ ''تاکہ وہ پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔''

اس فقرے میں ''و'' کی وجہ سے ہم اس سے پہلے یہ فقرہ محذوف مانیں گے: ''تاکہ وہ اپنی قوم پر حُجت قائم کر سکے' وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ''اور ہو جائے پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے۔''

اب آئندہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مزید تفصیل آ رہی ہے۔ ان آیات کی توجیہہ و تشریح مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں کی ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہنی ارتقاء کے کچھ مراحل کا ذکر ہے کہ ایک مرحلے پر واقعتاً آپؑ نے ایک ستارے کے بارے میں یوں سمجھا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ چھپ گیا تو آپؑ نے سمجھا کہ یہ تو ڈوب گیا ہے' یہ میرا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر چاند کو دیکھ کر آپؑ نے ایسا ہی سمجھا۔ پھر سورج کو دیکھا تو ایسا ہی خیال آپؑ کے دل میں آیا۔ بہرحال بعض حضرات کی رائے ہے کہ آپؑ نے واقعتاً ایسا ہی سمجھا' اور ان آیات کے الفاظ سے ایسا کچھ متبادر بھی ہوتا ہے' لیکن اس سلسلے میں صحیح

رائے یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ تدریجی طریقہ اختیار کیا۔ آگے آیت ۸۳ کے ان الفاظ سے اس موقف کی تائید بھی ہوتی ہے: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ﴾ اس حوالے سے یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے اور کوئی نبی زندگی کے کسی بھی مرحلے پر کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی فطرت اور سرشت اتنی خالص ہوتی ہے کہ وہ کبھی شرک میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتے۔ انبیاء کا مرتبہ تو بہت ہی بلند ہے' اللہ تعالیٰ نے تو صدیقین کو بھی یہ شان عطا کر رکھی ہے کہ وہ بھی شرک میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما جو صحابہ کرامؓ میں سے صدیقین ہیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا تھا۔

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ﴾ ''پس جب رات نے ان کو (اپنی تاریکی میں) ڈھانپ لیا تو انہوں نے دیکھا ایک (چمکدار) ستارے کو' تو کہا یہ میرا رب ہے!''

یہ سوالیہ انداز بھی ہو سکتا ہے' گویا کہہ رہے ہوں کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ اس کے علاوہ یہ استعجابیہ انداز بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے آپؑ نے لوگوں کو چونکانے کے لیے ایسے کہا ہو۔

﴿فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝۷۶﴾ ''پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام Babilonia (آج کا عراق) کے شہر ''اُر'' میں پیدا ہوئے۔ موجودہ دور میں اس شہر کے کھنڈرات دریافت ہو چکے ہیں۔ وہاں سے آپؑ ہجرت کر کے فلسطین گئے' وہاں سے حجاز گئے اور اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں آباد کیا۔ جب کہ اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو آپؑ نے فلسطین میں آباد کیا۔ اُس وقت عراق میں شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ وہ لوگ بُت پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ساتھ نمرود کی پرستش بھی کرتے تھے' جس کا دعویٰ تھا کہ میں خدا ہوں۔ نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو محاجہ (مکالمہ) ہوا تھا اس کی تفصیل ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں' اس مکالمے میں اس نے ''اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ'' کا دعویٰ اسی حوالے سے کیا تھا کہ لوگوں کی زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے' میں جس کو چاہوں زندہ رکھوں' جس کو چاہوں مار دوں۔

آیت ۷۷ ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝۷۷﴾ ''پھر جب انہوں نے دیکھا چاند چمکتا ہوا تو کہا یہ ہے میرا ربّ! پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو انہوں نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

گویا یہ وہ الفاظ ہیں جن سے متبادر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک شاید آپؑ ذہنی اور فکری ارتقاء کے مراحل طے کر رہے تھے۔ لیکن اس بارے میں درست رائے یہی ہے کہ آپؑ نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ تدریجی انداز اختیار کیا تھا۔

آیت ۷۸ ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۷۸﴾ ''پھر جب دیکھا سورج کو بہت چمکدار تو کہنے لگے ہاں یہ ہے میرا ربّ' یہ سب سے بڑا ہے! پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں اعلانِ براءت کرتا ہوں ان سب سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔''

آیت ۷۹ ﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۷۹﴾ ''میں نے تو اپنا

رُخ کرلیا ہے یکسو ہو کر اُس ہستی کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

آیت ۸۰ ﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ﴾ ''اب (اس پر) آپؑ کی قوم آپؑ سے بحث کرنے لگی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد آپؑ کی قوم نے آپؑ سے حجت بازی شروع کر دی کہ یہ آپؑ نے کیا کہہ دیا' آپؑ نے تو تمام دیویوں اور دیوتاؤں کی نفی کر دی' سارے ستاروں اور چاند سورج کی ربوبیت سے انکار کر دیا! اب ان سارے خداؤں کی نحوست آپ پر پڑے گی۔ اب آپ کی شامت آنے ہی والی ہے۔

﴿قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ﴾ ''(ابراہیمؑ نے) کہا: کیا تم مجھ سے حجت بازی کر رہے ہو اللہ کے بارے میں' جب کہ مجھے تو اُس نے ہدایت دی ہے۔ اور مجھے کوئی خوف نہیں ہے اُن (ہستیوں) کا جنہیں تم اُس کا شریک ٹھہراتے رہے ہو' سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے۔''

مجھے کسی کا کوئی خوف نہیں' نہ تمہاری کسی دیوی کا' نہ کسی دیوتا کا' نہ کسی ستارے کی نحوست کا اور نہ تمہارے کسی اور خدا کا۔ ہاں اگر اللہ ہی چاہے کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچے' کوئی آزمائش آ جائے تو اس کی مرضی کے آگے میرا بھی سرِ تسلیم خم ہے' کیونکہ وہ میرا خالق اور میرا رب ہے۔

﴿وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰﴾ ''میرا رب ہر شے کا علم کے اعتبار سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

میرے رب کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ تو کیا تم لوگ سوچتے نہیں ہو' عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟

آیت ۸۱ ﴿وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ﴾ ''اور میں کیسے ڈروں اُن سے جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیے ہیں جن کے لیے اللہ نے تم پر کوئی سند نہیں اُتاری۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شراکت کی کوئی سند موجود ہی نہیں۔ نہ عقل اور فطرت میں اس کی کوئی بنیاد ہے' نہ کسی آسمانی کتاب کی تعلیمات میں کسی دوسرے معبود کے لیے کوئی گنجائش ہے۔

﴿فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱﴾ ''تو (ہم دونوں) فریقین میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو (تو بتاؤ!)''

یعنی ایک شخص موحد ہے' وہ ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا بلا شرکت غیرے مالک ہے' ہر شے اُس کے قبضہ قدرت میں ہے' جبکہ دوسرا وہ ہے جو اللہ کو ماننے کے ساتھ ساتھ اس کے اقتدار و اختیار میں بعض دوسری ہستیوں کو بھی شریک سمجھتا ہے' کچھ چھوٹے معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کو بھی مانتا ہے۔ تو اب ذرا بتاؤ کہ امن' چین' روحانی اطمینان اور حقیقی سکونِ قلب کا زیادہ حق دار ان دونوں میں سے کون ہوگا؟ سوال کرنے کے بعد اس کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا:

آیت ۸۲ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی طرح کے شرک سے آلودہ نہیں کیا''

یہاں لفظ ''ظلم'' قابلِ توجہ ہے۔ ظلم کسی چھوٹے گناہ کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے اس لفظ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تھے کہ حضورؐ کون شخص ہوگا جس نے کبھی کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ اگر کسی اور پر نہیں تو ہر انسان اپنے اوپر تو کسی نہ کسی حد تک ظلم کر ہی لیتا ہے۔ گویا اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی شخص بھی اس شرط پر پورا نہیں اُتر سکتا۔ صحابہؓ کی اس تشویش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ لقمان کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾۔ چنانچہ یہاں پر ﴿لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان ایسا ہو جو شرک کی ہر آلودگی سے پاک ہو۔ لیکن شرک کو پہچاننا اور اس سے بچنا آسان نہیں' یہ طرح طرح کے بھیس بدلتا رہتا ہے۔ شرک کیا ہے اور شرک کی قسمیں کون کون سی ہیں اور یہ زمانے اور حالات کے مطابق کیسے کیسے بھیس بدلتا رہتا ہے' یہ سب کچھ جاننا ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے' تاکہ جس بھیس اور شکل میں بھی یہ نمودار ہو اسے پہچانا جا سکے۔ بقول شاعر: ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدت را می شناسم!

(تم چاہے کسی بھی رنگ کا لباس پہن کر آ جاؤ' میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لیتا ہوں۔)

''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے موضوع پر میری چھ گھنٹوں پر مشتمل طویل تقاریر آڈیو ویڈیو کے علاوہ کتابی شکل میں بھی موجود ہیں' اس موضوع کو سمجھنے کے لیے اُن سے استفادہ کرنا' ان شاء اللہ' بہت مفید ہوگا۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ ''وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی راہ یاب ہوں گے۔''

امن کا ایمان کے ساتھ اور اسلام کا سلامتی کے ساتھ لفظی اعتبار سے بہت گہرا ربط ہے۔ یہ ربط اس دعا میں بہت نمایاں ہو جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نیا چاند دیکھنے پر مانگا کرتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ...)) ''اے اللہ! (یہ مہینہ جو شروع ہو رہا ہے اس نئے چاند کے ساتھ) اسے ہم پر طلوع فرما امن اور ایمان' سلامتی اور اسلام کے ساتھ'' —— ''قرآن اور امنِ عالم'' کے نام سے میرا ایک چھوٹا سا کتابچہ اس موضوع پر بڑی مفید معلومات کا حامل ہے۔

آیات ۸۳ تا ۹۰

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ
عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ
دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ
زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ
وَلُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ
وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ
اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ
فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع ۱۲

آیت ۸۳ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ﴾ ''یہ ہماری وہ حُجّت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کی تھی اُس کی قوم کے خلاف۔''

اسی آیت کا حوالہ اس موضوع کے آغاز میں آیا تھا۔ گویا پوری سرگزشت بیان کرنے کے بعد اس جملے میں وضاحت فرما دی کہ یہ ہماری وہ حُجّت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے خلاف عطا کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے جس انداز سے محاجّہ کر رہے تھے اس کو ''توریہ'' کہتے ہیں۔ ''توریہ'' سے مراد ایسا اندازِ گفتگو ہے جس میں جھوٹ بولے بغیر مخاطب کو مغالطے میں مبتلا کر دیا جائے۔ مثلاً حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک زمانے میں انگریز حکومت کی طرف سے ان کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری کیے گئے تھے۔ اس زمانے میں وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ شریف حسین والیٔ مکہ کے سپاہی انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ ایک سپاہی نے انہیں کہیں کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔ اُس نے قریب آ کر آپؒ سے پوچھا کہ تم محمود الحسن کو جانتے ہو؟ آپؒ نے کہا: جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ اس نے پوچھا: وہ کہاں ہیں؟ آپؒ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی یہیں تھے۔ اس سے اس سپاہی کو مغالطہ ہوا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے وہاں سے دوڑ پڑا کہ ابھی اِدھر تھے تو میں جلدی سے یہیں کہیں سے انہیں ڈھونڈ لوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس کلام میں توریہ کا یہی انداز پایا جاتا ہے۔ جیسے آپؑ نے بُت خانے کے بُتوں کو توڑا اور جس تیشے سے اُن کو توڑا تھا وہ اس بڑے بُت کی گردن میں لٹکا دیا۔ پوچھنے پر آپؑ نے جواب دیا کہ اس بڑے بُت نے ہی یہ کام دکھایا ہوگا جو صحیح سالم کھڑا ہے اور آلۂ واردات بھی اس کے پاس ہے۔ وہاں بھی یہ انداز اختیار کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ سوچنے پر مجبور اور دروں بینی پر آمادہ ہوں۔

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳﴾ ''ہم بلند کرتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں۔ یقیناً تیرا رب حکیم اور علیم ہے۔''

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے درجے بہت بلند کیے۔ حضرت ابراہیمؑ کے تفصیلی ذکر کے بعد اب آپؑ کی نسل سے تعلق رکھنے والے چند پیغمبروں کا تذکرہ ہونے جا رہا ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کے ناموں کا یہی وہ گلدستہ ہے جس کا ذکر قبل ازیں آیت ۷۳ کے مطالعے کے دوران آیا تھا۔

آیت ۸۴ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴﴾ ''اور ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) عطا فرمایا اسحاقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا)، ان سب کو ہم نے ہدایت دی۔ اور نوحؑ کو بھی ہم نے ہدایت دی تھی ان سے پہلے، اور اس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی (ہدایت بخشی)۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔''

یعنی یہ لوگ ایمان کی اس بلند ترین منزل پر فائز تھے جس کے بارے میں ہم سورۃ المائدۃ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۳﴾

آیت ۸۵ ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵﴾ ''اور (اُسی کی اولاد میں سے) زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی (ہدایت دی)۔ یہ سب کے سب نیکوکاروں میں سے تھے۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۶﴾ ''اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی (راہ یاب کیا)' اور ان سب کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔''

آیت ۸۷ ﴿وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۷﴾ ''اور ان کے آباء و اجداد میں سے بھی' ان کی نسلوں میں سے بھی اور ان کے بھائیوں میں سے بھی (ہم نے ہدایت یافتہ بنائے)' اور ان کو ہم نے چُن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔''

آیت ۸۸ ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸﴾ ''یہ اللہ کی وہ ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ راہنمائی فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔ اور اگر (بالفرض) وہ بھی شرک کرتے تو ان کے بھی سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔''

یہ انداز دراصل ہمیں سمجھانے کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ شرک کتنی بُری شے ہے۔ ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز اللہ کے عظیم الشان انبیاء و رسل علیہم السلام شرک میں مبتلا ہوتے۔ بہر حال آیت کے ان الفاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس حوالے سے سورۃ النساء میں دو مرتبہ یہ الفاظ آ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶) کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا' اس کے علاوہ جسے وہ چاہے گا معاف کر دے گا۔

آیت ۸۹ ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب' حکمت اور نبوت عطا فرمائی۔''

﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹﴾ ''پھر اگر یہ لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں تو (کچھ پروا نہیں) ہم نے کچھ اور لوگ اس کام کے لیے مقرر کر دیے ہیں جو اس کی ناقدری نہیں کریں گے۔''

یہ آیت پڑھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مکی دور کا نقشہ ذہن میں لائیے' جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مبلغ' داعی' مربی' مزکی اور معلم مسلسل دن رات محنت کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں بارہ سال کے دوران صرف ڈیڑھ' پونے دو سو افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اس پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ مکہ کے یہ لوگ اگر اس دعوت کی ناقدری اور قرآن کی ناشکری کر رہے ہیں اور آپؐ کی سالہا سال کی محنت کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آئے ہیں تو آپؐ دل شکستہ نہ ہوں' عنقریب ایک دوسری قوم بڑے ذوق و شوق سے اس دعوت پر لبیک کہنے جا رہی ہے۔ اس خوش قسمت قوم سے مراد انصارِ مدینہ ہیں۔ اور واقعی اس سلسلے میں اہلِ مکہ پیچھے رہ گئے اور اہلِ مدینہ بازی لے گئے۔ بقول شاعر: گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!

چنانچہ اس آیت میں ہر دور کے داعیانِ حق کے لیے حوصلہ افزائی کا پیغام بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کے کام میں خود اسباب پیدا فرماتا ہے اور خود لوگوں کے دلوں کو پھیر کر ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ اسی لیے مجھے اپنی دعوت رجوع الی القرآن کے بارے میں بھی اطمینان ہے کہ اگر پاکستان میں اس کو خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی تو کیا ہوا' یہ دعوت مختلف ذرائع سے پوری دنیا میں پھیل رہی ہے' لہٰذا عین ممکن ہے قرآن کی یہ انقلابی دعوت کسی اور زمین میں جڑ پکڑ لے اور اس طرح ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لے۔

آیت ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی' تو آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔''

یعنی گزشتہ آیات میں جن سترہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے ناموں کا خوبصورت گلدستہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے' وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ تھے۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ بھی ان کے طریقے کی پیروی کریں۔ اس آیت سے ایک بہت اہم نکتہ اور اصول یہ سامنے آتا ہے کہ سابق انبیاءؑ کی شریعت کا ذکر کرتے ہوئے جن احکام کی نفی نہ کی گئی ہو' وہ احکام ہمارے لیے بھی لائقِ اتباع ہیں۔ مثلاً رجم کی سزا قرآن میں مذکور نہیں ہے' یہ سابقہ شریعت کی سزا ہے' جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح قتلِ مرتد کی سزا کا ذکر بھی قرآن میں نہیں ہے' یہ بھی سابقہ شریعت کی سزا ہے' جس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ چنانچہ کسی سابقہ شریعت کا وہ حکم جس کی قرآن و سنت میں نفی نہ کی گئی ہو' وہ حکم اسلامی شریعت میں برقرار رہتا ہے۔

﴿ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰ ﴾ ''کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ نہیں ہے مگر تمام جہان والوں کے لیے یاددہانی۔''

یہ قرآن تو بس اہلِ عالم کے لیے ایک نصیحت ہے' یاددہانی ہے' جو چاہے اس سے کسبِ فیض کرے' جو چاہے اس سے نور حاصل کرے' جو چاہے اس سے صراطِ مستقیم کی راہنمائی اخذ کر لے۔

آیات ۹۱ تا ۹۴

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ
الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ
كَثِيْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَ لَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ
يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى
وَ مَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ
قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ
بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي
اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ
مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۹۴ ع

اس سورت میں اب تک کی گفتگو کا رخ مشرکینِ مکہ کی طرف تھا۔ لیکن زیر مطالعہ آیات میں اس ردّوقدح کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو مکہ کے لوگ یہودیوں کے سکھانے پڑھانے پر حضور ﷺ سے کر رہے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ اُس وقت تک حضور ﷺ کی رسالت، نبوت اور دعوت کا چرچا مدینہ منورہ میں بھی پہنچ چکا تھا اور اہلِ کتاب (یہود) نے خطرے کو بھانپ کر وہیں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں۔ ان لوگوں نے تو ضد اور ہٹ دھرمی میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ان مسلمانوں سے مشرکین بہتر ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ کہ اللہ کبھی کسی انسان پر اپنا کلام نازل نہیں کرتا۔

آیت ۹۱ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''اور انہوں نے ہرگز اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ نہیں اتاری ہے اللہ نے کسی بھی انسان پر کوئی بھی چیز۔''

وحیٔ الٰہی کے بارے میں یہ صاف انکار (categorical denial) ان لوگوں کا تھا جو خود کو الہامی کتاب کے وارث سمجھتے تھے۔ اہلِ مکہ چونکہ آسمانی کتابوں سے واقف ہی نہیں تھے اس لیے انہوں نے حضور ﷺ کی نبوت اور وحی کا ذکر یہود سے کیا اور اُن سے رائے پوچھی۔ اس پر یہودیوں کا جواب یہ تھا کہ یہ سب خیال اور وہم ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کبھی کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اہلِ مکہ نے قرآن مجید کے بارے میں یہ اعتراض چونکہ یہودیوں کے پڑھانے پر کیا تھا اس لیے مشرکینِ مکہ کو اس کا جواب دینے کے بجائے براہِ راست یہود کو مخاطب کیا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر اللہ نے کسی انسان پر کبھی کچھ نازل نہیں کیا تو:

﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''آپؐ پوچھئے کہ پھر کس نے اُتاری تھی وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آئے تھے جو خود نور (روشن) تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت بھی تھی؟''

تو کیا تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے مَن گھڑت تھی؟ کیا انہوں نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھ لیا تھا؟

﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ﴾ ''تم نے اسے ورق ورق کر دیا ہے، اس (کے احکام) میں سے کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو۔''

یہود اپنی الہامی کتاب کے ساتھ جو سلوک کرتے رہے تھے وہ بھی انہیں جتلا دیا۔ یہودی علماء نے تورات کے احکام کو نہ صرف پسند اور ناپسند کے خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا بلکہ اپنے من مانے فتوے فروخت کرنے کی غرض سے وہ تورات کو اس حد تک چھپا کر رکھتے تھے کہ عام لوگوں کی دسترس اس تک ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔

﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۚ﴾ ''اور تمہیں سکھائی گئی تھیں (تورات کے ذریعے سے) وہ سب باتیں جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء واجداد۔''

﴿قُلِ اللّٰهُ ۙ﴾ ''کہیے (یہ سب نازل کیا تھا) اللہ نے''

یعنی انہیں یاد دلائیے کہ تمہاری اپنی الہامی کتابیں تورات اور انجیل بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اب یہ قرآن بھی اللہ ہی نے نازل فرمایا ہے۔

﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱﴾ ''پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ یہ اپنی کج بحثیوں کے اندر کھیلتے رہیں۔''

آیت ۹۲ ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ﴾ ''اور (اسی طرح کی) یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے' بڑی بابرکت ہے' تصدیق کرنے والی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے' تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُمّ القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو۔''

قُریٰ جمع ہے قریہ کی اور اُمُّ القُریٰ کا مطلب ہے بستیوں کی ماں' یعنی کسی علاقے کا سب سے بڑا شہر۔ ہر ملک میں ایک سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہوتا ہے' جسے اس ملک کا دارالخلافہ یا دارالحکومت کہا جاتا ہے۔ وہ بڑا شہر پورے ملک کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ عرب میں نزولِ قرآن کے وقت کوئی مرکزی حکومت تو نہیں تھی جس کا کوئی دارالحکومت ہوتا' لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر مکہ مکرمہ کو پورے عرب میں ایک مرکزی شہر کی حیثیت ضرور حاصل تھی۔ ظاہر ہے خانہ کعبہ کی وجہ سے یہ شہر مذہبی مرکز تھا۔ عرب کے تمام قبائل ہر سال یہاں حج کے لیے آتے تھے۔ کعبہ ہی کی وجہ سے قریشِ مکہ کو خطے کی تجارتی سرگرمیوں میں ایک خاص اجارہ داری (monopoly) حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اہلِ مکہ کے ہاں پیسے کی ریل پیل تھی اور عام لوگ خوشحال تھے۔ یہاں سارا سال تجارتی قافلوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ یمن سے قافلے چلتے تھے جو مکہ سے ہو کر شام جاتے تھے اور شام سے مکہ کے راستے یمن جاتے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر شہر مکہ بجا طور پر علاقے میں ''اُمُّ القُریٰ'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ اے نبی ﷺ ہم نے آپؐ کی طرف یہ کتاب مبارک نازل کی ہے تاکہ آپؐ اُمُّ القُریٰ میں بسنے والوں کو خبردار کریں اور پھر اُن کو بھی جو اس کے اردگرد بستے ہیں۔

یہاں پر وَمَنْ حَوْلَهَا کے الفاظ میں جو فصاحت اور وسعت ہے اسے بھی سمجھ لیں۔ ''ماحول'' کا دائرہ بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وَمَنْ حَوْلَهَا کا ایک دائرہ تو مکہ کے حوالے سے بالکل قریبی اور immediate علاقوں تک تصور کیا جائے گا' پھر اس سے باہر قدرے زیادہ فاصلے پر' اور پھر اس سے باہر مزید فاصلے پر۔ اس طرح یہ دائرہ پھیلتے پھیلتے پورے کُرۂ ارض پر محیط ہو جائے گا۔ دورِ نبویؐ میں کُرۂ ارض کی آبادی بظاہر ایشیا' یورپ اور افریقہ پر ہی مشتمل تھی۔ امریکہ بہت بعد میں دریافت ہوا' جبکہ آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا بھی اس وقت تک معلوم دنیا کا حصہ نہ تھے۔ دُنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیں تو ایشیا' یورپ اور افریقہ تینوں براعظم جہاں پر ملتے ہیں' تقریباً یہ علاقہ وہ ہے جسے اب ''مڈل ایسٹ'' یا مشرقِ وسطیٰ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ نام (مڈل ایسٹ) اس علاقے کے لیے misnomer ہے' یعنی درست نام نہیں ہے' لیکن بہرحال یہ علاقہ ایک نقطۂ اتصال ہے جہاں ایشیا' یورپ اور افریقہ آپس میں ملتے ہیں اور اس جنکشن پر جزیرہ نمائے عرب واقع ہے۔ چنانچہ یہ علاقہ اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا مَنْ حَوْلَهَا کے دائرے میں پوری دنیا شامل سمجھی جائے گی۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ''اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس (قرآن) پر بھی ایمان لے آئیں گے''

یعنی قرآن کے مخاطب لوگوں میں سے کچھ تو مشرک ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بعث بعد الموت کے سرے سے ہی منکر ہیں' لیکن جن لوگوں کے دلوں میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونے کا ذرا سا بھی تصور موجود ہے وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ اشارہ صالحینِ اہلِ کتاب کی طرف ہے۔

﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲﴾ ''اور وہی اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

آیت ۹۳ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے کوئی بات گھڑ کر اللہ سے منسوب کر دی یا (اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے جب کہ اس پر کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو''

کوئی بات خود سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دینا یا یہ جھوٹا دعویٰ کرنا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی گئی ہے یہ دونوں شناعت کے اعتبار سے برابر کے گناہ ہیں۔ تو اے اہلِ مکہ! ذرا غور تو کرو کہ محمد ﷺ جنہوں نے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کی ہے کیا آپؐ کی سیرت اور آپؐ کے کردار میں تم کوئی ایسا پہلو دیکھتے ہو کہ آپؐ اتنے بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں؟ اور ان دو باتوں کے ساتھ ایک تیسری بات:

﴿وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور جو کہے کہ میں بھی اتار سکتا ہوں جیسا کلام اللہ نے اُتارا ہے۔''

اگرچہ اہلِ عرب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ قرآن کی نظیر پیش کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں' پھر بھی زبان سے الفاظ کہہ دینے کی حد تک کسی نے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے زبان دانی کا دعویٰ کرنے والے ماہرین' شعراء اور اُدباء سمیت اس معاشرے کے تمام لوگوں کو ایک بار نہیں' بار بار یہ چیلنج کیا کہ تم سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھ جاؤ اور اس جیسا کلام بنا کر دکھاؤ' لیکن کسی میں بھی اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت نہ ہو سکی۔

﴿وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ ''اور کاش تم دیکھ سکتے جبکہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ آگے بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) کہ نکالو اپنی جانیں۔''

﴿اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''آج تمہیں ذِلّت کا عذاب دیا جائے گا بسبب اس کے جو تم کہتے رہے تھے اللہ کی طرف منسوب کر کے ناحق باتیں اور جو تم اللہ کی آیات سے متکبرانہ اعراض کرتے رہے تھے۔''

آیت ۹۴ ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''(پھر ان سے کہا جائے گا) اور اب آ گئے ہو نا! ہمارے پاس اکیلے اکیلے' جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ''

یعنی آج اپنے تمام لاؤ لشکر' مال و متاع اور خدم و حشم سب کچھ پیچھے چھوڑ آئے ہو' آج کوئی بھی' کچھ بھی تمہاری مدد کے لیے تمہارے ساتھ نہیں۔ یہی بات سورۂ مریم میں اس طرح کہی گئی ہے: ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾﴾ کہ قیامت کے دن ہر شخص کا محاسبہ انفرادی حیثیت میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے اس کے لیے ہر کوئی اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اکیلا کھڑا ہوگا' نہ کسی کے رشتہ دار ساتھ ہوں گے' نہ ماں باپ' نہ اولاد' نہ بیوی' نہ بیوی کے ساتھ اس کا شوہر' نہ ساز و سامان نہ خدم و حشم!

یہاں ایک اور اہم نکتہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تخلیق دو مرتبہ ہوئی ہے۔ ایک تخلیق عالمِ اَرواح میں ہوئی تھی' وہاں بھی ہر انسان اکیلا تھا' نہ کسی کا باپ ساتھ تھا نہ کسی کی ماں۔ تب ارواح کے مابین کوئی رشتہ داری بھی نہیں تھی۔ یہ رشتہ داریاں تو بعد میں عالمِ خلق میں آ کر وجود میں آتی ہیں۔ آیت زیرِ نظر میں عالمِ ارواح کی اِسی تخلیق کی طرف اشارہ

ہے۔ عالمِ ارواح کے اُس اجتماع میں بنی نوعِ انسان کے ہر فرد نے وہ عہد کیا تھا جسے ''عہدِ الست'' کہا جاتا ہے۔ جب پروردگارِ عالم نے اولادِ آدم کی ارواح سے سوال کیا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' تو سب نے جواب دیا: ﴿بَلٰى﴾ (الاعراف:۱۷۲) ''کیوں نہیں!'' عالمِ ارواح کے اجتماع اور روزِ محشر کے اجتماع میں ایک لحاظ سے فرق ہے اور ایک لحاظ سے مشابہت۔ فرق یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں مجرد اَرواح کی شمولیت ہوئی تھی‘ اُس وقت تک انسانوں کو جسم عطا نہیں ہوئے تھے‘ جب کہ روزِ محشر کے اجتماع میں تمام انسان دُنیوی اجسام کے ساتھ شامل ہوں گے۔ ان دونوں اجتماعات میں مشابہت یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپؐ کی نسل کے آخری انسان تک سب کی ارواح موجود تھیں اور قیامت کے دن بھی یہ سب کے سب انسان اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہوں گے۔

﴿وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ﴾ ''اور تم چھوڑ آئے ہو اپنے پیچھے وہ سب کچھ جس میں ہم نے تمہیں لپیٹ دیا تھا۔''

وہ کون سی چیزیں ہیں جن میں یہاں اس دنیا میں ہمیں لپیٹ دیا گیا ہے‘ اس پر غور کی ضرورت ہے۔ انسان کے حوالے سے اصل چیز تو اس کی روح ہے۔ اس روح کے لیے پہلا غلاف انسان کا جسم ہے‘ پھر اس غلاف کے اوپر کپڑوں کا غلاف ہے‘ کپڑوں کے اوپر پھر مکان کا غلاف اور پھر دیگر اشیائے ضرورت۔ اس طرح روح کے لیے جسم اور جسم کی ضروریات کے لیے تمام مادّی اشیاء یعنی اس دنیا کا ساز و سامان وغیرہ سب کچھ اس میں شامل ہے۔ ہماری روح درحقیقت ان مادی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ قیامت کے دن ارشاد ہوگا کہ آج تم ہمارے پاس اکیلے حاضر ہوئے ہو اور دنیا کی تمام مادی چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ﴾ ''اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی جن کے بارے میں تمہیں زعم تھا کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔''

ان مجرم لوگوں کو اپنے جن معبودوں کے بارے میں زعم تھا کہ وہ ان کے لیے قیامت کے دِن شفاعت کریں گے وہ سب وہاں اُن سے اعلانِ براءت کر دیں گے۔ لات‘ منات‘ عُزّٰی اور دوسرے معبودانِ باطل تو کسی شمار و قطار ہی میں نہیں ہوں گے‘ اس سلسلے میں انبیاء کرام علیہم السلام‘ ملائکہ اور اولیاء اللہ سے لگائی گئی اِن کی امیدیں بھی اُس روز بَر نہیں آئیں گی۔

﴿لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ ''اب تمہارے مابین سارے رشتے ٹوٹ چکے''

﴿وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۹۴﴾ ''اور وہ سب چیزیں تم سے گم ہو گئیں جن کا تم زعم کیا کرتے تھے۔''

آج اُن ہستیوں میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہا جن کی سفارش کی امید کے سہارے پر تم حرام خوریاں کیا کرتے تھے۔

آیات ۹۵ تا ۱۰۰

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۹۵ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۹۶ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ
النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ
مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَ
جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى
ع ۱۲ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

آیت ۹۵ ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ﴾ ''یقیناً اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔''

عالمِ خلق کے اندر جو اُمور اور معاملات معمول کے مطابق وقوع پذیر ہو رہے ہیں' یہاں اُن کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً آم کی گٹھلی زمین میں دبائی گئی' کچھ دیر کے بعد وہ گٹھلی پھٹی اور اس میں سے دو پتے نکلے۔ اسی طرح پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ بظاہر یہ سب کچھ خود بخود ہوتا نظر آتا ہے' مگر حقیقت میں یہ نظام اُن فطری قوانین کے تحت چل رہا ہے جو اللہ نے اس دنیا میں فزیکل اور کیمیکل تبدیلیوں کے لیے وضع کر رکھے ہیں۔ اس لیے اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے ہر چھوٹے بڑے معاملے کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس حقیقت کا ذکر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنے وصایا میں بڑے مؤثر انداز سے کیا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے بچے اس حقیقت کو ہر وقت مستحضر رکھنا کہ ''لَا فاعلَ فی الحقیقۃ و لا مؤثِّرَ اِلَّا اللّٰہ'' یعنی حقیقت میں فاعل اور مؤثر اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ مختلف اشیاء میں جو تاثیر ہے وہ اُسی کی عطا کردہ ہے اور اُسی کے اِذن سے ہے۔ انسان کسی فعل کا ارادہ تو کر سکتا ہے لیکن کسی فعل کا بالفعل انجام پذیر ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے' کیونکہ ہر فعل اللہ کے حکم سے انجام پذیر ہوتا ہے۔

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾﴾ ''وہ نکالتا ہے زندہ کو مُردہ میں سے اور وہی نکالنے والا ہے مُردہ کو زندہ میں سے۔ یہی تو ہے اللہ (اس کو پہچانو) لیکن تم کدھر اُلٹے جا رہے ہو!''

آیت ۹۶ ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ﴾ ''وہی ہے صبح کو پھاڑنے والا۔''

یہ ''فلق'' کی دوسری قسم ہے کہ اللہ ہی رات کی سیاہی کا پردہ چاک کر کے سپیدۂ سحر کو نمودار کرتا ہے۔ بظاہر یہ بھی خود بخود زمین کی گردش کے تحت ہوتا نظر آتا ہے' لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ رات دن کا تغیر و تبدل اللہ کے تصرف اور اس کی تدبیر کے بغیر ہو رہا ہے۔ یہ سب بھی انہی قوانین کے تحت وقوع پذیر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین' چاند' سورج اور دوسرے اجرامِ فلکی کے بارے میں بنا دیے ہیں۔ چنانچہ اس سب کچھ کا فاعلِ حقیقی بھی وہی ہے۔

﴿وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ﴾ ''اُس نے بنا دیا رات کو سکون کا وقت اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے۔''

یہ التذکیر بآلاءِ اللہ کی مثالیں ہیں' جن کے حوالے سے اللہ کی عظمت' اُس کی صفات اور اُس کی قدرت کو نمایاں کیا جا رہا

ہے۔ یہ ایک لگا بندھا نظام ہے جس کے تحت سورج' چاند اور دیگر اجرامِ فلکی محوِ گردش ہیں۔ اسی نظام سے دن اور رات بنتے ہیں اور اسی سے مہینے اور سال وجود میں آتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾﴾ ''یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اُس ہستی کا جو زبردست ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔''

پرانے وقتوں میں راتوں کو قافلے ستاروں سے سمت متعین کر کے چلتے تھے۔ اسی طرح سمندر میں جہاز رانی کے لیے بھی ستاروں کی مدد سے ہی رخ متعین کیا جاتا تھا۔

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾﴾ ''ہم نے تو اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۹۸ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں اٹھایا ایک جان سے''

ظاہر ہے کہ تمام نوعِ انسانی ایک ہی جان سے وجود میں آئی ہے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام بھی مراد ہو سکتے ہیں اور جو لوگ نظریۂ ارتقاء کے حوالے سے بات کرتے ہیں وہ تحقیق کے اس سفر کو امیبا (Amoeba) سے شروع کرتے ہیں کہ اس ایک جان سے مختلف ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان بنا۔ امیبا میں کوئی sex یعنی تذکیر و تانیث کا معاملہ نہیں تھا۔ دورانِ ارتقاء رفتہ رفتہ sex ظاہر ہوا تو ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (النساء: ۱) والا مرحلہ آیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب ''قرآن اور علم جدید'' میں بہت عمدہ تحقیق کی ہے اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے بھی اس کی تصویب کی ہے۔ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔

﴿فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ﴾ ''پھر تمہارے لیے ایک تو مستقل ٹھکانہ ہے اور ایک کچھ دیر (امانتاً) رکھے جانے کی جگہ۔''

''مستقر'' اور ''مستودع'' کے بارے میں مفسرین کے تین اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ ''مستقر'' یہ دنیا ہے جہاں ہم رہ رہے ہیں اور ''مستودع'' سے مراد رحمِ مادر ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ''مستقر'' آخرت ہے اور ''مستودع'' قبر ہے۔ قبر میں انسان کو عارضی طور پر امانتاً رکھا جاتا ہے۔ یہ عالمِ برزخ ہے اور یہاں سے انسان نے بالآخر اپنے ''مستقر'' (آخرت) کی طرف جانا ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ ''مستقر'' آخرت ہے اور ''مستودع'' دنیا ہے۔ دنیا میں جو وقت ہم گزار رہے ہیں یہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی عارضی ہے۔

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾﴾ ''ہم نے تو اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں۔''

آیت ۹۹ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ﴾ ''اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان (یا بلندی) سے پانی۔''

﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ﴾ ''پھر ہم نے نکالی اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات' پھر ہم نے اُگائے اس سے سرسبز کھیت' جن میں سے ہم نکالتے ہیں دانے تہ بر تہ ایک دوسرے

کے اوپر چڑھے ہوئے۔''

کسی بھی فصل یا اناج کا بیج دیکھیں تو اس کے دانے نہایت خوبصورتی اور سلیقے سے باہم جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ ''اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے خوشے' اور (ہم نے بنا دیے) باغات انگوروں کے اور زیتون اور انار کے جو (رنگ' شکل اور ذائقے کے اعتبار سے) آپس میں مشابہ بھی ہیں اور مختلف بھی۔''

﴿اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ﴾ ''دیکھو اس کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور دیکھو اس کے پکنے کو جب وہ پکتا ہے۔''

یعنی مختلف درختوں کے پھل لانے اور پھر پھل کے پکنے کے عمل کو ذرا غور سے دیکھا کرو۔ یہاں پر وَيَنْعِهٖ کے بعد ''اِذَا اَيْنَعَ'' (جب وہ پک جائے) محذوف مانا جائے گا۔ یعنی اس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح تدریجاً پکتا ہے۔ پہلے پھل آتا ہے' پھر تدریجاً اس کے اندر تبدیلیاں آتی ہیں' جسامت میں بڑھتا ہے' پھر کچی حالت سے آہستہ آہستہ پکنا شروع ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

ایسی نشانیوں پر غور کرنے سے کمزور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے گا' دل کے یقین میں اضافہ ہو جائے گا (بفحوائے الفاظِ قرآنی: زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا) اور جن کے دلوں میں ہدایت کی طلب ہے انہیں ایسے مشاہدے سے ایمان کی دولت نصیب ہوگی۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا جنّات کو' حالانکہ اُسی نے انہیں پیدا کیا ہے''

جیسے انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں ویسے ہی جنّات بھی اس کی مخلوق ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جنّات کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو مٹی سے۔ جنّات اپنی خداداد طبعی صلاحیتوں کی وجہ سے کائنات میں وسیع پیمانے پر رسائی رکھتے ہیں۔ آج انسان نے اربوں ڈالر خرچ کر کے خلاؤں کے جس سفر کو ممکن بنایا ہے' ایک عام جن کے لیے ایسا سفر معمول کی کارروائی ہو سکتی ہے' مگر ان سارے کمالات کے باوجود یہ جنّات ہیں تو اللہ ہی کی مخلوق۔ اسی طرح فرشتے اپنی تخلیق اور صلاحیتوں کے لحاظ سے جنّات سے بھی بڑھ کر ہیں' مگر پیدا تو انہیں بھی اللہ ہی نے کیا ہے۔ لہٰذا انسان' جنّات اور فرشتے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور ان میں سے کسی کا بھی الوہیت میں کوئی حصہ نہیں۔

﴿وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ﴾ ''اور اس کے لیے انہوں نے گھڑ لیے ہیں بیٹے اور بیٹیاں بغیر کسی علمی سند کے۔''

حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو اللہ کے بیٹے قرار دیا گیا' جب کہ فرشتوں کے بارے میں کہہ دیا گیا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰﴾ ''وہ بہت پاک ہے اور بہت بلند و بالا ہے ان تمام چیزوں سے جو یہ بیان کر رہے ہیں۔''

آیات ۱۰۱ تا ۱۱۰

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَ
هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَ هُوَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۖ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ
الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ
اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾
وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ لَا
تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ
عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

آیت ۱۰۱ ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ عدم سے وجود میں لانے والا ہے آسمانوں اور زمین کو۔''

لفظ ''بدیع'' سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۷ میں بھی آ چکا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور اس کے معنی ہیں عدم محض سے کسی چیز کی تخلیق کرنے والا۔

﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾﴾ ''اُس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں' اور اُس نے تو ہر شے کو پیدا کیا ہے' اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی اولاد بتانے والے یہ بھی نہیں سوچتے کہ جب اُس کی کوئی شریکِ حیات ہی نہیں ہے تو اولاد کیسے ہو گی؟ دراصل کائنات اور اس کے اندر ہر چیز کا تعلق اللہ کے ساتھ صرف یہ ہے کہ وہ ایک خالق ہے اور باقی سب مخلوق ہیں۔ اور وہ ایسی علیم اور خبیر ہستی ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی شے اس کی نگاہوں سے ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہو پاتی۔

آیت ۱۰۲ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ ''وہ ہے اللہ تمہارا رب!''

اس اندازِ خطاب کو اس طرح سمجھیں کہ مشرکینِ مکہ اور اہلِ عرب اللہ کے منکر نہیں تھے۔ وہ اللہ کو مانتے تو تھے لیکن اللہ کی صفات' اُس کی قدرت اور اُس کی عظمت کے بارے میں ان کا ذہن کچھ محدود تھا۔ اس لیے یہاں اس انداز سے انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ دیکھو جس اللہ کو تم مانتے ہو وہی تو تمہارا ربّ اور پروردگار ہے۔ وہ اللہ بہت بلند شان والا ہے۔ تم نے اُس کی حقیقی شان کو نہیں پہچانا۔ تم نے اُس کو کوئی ایسی شخصیت سمجھ لیا ہے جس کے اوپر کوئی دباؤ ڈال کر بھی اپنی بات منوائی جا سکتی ہے۔ تم فرشتوں کو اُس کی بیٹیاں سمجھتے ہو۔

تمہارے خیال میں فرشتے جس کی سفارش کریں گے اُس کو بخش دیا جائے گا۔ اس طرح تم نے اللہ کو بھی انسانوں کے اوپر ہی قیاس کر لیا ہے کہ جس طرح کوئی انسان اپنی بیٹی کی بات رد نہیں کرتا' اسی طرح تم سمجھتے ہو کہ اللہ بھی فرشتوں کی بات نہیں ٹالے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدرت' اُس کی عظمت' اُس کا وراء الوراء ہونا' اُس کا بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم ہونا' اُس کا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہونا' اُس کا ہر جگہ پر ہر وقت موجود ہونا' اُس کی ایسی صفات ہیں جن کا تصور تم لوگ نہیں کر پا رہے ہو۔ لہٰذا اگر تم سمجھنا چاہو تو سمجھ لو: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ وہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی یہ شان اور قدرت بیان ہو رہی ہے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۠ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے' پس تم اُسی کی بندگی کرو' اور وہ ہر شے کا کارساز ہے۔''

اُس کے سوا کوئی تمہارے لیے کارساز نہیں۔ خود اُس کا حکم ہے: ﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴿۲﴾﴾ (بنی اسرائیل) کہ میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز نہ سمجھا کرو۔

آیت ۱۰۳ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''اُسے نگاہیں نہیں پا سکتیں' جبکہ وہ (تمہاری) نگاہوں کو پا لیتا ہے' اور وہ لطیف بھی ہے اور ہر چیز سے باخبر بھی۔''

اُس کی شانِ لطافت کے باعث انسانی نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شبِ معراج میں کیا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں دیکھا؟ اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء کچھ مختلف ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا تھا' لیکن حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے ہے کہ نہیں دیکھا تھا۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: نُوْرٌ اَنّٰی اَرٰی یعنی وہ تو نور ہے اُسے دیکھا کیسے جائے گا؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کوہِ طور پر استدعا کی تھی: ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ﴾ (الاعراف: ۱۴۳) ''پروردگار' مجھے یارائے نظر دے کہ میں تیرا دیدار کروں!'' تو صاف کہہ دیا گیا تھا: ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے''۔ اللہ اتنی لطیف ہستی ہے کہ اس کا دیکھنا ہماری نگاہوں سے ممکن نہیں۔ ہاں دل کی آنکھ سے اس کا دیدار ضرور کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں رہ کر بھی دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے تھے۔

آیت ۱۰۴ ﴿قَدْ جَاۗءَكُمْ بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ﴾ ''(دیکھو) تمہارے پاس آ چکی ہیں بصیرت افروز باتیں تمہارے ربّ کی طرف سے۔''

﴿فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ﴾ ''تو اب جو کوئی بینائی سے کام لے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے' اور جو کوئی اندھا بن جائے گا تو اس کا وبال اُسی پر ہوگا۔''

اب جو کوئی ان بصائر کو آنکھیں کھول کر دیکھے گا اور چشمِ بصیرت سے حقائق کا مواجہہ کرے گا تو وہ خود اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو ان حقائق کی طرف سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لے گا' یعنی وہ کسی تعصب' ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے حقیقت کو نہیں دیکھنا چاہے گا تو اس کا سارا وبال اُسی پر آئے گا۔

﴿وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔''

یہ بات نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ادا ہو رہی ہے کہ ہر کوئی اپنے اچھے بُرے اعمال کا خود ذمہ دار ہے' میری ذمہ داری تم تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی حد تک ہے' میں تمہاری طرف سے جوابدہ نہیں ہوں۔

آیت ﴿وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ﴾ ''اور اسی طرح ہم اپنی آیات کو گردش دلاتے ہیں تاکہ یہ پکار اُٹھیں کہ (اے نبی ﷺ) آپ نے سمجھا دیا''

ہم اپنی آیات بار بار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں' مختلف اسالیب سے دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر حُجت قائم ہو اور یہ تسلیم کریں کہ آپؐ نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ دَرَسَ ' یَدْرُسُ کے معنی ہیں لکھنا اور لکھنے کے بعد مٹانا' پھر لکھنا' پھر مٹانا۔ جیسے بچے ابتدا میں جب لکھنا سیکھتے ہیں تو مشق کے لیے بار بار لکھتے ہیں۔ (اس مقصد کے لیے ہمارے ہاں تختی استعمال ہوتی تھی جو اب متروک ہو گئی ہے۔) یہاں تدریجاً بار بار پڑھانے کے معنی میں یہ لفظ (دَرَسْتَ) استعمال ہوا ہے۔

﴿وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ''اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو ہر طرح سے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (یا جو علم حاصل کرنا چاہتے ہیں)۔''

آیت ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''آپؐ پیروی کیے جائیں اُس کی جو وحی کیا جا رہا ہے آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے۔''

اس سورۃ میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو بار بار مخاطب کیا جا رہا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے' یہ خطاب دراصل حضور ﷺ کی وساطت سے اُمّت کے لیے بھی ہے۔ مکّی سورتوں (دو تہائی قرآن) میں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب بہت کم ملتا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ مکّی دور میں مسلمان باقاعدہ ایک اُمت نہیں تھے۔ اُمّت کی تشکیل تو تحویلِ قبلہ کے بعد ہوئی ہے۔ اسی لیے تحویلِ قبلہ کے حکم کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:۱۴۳) اب جبکہ مسلمانوں کو باقاعدہ اُمّت کا درجہ دے دیا گیا تو پھر اُن سے خطاب بھی براہِ راست ہونے لگا۔ چنانچہ سورۃ الحجرات جو ۱۸ آیات پر مشتمل مدنی سورۃ ہے' اس میں پانچ دفعہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ سے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب فرمایا گیا ہے۔ لیکن دوسری طرف پورے مکّی قرآن میں کہیں ایک مرتبہ بھی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ نہیں آئے۔ مکّی سورتوں میں اہلِ ایمان سے جو بھی کہا گیا ہے وہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے واحد کے صیغے میں کہا گیا ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ نظر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ پیروی کرو اُس کی جو آپؐ پر وحی کیا جا رہا ہے آپؐ کے رب کی طرف سے' تو یہ حکم صرف حضور ﷺ کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور آپؐ ان مشرکوں سے کنارہ کشی کر لیجیے۔''

آیت ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے۔ اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا ہے۔''

اگر اللہ تعالیٰ کو بالجبر ان سب کو ایمان پر لانا ہوتا تو اُس کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں تھا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپؐ کو ان پر داروغہ یا نگران مقرر نہیں کیا گیا۔ آپؐ کا کام ہے حق کو واضح کر دینا۔ چنانچہ آپؐ اس قرآن کے ذریعے انہیں خبردار کرتے رہے' اس کے ذریعے انہیں تذکیر کرتے رہے' اس کے ذریعے انہیں خوشخبریاں دیتے رہے۔ آپؐ کی بس یہ

ذمہ داری ہے: ﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾﴾ (الغاشیۃ) ''پس آپ انہیں یاد دہانی کرائیے' اس لیے کہ آپ تو یاد دہانی ہی کرانے والے ہیں۔ آپ ان کے اوپر نگران نہیں ہیں۔''

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''اور نہ ہی آپ ان کے ضامن ہیں۔''

آیت ۱۰۸ ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ﴾ ''اور مت گالیاں دو (یا مت برا بھلا کہو) ان کو جنہیں یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا' تو وہ اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے زیادتی کرتے ہوئے بغیر سوچے سمجھے۔''

یعنی تم لوگ کہیں جوش میں آ کر ان کے بتوں کو برا بھلا مت کہنا' کیونکہ وہ ان کو اپنے معبود سمجھتے ہیں' ان کے ذہنوں میں ان کی عظمت اور دلوں میں ان کی عقیدت ہے' اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غصے میں آ کر جواباً اللہ کو گالیاں دینے لگ جائیں۔ لہٰذا تم کبھی ایسا اشتعال آمیز انداز اختیار نہ کرنا۔ یہاں ایک دفعہ پھر نوٹ کیجیے کہ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے' لیکن انہیں ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' سے مخاطب نہیں کیا گیا۔

﴿كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪﴾ ''اسی طرح ہم نے ہر قوم کے لیے اس کے عمل کو مزین کر دیا ہے''

جس طرح ہر کوئی اپنے عقیدے میں خوش ہے اسی طرح یہ مشرکین بھی اپنے بتوں کی عقیدت میں مگن ہیں۔ ظاہر بات ہے وہ اُن کو اپنے معبود سمجھتے ہیں تو اُن کے بارے میں اُن کے جذبات بھی بہت حساس ہیں۔ اس لیے اے نبی ﷺ آپ انہیں مناسب انداز سے سمجھائیں' انذار' تبشیر' تذکیر اور تبلیغ وغیرہ سب طریقے آزمائیں' لیکن ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''پھر اپنے رب ہی کی طرف ان سب کو لوٹنا ہے تو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۰۹ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ﴾ ''اور وہ اللہ کی قسمیں کھا رہے ہیں شد و مد کے ساتھ کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائے تو وہ لازماً اُس پر ایمان لے آئیں گے۔''

پھر ان کے اسی مطالبے کا ذکر آ گیا کہ وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو وہ لازماً ایمان لے آئیں گے۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی بتایا گیا ہے یہ مضمون اس سورۂ مبارکہ کا عمود ہے۔ مشرکینِ مکہ کا یہ مطالبہ تھا کہ جب آپ (ﷺ) نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر معجزہ کیوں نہیں دکھاتے؟ اس سے پہلے تمام انبیاء اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر معجزات دکھاتے رہے ہیں۔ آپ (ﷺ) خود کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو معجزات دکھائے' حضرت عیسیٰؑ نے بھی معجزات دکھائے' حضرت صالحؑ نے بھی اپنی قوم کو معجزہ دکھایا' تو پھر آپ (ﷺ) معجزہ دکھا کر کیوں ہمیں مطمئن نہیں کرتے؟ اُن کے سردار اپنے عوام کو متاثر کرنے کے لیے بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ آپ (ﷺ) دکھائیے تو سہی ایک دفعہ معجزہ' اسے دیکھتے ہی ہم لازماً ایمان لے آئیں گے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ کے اختیار میں ہیں''

آپ (ﷺ) انہیں صاف طور پر بتا دیجیے کہ معجزہ دکھانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ تمہارے مطالبے پر کوئی معجزہ نہیں دکھائے گا۔ ان کی اس طرح کی باتوں کا چونکہ مسلمانوں پر بھی اثر پڑنے کا امکان تھا' اس لیے آگے فرمایا:

﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب وہ نشانی آجائے گی تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

یہ لوگ ایمان تو معجزہ دیکھ کر بھی نہیں لائیں گے' لیکن معجزہ دیکھ لینے کے بعد ان کی مہلت ختم ہو جائے گی اور وہ فوری طور پر عذاب کی گرفت میں آجائیں گے۔ اس لیے ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں معجزہ نہ دکھایا جائے۔ چنانچہ ان کی باتیں سن سن کر جو تنگی اور گھٹن تم لوگ اپنے دلوں میں محسوس کر رہے ہو اس کو برداشت کرو اور ان کے اس مطالبے کو نظر انداز کر دو۔

آیت ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو اُلٹ دیں گے جس طرح وہ ایمان نہیں لائے تھے پہلی مرتبہ''

اس قاعدے اور قانون کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو صلاحیتیں دی ہیں اگر وہ ان کو استعمال کرتا رہتا ہے تو ان میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اگر آپ دوسروں کو علم سکھائیں گے تو آپ کے علم میں اضافہ ہوگا۔ اگر آپ معمول کے مطابق آنکھ کا استعمال کرتے رہیں گے تو آنکھ صحت مند رہے گی' اس کی بصارت برقرار رہے گی۔ لیکن اگر آپ اپنی آنکھ پر پٹی باندھ دیں گے تو دو چار مہینے کے بعد اس کی بصارت زائل ہو جائے گی۔ انسانی جوڑوں کو حرکت کرنے کے لیے بنایا گیا ہے' اگر آپ کسی جوڑ پر پلاسٹر چڑھا دیں گے تو کچھ مہینوں کے بعد اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ جو صلاحیت اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے اگر وہ اس کا استعمال نہیں کرے گا تو وہ صلاحیت تدریجاً زائل ہو جائے گی۔ اسی طرح حق کو پہچاننے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو باطنی طور پر صلاحیت ودیعت کی ہے۔ اب اگر ایک شخص پر حق منکشف ہو گیا ہے' اس کے اندر حق کو پہچاننے کی صلاحیت موجود ہے' اُس کے دل نے گواہی بھی دے دی ہے کہ یہ حق ہے' لیکن اگر کسی تعصب کی وجہ سے' کسی ضِد اور ہٹ دھرمی کے سبب اس نے اُس حق کو دیکھنے' سمجھنے اور ماننے سے انکار کر دیا' تو اس کی حق شناسی کی صلاحیت قدرے کم ہو جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ کبھی حق کی کوئی چنگاری اس کے دل میں روشن ہوئی تو اُس کا اثر اس پر پہلے سے کم ہوگا۔ اور اگر وہ شخص جان بوجھ کر حق کا مسلسل انکار کرتا رہا تو تدریجاً وہ نوبت آجائے گی کہ حق کو پہچاننے کی اُس کی باطنی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سورۃ البقرۃ' آیت ۷ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اللہ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر' اور ان کی آنکھوں کے آگے پردے ڈال دیے ہیں' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔ اس لیے کہ جب ضِد اور تعصب کی بنا پر وہ لوگ سمجھتے بوجھتے حق کا مسلسل انکار کرتے رہے تو اُن کی حق کو پہچاننے کی صلاحیتیں سلب کر لی گئیں۔ اس کے بعد وہ اس انتہا کو پہنچ گئے جہاں سے واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ ایسی انتہا کو ''point of no return'' کہتے ہیں۔ ہر معاملے میں واپسی کا ایک وقت ہوتا ہے' لیکن وہ وقت گزر جانے کے بعد ایسا کرنا ممکن نہیں رہتا۔

آیت زیر مطالعہ میں یہی فلسفہ ذرا مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ ان لوگوں پر حق منکشف ہوا' اللہ نے حجت قائم کر دی' انہوں نے حق کو پہچان لیا' ان کے دلوں' ان کی روحوں اور باطنی بصیرت نے گواہی دے دی کہ یہ حق ہے' اس کے بعد اگر وہ اس حق کو فوراً مان لیتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اللہ نے فرمایا کہ اس کی سزا کے طور پر ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیں گے' اب وہ سو معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ ''اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی کے اندر بھٹکتے رہیں۔''

ہم چھوڑ دیں گے اُن کو ان کی باطنی' ذہنی' نفسیاتی اور اخلاقی گمراہیوں کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے۔ اسی مفہوم میں لفظ ''یَعْمَهُوْنَ'' ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵ میں بھی پڑھ چکے ہیں' بلکہ وہاں آیت ۱۸ میں اس سے ملتے جلتے مفہوم کا حامل لفظ ''عُمْیٌ'' بھی آیا ہے۔ عَمِهَ یَعْمَهُ بصیرت سے محرومی یعنی باطنی اندھے پن کے لیے آتا ہے اور ''عَمِیَ یَعْمٰی'' بصارت سے محرومی یعنی آنکھوں سے اندھا ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

آیات ۱۱۱ تا ۱۲۱

الجزء السابع (۸)

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِیَرْضَوْهُ وَ لِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآىِٕهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓـئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

آیت ۱۱۱ ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ ''اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے''

یعنی ہم ان کے مطالبے کے مطابق ایک فرشتہ تو کیا فرشتوں کی فوجیں اتار سکتے ہیں' ان فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دکھا سکتے ہیں' لیکن اگر ہم واقعتاً فرشتے اُتار بھی دیتے اور ان کو دکھا بھی دیتے.....

﴿وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا﴾ ''اور مُردے بھی ان سے گفتگو کرتے اور ہم تمام چیزیں لا کر ان کے روبرو جمع کر دیتے''

﴿مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ ''تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے''

اگر اللہ چاہے اور اگر کسی کے اندر حق کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ معجزوں کے بغیر بھی ایسے لوگوں کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ جیسے اُس نے بہت سے طالبانِ حق کی راہنمائی فرمائی اور وہ کوئی معجزہ دیکھے بغیر ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝۱۱۱﴾ ''لیکن ان کی اکثریت جاہلوں پر مشتمل ہے۔''

یہاں ''جاہلوں'' سے مراد جذباتی لوگ ہیں' جو عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے جذبات کے آلہ کار بن جاتے ہیں ـــــ اگلی آیت فلسفۂ دعوت و تحریک کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

آیت ۱۱۲ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنا دیے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین''

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے' انبیاء کرام علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی ضرورت تھی' پھر اللہ نے شیاطین کو اُن کے خلاف کیوں کھڑا کر دیا؟ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا بہت اہم قانون ہے جس کے بارے میں راہِ حق کے ہر مسافر کو معلوم ہونا چاہیے۔ مقصود اس سے سچائی اور خلوص کا امتحان ہے۔ ظاہر ہے اگر حق و باطل میں باہم کشاکش نہیں ہوگی تو پھر کھرے اور کھوٹے کی پہچان بھی نہیں ہو سکے گی کہ کون واقعی حق پرست ہے اور کون جھوٹا دعویدار؟ کون اللہ سے سچی محبت کرتا ہے اور کون دودھ پینے والا مجنوں ہے؟ یہ دنیا تو بنی ہی آزمائش کے لیے ہے۔ یہاں اگر شر کا وجود ہی نہ ہو' اور ہر جگہ خیر ہی خیر ہو تو خیر کے طلبگاروں کی آزمائش کیسے ہوگی؟ لہٰذا یہاں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ کشمکش کی فضا ہم خود پیدا کرتے ہیں۔ ہم خود حق پر چلنے والوں کو تلاطم خیز موجوں کے سپرد کر کے ان کی استقامت کو پرکھتے ہیں اور پھر ثابت قدم رہنے والوں کو نوازتے ہیں۔ لہٰذا اس بارگاہ میں جو جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ آزمایا جاتا ہے' پھر جو جتنی استقامت دکھاتا ہے اور جو جتنا ایثار کرتا ہے' اتنا ہی اُس کا مرتبہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ راہِ حق کے مسافروں کو آزمائشوں سے گھبرانا نہیں چاہیے: ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب — یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے!

﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ﴾ ''وہ ایک دوسرے کو اشاروں کنایوں میں پُرفریب باتیں پہنچاتے رہتے ہیں گمراہ کرنے کے لیے۔''

مثلاً ایک جن شیطان آ کر اپنے ساتھی انسان شیطان کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ شاباش اپنے موقف پر ڈٹے رہو' اسی کا نام استقامت ہے۔ دیکھو کہیں پھسل نہ جانا اور اپنے مخالف کے موقف کو قبول نہ کر لینا ـــــ ان کا آپس میں اس طرح کا گٹھ جوڑ یونہی چلتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو ایسا کرنے کے لیے چھوٹ دے رکھی ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ ''اور اگر آپ کا ربّ چاہتا تو وہ یہ نہ کر سکتے''

ظاہر بات ہے کہ اس کائنات میں کوئی ایک پتا بھی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ ابوجہل کی کیا مجال تھی کہ وہ حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کرتا۔ وہ برچھا اٹھاتا بھی تو اُس کا ہاتھ شل ہو جاتا۔ لیکن یہ تو اللہ کی طرف سے چھوٹ تھی کہ ٹھیک ہے' تم ہماری اس بندی کو جتنا آزمانا چاہتے ہو آزما لو۔ ان آزمائشوں سے ہمارے ہاں اس کے مراتب بلند سے بلند تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے پر انعامات کا ذکر ہوا ہے: ﴿قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ

الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ''اُس نے کہا کاش کہ میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ کس طرح میرے ربّ نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزز ین میں سے بنا دیا''۔ یعنی اُدھر دنیا میں تو میری شہادت کے بعد صفِ ماتم بچھی ہوگی' سب گھر والے میری جدائی میں نڈھال ہوں گے' بچے رو رو کر ہلکان ہو رہے ہوں گے' لیکن کاش وہ جان سکتے کہ مجھے میرے ربّ نے کس کس طرح سے نوازا ہے' کیسے کیسے انعامات کی یہاں مجھ پر بارش کی گئی ہے اور میں یہاں کس عیش و آرام میں ہوں! اگر انہیں میرے اس اعزاز و اکرام کی کچھ بھی خبر ہو جاتی تو رونے دھونے کی بجائے وہ خوشیاں منا رہے ہوتے۔

﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''تو چھوڑیے آپؐ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو۔''

یہ ہماری سُنّت ہے' ہمارا طریقہ ہے' ہم نے خود ان کو یہ سب کچھ کرنے کی ڈھیل دے رکھی ہے' لہٰذا آپؐ ان سے اعراض فرمایئے اور ان کو ان کی افترا پردازیوں میں پڑے رہنے دیجیے۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''اور (ایسا اس لیے ہے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے''

﴿وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور تاکہ وہ اس کو پسند بھی کریں اور پھر وہ اپنے بُرے اعمال کا جو بھی انبار جمع کرنا چاہتے ہیں جمع کر لیں۔''

اس فلسفے کو ایک مثال سے سمجھئے۔ اگر پانی کا برقی رو کے ذریعے تجزیہ (electrolysis) کریں تو negative اور positive چارج والے آئنز (ions) الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں حق و باطل کی کشمکش کے ذریعے کھرے اور کھوٹے کی ionization کرتا ہے۔ اہلِ حق نکھر کر ایک طرف ہو جاتے ہیں اور اہلِ باطل دوسری طرف۔ اس طرح انسانی معاشرے میں اچھے اور برے کی تمیز واضح ہو جاتی ہے۔ سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۷۹) میں اللہ تعالیٰ کے اس قانون کا ذکر بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ﴾ ''تاکہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے''۔ معاشرے کے اندر عام طور پر پاک اور ناپاک عناصر گڈمڈ ہوئے ہوتے ہیں' لیکن جب آزمائشیں اور تکلیفیں آتی ہیں' امتحانات آتے ہیں تو یہ خبیث اور طیب عناصر واضح طور پر الگ الگ ہو جاتے ہیں' یعنی منافق علیحدہ اور اہلِ ایمان علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ آیت زیر نظر کے مطابق شیاطینِ اِنس و جن کو کھل کھیلنے کی مہلت اسی حکمت کے تحت فراہم کی جاتی ہے اور منکرینِ آخرت کو بھی پورا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اُن شیاطین کی طرف سے پھیلائے ہوئے بے سر و پا نظریات کی طرف مائل ہونا چاہیں تو بے شک ہو جائیں۔

آیت ۱۱۴ ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا﴾ ''کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حَکَم ڈھونڈوں؟''

اس متجسسانہ سوال (searching question) کے مخاطب خصوصی طور پر مشرکینِ مکّہ ہیں۔ وہ لوگ اللہ کو مانتے تھے' چنانچہ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ وہ اللہ جس کو تم مانتے ہو' میں نے بھی اُسی کو اپنا رب مانا ہے۔ تو کیا اب تم چاہتے ہو کہ میں اُس معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا حَکَم تسلیم کر لوں' اور وہ بھی ان میں سے جن کو تم لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے' جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند یا دلیل نازل نہیں کی ہے۔ سورۃ الزخرف میں اسی نکتہ کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''آپؐ کہیے کہ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے اُس کو میں پوجتا''۔ یعنی جب میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں تو اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو کیا میں اس کی پرستش نہ کرتا؟ چنانچہ میں جو اللہ کو اپنا معبود مانتا ہوں اور یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس کی کوئی اولاد

نہیں ہے تو جان لو کہ اس کی واقعی کوئی اولاد نہیں ہے۔ سمجھانے کا یہ انداز جو قرآن میں اختیار کیا گیا ہے بالکل فطری ہے۔ اس میں منطق کے بجائے جذبات سے براہِ راست اپیل ہے۔ دروں بینی (introspection) کی طرف دعوت ہے کہ اپنے دل میں جھانکو گریبان میں منہ ڈالو اور سوچو حقیقت تمہیں خود ہی نظر آجائے گی۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف ایک بڑی مفصل کتاب نازل کی ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۱۱۴﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ' تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے۔''

اہلِ کتاب زبان سے اقرار کریں نہ کریں' اپنے دلوں میں ضرور یقین رکھتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ﴾ ''اور آپؐ کے رب کی بات تو سچائی اور عدل پر مبنی ہونے کے اعتبار سے درجہ کمال تک پہنچ چکی ہے۔''

آپ کے ربّ کی بات اُس کی مشیت کے مطابق مکمل ہو چکی ہے' جیسے سورۃ المائدۃ' آیت ۳ میں واضح فرمایا گیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اِتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے۔''

﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۱۱۵﴾ ''اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں' اور وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور اگر تم پیروی کرو گے زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے لازماً گمراہ کر دیں گے۔''

جدید جمہوری نظام کے فلسفے کی نفی کے لیے یہ بڑی اہم آیت ہے۔ جمہوریت میں اصابتِ رائے کے بجائے تعداد کو دیکھا جاتا ہے۔ بقولِ اقبالؔ:

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں — بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے!

اس حوالے سے قرآن کا یہ حکم بہت واضح ہے کہ اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں لازماً گمراہ کر دیں گے۔ دنیا میں باطل پرستوں کی ہمیشہ اکثریت رہی ہے۔ دورِ صحابہؓ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دنیا کی پوری آبادی کے تناظر میں دیکھیں تو لاکھ کے مقابلے میں ایک کی نسبت بھی نہیں بنتی۔ اس لیے اکثریت کو کُلّی اختیار دے کر کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ایک صورت میں اکثریت کی رائے کو اہمیت دی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کو قطعی اصولوں اور land makers کے طور پر مان لیا جائے تو پھر اُن کی واضح کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے مباحات کے بارے میں اکثریت کی بنا پر فیصلے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کسی دعوت کے ضمن میں اگر یہ فیصلہ کرنا مقصود ہو کہ مہمانوں کو کون سا مشروب پیش کیا جائے تو ظاہر ہے کہ شراب

کے بارے میں تو رائے شماری نہیں ہو سکتی' وہ تو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق حرام ہے۔ ہاں روح افزا' کوکا کولا' سپرائٹ وغیرہ کے بارے میں آپ اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اختیارِ مطلق (Absolute Authority) اور اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) اکثریت کے پاس ہو تو اس صورتِ حال پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے دینِ اسلام کا اصول یہ ہے کہ کُلّی اختیار اور اقتدارِ اعلیٰ تو بہر حال اللہ تعالیٰ کے پاس رہے گا' جو اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ البتہ اُس کے احکام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلے کیے جا سکتے ہیں۔

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''یہ نہیں پیروی کر رہے مگر ظن و تخمین کی اور یہ نہیں کچھ کر رہے سوائے اس کے کہ انہوں نے کچھ اندازے مقرر کر رکھے ہیں۔''

یعنی یہ لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انکل کے تیر تُکّے چلا کر قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

آیت ۱۱۷ ﴿اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِہٖ ۚ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''یقیناً آپ کا ربّ خوب جانتا ہے اُن کو جو اُس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں' اور وہ خوب واقف ہے اُن سے بھی جو ہدایت کی راہ پر ہیں۔''

آیت ۱۱۸ ﴿فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کُنْتُمْ بِاٰیٰتِہٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''پس کھاؤ ان چیزوں میں سے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اگر تم اُس کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔''

یہاں کھانے پینے کی چیزوں کی حِلّت و حرمت کے بارے میں مشرکینِ عرب کے جاہلانہ نظریات اور توہمات کا رد کیا گیا ہے۔

آیت ۱۱۹ ﴿وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہے کہ تم نہیں کھاتے وہ چیزیں جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو''

یہ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ (بحوالہ المائدۃ: ۱۰۳) کے بارے میں تمہارے تمام عقیدے مَن گھڑت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی پابندیاں اپنے بندوں پر نہیں لگائیں۔ لہٰذا حلال جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا کرو اور بلا کراہت ان کا گوشت کھایا کرو۔

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ﴾ ''جب کہ اللہ تفصیل بیان کر چکا ہے تمہارے لیے ان چیزوں کی جو حرام کی گئی ہیں تم پر''

یہ تفصیل سورۃ النحل' آیت ۱۱۵ میں آئی ہے۔ سورۃ النحل چونکہ سورۃ الانعام سے پہلے نازل ہوئی تھی اس لیے یہاں فرمایا گیا کہ حلال چیزوں کی تفصیل تمہارے لیے پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے۔

﴿اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ ؕ﴾ ''سوائے اُس چیز کے کہ تم مجبور ہو جاؤ اُس (کے کھانے) کے لیے۔''

اس قانون میں بھی تمہارے لیے گنجائش ہے کہ اگر اضطرار ہے' جان پر بنی ہوئی ہے' بھوک سے جان نکل رہی ہے تو ان حرام چیزوں میں سے بھی کچھ کھا کر جان بچائی جا سکتی ہے۔

﴿وَاِنَّ کَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَھْوَآئِھِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اور یقیناً بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اپنی خواہشات کی بنا پر لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ یقیناً آپ کا ربّ خوب جانتا ہے حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔''

آیت ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ﴾ ''اور چھوڑ دو (ہر طرح کے) گناہ کو، وہ کھلا ہو یا چھپا ہوا۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝۱۲۰﴾ ''یقیناً جو لوگ گناہ کماتے ہیں انہیں جلد ہی بدلہ ملے گا اس کا جو وہ جمع کر رہے ہیں۔''

آیت ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ﴾ ''اور مت کھاؤ اُس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اور یقیناً یہ (اس کا کھانا) گناہ ہے۔''

اس آیت کا تعلق بھی مشرکینِ عرب کے خود ساختہ اعتقادات اور توہمات سے ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بعض جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام سرے سے لینا ہی نہیں چاہیے۔ یہ حکم ایک خاص مسئلے کے حوالے سے ہے، جس کی وضاحت آگے آیت ۱۳۸ کے تحت آئے گی۔

﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝۱۲۱﴾ ''اور یقیناً یہ شیاطین اپنے ساتھیوں کو وحی کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔''

مشرکینِ مکہ اپنے غلط اعتقادات کی حمایت میں طرح طرح کی حُجت بازی کرتے رہتے تھے، مثلاً یہ کہ جو جانور اللہ نے مارا ہے یعنی از خود مر گیا ہے اسے کیوں حرام قرار دے دیا جائے اور جس کو تم خود مارتے ہو یعنی ذبح کرتے ہو اس کو آخر کس دلیل کے تحت حلال مان لیا جائے؟ اسی طرح وہ سود کے بارے میں بھی یہ دلیل دیتے تھے کہ ﴿اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ''کہ یہ بیع بھی تو ربا (سود) ہی کی طرح ہے''۔ جیسے تجارت میں نفع ہوتا ہے ایسے ہی سودی لین دین میں بھی نفع ہوتا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ دس لاکھ کسی کو قرض دیے، اس سے چار ہزار روپے ماہانہ منافع لے لیا تو وہ ناجائز اور دس لاکھ کا مکان کسی کو کرائے پر دے کر چار ہزار روپے ماہانہ اس سے کرایہ لیا جائے تو وہ جائز! ایسے اشکالات کے بارے میں یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اس طرح کی باتیں ان کے شیاطین انہیں سکھاتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے مجادلہ کریں، تاکہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گمراہی کے راستے پر لے چلیں۔ لہٰذا تم ان کی اس طرح کی باتوں کو نظر انداز کرتے رہا کرو۔

آیات ۱۲۲ تا ۱۴۰

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۲ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲۳ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٥﴾ وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٥٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَ يَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ
الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٥٨﴾ وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ
بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٥٩﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٦٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى
بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٦١﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٢﴾
وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ
اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٦٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٦٤﴾ قُلْ
يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ
بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ
يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ
اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ
وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٦٧﴾ وَ قَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ
اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ
بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٦٨﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى
اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٦٩﴾
قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى
اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٧٠﴾

آیت ۱۲۲ ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾ ''بھلا جو کوئی تھا مُردہ' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا''

اس سے معنوی حیات وممات مراد ہے۔ یعنی ایک شخص جو اللہ سے واقف نہیں تھا' صرف دُنیا کا بندہ بنا ہوا تھا' اس کی انسانیت درحقیقت مُردہ تھی' وہ حیوان کی حیثیت سے تو زندہ تھا لیکن بحیثیت انسان وہ مُردہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کی ہدایت دی تو اس کے بعد گویا وہ زندہ ہو گیا۔

﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ ''اور ہم نے اُس کے لیے روشنی کر دی' اب اس کے ساتھ وہ چل رہا ہے لوگوں کے مابین' کیا وہ اُس شخص کی طرح ہو جائے گا جو اندھیروں میں (بھٹک رہا) ہو اور ان سے وہ نکلنے والا بھی نہ ہو۔''

﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾﴾ ''اسی طرح مزین کر دیا گیا ہے ان کافروں کے لیے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

مثال کے طور پر ایک وہ شخص تھا جس نے نظریاتی معاملات کی پیچیدگیوں کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی تھی' لیکن پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی' نورِ قرآن سے اس کے سینے کو منور کر دیا' اب وہ اس نور میں آگے بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حق کی طرف متوجہ ہونے میں چھ سال لگ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی چھ سال بعد ایمان لائے' لیکن ایمان لانے کے بعد انہوں نے قرآن کو مشعلِ راہ بنایا اور اللہ کے راستے میں سرفروشی کی لازوال مثالیں پیش کیں۔ دوسری طرف وہ لوگ بھی تھے جو ساری عمر جہالت کے اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہے اور اسی حالت میں انہیں موت آ گئی۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم کھڑے کیے تاکہ وہ اس میں خوب سازشیں کریں۔''

یہ وہی فلسفہ ہے جو قبل ازیں آیت ۱۱۲ میں بھی بیان ہوا ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ شیاطینِ انس و جن کو ہم خود ہی انبیاء کی دشمنی کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ یہاں پر اس سے ملتی جلتی بات کہی گئی کہ ہم ہر بستی کے اندر وہاں کے سرداروں اور بڑے بڑے چودھریوں کو چھوٹ دیتے ہیں کہ اگر وہ حق کے مقابلے میں کھڑے ہونا چاہیں تو علی الاعلان کھڑے ہوں' لوگوں کو سیدھے راستے سے روکیں' اپنی چالبازیوں اور مکاریوں سے حق پرستوں کو آزمائش میں ڈالیں۔ اس سے جہاں دشمنانِ حق کی آزمائش ہو جاتی ہے وہاں مؤمنین صادقین کی صلاحیتیں مزید اُجاگر ہوتی ہیں' ان کے جوہر کھلتے ہیں اور ان کی غیرتِ ایمانی کو جلا ملتی ہے۔

﴿وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾﴾ ''حالانکہ وہ مکر نہیں کرتے مگر اپنی جانوں کے ساتھ' لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

انہیں یہ شعور ہی نہیں کہ ان کی چالبازیوں کا سارا وبال تو بالآخر خود انہی پر پڑے گا۔ حضرت یاسر اور حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ جس نے جو کچھ کیا تھا اس کا وبال جب اس کے سامنے آئے گا تب اُس کی آنکھ کھلے گی اور اُس وقت تو یہ عالم ہو گا کہ ع ''جب آنکھ کھل گئی تو موسم تھا خزاں کا!''

﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ ''اور جب ان کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی وہی چیز نہ دے دی جائے جو (دوسرے) رسولوں کو دی گئی تھی۔''

آیاتِ قرآنیہ مختلف انداز سے منکرینِ حق کے سامنے حقائق و رموز پیش کرتی ہیں مگر ان دلائل و براہین کا تجزیہ کرنے اور انہیں سمجھنے کے بجائے یہ لوگ پھر وہی بات دہراتے ہیں کہ جیسے پہلے انبیاء کی قوموں کو معجزے دکھائے گئے تھے ہمیں بھی ویسے ہی

معجزات دکھائے جائیں تو تب ہم ایمان لائیں گے۔ اس معاملے کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جیسے مناسب سمجھا ہر قوم اور ہر اُمت کے ساتھ ویسا معاملہ فرمایا۔ پرانی اُمتوں کو حسی معجزے دکھائے گئے تھے اس لیے کہ وہ نوعِ انسانیت کا دورِ طفولیت تھا۔ جب تک انسانیت کا اجتماعی شعور حدِ بلوغت کو نہیں پہنچا تھا تب تک حسی معجزات کا ظہور ہی مناسب تھا۔ جیسے بچے کو بہلانے کے لیے کھلونے دیے جاتے ہیں' لیکن شعور کی عمر کو پہنچ کر اس کے لیے عقل اور حکمت کی تعلیم ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی بعثت کے وقت جبکہ بنی نوعِ انسان بحیثیت مجموعی سنجیدگی اور شعور کی عمر کو پہنچ چکی تھی' اس کو حسی اور وقتی معجزوں کے بجائے ایک ایسا معجزہ دیا گیا جو دائمی بھی ہے اور علم و حکمت کا منبع و شاہکار بھی۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾ ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے اور کس طرح لے!''

﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ''عنقریب پہنچے گی ان مجرموں (گنہگاروں) کو بہت ہی ذلّت اللہ کے ہاں سے اور سخت عذاب ان کی چال بازیوں کے سبب جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۲۵ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾ ''تو اللہ جس کسی کو ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اُس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

یہ ایک غور طلب معنوی حقیقت ہے۔ ''شرحِ صدر'' اللہ کی وہ نعمت اور خاص عنایت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانشراح کی پہلی آیت میں حضور ﷺ کے لیے ایک بہت بڑے احسان کے طور پر کیا ہے: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱﴾۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس شرحِ صدر کے لیے دعا کرنی چاہیے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْاِيْمَانِ وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا لِلْاِسْلَامِ ''اے اللہ اے ہمارے ربّ! تو ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منوّر فرما دے اور ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی باطنی بصیرت مانگنی چاہیے جس کی وجہ سے اسلام کی ہر چیز ہمیں درست نظر آئے۔ جب ایک بندۂ مؤمن میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر قدم اور ہر موڑ پر اُس کو اپنے اندر سے ایک آواز سنائی دیتی ہے جو اُس کے ہر عمل پر اس کی تائید کرتی ہے۔ یہ انسان کی ایسی اندرونی کیفیت ہے جس میں اس کی فطرتِ سلیمہ اور نیکی کے جذبے کی آپس میں خوشگوار مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اسے دین کے کسی حکم سے کسی قسم کی کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ بقولِ غالبؔ: ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا — مَیں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

﴿وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ﴾ ''اور جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کے سینے کو بالکل تنگ کر دیتا ہے' گھٹا ہوا (وہ ایسے محسوس کرتا ہے) گویا اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔''

جیسے اونچائی پر چڑھتے ہوئے انسان کی سانس پھول جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دل شاید دھڑک دھڑک کر باہر ہی نکل آئے گا' ایسے ہی اگر اللہ کی طرف سے انسان کو ہدایت کی توفیق عطا نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے راہِ حق پر چلنا دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔ اگر کہیں ذرا سی آزمائش آ جائے تو گویا اس کے لیے قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور ایک ایک قدم اٹھانا دوبھر ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ شخص جس کو اللہ نے شرحِ صدر کی نعمت سے نوازا ہو اس کے لیے نہ صرف حق کو قبول کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس راہ کی ہر تکلیف اور ہر مشکل کو وہ شوق اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

﴿كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ''اس طرح اللہ ناپاکی مسلّط کر دیتا ہے ان لوگوں پر جو

ایمان نہیں لاتے۔"

آیت ۱۲۶ ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴾ "اور یہ ہے تیرے رب کا سیدھا راستہ۔ ہم نے اپنی آیات خوب تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔"

آیت ۱۲۷ ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ "اُن کے لیے سلامتی والا گھر ہے اُن کے رب کے پاس اور وہی اُن کا مددگار (دوست) ہے بسبب اُن کے (نیک) اعمال کے۔"

"دارالسلام" جنت کا دوسرا نام ہے۔ جن لوگوں نے اپنی محنتوں، قربانیوں، مشقتوں اور اپنے ایثار کے سبب اللہ کی دوستی کمائی ہے وہ ہمیشہ کے لیے دارالسلام کے مستحق ٹھہریں گے۔

آیت ۱۲۸ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ﴾ "اور جس دن وہ جمع کرے گا اُن سب کو (اور فرمائے گا:) اے جنوں کی جماعت! واقعتاً تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو ہتھیا لیا۔"

وہ جو تمہارے بڑے جن عزازیل نے کہا تھا: ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴾ (الاعراف) "اور تُو ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا"۔ تو تم نے تو واقعی بہت سے انسانوں کو ہتھیا لیا ہے۔ یہ گویا ایک طرح کی شاباش ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دی جائے گی۔

﴿وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ "اور انسانوں میں سے جو اُن کے ساتھی ہوں گے وہ کہیں گے"

اس پر جنوں کے ساتھی انسانوں کی غیرت ذرا جاگے گی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہہ دیا ہے کہ جنات نے ہمیں ہتھیا لیا ہے، شکار کر لیا ہے۔ اس پر وہ بول اٹھیں گے:

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ﴾ "اے ہمارے پروردگار! ہم آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے"

ہم ان سے اپنے کام نکلواتے رہے اور یہ ہم سے مفادات حاصل کرتے رہے۔ ہم نے جنات کو اپنا موکل بنایا، ان کے ذریعے سے اپنی کمائی کی دکانیں چمکائیں۔

﴿وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ ﴾ "اور اب ہم اپنی اس مدت کو پہنچ چکے جو تُو نے ہمارے لیے مقرر کر دی تھی۔"

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ﴾ "اللہ فرمائے گا: اب آگ ہے تمہارا ٹھکانہ، تم اس میں ہمیشہ رہو گے سوائے اُس کے جو اللہ چاہے۔"

﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ "یقیناً آپ کا ربّ حکیم اور علیم ہے۔"

آیت ۱۲۹ ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ "اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیتے ہیں اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے۔"

آیت ۱۳۰ ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ﴾ "اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس نہیں آ گئے تھے رسول تم ہی میں سے، جو سناتے تھے تمہیں میری آیات"

اب چونکہ یہ بات جن و انس دونوں کو جمع کر کے کہی جا رہی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو انسانوں میں سے رسول ہیں وہی

جنّات کے لیے بھی رسول ہیں۔

﴿وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا﴾ ''اور وہ تمہیں خبردار کرتے تھے تمہارے اس دن کی ملاقات سے! وہ کہیں گے کہ ہم گواہ ہیں اپنی جانوں پر''

یہاں پر عَلٰی کے معنی مخالف گواہی کے ہیں۔ یعنی ہم اپنی جانوں کے خلاف خود گواہ ہیں۔

﴿وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾﴾ ''اور انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا دُنیوی زندگی نے' اور وہ خود گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ یقیناً کفر کی روش پر چلتے رہے تھے۔''

قرآن مجید کی مختلف آیات میں میدانِ حشر کے حوالے سے مختلف مکالمات آئے ہیں۔ مثلاً یہاں تو بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کفر کرتے رہے ہیں۔ مگر اسی سورۃ میں پیچھے ہم نے پڑھا ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''اُس وقت اُن کی کوئی چال نہیں چل سکے گی سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم تو مشرک نہیں تھے''۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ حشر میں بہت سے مراحل ہوں گے اور بے شمار گروہ مواخذے کے لیے پیش ہوں گے۔ یہ مختلف مراحل میں' مختلف مواقع پر' مختلف جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ ہونے والے مختلف مکالمات نقل ہوئے ہیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾﴾ ''یہ اس لیے کہ آپ کے ربّ کی یہ سُنّت نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو برباد کر دے ظلم کے ساتھ جب کہ ان کے رہنے والے بے خبر ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کی اس سُنّت کے مطابق گمراہ قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول اپنی قوموں میں رہ کر انذار' تذکیر اور تبشیر کا فرض ادا کرتے۔ پھر بھی اگر کوئی قوم قبولِ حق سے انکار کرتی تو وہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجاتی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اچانک کسی بستی یا قوم پر عذاب ٹوٹ پڑا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ قاعدہ' کلیہ اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ یعنی وہ عذابِ استیصال جس سے کسی قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر کے نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے' وہ کسی رسول کی بعثت کے بغیر نہیں بھیجا جاتا' بلکہ رسول آ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا بالکل مبرہن کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ کفر پر اڑے رہتے ہیں انہیں تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ﴾ ''اور ہر ایک کے لیے درجات ہیں اُن کے عمل کے اعتبار سے۔''

ظاہر بات ہے کہ سب نیکوکار بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی سب بدکار ایک جیسے ہو سکتے ہیں' بلکہ اعمال کے لحاظ سے مختلف افراد کے مختلف مقامات اور مراتب ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ''اور آپ کا رب بے خبر نہیں ہے اُس سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۳۳ ﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ﴾ ''اور آپ کا رب تو غنی ہے' رحمت والا ہے۔''

کسی کو عذاب دے کر اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور کسی کی بندگی اور اطاعت سے اُس کا کوئی رُکا ہوا کام چل نہیں پڑتا۔ وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہے۔

﴿اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَیَسۡتَخۡلِفۡ مِنۡۢ بَعۡدِكُمۡ مَّا یَشَآءُ﴾ ''اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے) اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے لے آئے''

وہ اس پر قادر ہے کہ ایک نئی مخلوق کو تمہارا جانشین بنا دے' یعنی کوئی نئی species لے آئے۔ اللہ کا اختیار مطلق ہے' وہ چاہے تو ایک نئی نسل آدم پیدا کر دے۔

﴿كَمَاۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ ذُرِّیَّةِ قَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ''جس طرح اُس نے تمہیں اٹھایا ہے کسی اور قوم کی نسل میں سے۔''

جیسے قومِ عاد عرب کی بڑی زبردست اور طاقتور قوم تھی' لیکن کفر و سرکشی کے باعث اسے تباہ کر دیا گیا۔ صرف حضرت ہود علیہ السلام اور آپؑ کے کچھ اہلِ ایمان ساتھی عذاب سے محفوظ رہے جو وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے۔ ان لوگوں کی اولاد سے بعد میں قومِ ثمود وجود میں آئی۔ پھر قومِ ثمود کو بھی ہلاک کر دیا گیا اور اُن میں سے بچ رہنے والے اہلِ ایمان سے نوعِ انسانی کی آگے نسل چلی اور مختلف علاقوں میں مختلف قومیں آباد ہوئیں۔ چنانچہ جیسے تمہیں اللہ نے اٹھایا ہے کسی دوسری قوم کی نسل سے' اسی طریقے سے وہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا۔

آیت ﴿اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''یقیناً جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے (یا دھمکی دی جا رہی ہے) وہ آ کر رہے گی' اور تم عاجز کر دینے والے نہیں ہو۔''

تم اپنی سازشوں سے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' اور نہ ہی تم اُس کے قابو سے باہر جا سکتے ہو۔ اللہ کے تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔

آیت ﴿قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَكَانَتِكُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے: اے میری قوم کے لوگو! کر لو جو کچھ کر سکتے ہو اپنی جگہ پر' میں بھی کر رہا ہوں (جو مجھے کرنا ہے)۔''

یہ گویا چیلنج کرنے کا انداز ہے کہ مجھے تم لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے بارہ برس ہو گئے ہیں۔ تم نے اس دعوت کو ناکام کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے' ہر ہر طرح سے مجھے ستایا ہے' تین سال تک شعبِ بنی ہاشم میں محصور رکھا ہے' میرے ساتھیوں پر تم لوگوں نے تشدد کا ہر ممکن حربہ آزمایا ہے۔ غرض تم میرے خلاف جو کچھ کر سکتے تھے کرتے رہے ہو' ابھی مزید بھی جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو' جو میرا فرضِ منصبی ہے وہ میں ادا کرتا رہوں گا۔

﴿فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ ''تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے لیے ہے عاقبت کا گھر۔ یقیناً ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔''

عاقبت کی دائمی کامیابی کس کے لیے ہے؟ کس کے لیے وہاں جنّت ہے' روح و ریحان ہے اور کس کے لیے دوزخ کا عذاب ہے؟ یہ عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔

آیت ﴿وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِیۡبًا﴾ ''اور انہوں نے اللہ کے لیے رکھا ہے خود اُسی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصّہ''

ایک بڑے خدا کو مان کر چھوٹے خداؤں کو اس کی الوہیت میں شریک کر دینا ہی دراصل شرک ہے۔ اس میں بڑے خدا کا انکار

نہیں ہوتا۔ جیسے ہندوؤں میں ''مہا دیو'' تو ایک ہی ہے جب کہ چھوٹی سطح پر دیوی دیوتا بے شمار ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں بھی بڑے G سے لکھے جانے والا God ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ وہ Omnipotent ہے' Omniscient ہے' Omnipresent ہے' وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' وہ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہے' وہ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ اُس کی صفات ہیں' یہ اُس کے Attributes ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے تو G بڑا (capital) ہی آئے گا' لیکن چھوٹے g سے لکھے جانے والے gods اور goddesses بے شمار ہیں۔ اسی طرح اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تو ایک ہی ہے' کائنات کا خالق بھی وہی ہے' لیکن دیویوں اور دیوتاؤں کا بھی اُس کی خدائی میں کچھ دخل اور اختیار ہے' یہ اللہ کے ہاں سفارش کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میں سے کچھ حصہ ان کو بھی سونپ رکھا ہے' لہٰذا اگر ان کی کوئی ڈنڈوت کی جائے' انہیں نذرانے دے کر خوش رکھا جائے' تو اس سے ہمارے دنیوی کام بہتر انداز میں چلتے رہتے ہیں۔

اہلِ عرب کے معروف ذرائع معاش دو ہی تھے۔ وہ بکریاں پالتے تھے یا کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اپنے عقیدے کے مطابق ان کا طریقہ یہ تھا کہ مویشیوں اور فصل میں سے ایک حصہ وہ اللہ کے نام پر صدقہ کرتے تھے' جب کہ ایک حصہ الگ کر کے بتوں کے نام پر دیتے تھے۔ یہاں تک تو وہ اپنے تئیں انصاف سے کام لیتے تھے کہ کھیتیوں کی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے اللہ کے لیے بھی حصہ نکال لیا اور اپنے چھوٹے خداؤں کے لیے بھی۔ اس کے بعد کیا تماشا ہوتا تھا اس کا ذکر آگے آ رہا ہے:

﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ﴾ ''پھر کہتے ہیں اپنے خیال سے کہ یہ تو ہے اللہ کے لیے اور یہ ہے ہمارے شریکوں کے لیے۔ تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچ سکتا' اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے۔''

اب اگر کہیں کسی وقت کوئی دقت آ گئی' کوئی ضرورت پڑ گئی تو اللہ کے حصے میں سے کچھ نکال کر کام چلا لیتے تھے مگر اپنے بتوں کے حصے کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ گویا بت تو ہر وقت ان کے سروں پر کھڑے ہوتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ بُت ناراض ہو گئے تو فوراً ان کی شامت آ جائے گی' لیکن اللہ تو (معاذ اللہ!) ذرا دور تھا' اس لیے اس کے حصے کو اپنے استعمال میں لایا جا سکتا تھا۔ ان کی اس سوچ کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں دیہات میں ایک عام کسان پٹواری کو ڈی سی کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ پٹواری سے اسے براہِ راست سابقہ پڑتا ہے' جب کہ ڈی سی کی حیثیت کا اُسے کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ تھی وہ صورتِ حال جس میں ان کے شریکوں کے لیے مختص کیا گیا حصہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا' جب کہ اللہ کا حصہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا تھا۔

﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۱۳۶﴾ ''کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔''

آیت ۱۳۷ ﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ ''اور اسی طرح مزین کر دیا ہے بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اپنی اولاد کو قتل کرنا''

اس میں اشارہ ہے مشرکین کے اُن اعتقادات کی طرف جن کے تحت وہ اپنے بچوں کو جنوں یا مختلف بتوں کے نام پر قربان کر دیتے تھے۔ آج بھی ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ کسی نے اپنے بچے کو دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

﴿لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ﴾ ''تا کہ وہ انہیں برباد کریں اور اُن کے دین کو اُن پر مشتبہ کر دیں۔''

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۷﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ سب کچھ نہ کر سکتے' تو چھوڑ دیجیے ان

کو بھی اور اس کو بھی جو یہ افترا پردازی کر رہے ہیں۔''

دین کو مشتبہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے عقائد اور ایسی چیزیں بھی دین میں شامل کر دی جائیں جن کا دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قتلِ اولاد بھی اس کی مثال ہے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ وہ دین اور مذہب کے نام پر ہی کرتے تھے۔ فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیں' وہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیتی ممنوع ہیں' ان کو نہیں کھا سکتے مگر وہی جن کے بارے میں ہم چاہیں' اپنے گمان کے مطابق''

یعنی یہ ساری خود ساختہ پابندیاں وہ بزعمِ خویش درست سمجھتے تھے۔

﴿وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ﴾ ''اور کچھ چوپائے ہیں جن کی پیٹھیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں' اور کچھ چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے' یہ سب کچھ جھوٹ گھڑتے ہیں اُس پر۔''

یعنی اپنے مشرکانہ توہمات کے تحت بعض جانوروں کو سواری اور بار برداری کے لیے ممنوع قرار دیتے تھے اور کچھ حیوانات کے بارے میں طے کر لیتے تھے کہ ان کو جب ذبح کرنا ہے تو اللہ کا نام ہرگز نہیں لینا۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے آیت ۱۲۱ میں جو حکم آیا تھا کہ مت کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ دراصل ان کے اس عقیدے اور رسم کے بارے میں تھا' وہ عام حکم نہیں تھا۔

﴿سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ''اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کے اس افترا کی۔''

یہ جھوٹی چیزیں جو انہوں نے اللہ کے بارے میں گھڑ لی ہیں' اللہ ضرور انہیں اس جھوٹ کی سزا دے گا۔

آیت ۱۳۹ ﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں جو کچھ ان چوپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خاص ہمارے مَردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے۔''

یعنی حاملہ مادہ جانور (اونٹنی یا بکری وغیرہ) کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا گوشت صرف مَردوں کے لیے ہوگا' عورتوں کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾﴾ ''اور اگر وہ مُردہ ہو تو پھر وہ سب اس میں حصہ دار ہوں گے۔ اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کی ان باتوں کی جو انہوں نے گھڑ لی ہیں۔ وہ یقیناً حکیم اور علیم ہے۔''

ان ساری رسموں اور خود ساختہ عقائد کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ ہماری شریعت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آ رہی ہے اور ہمارے آباء و اجداد بھی اسی پر عمل کرتے تھے۔

آیت ۱۴۰ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾ ''یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا بے وقوفی سے' بغیر علم کے' اور انہوں نے حرام کر لیا (اپنے اوپر) وہ رزق جو اللہ نے انہیں دیا تھا اللہ پر افترا کرتے ہوئے۔''

یعنی ان ساری غلط رسومات کو وہ لوگ اللہ سے منسوب کرتے تھے۔ دوسری طرف وہ بتوں کے نام پر قربانیاں دیتے اور

استھانوں پر نذرانے بھی چڑھاتے تھے۔اسی طرح کے نذرانے وہ اللہ کے نام پر بھی دیتے تھے۔یہ سارے معاملات اُن کے ہاں اللہ تعالیٰ اور بُتوں کے لیے مشترکہ طور پر چل رہے تھے۔اس طرح انہوں نے سارا دین مشتبہ اور گڈمڈ کر دیا تھا۔

﴿قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور اب ہدایت پر آنے والے نہیں ہیں۔''

آیات ۱۴۱ تا ۱۴۴

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

آیت ۱۴۱ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ ''اور وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیے باغات وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو نہیں چڑھائے جاتے''

''مَعْرُوْشٰت'' کے زمرے میں بیل نما پودے آتے ہیں' جن کا ایسا تنا نہیں ہوتا جس پر وہ خود کھڑے ہو سکیں۔اس لیے ایسے پودوں کو سہارا دے کر کھڑا کرنا پڑتا ہے' جیسے انگور وغیرہ کی بیل۔دوسری طرف ''غَيْرَ مَعْرُوْشٰت'' میں عام درخت شامل ہیں جو خود اپنے مضبوط تنے پر کھڑے ہوتے ہیں' جیسے انار یا آم کا درخت ہے۔

﴿وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ ''اور کھجور اور کھیتی' جس کے ذائقے مختلف ہیں' اور زیتون اور انار' ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کی مثالیں ہیں کہ اُس نے مختلف النوع درخت' کھیتیاں اور پھل پیدا کیے' جو آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔جیسے Citrus Family کے پھلوں میں کینو' فروٹ' مالٹا وغیرہ شامل ہیں۔بنیادی طور پر یہ سب پھل ایک ہی قسم یا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شکل' ذائقہ وغیرہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کے باوجود سب کی اپنی اپنی الگ پہچان ہے۔

﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''کھایا کرو ان کے پھلوں میں سے جبکہ وہ پھل دیں اور اللہ کا حق ادا کرو ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن''

یعنی جیسے زمین کی پیداوار میں سے عُشر کا ادا کرنا فرض ہے' ایسے ہی ان پھلوں پر بھی زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔لہٰذا کھیتی اور پھلوں کی

پیداوار میں سے اللہ تعالیٰ کا حق نکال دیا کرو۔

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''اور بے جا خرچ نہ کرو' یقیناً اللہ کو بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں ہیں۔''

آیت ۱۴۲ ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ﴾ ''اور چوپایوں میں سے (اُس نے پیدا کیے ہیں) کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے۔''

حَمُوْلَة وہ جانور ہیں جو قد کاٹھ اور ڈیل ڈول میں بڑے بڑے ہیں اور جن سے بار برداری کا کام لیا جاسکتا ہے' مثلاً گھوڑا' خچر' اونٹ وغیرہ۔ ان کے برعکس کچھ ایسے جانور ہیں جو اس طرح کی خدمت کے اہل نہیں ہیں۔ ایسے جانوروں کو چھوٹی جسامت کی وجہ سے استعارۃً فرش (زمین) سے منسوب کیا گیا ہے' گویا وہ زمین سے لگے ہوئے ہیں' مثلاً بھیڑ' بکری وغیرہ۔ یہ ہر طرح کے جانور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں۔

﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

آیت ۱۴۳ ﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ﴾ ''یہ آٹھ قسم کے چوپائے ہیں (جو تمہارے ہاں عام طور پر پائے جاتے ہیں)۔''

﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ﴾ ''بھیڑ میں سے دو (نر اور مادہ) اور بکری میں سے دو (نر اور مادہ)۔''

﴿قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) ان سے پوچھئے کہ اللہ نے ان دونوں مذکروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مؤنثوں کو؟ یا جو کچھ ان دونوں مؤنثوں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟''

یہ اس بات کا جواب ہے جو انہوں نے حاملہ ماداؤں کے بارے میں کہی تھی کہ ان کے پیٹوں میں جو بچے ہیں ان کا گوشت صرف مرد ہی کھا سکتے ہیں' جب کہ عورتوں پر یہ حرام ہے۔ ہاں اگر مرا ہوا بچہ پیدا ہو تو اس کا گوشت مَردوں کے ساتھ عورتیں بھی کھا سکتی ہیں۔ ان کے اس عقیدے کا ذکر قبل ازیں آیت ۱۳۹ میں آچکا ہے۔

غور طلب نکتہ ہے کہ کسی حلال جانور (مادہ) کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس میں حرمت آخر کہاں سے آئی؟ اللہ نے ان میں سے کس کو حرام کیا ہے؟ نر کو' مادہ کو' یا بچے کو؟ پھر یہ کہ اگر کوئی شے حرام ہے تو سب کے لیے ہے اور اگر حرام نہیں ہے تو کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔ یہ تم نے جو نئے نئے قوانین بنا لیے ہیں وہ کہاں سے لے آئے ہو؟

﴿نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾﴾ ''مجھے بتاؤ کسی بھی سند کے ساتھ اگر تم سچے ہو۔''

آیت ۱۴۴ ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ﴾ ''اور (اسی طرح) اونٹ میں سے دو (نر اور مادہ)' اور گائے میں سے دو (نر اور مادہ)۔ ان سے پوچھئے کیا اُس نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو؟ یا جو کچھ ان ماداؤں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟''

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ﴾ ''کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں یہ نصیحتیں کیں؟''

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ﴾ ''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دے تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر کسی علم کے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔''

آیات ۱۴۵ تا ۱۵۰

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸ ۱۵

آیت ۱۴۵ ﴿قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ﴾ ''کہہ دیجیے میں تو نہیں پاتا اِس (قرآن) میں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے' کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر کہ وہ اسے کھاتا ہو''

یہاں پھر سے وضاحت کی جا رہی ہے کہ شریعت میں کن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے۔

﴿اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً﴾ ''سوائے اس کے کہ وہ مُردار ہو''

اس مردار کی قسمیں (اَلْمُنْخَنِقَة ، اَلْمَوْقُوْذَة ، اَلْمُتَرَدِّيَة) اور تفصیل سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ یعنی جانور کسی بھی طرح سے مر گیا ہو وہ مردار کے زمرے میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کر لیا جائے اور ذبح کرنے سے اس کے جسم سے خون نکل جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔

﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ ''یا خون ہو بہتا ہوا''

واضح رہے کہ اس حرمت کا اطلاق اس خون پر نہیں ہوتا جو مذبوح جانور کے جسم کے سکیڑ اور کھچاؤ (rigormortis) کی انتہائی کیفیت کے باوجود بھی کسی نہ کسی مقدار میں گوشت کے اندر رہ جاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ تلی کے خون کا بھی ہے۔ لیکن جو خون بہایا جا سکتا ہو اور جو ذبح کرنے کے بعد جانور کے جسم سے نکل کر بہہ گیا ہو وہ خون حرام ہے۔

﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ''یا خنزیر کا گوشت کہ وہ تو ہے ہی ناپاک' یا کوئی ناجائز (گناہ کی) شے' جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔''

یعنی سور کے گوشت کی وجہ حرمت تو یہ ہے کہ وہ اصلاً ناپاک ہے۔ اس کے علاوہ کچھ چیزوں کی حرمت حکمی ہے' جو فسق (اللہ کی نافرمانی) کے سبب لازم آتی ہے۔ چنانچہ ﴿اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ اسی وجہ سے حرام قرار پایا' یعنی وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اس حکم میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے تقرب کی نیت سے دی گئی ہو۔ مثلاً ایسا جانور جو کسی قبر یا کسی خاص استھان پر جا کر ذبح کیا جائے' اگرچہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام لیا جاتا ہے مگر دل کے اندر کسی غیر اللہ کے تقرب کی خواہش کا چور موجود ہوتا ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾﴾ ''لیکن (ان صورتوں میں بھی اگر) کوئی مجبور ہو جائے' نہ تو اس کے اندر ان کی طلب ہو اور نہ حد سے بڑھے' تو یقیناً آپ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

کسی غیر معمولی صورتِ حال میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھا کر اگر جان بچائی جا سکے تو مشروط طور پر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

آیت ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ ''اور ہم نے ان پر جو یہودی ہوئے تھے حرام کر دیے تھے ایک ناخن (کُھر) والے تمام جانور۔''

کچھ جانوروں کے پاؤں پھٹے ہوئے ہوتے ہیں' جیسے گائے' بکری وغیرہ' جب کہ کچھ جانوروں کا ایک ہی پاؤں (کُھر) ہوتا ہے۔ ایسے ایک کُھر والے جانور مثلاً گھوڑا' گدھا وغیرہ یہودیوں پر حرام کر دیے گئے تھے۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں' یہودیوں پر جو چیزیں حرام کی گئیں تھیں' ان میں سے بعض تو اصلاً حرام تھیں مگر کچھ چیزیں ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے بطور سزا ان کے لیے حرام کر دی گئی تھیں۔

﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ ''اور گائے اور بکری (وغیرہ) میں سے ہم نے حرام کر دی تھی اُن پر ان کی چربی سوائے اس کے کہ جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔''

﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ ''یہ ہم نے انہیں سزا دی تھی ان کی سرکشی کی وجہ سے''

یعنی مذکورہ جانوروں کی عام کھلی چربی ان کے لیے حرام کر دی گئی تھی۔ لیکن یہ حکم آسمانی شریعت کا مستقل حصہ نہیں تھا' بلکہ ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے یہ تنگی اُن پر بطور سزا کی گئی تھی۔

﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ ''اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔''

آیت ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾ ''تو اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلا دیں تو کہہ دیجیے کہ تمہارا ربّ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔''

یعنی یہ اللہ کی رحمت کا مظہر ہے کہ اس جرم کی پاداش میں وہ تمہیں فوراً نہیں پکڑ رہا اور نہ ہی فوراً معجزہ دکھا کر تمہاری مہلتِ عمل ختم کرتے جا رہا ہے' بلکہ اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی تمہیں مزید مہلت دی جائے۔

﴿وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾ ''اور اُس کا عذاب ٹالا نہیں جا سکے گا مجرم لوگوں سے۔''

جب اُس کی طرف سے گرفت ہوگی تو ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾﴾ (البروج) کے مصداق یقیناً بہت سخت ہوگی اور پھر کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس گرفت کی سختی کو ٹال سکے۔

آیت ۱۴۸ ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''عنقریب کہیں گے یہ مشرک لوگ کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء واَجداد اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔''

مشرکینِ مکہ اس طرح کے دلائل اکثر دیا کرتے تھے کہ آخر اللہ تو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے' اُس کا ہمارے ارادے اور عمل پر کُلی اختیار ہے۔ تو اگر ہمارے عقائد غلط ہیں تو اللہ نے کیوں نہ ہمیں ایسے عقائد اختیار کرنے سے روک دیا۔ اس طرح کی کٹ حُجتیاں کرنا انسان کی فطرت ہے۔

﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ﴾ ''اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا۔''

﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ! آپ ان سے) کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے جسے تم ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان کی پیروی کر رہے ہو اور صرف اندازوں اور اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔''

آیت ۱۴۹ ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بس اللہ کے حق میں ثابت ہو چکی ہے پوری پوری پہنچ جانے والی حُجت۔''

تمہاری اس کٹ حُجتی کے مقابلے میں حقیقت تک پہنچی ہوئی حجت صرف اللہ کی ہے۔ اُس نے ہر طرح سے تم پر اِتمامِ حُجت کر دیا ہے' تمہاری ہر نامعقول بات کو معقول طریقے سے رد کر دیا ہے' مختلف انداز سے تمہیں ہر بات سمجھا دی ہے۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حُجۃ اللہ البالغہ'' کا نام اسی آیت سے اخذ کیا ہے۔

﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا۔''

اگر اللہ کے پیشِ نظر سب کو نیک بنانا ہی مقصود ہوتا تو آنِ واحد میں تم سب کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا نیک بنا دیتا' لیکن اس نے دُنیا کا یہ معاملہ عمل اور اختیار کے تحت رکھا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک:۲) ''اُس نے موت وحیات کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ تمہیں آزمائے اور جانچے کہ تم میں سے کون ہے جو نیک عمل اختیار کرتا ہے۔''

آیت ۱۵۰ ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ﴾ ''کہیے ذرا لاؤ تو سہی اپنے وہ گواہ جو یہ گواہی دے سکیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔''

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب یا علمی سند موجود ہے جسے تم اپنے موقف کے حق میں بطورِ گواہی پیش کر سکو؟ اگر اس طرح کی کوئی ٹھوس شہادت ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ﴾ ''پس اگر یہ لوگ (کٹ حُجتی میں) گواہی دے بھی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی مت دیجیے۔''

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ ''اور مت پیروی کیجیے ان لوگوں کی خواہشات کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' اور وہی ہیں جو دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ کے الفاظ پر ختم ہوئی تھی اور اب یہ آیت بھی ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ کے الفاظ پر ختم ہوئی ہے۔ ان الفاظ کے تکرار میں گویا منکرینِ آخرت کی دیدہ دلیری کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اتنا کچھ سننے کے باوجود بھی بدستور شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اللہ کے برابر کر دیتے ہیں۔ انہیں اللہ کے حضور حاضری کا کچھ بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا۔

آیات ۱۵۱ تا ۱۵۴

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ''کہیے: آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں''

تم لوگ جب چاہتے ہو کسی بکری کو حرام قرار دے دیتے ہو' کبھی کسی اونٹ کو محترم ٹھہرا لیتے ہو' اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنی ان خرافات کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ آؤ میں تمہیں واضح طور پر بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اصل میں کن چیزوں کو محترم ٹھہرایا ہے' اور ان کے بارے میں اس نے کیا حدود و قیود مقرر کی ہیں۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ وہاں ان احکام کی تفصیل میں پورے دو رکوع (تیسرا اور چوتھا) نازل ہوئے ہیں۔ ایک طرح سے انہی احکام کا خلاصہ یہاں اِن آیات میں بیان ہوا ہے۔ شریعت کے بنیادی احکام دراصل ضرورت اور حکمتِ الٰہی کے مطابق قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر مختلف انداز میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ (دسویں رکوع) میں جہاں بنی اسرائیل سے میثاق لینے کا ذکر آیا ہے وہاں دین کے چند اساسی نکات بیان ہوئے ہیں۔ پھر شرعی احکام کی کچھ تفصیل ہمیں سورۃ النساء میں ملتی ہے۔ اس کے بعد کچھ احکام یہاں اس سورۃ میں اور

سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں آئے ہیں۔

﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ﴾ ''یہ کہ کسی شے کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔''

یعنی سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شرک کو حرام ٹھہرایا ہے اور دوسرے نمبر پر والدین کے حقوق میں کوتاہی حرام قرار دی ہے۔ قرآن حکیم میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں حقوق اللہ کے فوراً بعد حقوقِ والدین کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ' آیت ۸۳ اور سورۃ النساء' آیت ۳۶ میں والدین کے حقوق کا ذکر اللہ تعالیٰ کے حقوق کے فوراً بعد کیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ﴾ ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو تنگ دستی کے خوف سے' ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ ''اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی مت جاؤ' خواہ وہ ظاہر ہوں یا خفیہ۔''

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ''اور مت قتل کرو اُس جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسانی جان کو محترم ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا کسی اصول' حق اور قانون کے تحت ہی انسانی جان کا قتل ہو سکتا ہے۔ قتلِ عمد کے بدلے میں قتل' قتلِ مرتد' مسلمان زانی یا زانیہ (اگر شادی شدہ ہوں) کا قتل' حربی کافر وغیرہ کا قتل۔ یہ انسانی قتل کی چند جائز اور قانونی صورتیں ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱﴾ ''یہ باتیں ہیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

آیت ۱۵۲ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ﴾ ''اور یتیم کے مال کے قریب مت پھٹکو' مگر بہترین طریقے سے (اس کے مال کی حفاظت کرو) یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔''

یتیم کے مال کو ہڑپ کرنا یا اپنا ردّی مال اس کے مال میں ملا کر اس کے اچھے مال پر قبضہ کرنے کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ مکی دور کے احکام ہیں' لیکن یتیموں کے حقوق کی اہمیت کے پیش نظر مدنی سورتوں میں بھی اس بارے میں احکام آئے ہیں' مثلاً سورۃ البقرۃ' آیت ۲۲۰ اور سورۃ النساء' آیت ۲ میں بھی یتیموں کے اموال کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے' جو اس سے قبل ہم پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾ ''اور پورا کرو ناپ اور تول کو عدل کے ساتھ۔ ہم نہیں ذمہ دار ٹھہرائیں گے کسی بھی جان کو مگر اُس کی وسعت کے مطابق۔''

یعنی بغیر کسی ارادے کے اگر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں۔ جیسے دعا کے لیے ہمیں یہ کلمات سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اے ہمارے ربّ! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا''۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ذرا سی بھی ڈنڈی ماری تو وہ قابلِ گرفت ہے۔ اس لیے کہ عمداً معصیت کا ارتکاب کرنا

درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ یا تو تمہیں آخرت کا یقین نہیں ہے یا پھر یہ یقین نہیں ہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ گویا عمداً ذرا سی منفی جنبش میں بھی ایمان کی نفی کا احتمال ہے۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ﴾ ''اور جب بھی بات کرو تو عدل (کی بات) کرو خواہ قرابت دار ہی (کا معاملہ) ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔''

تمہاری بات چیت کھری اور انصاف پر مبنی ہو۔ اس میں جانبداری نہیں ہونی چاہیے چاہے قرابت داری ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اللہ کے نام پر اللہ کے حوالے سے یا اللہ کی قسم کھا کر جو بھی عہد کیا جائے اس کو بھی پورا کرو۔ جیسے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ایک بہت اہم عہد ہے جو ہم اللہ سے تکرار کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہر انسان نے دنیا میں آنے سے پہلے بھی اللہ سے ایک عہد کیا تھا' جس کا ذکر سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۲) میں ملتا ہے۔ اسی طرح روزمرہ کی زندگی میں بھی بہت سے عہد ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ''یہ ہیں (وہ چیزیں) جن کا اللہ تمہیں حکم کر رہا ہے تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

یہ وہ چیزیں ہیں جو دین میں اہمیت کی حامل اور انسانی کردار کی عظمت کی علامت ہیں۔ درحقیقت یہ احکام انسانی تمدن اور اخلاقیات کی بنیادیں ہیں۔

آیت ۱۵۳ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾ ''اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے' پس تم اس کی پیروی کرو۔''

دین کے اصل اصول تو وہ ہیں جو ہم نے بتائے ہیں۔ تمہارے خودساختہ طور طریقے تو گویا ایسی پگڈنڈیاں ہیں جن کا صراطِ مستقیم سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صراطِ مستقیم تو صرف وہ ہے جس پر ہمارا رسول ﷺ ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چل رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ﴾ ''اور (اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر) دوسرے راستوں پر نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا کر منتشر کر دیں گے۔''

یعنی اگر تم خودساختہ مختلف پگڈنڈیوں پر چلنے کی کوشش کرو گے تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ لہٰذا تم سب راستوں کو چھوڑ کر سواء السبیل پر قائم رہو۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ ''یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ ''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے احسان کی روش اختیار کرنے والے پر اور (اس میں تھی) ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں جو احکام ہیں وہ تورات کے احکام عشرہ (Ten Commandments) کا ہی خلاصہ ہے۔

﴿لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾ ''تاکہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری پر پورا یقین رکھیں۔''

آیات ۱۵۵ تا ۱۶۵

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ
الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ
اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا
سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ
يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ
مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا
دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا
وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
حَنِيْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ
رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ
خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع

آیت ۱۵۵ ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾﴾ ''اور (اب) یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے بڑی بابرکت' تو تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۱۵۶ ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪﴾ ''مبادا تم یہ کہو کہ کتاب تو بس اُتاری گئی تھی ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر''

یہ بالکل سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹ والا انداز ہے۔ وہاں اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫﴾ ''مبادا تم یہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہیں تھا''۔ اور اس احتمال کو رد کرنے کے لیے فرمایا گیا: ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ﴾ ''پس آ گیا ہے تمہارے پاس بشیر اور نذیر''۔ کہ ہم نے اپنے آخری رسول ﷺ کو بھیج دیا ہے آخری کتابِ ہدایت دے کر تاکہ تمہارے اوپر حجت تمام ہو جائے۔ اب وہی بات یہاں مشرکین کو اس انداز میں کہی جا رہی ہے

کہ ہم نے یہ کتاب اتار دی ہے جو سراپا خیر و برکت ہے' تاکہ تم روزِ قیامت یہ نہ کہہ سکو کہ اللہ کی طرف سے کتابیں تو یہودیوں اور عیسائیوں پر نازل ہوئی تھیں' ہمیں تو کوئی کتاب دی ہی نہیں گئی تھی' ہم سے مواخذہ کاہے کا؟

﴿وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾﴾ ''اور ہم تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل ہی رہے۔''

اور وہاں یہ نہ کہہ سکو کہ تورات تو عبرانی زبان میں تھی' جب کہ ہماری زبان عربی تھی۔ آخر ہم اس کتاب کو کیسے سمجھتے؟ لہٰذا نہ تو ہم پر کوئی حُجت ہے اور نہ ہی ہمارے محاسبے کا کوئی جواز ہے۔

آیت ۱۵۷ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ﴾ ''یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔''

یعنی تم روزِ قیامت یہ دعویٰ لے کر نہ بیٹھ جاؤ کہ ان بے وقوفوں نے تو اللہ کی کتابوں (تورات اور انجیل) کی قدر ہی نہیں کی۔ ہمیں اللہ نے کتاب دی ہوتی تو پھر ہم بتاتے کہ کتابُ اللہ کی قدر کیسے کی جاتی ہے۔

﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ﴾ ''تو (اے بنی اسماعیل!) تمہارے پاس آ گئی ہے بیّنہ تمہارے رب کی طرف سے' اور ہدایت اور رحمت۔''

یعنی تمہارے پاس اللہ کا رسول اُس کی کتاب لے کر آ چکا ہے جس میں واضح اور مستحکم احکام موجود ہیں۔ اس بیّنہ کی وضاحت سورۃ البیّنہ کی آیت ۲ اور ۳ میں اس طرح کی گئی ہے: ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾﴾ ''اللہ کی طرف سے ایک رسول جو مقدس صحیفے پڑھ کر سناتا ہے' جن میں بالکل درست احکام ہیں۔''

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ﴾ ''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور اُن سے پہلوتہی کرے۔''

﴿سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ ''ہم عنقریب سزا دیں گے اُن لوگوں کو جو ہماری آیات سے پہلوتہی کرتے ہیں بہت ہی بُرے عذاب کی' بسبب اُن کے اس پہلوتہی کرنے کے۔''

آیت ۱۵۸ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ﴾ ''یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں' یا آپؐ کا رب خود آ جائے یا پھر آپؐ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے!''

دراصل یہ ان واقعات یا علامات کا ذکر ہے جن کا ظہور قیامت کے دن ہونا ہے۔ جیسے سورۃ الفجر میں فرمایا: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَّجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ ۙ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾﴾ ''قضۂ زمین برسرِ زمین'' کے مصداق روزِ محشر فیصلہ یہیں اسی زمین پر ہوگا۔ یہیں پر اللہ کا نزول ہوگا' یہیں پر فرشتے پَر باندھے کھڑے ہوں گے اور یہیں پر حساب کتاب ہوگا۔ چنانچہ اس حوالے سے فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب یہ سب علامات ظہور پذیر ہو جائیں؟ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ:

﴿يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا﴾ ''جس دن آپؐ کے ربّ کی بعض (مخصوص) نشانیاں ظاہر ہو گئیں تو پھر کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا''

﴿لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ﴾ ''جو پہلے سے ایمان نہیں لا چکا تھا یا اُس نے اپنے ایمان میں کچھ خیر نہیں کما لیا تھا۔''

انسان کے امتحان کا جواز دراصل اسی وقت تک ہے جب تک غیب کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جب غیب کا پردہ ہٹ جائے گا تو یہ امتحان بھی ختم ہو جائے گا۔ اس وقت پھر جو صورتِ حال سامنے آئے گی اس میں تو بڑے سے بڑا کافر بھی عابد و زاہد بننے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جو شخص یہ نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اور ایمان کی حالت میں اعمالِ صالحہ کا کچھ توشہ اُس نے اپنے لیے جمع نہیں کر لیا تھا' اس کے لیے بعد میں ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا کچھ بھی سودمند نہیں ہوگا۔

﴿قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے تم بھی انتظار کرو' ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

اب انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

آیت ۱۵۹ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

یہ وہی ''وحدتِ ادیان'' کا تصور ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ میں دیا گیا ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟﴾ کہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ پھر لوگ صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ مختلف گروہوں نے اپنے اپنے راستے الگ کر لیے۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر اپنی خود ساختہ پگڈنڈیوں پر چل رہے ہیں وہ سب ضلالت و گمراہی میں پڑے ہیں اور آپؐ کا ان گمراہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ ''ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾ ''جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا۔''

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ ''اور جو کوئی بدی کما کر لائے گا تو اُسے سزا نہیں ملے گی مگر اُسی کے برابر''

یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ بدی کی سزا بدی کے برابر ہی ملے گی' لیکن نیکی کا اجر بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا' دوگنا' چار گنا' دس گنا' سات سو گنا' یا اللہ تعالیٰ اس سے بھی جتنا چاہے بڑھا دے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۶۱)

﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾﴾ ''اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اُس دن کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

اگلی دو آیات جو ''قُلْ'' سے شروع ہو رہی ہیں' بہت اہم نکات کی حامل ہیں۔ یہ آیات ہم میں سے ہر ایک کو زبانی یاد کر لینی چاہئیں۔

آیت ۱۶۱ ﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہیے کہ میرے ربّ نے تو مجھے ہدایت دے دی ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ ''وہ دین ہے سیدھا جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں اور ملّت ہے ابراہیم کی' جو یکسو تھا (اللہ کی طرف) اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

یہ خطاب صیغۂ واحد میں براہِ راست حضور ﷺ سے ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے پوری اُمّت سے۔ قبل ازیں آیت ۱۰۶ کے تحت وضاحت کی جا چکی ہے کہ مکّی سورتوں میں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب کرنے کے بجائے انہیں حضورؐ کی وساطت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ۲۰ رکوعوں پر مشتمل اس سورت میں ہم نے دیکھا کہ ایک دفعہ بھی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان سے خطاب نہیں کیا گیا۔ بہرحال یہ آیت نبی کریم ﷺ کی وساطت سے ہم سب سے مخاطب ہے۔ کاش ہم میں سے ہر ایک یہ اعلان کرنے کا اہل ہو سکے کہ مجھے تو میرے رب نے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دے دی ہے۔ لیکن یہ تو تبھی ممکن ہوگا جب ہم اللہ کی راہِ ہدایت کو صدقِ دل سے اختیار کریں گے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ آمین!

آیت ۱۶۲ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶۲﴾ ''آپ کہیے میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

یہاں دوبارہ لفظ قُلْ سے حضور ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ کو اپنی اُمّت تک یہ پیغام پہنچانے کے لیے کہا گیا ہے' لہٰذا آپ ﷺ کی وساطت سے ہم میں سے ہر ایک کو یہ حکم پہنچ رہا ہے۔ کاش ہم میں سے ہر ایک واقعی یہ اعلان کرنے کے قابل ہو سکے کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو ربّ العالمین ہے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب ہم اپنی زندگیوں کو واقعۃً اللہ کے لیے وقف کر دیں۔ دُنیوی زندگی کی کم از کم ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناگزیر حد تک اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں ضرور صَرف کریں' لیکن اس ساری تگ و دَو کو اصل مقصودِ زندگی نہ سمجھیں' بلکہ اصل مقصودِ زندگی اللہ کی اطاعت اور اقامتِ دین کی جدّ و جُہد ہی کو سمجھیں۔

آیت ۱۶۳ ﴿لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۱۶۳﴾ ''اُس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے تو اسی کا حکم ہوا ہے اور سب سے پہلا فرماں بردار میں خود ہوں۔''

آیت ۱۶۴ ﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ﴾ ''کہیے: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور ربّ تلاش کروں جبکہ وہی ہر شے کا رب ہے۔''

﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ﴾ ''اور نہیں کماتی کوئی جان (کچھ بھی) مگر اسی کے اوپر ہوگا اس کا وبال' اور نہیں اٹھائے گی کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کے بوجھ کو۔''

اُس دن ہر ایک کو اپنی اپنی گٹھڑی خود ہی اٹھانی ہوگی' کوئی دوسرا وہاں مدد کو نہیں پہنچے گا۔ یہاں پر لفظ نَفْس ''جان'' کے معنی میں آیا ہے' یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گی' بلکہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داری اور اپنے حساب کتاب کے لیے بنفسِ نفیس خود جوابدہ ہونا ہوگا۔

﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۶۴﴾ ''پھر اپنے رب ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا''

خلیفہ بنانا ایک تو اس مفہوم میں ہے کہ جو خلافت حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس کا حصہ بالقوّۃ (potentially) تمام

انسانوں کو ملا ہے' لہٰذا جو بھی شخص اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہو کر اللہ کو اپنا حاکم اور بادشاہ مان لے تو وہ گویا اُس کی خلافت کا حقدار ہو گیا۔ ''خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ'' کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا گیا ہے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم آتی ہے اور اس طرح انسانی وراثت نسل در نسل اور قوم در قوم منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہی فلسفہ اس سورۃ کی آیت ۱۳۳ میں بھی بیان ہوا ہے۔

﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ ''اور اُس نے تم میں سے بعض کے درجوں کو بعض پر بلند کر دیا''

اس دُنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق کسی کو علم دیا ہے' کسی کو حکمت سے نوازا ہے' کسی کو ذہانت میں فضیلت عطا کی ہے' کسی کو جسمانی طاقت میں برتری دی ہے' کسی کو صحتِ جسمانی بہتر دی ہے اور کسی کو حسنِ جسمانی میں دوسروں پر فوقیت دی ہے۔ یعنی مختلف انداز میں اُس نے ہر ایک کو اپنے فضل سے نوازا ہے اور مختلف انسانوں کے درجات و مراتب میں اپنی حکمت کے تحت فرق و تفاوت بھی برقرار رکھا ہے۔

﴿لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾ ''تاکہ تمہیں آزمائے اس میں جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے۔''

یعنی دنیا کی تمام نعمتیں انسان کو بطور آزمائش دی جاتی ہیں۔ بَلَا ' یَبْلُوْ کے معنی ہیں آزمانا اور جانچنا۔ ابتلاء (بمعنی امتحان اور آزمائش) اسی سے باب افتعال ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۡ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٦٥﴾ ''یقیناً آپ کا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے' اور یقیناً وہ غفور اور رحیم بھی ہے۔''

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ○○

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ

تمہیدی کلمات

سورۃ الاعراف قرآن حکیم کی طویل ترین مکّی سورت ہے۔ اس سورت کا سورۃ الانعام کے ساتھ چونکہ جوڑے کا تعلق ہے اس لیے اس کے مضامین کا تعارف سورۃ الانعام کے آغاز میں آ چکا ہے۔ وہاں پر التذکیر بِآلاءِ اللّٰہ اور التذکیر بِاَیّامِ اللّٰہ کے فلسفے پر بھی تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور دونوں سورتوں میں مضامین کی اس تقسیم کا ذکر بھی ہو چکا ہے کہ سورۃ الانعام میں تذکیر بِآلاءِ اللّٰہ کا انداز ملتا ہے جب کہ سورۃ الاعراف میں تذکیر بِاَیّامِ اللّٰہ کا رنگ غالب ہے۔ سورۃ الاعراف کے موضوعات کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ سب سے پہلے قصہ حضرت آدمؑ و ابلیس بیان کر کے انسانی تخلیق کے آغاز کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر حیاتِ دُنیوی کے اختتامی دور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس اختتامی دَور میں تین اقسام کے لوگوں کی تفصیل آ گئی ہے۔ پہلے اہلِ جہنّم کا تذکرہ ہے' اس کے بعد اہلِ جنّت کا' اور پھر اصحابِ اعراف کا' یعنی وہ لوگ جن کے جنّت یا دوزخ میں دخول کے بارے میں فیصلہ مؤخر کر دیا جائے گا۔ اس طرح حیاتِ انسانی کی ابتدا اور اس کی انتہا کے تذکرے کے بعد حیاتِ انسانی کے ''درمیانی دَور'' کا تذکرہ تذکیر بِاَیّامِ اللّٰہ (انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات) کے طور پر آ گیا ہے' جو اس سورت کے مضامین کا عمود (main theme) ہے۔

آیات ۱ تا ۹

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اٰیَاتُھَا: ۲۰۶ رُکُوْعَاتُھَا: ۲۴

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِکْرٰی
لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ؕ قَلِیْلًا مَّا
تَذَکَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَ کَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا کَانَ
دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ
اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا کُنَّا غَآئِبِیْنَ ﴿۷﴾ وَ الْوَزْنُ
یَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ
فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

آیت ۱ ﴿الٓمّٓصٓ ۱﴾ ''ا' ل' م' ص۔''

یہ حروفِ مقطّعات ہیں' اور جیسا کہ پہلے بھی وضاحت ہو چکی ہے' حروفِ مقطّعات کا حقیقی اور یقینی مفہوم کسی کو معلوم نہیں اور یہ کہ

ان تمام حروف کے مفاہیم و مطالب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے درمیان راز کا درجہ رکھتے ہیں۔ البتہ یہاں اضافی طور پر یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ قرآنِ مجید کی دو سورتیں ایسی ہیں جن کے شروع میں چار چار حروفِ مقطعات آئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہی سورۃ الاعراف ہے اور دوسری سورۃ الرعد' جس کا آغاز الٓمّٓرٰ سے ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کے آغاز میں تین تین حروفِ مقطعات (الٓمّٓ) آ چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ ''یہ کتاب ہے (اے نبی ﷺ) جو آپ پر نازل کی گئی ہے' تو نہیں ہونی چاہیے آپ کے دل میں کچھ تنگی اس کی وجہ سے''

اس سورت کا نزول مکی دور کے آخری برسوں میں ہوا جبکہ حضور ﷺ کی دعوتی کوششوں کو شروع ہوئے دس گیارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ دعوت کے لیے ہر ممکن طریقہ استعمال کر رہے تھے' مگر آپؐ کی سالہا سال کی جِدّوجُہد کے باوجود مکہ کے صرف چند لوگ ایمان لائے تھے۔ یہ صورتِ حال آپ ﷺ کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ ایک عام آدمی تو اپنی غلطیوں کی ذمہ داری دوسروں کے سر پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کو بھی دوسروں کے کھاتے میں ڈال کر خود کو صاف بچانے کی فکر میں رہتا ہے' لیکن ایک شریف النفس انسان ہمیشہ یہ دیکھتا ہے کہ اگر اس کی کوشش کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں تو اس میں اُس کی طرف سے کہیں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ اس سوچ اور احساس کی وجہ سے وہ اپنے دل پر ہر وقت ایک بوجھ محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا جب حضور ﷺ کی مسلسل کوشش کے باوجود اہلِ مکہ ایمان نہیں لا رہے تھے تو بشری تقاضے کے تحت آپؐ کو دل میں بہت پریشانی محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے آپؐ کی تسلی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اس قرآن کی وجہ سے آپؐ کے اوپر کوئی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔

﴿لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲﴾ ''(یہ تو اس لیے ہے) تاکہ اس کے ذریعے سے آپؐ خبردار کریں اور یہ یاددہانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔''

لِتُنْذِرَ بِهٖ تاکہ آپؐ اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو خبردار کریں۔ انذار بالقرآن کا یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ ''اور یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں بھی خبردار کروں اور جس جس کو یہ پہنچے''۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ اہلِ ایمان کے لیے ذِکْرٰی (یاددہانی) ہے۔ یعنی جن سلیم الفطرت لوگوں کے اندر بالقوّۃ (potentially) ایمان موجود ہے اُن کے سوئے ہوئے (dormant) ایمان کو بیدار (activate) کرنے کے لیے یہ کتاب ایک طرح سے یاددہانی ہے۔ جیسے آپ کو کوئی چیز بھول گئی تھی' اچانک کہیں اس کی کوئی نشانی دیکھی تو فوراً وہ شے یاد آ گئی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کے لیے اس کائنات کی چیزوں کو بھی انسانوں کے لیے یاددہانی (ذکریٰ) بنا دیا ہے۔

آیت ۳ ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''پیروی کرو اُس کی جو نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے''

پچھلی آیت میں حضور ﷺ سے صیغہ واحد میں خطاب تھا ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ جب کہ یہاں ''اِتَّبِعُوْا'' جمع کا صیغہ ہے۔ یعنی یہاں خطاب کا رخ عام لوگوں کی طرف ہے اور انہیں وحیٔ الٰہی کی پیروی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳﴾ ''اور مت پیروی کرو اُس کے سوا دوسرے سرپرستوں

کی۔ کم ہی ہے جو نصیحت تم حاصل کرتے ہو۔''

یعنی اپنے ربّ کو چھوڑ کر کچھ دوسرے اولیاء (دوست' سرپرست) بنا کر ان کی پیروی مت کرو۔

آیت ۴ ﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' تو ان پر آ پڑا ہمارا عذاب جب وہ رات کو سو رہے تھے یا جب دوپہر کو قیلولہ کر رہے تھے۔''

چونکہ اس سورۂ مبارکہ کے موضوع کا عمود تذکیر بِاَیّٰمِ اللّٰہ ہے' لہٰذا یہاں شروع میں ہی اقوامِ گزشتہ پر عذاب اور ان کی بستیوں کی تباہی کا تذکرہ آ گیا ہے۔ اس آیت میں قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ' قومِ شعیبؑ اور قومِ لوطؑ کی بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۵ ﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵﴾ ''تو پھر ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں تھی جب ان پر ہمارا عذاب آ پڑا کہ (ہائے ہماری شامت) بے شک ہم ہی ظالم تھے۔''

واقعتاً ہمارے رسولوں نے تو ہماری آنکھیں کھولنے کی پوری کوشش کی تھی مگر ہم نے ہی اپنی جانوں پر زیادتی کی جو اُن کی دعوت کو نہ مانا۔

آیت ۶ ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶﴾ ''پس ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا اور لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔''

یہ فلسفۂ رسالت کا بہت اہم موضوع ہے جو اس آیت میں بڑی جلالی شان کے ساتھ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو اس لیے بھیجتا تھا تاکہ وہ انہیں خبردار کر دیں۔ یہ ایک بہت بھاری اور حساس ذمہ داری تھی جو پیغمبروں پر ڈالی جاتی تھی۔ اب اگر بالفرض کسی رسول کی طرف سے اس ذمہ داری میں ذرا بھی کوتاہی ہوئی ہوگی تو متعلقہ قوم سے پہلے اُس سے پوچھا جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ نے ایک اہم پیغام دے کر کسی آدمی کو اپنے کسی دوست کے پاس بھیجا کہ وہ یہ کام کل تک ضرور کر دے ورنہ میرا بہت نقصان ہوگا' لیکن آپ کے اس دوست نے وہ کام نہیں کیا اور آپ کا نقصان ہو گیا۔ اس پر آپ غصے سے آگ بگولہ اپنے دوست کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم نے میرے پیغام کے مطابق بروقت میرا کام کیوں نہیں کیا؟ اب آپ کا دوست اگر جواباً یہ کہہ دے کہ اس کے پاس تو آپ کا پیغام لے کر کوئی آیا ہی نہیں تو اپنے دوست سے آپ کی ناراضی فوراً ختم ہو جائے گی' کیونکہ اس نے کوتاہی نہیں کی' اور آپ کے غصے کا رخ اس شخص کی طرف ہو جائے گا جس کو آپ نے پیغام دے کر بھیجا تھا۔ آپ اس سے باز پرس کریں گے کہ تم نے میرا اتنا اہم پیغام کیوں نہیں پہنچایا اور غیر ذمہ داری کا ثبوت دے کر تم نے میرا اتنا بڑا نقصان کیوں کر دیا؟ اسی طرح کا معاملہ ہے اللہ کے رسول اور متعلقہ قوم کا۔ اللہ نے رسول کو پیغام بر بنا کر ایک قوم کی طرف بھیجا۔ بالفرض اس پیغام کے پہنچانے میں اگر رسول سے کوتاہی ہوئی تو وہ اس کے لیے جوابدہ ہوگا۔ ہاں اگر اس نے کما حقہ پیغام پہنچا دیا تو وہ اپنی ذمہ داری سے بَری ہو گیا۔ پھر اگر متعلقہ قوم نے اس پیغام پر عمل درآمد نہ کیا تو وہ اس کوتاہی کے لیے ذمہ دار ٹھہرے گی۔ چنانچہ آخرت میں اُمتوں کا بھی محاسبہ ہوگا اور رسولوں کا بھی۔ اللہ تعالیٰ ہر اُمت سے جواب طلبی کرے گا کہ میں نے تمہاری طرف اپنا رسول بھیجا تھا تاکہ وہ تمہیں میرا پیغام پہنچا دے' تم نے اس پیغام کو قبول کیا یا نہیں کیا؟ اور مرسلین سے بھی پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام پہنچایا یا نہیں؟ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۹ میں ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ کے سوال اور آیت ۱۱۶ کے درج ذیل الفاظ میں اسی جواب طلبی کا ذکر ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۱۱۶) ''اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا

لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ بنا لینا اللہ کے علاوہ؟''

اب ذرا حجۃ الوداع (۱۰ ہجری) کے منظر کو ذہن میں لائیے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میدانِ عرفات میں ایک جمِ غفیر سے مخاطب ہیں۔ اس تاریخی موقع کے پس منظر میں آپ ﷺ کی ۲۳ برس کی محنتِ شاقہ تھی' جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر دیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) لوگو سنو! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اس پر پورے مجمع نے یک زبان ہو کر جواب دیا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ[1]۔ ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ کہ ہاں ہم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے رسالت کا حق ادا کر دیا' آپ نے امانت کا حق ادا کر دیا (یہ قرآن آپ کے پاس اللہ کی امانت تھی جو آپ نے ہم تک پہنچا دی)' آپ نے اُمت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور آپ نے گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں کا پردہ چاک کر دیا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے تین دفعہ یہ سوال کیا اور تین دفعہ لوگوں سے اس کا جواب لیا اور تینوں دفعہ آپ نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر پکارا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ' یہ لوگ تسلیم کر رہے ہیں کہ میں نے تیرا پیغام انہیں پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))[2] کہ اب پہنچائیں وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے کندھے سے یہ بوجھ اتر کر اب تمہارے کندھوں پر آ گیا ہے۔ اگر میں صرف تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوتا تو اس مشن کی آج تکمیل ہو گئی ہوتی' مگر میں تو رسول ہوں تمام انسانوں کے لیے جو قیامت تک آئیں گے۔ چنانچہ اب اس دعوت اور تبلیغ کو ان لوگوں تک پہنچانا میری اُمت کے لوگوں کے ذمہ ہے۔ یہی وہ گواہی ہے جس کا منظر سورۃ النساء کی اس آیت میں دکھایا گیا ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝۴۱﴾ ''تو اُس دن کیا صورتِ حال ہو گی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے نبی ﷺ) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر''۔ پھر اس روز حجۃ الوداع کے موقع پر موجود لوگوں کی گواہی کا حوالہ بھی آئے گا۔ اور اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور گواہی دیں گے کہ اے اللہ میں نے تو ان لوگوں تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا' اب یہ ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ چونکہ معاملہ ان پر پوری طرح کھول دیا گیا تھا' لہٰذا اب یہ لوگ لاعلمی کے بہانے کا سہارا نہیں لے سکتے۔

آیت ۷ ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷﴾ ''پھر ہم ان کے سامنے احوال بیان کریں گے علم کی بنیاد پر اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔''

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کس قدر جِدّ و جُہد کرتے رہے تھے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح کے مشکل حالات میں آپ کا ساتھ دیتے رہے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ابوجہل اور ابولہب کی کارروائیوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ وہ کس کس طریقے سے حضور ﷺ کو اذیتیں پہنچا رہے تھے اور اسلام کی مخالفت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دِن ہم ان کے سامنے اپنے علم کی بنیاد پر تمام احوال بیان کر دیں گے' کیونکہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو ہم وہاں

۱۔ صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجۃ النبی ﷺ۔ وسنن ابی داؤد' کتاب المناسک' باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

۲۔ صحیح البخاری' کتاب الحج' باب الخطبۃ ایام منیٰ۔ وصحیح مسلم' کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات' باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال۔

سے غیر حاضر تو نہیں تھے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ سورۃ الحدید (آیت ۴) میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ کہ وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو۔

آیت ۸ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ ۚ﴾ ''اور اُس روز وزن ہوگا حق ہی میں (یا وزن ہی فیصلہ کن ہوگا)''

اُس روز اللہ تعالیٰ ترازو نما کوئی ایسا نظام قائم کرے گا' جس کے ذریعے سے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن ہوگا' مگر اُس دن وزن صرف حق ہی میں ہوگا' یعنی صرف اعمالِ صالحہ ہی کا وزن ہوگا' باطل اور بُرے کاموں میں سرے سے کوئی وزن نہیں ہوگا' ریاکاری کی نیکیاں ترازو میں بالکل بے حیثیت ہوں گی۔ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ ۚ﴾ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اُس دن وزن ہی حق ہوگا' وزن ہی فیصلہ کن ہوگا۔ اگر دو پلڑوں والی ترازو کا تصور کریں تو اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا نجات بس اسی کے لیے ہوگی۔

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸﴾ ''تو جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

آیت ۹ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹﴾ ''اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا بسبب اس کے کہ وہ ہماری آیات سے ناانصافی کرتے رہے۔''

آیت ۶ ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶﴾ کی طرح اگلی آیت بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

آیات ۱۰ تا ۲۵

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ ع ۱ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا

نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾
وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا
الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور (دیکھو انسانو!) ہم نے تمہیں زمین میں تمکّن عطا فرمایا اور اس میں تمہارے لیے معاش کے سارے سامان رکھ دیے' (لیکن) بہت ہی کم ہے جو شکر تم کرتے ہو۔''

تم لوگوں کو تو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ زمین کے وسائل انسان کے مسلسل استعمال سے ختم نہ ہو جائیں' انسانی و حیوانی خوراک کا قحط نہ پڑ جائے۔ مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے خزانے ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ ہم نے تمہیں اس زمین میں بسایا ہے تو یہاں تمہاری اور تمہاری آئندہ تمام نسلوں کی جملہ جسمانی ضرورتیں پوری کرنے کا بندوبست بھی کیا ہے۔ اب اگلے (دوسرے) رکوع میں اسی مضمون یعنی تمکّن فی الارض کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

آیت ۱۱ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۡ﴾ ''اور ہم نے تمہیں تخلیق کیا' پھر تمہاری تصویر کشی کی' پھر ہم نے کہا فرشتوں سے کہ جھک جاؤ آدم کے سامنے!''

نظریۂ ارتقاء (Evolution Theory) کے حامی لوگ اس آیت سے بھی کسی حد تک اپنی نظریاتی غذا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل قرآن حکیم کی مختلف آیات میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کے بارے میں تفصیلات ملتی ہیں۔ مثلاً سورۂ آل عمران' آیت ۵۹ میں بتایا گیا ہے کہ انسانِ اوّل کو مٹی سے بنا کر کُنْ کہا گیا تو وہ ایک زندہ انسان بن گیا (فَيَكُوْنُ)۔ یہ آیت گویا انسان کی ایک خاص مخلوق کے طور پر تخلیق کی تائید کرتی ہے۔ جبکہ آیت زیرِ نظر میں اس ضمن میں تدریجی مراحل کا ذکر ہوا ہے۔ یہاں جمع کے صیغوں (وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ) سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس سلسلہ کی کچھ انواع (species) پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ گویا نسلِ انسانی پہلے پیدا کی گئی' پھر ان کی شکل و صورت کو finishing touches دیے گئے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آدم تو ایک تھا' پھر یہ جمع کے صیغے کیوں استعمال ہوئے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۳ بھی ایک طرح سے ہمیں دعوتِ غور و فکر دیتی ہے' جس میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے چُنا تھا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾۔ گویا یہ آیت بھی کسی حد تک ارتقائی عمل کی طرف اشارہ کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال اس قسم کے موضوعات کے بارے میں جیسے جیسے جو جو علمی اشارے دستیاب ہوں ان کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے' اور آنے والے وقت کے لیے اپنے options کھلے رکھنے چاہئیں۔ ہو سکتا ہے جب وقت کے ساتھ ساتھ کچھ مزید حقائق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے انسانی علم میں آئیں تو ایسی آیات کے مفاہیم زیادہ واضح ہو کر سامنے آجائیں۔

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱﴾ ''تو سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے' نہ ہوا وہ سجدہ کرنے والوں میں۔''

آیت ۱۲ ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: کس چیز نے تمہیں روکا کہ تم نے سجدہ نہیں کیا' جب کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا؟''

﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲﴾ ''اُس نے کہا: میں اِس سے بہتر ہوں' مجھے تُو نے بنایا ہے آگ سے اور اس کو بنایا ہے مٹی سے۔''

اس نے ایسا استکبار کی بنیاد پر کہا۔ اس کے اس قول کے ایک ایک لفظ سے تکبّر جھلکتا ہے۔

آیت ۱۳ ﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: پس اُتر جاؤ اس سے' تمہیں یہ حق نہیں تھا کہ تم اس میں تکبّر کرو' پس نکل جاؤ' یقیناً تم ذلیل و خوار ہو۔''

آیت ۱۴ ﴿قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴﴾ ''اُس نے کہا: (اے اللہ!) مجھے مہلت دے اُس دن تک جس دن انہیں (زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔''

آیت ۱۵ ﴿قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵﴾ ''فرمایا: (ٹھیک ہے جاؤ) تمہیں مہلت دے دی گئی۔''

آیت ۱۶ ﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶﴾ ''اُس نے کہا: (پروردگار!) تُو نے جو مجھے (آدم کی وجہ سے) گمراہ کیا ہے تو اَب میں لازماً ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا تیری سیدھی راہ پر۔''

میں تیری توحید کی شاہراہ پر ڈیرے جما کر' گھات لگا کر' مورچہ بند ہو کر بیٹھوں گا اور تیرے بندوں کو شرک کی پگڈنڈیوں کی طرف موڑتا رہوں گا۔

آیت ۱۷ ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷﴾ ''پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے' اور ان کے دائیں اور بائیں جانب سے' اور تو نہیں پائے گا ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا۔''

آیت ۱۸ ﴿قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: نکل جاؤ اس میں سے بُرے حال میں مردود ہو کر۔ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں (انہیں اور تم کو اکٹھا کر کے) تم سب سے جہنّم کو بھر کر رہوں گا۔''

آیت ۱۹ ﴿وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹﴾ ''اور (پھر ہم نے آدم سے کہا کہ) اے آدمؑ رہو جنّت میں تم اور تمہاری بیوی' اور کھاؤ پیو اس میں سے جہاں سے تم دونوں چاہو' اور (ہاں) اس درخت کے قریب مت جانا' ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

آیت ۲۰ ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ ''تو شیطان نے ان دونوں کو

وسوسہ میں ڈالا تا کہ ظاہر کر دے ان پر جو ان سے پوشیدہ تھیں ان کی شرمگاہیں''

قصۂ حضرت آدمؑ وابلیس کی تفصیل قبل ازیں ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہاں یہ قصہ دوسری مرتبہ بیان ہوا ہے۔ پورے قرآن مجید میں یہ واقعہ سات مرتبہ آیا ہے' چھ مرتبہ مکی سورتوں میں اور ایک مرتبہ مدنی سورت (البقرۃ) میں۔ لیکن ہر جگہ یہ واقعہ مختلف انداز سے بیان ہوا ہے اور ہر بار کسی نہ کسی نئی بات کا اس میں اضافہ ہوا ہے۔ دراصل حضور ﷺ کی دعوتی تحریک جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی' ہر دور کے مخصوص حالات کے سبب اس واقعے میں ہر دفعہ مزید تفصیلات شامل ہوتی گئیں۔ یہاں اس قصے کا آغاز کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کر کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۫ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾

سورۃ البقرۃ کی متعلقہ آیات کے مطالعے کے دوران اس واقعے سے متعلق بعض اہم نکات زیر بحث آ چکے ہیں۔ یہاں آیات زیر مطالعہ کے حوالے سے کچھ مزید باتیں تشریح طلب ہیں۔ ایک تو شیطان کے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ورغلانے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے سے متعلق یہ سوال بہت اہم ہے کہ اس کی کیفیت کیا تھی۔ اس سلسلے میں جو مکالمات قرآن میں آئے ہیں ان سے یہ گمان ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت آدمؑ اور ابلیس ایک دوسرے کو دیکھتے اور پہچانتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا' بلکہ شیطان جیسے آج ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی نظروں سے بھی پوشیدہ تھا اور جس طرح آج ہمارے دلوں میں شیطانی وسوسے جنم لیتے ہیں اسی طرح ان کے دلوں میں بھی وسوسے پیدا ہوئے تھے۔ دوسرا وضاحت طلب نکتہ ایک خاص ممنوعہ پھل کے چکھنے اور اس کی خاص تاثیر کے بارے میں ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں اس کی تفصیل اس طرح ملتی ہے کہ اس پھل کے چکھنے پر ان کی شرمگاہیں نمایاں ہو گئیں۔ جہاں تک اس کیفیت کی حقیقت کا تعلق ہے تو اسے معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس حتمی اور قطعی علمی ذرائع نہیں ہیں' اس لیے اس معاملے کو متشابہات میں ہی شمار کیا جائے گا۔ البتہ اس بارے میں مختلف مفسرین نے اپنے طور پر قیاس آرائیاں کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ پہلے انہیں اپنے اِن اعضاء کے بارے میں شعور نہیں تھا' مگر وہ پھل چکھنے کے بعد یہ شعور ان میں بیدار ہو گیا' یا یہ کہ پہلے انہیں جنت کا لباس دیا گیا تھا جو اس واقعے کے بعد اتر گیا۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ نیکی اور بدی کا درخت تھا جس کا پھل کھاتے ہی ان میں نیکی اور بدی کی تمیز پیدا ہو گئی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ دراصل حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے درمیان پہلا جنسی اختلاط (sexual act) تھا' جسے اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مختلف لوگوں کی آراء ہیں' لیکن اس ضمن میں اصل بات یہی ہے کہ یہ معاملہ متشابہات میں سے ہے اور ٹھوس علمی معلومات کے بغیر اس بارے میں کوئی قطعی اور حقیقی رائے قائم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ وہ درخت کون سا تھا اور اسے چکھنے کی اصل حقیقت اور کیفیت کیا تھی۔

﴿وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝۲۰﴾ ''اور اُس نے کہا (وسوسہ اندازی کی) کہ نہیں روکا ہے آپ دونوں کو آپ کے رب نے اس درخت سے مگر اسی لیے کہ کہیں آپ فرشتے نہ بن جائیں یا کہیں ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جائیں۔''

یہ تو سیدھی سی بات ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سامنے جھکایا گیا تھا تو اس کے بعد آپؑ کے لیے فرشتہ بن جانا کون سی بڑی بات تھی' لیکن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو نسیان ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اصل حقیقت' اصل مقام کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات گویا شیطان نے وسوسے کے انداز سے ان کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کی کہ اس شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر تم فرشتے بن جاؤ گے یا

ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے اور تم پر موت طاری نہ ہو سکے گی۔

آیت ۲۱ ﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝۲۱﴾ ''اور اُس نے قسمیں کھا کھا کر اُن کو یقین دلایا کہ میں آپ دونوں کے لیے بہت ہی خیر خواہ ہوں۔''

آیت ۲۲ ﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ﴾ ''تو اُس نے دھوکہ دے کر انہیں مائل کر ہی لیا۔''

﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ﴾ ''تو جب ان دونوں نے چکھ لیا اس درخت کے پھل کو تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ لگے گانٹھنے جنّت کے (درختوں کے) پتّوں کو اپنے اوپر (لباس بنانے کے لیے)''

اپنی عریانی کا احساس ہونے کے بعد وہ جنّت کے درختوں کے پتّوں کو آپس میں جوڑ کر اپنے اپنے ستر کو چھپانے کا اہتمام کرنے لگے۔

﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۲۲﴾ ''اور اب آواز دی اُن دونوں کو اُن کے رب نے کہ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا اس درخت سے اور کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے!''

آیت ۲۳ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۲۳﴾ ''(اس پر) وہ دونوں پکار اُٹھے کہ اے ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر، اور اگر تُو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

یعنی ہم اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ یہ وہی کلمات ہیں جن کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۳۷) میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ﴾ یعنی آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے اور ان کے ذریعے سے معافی مانگی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ وہاں اس ضمن میں صرف اشارہ کیا گیا تھا' یہاں وہ کلمات بتا دیے گئے ہیں۔ اس سارے واقعے میں ایک اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن میں کہیں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ ابلیس نے یہ وسوسہ ابتدا میں اماں حوّاؑ کے دل میں ڈالا تھا۔ اس سلسلے میں عام طور پر ہمارے ہاں جو کہانیاں مشہور ہیں ان کی رو سے شیطان کے بہکاوے میں پہلے حضرت حوّاؑ آئیں اور پھر ان کے ترغیب دلانے سے حضرت آدمؑ نے وہ پھل چکھا۔ لیکن قرآن اس امکان کی نفی کرتا ہے۔ آیات زیر نظر کے مطالعے سے تو ان دونوں کا ایک ساتھ بہکاوے میں آ جانا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں قرآن مسلسل تثنیہ کا صیغہ استعمال کر رہا ہے۔ یعنی شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا' دونوں اس کے بہکاوے میں آ گئے اور پھر دونوں نے اللہ سے معافی مانگی اور اللہ نے دونوں کو معاف کر دیا۔

حضرت حوّاؑ کے شیطان کے بہکاوے میں آنے والی کہانیوں کی ترویج دراصل عیسائیت کے زیر اثر ہوئی ہے۔ عیسائیت میں عورت کو گناہ اور برائی کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Eve (حوا) سے لفظ evil عیسائیوں کے ہاں برائی کا ہم معنی قرار پایا ہے۔ عیسائیت میں مرد کا شادی کرنا اور عورت سے قربت کا تعلق قائم کرنا ایک گھٹیا فعل تصور کیا جاتا تھا' جبکہ تجرد کی زندگی گزارنا اور رہبانیت

کے طور طریقوں کو ان کے ہاں روحانیت کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ نتیجتاً ان کے ہاں اس طرح کی کہانیوں نے جنم لیا' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمؑ کو جنّت سے نکلوانے اور ان کی آزمائشوں اور مصیبتوں کا باعث بننے والی دراصل ایک عورت تھی۔ بہرحال ایسے تصوّرات اور نظریات کی تائید قرآن مجید سے نہیں ہوتی۔

آیت ۲۴ ﴿قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: تم سب اُتر جاؤ (اب) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔''

ھُبُوط کے بارے میں سورۃ البقرۃ آیت ۳۶ میں وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ لفظ صرف بلندی سے نیچے اترنے کے معنی کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ جس دشمنی کا ذکر یہاں کیا گیا وہ حضرت آدم کے ہبوطِ ارضی کے وقت سے آج تک شیطان کی ذُرّیت اور آدمؑ کی اولاد کے درمیان مسلسل چلی آ رہی ہے اور قیامت تک چلتی رہے گی۔ اس کے علاوہ ان الفاظ ﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ میں بنی نوع انسان کی باہمی دشمنیوں کا مفہوم بھی شامل ہے جو مختلف افراد اور اقوام کے درمیان پائی جاتی ہیں۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۲۴﴾ ''اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ ہے اور (ضرورت کا) ساز و سامان بھی ایک وقتِ معیّن تک۔''

یہ ٹھکانہ اور مال و متاع ابدی نہیں ہے' بلکہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے۔ اب تمہیں اس زمین پر رہنا بسنا ہے اور وہاں رہنے بسنے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں وہ وہاں پر تمہارے لیے فراہم کر دی گئی ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝۲۵﴾ ''پھر فرمایا کہ (اب) تم اسی (زمین) میں زندگی گزارو گے' اسی میں مرو گے اور اسی میں سے تمہیں نکال لیا جائے گا۔''

آیات ۲۶ تا ۳۱

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۡ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ ع

آیت ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ﴾ ''اے آدمؑ کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے اور آرائش وزیبائش کا سبب بھی ہے۔''

عربوں کے ہاں زمانۂ جاہلیت کے غلط رسم ورواج اور نظریات میں سے ایک راہبانہ نظریہ یا تصور یہ بھی تھا کہ لباس انسانی جسم کے لیے خواہ مخواہ کا تکلف ہے اور یہ شرم کا احساس جو انسان نے اپنے اوپر اوڑھ رکھا ہے یہ بھی انسان کا خود اپنا پیدا کردہ ہے۔ اس نظریے کے تحت ان کے مرد اور عورتیں مادر زاد ننگے ہو کر کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے اور اس فعل کو اعلیٰ درجے کی نیکی سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نفیٔ ذات (self annihiliation) کا بہت بڑا مظاہرہ تھا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک خاص ذریعہ تھا۔ اس طرح کے خیالات ونظریات بعض معاشروں میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بعض ملنگ قسم کے لوگ لباس پر عریانی کو ترجیح دیتے ہیں' جبکہ عوام الناس عام طور پر ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں دراصل ایسے جاہلانہ نظریات کی نفی کی جا رہی ہے کہ تمہارے لیے لباس کا تصور اللہ تعالیٰ کا ودیعت کردہ ہے۔ یہ نہ صرف تمہاری ستر پوشی کرتا ہے بلکہ تمہارے لیے زیب وزینت کا باعث بھی ہے۔

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ﴾ ''اور (اس سے بڑھ کر) تقویٰ کا لباس جو ہے وہ سب سے بہتر ہے۔''

سب سے بہتر لباس تقویٰ کا لباس ہے' اگر یہ نہ ہو تو بسا اوقات انسان لباس پہن کر بھی ننگا ہوتا ہے' جیسا کہ انتہائی تنگ لباس' جس میں جسم کے نشیب وفراز ظاہر ہو رہے ہوں یا عورتوں کا اس قدر باریک لباس جس میں جسم جھلک رہا ہو۔ ایسا لباس پہننے والی عورتوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ''كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں' یعنی وہ عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ عورتیں جنت میں داخل ہونا تو درکنار' جنت کی ہوا بھی نہ پا سکیں گی' جبکہ جنت کی ہوا پانچ سو سال کی مسافت سے بھی محسوس ہو جاتی ہے[۳]۔ چنانچہ لِبَاسُ التَّقْوٰى سے مراد ایک طرف تو یہ ہے کہ انسان جو لباس زیب تن کرے وہ حقیقی معنوں میں تقویٰ کا مظہر ہو اور دوسری طرف یہ بھی کہ انسانی شخصیت کی اصل زینت وہ لباس (سیرت وکردار) ہے جس کا تانا بانا شرم وحیا اور خدا خوفی سے بُنا گیا ہو۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾ ''یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت اخذ کریں۔''

آیت ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ﴾ ''اے بنی آدم (دیکھو اب) شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے' جیسے کہ تمہارے والدین کو اُس نے جنت سے نکلوا دیا تھا (اور) اُس نے اُتروا دیا تھا اُن سے اُن کا لباس' تاکہ ان پر عیاں کر دے ان کی شرمگاہیں۔''

﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ﴾ ''یقیناً وہ اور اُس کی ذُرّیت وہاں سے تم پر نظر رکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔''

چونکہ ابلیس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک چھوٹ ملی ہوئی ہے لہٰذا وہ نہ صرف مسلسل زندہ ہے' بلکہ اُس نے اپنی اولاد اور

۳۔ صحیح مسلم' کتاب اللباس والزینة' باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات۔ وموطأ مالک' کتاب الجامع' باب مایکرہ للنساء لبسہ من الثیاب۔ راوی: ابوہریرۃؓ۔

اپنے نمائندوں کو اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے انسانوں کے درمیان پھیلا رکھا ہے۔ یہ جن شیاطین چونکہ غیر مرئی (invisible) مخلوق ہیں اس لیے وہ ایسی ایسی جگہوں پر ہماری گھات میں بیٹھے ہوتے ہیں اور ایسے ایسے طور طریقوں سے حملہ آور ہوتے ہیں جس کا ہلکا سا اندازہ بھی ہم نہیں کر سکتے۔

﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''ہم نے تو شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

جیسے گندگی اور مکھی کا فطری ساتھ ہے ایسے ہی شیطان اور منکرینِ حق کا یارانہ ہے۔ جس دل میں ایمان نہیں ہوگا اور وہ اللہ کے ذکر کے نور سے محروم ہوگا' وہ ''خانۂ خالی را دیو می گیرد'' کے مصداق شیطان ہی کا اڈہ بنے گا۔

آیت ۲۸ ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ﴾ ''اور جب یہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے پایا ہے یہی کچھ کرتے ہوئے اپنے آباء و اجداد کو' اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔''

مشرکینِ عرب جب ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو اس شرمناک فعل کا جواز پیش کرتے ہوئے کہتے کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے اور یقیناً اللہ ہی نے اس کا حکم دیا ہوگا۔ یہ گویا ان کے نزدیک ایک ٹھوس' قرائنی شہادت (circumstantial evidence) تھی کہ جب ایک ریت اور رسم چلی آ رہی ہے تو یقیناً یہ سب کچھ اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق ہی ہو رہا ہوگا۔

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا' تو کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ کچھ جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔''

آیت ۲۹ ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ''آپؐ کہیے کہ میرے ربّ نے تو حکم دیا ہے انصاف (اور عدل و توازن) کا' اور اپنے رُخ سیدھے کر لیا کرو ہر نماز کے وقت''

لفظ ''مَسْجِد'' اسم ظرفِ زمان بھی ہے اور اسم ظرفِ مکان بھی۔ بطور ظرفِ مکان سجدے کی جگہ مسجد ہے اور بطور ظرفِ زمان سجدے کا وقت مسجد ہے۔

﴿وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ﴾ ''اور اُسی کو پکارا کرو اُسی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''

یعنی اللہ کو پکارنے اور اس سے دعا کرنے کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ اس کی کلی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کیا جائے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ' آیت ۱۸۶ میں روزے کے احکام اور حکمتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ﴾ کہ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں' اُس کی دعا کو قبول کرتا ہوں' لیکن انہیں بھی تو چاہیے کہ وہ میرا کہنا مانیں ـــــ اور یہ کہنا ماننا یا اطاعت جزوی طور پر قابلِ قبول نہیں' بلکہ اس کے لیے ﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾ (البقرۃ: ۲۰۸) کا معیار سامنے رکھنا ہوگا' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پورے پورے داخل ہونا ہوگا۔ یہی بات یہاں آیت زیر مطالعہ میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ اپنی اطاعت کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اسے پکارو۔ یعنی اس کی اطاعت کے دائرے کے اندر کُلّی طور پر داخل ہوتے ہوئے اس سے دعا کرو۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں بے شمار اطاعتوں سے سابقہ پڑتا ہے' مثلاً والدین کی اطاعت' اساتذہ کی اطاعت' اولوالامر کی اطاعت' وغیرہ۔ اس میں بنیادی طور پر جو اصول مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ

"لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ" یعنی مخلوق میں سے کسی کی ایسی اطاعت نہیں کی جائے گی جس میں خالق حقیقی کی معصیت لازم آتی ہو۔ اللہ کی اطاعت سب سے اوپر اور سب سے برتر رہے گی' باقی سب اطاعتیں اس کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہوں گی۔ جہاں کسی کی اطاعت میں اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ایسی اطاعت ناقابلِ قبول اور حرام ہوگی۔

﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹﴾ "جیسے اُس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ بھی پیدا ہو جاؤ گے۔"

آیت ۳۰ ﴿فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ﴾ "ایک گروہ کو اُس نے ہدایت دے دی ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس کے اوپر گمراہی مسلط ہو چکی ہے۔"

یعنی جن لوگوں نے انکار کیا اور پھر اس انکار پر ڈٹ گئے وہ اپنی اس متعصبانہ روش کی وجہ سے' اپنی ضد اور اپنی ہٹ دھرمی کے سبب' اپنے حسد اور تکبر کے باعث گمراہی کے مستحق ہو چکے ہیں۔

﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰﴾ "(اور یہ اس لیے کہ) انہوں نے شیطانوں کو اپنا ساتھی بنا لیا اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔"

آیت ۳۱ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ "اے آدمؑ کی اولاد! اپنی زینت استوار کیا کرو ہر نماز کے وقت"

یہاں اچھے لباس کو زینت کہا گیا ہے' جیسا کہ آیت ۲۶ میں لباس کو رِیْشًا فرمایا گیا تھا' یعنی لباس انسان کے لیے زیب و زینت کا ذریعہ ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ابھی جن تین آیات (۲۶' ۲۷ اور ۳۱) میں لباس کا ذکر ہوا ہے' ان تینوں میں بنی آدم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس کا معاملہ پوری نوعِ انسانی سے متعلق ہے۔ بہرحال اس آیت میں جو اہم حکم دیا جا رہا ہے وہ نماز کے وقت بہتر لباس زیب تن کرنے کے بارے میں ہے۔ ہمارے ہاں اس سلسلے میں عام طور پر اُلٹی روش چلتی ہے۔ دفتر اور عام میل ملاقات کے لیے تو عموماً بہت اچھے لباس کا اہتمام کیا جاتا ہے' لیکن مسجد جانا ہو تو میلے کچیلے کپڑوں سے ہی کام چلا لیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جب تمہیں میرے دربار میں آنا ہو تو پورے اہتمام کے ساتھ اچھا اور صاف ستھرا لباس پہن کر آیا کرو۔

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱﴾ "اور کھاؤ اور پیو البتہ اسراف نہ کرو' یقیناً وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

یہ حکم بھی تمام بنی آدم کے لیے عام ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں تمہارے لیے ہی بنائی گئی ہیں' ان چیزوں سے جائز اور معروف طریقوں سے استفادہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے' البتہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے بے جا استعمال اور اسراف سے اجتناب ضروری ہے' کیونکہ اسراف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہاں ایک طرف تو اسی رہبانی نظریہ کی نفی ہو رہی ہے جس میں اچھے کھانے' اچھے لباس اور زیب و زیبائش کو سرے سے اچھا نہیں سمجھا جاتا اور مفلسانہ وضع قطع اور ترکِ لذات کو روحانی ارتقاء کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے' جبکہ دوسری طرف دُنیوی نعمتوں کے بے جا اسراف اور ضیاع کو سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں افراط و تفریط سے بچنے کے لیے ضروریاتِ زندگی کے اکتساب و تصرف کے معیار اور فلسفے کو اچھی طرح سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی رہتا بستا ہے اس کو دو صورتوں میں سے ایک صورتِ حال درپیش ہو سکتی ہے۔ اس کے ملک میں یا تو دین غالب ہے یا مغلوب۔ اب اگر آپ کے ملک میں اللہ کا دین مغلوب ہے تو آپ کا پہلا فرض یہ ہے کہ آپ اللہ کے دین

کے غلبے کی جِدّ وجُہد کریں اور اس کے لیے باقاعدہ کسی تنظیم میں شامل ہو کر اپنا بیشتر وقت اور صلاحیتیں اس جِدّ وجُہد میں لگائیں۔ ایسی صورتِ حال میں دُنیوی طور پر ترقی کرنا اور پھلنا پھولنا آپ کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں ہونا چاہیے' بلکہ آپ کی پہلی ترجیح اقامتِ دین کی جِدّ وجُہد ہونی چاہیے' اور سورۃ الانعام کی یہ آیت ماٹو کے طور پر ہر وقت آپ کے پیشِ نظر رہنی چاہیے: ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مادی لحاظ سے بہت بہتر معیارِ زندگی کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ یہ اس لیے نہیں ہوگا کہ آپ رہبانیت یا ترکِ لذات کے قائل ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دُنیا اور دُنیوی آسائشیں کمانے کے لیے نہ آپ کو شاں ہیں اور نہ ہی اس کے لیے آپ کے پاس وقت ہے۔ آپ تو شعوری طور پر ضروریاتِ زندگی کو کم سے کم معیار پر رکھ کر اپنی تمام تر صلاحیتیں' اپنا وقت اور اپنے وسائل دین کی سربلندی کے لیے کھپا رہے ہیں۔ یہ رہبانیت نہیں ہے بلکہ ایک مثبت جہادی نظریہ ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانیاں دیں' سختیاں جھیلیں اور اپنے گھر بار دین کی سربلندی کے لیے چھوڑے۔ ظاہر ہے اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتوں کو نازل نہیں کرے گا' بلکہ یہ کام انسانوں نے ہی کرنا ہے' یعنی مسلمانوں نے کرنا ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ انقلاب کے داعی بنے انہیں قربانیاں دینا پڑیں' کیونکہ کوئی بھی انقلاب قربانیوں کے بغیر نہیں آتا۔ لہٰذا اگر آپ واقعی اپنے دین کو غالب کرنے کے لیے انقلاب کے داعی بن کر نکلے ہیں تو آپ کا معیارِ زندگی خود بخود کم سے کم ہوتا چلا جائے گا۔

البتہ اگر آپ کے ملک میں دین غالب ہو چکا ہے' نظامِ خلافت قائم ہو چکا ہے' اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آ چکی ہے تو دین کی مزید نشر واشاعت' دعوت وتبلیغ اور نظامِ خلافت کی توسیع' عوامی فلاح وبہبود کی نگرانی' امن وامان کا قیام' ملکی سرحدوں کی حفاظت' یہ سب حکومت اور ریاست کی ذمہ داریاں ہیں۔ ایسی اسلامی ریاست میں ایک فرد کی ذمہ داری صرف اسی حد تک ہے جس حد تک حکومت کی طرف سے اسے مکلف کیا جائے' چاہے وہ کسی ٹیکس کی صورت میں ہو یا کسی اور نوعیت کی ذمہ داری ہو۔ لیکن ایسی صورتِ حال میں ایک فرد' ایک عام شہری آزاد ہے کہ وہ دین کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ذاتی زندگی اپنی مرضی سے گزارے۔ اچھا کمائے' اسراف سے بچتے ہوئے اپنے بچوں کے لیے بہتر معیارِ زندگی اپنائے' دُنیوی ترقی کے لیے محنت کرے' علمی وتحقیقی میدان میں اپنی صلاحیتوں کو آزمائے یا روحانی ترقی کے لیے مجاہدے کرے' تمام راستے اس کے لیے کھلے ہیں۔

آیات ۳۲ تا ۳۹

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ
حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا
ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا
فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ
لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

آیت ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) پوچھیں کہ کس نے حرام کی ہے وہ زینت جو اللہ نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لیے؟ اور (کس نے حرام کی ہیں) پاکیزہ چیزیں کھانے کی؟ آپ کہہ دیجیے یہ تمام چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی اہلِ ایمان کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو یہ خالصتاً ان ہی کے لیے ہوں گی۔''

دُنیا میں رہتے ہوئے تو بے شک اللہ تعالیٰ کے منکرین کو بھی اجازت ہے کہ وہ اُس کی نعمتوں میں سے کھا پی لیں' استفادہ کر لیں' مگر آخرت میں یہ تمام پاکیزہ چیزیں اہلِ ایمان کے لیے مختص ہوں گی اور کُفّار کو ان میں سے کوئی چیز نہیں ملے گی۔

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اسی طرح ہم اپنی آیات کی وضاحت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میرے ربّ نے تو حرام قرار دیا ہے بے حیائی کی باتوں کو خواہ وہ اعلانیہ ہوں اور خواہ چھپی ہوئی ہوں''

بے حیائی خواہ چھپی ہوئی بھی ہو' اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

﴿وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ ''اور (حرام کیا ہے اُس نے) گناہ کو اور ناحق زیادتی کو''

﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور یہ (بھی حرام ٹھہرایا ہے) کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ (کسی ایسی چیز کو) جس کے لیے اُس نے کوئی سند نہیں اتاری ہے اور یہ بھی کہ تم اللہ کی طرف منسوب کرو وہ چیز جس کا تم علم نہیں رکھتے۔''

آیت ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ﴾ ''اور ہر قوم کے لیے ایک وقت معیّن ہے۔''

یعنی جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول آتا' تو ایک مقررہ مدت تک اُس قوم کو مہلت دی جاتی تاکہ وہ اس مدتِ مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے رسولؑ کی دعوت پر لبیک کہے اور صحیح راستے پر آ جائے۔ اس مقررہ مدت کے دوران اس قوم کی نافرمانیوں کو بھی نظر انداز کیا جاتا۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں بھی یہی معاملہ درپیش تھا۔ اہلِ مکہ کو مشیّتِ خداوندی کے تحت مہلت دی جا رہی

تھی۔ دوسری طرف اہلِ ایمان کی خواہش تھی کہ کفار کا فیصلہ جلد از جلد چکا دیا جائے۔ ان کے ذہنوں میں لازماً یہ سوال بار بار آتا تھا کہ آخر کفار کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جا رہی ہے! اس پس منظر میں اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اہلِ ایمان کا خیال اپنی جگہ درست سہی لیکن ہماری حکمت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ ہم نے اپنے رسول (ﷺ) کو مبعوث فرمایا ہے تو ساتھ ہی اس قوم کے لیے مہلت کی ایک خاص مدت بھی مقرر کی ہے۔ اس مقررہ گھڑی سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ ہاں جب وہ گھڑی (اجل) آ جائے گی تو پھر ہمارا فیصلہ مؤخر نہیں ہوگا۔ سورۃ الانعام کی آیت ۵۸ میں اسی حوالے سے فرمایا گیا کہ اے نبی (ﷺ) آپ کفار پر واضح کر دیں کہ اگر میرے اختیار میں وہ چیز ہوتی جس کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب کا چکایا جا چکا ہوتا۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''پھر جب اُن کا وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے کی طرف سرک سکیں گے۔''

اگلی دو آیات میں جو مضمون آیا ہے وہ ہم قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) کو زمین پر بھیجنے کے حکم کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حکم بھی نقل فرمایا ہے: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''تو جب بھی آئے تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔ اور جو کفر کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے' وہ آگ والے (جہنمی) ہوں گے' اس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے''۔ اسی بات کو یہاں ایک دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اے بنی آدم! جب بھی تمہارے پاس آئیں رسول تم ہی میں سے جو تمہیں میری آیات سنائیں' تو جو کوئی بھی (ان کی دعوت کے جواب میں) تقویٰ کی روش اختیار کرے گا اور اصلاح کر لے گا تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کسی غم سے دوچار ہوں گے۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کی بنا پر انہیں رد کر دیں گے وہی جہنمی ہوں گے' اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۳۷ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ﴾ ''پھر اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے!''

﴿اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ﴾ ''(لیکن دنیا میں) ان کو ملتا رہے گا اُن کا حصہ' اس میں سے جو (ان کے لیے) لکھا گیا ہے۔''

دنیا میں ان کے رزق وغیرہ کا سلسلہ ان کے کفر کی وجہ سے منقطع نہیں ہوگا' بلکہ دُنیوی زندگی میں وہ انہیں معمول کے مطابق ملتا رہے گا۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل کے دوسرے رکوع میں واضح تر انداز میں آئے گا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہاں تک کہ جب

ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) آجائیں گے ان (کی روحوں) کو قبض کرنے کے لیے تو وہ کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا؟''

اب کہاں ہیں وہ تمہارے خود ساختہ معبود جن کے سامنے تم ماتھے رگڑتے تھے اور جن کے آگے گڑگڑاتے ہوئے دعائیں کیا کرتے تھے؟

﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''وہ کہیں گے کہ وہ سب تو ہم سے گم ہو گئے' اور وہ خود اپنے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ واقعتاً وہ کافر تھے۔''

آیت ﴿۳۸﴾ ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ﴾ ''اللہ فرمائے گا: اچھا شامل ہو جاؤ جنوں اور انسانوں کی اُن اُمتوں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں آگ میں (داخل ہونے کے لیے)۔''

یعنی ایک ایک قوم کا حساب ہوتا چلا جائے گا اور مجرمین جہنم کے اندر جھونکے جاتے رہیں گے۔ پہلی نسل کے بعد دوسری نسل' پھر تیسری نسل وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس کے بعد وہاں وہ آپس میں جھگڑیں گے۔ بعد میں آنے والی ہر نسل کے مقابلے میں پہلی نسل کے لوگ بڑے مجرم ہوں گے' کیونکہ جو لوگ بدعات اور غلط عقائد کے موجد ہوتے ہیں اصل اور بڑے مجرم تو وہی ہوتے ہیں' ان ہی کی وجہ سے بعد میں آنے والی نسلیں بھی گمراہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں اہلِ جہنم کے جو مکالمات مذکور ہیں ان کے مطابق بعد میں آنے والے لوگ اپنے پہلے والوں پر لعنت کریں گے اور کہیں گے کہ تمہاری وجہ سے ہی ہم گمراہ ہوئے' لہٰذا تم لوگوں کو تو دوگنا عذاب ملنا چاہیے۔ اس طریقے سے وہ آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے اور جھگڑیں گے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ﴾ ''جب بھی کوئی اُمت (جہنم میں) داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری اُمت پر لعنت کرے گی۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا﴾ ''یہاں تک کہ جب اس میں گھس چکیں گے سب کے سب تو ان کے پچھلے کہیں گے اپنے اگلوں کے بارے میں کہ اے ہمارے ربّ! یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا''

دنیا میں تو یہ لوگ اپنی پہلی نسلوں کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ ہمارے آباء واَجداد تھے' ہمارے قابلِ احترام اَسلاف تھے۔ یہ طریقے انہی کی ریتیں اور روایتیں ہیں۔ ان کی ان روایتوں کو ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ لیکن وہاں جہنم میں اپنے انہی آباء واَجداد کے بارے میں وہ علی الاعلان کہہ دیں گے کہ اے اللہ! یہی ہیں وہ بدبخت جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔

﴿فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۭ﴾ ''تو ان کو تو دوگنا عذاب دے آگ میں سے۔''

﴿قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''اللہ فرمائے گا: (تم) سب کے لیے ہی دوگنا (عذاب) ہے' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

جیسے یہ لوگ تمہیں گمراہ کر کے آئے تھے ویسے ہی تم بھی اپنے بعد والوں کو گمراہ کر کے آئے ہو اور یہ سلسلہ دُنیا میں اسی طرح چلتا رہا۔ یہ تمہیں اُس وقت چاہیے تھا کہ اپنی عقل سے کام لیتے۔ میں نے تم سب کو عقل دی تھی' دیکھنے اور سننے کی صلاحیتیں دی تھیں' نیکی

اور بدی کا شعور دیا تھا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ ان صلاحیتوں سے کام لے کر بُرے بھلے کا خود تجزیہ کرتے اور اپنے آباء و اجداد اور لیڈروں کی اندھی تقلید نہ کرتے۔ لہٰذا تم میں سے ہر شخص اپنی تباہی و بربادی کا خود ذمہ دار ہے۔

آیت ۳۹ ﴿وَقَالَتْ اُولٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۳۹﴾ ''اور ان کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے کہ تمہیں بھی تو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہو سکی لہٰذا اب چکھو مزہ عذاب کا اپنے کرتوتوں کے بدلے میں۔''

آیات ۴۰ تا ۴۳

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۴۱ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۴۲ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۴۳

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبر کی بنا پر ان کو رد کیا' ان کے لیے آسمان کے دروازے کبھی نہیں کھولے جائیں گے''

اگرچہ یہ بات قطعی طور پر تو نہیں کہی جا سکتی' تاہم قرآن مجید میں کچھ اس طرح کے اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم اِسی زمین پر برپا ہو گی اور ابتدائی نُزُل (مہمانی) والی جنت بھی یہیں پر بسائی جائے گی۔ قرآن کے فرمان ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ۱﴾ (الانشقاق) کی عملی کیفیت کو ذہن میں لانے سے یہ نقشہ تصور میں یوں آتا ہے کہ زمین کو جب کھینچا جائے گا تو یہ پچک جائے گی' جیسے ربڑ کی گیند کو کھینچا جائے تو وہ اندر کو پچک جاتی ہے۔ زمین کے پچکنے سے اس کے اندر کا سارا لاوا باہر نکل آئے گا جو جہنم کی شکل اختیار کر لے گا (واللہ اعلم)۔ احادیث میں مذکور ہے کہ روزِ محشر میدانِ عرفات کو کھول کر وسیع کر دیا جائے گا اور یہیں پر حشر ہو گا۔ ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۲۲﴾ (الفجر) کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پروردگار شانِ اجلال کے ساتھ نزول فرمائیں گے' فرشتے بھی فوج در فوج آئیں گے اور یہیں پر حساب کتاب ہو گا۔ گویا ''قصۂ زمین بر سرِ زمین'' والا معاملہ ہو گا۔ اہلِ بہشت کی ابتدائی مہمان نوازی بھی یہیں ہو گی' لیکن پھر اہلِ جنت اپنے مراتب کے اعتبار سے درجہ بدرجہ اوپر کی جنتوں میں چڑھتے چلے جائیں گے' جبکہ اہلِ جہنم یہیں کہیں رہ جائیں گے' ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے ہی نہیں جائیں گے۔

﴿وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ﴾ ''اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گزر جائے۔''

اس اسلوب کو اصطلاح میں ''تعلیق بالمحال'' کہا جاتا ہے۔ نہ یہ ممکن ہوگا کہ سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ گزر جائے اور نہ ہی کُفار کے لیے جنّت میں داخل ہونے کی کوئی صورت پیدا ہوگی۔ بالکل یہی محاورہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک جگہ استعمال کیا ہے۔ آپؑ کے پاس ایک دولت مند شخص آیا اور آپؑ کی تعلیمات کے بارے میں سوال کیا۔ آپؑ نے اسے چند اوامر و نواہی بتائے کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے ماں باپ کی عزّت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبّت رکھ۔ اُس شخص نے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے، اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ یسوع نے اُس سے کہا: اگر تُو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا اور آ کر میرے پیچھے ہو لے۔ مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مال دار تھا۔ اس پر آپؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (متی ۱۹:۱۸۔ ۲۴) —— یہاں یہ واقعہ قرآن میں مذکور محاورے کے حوالے سے بر سبیل تذکرہ آ گیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کو کسی معاملے میں بطور دلیل پیش کرنا مقصود نہیں۔

﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو۔''

آیت ۴۱ ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱﴾ ''اُن کے لیے جہنّم ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیں گے۔''

اہلِ جہنّم کے لیے آگ کے گدّے ہوں گے بچھانے کو اور اسی کے لحاف ہوں گے اوڑھنے کو۔ اور اسی آگ کے اندر ان کا گزر بسر ہوگا۔

آیت ۴۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے —— ہم کسی جان کو ذمّہ دار نہیں ٹھہرائیں گے مگر اُس کی وسعت کے مطابق —— وہی ہوں گے جنّت والے، اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آخری آیت میں بھی آ چکا ہے۔ اب یہاں پھر دہرایا گیا ہے کہ آخرت کا محاسبہ انفرادی طور پر ہوگا اور ہر فرد کی صلاحیتوں اور اُس کو ودیعت کی گئی نعمتوں کے عین مطابق ہوگا۔ کسی کی استطاعت سے زیادہ کی ذمّہ داری اس پر نہیں ڈالی جائے گی۔

آیت ۴۳ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ''اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں ہوگا (ایک دوسرے کی طرف سے) کوئی میل''

اہلِ ایمان بھی آخر انسان ہیں۔ باہمی معاملات میں ان کو بھی ایک دوسرے سے گلے اور شکوے ہو سکتے ہیں اور شکوک و شبہات ان کے دلوں میں بھی جنم لے سکتے ہیں۔ دینی جماعتوں کے اندر بھی کسی مامور کو امیر سے، امیر کو کسی مامور سے یا ایک رفیق کو دوسرے سے شکایت ہو سکتی ہے۔ کچھ ایسے گلے شکوے بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کی زندگی میں ختم نہ ہو سکے ہوں گے۔ ایسے گلے شکووں کے ضمن میں قرآن حکیم میں کئی مرتبہ فرمایا گیا کہ اہلِ جنّت کو جنّت میں داخل کرنے سے پہلے ان کے دلوں کو ایسی تمام آلائشوں سے پاک کر دیا جائے گا اور وہ لوگ باہم بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھیں گے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴿۴۷﴾﴾ (الحجر) ''اور ہم نکال دیں گے ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کدورت ہوگی بھائی بھائی بن کر (وہ بیٹھے ہوں گے) تختوں پر آمنے سامنے''۔ ''غِلّ'' اُس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو سورۃ الحشر میں یہ دعا بھی تلقین کی گئی ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۰﴾﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تُو ہمارے اور ہمارے اُن بھائیوں کے گناہ معاف فرما دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور اہلِ ایمان میں سے کسی کے لیے بھی ہمارے دل میں کوئی کدورت باقی نہ رہنے دے، بے شک تو رؤف اور رحیم ہے''۔

دورِ فتن میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی باہمی رنجشیں اور کدورتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''مجھے اُمید ہے کہ مَیں، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اُن لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾'' (ابن کثیر)

﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور اُن (کے بالاخانوں) کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی''۔

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ ''اور وہ کہیں گے کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا، اور ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔ یقیناً ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے تھے''۔

﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۴۳﴾﴾ ''اور (تب) انہیں پکارا جائے گا کہ یہ ہے وہ جنّت جس کے تم وارث بنا دیے گئے ہو اپنے اعمال کی وجہ سے''۔

بندے کا مقامِ عبدیت اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اللہ کے انعام و اکرام پر سراپا شکر بن کر پکار اٹھے کہ اے اللہ! مَیں اس لائق نہیں تھا، میرے اعمال ایسے نہیں تھے، مَیں اپنی کوشش کی بنیاد پر کبھی بھی اس کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا، یہ سارا تیرا فضل و کرم، تیری عطا اور تیری دین ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ بندے کے حسنِ نیت اور اعمالِ صالحہ کی قدر افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے، تُو نے دنیا میں خلوصِ نیت سے حق کا راستہ چنا تھا، اس میں تُو نے محنت بھی کی، نقصان بھی برداشت کیا، اور باطل کا مقابلہ کرنے میں تکالیف بھی اٹھائیں۔ لہٰذا آج کا یہ مقام تیری محنت کا انعام، تیری کوشش کا ثمر اور تیرے ایثار کا صلہ ہے۔ چنانچہ بندے کی کوشش و محنت اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم دونوں چیزیں مل کر ہی بندے کی دائمی فلاح کو ممکن بناتی ہیں۔ ہم ایک نیک کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نیت کے خلوص کو دیکھتے ہوئے اس کام کی توفیق دے دیتا ہے اور اسے ہمارے لیے آسان کر دیتا ہے۔ اگر ہم ارادہ ہی نہیں کریں گے تو اللہ کی طرف سے توفیق بھی نہیں ملے گی۔ اسی طرح اللہ کی توفیق و تیسیر کے بغیر محض ارادے سے بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

آیات ۴۴ تا ۵۳

وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ

عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۶

ع ۶

آیت ۴۴ ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ ''اور جنتی لوگ پکار کر کہیں گے جہنمیوں سے کہ ہم نے تو وہ وعدہ بالکل سچا پایا ہے جو ہمارے ربّ نے ہم سے کیا تھا''

جن نعمتوں کا اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ ہمیں مل گئیں۔ اس کا وعدہ ہمارے حق میں سچ ثابت ہوا۔

﴿فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ﴾ ''تو کیا تم نے بھی سچا پایا ہے وہ وعدہ جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں!''

اہلِ جہنم جواب دیں گے کہ ہاں! ہمارے ساتھ بھی جو وعدے کیے گئے تھے وہ بھی سب پورے ہو گئے۔ جو وعیدیں ہمیں دنیا میں سنائی جاتی تھیں، عذاب کی جو مختلف شکلیں بتائی جاتی تھیں، وہ سب کی سب حقیقت کا روپ دھار کر ہمارے سامنے موجود ہیں اور اس وقت ہم ان میں گھرے ہوئے ہیں۔

﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''تو (اُس وقت) پکارے گا ایک پکارنے والا ان کے مابین کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔''

آیت ۴۵ ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ﴾ ''وہ لوگ جو روکتے تھے (اور خود بھی رُکتے تھے) اللہ کے راستے سے اور اس (راستے) میں کجی نکالتے تھے''

نہ صرف یہ کہ وہ خود ایمان نہیں لائے تھے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس راستے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے تھے۔ اگر کسی شخص کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی محفل کی طرف جاتے دیکھتے تو اسے ورغلانے اور بہکانے کے درپے ہو جاتے تھے کہ کہیں وہ

آپ ﷺ کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان نہ لے آئے۔

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔''

آیت ۴۶ ﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ﴾ ''اور ان (جنتیوں اور جہنمیوں) کے مابین ایک پردے کی دیوار ہوگی۔''

اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ہونے والی گفتگو کا نقشہ زیادہ واضح طور پر سورۃ الحدید میں کھینچا گیا ہے۔ وہاں (آیت نمبر ۱۳ میں) اس حجاب یا پردے کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ﴾ یعنی ایک طرف جنت اور دوسری طرف دوزخ ہوگی اور درمیان میں فصیل ہوگی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا۔

﴿وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ﴾ ''اور دیوار کی برجیوں پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اُن کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔''

یہ اصحابِ اعراف اہلِ جنت کو بھی پہچانتے ہوں گے اور اہلِ جہنم کو بھی۔ قلعوں کی فصیلوں کے اوپر اطراف و جوانب پر نظر رکھنے کے لیے عام طور پر جو برج اور جھروکے بنے ہوتے ہیں انہیں ''عرف'' (جمع اَعراف) کہا جاتا ہے۔ دوزخ اور جنت کی درمیانی فصیل پر بھی کچھ برج اور جھروکے ہوں گے جہاں سے جنت و دوزخ کے مناظر کا مشاہدہ ہو سکے گا۔ ان پر وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں بین بین چلتے رہے تھے' یعنی کسی طرف بھی یکسو ہو کر نہیں رہے تھے۔ ان کے اعمال ناموں میں نیکیاں اور بداعمالیاں برابر ہو جائیں گی' جس کی وجہ سے ایک وقت تک انہیں جنت میں بھیجنے یا جہنم میں جھونکنے کا فیصلہ نہیں ہوا ہوگا۔

﴿وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۠ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝۴۶﴾ ''اور وہ (اصحابِ اعراف) جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ آپ پر سلامتی ہو! وہ اس (جنت) میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے' مگر انہیں اس کی بہت خواہش ہوگی۔''

وہ اہلِ جنت کو دیکھ کر انہیں بطور مبارک باد سلام کہیں گے اور ان کی اپنی شدید خواہش اور آرزو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جلد از جلد جنت میں داخل کر دے' جو آخر کار پوری کر دی جائے گی۔

آیت ۴۷ ﴿وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷﴾ ''اور جب ان کی نگاہیں پھیری جائیں گی اہلِ جہنم کی طرف تو (اُس وقت) وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کر دیجیو۔''

جنت کے نظارے کے بعد ان کو جہنم کا منظر بھی دکھایا جائے گا' کہ اب ذرا جہنمیوں کی کیفیت کا بھی مشاہدہ کر لو۔ یہ لوگ ابھی تک ''بین الخوف والرجاء'' کی کیفیت میں ہوں گے۔ انہیں جنت میں داخلے کی امید بھی ہوگی اور جہنم میں جھونکے جانے کا خوف بھی۔ اس لیے جب وہ اہلِ جنت کی طرف دیکھیں گے تو انہیں سلام کہیں گے اور ساتھ ہی ان کے دلوں میں اُمنگیں اور تمنائیں بھی جاگ اٹھیں گی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان کے ساتھ شامل کر دے۔ لیکن دوسری طرف جب اہلِ جہنم پر ان کی نظر پڑے گی تو فریاد کریں گے کہ اے پروردگار! ہم پر رحم فرمائیو اور ہمیں ان ظالم لوگوں کا ساتھی نہ بنائیو!

آیت ۴۸ ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

تَسْتَكْبِرُوْنَ﴿۴۸﴾ ''اور پکاریں گے اہلِ اعراف (اہلِ جہنم میں سے) ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی نشانی سے' کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آئی تمہاری جمعیت اور (نہ وہ) جو کچھ تم تکبر کیا کرتے تھے۔''

وہ انہیں یاد دلائیں گے کہ وہ تمہارے حاشیہ نشین' تمہارے وہ لاؤ لشکر' تمہارا وہ غرور و تکبر' وہ جاہ و حشم سب کہاں گئے؟ اے ابوجہل! یہ تیرے ساتھ کیا ہوا؟ اور اے ولید بن مغیرہ! یہ تیرا کیا انجام ہوا؟

آیت ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ﴾ ''کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ نہیں نوازے گا انہیں اللہ اپنی کسی رحمت سے!''

اصحابِ اعراف کو جنت والوں میں فقراءِ صحابہؓ بھی نظر آئیں گے' وہاں وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھیں گے' وہاں ان کی نظر حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ پر بھی پڑے گی۔ چنانچہ وہ ان اصحابِ جنت کی طرف اشارہ کر کے جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کسی طرح بھی ہم پر فضیلت نہیں دے سکتا' ان تک اللہ کی کوئی رحمت پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ظاہر ہے تمہارے زعم میں تو وہ مفلس اور نادار تھے' گھٹیا طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور گرے پڑے لوگ تھے! اور تم تھے کہ اُس وقت ان کے مقابلے میں اپنی دولت' حیثیت' وجاہت اور طاقت کے بل پر اکڑا کرتے تھے۔

﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴿۴۹﴾﴾ ''(ان سے تو کہہ دیا گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم کسی غم سے دوچار ہو گے۔''

آیت ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور جہنم والے آواز دیں گے جنت والوں کو کہ کچھ تو بہا دو ہماری طرف پانی میں سے یا اس رزق میں سے (کچھ دے دو) جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔''

﴿قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴿۵۰﴾﴾ ''وہ کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں (جنت کا پانی اور رزق) کافروں پر۔''

اہلِ جنت جواب دیں گے کہ ہم تو شاید یہ چیزیں تم لوگوں کو دینا بھی چاہتے' کیونکہ ہماری شرافت سے تو یہ بعید تھا کہ تمہیں کورا جواب دے دیتے' لیکن کیا کریں' اللہ نے کافروں کے لیے جنت کی یہ سب چیزیں حرام کر دی ہیں' لہٰذا ہم یہ نعمتیں تمہاری طرف نہیں بھیج سکتے۔

آیت ﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''(ان کے لیے) جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا لیا تھا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں مبتلا کر دیا تھا۔''

﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ﴾ ''لہٰذا آج کے دن ہم بھی انہیں نظر انداز کر دیں گے' جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا تھا''

لفظ ''نسیان'' کے ایک معنی تو ہیں بھول جانا' جبکہ اس کے دوسرے معنی ہیں جان بوجھ کر نظر انداز کرنا۔

﴿وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴿۵۱﴾﴾ ''اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے تھے۔''

آیت ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''اور ہم لے آئے ہیں ان کے پاس ایک کتاب' جس کی ہم نے پوری تفصیل بیان کر دی ہے علم قطعی کی بنیاد پر' ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آئیں۔''

آیت ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ﴾ ''یہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کی حقیقت کے مشاہدے کے!''

یعنی کیا یہ لوگ آیاتِ عذاب کے عملی ظہور کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا یہ انتظار کر رہے ہیں کہ وقفۂ مہلت کا یہ بند ٹوٹ جائے اور واقعتاً ان کے اوپر عذاب کا دھارا چھوٹ پڑے۔ کیا یہ لوگ اپنے لیے ایسے بھیانک انجام کا انتظار کر رہے ہیں؟

﴿يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ ''جس دن اس کا مصداق ظاہر ہو جائے گا تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پہلے اسے نظر انداز کیے رکھا تھا کہ یقیناً ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے تھے۔''

﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ تو کیا (اب) ہیں ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والے کہ ہماری شفاعت کریں یا کوئی صورت کہ ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو کچھ (پہلے) ہم کرتے رہے تھے!''

﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''وہ تو اپنے آپ کو برباد کر چکے' اور جو افترا وہ کرتے رہے تھے وہ ان سے گم ہو گیا۔''

اُس دن وہ لوگ دوبارہ دنیا میں جانے کی خواہش کریں گے' لیکن تب انہیں اس طرح کا کوئی موقع فراہم کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔

آیت ۵۴ تا ۵۸

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَ الَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

آیت ۵۴ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ﴾ ''بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین چھ دنوں میں' پھر وہ متمکن ہوا عرش پر۔''

عرش کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر متمکن ہونے کی کیفیت ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔ اس کی اصل حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے۔ ممکن ہے واقعتاً یہ کوئی مجسم شے ہو اور کسی خاص جگہ پر موجود ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محض استعارہ ہو۔ عالمِ غیب کی خبریں دینے والی اس طرح کی قرآنی آیات مستقل طور پر آیاتِ متشابہات کے زمرے میں آتی ہیں۔ البتہ جن آیات میں بعض سائنسی حقائق بیان ہوئے ہیں' ان میں سے اکثر کی صداقت سائنسی ترقی کے باعث منکشف ہو چکی ہے' اور وہ ''محکمات'' کے درجے میں آ چکی ہیں۔ اس سلسلے میں آئندہ تدریجاً مزید پیش رفت کی توقع بھی ہے۔ (واللہ اعلم!)

﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ﴾ ''وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر (یا رات کو ڈھانپ دیتا ہے دن سے) جو اُس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا''

دن رات کے پیچھے آتا ہے اور رات دن کے پیچھے آتی ہے۔

﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ﴾ ''اور اُس نے سورج' چاند اور ستارے پیدا کیے جو اُس کے حکم سے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔''

سورج' چاند اور ستاروں کے مسخر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی قاعدہ یا قانون ان کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے' وہ اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ اُسی کے لیے ہے خَلق اور (اُسی کے لیے ہے) اَمر۔''

اس جملے کا سادہ اور عام فہم مفہوم تو یہ ہے کہ یہ کائنات اللہ نے تخلیق کی ہے اور اب اس میں اُسی کا حکم کارفرما ہے۔ یعنی احکامِ صحیحہ بھی اُسی کے بنائے ہوئے ہیں جن کے مطابق کائنات کا نظام چل رہا ہے' اور احکامِ تشریعیہ (اوامر و نواہی) بھی اُسی نے اتارے ہیں کہ انسان ان کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ مگر اس کا فلسفیانہ اور گہرا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں تخلیق دو سطح پر ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ دو الگ الگ عالم ہیں' ایک عالمِ خلق ہے اور دوسرا عالمِ امر۔ عالمِ امر میں عدمِ محض سے تخلیق (creation ex nihilio) ہوتی ہے اور اس میں تخلیق کے لیے بس ''کُن'' کہا جاتا ہے تو مطلوبہ چیز وجود میں آ جاتی ہے (فَیَکُون)۔ اس کے لیے نہ وقت درکار ہے نہ کسی مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرشتوں' انسانی ارواح اور وحی کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ اسی لیے ان کے سفر کرنے کے لیے کوئی وقت درکار نہیں ہوتا۔ فرشتہ آنکھ جھپکنے میں زمین سے ساتویں آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔

دوسری طرف عالمِ خلق میں ایک شے سے کوئی دوسری شے طبعی قوانین اور قواعد و ضوابط کے مطابق بنتی ہے۔ اس میں مادہ بھی درکار ہوتا ہے اور وقت بھی لگتا ہے۔ جیسے رحمِ مادر میں بچے کی تخلیق میں کئی ماہ لگتے ہیں۔ آم کی گٹھلی سے پودا اُگنے اور بڑھ کر درخت بننے کے لیے کئی سال کا وقت درکار ہوتا ہے۔ عالمِ خلق میں جب زمین اور آسمانوں کی تخلیق ہوئی تو قرآن کے مطابق یہ چھ دنوں میں مکمل ہوئی۔ (یہ آیت بھی ابھی تک متشابہات میں سے ہے' اگرچہ اس کے بارے میں اب جلد حقیقت منکشف ہونے کے امکانات ہیں۔) چھ دنوں کی حقیقت کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے کہ اس سے کتنا زمانہ مراد ہے۔ ممکن ہے یہ دورانیہ کئی لاکھ سال پر محیط ہو۔ خود قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کا بھی ہو سکتا ہے (سورۃ السجدۃ' آیت ۵) اور پچاس ہزار سال

کا بھی (سورۃ المعارج' آیت ۴)۔

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس میں انتہائی پیچیدہ علمی نکات کو بھی سادہ الفاظ اور عام فہم پیرائے میں بیان کر دیا جاتا ہے کہ ایک عمومی ذہنی سطح کا آدمی بھی اسے پڑھ کر مطمئن ہو جاتا ہے' جبکہ ایک فلسفی و حکیم انسان کو اسی نکتے کے اندر علم و معرفت کا بحر بے کراں موجزن نظر آتا ہے۔ چنانچہ پندرہ سو سال پہلے صحرائے عرب کے ایک بدو کو اس آیت کا یہ مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھن محسوس نہیں ہوئی ہوگی کہ یہ کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور اسی کو حق ہے کہ اس پر اپنا حکم چلائے۔ مگر جب ایک صاحبِ علم محقق اس لفظ ''امر'' پر غور کرتا ہے اور یہ جاننے کے لیے قرآن مجید میں غوطہ زنی کرتا ہے کہ یہ لفظ ''امر'' قرآن مجید میں کہاں کہاں' کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے' اور پھر ان تمام مطالب و مفاہیم کو آپس میں مربوط کر کے دیکھتا ہے تو اس پر بہت سے علمی حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ بہر حال ''عالمِ خلق'' ایک الگ عالم ہے اور ''عالمِ امر'' الگ' اور ان دونوں کے قوانین و ضوابط بھی الگ الگ ہیں۔

﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

آیت ۵۵ ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''پکارتے رہا کرو اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے' یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

گویا زیادہ بلند آواز سے دعا مانگنا اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

آیت ۵۶ ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ﴾ ''اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ اور اللہ کو پکارا کرو خوف اور امید کے ساتھ۔''

اللہ کو پکارنے' اس سے دعا کرنے کے دو پہلو (dimensions) پہلے بتائے گئے کہ اللہ کو جب پکارو تو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے دل میں پکارو۔ اب اس ضمن میں مزید فرمایا گیا کہ اللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ ہمیشہ ''بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ'' رہنا چاہیے۔ ایک طرف خوف کا احساس بھی ہو کہ اللہ پکڑ نہ لے' کہیں سزا نہ دے دے' اور دوسری طرف اس کی مغفرت اور رحمت کی قوی امید بھی دل میں ہو۔ لہٰذا فرمایا کہ اللہ سے دعا کرتے ہوئے تمہاری دلی اور روحانی کیفیت ان دونوں کے بین بین ہونی چاہیے۔

﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ کی رحمت اہلِ احسان بندوں کے بہت ہی قریب ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ﴾ ''اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں بشارت دیتی ہوئی' اس کی رحمت کے آگے آگے۔''

یعنی ابرِ رحمت سے پہلے ہواؤں کے ٹھنڈے جھونکے گویا بشارت دے رہے ہوتے ہیں کہ بارش آنے والی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک کرنے کے لیے کسی ایسے خطے کا تصور کیجیے جہاں زمین مُردہ اور بے آب و گیاہ پڑی ہے' لوگ آسمان کی طرف نظریں لگائے بارش کے منتظر ہیں۔ اگر وقت پر بارش نہ ہوئی تو بیج اور محنت دونوں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بارانِ رحمت کی نوید سنانے لگیں تو وہاں کے باسیوں کے لیے اس سے بڑی بشارت اور کیا ہوگی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا ﴾ ''یہاں تک کہ وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بڑے بڑے بھاری بادل''

یہ بادل کس قدر بھاری ہوتے ہوں گے' ان کا وزن انسانی حساب و شمار میں آنا ممکن نہیں۔ ظاہر ہے اللہ کی قدرت اور اس کی حکمت ہی کے سبب لاکھوں ٹن پانی کو ہوائیں روئی کے گالوں کی طرح اڑائے پھرتی ہیں۔

﴿سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ''تو ہم ہانک دیتے ہیں اس (بادل) کو ایک مُردہ زمین کی طرف''

ہوائیں ہمارے حکم سے اس بادل کو کسی بے آب و گیاہ وادی کی طرف لے جاتی ہیں اور بارانِ رحمت اس وادی میں ایک نئی زندگی کی نوید ثابت ہوتی ہے۔

﴿فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ''پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں اور پھر اس سے ہر طرح کے میوے نکال لاتے ہیں۔''

بارش کے بعد وہ خشک اور مردہ زمین گھاس، فصلوں اور پھلدار پودوں کی روئیدگی کی شکل میں اپنے خزانے اُگل دیتی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اسی طرح ہم مُردوں کو نکال لائیں گے (زمین سے) تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

دراصل بادلوں اور ہواؤں کے مظاہر کی تفصیل بیان کر کے یہاں ایک عام ذہن کو تشبیہ کے ذریعے سے بعث بعد الموت کی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔ یعنی مردہ زمین کو دیکھو! اس کے اندر زندگی کے کچھ بھی آثار باقی نہیں رہے تھے، حشرات الارض اور پرندے تک وہاں نظر نہیں آتے تھے، اس زمین کے باسی بھی مایوس ہو چکے تھے، لیکن اس مردہ زمین پر جب بارش برسی تو یکایک اس میں زندگی پھر سے عود کر آئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ع ''مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موجزن ساقی!'' کی مجسم تصویر بن گئی۔ بنجر زمین ہریالی کی سبز پوشاک پہن کر دلہن کی طرح سج گئی۔ حشرات الارض کا اژدہام! پرندوں کی زمزمہ پردازیاں! اس کے باسیوں کی رونقیں! گویا بارش کے طفیل زندگی پوری چہل پہل کے ساتھ وہاں جلوہ گر ہو گئی۔ اس آسان تشبیہ سے ایک عام ذہنی استعداد رکھنے والے انسان کو حیات بعد الموت کی کیفیت آسانی سے سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ زمین کے اندر پڑے ہوئے مُردے بھی گویا بیجوں کی مانند ہیں۔ جب اللہ کا حکم آئے گا، یہ بھی نباتات کی مانند پھوٹ کر باہر نکل آئیں گے۔

﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ﴾ ''اور زرخیز زمین تو اپنے رب کے حکم سے اپنا سبزہ نکالتی ہے، اور جو (زمین) خراب ہے وہ کچھ نہیں نکالتی مگر کوئی ناقص سی چیز۔''

سرائیکی زبان کا لفظ ''نکھد'' صوتی اور معنوی اعتبار سے اس عربی لفظ ''نَکِد'' سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی بالکل ردی اور گھٹیا چیز۔

﴿كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴾ ''اسی طرح ہم اپنی آیات کو گردش میں لاتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو (ان کی) قدر کرنے والے ہوں۔''

اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے سے اپنی گوناگوں نشانیوں کو مختلف انداز سے بار بار متعارف کراتا ہے تاکہ لوگ ان کو پہچانیں اور ان کی قدر کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر بہت بڑا احسان ہے، لیکن ظاہر ہے اس سے صرف وہی لوگ مستفیض ہو سکتے ہیں جو اس احسان کے قدردان ہوں۔

آیات ۵۹ تا ۶۴

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ
لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ
ع ۸ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

اس رکوع سے التذکیر بِاَیّامِ اللہ کے اس سلسلے کا آغاز ہو رہا ہے جسے تمہیدی کلمات میں اس سورت کے مضامین کا ''عمود'' قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس سورت میں اس سلسلے کا بہت بڑا حصّہ ''انباء الرّسل'' پر مشتمل ہے۔ (''انباء'' جمع ہے 'نبأ' کی' جس کے معنی خبر کے ہیں' یعنی رسولوں کی خبریں۔) اس اصطلاح کے حوالے سے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں نبیوں کا ذکر آتا ہے اس کا مقصد ان کی سیرت کے روشن پہلوؤں مثلاً ان کے مقام و مرتبہ' تقویٰ' استقامت وغیرہ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے' جبکہ رسولوں کا ذکر بالکل مختلف انداز میں آتا ہے۔ رسولوں کے ذکر کے ساتھ لازماً ان کی قوموں کا ذکر بھی آیا ہے اور کسی رسول کی دعوت کے جواب میں اُس کی قوم کے رویے اور ردِّعمل کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ پہلی قسم کے واقعات کو عام طور پر ''قصص الانبیاء'' کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۂ یوسف ہے' جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں' مگر کہیں بھی آپؑ کی طرف سے اس نوعیت کے اعلان کا ذکر نہیں ملتا کہ لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ' میری بات مانو' ورنہ تم پر عذاب آئے گا۔ اور نہ ہی ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے کہ اُس قوم نے آپؑ کی دعوت کو ردّ کر دیا اور پھر ان پر عذاب آ گیا اور اُنہیں ہلاک کر دیا گیا۔

دوسری قسم کے واقعات کے لیے ''انباء الرسل'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ رسولوں کے بارے میں ان واقعات کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی نشاندہی ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف آیا وہ اللہ کی عدالت بن کر آیا۔ جن لوگوں نے اُس کی دعوت کو مان لیا وہ اہلِ ایمان ٹھہرے اور عافیت میں رہے' جبکہ اس کا انکار کرنے والے ہلاک کر دیے گئے۔ ''انباء الرسل'' کے سلسلے میں عام طور پر چھ رسولوںؑ (حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب' حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام) کے حالات قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے صرف یہی چھ رسول مبعوث ہوئے تھے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چھ رسول جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں مبعوث ہوئے تھے اور اہلِ عرب جو قرآن مجید کے مخاطبین اوّل تھے' وہ ان رسولوں کے ناموں اور ان کی قوموں کے انجام سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ رسولؑ جن علاقوں میں مبعوث ہوئے اُن کی نشاندہی یہاں جزیرہ نمائے عرب (Arabian Peninsula) کے نقشے کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کی چوڑائی نیچے جنوب میں کافی زیادہ ہے' جبکہ یہ چوڑائی اوپر شمال کی طرف بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ اس جزیرہ نما علاقہ کے مشرقی جانب خلیج فارس (Persian Gulf) ہے جب کہ مغربی جانب بحیرۂ احمر (Red Sea) ہے جو شمال میں جا کر دو کھاڑیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک (شمال مغرب کی طرف) خلیج سویز ہے اور دوسری (شمال مشرق کی جانب) خلیج عقبہ۔ خلیج عقبہ کے اوپر (شمال) والے کونے سے خلیج فارس کے شمالی کنارے کی طرف سیدھی لائن لگائیں تو نقشے پر ایک مثلث (triangle) بن جاتی ہے' جس کا قاعدہ (base) نیچے جنوب میں یمن سے سلطنتِ عمان تک ہے اور اوپر والا کونہ شمال میں بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے علاقے میں واقع ہے۔

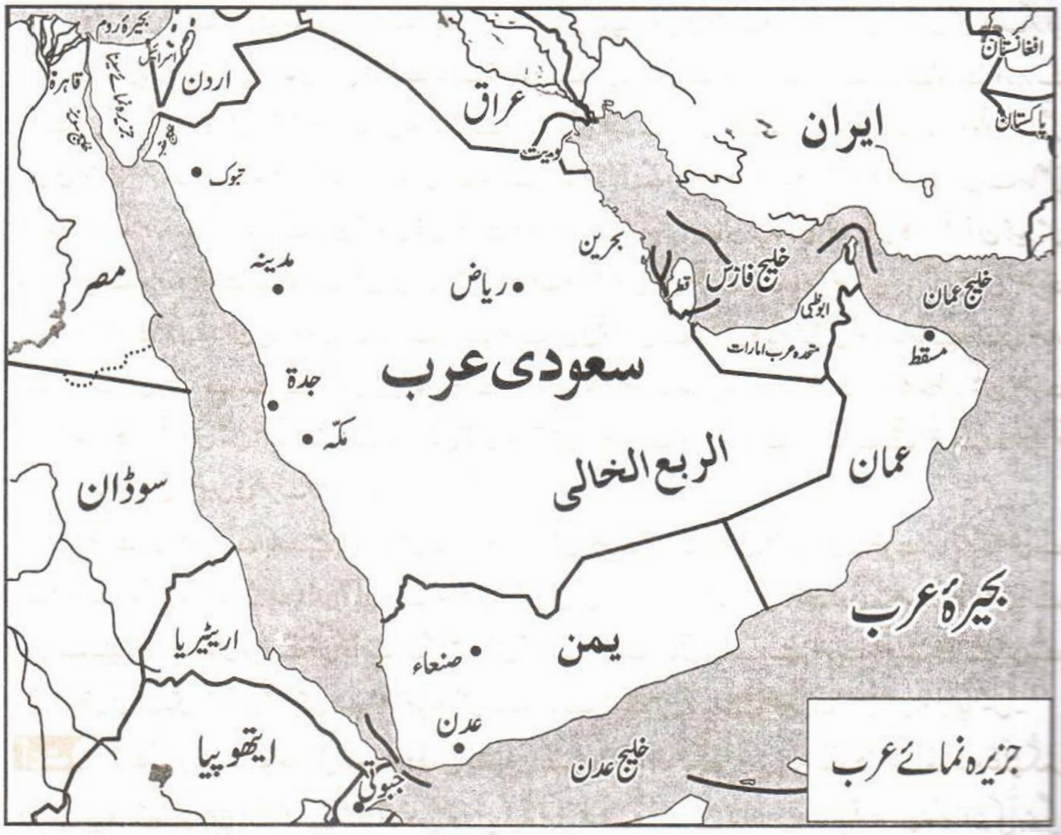

یہ مثلث اس علاقے پر محیط ہے جہاں عرب کی قدیم قومیں آباد تھیں اور یہی وہ قومیں تھیں جن کی طرف وہ چھ رسول مبعوث ہوئے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ان میں سے جو رسول سب سے پہلے آئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ آپؑ کے زمانے کا تعین یقینی طور پر تو نہیں کیا جا سکتا' لیکن زیادہ تر مؤرخین کا خیال ہے کہ آپؑ کی بعثت حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی دو ہزار سال بعد کے زمانے میں ہوئی تھی (واللہ اعلم)۔ اُس وقت تک کل نسلِ انسانی بس اسی علاقے میں آباد تھی۔ جب آپؑ کی قوم آپؑ کی دعوت پر ایمان نہ لائی تو پانی کے عذاب سے انہیں تباہ کر دیا گیا۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں وہ تباہ کن سیلاب آیا تھا جو ''طوفانِ نوح'' سے موسوم ہے اور یہی کوہِ جودی میں اَرارات کی وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے دوبارہ نسلِ انسانی چلی۔ آپؑ کا ایک بیٹا جس کا نام سام تھا' اس کی نسل سے جو قومیں وجود میں آئیں انہیں سامی قومیں کہا جاتا ہے۔ سامی قوموں میں ایک قوم عاد تھی' جو جزیرہ نمائے عرب کے بالکل جنوب میں آباد تھی۔ آج کل یہ علاقہ بڑا خطرناک قسم کا ریگستان ہے' لیکن اُس زمانے میں قومِ عاد کا مسکن یہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ اس قوم کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپؑ کی دعوت کو اس قوم نے رد کیا تو یہ بھی ہلاک کر دی گئی۔ اس قوم کے بچے کھچے لوگ اور حضرت ہود علیہ السلام وہاں سے نقل مکانی کر کے جزیرہ نمائے عرب کے شمال مشرقی کونے میں خلیج عقبہ سے نیچے مغربی ساحل کے علاقے میں جا آباد ہوئے۔ ان لوگوں کی نسل کو قومِ ثمود کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قومِ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اس قوم نے بھی اپنے رسولؑ کی دعوت کو رد کر دیا' جس پر انہیں بھی ہلاک کر دیا گیا۔ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر عالی شان عمارات بنانے میں ماہر تھے۔ پہاڑوں کے اندر کُھدے ہوئے ان کے محلات اور بڑے بڑے ہال آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود کے اس علاقے سے ذرا اوپر خلیج عقبہ کے داہنی طرف مدین کا علاقہ ہے جہاں وہ قوم آباد تھی جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ مدین کے علاقے سے تھوڑا آگے بحیرۂ مردار (Dead Sea) ہے' جس کے ساحل پر سدوم اور عاموره کے شہر آباد تھے۔ ان شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ بہرحال یہ ساری اقوام جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے' مذکورہ مثلث کے علاقے میں ہی آباد تھیں۔ صرف قومِ فرعون اس مثلث سے باہر مصر میں آباد تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ان چھ رسولوں کے حالات پڑھتے ہوئے ان کی قوموں کے علاقوں کا یہ نقشہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ زمانی اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں' پھر حضرت ہود علیہ السلام' پھر حضرت صالح علیہ السلام' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن میں انباء الرسل کے انداز میں نہیں بلکہ قصص الانبیاء کے طور پر آیا ہے۔ آپؑ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم اور عاموره کی بستیوں کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا' جن کی اولاد میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز (مکہ) میں آباد ہوئے اور پھر حجاز میں ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جن کو آپؑ نے فلسطین میں آباد کیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔ قرآن حکیم میں جب ہم انبیاء و رُسل کے تذکرے پڑھتے ہیں تو یہ ساری تفصیلات ذہن میں ہونی چاہئیں۔

آیت ۵۹ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵۹﴾ ''ہم نے بھیجا تھا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف تو اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے' مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔''

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم لوگ یونہی مشرکانہ افعال اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے رہو گے تو بہت بڑے عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔

آیت ۶۰ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۰﴾ ''آپؑ کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں ایک کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔''

آیت ۶۱ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۱﴾ ''آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! مَیں کسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں' بلکہ مَیں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔''

آیت ۶۲ ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲﴾ ''مَیں تو تمہیں پہنچا رہا ہوں اپنے رب کے پیغامات' اور میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں' اور مَیں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔''

مجھے تو تمام جہانوں کے پروردگار نے اس خدمت پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں' تاکہ تم لوگ ایک بڑے عذاب کی لپیٹ میں آنے سے بچ جاؤ۔ اگر تمہارے مشرکانہ افعال اسی طرح جاری رہے تو ان کی پاداش میں تمہارے اوپر کتنی بڑی تباہی آ سکتی ہے تم لوگوں کو اس کا کچھ بھی اندازہ نہیں' مگر مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے اس کے بارے میں مسلسل آگاہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۶۳ ﴿اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک یاددہانی تم ہی میں سے ایک فرد کے ذریعے سے آئی' تاکہ وہ تمہیں خبردار کردے اور تم (گناہوں سے) بچ سکو اور تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۶۴ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ﴾ ''تو انہوں نے اُس کو جھٹلایا' تو بچالیا ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھی تھے کشتی میں' اور ہم نے غرق کر دیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ﴾ ''یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔''

یعنی وہ ایسی قوم تھی جس نے آنکھیں ہونے کے باوجود اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے اور حق کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھی اہلِ ایمان بہت ہی کم لوگ تھے۔ آپؑ نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو دعوت دی تھی' اس کے باوجود بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے' جو آپؑ کے ساتھ کشتی میں سیلاب سے محفوظ رہے۔ آپؑ کے تین بیٹوں میں سے حضرت سام کی اولاد میں سے ''عاد'' نام کے ایک سردار بڑے مشہور ہوئے اور پھر ان ہی کے نام پر ''قومِ عاد'' وجود میں آئی۔ اب آگے اسی قوم کا تذکرہ آ رہا ہے۔

آیات ۶۵ تا ۷۲

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع

آیت ۶۵ ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ﴾ ''اور قومِ عاد کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔''

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾﴾ ''اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی الٰہ اُس کے سوا نہیں ہے' تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟''

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا تھا۔

آیت ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ ''آپؑ کی قوم کے سرداروں نے' جنہوں نے انکار کیا تھا' کہا کہ ہم تو تمہیں کسی حماقت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تم کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔''

یعنی تم جھوٹا دعویٰ کر رہے ہو' تم پر کوئی وحی وغیرہ نہیں آتی۔

آیت ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! مجھ پر کوئی حماقت طاری نہیں ہوئی بلکہ مَیں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی جانب سے۔''

آیت ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴾ ''مَیں تو اپنے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا رہا ہوں اور تمہارا دیانت دار خیر خواہ ہوں۔''

مَیں تو وہی بات ہو بہو تم تک پہنچا رہا ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھے بتائی جا رہی ہے' اس لیے کہ مجھے تمہاری بھلائی مطلوب ہے۔ مَیں تمہارا نہایت قابلِ اعتماد خیر خواہ ہوں۔

آیت ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ﴾ ''کیا تمہیں تعجب ہے اس بات پر کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعے تاکہ وہ تمہیں خبردار کر دے۔''

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ﴾ ''اور ذرا یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قومِ نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تمہیں جسمانی اعتبار سے بڑی کشادگی عطا فرمائی۔''

قومِ نوح تباہ و برباد ہوئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو عروج عطا فرمایا۔ یہ بڑے قد آور اور جسیم لوگ تھے۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی طور پر بڑا عروج بخشا تھا۔ شداد اسی قوم کا بادشاہ تھا جس نے بہشتِ ارضی بنائی تھی۔ اب اس کی جنت اور اس شہر کے کھنڈرات کا سراغ بھی مل چکا ہے۔ یہ کھنڈرات جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی صحرا میں دریافت ہوئے ہیں جہاں کی ریت بہت باریک ہے' اس وجہ سے وہاں آمد و رفت مشکل ہے۔ اس علاقے میں سیٹلائٹ کے ذریعے زیرِ زمین شداد کے اس شہر کا سراغ ملا ہے' جس کی فصیل پر ۳۵ برج تھے۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ''تو اللہ کے احسانات کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آیت ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ ﴾ ''انہوں نے کہا: (اے ہودؑ!) کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں جو اکیلا ہے''

﴿وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ ''اور ہم چھوڑ بیٹھیں اُن کو جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء و اجداد!''

﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ ''تو ہم پر لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو' اگر تم سچے ہو۔''

یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کسی قوم پر زوال آیا تو ان کے عقائد بگڑ گئے۔ اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو چھوڑ کر وہ لوگ بُت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اولیاء اللہ کی عقیدت کی وجہ سے ان کے ناموں کے بُت بنائے جاتے یا

پھر ان کی قبروں کی پرستش شروع کر دی جاتی۔ یہ سامنے کے معبودان کو اُس اللہ کے مقابلے میں زیادہ اچھے لگتے تھے جو اُن کی نظروں سے اوجھل تھا۔ ان حالات میں جب بھی کوئی رسول آ کر کسی ایسی مشرک قوم کو بُت پرستی سے منع کرتا اور انہیں ایک اللہ کی بندگی کی تلقین کرتا' تو اپنے ماحول کے مطابق ان کا پہلا جواب یہی ہوتا کہ ہم اپنے سارے خداؤں کو ٹھکرا کر صرف ایک اللہ کو کیسے اپنا معبود بنالیں!

آیت ۷۱ ﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ﴾ ''(ہود علیہ السلام نے) فرمایا: تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور اس کا غضب واقع ہو ہی چکا ہے۔''

تمہاری اس ہٹ دھرمی کے باعث اللہ کا عذاب اور اس کا قہر و غضب تم پر مسلط ہو چکا ہے' جو ابھی تمہیں نظر نہیں آ رہا۔

﴿اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ ''کیا تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو اُن ناموں کے بارے میں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے تھے''

یہ جو تم نے مختلف ناموں کے بت بنا رکھے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہو' اُن کی حقیقت کچھ نہیں' محض چند فرضی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے بغیر کسی سند کے رکھے ہوئے ہیں۔

﴿مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۷۱﴾ ''اللہ نے اس کے لیے کوئی سند نہیں اُتاری۔ تو (ٹھیک ہے) تم بھی انتظار کرو' مَیں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔''

چلیں دیکھتے ہیں کب تک اللہ تعالیٰ تمہیں مہلت دیتا ہے اور کب اُس کی طرف سے تم پر عذابِ استیصال آتا ہے۔

آیت ۷۲ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''تو ہم نے بچا لیا اُس کو اور جو (اہلِ ایمان) لوگ اُس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے' اور ہم نے جڑ کاٹ دی اُس قوم کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا''

﴿وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۷۲﴾ ''اور نہیں تھے وہ ایمان لانے والے۔''

سات دن اور آٹھ راتوں تک ایک تیز آندھی مسلسل ان لوگوں پر چلتی رہی اور انہیں پٹخ پٹخ کر گراتی رہی' اسی آندھی کی وجہ سے وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے۔ واضح رہے کہ جب بھی کسی قوم پر عذابِ استیصال کا فیصلہ ہو جاتا تو اللہ کے رسولؑ اور اہلِ ایمان کو وہاں سے ہجرت کا حکم آ جاتا۔ چنانچہ آندھی کے اس عذاب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھی وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔

آیات ۷۳ تا ۸۴

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي
الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا
عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ
رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ
الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ
قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾
ع ۱۲ ۱۷ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

آیت ﴿۷۳﴾ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ﴾ ''اور قومِ ثمود کی طرف (بھیجا ہم نے) ان کے بھائی صالحؑ کو۔''

حضرت ہودعلیہ السلام اور ان کے اہلِ ایمان ساتھی جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی علاقے سے ہجرت کر کے شمال مغربی کونے میں جا آباد ہوئے۔ یہ ''حجر'' کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہاں ان کی نسل آگے بڑھی اور پھر غالباً 'ثمود' نامی کسی بڑی شخصیت کی وجہ سے اس قوم کا یہ نام مشہور ہوا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ﴾ ''اُس نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص نشانی آ گئی ہے۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو اس سے پہلے حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام اپنی اپنی قوموں کو دے چکے تھے۔ یہاں بَیِّنَة سے مراد وہ اونٹنی ہے جو اُن کے مطالبے پر معجزانہ طور پر چٹان سے نکلی تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام کے بارے میں کسی معجزے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ معجزے کا ذکر سب سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔

﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾﴾
''یہ اللہ کی اونٹنی ہے' تمہارے لیے ایک نشانی' تو اسے چھوڑے رکھو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے' اور اسے نہ چھونا کسی برے ارادے سے' (اگر تم نے ایسا کیا) تو ایک دردناک عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔''

یہ اُونٹنی تمہارے مطالبے پر تمہاری نگاہوں کے سامنے ایک چٹان سے برآمد ہوئی ہے۔ اب اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا' ورنہ اللہ کا عذاب تمہیں آ لے گا۔

آیت ﴿۷۴﴾ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب اُس نے تمہیں جانشین بنایا قومِ عاد (کی تباہی) کے بعد اور تمہیں جگہ دی زمین میں' تم اس کے نرم میدانوں میں محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر (بھی اپنے لیے) گھر بنا لیتے ہو۔''

میدانی علاقوں میں وہ لوگ عالی شان محلات تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر بڑے خوبصورت گھر بناتے تھے۔ اب ان کے محلات کا تو کوئی نام ونشان نہیں' البتہ پہاڑوں سے تراش کر بنائے گئے گھروں کے کھنڈرات اُس علاقے میں آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گزری ہے اور قوم عاد اس سے بھی پہلے تھی۔ اس طرح قومِ ثمود کا زمانہ آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے کا ہے جبکہ قوم عاد کو گزرے اب تقریباً سات ہزار سال ہو چکے ہیں۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ ''تو اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے۔''

آیت ۷۵ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''آپؑ کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان لوگوں سے کہا جو دبا لیے گئے تھے (اور) جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہ (واقعی) کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صالح اپنے ربّ کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟''

﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''انہوں نے کہا کہ (ہاں) ہم تو جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے غریب' دبے ہوئے اور کمزور اہلِ ایمان لوگوں سے ان کے سردار بڑے متکبرانہ انداز سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ صالح واقعی اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ اس پر وہ لوگ بڑے یقین سے جواب دیتے تھے کہ جو کچھ آپؑ کے رب نے آپؑ کو دیا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ان سارے احکام کو سچ جانتے ہیں۔

آیت ۷۶ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾ ''(اس پر) وہ استکبار کرنے والے کہتے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اُس کے منکر ہیں۔''

آیت ۷۷ ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ ﴾ ''تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی''

یہ اونٹنی ان کی فرمائش پر چٹان سے برآمد ہوئی تھی' مگر پھر یہ ان کے لیے بہت بڑی آزمائش بن گئی تھی۔ وہ ان کی فصلوں میں جہاں چاہتی پھرتی اور جو چاہتی کھاتی۔ اس کی خوراک غیر معمولی حد تک زیادہ تھی۔ پانی پینے کے لیے بھی اس کی باری مقرر تھی۔ ایک دن ان کے تمام ڈھور ڈنگر پانی پیتے تھے' جبکہ دوسرے دن وہ اکیلی تمام پانی پی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ سب کچھ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا اور بالآخر ان سرداروں نے ایک سازش کے ذریعے اسے ہلاک کروا دیا۔

﴿وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''اور کہا: اے صالح! لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر واقعی تم رسول ہو۔''

حضرت صالح علیہ السلام سے انہوں نے چیلنج کے انداز میں کہا کہ ہم نے تمہاری اونٹنی کو تو مار ڈالا ہے' اب اگر واقعی تم اللہ کے رسول ہو تو لے آؤ ہمارے اوپر وہ عذاب جس کا تم ہر وقت ہمیں ڈراوا دیتے رہتے ہو۔

آیت ۷۸ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ ''تو انہیں آ پکڑا زلزلے نے' پھر وہ پڑے رہ گئے

اپنے گھروں میں اوندھے۔''

آیت ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۷۹﴾ ''تو (صالح علیہ السلام نے) ان سے پیٹھ موڑ لی اور کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے (امکان بھر) تمہاری خیر خواہی کی' لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔''

اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ آپؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپؑ عراق کے رہنے والے تھے اور سامی النسل تھے۔ آپؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز فرما کر سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ دونوں شہر بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے کنارے اُس زمانے کے دو بڑے اہم تجارتی مراکز تھے۔ اُس زمانے میں جو تجارتی قافلے ایران اور عراق کے راستے مشرق سے مغرب کی طرف جاتے تھے وہ فلسطین اور مصر کو جاتے ہوئے سدوم اور عامورہ کے شہروں سے ہو کر گزرتے تھے۔ اُس اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ان شہروں میں بڑی خوشحالی تھی۔ مگر ان لوگوں میں مَردوں کے آپس میں جنسی اختلاط کی خباثت پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے۔ سورۃ العنکبوت (آیت ۲۶) میں ہمیں آپؑ کی ہجرت کا ذکر ملتا ہے۔ آپؑ عراق سے ان شہروں کی طرف مبعوث ہو کر آئے تھے۔ یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے' جبکہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے زمانے کے تین رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک خاص اسلوب سے انباء الرسل کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یعنی ان رسولوں کا تذکرہ جو اللہ کی عدالت بن کر قوموں کی طرف آئے اور ان کے انکار کے بعد وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں اس نوعیت کی کوئی تفصیل صراحت کے ساتھ قرآن میں نہیں ملتی اس لیے آپؑ کا ذکر قصص النبیین کے ذیل میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا تذکرہ سورۃ الاعراف کے بجائے سورۃ الانعام میں کیا گیا ہے اور وہاں یہ تذکرہ قصص النبیین ہی کے انداز میں ہوا ہے' جبکہ سورۃ الاعراف میں تمام انباء الرسل کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

آیت ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ﴾ ''اور لوطؑ کو (بھی ہم نے بھیجا) جب کہ اُس نے کہا اپنی قوم سے''

اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے' لیکن ان کی طرف مبعوث ہونے اور وہاں جا کر آباد ہو جانے کی وجہ سے ان لوگوں کو آپؑ کی قوم قرار دیا گیا ہے۔

﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۰﴾ ''کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔''

یعنی اجتماعی طور پر پوری قوم کا ایک شرمناک فعل کو اس انداز سے اپنا لینا کہ اسے اپنا شعار بنا لینا' کھلم کھلا اس کا ارتکاب کرنا اور اس میں شرمانے کی بجائے فخر کرنا' اس سب کچھ کی مثال تاریخِ انسانی کے اندر کوئی اور نہیں ملتی۔

آیت ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۸۱﴾ ''تم مَردوں کا رُخ کرتے ہو شہوت کے ساتھ عورتوں کو چھوڑ کر' بلکہ تم تو ہو ہی حد سے تجاوز کرنے والی قوم۔''

یعنی تمہارا یہ فعل اصولِ فطرت کے بھی خلاف ہے اور قانونِ طبعی سے بھی متصادم۔

آیت ۸۲ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۸۲﴾ ''تو نہیں تھا اس کی قوم کا کوئی جواب سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا نکالو ان کو اپنی بستی سے' یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔''

ان کے پاس کوئی معقول جواب تو تھا نہیں' شرم و حیا کو وہ لوگ پہلے ہی بالائے طاق رکھ چکے تھے۔ کوئی دلیل' کوئی عذر' کوئی معذرت' جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو وہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپؑ کے گھر والوں کو شہر بدر کرنے کے درپے ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اس مقامی قوم سے تعلق رکھتی تھی' اس لیے وہ آخر وقت تک اپنی قوم کے ساتھ ملی رہی۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی بیٹیوں کو لے کر عذاب آنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۸۳﴾ ''تو ہم نے نجات دے دی اُسؑ کو اور اُس کے گھر والوں کو' سوائے اُس کی بیوی کے' وہ ہو گئی پیچھے رہنے والوں ہی میں۔''

آیت ۸۴ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۸۴﴾ ''اور ہم نے برسائی ان پر ایک بارش' تو دیکھو کیا انجام ہوا مجرموں کا!''

یہ پتھروں کی بارش تھی اور اس کے ساتھ شدید زلزلہ بھی تھا' جس سے ان کی بستیاں الٹ کر بحیرۂ مردار کے اندر دفن ہو گئیں۔ قومِ لوط اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب مشرکینِ مکہ کے درمیان زمانی اور مکانی لحاظ سے زیادہ بُعد نہیں تھا' اس قوم کے قصے اہلِ عرب کی تاریخی روایات کے اندر موجود تھے۔ چنانچہ اہلِ مکہ اس قوم کے حسرتناک انجام سے خوب واقف تھے۔

آیات ۸۵ تا ۹۳

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸۵ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۶ وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَاۗىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۷ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝۸۸ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝۸۹ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

آیت ۸۵ ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ﴾ ''اور قوم مدین کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیبؑ کو۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق اسی قوم سے تھا' اس لیے آپؑ کو ان کا بھائی قرار دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی کا نام 'قطورا' تھا۔ ان سے آپؑ کے کئی بیٹے ہوئے' جن میں سے ایک کا نام مدین تھا جو اپنی اولاد کے ساتھ خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ ان لوگوں کی وجہ سے بعد میں ''مدین'' ہی کے نام سے معروف ہوا۔ مدین کا علاقہ بھی اس بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو اُس زمانے میں فلسطین سے یمن کو جاتی تھی۔ اس لحاظ سے اہلِ مدین بہت خوشحال لوگ تھے۔ نتیجتاً ان میں بہت سی کاروباری اور تجارتی بدعنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اس قوم کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اُس کے سوا۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آ چکی ہے''

﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾﴾ ''تو ماپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزیں کم نہ کیا کرو' اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو۔''

اہلِ مدین چونکہ کاروباری لوگ تھے' لہٰذا ان کے ہاں جو خاص خرابی اجتماعی طور پر پیدا ہو گئی تھی وہ ماپ تول میں کمی کی عادت تھی۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل زمانہ کی جن تین اقوام کا ذکر قرآن میں آیا ہے' یعنی قومِ نوح' قومِ ہود اور قومِ صالح ان میں سوائے شرک کے اور کسی خرابی کی تفصیل نہیں ملتی۔ یعنی اُس زمانے تک انسانی تمدن اتنا سادہ تھا کہ ابھی اعمال کی خرابیاں اور گندگیاں رائج نہیں ہوئی تھیں۔ تب تک انسان فطرت کے زیادہ قریب تھا' اس لیے وہ پیچیدگیاں جو تمدن کے پھیلنے کے ساتھ بڑھتی ہیں اور وہ بدعنوانیاں جو تمدنی پیچیدگیوں کی وجہ سے پھیلتی ہیں وہ ابھی ان اقوام کے افراد میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جنسی برائیاں سب سے پہلے قومِ لوط میں اور مالی بدعنوانیاں سب سے پہلے اہلِ مدین میں پیدا ہوئیں۔

آیت ۸۶ ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ ''اور نہ بیٹھا کرو ہر راستے پر ڈرانے دھمکانے کے لیے''

یعنی وہ لوگ راہزنی بھی کرتے تھے اور تجارتی قافلوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے بھتہ بھی وصول کرتے تھے۔ ان حرکات سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں منع کیا۔

﴿وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ﴾ ''اور اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے (ہر اُس

شخص کو) جو ایمان لاتا ہے اور اس راہ کو کج کرتے ہوئے۔"

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۶﴾ "اور یاد کرو جبکہ تم کم تعداد میں تھے تو اللہ نے تمہاری تعداد زیادہ کر دی' اور (یہ بھی) دیکھو کہ مفسدوں کا کیسا کچھ انجام ہوتا رہا ہے۔"

آیت ۸۷ ﴿وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَاۗىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا﴾ "اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا ہے اُس چیز پر جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے"

﴿فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۷﴾ "تو تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے مابین فیصلہ فرما دے' اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

آیت ۸۸ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ﴾ "کہا اُس کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے تکبّر کی روش اختیار کی کہ اے شعیب! ہم تمہیں اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں انہیں اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے' یا تم واپس آ جاؤ ہماری ملّت میں۔"

﴿قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝۸۸﴾ "(حضرت شعیب علیہ السلام نے) فرمایا: کیا اگر ہمیں (یہ سب کچھ) ناپسند ہو تب بھی؟"

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبّر سرداروں نے آپؑ اور آپؑ کے ماننے والوں سے کہا کہ اگر تم لوگ ہمارے ہاں امن اور چین سے رہنا چاہتے ہو تو تمہیں ہمارے ہی طور طریقوں اور رسم و رواج کو اپنانا ہوگا' بصورتِ دیگر ہم تم لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ زبردستی ہمیں اپنی ملّت میں واپس پھیر لو گے جبکہ ہم تو ان طور طریقوں سے نفرت کرتے ہیں!

آیت ۸۹ ﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ﴾ "ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر ہم تمہاری ملّت میں لوٹ آئیں' اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا تھا کہ اگر ہم دوبارہ تمہارے طور طریقوں پر واپس آ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرا نبوت کا دعویٰ ہی غلط تھا اور میں یہ دعویٰ کر کے گویا اللہ پر افترا کر رہا تھا۔ لیکن چونکہ میرا یہ دعویٰ سچا ہے اور میں واقعتاً اللہ کا فرستادہ ہوں لہٰذا اب میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے تمہاری ملّت میں واپس آنا ممکن نہیں۔

﴿وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ﴾ "اور ہمارے لیے قطعاً ممکن نہیں ہے کہ ہم اس ملّت میں لوٹ آئیں' سوائے اس کے کہ اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے۔"

یہ الفاظ ایک بندۂ مؤمن کی سوچ اور اس کے طرزِ عمل کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ نہ اپنے فکر و فلسفہ پر بھروسہ کرتا ہے اور نہ اپنی حسنِ استقامت کا سہارا لیتا ہے' بلکہ صرف اور صرف اللہ کی توفیق اور تیسیر پر توکّل کرتا ہے۔ یہی وہ فلسفہ تھا جس کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے اس طرح فرمایا' حالانکہ ان کے واپس پلٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝۸۹﴾ "اور ہمارے ربّ نے تو ہر شے کے علم کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہم نے اللہ ہی پر توکّل کیا ہے۔ اے ہمارے ربّ! فیصلہ فرما دے ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق کے ساتھ' اور یقیناً تُو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

آیت ۹۰ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ ''اور کہا اُس کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا کہ اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔''

آیت ۹۱ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ ''تو انہیں (بھی) آ پکڑا ایک زلزلے نے اور وہ (بھی) پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے منہ۔''

آیت ۹۲ ﴿اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا ایسے ہو گئے کہ جیسے کبھی اس بستی میں بسے ہی نہیں تھے' جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی وہی ہوئے خسارے والے۔''

آیت ۹۳ ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ﴾ ''تو وہ ان کو چھوڑ کر چل دیا یہ کہتے ہوئے کہ اے میری قوم کے لوگو! مَیں نے تو تمہیں پہنچا دیے تھے اپنے رب کے پیغامات اور مَیں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی۔''

﴿فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ ''تو اب مَیں کیسے افسوس کروں اُس قوم پر جس نے کفر کیا ہے!''

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے امکانی حد تک اپنی قوم کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی' لیکن اپنی ہٹ دھرمی اور مسلسل انکار کی وجہ سے ان لوگوں نے خود اپنی بربادی کو دعوت دی۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کی ہلاکت پر افسوس کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ البتہ حضرت شعیب علیہ السلام کے اِن الفاظ سے واضح ہو رہا ہے کہ آپؑ کو اپنی قوم کے انجام پر شدید رنج و غم تھا' اور یہ کہ اس موقع پر ایسے الفاظ کہنا آپؑ کا اپنے دل کی ڈھارس بندھانے کا ایک انداز تھا۔ بہرحال حقیقت یہ ہے کہ نبی اپنی قوم اور بنی نوعِ انسان کے لیے بہت شفیق' مہربان اور ہمدرد ہوتا ہے اور اپنی قوم پر عذاب آنے پر اسے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۲

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾
ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ
بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ
الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا
ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَ ع ۱۲
لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

آیت ۹۴ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾﴾ ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی بستی میں کسی بھی نبی کو مگر یہ کہ ہم نے پکڑا اُس کے بسنے والوں کو سختیوں سے اور تکلیفوں سے تاکہ وہ گڑگڑائیں (اور ان میں عاجزی پیدا ہو جائے)۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص قانون کا تذکرہ ہے' جس کے بارے میں ہم سورۃ الانعام (آیات ۴۲ تا ۴۵) میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کسی رسول کو بھیجا جاتا تو اس قوم کو سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے ان کے لیے رسول کی دعوت کو قبول کرنے کا ماحول پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ خوشحالی اور عیش کی زندگی گزارتے ہوئے انسان نصیحت کی کوئی نئی بات سننے کی طرف کم ہی مائل ہوتا ہے' البتہ تکلیف کی حالت میں انسان ضرور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا ہر رسول کی دعوت کے آغاز کے ساتھ ہی اس قوم پر اجتماعی زندگی کے حالات تنگ کر دیے جاتے تھے' لیکن اگر متعلقہ قوم کے لوگ اس کے باوجود بھی ہوش میں نہ آتے' اپنی ضد پر اڑے رہتے' اور رسول کی دعوت کو بدستور رد کرتے چلے جاتے' تو ان پر سے وہ سختیاں اور تکلیفیں دور کر کے ان کو خیر معمولی آسائشوں اور نعمتوں سے نواز دیا جاتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ڈھیل دینے کا ایک انداز تھا کہ اب اس قوم نے برباد تو ہونا ہی ہے مگر آخری انجام کو پہنچنے سے پہلے ان کی نافرمانیوں کی آخری حدود دیکھ لی جائیں کہ سرکشی کی روش پر وہ کہاں تک جا سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ قانون یا اللہ کی سُنّت' جس پر ہر رسول کی بعثت کے بعد عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ سورۃ السجدۃ میں اس قانون کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور ہم انہیں ضرور مزا چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ رجوع کریں''۔ بڑے عذاب سے مراد یہاں عذابِ استیصال ہے جس کے بعد کسی قوم کو تباہ و برباد کر کے نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے۔ اس عذاب کی کیفیت مکّی سورتوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ (الاعراف: ۹۲ اور سورۂ ہود: ۶۸' ۹۵) ''وہ لوگ ایسے ہو گئے جیسے وہاں بستے ہی نہیں تھے''۔ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ (الانعام: ۴۵) ''پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی''۔ ﴿لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ﴾ (الاحقاف: ۲۵) ''اب صرف ان کے مسکن ہی نظر آ رہے ہیں''۔ یعنی عذابِ استیصال کے بعد ان کے بنائے ہوئے عالیشان محل تو موجود تھے' لیکن ان کے مکینوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا ــــ قانونِ قدرت کے تحت اس نوعیت کے ''عذاب الاکبر'' سے پہلے چھوٹی چھوٹی تنبیہات آتی ہیں تاکہ لوگ خوابِ غفلت سے جاگ جائیں' ہوش میں آ جائیں' استکبار کی روش ترک کر کے عاجزی اختیار کریں اور رجوع کر کے عذابِ استیصال سے بچ سکیں۔

آیت ۹۵ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ ''پھر ہم نے اس برائی کو بھلائی سے بدل دیا' یہاں تک کہ وہ لوگ خوب بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء و اجداد پر بھی تکلیف اور خوشی آتی رہی ہے''

﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾﴾ ''پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں تھا۔''

جب وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہے تو ان پر دنیوی آسائشوں کے دہانے کھول دیے گئے کہ اب کھاؤ' پیو اور عیش کرو۔ عیش و عشرت کی زندگی میں اس قدر مگن ہوئے کہ سختیوں کے دَور کو بالکل ہی بھول گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے اَسلاف پر بھی اچھے برے دن آتے ہی رہے ہیں' اس میں امتحان اور آزمائش کی کون سی بات ہے' حتیٰ کہ ان کی پکڑ کی گھڑی آن پہنچی اور انہیں اس کا شعور تک نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت یوں اچانک آ جائے گی۔

آیت ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر کھول دیتے آسمانوں اور زمین کی برکتیں۔''

﴿وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو پکڑ لیا ان کے کرتوتوں کی پاداش میں۔''

آیت ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ ''تو کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب' جبکہ وہ رات کو سوئے ہوئے ہوں۔''

آیت ﴿اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ ''اور کیا یہ بستیوں والے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب دن چڑھے' جب کہ وہ کھیل رہے ہوں۔''

آیت ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ''کیا وہ امن میں (یا بے خوف) ہیں اللہ کی چال سے؟ اللہ کی چال سے کوئی اپنے آپ کو امن میں محسوس نہیں کرتا مگر وہی لوگ جو خسارہ پانے والے ہیں۔''

آیت ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ﴾ ''تو کیا ان لوگوں کو سبق نہیں ملا جو زمین کے وارث ہوئے ہیں اس کے پہلے رہنے والوں کے (ہلاک ہونے کے) بعد' کہ ہم چاہیں تو ان کو بھی پکڑ لیں ان کے گناہوں کی پاداش میں!''

کیا بعد میں آنے والے لوگوں نے اپنی پیش رو قوموں کی تباہی و بربادی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا؟ قومِ عاد نے کیوں کوئی سبق نہیں سیکھا قومِ نوح کے عذاب سے؟ اور قومِ ثمود نے کیوں عبرت نہیں پکڑی قومِ عاد کی بربادی سے؟ اور قومِ شعیب نے کیوں نصیحت حاصل نہیں کی قومِ لوط کے انجام سے؟

﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں' پھر وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔''

آیت ﴿تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ﴾ ''یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم آپ (ﷺ) کو سنا رہے ہیں۔''

انباء الرسل کے سلسلے میں اب تک پانچ رسولوں یعنی حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ آئندہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نسبتاً زیادہ تفصیل سے آ رہا ہے۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''اور ان کے پاس ان کے رسول آئے روشن نشانیوں کے ساتھ' تو وہ نہیں تھے ایمان لانے والے اس پر جس کا انہوں نے پہلے انکار کر دیا تھا۔''

یعنی جسے ایمان لانا ہوتا ہے وہ جیسے ہی حق منکشف ہوتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے۔ جسے قبول نہیں کرنا ہوتا اس کے لیے نصیحتیں' دلیلیں' نشانیاں اور معجزے سب بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ یہی نکتہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۰ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ یعنی ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں' جیسے کہ وہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے۔

﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾﴾ ''اسی طرح اللہ مہر کر دیا کرتا ہے کافروں کے دلوں پر۔''

آیت ﴿١٠٢﴾ ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔''

دُنیا میں جب بھی کوئی قوم اُبھری' اپنے رسول کے سہارے اُبھری۔ ہر قوم کے علمی و اخلاقی ورثے کا غالب حصّہ اپنے رسول کی تعلیمات اور وصیتوں پر مشتمل رہا۔ اسی طرح ہر رسول نے اپنے پیروکاروں سے کچھ عہد اور میثاق بھی لیے ہوں گے' لیکن لوگوں کی اکثریت نے کبھی کسی عہد کی پاسداری نہیں کی۔

﴿وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ ''اور ہم نے تو ان کی اکثریت کو فاسق ہی پایا۔''

اب انباء الرسل کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے پہلے پانچ رسولوں کا ذکر چار رکوعوں میں آیا ہے' لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر سات آٹھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انباء الرسل کی حامل یہ سورتیں ہجرت سے مصلاً قبل نازل ہوئی تھیں اور ہجرت کے فوراً بعد قرآن کی یہ دعوت براہِ راست اہلِ کتاب (یہودِ مدینہ) تک پہنچنے والی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ مدینہ پہنچنے سے پہلے یہود سے مکالمہ کرنے کے لیے ذہنی اور علمی طور پر پوری طرح تیار ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات ان سورتوں میں بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

آیات ۱۰۳ تا ۱۲۶

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى
اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ
فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ ع ۱۳
فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا
اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَ جَآءَ
السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ
فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾
فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا
لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

آیت ۱۰۳ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ ''پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف''

اب تک جن پانچ قوموں کا ذکر ہوا ہے وہ جزیرہ نمائے عرب ہی کے مختلف علاقوں میں بستی تھیں' لیکن اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا جو مصر کے باسی تھے۔ مصر براعظم افریقہ کے شمال مشرقی کونے میں واقع ہے۔ اس قصے میں صحرائے سینا کا بھی ذکر آئے گا' یہ مثلث شکل کا جزیرہ نما (Sinai Peninsula) علاقہ مصر اور فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ مصر میں اُس وقت ''فراعنہ'' (''فرعون'' کی جمع) کی حکومت تھی۔ جس طرح عراق کے قدیم بادشاہ ''نمرود'' کہلاتے تھے اسی طرح مصر میں اُس دور کے بادشاہ کو ''فرعون'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست مصر کے مطلق العنان بادشاہ (فرعون) کے پاس بھیجا گیا تھا۔

﴿فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''تو انہوں نے ان (نشانیوں) کے ساتھ ظلم کیا' تو دیکھ لو کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا!''

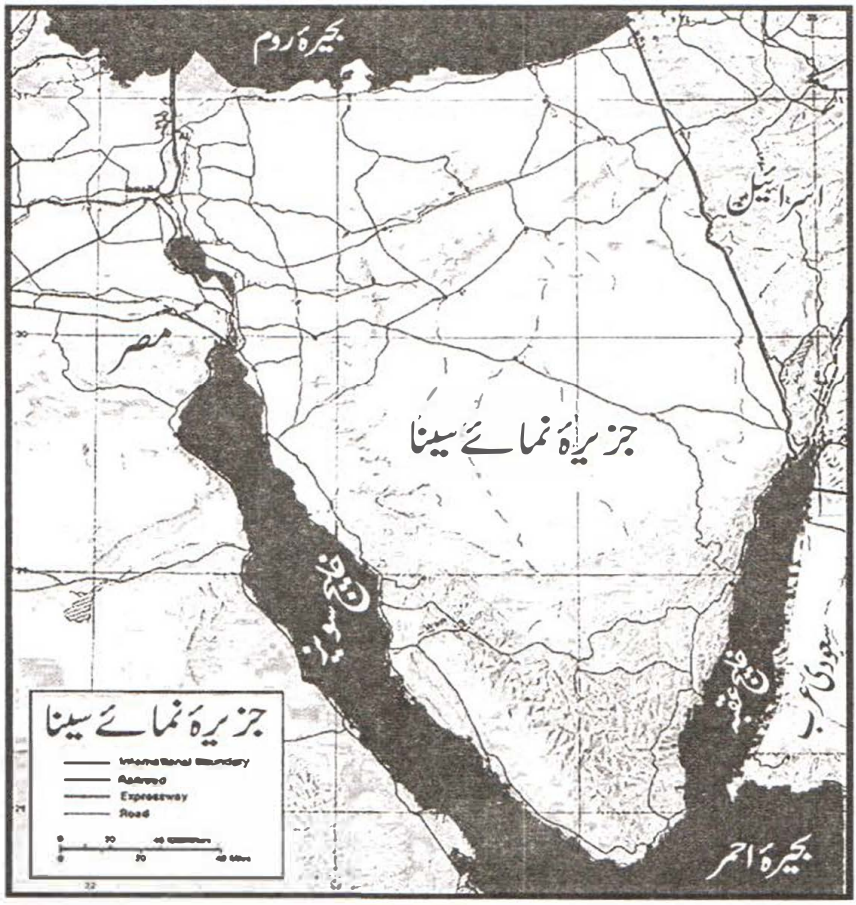

یعنی فرعون اور اُس کی قوم کے سرداروں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کر کے اور انہیں جادوگری قرار دے کر ان کی حق تلفی کی۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴﴾ ''اور موسیٰؑ نے کہا: اے فرعون! مَیں رسول ہوں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ﴾ ''مَیں اس پر قائم ہوں کہ حق کے سوا کوئی بات اللہ سے منسوب نہ کروں۔''

فرعون کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی اجنبی آدمی نہیں تھے۔ آپؑ اس کے ساتھ ہی شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جو فرعون برسرِ اقتدار تھا وہ اس فرعون کا باپ تھا اور اُسی نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے بیٹے کی حیثیت سے پالا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ وہ صندوق فرعون کے محل کے پاس ساحل پر آ لگا' محل کے ملازمین اسے اٹھا کر محل میں لے گئے۔ فرعون کو پتا چلا تو وہ اسرائیلی بچہ سمجھ کر آپؑ کے قتل کے درپے ہوا' مگر اُس کی بیوی نے اسے یہ کہہ کر باز رکھا کہ ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے' یہ ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا: ﴿قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ﴾ (القصص:۹) کیونکہ اُس وقت تک اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا۔ بعد میں اُس کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا بیٹا تقریباً ہم عمر تھے' وہ دونوں اکٹھے محل میں پلے بڑھے تھے اور اُن کے درمیان حقیقی بھائیوں جیسی محبت تھی' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت بڑے بھائی کی تھی۔ جب بڑا فرعون بوڑھا ہو گیا تو اُس نے اپنی زندگی میں ہی اقتدار اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ جس فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا یہ وہی شخص تھا جس کے ساتھ آپؑ شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ ابھی کچھ ہی برس پہلے آپؑ شاہی محل چھوڑ کر مصر سے مدین گئے تھے اور پھر جب مدین سے واپس آ رہے تھے تو آپؑ کو نبوت اور رسالت ملی (اس کی پوری تفصیل آگے جا کر سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں آئے گی)۔ اس پس منظر میں فرعون کے ساتھ آپؑ کا بات کرنے کا انداز ایک عام آدمی جیسا نہیں تھا۔ آپؑ نے بڑے واضح اور بے باک انداز میں فرعون کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو! میرا یہ منصب نہیں اور یہ بات میرے شایانِ شان نہیں کہ میں تم سے کوئی لایعنی اور جھوٹی بات کروں۔

﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۱۰۵﴾ ''مَیں لے کر آیا ہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک کھلی نشانی' تو تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔''

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے فلسطین سے آ کر مصر میں اس وقت آباد ہوئے تھے جب یہاں ایک عربی نسل خاندان کی حکومت تھی۔ اس خاندان کے بادشاہ ''چرواہے بادشاہ'' (Hiksos Kings) کہلاتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے احترام کی وجہ سے بنی اسرائیل کو معاشرے میں ایک خصوصی مقام حاصل رہا اور وہ صدیوں تک عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ اس کے بعد کسی دور میں مصر کے اندر قوم پرست عناصر کے زیر اثر انقلاب آیا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں حکمران خاندان کو ملک بدر کر دیا گیا اور یہاں قبطی قوم کی حکومت قائم ہو گئی۔ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے تھے۔ بنی اسرائیل کے لیے یہ تبدیلی بڑی منحوس ثابت ہوئی۔ سابق شاہی خاندان کے چہیتے ہونے کی وجہ سے وہ قبطی حکومت کے زیر عتاب آ گئے اور ان کی حیثیت اور زندگی بتدریج پست سے پست اور سخت سے سخت ہوتی چلی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں یہ لوگ مصر میں غلامانہ زندگی گزار رہے تھے' بلکہ فرعونوں کی طرف سے آئے روز ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ یہ وہ حالات تھے

جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تا کہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر واپس فلسطین لائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دیا جائے۔

آیت ۱۰۶ ﴿قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۰۶﴾ ''اُس (فرعون) نے کہا: اچھا اگر تم (واقعی) کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو!''

آیت ۱۰۷ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۷﴾ ''تو اُس (موسیٰ علیہ السلام) نے اپنا عصا پھینکا' تو اسی وقت وہ ایک حقیقی اژدھا بن گیا۔''

آیت ۱۰۸ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۰۸﴾ ''اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو اچانک وہ تھا دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکدار)۔''

آیت ۱۰۹ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۹﴾ ''فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو واقعتاً کوئی بہت ماہر جادوگر ہے۔''

کہ یہ جو یہاں سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور کئی سال بعد اب واپس آیا ہے تو کہیں سے بہت بڑا جادو سیکھ کر آیا ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝۱۱۰﴾ ''یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے' تو اب تمہاری کیا رائے ہے؟''

یہ تو چاہتا ہے کہ جادو کے زور پر تمہیں اس ملک سے نکال کر یہاں خود اپنی حکومت قائم کر لے۔ اس نازک صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اب کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے؟

آیت ۱۱۱ ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝۱۱۱﴾ ''(پھر مشورہ دیتے ہوئے) انہوں نے کہا کہ (فی الحال) موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو مؤخر رکھیں اور مختلف شہروں میں ہرکارے بھیج دیں۔''

یعنی ابھی فوری طور پر ان کے خلاف کوئی ردِّعمل ظاہر نہ کیا جائے۔ انہیں مناسب انداز میں ٹالتے ہوئے مؤثر جوابی حکمتِ عملی اپنانے کے لیے وقت حاصل کیا جائے اور اس دوران ملک کے تمام علاقوں کی طرف اپنے اہلکار روانہ کر دیے جائیں۔

آیت ۱۱۲ ﴿يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝۱۱۲﴾ ''جو آپ کے پاس لے آئیں تمام ماہر جادوگروں کو۔''

ملک کے کونے کونے سے چوٹی کے جادوگروں کو بلا کر ایک عوامی اجتماع کے سامنے مقابلے میں انہیں شکست سے دوچار کیا جائے تا کہ لوگوں کے ذہنوں میں جنم لینے والے خوف کے اثرات زائل ہو جائیں۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۱۱۳﴾ ''اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے' انہوں نے کہا: یقیناً ہمیں اجر تو ملے گا ہی' اگر ہم غالب آ گئے!''

یہاں پر غیر ضروری تفاصیل کو چھوڑ کر رسالت کے مقام و منصب اور دنیاداروں کے مادہ پرستانہ کردار کے فرق کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کے مطالبے کے مطابق انہیں نشانیاں دکھائیں مگر آپؑ کو اس سے کوئی مفاد مطلوب نہیں تھا۔ آپؑ نے فرعون اور اہلِ دربار کو مرعوب کر کے کسی انعام و اکرام کا مطالبہ نہیں کیا۔ جب کہ دوسری طرف جادوگروں کا کردار

خالص مادہ پرستانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے آتے ہی جو مطالبہ کیا وہ مالی منفعت سے متعلق تھا۔

آیت ۱۱۴ ﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۱۱۴﴾ ''اس نے کہا: ہاں اور (انعام کے علاوہ) تم مقربین میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے۔''

فرعون نے ان سے وعدہ کیا کہ تمہیں مالی فوائد اور انعام و اکرام سے بھی نوازا جائے گا اور دربار میں بڑے بڑے مراتب و مناصب بھی عطا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد ایک کھلے میدان میں بہت بڑے عوامی اجتماع کے سامنے یہ مقابلہ شروع ہوا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تو:

آیت ۱۱۵ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝۱۱۵﴾ ''(جادوگر) کہنے لگے: اے موسیٰ! اب تم پہلے ڈالو گے یا ہم ہو جائیں پہلے ڈالنے والے؟''

آیت ۱۱۶ ﴿قَالَ اَلْقُوْا ۚ﴾ ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: تم ڈالو!''

چنانچہ جادوگروں نے اپنی جادو کی چیزیں زمین پر پھینک دیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں کسی جگہ پر رسّیوں کا ذکر آیا ہے اور کہیں چھڑیوں کا۔ یعنی جادو کی وہ چیزیں زمین پر پھینک دیں جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رکھی تھیں۔

﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ ''تو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا''

انہوں نے جادو کے زور سے حاضرین کی نظر بندی کر دی جس کے نتیجے میں لوگوں کو رسیوں اور چھڑیوں کے بجائے زمین پر سانپ اور اژدھے رینگتے ہوئے نظر آنے لگے۔

﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝۱۱۶﴾ ''اور انہوں نے اُن (حاضرین) پر دہشت طاری کر دی اور ظاہر کر دیا بہت بڑا جادو۔''

واقعتاً انہوں نے بھی اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ یہاں اس قصے کی کچھ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے' مگر قرآن حکیم کے بعض دوسرے مقامات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے اس مظاہرے کے بعد عارضی طور پر ڈر سے گئے تھے (طٰہٰ ۶۷) کہ جو معجزہ میرے پاس ہے اسی نوعیت کا مظاہرہ انہوں نے بھی کر دکھایا ہے' تو پھر میرے اور ان کے درمیان لوگ فرق کیسے محسوس کریں گے! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں' بلکہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے زمین پر پھینک دو!

آیت ۱۱۷ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝۱۱۷﴾ ''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈالو (کسی ذرا) اپنا عصا' تو دفعتہً وہ (اژدھا بن کر) نگلنے لگا ان سب کو جو وہ گھڑ لائے تھے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا پھینکنا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جادوگروں کے اس جھوٹے طلسم کو نگلنا شروع کر دیا۔

آیت ۱۱۸ ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۸﴾ ''پس حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ باطل ہو کر رہ گیا۔''

آیت ۱۱۹ ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝۱۱۹﴾ ''تو یہ (جادوگر) اُسی وقت مغلوب ہو گئے اور وہ (فرعون اور اس کے سردار) ذلیل ہو کر رہ گئے۔''

یعنی فرعون کے بلائے ہوئے بڑے بڑے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مغلوب ہو گئے اور نتیجتاً فرعون اور اُس کی قوم کے سردار ذلیل ہو کر رہ گئے۔

آیت ۱۲۰ ﴿وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔''

یعنی ایسے لگا جیسے جادوگروں کو کسی نے سجدے میں گرا دیا ہو۔ ان پر یہ کیفیت حق کے منکشف ہو جانے کے بعد طاری ہوئی۔ یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی کہ جب کسی باضمیر انسان کے سامنے حق کو مان لینے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ (option) رہ ہی نہیں جاتا۔

آیت ۱۲۱ ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''وہ (فوراً) پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے تمام جہانوں کے رب پر۔''

آیت ۱۲۲ ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔''

مقامِ فکر ہے کہ جادوگر مغلوب ہوئے تو فوراً ایمان کیوں لے آئے اور وہ بھی انتہائی پختہ یقین اور استقامت والا ایمان! کہاں ان کی وہ کیفیت کہ وہ فرعون سے انعام کی بھیک مانگ رہے تھے اور کہاں ان کا یہ جذبہ کہ انہوں نے اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے نتائج سے بے پروا ہو کر ڈنکے کی چوٹ پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ جادوگروں کے کردار اور رویے میں اس تبدیلی کی منطقی توجیہہ یہ ہے کہ جو شخص کسی فن کا ماہر ہو وہ اس فن کی استعداد اور اس استعداد کی حدود (limitations) کے بارے میں بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنے فن کے شعبہ تخصیص (field of specialization) سے متعلقہ چیز کی قدر، اہمیت، معیار وغیرہ کو صحیح پہچان سکتا ہے۔ چنانچہ جادوگر جو اپنے فن کے منجھے ہوئے ماہرین تھے وہ فوراً پہچان گئے تھے کہ ان کے جادو کے مقابلے میں جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا ہے وہ جادو سے ماوراء کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس حقیقت کا ادراک فرعون اور اس کے اُمراء نہ کر سکے وہ بجلی کی ایک کوند (flash) کی مانند آناً فاناً جادوگروں کے دلوں کے تاریک گوشوں کو روشن کر گئی اور اس کے نتیجے میں ان کو ایسا ایمان نصیب ہوا جس کی جرأتِ اظہار اور استقامت نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو پریشان کر دیا۔

آیت ۱۲۳ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ﴾ ''فرعون نے کہا (تمہاری یہ جرأت کہ) تم ایمان لے آئے ہو اس پر اس سے قبل کہ میں تمہیں اجازت دوں!''

﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ ''یہ تمہاری ایک (سوچی سمجھی) سازش ہے جو تم سب نے مل کر چلی ہے شہر کے اندر''

اب فرعون کی جان پر بن گئی کہ اجتماع میں موجود لوگوں پر جادوگروں کی اس شکست کے اثرات کو کیسے زائل کیا جائے اور عوام کو مطمئن کرنے کے لیے کیا حربہ آزمایا جائے؟ چنانچہ اس نے فوراً پینترا بدلا اور بولا مجھے سب پتا چل گیا ہے، یہ موسیٰ بھی دراصل تمہارا ہی ساتھی ہے، بلکہ یہ تمہارا گرو گھنٹال ہے۔ اس کے مقابلے میں تم لوگوں کی یہ ظاہری شکست ایک سازش ہے جس کا جال تم سب نے مل کر ہمارے خلاف بُنا ہے۔

﴿لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ ''تاکہ نکال دو اس (شہر) میں سے اس کے باسیوں کو، تو تمہیں عنقریب پتا چل جائے گا۔''

آیت ۱۲۴ ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ''میں کاٹ ڈالوں گا

تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے اور پھر میں سُولی پر چڑھادوں گا تم سب کو۔''

آیت ۱۲۵ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝۱۲۵﴾ ''انہوں نے کہا (ٹھیک ہے) ہمیں تو اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

جادوگروں پر انکشافِ حق سے حاصل ہونے والی یقین کی پختگی اور گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی اتنی بڑی دھمکی ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لرزش پیدا نہ کر سکی۔ ان کے اس جواب کے ایک ایک لفظ سے ان کے دل کا اطمینان جھلکتا بلکہ چھلکتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔

آیت ۱۲۶ ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ﴾ ''اور تم ہم سے کس بات کا انتقام لے رہے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لے آئے اپنے رب کی آیات پر جب وہ ہمارے پاس آگئیں!''

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝۱۲۶﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات دیجیو مسلم ہی کی حیثیت سے۔''

یعنی ایمان کے راستے میں جو آزمائش آنے والی ہے اس کی سختیوں کو جھیلتے ہوئے کہیں دامنِ صبر ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائے اور ایسا نہ ہو کہ ہم پھر سے کفر کی طرف لوٹ جائیں۔ اے اللہ! ہمیں صبر اور استقامت عطا فرما' اور اگر ہمیں موت آئے تو تیری اطاعت اور فرمانبرداری کی حالت میں آئے۔

اس واقعے کے بعد فرعون نے جادوگروں کے خلاف تو ضرور انتقامی کارروائی کی ہوگی لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام نہ کر سکا۔ چنانچہ اس کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور بنی اسرائیل کو منظم کرنے میں مصروف رہے اور قوم کے بہت سے نوجوان آپؑ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپؑ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپؑ کی اس طرح کی سرگرمیوں سے حکومتی عہدیداروں کے اندر بجا طور پر تشویش پیدا ہوئی اور بالآخر انہوں نے فرعون سے اس بارے میں شکایت کی۔

آیات ۱۲۷ تا ۱۴۱

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝۱۲۷ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۸ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۹ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳۰ فَاِذَا جَاۗءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ
فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ۚ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ
الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ
مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ
لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ۱۲

آیت ۱۲۷ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور کہا قومِ فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھیں گے کہ وہ زمین کے اندر فساد مچائیں''

﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ﴾ ''اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں!''

یعنی یہ لوگ جس نئے نظریے کا پرچار کر رہے ہیں اگر وہ عوام میں مقبول ہوتا گیا اور اس نظریے کی بنیاد پر لوگ منظم ہوتے گئے تو ہمارے خلاف بغاوت پھوٹنے اور ملک میں فساد پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ قومِ فرعون کے بہت سے معبود تھے۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سب سے بڑا اللہ سورج تھا۔ اسی طرح وہ لوگ فرعون کو بھی اپنا خدا مانتے تھے۔ فرعون کی خدائی دراصل سیاسی تھی' اُس کا دعویٰ تھا کہ حکومت اور اقتدار و اختیار (sovereignty) کا میں بلاشرکتِ غیرے مالک ہوں۔ نمرود کی خدائی کا دعویٰ بھی اسی نوعیت کا تھا۔ اس کے علاوہ بھی قومِ فرعون نے پوجا پاٹ کے لیے بہت سے معبود بنا رکھے تھے جن کے چھوٹ جانے کا انہیں اندیشہ تھا۔

﴿قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ﴾ ''اُس نے کہا: ہم عنقریب قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیں گے ان کی بیٹیوں کو۔''

یہ آزمائش بنی اسرائیل پر ایک دفعہ اس سے پہلے بھی آ چکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل جو فرعون برسرِ اقتدار تھا اُس نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر میں اس کے نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچے کی پیدائش ہونے والی

ہے جو بڑا ہو کر آپ کی حکومت کو ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس خدشے کے پیشِ نظر فرعون نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ اب تقریباً چالیس' پینتالیس سال بعد اس کے جانشین فرعون کو اس خوفناک قانون کو دوبارہ نافذ کرنے کا خیال آ گیا جب اس کے سرداروں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ ہم جسے محض ایک مشتِ غبار سمجھ رہے ہیں وہ بڑھتے بڑھتے کہیں طوفان ہی نہ بن جائے اور یہ کہ اگر اس شخص (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے واقعی اپنی قوم کو ہمارے خلاف ایک تحریک کی شکل میں منظم کر لیا تو پھر ان کو دبانا ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ "nip the evil in the bud" کے اصول کے تحت حضرت موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے' لیکن فرعون کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے محبت ڈال رکھی تھی۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی وضاحت کی جا چکی ہے' اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کا سا رشتہ تھا' جس کی وجہ سے اس کے دل میں ابھی تک آپؑ کے لیے طبعی محبت موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپؑ کو قتل کرنے کے بجائے اس نے بنی اسرائیل کو دبانے کے لیے اپنے باپ کے زمانے کا پرانا حکم پھر سے نافذ کرانے کا عندیہ دے دیا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کرتے رہیں گے تاکہ موسیٰؑ کو اپنی قوم سے افرادی قوت مہیا نہ ہو سکے۔

﴿وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ ''اور یقیناً ہم ان پر پوری طرح غالب ہیں۔''

گویا اب درباریوں اور اُمراء کا حوصلہ بڑھانے کے انداز میں کہا جا رہا ہے کہ تم کیوں گھبراتے ہو' ہم پوری طرح ان پر چھائے ہوئے ہیں' یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

آیت ۱۲۸ ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ ''موسیٰؑ نے اپنی قوم (اہلِ ایمان) سے کہا کہ اب تم لوگ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو!''

﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''یقیناً یہ زمین اللہ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے' لیکن عاقبت (آخرت) تو تقویٰ والوں کے لیے ہی ہے۔''

یعنی اتنی بڑی آزمائش میں ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ سے مدد کی دعا کرتے رہو اور صبر کا دامن تھامے رکھو۔ انجام کار کی کامیابی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والوں کا مقدر ہے۔

آیت ۱۲۹ ﴿قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ﴾ ''وہ کہنے لگے: (اے موسیٰؑ!) ہمیں تو ایذا پہنچی آپؑ کے آنے سے قبل بھی اور آپؑ کے آنے کے بعد بھی۔''

ان الفاظ سے اس مظلوم قوم کی بے بسی اور بے چارگی ٹپک رہی ہے' کہ پہلے بھی ہمارا یہی حال تھا کہ ہم بدترین ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے' اور اب آپؑ کے آنے کے بعد بھی ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکی۔

﴿قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: (گھبراؤ نہیں!) ہو سکتا ہے عنقریب اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں خلافت عطا کر دے زمین میں' پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!''

یہ آیت مسلمانانِ پاکستان کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے۔ برعظیم پاک و ہند کے مسلمان بھی غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں

نے سوچا کہ متحدہ ہندوستان اگر ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہوا تو کثرتِ آبادی کی وجہ سے ہندو ہمیشہ ہم پر غالب رہیں گے کیونکہ جدید دنیا کا سیاسی نظام ''one man one vote'' کے جمہوری اصول کے تحت چلتا ہے۔ اس طرح ہندو ہمارے دین و مذہب' تہذیب وتمدن' سیاست ومعیشت اور زبان ومعاشرت سمیت ہر چیز کو برباد کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک الگ آزاد وطن حاصل کرنے کے لیے تحریک چلائی۔ اس تحریک کا نعرہ یہی تھا کہ مسلمان قوم کو اپنے دین و مذہب' ثقافت' معاشرت وغیرہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ایک الگ وطن کی ضرورت ہے۔ اس تحریک میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی دی اور انہیں ایک آزاد خودمختار ملک کا مالک بنا دیا۔ ابھی اس حوالے سے اس آیت کا دوبارہ مطالعہ کیجیے اور اس کے بین السطور میں مسلمانانِ پاکستان کے لیے جو پیغام ہے اسے سمجھنے کی کوشش کیجیے: ﴿وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝﴾ کہ وہ تمہیں زمین میں طاقت اور اقتدار عطا کرے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم لوگ کیسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو! اس ملک میں اللہ کی حکومت قائم کر کے دین کو غالب کرتے ہو یا اپنی مرضی کی حکومت قائم کر کے اپنی خواہشات کے مطابق نظام چلاتے ہو۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝١٣٠﴾ ''اور ہم نے پکڑا آلِ فرعون کو لگاتار قحط سالی اور فصلوں کی تباہی سے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

یہ وہی قانون ہے جس کا ذکر اسی سورت کی آیت ۹۴ میں ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ خوابِ غفلت سے جاگیں اور دعوتِ حق کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آلِ فرعون کی طرف مبعوث ہوئے اور آپؑ نے اپنی دعوت شروع کی تو اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجنے شروع کیے تاکہ وہ ہوش میں آجائیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۚ﴾ ''تو جب بھی حالات بہتر ہو جاتے تو وہ لوگ کہتے یہ ہمارے لیے ہے۔''

﴿وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ ۗ﴾ ''اور جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو اسے وہ نحوست سمجھتے موسیٰؑ اور آپؑ کے ساتھیوں کی۔''

﴿أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝١٣١﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ ان کی شومئ قسمت اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔''

جب ان کے حالات قدرے بہتر ہوتے یعنی فصلیں وغیرہ ٹھیک ہو جاتیں' خوشحالی آتی اور ان کو آسائش حاصل ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ ہماری محنت' منصوبہ بندی اور کوشش کا نتیجہ ہے' یہ ہمارا استحقاق ہے۔ اور جب ان کو فصلوں وغیرہ میں نقصان ہوتا یا کسی اور قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ اس سب کچھ کی ذمہ داری حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں پر ڈال دیتے کہ ہماری تمام مشکلات ان لوگوں کی نحوست کی وجہ سے ہیں۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝١٣٢﴾ ''اور وہ کہتے کہ (اے موسیٰ!) تم ہمارے اوپر خواہ کوئی بھی نشانی لے آؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو' مگر ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

وہ تحدی کے انداز میں کہتے کہ اے موسیٰ! یہ جو تم اپنے جادو کے زور سے ہم پر مصیبتیں لا رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے جادو کے زیر اثر اپنے عقائد سے برگشتہ ہو جائیں گے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں!

آیت ۱۳۳ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ﴾ ''پھر ہم نے بھیجے ان کے اوپر طوفان اور ٹڈی دل اور چیچڑیاں اور مینڈک اور خون''

ان پر طوفانِ بادوباراں آتے' ٹڈی دل ان کی فصلوں کو چٹ کر جاتی' چیچڑیاں' جوئیں' کھٹمل اور پسو مسلسل انہیں تنگ کرتے' ان کے اناج میں کثرت سے سُرسُریاں پڑ جاتیں۔ مینڈک ان کے گھروں' بستروں اور برتنوں وغیرہ میں ہر جگہ دندناتے پھرتے۔ وقتاً فوقتاً ان پر خون کی بارش ہوتی اور کھانے پینے کی چیزوں میں بھی خون کی آمیزش ہو جاتی۔

﴿اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ ''(ہم نے بھیجیں یہ) نشانیاں وقفے وقفے سے''

یہ ساری مصیبتیں اور آزمائشیں یکبارگی ان پر مسلط نہیں ہو گئی تھیں' بلکہ وقفے وقفے سے یکے بعد دیگرے آتی رہیں' کہ شاید کسی وقت عاجز آ کر وہ راہِ راست پر آ جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر لیں۔

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ ''(اس کے باوجود) وہ تکبر پر اڑے رہے اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔''

اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ان کی یہ اکڑ ختم ہو گئی تھی اور مشکلات کے خاتمے کے لیے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کرنے پر بھی تیار ہو گئے تھے۔

آیت ۱۳۴ ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ ''اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تھا تو وہ کہتے: اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو اُس عہد کے واسطہ سے جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے۔''

﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ﴾ ''اگر تم نے ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیا تو ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے''

آمَنَ کے ساتھ جب ''ل'' کا صلہ آتا ہے (جیسے لَكَ) تو یہ فعل عقیدے والے ''ایمان'' کے بجائے کسی بات کو سرسری انداز میں ماننے کے معنی دیتا ہے۔ لہٰذا ''لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ'' کا مطلب ہے کہ ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے۔ لیکن اس فعل کے ساتھ جب ''ب'' کا صلہ آئے' جیسا کہ ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ'' میں ہے تو اس کے معنی پورے وثوق' یقین اور گہرے اعتماد کے ساتھ ماننے یعنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں۔

﴿وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اور ہم بنی اسرائیل کو بھی لازماً تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔''

اس زمانے میں مصر کے اندر بنی اسرائیل کی حیثیت حکمران خاندان کے غلاموں کی سی تھی۔ فراعنہ ان سے مشکل اور بھاری کام بیگار میں کرواتے تھے۔ اہرامِ مصر کی تعمیر کے دوران ہزاروں اسرائیلی بے رحم مشقت کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ان کی ہڈیاں اہرامِ مصر کی بنیادوں میں دفن ہو گئیں۔ اہراموں کی تعمیر کے لیے سینکڑوں مَن وزنی چٹانوں کو دھکیلتے اور کھینچتے ہوئے اوپر چڑھایا جاتا تھا۔ اس دوران اگر کوئی چٹان گر جاتی تو اس کے نیچے سینکڑوں اسرائیلی پس جاتے۔ چونکہ وہ لوگ فرعون کے مفت کے کارندے تھے لہٰذا ان کو آسانی سے چھوڑنے والا نہیں تھا۔ لیکن ان آیات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ یکے بعد دیگرے آنے والے عذاب سہہ سہہ کر فرعون اور اُس کے اُمراء کا غرور و تکبر کچھ کم ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ لوگ زیادہ عاجز آ جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی

کرتے تھے کہ اگر یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم آپؑ کی بات مان لیں گے اور آپؑ کی قوم کو آزاد کر کے آپؑ کے ساتھ بھیج دیں گے۔

آیت ۱۳۵ ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿١٣٥﴾﴾ ''لیکن جب ہم ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتے تھے ایک خاص مدت کے لیے کہ جس تک وہ پہنچنے والے ہوتے تو وہ دفعۃً عہد توڑ دیتے تھے۔''

آیت ۱۳۶ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾﴾ ''پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا' اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان (آیات) سے تغافل برتتے رہے۔''

آیت ۱۳۷ ﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ﴾ ''اور جن لوگوں کو دبا لیا گیا تھا (اب) ہم نے انہیں وارث بنا دیا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس کو ہم نے بابرکت بنایا تھا۔''

یہاں پر مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا کی ترکیب کی خاص ادبی (literary) اہمیت ہے جو فقرے میں ایک خوبصورت rhythm پیدا کر رہی ہے۔ اس آیت کا سادہ مفہوم یہی ہے کہ بنی اسرائیل جو مصر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کو وہاں سے اٹھا کر پورے فلسطین کا وارث بنا دیا۔ ارضِ فلسطین کی خصوصی برکت کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ کے الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ سرزمین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سینکڑوں انبیاء علیہم السلام کے مسکن و مدفن کی حیثیت سے بھی متبرک ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک امتیازی نوعیت کی زرخیزی سے نوازا ہے۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۛ بِمَا صَبَرُوا ۖ﴾ ''اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا اس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے۔''

ان میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے انہوں نے واقعتاً سخت ترین آزمائشوں پر صبر کیا اور ثابت قدمی دکھائی اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا۔

﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿١٣٧﴾﴾ ''اور ہم نے تباہ و برباد کر ڈالا وہ سب کچھ جو فرعون اور اُس کی قوم کے لوگ (اونچے محلات) بناتے تھے اور (باغات میں انگور کی بیلوں وغیرہ کے لیے چھتریاں) چڑھاتے تھے۔''

یعنی فرعون اور اس کی قوم کی ساری تعمیرات اور ان کے سارے باغات وغیرہ ملیامیٹ کر دیے گئے۔

اب اگلی آیات میں بنی اسرائیل کے مصر سے صحرائے سینا تک کے سفر کا تذکرہ ہے۔ ان واقعات کا ذکر مدنی سورتوں میں بھی متعدد بار آیا ہے۔ Old Testament کی کتاب الخروج (Exodus) میں بھی اس سفر کی کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ﴾ ''اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے''

بنی اسرائیل خلیج سویز کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے تھے۔

﴿فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ﴾ ''تو ان کا گزر ہوا ایک ایسی قوم پر جو اعتکاف کر رہی تھی اپنے بُتوں کا۔''

بُتوں کا اعتکاف کرنے سے مراد بُتوں کے سامنے پوری توجہ اور یکسوئی سے بیٹھنا ہے جو بُت پرستوں کا طریقہ ہے۔ بُت پرستی کے اس فلسفے پر ڈاکٹر رادھا کرشنن (۱۸۸۸ء تا ۱۹۷۵ء) نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن انیس سو ساٹھ کی دہائی میں ہندوستان کے صدر بھی رہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعے ہندوستان کے قدیم فلسفے کو زندہ کیا۔ وہ برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ء تا ۱۹۷۰ء) کے ہم عصر تھے۔ یہ دونوں اپنے زمانے میں چوٹی کے فلسفی مانے جاتے تھے۔ برٹرینڈ رسل ملحد تھا جبکہ ڈاکٹر رادھا کرشنن مذہبی تھے۔ اتفاق سے ان دونوں نے کم وبیش ۹۰ سال کی عمر پائی۔ بُت پرستی کے بارے میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کے فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم دیوی دیوتاؤں کے بُتوں کو اپنے نفع یا نقصان کا مالک نہیں سمجھتے' بلکہ ہمارا اصل مقصد ایک مجسم چیز کے ذریعے سے توجہ مرکوز کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ تصوراتی انداز میں ان دیوتاؤں کے بارے میں مراقبہ کرنا اور پوری توجہ کے ساتھ ان کی طرف دھیان کرنا بہت مشکل ہے' جبکہ مجسمہ یا تصویر سامنے رکھ کر توجہ مرکوز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی انسانی کمزوری کو علامہ اقبال نے اپنی نظم ''شکوہ'' میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر ماننا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر!

بہرحال بنی اسرائیل نے اس بُت پرست قوم کو اپنے بُتوں کی عبادت میں مشغول پایا تو ان کا جی بھی مصنوعی خداؤں کی پوجا پاٹ کے لیے للچانے لگا۔

﴿قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دو جیسے اُن کے معبود ہیں۔''

مذکورہ بُت پرست قوم سے ترغیب پا کر بنی اسرائیل کا بھی جی چاہا کہ ان کے لیے بھی کوئی اس طرح کا معبود ہونا چاہیے جس کو سامنے رکھ کر وہ اس کی پوجا کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سخت ڈانٹ پلائی:

﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸﴾ ''آپؑ نے فرمایا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو!''

تم بڑی نادانی اور جہالت کی بات کر رہے ہو۔

آیت ۱۳۹ ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۹﴾ ''یہ لوگ جس چیز میں پڑے ہیں وہ سب کچھ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ سب باطل ہے۔''

آیت ۱۴۰ ﴿قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۴۰﴾ ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں' جب کہ اُس نے تمہیں فضیلت دی ہے تمام جہان والوں پر!''

آیت ۱۴۱ ﴿وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے' جو تمہیں مبتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں۔''

﴿یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۝۱۴۱﴾ ''وہ قتل کر ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری بیٹیوں کو' اور یقیناً اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

تقریباً یہی الفاظ سورۃ البقرۃ (آیت ۴۹) میں بھی گزر چکے ہیں۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۴۷

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ
مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَمَّا جَآءَ
مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ
اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ
مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ
يٰمُوْسٰۤى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا
بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ
الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا
سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

آیت ۱۴۲ ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾ ''اور ہم نے بلایا موسیٰؑ کو تیس راتوں کے لیے''

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے کوہِ سینا (طور) پر طلب کیا۔ عام طور پر اس طرح کہنے سے دن رات ہی مراد ہوتے ہیں، لیکن عربی محاورہ میں رات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

﴿وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ﴾ ''اور مکمل کر دیا ہم نے اس مدت کو دس (مزید راتوں) سے، تو مدت پوری ہوگئی اُس کے ربّ کی چالیس راتوں کی۔''

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر ''چلّہ'' مکمل کیا، جس کے دوران آپ نے لگاتار روزے بھی رکھے۔ ہمارے ہاں صوفیاء نے چلّہ کاٹنے کا تصور غالباً یہیں سے لیا ہے۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''اور (جاتے ہوئے) کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہ میری قوم کے اندر میری نیابت کے فرائض ادا کرنا، اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔''

آیت ۱۴۳ ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ﴾ ''اور جب موسیٰؑ پہنچے ہمارے وقتِ مقررہ پر اور ان سے کلام کیا ان کے ربّ نے''

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ ''انہوں نے درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے''

﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ﴾ ''لیکن ذرا اُس پہاڑ کو دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہ جائے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔''

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ ''تو جب اُس کے ربّ نے اپنی تجلّی ڈالی پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ''

جَلَا یَجْلُو جَلَاءً کے معنی ہیں ظاہر کرنا' روشن کرنا۔ اس سے ''تجلّی'' باب تفعّل ہے' یعنی کسی چیز کا خود روشن ہو جانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلّی تھی جو پہاڑ پر ڈالی گئی جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

﴿وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾ ''اور موسیٰ گر پڑے بے ہوش ہو کر''

تجلّی باری تعالیٰ کے اس بالواسطہ مشاہدے کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔ پہاڑ پر تجلّی کا پڑنا تھا کہ آپؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾﴾ ''پھر جب آپؑ کو افاقہ ہوا تو کہا کہ (اے اللہ!) تُو پاک ہے' مَیں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور مَیں ہوں پہلا ایمان لانے والا!''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سوال کی جسارت پر توبہ کی اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں تجھے دیکھے بغیر سب سے پہلے تجھ پر ایمان لانے والا ہوں۔

﴿قَالَ یٰمُوْسٰٓى اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ ۫﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: اے موسیٰؑ مَیں نے تمہیں منتخب کیا ہے لوگوں پر (ترجیح دے کر) اپنی پیغمبری اور اپنی ہم کلامی کے لیے۔''

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتیازی مقام تھا' جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾﴾۔

﴿فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ ''تو لے لو جو مَیں تمہیں دے رہا ہوں اور ہو جاؤ شکر کرنے والوں میں۔''

یعنی یہ الواح جو ہم آپؑ کو دے رہے ہیں انہیں لے لو اور ان میں جو احکام لکھے ہوئے ہیں ان کا حق ادا کرو۔

﴿وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے لکھ دی اُس کے لیے تختیوں پر ہر طرح کی نصیحت اور ہر طرح (کے احکام) کی تفصیل۔''

یعنی شریعت کے تمام بنیادی احکام ان الواح میں درج کر دیے گئے تھے۔ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے بنیادی احکام شاہراہِ حیات پر انسان کے لیے گویا خطرے سے بچنے کے اشارات (danger signals) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے کسی پُر پیچ پہاڑی سڑک پر سفر کو محفوظ بنانے کے لیے جگہ جگہ danger cautions نصب کیے جاتے ہیں اسی طرح انسانی تمدن کے پیچیدہ راستوں پر آسمانی شریعت اپنے احکامات کے cautions نصب کر کے انسانی تگ و دو کے لیے ایک محفوظ دائرہ فراہم کر دیتی ہے جس کے اندر انسان اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے' اپنی عقل کو بروئے کار لا کر اپنی مرضی اور پسند ناپسند کے مطابق زندگی گزارے۔ اس دائرے کے باہر ''محرمات'' ہوتے ہیں جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے کہ ان کے قریب بھی مت جانا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ﴾ ''تو (اے موسیٰ علیہ السلام) اس کو تھام لو مضبوطی کے ساتھ اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ وہ اس کو پکڑیں اس کی بہترین صورت پر۔''

ظاہر ہے کسی بھی حکم پر عمل درآمد کے لیے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ یہ عمل درآمد ادنیٰ درجے میں بھی ہو سکتا ہے' اوسط درجے میں بھی اور اعلیٰ درجے میں بھی۔ لہٰذا اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ اپنی قوم کو ترغیب دیں کہ وہ احکامِ شریعت پر عمل کرتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں۔ یہی نکتہ قرآن مجید میں ہم مسلمانوں کو بھی بتایا گیا: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ﴾ (الزمر:۱۸) یعنی وہ لوگ کلام اللہ کو سنتے ہیں پھر جو اس کی بہترین بات ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اس مضمون کو یوں سمجھیں کہ بعض اوقات انسان کسی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں ڈھیل اور رعایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اپنے ایسے رویے کے تحت وہ اپنے کسی دائرہ عمل کے اندر کوئی امتیازی پوزیشن حاصل کرنے کی خواہش رکھنے کے بجائے محض ادنیٰ درجے کی کامیابی پر ہی قناعت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن دینی امور کے معاملے میں انسان کا ایسا طرزِ عمل درست نہیں۔ دینی امور میں عمل کا اچھے سے اچھا اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار قائم کرنے کی کوشش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم سورۃ المائدۃ میں بھی پڑھ آئے ہیں: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں' پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجۂ احسان پر فائز ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے''۔ دُنیوی اُمور میں تو ہر شخص ع ''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!'' کے نظریے کا حامل نظر آتا ہی ہے' لیکن دین کے سلسلے میں بھی ہر مسلمان کی کوشش ہونی چاہیے کہ اس کا آج اس کے کل سے بہتر ہو۔ یعنی دینی امور میں انسان ترقی کے لیے حتی الامکان ہر گھڑی کوشاں رہے۔

﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''عنقریب مَیں تمہیں گھر دکھاؤں گا (جس پر اس وقت قبضہ ہے) فاسقوں کا۔''

اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جس پر حملہ آور ہونے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والا تھا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ مصر سے نکلنے کے بعد خلیج سویز کو عبور کر کے صحرائے سینا میں داخل ہوا تو خلیج سویز کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا' یہاں تک کہ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی کونے میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کوہِ طور واقع ہے۔ یہاں پر اس قافلے کا طویل عرصے تک قیام رہا۔ یہیں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر طلب کیا گیا اور جب آپؑ تورات لے کر واپس آئے تو آپؑ کو فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم ملا۔ چنانچہ یہاں سے یہ قافلہ خلیج عقبہ کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ بنی اسرائیل سات آٹھ سو سال قبل حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر فلسطین چھوڑ کر مصر میں آ بسے تھے۔ اب فلسطین میں وہ مشرک اور فاسق قوم قابض تھی جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ بہت زور آور لوگ ہیں۔ چنانچہ جب ان کو حکم ملا کہ جا کر اس قوم سے جہاد کرو تو انہوں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی کہ ایسے طاقتور لوگوں سے جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہیں: ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۡ﴾ (المائدۃ: ۲۲) اس واقعے کی تفصیل سورۃ المائدۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسی مہم کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں عنقریب تم لوگوں کو اس سرزمین کی طرف لے جاؤں گا جو تمہارا اصل وطن ہے لیکن ابھی اس پر فاسقوں کا قبضہ ہے۔ ان نافرمان لوگوں کے ساتھ جنگ کر کے تم نے اپنے وطن کو آزاد کرانا ہے۔

آیت ۱۴۶ ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ''مَیں پھیر دوں گا اپنی آیات سے ان

لوگوں (کے رُخ) کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔''

یہاں ایک اصول بیان فرما دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر تکبر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ خود ان کا رخ اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سمجھ ہی نہیں سکتے' ان پر غور کر ہی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ)) (۴) یعنی تکبر میری چادر ہے' اگر کوئی انسان تکبر کرتا ہے تو وہ گویا میری چادر میرے شانے سے گھسیٹ رہا ہے' لہٰذا ایسے ہر انسان کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ)) (۵) ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہے''۔ چنانچہ آیت زیر نظر کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر تکبر ہے ہم خود انہیں اپنی آیات سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم اس لائق ہی نہیں سمجھتے کہ وہ ہماری آیات کو دیکھیں اور سمجھیں۔ ایسے مغرور لوگوں کو ہم سیدھی راہ کی طرف توجہ مرکوز کرنے ہی نہیں دیتے۔

﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ ''اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ساری نشانیاں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

﴿وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا﴾ ''اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ہدایت کا راستہ تب بھی اس راستے کو اختیار نہیں کریں گے۔''

﴿وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ﴾ ''اور اگر وہ دیکھیں بُرائی کا راستہ تو اسے وہ (فوراً) اختیار کر لیں گے۔''

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۳۶﴾ ''یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تغافل برتتے رہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ﴾ ''اور جو لوگ بھی جھٹلائیں گے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو' اُن کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔''

ایسے لوگ اپنے تئیں بڑی بڑی نیکیاں کما رہے ہوں گے' مگر اللہ کے ہاں ان کی اِن نیکیوں کا کوئی صلہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قریشِ مکہ خود کو ''خادمینِ کعبہ'' سمجھتے تھے' وہ کعبہ کی صفائی اور ستھرائی کا خصوصی اہتمام کرتے' حاجیوں کی خدمت کرتے' ان کے لیے دودھ اور پانی کی سبیلیں لگاتے' مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر ایمان لائے بغیر ان کے ان سارے اعمال کی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔

﴿هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۷﴾ ''اور اُن کو نہیں دیا جائے گا بدلے میں مگر وہی کچھ جو وہ کرتے رہے تھے۔''

۴۔ سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب ماجاء فی الکبر۔

۵۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم الکبر وبیانہ۔ وسنن الترمذی' کتاب البر والصلۃ' باب ماجاء فی الکبر' واللفظ لہ۔

آیات ۱۴۸ تا ۱۵۳

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۪ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۫ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۱۸

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ۖ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

آیت ۱۴۸ ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ﴾ ”اور بنالیا موسیٰؑ کی قوم نے آپؑ کے بعد اپنے زیورات سے بچھڑے کا سا ایک جسم جس سے گائے کی سی آواز آتی تھی۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چلے گئے تو آپؑ کی قوم کے ایک فرد نے یہ فتنہ اٹھایا۔ اس شخص کا نام سامری تھا۔ اس نے سونے کا ایک مجسمہ بنانے کا منصوبہ بنایا اور اس غرض سے اس نے سب لوگوں سے زیورات اکٹھے کر لیے۔ روایات کے مطابق یہ زیورات زیادہ تر مصر کے مقامی لوگوں (قبطیوں) کے تھے جو انہوں نے بنی اسرائیل کے لوگوں کے پاس امانتاً رکھوائے ہوئے تھے۔ فرعونیوں کے ہاتھوں اپنی تمام تر ذلت وخواری کے باوجود معاشرے میں بنی اسرائیل کی اخلاقی ساکھ ابھی تک کسی نہ کسی سطح پر اس وجہ سے قائم تھی کہ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے مقامی لوگ اپنی قیمتی چیزیں ان کے ہاں بطور امانت رکھ دیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو اُس وقت بھی ان کی اکثریت کے پاس قبطیوں کے بہت سے زیورات امانتوں کے طور پر موجود تھے‘ جو وہ ان کے مالکوں کو واپس کرنے کی بجائے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ سامری نے ایک منصوبے کے تحت سارے قافلے سے وہ زیورات اکٹھے کیے۔ باقاعدہ ایک بھٹی بنا کر ان زیورات کو گلایا اور ایک ماہر کاریگر کی طرح بچھڑے کی شکل اور جسامت کا ایک مجسمہ تیار کر دیا۔ اس نے اس مجسمے میں کچھ ایسے سوراخ رکھے جن میں سے ہوا گزرتی تو گائے کے ڈکارنے جیسی آواز سنائی دیتی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد سامری نے اعلان کر دیا کہ یہ بچھڑا تم لوگوں کا خدا ہے اور موسیٰؑ کو دراصل مغالطہ ہو گیا ہے جو وہ خدا سے ملنے کوہِ طور پر چلے گئے ہیں۔

اس معاملے کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام محبت اور جذبہ اشتیاق میں وقتِ مقررہ سے پہلے ہی کوہِ طور پر چلے گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کی جواب طلبی بھی ہوئی‘ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے: ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ

قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ ''اے موسیٰ! تم اپنی قوم کو چھوڑ کر قبل از وقت کیوں آ گئے ہو؟'' اس پر آپؑ نے جواب دیا: ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ کہ پروردگار! میں تو تیری محبت اور تجھ سے گفتگو کرنے کے شوق میں اس لیے جلدی آیا تھا کہ تو اس سے خوش ہوگا۔ گویا آپؑ تو فرطِ اشتیاق میں شاباش کی توقع رکھتے تھے۔ لیکن وہاں ڈانٹ پڑ گئی: ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو (آپؑ کی اس عجلت کی وجہ سے) آپؑ کے بعد ہم نے آپؑ کی قوم کو فتنے میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے''۔ گویا خیر اور بھلائی کے معاملے میں بھی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے اور ہر کام قاعدے کلیے کے مطابق ہی کرنا چاہیے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے: ''سمجھ پکے سو میٹھا ہو!''

﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ نہ وہ اُن سے کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ انہیں راستہ بتا سکتا ہے!''

اگرچہ اس مجسمے سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ کوئی بامعنی بات کرنے کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی کسی انداز میں وہ ان کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود:

﴿اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ''اسی کو وہ (معبود) بنا بیٹھے اور وہ تھے بہت ظالم!''

بنی اسرائیل نے اسی بچھڑے کو اپنا معبود مان کر اس کی پرستش شروع کر دی اور اس طرح شرک جیسے ظلم عظیم کے مرتکب ہوئے۔ یعنی وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔

﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ﴾ ''اور جب اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے (ان کو پچھتاوا ہوا) اور انہیں احساس ہوا کہ وہ تو گمراہ ہو گئے ہیں''

﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے ربّ نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمیں بخش نہ دیا تو ہم ہو جائیں گے بہت خسارہ پانے والوں میں سے۔''

اس معاملے میں وہ لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ قوم کا ایک بڑا حصہ وہ تھا جو اس گناہ میں بالکل شریک نہیں ہوا۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو کچھ دیر کے لیے اس گناہ میں شریک ہوئے' لیکن فوراً انہیں احساس ہو گیا کہ اُن سے غلطی ہو گئی ہے۔ تیسرا گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک اس شرک پر اَڑا رہا۔ یہاں درمیانی گروہ کے لوگوں کا ذکر ہے کہ غلطی کے بعد وہ نادم ہوئے اور انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ گمراہی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ﴾ ''اور جب موسیٰؑ لوٹے اپنی قوم کی طرف سخت غضبناک ہو کر افسوس میں''

غَضْبَان' رَحْمٰن کی طرح فَعْلان کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی آپؑ اپنی قوم کی اس حرکت پر نہایت غضبناک تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج بھی جلالی تھا اور قوم کے جرم اور گمراہی کی نوعیت بھی بہت شدید تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو کوہِ طور پر ہی بتا دیا تھا کہ آپؑ کی قوم فتنہ میں پڑ چکی ہے۔ لہٰذا آپؑ کا غم و غصہ اور رنج و افسوس بالکل بجا تھا۔

﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: بہت بُری ہے میری نیابت جو تم نے کی ہے میرے بعد۔''

یہ خطاب حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی ہو سکتا ہے اور اپنی پوری قوم سے بھی۔

﴿اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ﴾ ''کیا تم نے اپنے رب کے معاملے میں جلدی کی؟''

یعنی اگر سامری نے فتنہ کھڑا کر ہی دیا تھا تو تم لوگ بغیر سوچے سمجھے اس قدر جلدی اس کے کہنے میں آ گئے؟ کم از کم تم میرے واپس آنے کا ہی انتظار کر لیتے!

﴿وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ﴾ ''اور آپؑ نے وہ تختیاں (ایک طرف) ڈال دیں''

آپؑ کو ہِ طور سے جو تورات کی تختیاں لے کر آئے تھے وہ ابھی تک آپؑ کے ہاتھ میں ہی تھیں' تو آپؑ نے ان تختیوں کو ایک طرف رکھ دیا۔

﴿وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ﴾ ''اور (غصّے میں) اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ میں تمہیں اپنا خلیفہ بنا کر گیا تھا' میرے پیچھے تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے قوم کے لوگوں کو اس بچھڑے کی پوجا کرنے سے روکا کیوں نہیں؟

﴿قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫﴾ ''(ہارون علیہ السلام نے) کہا: اے میرے ماں جائے! حقیقت میں قوم نے مجھے دبا لیا تھا اور وہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے''

میں نے تو ان لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا' لیکن انہوں نے مجھے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اس معاملے میں ان لوگوں نے اس حد تک جسارت کی تھی کہ وہ میری جان کے درپے ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ﴾ ''تو (دیکھیں اب) آپؑ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں''

''شماتتِ اَعداء'' کا محاورہ ہمارے ہاں اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے' یعنی کسی کی توہین اور بے عزّتی پر اس کے دشمنوں کا خوش ہونا اور ہنسنا۔ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب اس طرح میرے بال کھینچ کر آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔

﴿وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰﴾ ''اور مجھے ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجیے۔''

آپ مجھے ان ظالموں کے ساتھ شمار نہ کیجیے۔ میں اس معاملے میں ہرگز ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں تو انہیں اس حرکت سے منع کرتا رہا تھا۔

آیت ۱۵۱ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۫ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱﴾ ''(تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کرتے ہوئے) کہا: اے میرے پروردگار! تُو بخش دے مجھے بھی اور میرے بھائی کو بھی اور ہمیں داخل فرما اپنی رحمت میں' اور تُو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔''

اس دُعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:

آیت ۱۵۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا' عنقریب ان کو پہنچے گا غضب اُن کے رب کی طرف سے اور ذِلّت دنیا کی زندگی میں۔''

''غَضَب'' سے یہاں آخرت کا غضب بھی مراد ہے اور قتلِ مرتد کی وہ سزا بھی جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ میں پڑھ

آئے ہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔''

آیت ۱۵۳ ﴿وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٥٣﴾﴾

''البتہ جن لوگوں نے (کچھ دیر کے لیے) بُرے کام کیے پھر توبہ کر لی اس کے بعد اور ایمان لے آئے' تو یقیناً اس کے بعد آپؑ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

وہ لوگ جن سے اس غلطی کا ارتکاب تو ہوا مگر انہوں نے اس سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کر لی' ایسے تمام لوگوں کا معاملہ اُس اللہ کے سپرد ہے جو بخشنے والا اور انسانوں پر رحم کرنے والا ہے۔ البتہ جو لوگ اُس جرم پر اَڑے رہے ان پر آخرت سے پہلے دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کا غضب مسلط ہوا۔ اس کی تفصیل سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ کے تحت گزر چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلہ کے مؤمنین مخلصین کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کے ان مجرمین کو قتل کر دیں جنہوں نے گوسالہ پرستی کا ارتکاب کیا۔ ان میں سے صرف وہ لوگ قتل سے بچے جنہوں نے توبہ کر لی تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے سورۃ المائدۃ میں آیاتِ محاربہ (آیات ۳۳ اور ۳۴) میں ہم نے پڑھا کہ اگر ڈاکو' راہزن وغیرہ ملک میں فساد مچا رہے ہوں' لیکن متعلقہ حکام کے قابو میں آنے سے پہلے وہ توبہ کر لیں تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ ہو سکتا ہے بلکہ انہیں معاف بھی کیا جا سکتا ہے' لیکن اگر انہیں اسی بغاوت کی کیفیت میں گرفتار کر لیا جائے تو پھر ان کی سزا بہت سخت ہے۔

آیات ۱۵۴ تا ۱۵۷

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾ ع

آیت ۱۵۴ ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴾ ''اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا تو انہوں نے وہ تختیاں اٹھالیں' اور اس کی تحریر میں تھی رحمت اور ہدایت ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

آیت ۱۵۵ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ﴾ ''اور انتخاب کیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر افراد کا ہمارے وقتِ مقررہ کے لیے۔''

بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو آخری وقت تک اس مشرکانہ فعل پر قائم رہے انہیں قتل کر دیا گیا۔ اب اس تطہیر (purge) کے بعد اجتماعی توبہ کا مرحلہ تھا' جس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کے ستر (۷۰) سرکردہ افراد کو ساتھ لے کر کوہِ طور پر حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔

﴿فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ ''پھر جب انہیں آ پکڑا زلزلے نے''

کوہِ طور پر یا اس کے مضافات میں ان لوگوں کے لیے جسمانی کپکپی یا زمینی زلزلے جیسی خوفناک کیفیت پیدا کر دی گئی۔

﴿قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ﴾ ''(موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کیا: اے پروردگار! اگر تُو چاہتا تو ہلاک کر دیتا پہلے ہی ان سب کو بھی اور مجھے بھی۔''

﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ ''تو کیا تُو ہمیں ہلاک کر دے گا ہم میں سے کچھ بے وقوف لوگوں کی حرکت کی وجہ سے؟''

قوم کے کچھ جاہل لوگوں نے جو حرکت کی تھی انہیں اس کی سزا بھی مل چکی ہے۔ ہم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے کفارہ بھی ادا کر دیا ہے۔ تو کیا ان کی وجہ سے تُو پوری قوم کو ہلاک کر دے گا؟

﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ﴾ ''مگر یہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے' تُو گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴾ ''تُو ہمارا پشت پناہ ہے' پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما' اور یقیناً تمام بخشنے والوں میں تُو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔''

آیت ۱۵۶ ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اور تُو ہمارے لیے اس دُنیا (کی زندگی) میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے یہی الفاظ سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں کو سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اے ہمارے رب! تُو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ﴾ ''ہم تیری جناب میں رجوع کرتے ہیں۔''

یعنی ہم سے جو خطا ہو گئی ہے اس کا اعتراف کرتے ہوئے ہم معافی چاہتے ہیں۔

﴿قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا کہ میں عذاب میں مبتلا کروں گا جس کو چاہوں گا' اور میری رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔''

یعنی میری ایک رحمت تو وہ ہے جو ہر شے کے شاملِ حال ہے' ہر شے پر محیط ہے۔ ہر شے کا وجود اور بقا میری رحمت ہی سے ممکن ہے۔ یہ پوری کائنات اور اس کا تسلسل میری رحمت ہی کا مرہونِ منت ہے۔ میری اس رحمتِ عامہ سے میری تمام مخلوقات حصہ پا رہی ہیں' لیکن جہاں تک میری رحمتِ خاصہ کا تعلق ہے جس کے لیے تم لوگ ابھی سوال کر رہے ہو:

﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''تو اسے میں لکھ دوں گا ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں گے' زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو لوگ ہماری آیات پر پختہ ایمان رکھیں گے۔''

آیت ﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ ''جو اتباع کریں گے رسولِ نبی اُمّی (ﷺ) کا''

یعنی محمد عربی ﷺ کا اتباع کریں گے جن کو آخری رسول بنا کر بھیجا جائے گا۔ حضور ﷺ نے دُنیوی اعتبار سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ ہی آپؐ دُنیوی معیار کے مطابق پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ بھی اُمّی تھے اور جن لوگوں میں آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا وہ بھی اُمّی تھے' کیونکہ اُن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کوئی کتاب تھی نہ کوئی شریعت۔

﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ﴾ ''جسے پائیں گے وہ لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں''

یعنی آخری نبی ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں' آپ ﷺ کے حالات' اور آپ ﷺ کے بارے میں واضح علامات اُن کو تورات اور انجیل دونوں میں ملیں گی۔

﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ﴾ ''وہ انہیں نیکی کا حکم دیں گے' تمام برائیوں سے روکیں گے اور اُن کے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دیں گے''

بنی اسرائیل پر کچھ چیزیں اُن کی شرارتوں کی وجہ سے بھی حرام کر دی گئی تھیں' جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۰) میں ہم پڑھ آئے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ نبی اُمّی ﷺ اُن پر سے ایسی تمام بندشیں اٹھا دیں گے اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کر دیں گے۔

﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''اور حرام کر دیں گے اُن پر ناپاک چیزوں کو' اور اُن سے اتار دیں گے اُن کے بوجھ اور طوق جو اُن (کی گردنوں) پر پڑے ہوں گے۔''

خود ساختہ معاشرتی پابندیاں اور رسومات بھی ایک طرح سے متعلقہ لوگوں کے لیے بوجھ اور طوق ہیں جو معاشرے کے اندر کسی خاص طبقہ کے مفادات یا نمود و نمائش کی خواہش کی وجہ سے رواج پاتی ہیں' بعد میں غریب لوگوں کو انہیں نبھانا پڑتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب ان کی وجہ سے ایک عام آدمی کی زندگی انتہائی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے کی بلند ترین سطح پر بھی بڑی بڑی قباحتیں اور لعنتیں جنم لیتی ہیں جن کے بوجھ تلے عوام الناس بُری طرح پس جاتے ہیں۔ مثلاً بادشاہت کا جبر' جاگیرداری کا استحصالی نظام' سیاسی و معاشی غلامی' رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانیت میں تفریق وغیرہ۔ تو اس آیت میں بشارت دی جا رہی ہے کہ نبی آخر

الزماں ﷺ آئیں گے اور انسانیت کو غلط رسومات' خود ساختہ عقائد اور نظام ہائے باطلہ کے بوجھوں سے نجات دلا کر عدل اور قسط کا نظام قائم کریں گے۔

اس کے بعد حضور ﷺ کے ساتھ تعلق کی شرائط مذکور ہیں جن میں سے ہر شرط پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لیے میرے کتابچے بعنوان: ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ﴾ ''تو جو لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان لائیں گے''

یہ پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے دو بنیادی تقاضے ہیں۔ پہلا تقاضا ہے آپ ﷺ کی اطاعت اور دوسرا تقاضا ہے آپ ﷺ کی محبت۔ ان دونوں تقاضوں کے بارے میں دو احادیث ملاحظہ کیجیے۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ))(۶) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہے جب تک کہ اُس کی خواہش نفس تابع نہ ہو جائے اس چیز کے جو میں (ﷺ) لے کر آیا ہوں''۔ یعنی جو احکام اور شریعت حضور ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں' اگر کوئی شخص ایمان رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اسے اس سب کچھ کو تسلیم کر کے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ دوسری حدیث متفق علیہ ہے اور اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ))(۷) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے باپ' بیٹے اور تمام انسانوں سے''۔ چنانچہ یہ دونوں تقاضے پورے ہوں گے تو آپ ﷺ پر ایمان کا دعویٰ حقیقت بنے گا۔ یعنی غایت درجہ میں آپ ﷺ کا اتباع اور غایت درجے میں آپ ﷺ کی محبت۔

﴿وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾ ''اور آپ (ﷺ) کی تعظیم کریں گے اور آپ (ﷺ) کی مدد کریں گے''

جب مذکورہ بالا دو تقاضے (حضور ﷺ کی محبت اور اطاعت) پورے ہوں گے تو ان کے لازمی نتیجے کے طور پر دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم پیدا ہوگی' اور آپ ﷺ کی عظمت دلوں پر راج کرے گی۔ پھر جب اور جہاں آپ ﷺ کا نام مبارک سنائی دے گا بے ساختہ زبان پر درود و سلام آ جائے گا۔ آپ ﷺ کا فرمان سامنے آنے پر منطق و دلائل کا سہارا چھوڑ کر سرِ تسلیم خم کر دیا جائے گا۔

حضور ﷺ کے ادب و احترام کے سلسلے میں ایک مسلمان کو یہ اصول ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیے کہ کسی معاملے میں حضور ﷺ کا فرمان سن لینے کے بعد اس معاملے میں رائے زنی کرنا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ مثلاً اگر کہیں کسی مسئلے پر بحث ہو رہی ہو' دونوں طرف دلائل کو دلائل کاٹ رہے ہوں اور ایسے میں اگر کوئی کہہ دے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں یوں فرمایا ہے تو حدیث کے سنتے ہی فوراً بحث ختم اور زبانیں بند ہو جانی چاہئیں۔ بعد میں تحقیق کی جا سکتی ہے کہ آپ ﷺ سے منسوب کر کے جو فرمان سنایا گیا

۶۔ الاربعون النووية' ح:۱۵۔ قال النووی: حديث حسن صحيح رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح۔ ومشكاة المصابيح' كتاب الايمان' باب الاعتصام بالكتاب والسنة' الفصل الثاني۔

۷۔ صحيح البخاري' كتاب الايمان' باب حب الرسول من الايمان۔ وصحيح مسلم' كتاب الايمان' باب وجوب محبة رسول الله ﷺ اكثر من الاهل والولد والوالد والناس اجمعين...

ہے درحقیقت وہ حدیث ہے بھی یا نہیں اور اگر حدیث ہے تو روایت و درایت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام ہے۔ حدیث صحیح ہے یا ضعیف.....! حدیث سن کر وقتی طور پر فوراً چپ ہو جانا اور سرِ تسلیم خم کر دینا آپ ﷺ کے ادب کے تقاضوں میں سے ایک اہم اور بنیادی تقاضا ہے۔

جہاں تک حضور ﷺ کی مدد کرنے کے حکم (وَنَصَرُوْهُ) کا تعلق ہے اس ضمن میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ نبی مکرم ﷺ کو کس کام میں مدد درکار ہے؟ کیا آپ ﷺ کو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے مدد چاہیے؟ آپ ﷺ نے اپنی کوئی ذاتی سلطنت اور حکومت تو قائم نہیں کی' جس کے قیام و استحکام کے لیے آپ ﷺ کو مدد کی ضرورت ہوتی۔ آپ ﷺ کی کوئی ذاتی جاگیر یا جائیداد بھی نہیں تھی' جس کو سنبھالنے کے لیے آپ ﷺ کو کسی کی مدد درکار ہوتی۔ دراصل آپ ﷺ کو اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے مدد چاہیے تھی جس کے لیے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے اور وہ تھا غلبۂ حق اور اقامتِ دین کا مشن: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف:۹)۔ دین حق کے غلبے کے لیے کی جانے والی جاں گسل جدوجہد میں آپ ﷺ کو مددگاروں کی ضرورت تھی اور اس کے لیے آپ ﷺ کی طرف سے "مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ؟" کی صلائے عام تھی' کہ مجھے اللہ کا دین غالب کرنا ہے' یہ میرا فرضِ منصبی ہے' کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے اور میرا مددگار بنے؟ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی محنت' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں اور اللہ کی نصرت سے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر کے اپنے اس مشن کی تکمیل کر دی۔ آپ ﷺ کے بعد کچھ عرصہ دین غالب رہا' پھر مغلوب ہو گیا اور آج تک مغلوب ہے۔ آج دنیا میں کہیں بھی دین غالب نہیں ہے۔ لہٰذا اب دین کو ساری دنیا میں غالب کرنا حضور ﷺ کی اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے حوالے سے آپ ﷺ کا مشن آج بھی زندہ ہے' گویا نَصَرُوْهُ کا میدان اب بھی کھلا ہے۔ آج بھی حضور ﷺ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ (الصف: ۱۴) کے قرآنی حکم میں حضور ﷺ کے اسی مشن کی مدد کی طرف اشارہ ہے اور یہ حکم آج بھی ہمیں پکار رہا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ "اور پیروی کریں گے اُس نور کی جو آپ (ﷺ) کے ساتھ نازل کیا جائے گا"

اس جملے میں گویا اس کٹھن مشن کی تکمیل کا راستہ بتایا گیا ہے۔ یعنی دین کے غلبے کی تکمیل قرآن حکیم کے ذریعے سے ہوگی۔ اس حوالے سے تذکیر بالقرآن' تبشیر بالقرآن' تبلیغ بالقرآن' انذار بالقرآن' تعلیم بالقرآن وغیرہ اصطلاحات معروف ہیں۔ جیسے محمد عربی ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے لوگوں کا تزکیہ کیا: ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعۃ: ۲) اسی طرح آج بھی ضرورت ہے کہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو ترغیب دی جائے' قرآن کی تلاوت سے ان کے دلوں کی صفائی کی جائے' قرآن کا پیغام سنا کر انہیں جہالت کے اندھیروں سے ہدایت کے اُجالے کی طرف لایا جائے' قرآن کے نور سے تاریک دلوں کے اندر ایمان کی شمعیں روشن کی جائیں۔ پھر جو لوگ قرآن کے پیغام پر لبیک کہیں انہیں منظم کیا جائے' ان میں منزل کی تڑپ پیدا کر کے اس افرادی قوت کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے قالب میں ڈھالا جائے اور پھر باطل سے ٹکر لے کر اسے پاش پاش کر دیا جائے۔ یہ ہے آپ ﷺ کی مدد کرنے کا صحیح طریقہ' اور یہ ہے اس نور (قرآن) کی پیروی کرنے کا معروف راستہ۔ اور جو لوگ اس راستے پر چلیں گے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ "وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔"

آیات ۱۵۸ تا ۱۶۲

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

اب اگلی آیت کا مطالعہ کرنے سے پہلے دو باتیں اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ ایک یہ کہ گزشتہ آیات کے مضمون کا اس آیت کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ اس ربط کو یوں سمجھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد انباء الرسل کے اس سلسلے کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک لانے میں بہت تفصیل درکار تھی۔ اس تفصیل کو چھوڑ کر اب براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ لوگوں کو بتا دیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام بنی نوعِ انسان کی طرف۔ چنانچہ پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر اور تورات و انجیل میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارتوں کے حوالے سے اس آیت کا سیاق و سباق گویا یوں ہوگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اب آپ علی الاعلان کہہ دیجیے کہ میں ہی وہ رسول ہوں جس کا ذکر تھا تورات اور انجیل میں‘ مجھ پر ہی ایمان لانے کی تاکید ہوئی تھی موسیٰؑ کے پیروکاروں کو‘ میری ہی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے لیے وعدہ ہے اللہ کی خصوصی رحمت کا‘ اور اب میری ہی نصرت اور اطاعت کا حق ادا کرنے والوں کو ضمانت ملے گی ابدی و اُخروی فلاح کی!

دوسری اہم بات یہاں یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ اس سورۃ میں ہم نے اب تک جتنے رسولوں کا تذکرہ پڑھا ہے‘ ان کا خطاب ’’یٰقَوْمِ‘‘ (اے میری قوم کے لوگو!) کے الفاظ سے شروع ہوتا تھا‘ مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امتیازی شان ہے کہ آپؐ کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپؐ کی رسالت آفاقی اور عالمی سطح کی رسالت ہے اور آپؐ پوری بنی نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱ میں ’’عبادتِ رب‘‘ کا حکم جس آفاقی انداز میں دیا گیا ہے اس میں بھی اسی حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ’’اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس ربّ (مالک) کی جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے جتنے لوگ گزرے ہیں (انہیں بھی پیدا کیا) تاکہ تم بچ سکو‘‘۔ اس پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد اب ہم اس آیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

آیت ۱۵۸ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے اے لوگو! مَیں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''

یہ بات مختلف الفاظ اور مختلف انداز میں قرآن حکیم کے پانچ مقامات پر دہرائی گئی ہے کہ محمد عربی ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ ان میں سے سورۂ سبا کی آیت ۲۸ سب سے نمایاں ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''ہم نے نہیں بھیجا ہے (اے محمد ﷺ) آپ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر۔''

﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۡ﴾ ''(اُس اللہ کا) جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔''

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۸﴾ ''تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر جو نبی اُمّی ہے' جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اُس کے سب کلاموں پر' اور اُس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔''

یہ گویا اعلانِ عام ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کہ میری بعثت اُس وعدے کے مطابق ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد زیرِ مطالعہ آیات کا مضمون دراصل اس خطاب کی تمہید ہے جو ہجرت کے بعد یہودِ مدینہ سے ہونے والا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ سورت مکّی دور کے آخر میں نازل ہوئی تھی اور اس کے نزول کے فوراً بعد ہجرت کا حکم آنے کو تھا' جس کے بعد دعوت کے سلسلے میں حضور ﷺ کا مدینہ کے یہودی قبائل سے براہِ راست سابقہ پیش آنے والا تھا۔ مکّی قرآن میں ابھی تک یہود سے براہِ راست خطاب نہیں ہوا تھا' ابھی تک یا تو اہلِ مکّہ مخاطب تھے یا حضور ﷺ' یا پھر آپ ﷺ کی وساطت سے اہلِ ایمان۔ لیکن اب اندازِ بیان میں جو تبدیلی آ رہی ہے اس کا اصل محل ہجرت کے بعد کا ماحول تھا۔

آیت ۱۵۹ ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۹﴾ ''اور موسیٰؑ کی قوم میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی جو حق کی ہدایت دیتے تھے اور حق ہی کے ساتھ عدل و انصاف بھی کرتے تھے۔''

اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل تھی' مگر آپؑ کے پیروکاروں میں حق پرست اور انصاف پسند افراد بھی موجود تھے' جو لوگوں کو حق بات کی تلقین کرتے تھے اور ان کے فیصلے بھی عدل و انصاف پر مبنی ہوتے تھے۔

آیت ۱۶۰ ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ﴾ ''اور ہم نے ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا بارہ قبیلوں کی جماعتوں میں۔''

ان کی نسل حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے چلی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لحاظ سے ان میں ایک مضبوط قبائلی نظام کو قائم رکھا۔ ہر بیٹے کی اولاد سے ایک قبیلہ وجود میں آیا اور یہ الگ الگ بارہ جماعتیں بن گئیں۔

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ﴾ ''اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ کی طرف' جب پانی طلب کیا آپؑ سے آپؑ کی قوم نے' کہ اپنی لاٹھی سے چٹان پر ضرب لگائیے۔''

﴿فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ﴾ ''پس اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ بہے' تو ہر قبیلے نے جان لیا اپنے اپنے گھاٹ کو۔''

مَشْرَب اسمِ ظرف ہے‘ یعنی پانی پینے کی جگہ۔ مطلب یہ کہ ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ معیّن کر لیا تا کہ پانی کی تقسیم میں کسی قسم کا کوئی تنازعہ جنم نہ لے۔

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ﴾ ’’اور ہم نے اُن کے اوپر بادل کا سائبان بنائے رکھا‘ اور اتارا ہم نے اُن پر مَن اور سلویٰ۔‘‘

﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ﴾ ’’(اور اُن سے کہا کہ) کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق میں دی ہیں۔‘‘

﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾﴾ ’’اور انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا‘ بلکہ وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔‘‘

ظاہر ہے سب انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں‘ وہ اللہ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم اس طرح سے ہے:

’’اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّلین بھی اور آخرین بھی‘ انسان بھی اور جن بھی‘ سب کے سب اتنے متقی ہو جائیں جتنا کہ تم میں کوئی بڑے سے بڑا متقی ہو سکتا ہے‘ تب بھی میری سلطنت اور میرے کارخانۂ قدرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا —— اور اگر تمہارے اوّلین و آخرین اور انس و جن سب کے سب ایسے ہو جائیں جیسے کہ تم میں کوئی زیادہ سے زیادہ سرکش و نافرمان ہو سکتا ہے‘ تب بھی میری سلطنت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔‘‘(۸)

آیت ۱۶۱ ﴿وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ ’’اور یاد کرو جب اُن سے کہا گیا تھا کہ آباد ہو جاؤ اِس بستی میں اور اس میں سے کھاؤ (پیو) جہاں سے بھی چاہو‘‘

اس شہر کا نام ’’اریحا‘‘ تھا‘ جو آج بھی جریکو (Jericho) کے نام سے موجود ہے۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں باقاعدہ جنگ کر کے فتح کیا تھا۔

﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ’’اور استغفار کرتے رہو اور شہر کے دروازے میں سر جھکا کر داخل ہونا‘‘

انہیں حکم دیا گیا تھا کہ جب شہر میں داخل ہوں تو ’حِطَّةٌ‘ کا وِرد کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اس لفظ کے معنی استغفار کرنے کے ہیں۔ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں ان کے لیے دوسرا حکم یہ تھا کہ جب تم فاتح کی حیثیت سے شہر کے دروازے سے داخل ہو تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے سجدۂ شکر ادا کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس وقت تکبّر سے تمہاری گردنیں اکڑی ہوئی ہوں۔

﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ ’’ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے‘ اور ہم محسنین کو اور بھی زیادہ عطا کریں گے۔‘‘

اس طرح سے ہم نہ صرف یہ کہ تمہاری خطائیں‘ لغزشیں اور فروگزاشتیں معاف کر دیں گے‘ بلکہ تم میں سے مخلص اور نیک لوگوں کو مزید نوازیں گے‘ ان کے درجات بلند کریں گے اور ان کو اونچے اونچے مراتب عطا کریں گے۔

۸۔ صحیح مسلم‘ کتاب البر والصلة والآداب‘ باب تحریم الظلم۔ راوی: ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

آیت ﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ﴾ ''تو بدل دی اُن لوگوں نے جو اُن میں سے ظالم تھے اس بات کے بجائے جو اُن سے کہی گئی تھی ایک (دوسری) بات''

یعنی ان کو حِطَّةٌ 'حِطَّةٌ کا ورد کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا' جبکہ انہوں نے اس کے بجائی حِنطَةٌ' حِنطَةٌ کہنا شروع کر دیا' جس کا مطلب تھا کہ ہمیں گیہوں چاہیے' ہمیں گیہوں چاہیے!

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴿۱۶۲﴾﴾ ''تو ہم نے بھیج دیا اُن پر ایک عذاب آسمان سے بسبب اس ظلم کے جو وہ اپنے اوپر کرتے تھے۔''

جن لوگوں نے وہ لفظ بدلنے کی حرکت کی تھی ان میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی' جس کی وجہ سے وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

آیات ۱۶۳ تا ۱۷۱

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ
حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا
الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۵﴾
فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ﴿۱۶۶﴾ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ
عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَ اِنَّهٗ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ
بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا
الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ
يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا
فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ
وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ
وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۱﴾ ع ۱۱

آیت ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ﴾ ''اور ان سے ذرا پوچھئے اُس بستی کے بارے میں جو ساحل سمندر پر تھی۔''

اب اصحابِ سبت کے واقعہ کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بستی اس مقام پر واقع تھی جہاں آج کل ''ایلات'' کی بندرگاہ ہے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مصر نے اسی بندرگاہ کا گھیراؤ کیا تھا' جس کے خلاف اسرائیل نے شدید ردِّعمل کا اظہار کرتے ہوئے مصر' شام اور اردن پر حملہ کر کے مصر سے جزیرہ نمائے سینا' شام سے جولان کی پہاڑیاں اور اردن سے پورا مغربی کنارہ' جو فلسطین کا زرخیز ترین علاقہ ہے' ہتھیا لیا تھا۔ بہرحال مچھیروں کی وہ بستی ایلات کی اس بندرگاہ کے علاقے میں آباد تھی جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔

﴿اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ﴾ ''جب کہ وہ سبت کے قانون میں حد سے تجاوز کرنے لگے''

﴿اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ ''جب کہ آتی تھیں اُن کی مچھلیاں اُن کے پاس ہفتے کے دن چھلانگیں لگاتی ہوئی''

شُرَّع کے معنی ہیں سیدھے اٹھائے ہوئے نیزے۔ یہاں یہ لفظ مچھلیوں کے لیے آیا ہے تو اس سے مراد ایسی مچھلیاں ہیں جو منہ اٹھائے ہوئے تیزی سے کسی سمت بڑھ رہی ہوں۔ اگر کسی جگہ مچھلیوں کی بہتات ہو تو وہ بے خوف ہو کر بہت زیادہ تعداد میں پانی کی سطح پر آ جاتی ہیں اور چھلانگیں لگاتی ہیں۔ ایسے منظر کی عکاسی کے لیے یہاں شُرَّعًا کا لفظ آیا ہے۔ یعنی مچھلیوں کی اس بے خوف اچھل کود کا منظر ایسے ہوتا تھا جیسے کہ نیزے چل رہے ہوں۔ دراصل تمام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے چھٹی حس سے نواز رکھا ہے۔ چنانچہ اس علاقے کی مچھلیوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک خاص وقفے کے بعد ایک دن ایسا آتا ہے جس دن انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔ اس لیے اس دن وہ بے خوف ہو کر ہجوم کی صورت میں ساحل پر اٹھکیلیاں کرتی تھیں' جبکہ وہ لوگ جن کا پیشہ ہی مچھلیاں پکڑنا تھا وہ ان مچھلیوں کو بے بسی سے دیکھتے تھے' ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے' کیونکہ یہود کی شریعت کے مطابق ہفتے کے دن ان کے لیے کاروبارِ دنیوی کی ممانعت تھی۔

﴿وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۚ﴾ ''اور جس دن سبت نہیں ہوتا تھا وہ ان کے قریب نہیں آتی تھیں''

ہفتے کے باقی چھ دن مچھلیاں ساحل سے دور گہرے پانی میں رہتی تھیں' جہاں سے وہ انہیں پکڑ نہیں سکتے تھے' کیونکہ اُس زمانے میں ابھی ایسے جہاز اور آلات وغیرہ ایجاد نہیں ہوئے تھے کہ وہ لوگ گہرے پانی میں جا کر مچھلی کا شکار کر سکتے۔

﴿كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ﴾ ''اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے''

آئے دن کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو اس آزمائش میں ڈالا گیا کہ شریعت کے حکم پر قائم رہتے ہوئے وہ لوگ فاقے برداشت کرتے ہیں یا پھر نافرمانی کرتے ہوئے شریعت کے ساتھ تمسخر کی کوئی صورت نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اس قانون میں چور دروازہ نکال لیا۔ وہ ہفتے کے روز ساحل پر جا کر گڑھے کھودتے اور نالیوں کے ذریعے سے انہیں سمندر سے ملا دیتے۔ اس طرح جب وہ سمندر کا پانی ان گڑھوں میں لے کر آتے تو پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی گڑھوں میں آ جاتیں۔ بعد میں وہ ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے روز اتوار کو جا کر قید کی ہوئی ان مچھلیوں کو آسانی سے پکڑ لیتے۔ یعنی عملی طور پر وہ ہفتے کے روز ہی مچھلیوں کو قابو کر لیتے لیکن موقف یہ اختیار کرتے کہ ہم ہفتے کے روز مچھلیوں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس طرح انہوں نے شریعت کے اس حکم کو مذاق بنا لیا اور اس حکم کی اصل روح کو مسخ کر دیا۔ حکم کی اصل روح تو یہ تھی کہ چھ دن دنیا کے کام کرو اور ساتواں دن اللہ کی عبادت کے لیے وقف رکھو' جبکہ انہوں نے یہ دن بھی گڑھے کھودنے' پانی کھولنے اور بند کرنے میں صَرف کرنا شروع کر دیا۔

اس آبادی کے لوگ اس معاملے میں تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ تو براہِ راست اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔ جب کہ دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جو اس گناہ میں ملوث تو نہیں تھے مگر گناہ کرنے والوں کو منع بھی نہیں کرتے تھے' بلکہ اس معاملے میں یہ لوگ خاموش اور غیر جانبدار رہے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو گناہ سے بچے بھی رہے اور پہلے گروہ کے لوگوں کو ان حرکتوں سے منع کر کے باقاعدہ نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے۔ اب اگلی آیت میں دوسرے اور تیسرے گروہ کے افراد کے درمیان مکالمہ نقل ہوا ہے۔ غیر جانبدار رہنے والے لوگ نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کے نافرمان لوگ تو تباہی سے دوچار ہونے والے ہیں' انہیں سمجھانے اور نصیحتیں کرنے کا کیا فائدہ؟

آیت ۱۶۴ ﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ﴾ ''اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ کیوں نصیحت کر رہے ہو ان لوگوں کو جنہیں یا تو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا پھر انہیں عذاب دینے والا ہے بہت سخت عذاب!''

دوسرے گروہ کے لوگ تیسرے گروہ کے لوگوں سے کہتے کہ تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو ان مجرموں کے لیے ہلکان کر رہے ہو۔ اب یہ لوگ ماننے والے نہیں۔ اللہ کے عذاب کے ذریعے تباہی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

﴿قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ ''انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے ہاں معذرت پیش کرنے کے لیے''

تیسرے گروہ کے لوگ جواب دیتے کہ اس طرح ہم اللہ کے سامنے عذر پیش کر سکیں گے کہ اے پروردگار! ہم آخری وقت تک نافرمان لوگوں کو ان کی غلط حرکتوں سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے' نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہے۔ ہم نہ صرف خود اس گناہ سے بچے رہے بلکہ ان ظالموں کو خبردار بھی کرتے رہے کہ وہ اللہ کے قانون کے سلسلے میں حد سے تجاوز نہ کریں۔

﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۶۴﴾ ''اور شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کر ہی لیں۔''

یعنی اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ ہمارے سمجھانے بجھانے سے ان میں سے کسی کے دل میں کبھی خدا خوفی کا جذبہ پیدا ہو ہی جائے۔ ایسی وعظ و نصیحت کی قدر و قیمت کا اندازہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((لَاَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ))[1]

''(اے علیؓ) اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ دولت تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ ''پھر جب انہوں نے نظر انداز کر دیا اُس نصیحت کو جو انہیں کی جا رہی تھی' تو ہم نے بچا لیا اُن کو جو بُرائی سے روکتے تھے''

﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۱۶۵﴾ ''اور پکڑ لیا ہم نے اُن کو جو ظلم کے مرتکب

---

[1] صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب فضل من اسلم علی یدیه رجل' وکتاب المناقب' باب مناقب علی بن ابی طالب... وکتاب المغازی' باب غزوة خیبر۔ وصحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

ہوئے تھے بہت ہی بُرے عذاب میں اُن کی نافرمانی کے سبب۔''

آیت ۱۶۶ ﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝۱۶۶﴾ ''تو جب وہ بہت بڑھ گئے اس میں جس سے ان کو روکا گیا تھا' تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ جاؤ ذلیل بندر بن جاؤ!''

آخر کار ان پر عذاب اس صورت میں آیا کہ ان کی انسانی شکلیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا اور پھر انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ یہ اس واقعہ کی تفصیل ہے جس کا اجمالی ذکر سورۃ البقرۃ اور سورۃ المائدۃ میں بھی آ چکا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عذاب اُن گروہوں میں سے صرف اُس گروہ پر آیا تھا جو گناہ میں براہِ راست ملوث تھا۔ اپنے موقف کے حق میں اُن کی دلیل یہ ہے کہ نہی عن المنکر کرنے والے لوگوں کے بارے میں یہاں واضح طور پر بتا دیا گیا: ﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ کہ ہم نے اُن کو بچا لیا جو بدی سے روک رہے تھے' اور جو گناہگار تھے ان کے بارے میں بھی صراحت سے بتا دیا گیا: ﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍ﴾ کہ ہم نے پکڑ لیا اُن لوگوں کو جو گناہ میں ملوث تھے ایک بہت ہی بُرے عذاب میں۔ جب کہ تیسرے گروہ کے بارے میں یہاں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر کوئی شخص براہِ راست کسی گناہ کا ارتکاب کرنے سے بچا رہتا ہے تو فریضہ نہی عن المنکر میں کوتاہی ہونے کی صورت میں بھی وہ دنیا میں اس گناہ کی پاداش میں آنے والے عذاب سے بچ جائے گا۔ یہ نظریہ دراصل بہت بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے اور اس کے پیچھے وہ انسانی نفسیات کارفرما ہے جس کے تحت انسان ذمہ داری سے فرار چاہتا ہے اور پھر اس کے لیے دلیلیں ڈھونڈتا اور بہانے تراشتا ہے۔ اسی طرح کی بات کا تذکرہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۵ کی تشریح کے ضمن میں بھی ہو چکا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی اس آیت کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خصوصی خطبہ ارشاد فرمانا پڑا تھا کہ لوگو! تم ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ﴾ کا بالکل غلط مفہوم سمجھ رہے ہو۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ دعوت و تبلیغ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہاری ذمہ داری نہیں ہے' بلکہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں اپنی پوری کوشش کر دو' اپنا فرض ادا کرو' لیکن اس کے باوجود بھی اگر لوگ کفر یا گناہ پر اڑے رہیں تو پھر ان کا وبال تم پر نہیں ہوگا۔

اس حوالے سے یہاں اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ نہی عن المنکر نصِ قرآنی کے مطابق فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کسی ماحول میں اللہ تعالیٰ کے کسی واضح حکم کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہو تو وہاں گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کو نہ روکنا اور نہی عن المنکر کا فرض ادا نہ کرنا' بذاتِ خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ لہٰذا آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ''اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا'' کے زمرے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اگرچہ براہِ راست تو گناہ میں ملوث نہیں تھے' لیکن مجرموں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش تھے۔ اس طرح یہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو نہ روکنے کے جرم کے مرتکب ہو رہے تھے۔ اس ضمن میں نص قطعی کے طور پر ایک حدیثِ قدسی بھی موجود ہے اور ایک بہت واضح قرآنی حکم بھی۔ پہلے حدیث ملاحظہ فرمائیں' یہ حدیث مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے مرتب کردہ خطباتِ جمعہ میں شامل کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا۔ قَالَ: يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ)) قَالَ: ((فَقَالَ: اِقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمْ' فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ

فِيْ سَاعَةٍ قَطُّ)) (۱۰)

''اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو وحی کی کہ فلاں فلاں شہر کو اس کے باسیوں پر اُلٹ دو۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ پروردگار! اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کی دیر بھی تیری معصیت میں نہیں گزاری''۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُلٹو اس بستی کو پہلے اس پر اور پھر دوسروں پر! اس لیے کہ اس کے چہرے کا رنگ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی میری غیرت کی وجہ سے متغیر نہیں ہوا۔''

یعنی اس کے سامنے میرے احکام پامال ہوتے رہے، شریعت کی دھجیاں بکھرتی رہیں اور یہ اپنی ذاتی پرہیزگاری کو سنبھال کر ذکر اذکار، نوافل اور مراقبوں میں مصروف رہا۔ یہ دوسروں سے بڑھ کر مجرم ہے!

اب اس سلسلے میں نصِ قرآنی کے طور پر سورۃ الانفال کی آیت ۲۵ کا یہ واضح حکم بھی ملاحظہ کر لیجیے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ﴾ ''اور ڈرو اُس فتنہ (عذاب) سے جو خصوصیت کے ساتھ انہی لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں سے گنہگار ہیں''۔ یعنی جب کسی قوم میں بحیثیت مجموعی منکرات پھیل جائیں اور اس وجہ سے ان کے لیے اس دنیا میں کسی اجتماعی سزا کا فیصلہ ہو جائے تو پھر ایسی سزا کی لپیٹ میں صرف گنہگار لوگ ہی نہیں آئیں گے۔ یہ خبر یقیناً بہت تشویش ناک ہے۔ مگر آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ میں یہ امید بھی دلائی گئی ہے کہ جو لوگ اپنی استطاعت کے مطابق، آخری وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں بچا لے گا۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ﴾ ''اور (یاد کرو) جب آپ کے ربّ نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ لازماً مسلط کرتا رہے گا ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو جو انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے۔''

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۶۷﴾ ''یقیناً آپ کا رب سزا دینے میں بہت جلدی کرتا ہے، اور یقیناً وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔''

اللہ تعالیٰ کی ایک شان تو یہ ہے کہ وہ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَام اور سَرِيْعُ الْعِقَاب ہے اور اُس کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ غَفُوْرٌ رَّحِيْم ہے۔ اب اس کا دارومدار انسانوں کے طرزِ عمل پر ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُس کی کس شان کا مستحق بناتے ہیں۔ اس آیت میں یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس قانون اور فیصلے کا ذکر ہو رہا ہے وہ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کی صورت میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

آیت ۱۶۸ ﴿وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ﴾ ''اور ہم نے انہیں زمین کے اندر منتشر کر دیا فرقوں کی صورت میں۔''

بنی اسرائیل کا یہ دورِ انتشار (Diaspora) ۷۰ عیسوی میں اُس وقت شروع ہوا جب رومن جنرل ٹائٹس نے یروشلم پر حملہ کر کے ان کے معبدِ ثانی (2nd Temple) کو شہید کر دیا (یہ معبد حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں دوبارہ تعمیر ہوا تھا)۔ اس دوران جس کے حکم سے یروشلم میں ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودیوں کو ایک دن میں قتل کیا گیا اور بچ جانے والوں کو فلسطین سے نکال باہر کیا گیا۔ یہاں سے ملک بدر ہونے کے بعد یہ لوگ مصر، ہندوستان، روس اور یورپ کے مختلف علاقوں میں جا بسے۔ پھر جب امریکہ

(۱۰) رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الامر بالمعروف، الفصل الثالث۔

دریافت ہوا تو بہت سے یہودی خاندان وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اس آیت میں ان کے اسی ''انتشار'' کی طرف اشارہ ہے کہ پوری دنیا میں انہیں منتشر کر دیا گیا اور اس طرح ان کی اجتماعیت ختم ہو کر رہ گئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ جہاں کہیں بھی گئے وہاں ان سے شدید نفرت کی جاتی رہی' جس کے باعث ان پر یورپ میں بہت ظلم ہوئے۔ عیسائیوں کی ان سے نفرت اور شدید دشمنی کا ذکر قرآن میں بھی ہے: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ (المائدۃ:۱۴) ''پس ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا''۔ یہ دشمنی یہودیوں کے اُن گستاخانہ عقائد کی وجہ سے تھی جو وہ حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام کے بارے میں رکھتے تھے۔

اس کے بعد جنگ عظیم دوم میں ہٹلر کے ہاتھوں تو یہودیوں پر ظلم کی انتہا ہو گئی۔ اس کے حکم پر پورے مشرقی یورپ سے یہودیوں کو اکٹھا کر کے concentration camps میں جمع کیا گیا اور اِن کے اجتماعی قتل کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی' جس کے تحت لاکھوں لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے جدید آٹومیٹک پلانٹ نصب کیے گئے۔ چنانچہ مَردوں' عورتوں اور بچوں کو اجتماعی طور پر ایک بڑے ہال میں جمع کیا جاتا' وہاں ان کے کپڑے اتروائے جاتے اور بال مونڈ دیے جاتے (بعد میں ان بالوں سے قالین تیار کیے گئے جو نازی عہدیدار بڑے فخر سے اپنے دفتروں میں بچھاتے تھے)' اور پھر وہاں سے انہیں بڑے بڑے گیس چیمبرز میں داخل کر دیا جاتا۔ مشینوں کے ذریعے سے لاشوں کا چُورا کیا جاتا اور ایک خاص قسم کے کیمیکلز کی مدد سے انسانی گوشت کو سیاہ رنگ کے سیال مادے میں تبدیل کر کے کھیتوں میں بطورِ کھاد استعمال کرنے کے لیے سپلائی کیا جاتا۔ یہ سب کچھ بیسویں صدی میں آج کے اس مہذب دور میں ہوا۔ اس طریقے سے ہٹلر کے ہاتھوں ساٹھ لاکھ یہودی قتل ہوئے۔ یہودیوں کے اس قتلِ عام کو ''Holocaust'' کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ساٹھ لاکھ کی تعداد مبالغے پر مبنی ہے' اصل تعداد چالیس لاکھ تھی۔ تو اندازہ کریں چالیس لاکھ کی تعداد میں ایک نسل کے انسانوں کا قتلِ عام اس قوم کے لیے کتنا دردناک عذاب ہے! ان کی تاریخ کے اب تک کے یہ حالات و واقعات گزشتہ آیت کے الفاظ ﴿مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ﴾ کی گویا عملی تفسیر ہیں۔ اس سلسلے میں قیامت تک مزید کیا کچھ ہونے والا ہے اس کی خبر ابھی پردۂ غیب میں ہے۔

بہر حال یہودیوں کا آخری وقت بہت جلد آنے والا ہے' مگر جیسے چراغ کا شعلہ بجھنے سے پہلے بھڑکتا ہے' بالکل اسی انداز سے آج کل ہمیں ان کی حکومت اور طاقت نظر آ رہی ہے۔ اور شاید یہ سب کچھ اس لیے بھی ہو رہا ہے کہ عربوں (جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبِ اوّل اور وارثِ اوّل ہونے کے باوجود دین سے پیٹھ پھیرنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں) کو ایک ''مغضوب علیھم'' قوم کے ہاتھوں ہزیمت سے دوچار کر کے سزا دینا اور ''to add insult to injury'' کے مصداق اس ذلیل قوم کے ہاتھوں ذلیل کرنا مقصود ہے۔ اندریں حالات ایسا نظر آتا ہے کہ وہ دن اب زیادہ دور نہیں جب مسجدِ اقصیٰ شہید کر دی جائے گی اور اس کے نتیجے میں مشرقِ وسطیٰ میں جو طوفان اٹھے گا وہ یہودیوں کا سب کچھ بہا کر لے جائے گا' لیکن ان کے اس سلسلۂ عذاب کی آخری شکل حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد سامنے آئے گی۔ جیسے پہلے تمام رسولوں کے منکرین ان کی موجودگی میں ختم کر دیے گئے تھے (چھ رسولوں اور ان کی قوموں کے واقعات تکرار کے ساتھ قرآن میں آئے ہیں) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین کو بھی ان کی موجودگی میں ختم کیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف اللہ کے رسول تھے: ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ..... ﴾ (آلِ عمران:۴۹) یہودی نہ صرف آپؑ کے منکر ہوئے بلکہ (بزعم خویش) انہوں نے آپؑ کو قتل بھی کر دیا۔ لہٰذا بحیثیت قوم ان کا اجتماعی استیصال بھی

حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے ہاتھوں ہوگا۔

﴿مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ ''ان میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو دوسری طرح کے ہیں۔''

﴿وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾﴾ ''ہم انہیں بھلائی اور برائی سے آزماتے رہے ہیں کہ شاید یہ لوگ لوٹ آئیں۔''

آیت ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ ''لیکن ان کے بعد ایسے (ناخلف) جانشین کتاب (تورات) کے وارث ہوگئے جو اس حقیر دنیا کے ساز وسامان ہی کو حاصل کرتے ہیں''

وہ ایسے لوگ ہیں جو حلال اور حرام سے بے نیاز ہو کر دُنیاوی مفادات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو آخرت کے بارے میں کسی قسم کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ ''اور کہتے یہ ہیں کہ ہمیں تو بخش ہی دیا جائے گا۔''

ان کا کہنا ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں' پیغمبروں کی اولاد ہیں' اللہ کے چہیتے ہیں' ہماری بخشش تو یقینی ہے۔ ہمارے لیے سب معاف کر دیا جائے گا۔

﴿وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ﴾ ''اگر ایسا ہی اور سامان بھی ان کو دے دیا جائے تو (وہ بھی) لے لیں گے۔''

﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ﴾ ''کیا ان سے عہد نہیں لیا گیا تھا کتاب (تورات) کی نسبت' کہ نہیں منسوب کریں گے اللہ سے کوئی بات مگر حق' اور انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں تھا۔''

﴿وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾﴾ ''اور جن لوگوں نے کتاب کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا اور نماز قائم کی' تو یقیناً ایسے مصلحین کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔''

بنی اسرائیل میں نیک لوگ آخری وقت تک ضرور موجود رہے ہوں گے۔ ان کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا اجر ہم کسی صورت میں ضائع نہیں کریں گے۔

آیت ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر ایسے اٹھا دیا تھا جیسے سائبان ہو' اور انہیں لگتا تھا کہ اب یہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔''

﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾﴾ ''(ہم نے اُس وقت ان سے کہا تھا کہ) تھام لو اس کو مضبوطی سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تا کہ تم (غلط روی سے) بچتے رہو۔''

اب آخری تین رکوعوں میں فلسفۂ دین کے اعتبار سے بہت اہم مضامین آ رہے ہیں۔

آیات ۱۷۲ تا ۱۷۴

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۙ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

آیت ۱۷۲ ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ﴾ ''اور یاد کرو جب نکالا آپؐ کے رب نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو''

یہ واقعہ عالَمِ ارواح میں وقوع پذیر ہوا تھا جبکہ انسانی جسم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اہلِ عرب جو اُس وقت قرآن کے مخاطب تھے اُن کی اُس وقت کی ذہنی استعداد کے مطابق یہ بہت ثقیل مضمون تھا۔ ایک صورت تو یہ تھی کہ انہیں پہلے تفصیل سے بتایا جاتا کہ انسانوں کی پہلی تخلیق عالَمِ ارواح میں ہوئی تھی اور دنیا میں طبعی اجسام کے ساتھ یہ دوسری تخلیق ہے' اور پھر بتایا جاتا کہ یہ میثاق عالَمِ ارواح میں لیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بجائے اس مضمون کو آسان پیرائے میں بیان کرنے کے لیے عام فہم الفاظ عام فہم انداز میں استعمال کیے گئے کہ جب ہم نے نسلِ آدم کی تمام ذُرّیت کو ان کی پیٹھوں سے نکال لیا۔ یعنی قیامت تک اس دنیا میں جتنے بھی انسان آنے والے تھے' ان سب کی ارواح وہاں موجود تھیں۔

﴿وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ﴾ ''اور اُن کو گواہ بنایا خود اُن کے اوپر' (اور سوال کیا:) کیا مَیں تمہارا رب نہیں ہوں؟''

﴿قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ﴾ ''انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔''

یہ اقرار تمام انسانوں کی ارواح نے پوری طرح ہوش و حواس اور خود شعوری (self conciousness) کی حالت میں کیا تھا۔ اس نکتے کی وضاحت اس سے پہلے بھی ہو چکی ہے کہ انسان کی خود شعوری (self conciousness) ہی اسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ حیوانات میں شعور (conscious) تو ہوتا ہے لیکن خود شعوری نہیں ہوتی۔ انسان کی اس خود شعوری کا تعلق اس کی روح سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص انسان میں پھونکی ہے۔ چنانچہ اس عہد کے وقت تمام انسانوں کی ارواح موجود تھیں اور انہیں اپنی ذات کا پورا شعور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب' تمہارا مالک' تمہارا آقا نہیں ہوں؟ تمام ارواح نے یہی جواب دیا کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے' ہم اقرار کرتے ہیں' ہم اس پر گواہ ہیں۔ یہ اقرار دراصل تمام انسانوں پر اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹ میں آ چکا ہے: ''اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس آ چکا ہے ہمارا رسول جو تمہارے لیے (دین کو) واضح کر رہا ہے' رسولوں کے ایک وقفے کے بعد' مبادا تم یہ کہو کہ ہمارے پاس تو آیا ہی نہیں تھا کوئی بشارت دینے والا اور نہ کوئی خبردار کرنے والا''۔ تو یہ آیت گویا اتمامِ حُجّت ہے اہلِ کتاب پر۔

اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۶ میں فرمایا: ''مبادا تم یہ کہو کہ کتابیں تو دی گئی تھیں ہم سے پہلے دو گروہوں کو اور ہم تو ان

کتابوں کو (غیر زبان ہونے کی وجہ سے) پڑھ بھی نہیں سکتے تھے''۔ یہ اتمامِ حجت کیا گیا بنی اسماعیل پر کہ اب تمہارے لیے ہم نے اپنا ایک رسول (ﷺ) تم ہی میں سے بھیج دیا ہے اور وہ تمہارے لیے ایک کتاب لے کر آیا ہے جو تمہاری اپنی ہی زبان میں ہے۔ لہٰذا اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے اپنی کتابیں تو ہم سے پہلے والی اُمتوں پر نازل کی تھیں اور یہ کہ اگر ہم پر بھی کوئی ایسی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔ آیت زیرِ نظر میں جس گواہی کا ذکر ہے وہ پوری نوعِ انسانی کے لیے حجت ہے۔ گویا ہر روحِ انسانی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر کے دنیا میں آئی ہے اور یوں انسانوں کے اُخروی مواخذے کی اصل بنیاد یہی گواہی فراہم کرتی ہے۔ اس کے بعد نبوّت' وحی اور الہامی کتب کے ذریعے جو اتمامِ حجت کیا گیا' وہ تاکید مزید' تکرار اور لوگوں کے امتحان کو مزید آسان کرنے کے لیے تھا۔ لیکن اگر کوئی ہدایت بذریعہ نبوّت' وحی وغیرہ نہ بھی آتی تو بھی روزِ محشر کے عظیم محاسبہ (accountability) کے لیے عالمِ ارواح میں لیا جانے والا مذکورہ عہد ہی کافی تھا' جس کا احساس اور شعور ہر انسان کی فطرت میں سمو دیا گیا ہے۔

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾﴾ ''مبادا تم یہ کہو قیامت کے دن کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔''

آیت ﴿۱۷۳﴾ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ﴾ ''یا تم یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء و اَجداد نے کیا تھا' اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں سے تھے۔''

﴿اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾﴾ ''تو (پروردگار!) کیا تُو ہمیں ہلاک کرے گا ان باطل پسند لوگوں کے فعل کے بدلے میں؟''

یہ اتمامِ حجت اس لیے تھا کہ قیامت کے دن تم لوگ کہیں یہ عذر لے کر نہ بیٹھ جاؤ کہ اے اللہ! ہمارے بڑے جو راستہ' جو طور طریقے چھوڑ گئے تھے' ہم تو ان پر چلتے رہے' لہٰذا ہمارا کوئی قصور نہیں' اصل مجرم تو وہ ہیں جو ہمیں اس دلدل میں پھنسا کر چلے گئے۔ یہ بانی طور طریقے انہوں نے ہی ایجاد کیے تھے' ہم تو صرف ان کے مقلد تھے۔

آیت ﴿۱۷۴﴾ ﴿وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾﴾ ''اور ہم اسی طرح اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کر دیتے ہیں تاکہ وہ رجوع کریں۔''

آئندہ آیات میں ایک شخصیت کا واقعہ تمثیلی انداز میں بیان ہوا ہے' مگر یہ محض تشبیہ نہیں ہے بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ یہ قصہ دراصل ہمارے لیے درسِ عبرت ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت بدنصیب ہے وہ فرد یا قوم جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بیش بہا انعام و اکرام اور قربِ خاص سے نوازے' مگر وہ اس کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے خود کو ان تمام فضیلتوں سے محروم کر لے اور اللہ کی بندگی سے نکل کر شیطان کا چیلا بن جائے۔

آیات ۱۷۵ تا ۱۷۸

وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ

الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

آیت ۱۷۵ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ ''اور سنائیے انھیں خبر اُس شخص کی جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں''

یہاں پر اس واقعے کے لیے لفظ ''نبأ'' استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی ''خبر'' کے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کوئی تمثیل نہیں بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ دوسرے جو یہ فرمایا گیا کہ اس شخص کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں' اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص صاحبِ کرامت بزرگ تھا۔ اس واقعے کی تفصیل ہمیں تورات میں بھی ملتی ہے جس کے مطابق یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس کا نام بلعم بن باعوراء تھا اور یہ ایک بہت بڑا عابد' زاہد اور عالم تھا۔

﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ ''تو وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا''

یہاں پر یہ نکتہ خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے کہ انسان خود غلطی کرتا ہے' شیطان اسے کسی بُرائی پر مجبور نہیں کر سکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾ (الحجر) شیطان کو کسی بندے پر کوئی اختیار حاصل نہیں' لیکن جب بندہ اللہ کی نافرمانی کی طرف لپکتا ہے اور برائی کر بیٹھتا ہے تو وہ شیطان کا آسان شکار بن جاتا ہے۔ شیطان ایسے شخص کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کر کے رجوع نہ کرے تو اسے تدریجاً دُور سے دُور لے جاتا ہے' یہاں تک کہ اسے برائی کی آخری منزل تک پہنچا کر دم لیتا ہے' جیسا کہ بالآخر اس شخص کے ساتھ ہوا۔

﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾﴾ ''تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔''

آیت ۱۷۶ ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ ''اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) کے ذریعے سے اُسے اور بلند کرتے مگر وہ تو زمین کی طرف ہی دھنستا چلا گیا''

یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات اور جو بھی علم اس کو عطا ہوا تھا اس کے ذریعے سے اس کو بڑا بلند مقام مل سکتا تھا مگر وہ تو زمین ہی کی طرف دھنستا چلا گیا۔ یہاں پر زمین کی طرف دھنسنے کے استعارے کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انسان دراصل حیوانی جسم اور ملکوتی روح سے مرکب ہے۔ جسم کے اجزائے ترکیبی کا تعلق زمین سے ہے' جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵۵ میں فرمایا گیا: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ یعنی ہم نے تمہیں اس زمین سے پیدا کیا۔ اس کے برعکس انسانی روح کا تعلق عالمِ بالا سے ہے اور وہ اللہ سے ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ﴾ (الاعراف: ۱۷۲) والا عہد کر کے آئی ہے۔ چنانچہ اس بنیادی تضاد کی وجہ سے جسم اور روح میں متواتر کشمکش رہتی ہے۔ ''كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ'' (ہر چیز اپنے منبع کی طرف لوٹتی ہے) کے مصداق رُوح اُوپر اٹھنا چاہتی ہے تاکہ اللہ سے قرب حاصل کر سکے' جبکہ جسم کی ساری کشش زمین کی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ جسم کی تقویت کا سارا سامان' غذا وغیرہ زمین ہی کی مرہونِ منت ہے' اس لیے اسے زمینی اور دُنیوی لذتوں میں ہی سکون ملتا ہے اور وہ انہی لذتوں میں مگن ع ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کی لوری سے خود کو بہلاتا رہتا ہے۔ اب اگر کسی شخص نے جسمانی ضرورتوں اور لذتوں کے حصول کے لیے مستقل طور پر زمین کے ساتھ ہی چمٹ کر رہنا شروع کر دیا تو اس نے گویا اپنی روح کی غذا کا راستہ بند کر دیا۔ ایسے شخص کی روح اپنی غذا کے حصول کے لیے احتجاج کرتی ہے' تڑپتی

ہے' سسکتی ہے اور بالآخر مر جاتی ہے۔ اگر کسی انسان کے جیتے جی اُس کی روح کے ساتھ یہ حادثہ ہو جائے' یعنی اس کی روح کی موت واقع ہو جائے تو وہ انسان چلتا پھرتا حیوان بن جاتا ہے' جو جسمانی طور پر زندہ رہنے کے لیے اپنے جسمانی تقاضے حیوانی انداز میں پورے کرتا رہتا ہے اور ایک حیوان کی طرح زمینی غذائیں' سفلی آرزوئیں اور مادّی امنگیں ہی اس کی زندگی کا مقصد و محور قرار پاتی ہیں۔ نتیجتاً اسے فیضانِ سماوی اور توفیقِ الٰہی سے مستقل طور پر محروم کر دیا جاتا ہے۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ!!)

﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ ''اور اُس نے پیروی کی اپنی خواہشات کی۔''

﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ﴾ ''تو اُس کی مثال کُتّے کی سی ہے' اگر تم اُس کے اوپر بوجھ رکھو تب بھی ہانپے گا اور اگر چھوڑ بھی دو تب بھی ہانپتا رہے گا۔''

یعنی اُس شخص نے اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنے کے بجائے خود کو کُتّے سے مشابہ کر لیا' جو ہر وقت زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے اور حرص و طمع کے غلبے کی وجہ سے ہر وقت زمین کو سونگھتے رہنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔

﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ﴾ ''یہی مثال ہے اُس قوم کی (بھی) جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔''

اوپر تفصیل کے ساتھ یہود کی جو سرگزشت بیان ہوئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قوم شروع سے ہی ''بلعم بن باعوراء'' بنی رہی ہے۔ آج اس کردار کی سب سے بڑی مثال پاکستانی قوم ہے۔ پاکستان کا بن جانا اور اس کا قائم رہنا ایک معجزہ تھا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کو یقین تھا کہ پاکستان کی بقا بحیثیت ایک آزاد اور خود مختار ملک کے ممکن نہیں ہے' اس لیے یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ ملک نہ صرف قائم رہا بلکہ ۱۹۶۵ء کی جنگ جیسی بڑی بڑی آزمائشوں سے بھی سرخرو ہو کر نکلا۔ ہم نے اس ملک کو اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسے اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنائیں گے' تاکہ پوری دنیا اسلامی نظام کے عملی نمونے اور اس کی برکات کا مشاہدہ کر سکے۔ قائداعظم نے بھی فرمایا تھا کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ ہم عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حُرّیت و اخوت و مساوات کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں' لیکن عملی طور پر آج نظریہ پاکستان کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل ''فَانْسَلَخَ مِنْهَا'' کی عبرتناک تصویر بن چکا ہے۔ ہم اپنے تمام وعدوں سے پیچھا چھڑا کر نکل بھاگے اور شیطان کے پیروکار بن گئے۔ اس کے نتیجے میں ہمارا جو حال ہوا اور جو کچھ ہمارے ساتھ مسلسل ہو رہا ہے اس کا نقشہ ذہن میں رکھیں اور اس پس منظر میں اب اس آیت کو دوبارہ پڑھیں۔

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾﴾ ''سو (اے نبی ﷺ!) آپ یہ واقعات سنا دیجیے' شاید کہ یہ غور کریں۔''

﴿سَآءَ مَثَلًا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾﴾ ''کیا ہی بُری مثال ہے اُس قوم کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا' اور وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔''

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾﴾ ''جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے' اور جنہیں وہ گمراہ کر دے تو وہی لوگ تباہ ہونے والے ہیں۔''

''عہد الست'' کے حوالے سے قبل ازیں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ انسان کا ایک وجود روحانی ہے اور دوسرا مادی یعنی حیوانی۔

چنانچہ اگر کسی انسان کی پوری توجہ اور ساری دلچسپیاں حیوانی وجود کی ضروریات پوری کرنے تک محدود رہیں گی تو ایسا انسان بلعم بن باعوراء کی مثال بن جائے گا۔ ایسا انفرادی سطح پر بھی ہوسکتا ہے اور قومی و اجتماعی سطح پر بھی۔ اس ضمن میں اب اگلی آیت میں حکمتِ قرآنی کا یہ اہم نکتہ بیان ہو رہا ہے کہ انسانوں کی اکثریت ایسے افراد پر مشتمل ہے جو صرف اپنے حیوانی جسم کی پرورش میں مصروف ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ بظاہر تو انسان ہی نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

آیات ۱۷۹ تا ۱۸۳

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

آیت ۱۷۹ ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ﴾ ''اور ہم نے جہنّم کے لیے پیدا کیے ہیں بہت سے جن اور انسان۔''

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ﴾ ''اُن کے دل تو ہیں لیکن وہ ان سے غور نہیں کرتے' اُن کی آنکھیں ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں' اور اُن کے کان ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾﴾ ''یہ چوپایوں کی مانند ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔''

یعنی جب انسان ہدایت سے مُنہ موڑ لیتا ہے اور ہٹ دھرمی پر اُتر آتا ہے تو نتیجتاً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ان کے دل تفقہ سے یکسر خالی ہو جاتے ہیں' اُن کی آنکھیں انسانی آنکھیں نہیں رہتیں اور نہ اُن کے کان انسانی کان رہتے ہیں۔ ایسی کیفیت میں وہ لوگ حیوانوں کی طرح دیکھتے ہیں اور حیوانوں کی طرح سنتے ہیں۔ جیسے سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کو کُتا بھی دیکھ لیتا ہے اور اس سے اپنے بچاؤ کی ترکیب کر لیتا ہے۔ جبکہ انسانی دیکھنا تو یہ ہے کہ انسان کسی چیز کو دیکھے' اس کی حقیقت کو سمجھے اور اپنے مشاہدے سے درست نتائج اخذ کرے۔ اسی فلسفے کو علامہ اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

اس حوالے سے علامہ اقبال مزید فرماتے ہیں ع ''دیدن دگر آموز' شنیدن دگر آموز!'' کہ دوسری طرح کا دیکھنا سیکھو' اور دوسری طرح کا سننا سیکھو! یعنی وہ دیکھنا سیکھو جو دل کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور وہ سننا سیکھو جو دل سے سنا جاتا ہے۔ لیکن جب انسان

ہدایت کی طرف سے اپنی آنکھیں اور اپنے کان بند کر لیتا ہے تو اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جس کا نقشہ اس آیت میں دکھایا گیا ہے۔ یعنی ایسے لوگوں کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی جاتی ہے' ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے جاتے ہیں۔ اور یوں وہ چوپایوں سے بھی بدتر مخلوق بن جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو چوپایوں سے بدتر اس لیے کہا گیا ہے کہ چوپایوں کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی کم تر سطح پر کیا ہے' جبکہ انسان کا تخلیقی مقام بہت اعلیٰ ہے' لیکن جب انسان اس اعلیٰ مقام سے گرتا ہے تو پھر وہ نہ صرف شرفِ انسانیت کو کھو دیتا ہے بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ یہی مضمون سورۃ التین میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝﴾ یعنی انسان کو پیدا کیا گیا بہترین انداز ے پر' بلند ترین سطح پر' یہاں تک کہ اپنے تخلیقی معیار کے مطابق وہ مسجودِ ملائک ٹھہرا' لیکن جب وہ اس مقام سے نیچے گرا تو کم ترین سطح کی مخلوق سے بھی کم ترین ہو گیا۔ پھر اس کی زندگی محض حیوانی زندگی بن کر رہ گئی' حیوانوں کی طرح کھایا پیا' دنیا کی لذتیں حاصل کیں اور مر گیا۔ نہ زندگی کے مقصد کا ادراک' نہ اپنے خالق و مالک کی پہچان' نہ اللہ کے سامنے حاضری کا ڈر اور نہ آخرت میں احتساب کی فکر۔ یہ وہ انسانی زندگی ہے جو انسان کے لیے باعثِ شرم ہے۔ بقولِ سعدی شیرازیؒ ؎

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی!

آیت ۱۸۰ ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪﴾ ''اور تمام اچھے نام اللہ ہی کے ہیں' تو پکارو اُسے اُن (اچھے ناموں) سے۔''

اللہ تعالیٰ کی صفات کے اعتبار سے اُس کے بے شمار نام ہیں۔ ان میں سے کچھ اسمائے حسنیٰ قرآن میں آئے ہیں اور کچھ احادیث میں۔ ایک حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام گنوائے ہیں۔ ان ناموں میں ''اللہ'' سب سے بڑا اور اہم ترین نام ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں' ان ناموں کے حوالے سے اُس کو پکارا کرو' ان ناموں کے ذریعے سے دعا کیا کرو۔ جیسے یَا سَتَّارُ' یَا غَفَّارُ' یَا کَرِیْمُ' یَا عَلِیْمُ۔ ضمنی طور پر یہاں پر نکتہ بھی نوٹ کر لیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''صفت'' کہیں استعمال نہیں ہوا' البتہ حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے ''اَسْمَاء'' (نام) کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔

﴿وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ﴾ ''اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جو اُس کے ناموں میں کجی نکالتے ہیں۔''

'لحد' کے معنی ٹیڑھ کے ہیں۔ 'لحد' بمعنی قبر بھی اسی سے مشتق ہے۔ قبر کے لیے ایک سیدھا گڑھا کھود کر اس کے اندر ایک بغلی گڑھا کھودا جاتا ہے۔ دوسرے گڑھے کو سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے ''لحد'' کہتے ہیں۔ اسمائے الٰہی کے سلسلے میں 'الحاد' کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسمائے حسنیٰ کا غلط استعمال کیا جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے ہر نام کی ایک خاص تاثیر ہے' اس لحاظ سے عملیات وغیرہ کے ذریعے سے اسمائے حسنیٰ کی تاثیر سے کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام خاص کی شکل میں ہیں' کسی صفت کے اگر دو رُخ ہیں تو اس صفت سے نام بھی دو ہوں گے' جیسے اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ' اَلرَّافِعُ اور خاص اَلْحَیُّ اور اَلْمُمِیْتُ وغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے جو اَسماء جوڑوں کی شکل میں ہیں ان میں سے اگر ایک ہی نام بار بار پکارا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی الحاد ہوگا۔ مثلاً اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ دو نام ایک جوڑے میں ہیں' یعنی وہی عزت دینے والا ہے اور وہی ذلت دینے والا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یَا مُذِلُّ' یَا مُذِلُّ' یَا مُذِلُّ کا ورد شروع کر دے تو یہ اس نام کے حوالے سے

الحاد ہوگا۔ کیونکہ ''اے ذلیل کرنے والے! اے ذلیل کرنے والے!'' مناسب ورد نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے تمام نام جب پکارے جائیں تو ہمیشہ جوڑوں ہی کی صورت میں پکارے جائیں۔

﴿سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''عنقریب وہ بدلہ پائیں گے اپنے اعمال کا۔''

آیت ۱۸۱ ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ ''اور جو انسان ہم نے پیدا کیے ہیں ان میں کچھ لوگ وہ ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔''

یقیناً ہر دور میں کچھ لوگ حق کے علمبردار رہے ہیں اور دنیا میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے ضمانت دی ہے:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ)) [11]

''میری اُمت میں ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا۔''

آیت ۱۸۲ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے' تو ہم رفتہ رفتہ انہیں ایسے پکڑیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ ایک شخص کفر کے راستے پر بڑھتا جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی دنیوی کامیابیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں' جس کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے' ٹھیک کر رہا ہے اور یہ کہ اس کی دُنیوی کامیابیاں اس کی اسی روش کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا وہ کفر اور معصیت کے راستے میں مزید آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت کو ''استدراج'' کہا جاتا ہے جو کسی انسان کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے۔ یعنی کوئی انسان اگر پوری دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض اور اس کے احکام سے سرکشی کرتا ہے تو اللہ اس کو ڈھیل دیتا ہے اور اس کی رسّی دراز کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

آیت ۱۸۳ ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ ''اور میں اُن کو ڈھیل دوں گا' یقیناً میری چال بہت مضبوط ہے۔''

ایسے مجرموں کو ڈھیل دینے کی مثال کانٹے کے ذریعے مچھلی کے شکار کی سی ہے۔ جب کانٹا مچھلی کے حلق میں پھنس جاتا ہے تو اس کے بعد وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ چنانچہ ایسی صورت میں شکاری ڈور ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے اور پھر جب مناسب سمجھتا ہے ڈور کھینچ کر مچھلی کو قابو کر لیتا ہے۔

آیات ۱۸۴ تا ۱۸۸

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔـلُوْنَكَ

۱۱۔ صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب قولہ لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق...

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳

آیت ۱۸۴ ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) کو کوئی جنون نہیں ہے۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ پر کسی طرح کے جنون کے اثرات یا کسی جن کا سایہ وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک متجسسانہ سوال (searching question) کا انداز ہے کہ عقل کے اندھو! ذرا غور تو کرو، ہمارے یہ رسول ﷺ تمہاری نگاہوں کے سامنے پلے بڑھے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت، شخصیت، طہارت، نظافت اور آپؐ کا کردار، کیا یہ سب کچھ تم لوگوں کے سامنے نہیں ہے؟ کیا اس کے باوجود بھی تم لوگ یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آپؐ پر جنون کے اثرات ہیں؟ کیا مجنوں لوگوں کا کردار ایسا ہوتا ہے؟ کیا تم نے کبھی اپنے اس دعوے کے بودے پن پر غور نہیں کیا؟

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾﴾ ''وہ نہیں ہیں مگر واضح طور پر خبردار کر دینے والے۔''

آیت ۱۸۵ ﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ﴾ ''اور کیا ان لوگوں نے غور و فکر نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور اللہ نے جو چیزیں بنائی ہیں (ان میں)''

﴿وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ﴾ ''اور یہ (نہیں سوچا) کہ ہو سکتا ہے ان کا مقررہ وقت قریب پہنچ گیا ہو!''

اس سے پہلے اسی سورت میں ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ﴾ (آیت ۳۴) ''اور ہر قوم کے لیے ایک وقتِ معین ہے''۔ اس وقتِ معین کا علم صرف اللہ کو ہے۔ تو عین ممکن ہے ان کے لیے جو وقت معین کیا گیا ہے وہ قریب آ لگا ہو اور انہیں اس کی خبر ہی نہ ہو۔

﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾﴾ ''اور اب اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟''

آیت ۱۸۶ ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ﴾ ''جس کو اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔''

جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہرِ تصدیق ثبت ہو جائے، پھر اس کے بعد اسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

﴿وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾﴾ ''اور وہ چھوڑ دے گا ان کو اُن کی سرکشی میں، اندھے ہو کر آگے بڑھتے ہوئے۔''

آیت ۱۸۷ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ کہیے کہ اس کا علم تو میرے ربّ ہی کے پاس ہے۔''

یہ لوگ آپ (ﷺ) سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یہ کب لنگر انداز ہوگی؟ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اس کے بارے میں سوائے میرے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ کسی کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ ''مُرْسٰی'' جہاز کے لنگر انداز ہونے کو کہا جاتا ہے۔ جیسے سورۂ ہود آیت ۴۱ میں آیا ہے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ کہ اس کشتی کا چلنا اور لنگر انداز ہونا اللہ

کے نام یعنی اُس کے اذن سے ہے۔

﴿لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ ''وہی ظاہر کرے گا اسے اس کے وقت پر۔''

﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ آسمانوں اور زمین کے اندر بڑا بھاری بوجھ ہے۔''

آسمان و زمین اس سے بوجھل ہیں۔ جیسے ایک مادہ اپنا حمل لیے پھرتی ہے' اسی طرح یہ کائنات بھی قیامت کو یعنی اپنی فنا کو لیے لیے پھرتی ہے۔ ہر شے جو تخلیق کی گئی ہے اس کی ایک ''اجل مسمّٰی'' اس کے اندر موجود ہے۔ گویا ہر مخلوق کی موت اس کے وجود کے اندر سمو دی گئی ہے۔ چنانچہ ہر انسان اپنی موت کو اپنے ساتھ لیے پھر رہا ہے اور اسی طرح سے پوری کائنات بھی اپنی فنا کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔

﴿لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ﴾ ''وہ نہیں آئے گی تم پر مگر اچانک۔''

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ سے تو یہ اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔''

آپ (ﷺ) سے تو یہ سوال وہ ایسے پوچھتے ہیں جیسے سمجھتے ہوں کہ آپ ہر وقت قیامت کی تاریخ ہی کی تحقیق و جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ آپ کا اس سے کوئی سروکار نہیں' یہ تو ہمارا معاملہ ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے' لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۱۸۸ ﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ مجھے کوئی اختیار نہیں ہے اپنی جان کے بارے میں بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا' سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

آپ (ﷺ) انہیں بتائیں کہ میرے پاس علم غیب نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۵۰ میں فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے خزانے میرے قبضۂ قدرت میں ہیں' نہ میں علم غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ؕ﴾ ''اور اگر مجھے علمِ غیب حاصل ہوتا تو میں بہت سا خیر جمع کر لیتا' اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ آتی۔''

﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾﴾ ''نہیں ہوں میں مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا' اُن لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہوں۔''

آیات ۱۸۹ تا ۲۰۲

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ
اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ
اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ
يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا
شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚ وَهُوَ يَتَوَلَّى
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ
تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

آیت ۱۸۹ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک جان سے اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا' تا کہ وہ اُس کے پاس سکون حاصل کرے۔''

اس نکتے کی وضاحت سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۷ ﴿وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠﴾ کے مطالعے کے دوران کی جا چکی ہے۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات میں جہاں اولاد کا معاملہ ہے وہاں باہمی تسکین اور سکون کا پہلو بھی ہے۔

﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ﴾ ''تو جب وہ (شوہر) ڈھانپ لیتا ہے اُس (اپنی بیوی) کو تو اُسے حمل ہو جاتا ہے ہلکا سا حمل' تو وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہتی ہے۔''

ابتدا میں حمل اتنا خفیف ہوتا ہے کہ پتا بھی نہیں چلتا کہ کوئی حمل ٹھہر گیا ہے۔

﴿فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾﴾ ''پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں اپنے رب کو پکارتے ہیں' کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عطا کر دے گا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔''

آیت ۱۹۰ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ﴾ ''پھر جب اللہ نے انہیں عطا کر دیا صحیح سالم بچہ' تو ٹھہرا لیے انہوں نے اُس کے شریک اس میں جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔''

کہ ہم فلاں بزرگ کے مزار پر گئے تھے' ان کی نگاہِ کرم ہوئی ہے' یا فلاں دیوی کی کرپا سے ہمیں اولاد مل گئی ہے۔

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾﴾ ''اللہ بہت بلند و بالا ہے ان کے اس شرک سے۔''

آیت ﴿ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴾ ''کیا وہ ان کو شریک کر رہے ہیں (اللہ کے ساتھ) جو کوئی شے تخلیق کرتے ہی نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔''

فرشتے' جنات' انبیاءؑ اور اولیاء اللہ سب کے سب اللہ کی مخلوق ہیں۔

آیت ﴿ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴾ ''اور نہ وہ اُن کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔''

وہ تو سب کے سب خود اللہ کے بندے ہیں۔ اب زیر مطالعہ آیات میں بات تدریجاً بُتوں کی طرف لائی جا رہی ہے۔ نظریاتی طور پر تو بُتوں کے پجاری فلسفی بُت پرستی کا جواز یہ بتاتے ہیں کہ وہ ان پتھر کے بُتوں کی پوجا نہیں کرتے بلکہ ان مورتیوں کو وہ علامت مانتے ہیں۔ اور یہ کہ اصل دیوتا اور دیویاں چونکہ ان کے سامنے موجود نہیں ہیں اس لیے ان کے بارے میں توجہ کے ارتکاز کے لیے وہ بُتوں کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ اس فلسفہ کا خلاصہ ہے جو انڈیا کے ڈاکٹر رادھا کرشنن وغیرہ بیان کرتے رہے ہیں' مگر ان کے عوام تو ان بُتوں ہی کو معبود مانتے ہیں' بُتوں ہی کی پوجا کرتے ہیں' انہی کے آگے جھکتے ہیں' انہی کو نذرانے دیتے ہیں اور انہی سے اپنی حاجات مانگتے ہیں۔

آیت ﴿ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ ﴾ ''اور اگر تم انہیں پکارو راہنمائی کے لیے (کہ تمہیں راستہ دکھا دیں) تو وہ تمہاری طرف توجہ ہی نہیں کر سکیں گے۔''

﴿ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴾ ''برابر ہے تمہارے لیے کہ تم انہیں پکارو یا خاموش رہو۔''

آیت ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ ''یقیناً جنہیں تم پکارتے ہو اللہ کے ماسوا وہ بھی تمہاری طرح کے بندے ہیں''

وہ فرشتے ہوں یا جنات' دیوی دیوتا ہوں یا اولیاء اللہ' سب تمہاری طرح اللہ ہی کے بندے ہیں۔

﴿ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ ''ان کو پکار دیکھو' پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔''

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ وہ لائق پرستش ہیں اور کچھ اختیار بھی رکھتے ہیں تو تمہاری پکار یا دعا پر ان کی طرف سے کچھ نہ کچھ جواب تو ضرور ملنا چاہیے۔ سورۂ یونس میں تو ان لوگوں کے خود ساختہ معبودوں کا یہ مکالمہ بھی نقل کیا گیا ہے: ﴿ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴾ یعنی قیامت کے دن وہ ان سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم تمہارے مشرکانہ عقائد سے غافل تھے' ہم نہیں جانتے تھے کہ تم لوگ ہمیں پکارتے رہے ہو' ہماری دہائیاں دیتے رہے ہو' اور ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا لِلّٰہ'' جیسے مشرکانہ کلمات کے ورد کرتے رہے ہو ـــــ اب اگلی آیت میں خاص طور پر بُتوں کا ذکر ہے۔

آیت ﴿ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ﴾ ''کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے یہ چلتے ہوں؟''

تم نے ان کے پاؤں اگر بنا بھی دیے ہیں تو کیا وہ ان کی مدد سے ایک قدم چلنے کی سکت بھی رکھتے ہیں؟

﴿ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ﴾ ''یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے یہ پکڑتے ہوں؟''

﴿ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ﴾ ''یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے یہ دیکھتے ہوں؟''

﴿اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ﴾ ''یا ان کے کان ہیں جن سے یہ سنتے ہوں؟''

﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۱۹۵﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ پکار لو اپنے سب شریکوں کو' پھر میرے خلاف چالیں چلو (جو چل سکتے ہو) اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔''

قولِ فیصل کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کرایا جا رہا ہے کہ میں تم سے کوئی درخواست نہیں کرتا کہ میرے ساتھ نرمی کرو یا مجھے مہلت دو۔ تم اپنے تمام معبودوں کو بلا لو اور میرے خلاف جو بھی اقدام کر سکتے ہو کر گزرو۔ اسی طرح کا دوٹوک اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کرایا گیا تھا: ﴿اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۷۸﴾ (الانعام)

آیت ۱۹۶ ﴿اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۹۶﴾ ''یقیناً میرا مددگار تو وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی' اور صالح بندوں کا وہی پشت پناہ ہے۔''

آیت ۱۹۷ ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۷﴾ ''اور جنہیں تم پکار رہے ہو اُس (اللہ) کو چھوڑ کر وہ تمہاری مدد کی استطاعت ہی نہیں رکھتے' اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔''

آیت ۱۹۸ ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ﴾ ''اور اگر تم انہیں راہنمائی کے لیے پکارو تو وہ سن نہ سکیں گے۔''

﴿وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۱۹۸﴾ ''اور تمہیں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔''

آیت ۱۹۹ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ درگزر کو تھام لیجیے اور بھلی بات کا حکم دیتے رہیے''

مکی سورتوں کے آخر میں اکثر حضور ﷺ سے اسی انداز میں خطاب ہوتا ہے کہ آپؐ ان لوگوں سے بہت زیادہ بحث مباحثہ میں نہ پڑیں' ان کے رویے سے درگزر کریں اور اپنی دعوت جاری رکھیں۔

﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹﴾ ''اور جاہلوں سے اعراض کریں۔''

یہ جاہل لوگ آپؐ سے اُلجھنا چاہیں تو آپؐ ان سے کنارہ کشی کر لیں۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان میں فرمایا: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝۶۳﴾ ''اور جب جاہل لوگ ان (رحمٰن کے بندوں) سے اُلجھنا چاہتے ہیں تو وہ ان کو سلام کہتے (ہوئے گزر جاتے) ہیں''۔ سورۃ القصص کی اس آیت میں بھی اہلِ ایمان کا یہی طریقہ بیان کیا گیا ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝۵۵﴾ ''تمہیں سلام ہو' ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے''۔ آیت زیرِ نظر میں ایک داعی کے لیے تین بڑی اہم باتیں بتائی گئی ہیں: عفو و درگزر سے کام لینا' نیکی اور بھلائی کی بات کا حکم دیتے رہنا' اور جاہل یعنی جذباتی اور مشتعل مزاج لوگوں سے اعراض کرنا۔

آیت ۲۰۰ ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۰۰﴾ ''اور اگر کبھی آپ کو کوئی چوک لگ جائے شیطان کی طرف سے تو اللہ کی پناہ طلب کریں' یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

نزغ اور نزغ ملتے جلتے حروف والے دو مادے ہیں' ان میں صرف ''ع'' اور ''غ'' کا فرق ہے۔ نزع کھینچنے کے معنی دیتا ہے جبکہ نزغ کے معنی ہیں کچوکا لگانا' اکسانا' وسوسہ اندازی کرنا۔ یعنی اگر بربنائے طبع بشری کبھی جذبات میں اشتعال اور غصہ آ ہی جائے تو فوراً بھانپ لیں۔ یہ شیطان کی جانب سے ایک چوک ہے' چنانچہ ایسی صورت میں فوراً اللہ سے پناہ مانگیں۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد میں حضور ﷺ کو غصہ

آ گیا تھا اور آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے تھے: ((كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ إِلَى اللّٰهِ)) [۱۲] ''یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہا تھا!''

یہ آیت آگے چل کر سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں ایک لفظ (هُوَ) کے اضافے کے ساتھ دوبارہ آئے گی: ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶﴾ کہ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا۔

آیت ۲۰۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا﴾ ''جن لوگوں کے اندر تقویٰ ہے ان کو جب کوئی بُرا خیال چھو جاتا ہے شیطان کے اثر سے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں''

یعنی متقی لوگ ہر گھڑی اپنے فکر و عمل کا احتساب کرتے رہتے ہیں اور اگر کبھی عارضی طور پر غفلت یا شیطانی وسوسوں سے کوئی منفی اثرات دل و دماغ میں ظاہر ہوں تو وہ فوراً سنبھل کر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسے خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ)) [۱۳] ''میرے دل پر بھی کبھی کبھی حجاب سا آ جاتا ہے اور میں روزانہ سو سو مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں''۔ واضح رہے کہ یہاں صرف بات کی وضاحت کے لیے اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ جس حجاب کا ذکر حضور ﷺ نے فرمایا ہے ہم نہ تو اس کی نوعیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی مشابہت ہماری کسی بھی قسم کی قلبی کیفیات کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ ہم نہ تو حضور ﷺ کے تعلق مع اللہ کی کیفیت کا تصور کر سکتے ہیں اور نہ ہی مذکورہ حجاب کی نوعیت کا۔ ظاہر ہے یہ حجاب بھی اُس حضوری کے درجے میں ہوگا جو ہماری لاکھوں حضوریوں سے بڑھ کر ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ تعلق مع اللہ کی شدت (intensity) میں کبھی ذرا سی بھی کمی آ گئی تو حضور ﷺ نے اسے حجاب سے تعبیر فرمایا۔

﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱﴾ ''اور دفعتہً اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

جب وہ چوکنے ہو جاتے ہیں تو اُن کی وقتی غفلت دور ہو جاتی ہے' عارضی منفی اثرات کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے اور حقائق پھر سے واضح نظر آنے لگتے ہیں۔

آیت ۲۰۲ ﴿وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲﴾ ''اور جو اُن (شیطانوں) کے بھائی ہیں انہیں وہ گھسیٹ کر لے جاتے ہیں دور تک گمراہی میں' پھر وہ کچھ کمی نہیں کرتے۔''

ظاہر ہے جو شخص شیطان کا دوست بنے گا اُس پر شیطان اپنا حکم تو چلائے گا۔ چنانچہ شیاطین اپنے بھائی بندوں کو اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے دور تک لے جاتے ہیں اور انہیں گمراہی کی آخری حد تک پہنچا کر رہتے ہیں۔ جیسے بلعم بن باعوراء کو شیطان نے اپنا شکار بنایا اور اسے گمراہی کی آخری حد تک پہنچا کر دم لیا۔ لیکن جو اللہ کے مخلص اور متقی بندے ہیں ان پر شیطان کا اختیار نہیں چلتا۔ ان کی کیفیت اس سے پچھلی آیت میں یوں بیان ہوئی ہے کہ جونہی منفی اثرات کا کوئی سایہ ان کو اپنی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ یکدم چونک کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

۱۲۔ سنن ابن ماجه' كتاب الفتن' باب الصبر على البلاء۔ ومسند احمد: ۱۲۷۲۵ یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن الترمذی میں بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

۱۳۔ صحيح مسلم' كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب استحباب الاستغفار والاستكثار منه۔ وسنن ابی داؤد' كتاب الصلاة' باب في الاستغفار۔

آیات ۲۰۳ تا ۲۰۶

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يُسَبِّحُوْنَهٗ وَ لَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ ع

اس آخری رکوع میں ان دونوں سورتوں (الانعام اور الاعراف) کے مضامین کے عمود کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ جس زمانے میں یہ دو سورتیں نازل ہوئیں اُس وقت کُفارِ مکّہ کی طرف سے یہ مطالبہ تکرار کے ساتھ کیا جا رہا تھا کہ کوئی نشانی لاؤ' کوئی معجزہ دکھاؤ۔ یعنی جس طرح کے حسّی معجزات حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو ملے تھے' اسی نوعیت کے معجزات اہلِ مکّہ حضور ﷺ کے ہاتھوں بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اس کے لیے وہ بار بار مطالبہ کر رہے تھے۔ ان دونوں سورتوں میں ان لوگوں کے اس مطالبے اور اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اب اس سلسلے میں آخری بات ہو رہی ہے۔

آیت ۲۰۳ ﴿وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جب آپ ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کیوں نہ اسے چُن کر لے آئے؟''

کُفارِ مکّہ کا کہنا تھا کہ جب آپ (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' تو آپ کے لیے معجزہ دکھانا کون سا مشکل کام ہے؟ آپ ہمارے اطمینان کے لیے کوئی معجزہ چھانٹ کر لے آئیں! اس سلسلے میں تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ایک پھوپھی زاد بھائی تھا' جو اگرچہ ایمان تو نہیں لایا تھا مگر اکثر آپ ﷺ کے ساتھ رہتا اور آپ ﷺ سے تعاون بھی کرتا تھا۔ اس کے اس طرح کے رویّے سے امید تھی کہ ایک دن وہ ایمان بھی لے آئے گا۔ ایک دفعہ کسی محفل میں سردارانِ قریش نے معجزات کے بارے میں آپ ﷺ سے بہت بحث و تکرار کی کہ آپ نبی ہیں تو ابھی معجزہ دکھائیں' یہ نہیں تو وہ دکھا دیں' ایسے نہیں تو ویسے کر کے دکھا دیں! (اس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ میں آئی ہے) مگر آپ ﷺ نے ان کی ہر بات پر یہی فرمایا کہ معجزہ دکھانا میرے اختیار میں نہیں ہے' یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے' جب اللہ تعالیٰ چاہے گا دکھا دے گا۔ اس پر انہوں نے گویا اپنے زعم میں میدان مار لیا اور آپ ﷺ پر آخری حُجّت قائم کر دی۔ چنانچہ جب حضور ﷺ وہاں سے اٹھے تو ان کی اس محفل میں شور مچ گیا۔ ان لوگوں نے کیا کیا اور کس کس انداز میں باتیں نہیں کی ہوں گی اور اس کے عوام پر کیا اثرات ہوئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے اُس پھوپھی زاد بھائی نے کہا کہ آج تو گویا آپؐ کی قوم نے آپؐ پر حُجّت قائم کر دی ہے' اب میں آپؐ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشرکینِ مکّہ کے مذکورہ مطالبے پر اصرار کی وجہ سے حضور ﷺ کو کس قدر مشکل حالات اور پریشانی کا سامنا تھا۔ اس صورتِ حال کی سنگینی کی نشاندہی سورۃ الانعام کی آیت ۳۵ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ﴾ ''اور (اے

نبی ﷺ! اگر آپ پر بہت شاق گزر رہا ہے ان کا اعراض تو اگر آپ میں طاقت ہے تو زمین میں کوئی سرنگ بنا لیجیے یا آسمان پر سیڑھی لگا لیجیے اور ان کے لیے کہیں سے کوئی نشانی لے آیئے!'' (ہم تو انہیں اس نوعیت کا کوئی معجزہ نہیں دکھانا چاہتے!) یہ پس منظر ہے ان حالات کا جس میں فرمایا جا رہا ہے کہ معجزات کے مطالبات میں آپ ﷺ ان کو بتائیں کہ معجزہ دکھانے یا نہ دکھانے کا فیصلہ اللہ نے کرنا ہے' مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو صرف پیروی کر رہا ہوں اُس کی جو میری طرف وحی کی جا رہی ہے میرے ربّ کی طرف سے۔''

﴿هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ''یہ تمہارے ربّ کی طرف سے بصیرت افروز باتیں ہیں' اور یہ ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے حق میں جو ایمان لے آئیں۔''

یعنی میں آپ لوگوں کے سامنے جو پیش کر رہا ہوں' یہ وہی کچھ ہے جو اللہ نے مجھ پر وحی کیا ہے اور میں خود بھی اسی کی پیروی کر رہا ہوں۔ اس سے بڑھ کر میں نے کبھی کوئی دعویٰ کیا ہی نہیں۔

آیت ۲۰۴ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے پوری توجہ کے ساتھ سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سَمِعَ ' يَسْمَعُ کے معنی ہیں سننا' جبکہ اِسْتِمَاع کے معنی ہیں پوری توجہ کے ساتھ کان لگا کر سننا۔ جو حضرات جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے قائل ہیں وہ اسی آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں' کیونکہ اس آیت کی رُو سے تلاوتِ قرآن کو پوری طرح ارتکازِ توجہ کے ساتھ سننا فرض ہے اور ساتھ ہی خاموش رہنے کا حکم بھی ہے۔ جبکہ نماز کے دوران خود تلاوت کرنے کی صورت میں سننے کی طرف توجہ نہیں رہے گی اور خاموش رہنے کے حکم پر بھی عمل نہیں ہوگا۔

آیت ۲۰۵ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً﴾ ''اور اپنے رب کو یاد کرتے رہا کرو اپنے جی ہی جی میں' عاجزی اور خوف کے ساتھ''

اس عاجزی کی انتہا اور عبدیتِ کاملہ کا مظہر تو وہ دعائے ماثور ہے جو میرے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کے آخر میں درج ہے۔ ان دو آیات کے مضمون (قرآن کی عظمت اور دعا میں عاجزی) کے خصوصی حوالے سے اس دعا کے مندرجہ ذیل الفاظ کو پڑھیے اور ان کے مفہوم کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں اتارنے کی کوشش کیجیے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ ''اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں!''

وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ ''تیرے ایک ناچیز غلام اور ادنیٰ کنیز کا بیٹا ہوں!''

وَفِيْ قَبْضَتِكَ ' نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ ''اور مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے' میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ ہے۔''

مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ' عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ ''نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم' اور عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ۔''

اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ' سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ ''میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں تیرے ہر اُس اسم کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذاتِ مقدس کو موسوم فرمایا''

اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِکَ ''یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا''
اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ ''یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا''
اَوِاسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَکْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ ''یا اسے اپنے مخصوص خزانہ غیب ہی میں محفوظ رکھا''
اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ ، وَنُوْرَ صَدْرِیْ، وَجَلَاءَ حُزْنِیْ ، وَ ذَهَابَ هَمِّیْ وَ غَمِّیْ[۱۴] ''کہ تُو بنادے قرآن مجید کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے رنج وحزن کی جلا اور میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب!''
آمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ! ''ایسا ہی ہو اے تمام جہانوں کے پروردگار!''

﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ''اور بلند آواز سے نہیں (پست آواز سے)''

اس حوالے سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی دُعا مانگے تو اس طرح مانگے کہ وہ اپنی آواز کو خود سُن سکے تاکہ اس کی سماعت بھی اس سے استفادہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو قراءت ایسے کرے کہ خود سُن سکے اگرچہ سِرّی نماز ہی کیوں نہ ہو۔

﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ''(اور اس طرح آپ اپنے رب کا ذکر کرتے رہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے اوقات میں بھی''

جیسے سورۃ الانعام کی پہلی آیت کی تشریح کے ضمن میں ذکر آیا تھا کہ لفظ نُور قرآن میں ہمیشہ واحد جبکہ ظُلُمات ہمیشہ جمع آتا ہے اسی طرح لفظ غُدُوّ (صبح) بھی ہمیشہ واحد اور آصال (شام) ہمیشہ جمع آتا ہے۔ یہ اَصِیل کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ صبح کی نماز تو ایک ہی ہے یعنی فجر جبکہ سورج ذرا مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہوتا ہے تو رات تک پے در پے نمازیں پڑھی جاتی رہتی ہیں یعنی ظہر عصر مغرب اور عشاء۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۸ کے الفاظ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ﴾ بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝۲۰۵﴾ ''اور غافلوں میں سے نہ ہو جایئے۔''

آیت ۲۰۶ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ''بے شک وہ جو آپ کے ربّ کے پاس ہیں''

یعنی ملأ اعلیٰ میں ملائکہ مقربین کی محفل جس کا نقشہ امیر خسروؒ نے اپنے اس خوبصورت شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

خدا خود میرِ محفل بُود اندر لامکاں خسرو — محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ مَن بودم!

یعنی لامکاں کی وہ محفل جس کا میرِ محفل خود اللہ تعالیٰ ہے اور جہاں شرکائے محفل ملائکہ مقربین ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ (روحِ محمدیؐ) کو اس محفل میں گویا چراغ اور شمع کی حیثیت حاصل ہے۔ امیر خسرو کہتے ہیں کہ کل رات مجھے بھی اس محفل میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

﴿لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ۝۲۰۶﴾ ''وہ اُس کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے اور اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اُس کے لیے سجدے کرتے رہتے ہیں۔''

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم، ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ۝۝

---

[۱۴] رواہ احمد ورزین۔ مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات، الفصل الثالث۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ

تمہیدی کلمات

سورۃ الانفال مدنی سورت ہے اور اس کا سورۃ التوبہ (مدنی) کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے۔ زیر مطالعہ گروپ کی چاروں سورتوں میں پائے جانے والے معنوی ربط کو یوں سمجھنا چاہیے کہ پہلی دو مکی سورتوں (الانعام اور الاعراف) میں مشرکینِ عرب پر رسول اللہ ﷺ کی مسلسل دعوت کے ذریعے اتمامِ حُجّت کا بیان ہے اور بعد کی دو مدنی سورتوں (الانفال اور التوبہ) میں اس اتمامِ حُجّت کے جواب میں ان لوگوں پر عذاب کا تذکرہ ہے۔ موضوع کی اس مناسبت کی بنا پر یہ چاروں سورتیں دو دو کے دو جوڑوں کے ساتھ ایک گروپ بناتی ہیں۔

سورۃ الانفال غزوۂ بدر کے متصلاً بعد اور سورۂ آلِ عمران کے اکثر حصوں کے نزول سے پہلے نازل ہوئی۔ چنانچہ اس سورت کے مطالعے سے پہلے غزوۂ بدر کے پس منظر اور واقعات کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے' بلکہ اس پس منظر کے مطالعہ سے بھی پہلے نبی اکرم ﷺ کی دعوتی و انقلابی تحریک کے منہج و مراحل کے حوالے سے غزوۂ بدر کی خصوصی اہمیت اور حیثیت کا تعین بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جب ہم غزوۂ بدر کو قرآن کے فلسفۂ تذکیر بایام اللہ اور سورۃ الانفال کے خصوصی تناظر میں دیکھتے ہیں تو اس غزوہ کے مندرجہ ذیل دو پہلو بہت نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) مشرکینِ مکّہ پر عذاب کا پہلا کوڑا: اللہ تعالیٰ کی سُنّت کے مطابق رسولوں کا انکار کرنے والی اقوام پر اجتماعی طور پر عذاب استیصال نازل ہوتا رہا ہے۔ اسی قانونِ قدرت کا اطلاق ہجرت کے بعد مشرکینِ مکّہ پر بھی ہونے والا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بارہ تیرہ برس تک مختلف انداز میں دعوت دے کر اپنی قوم پر اتمامِ حُجّت کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ کے لیے ہجرت کا حکم گویا ایک واضح اشارہ تھا کہ مشرکینِ مکّہ اپنے مسلسل انکار کے باعث اب عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں' لیکن حکمتِ الٰہی کے پیشِ نظر قریش کا معاملہ اپنی نوعیت میں اس لحاظ سے منفرد رہا کہ ان پر عذاب یکبارگی ٹوٹ پڑنے کے بجائے بالاقساط نازل ہوا۔ لہٰذا اس عذاب کی قسط اوّل اُن پر بدر کے میدان میں نازل ہوئی۔ انہیں حرمِ مکّہ سے نکال کر میدانِ بدر میں بالکل اسی طرح سے لایا گیا جیسے آلِ فرعون کو اُن کے محلّات سے نکالا گیا تھا اور سمندر میں غرق کرنے کے لیے لایا گیا تھا۔

میدانِ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے' ستر افراد قیدی بنے اور متعدد زخمی ہوئے۔ یہ انجام ان جنگجوؤں کا ہوا جو فنِ حرب کی مہارت اور بہادری میں پورے عرب میں مشہور تھے' اپنے دور کے جدید ترین اسلحہ سے لیس اور تعداد میں اپنے حریف لشکر سے تین گنا تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا عالَم یہ تھا کہ تین سو تیرہ میں سے صرف آٹھ افراد کے پاس تلواریں تھیں۔ ان نہتے تین سو تیرہ مجاہدین کے ہاتھوں ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل مسلح لشکر کی یہ ذِلّت اور ہزیمت دراصل قریشِ مکّہ کے لیے عذاب کی پہلی قسط تھی' جس کا ذکر سورۃ الانفال میں مرکزی مضمون کے طور پر ہوا ہے۔ (اس عذاب کا آخری مرحلہ سن ۹ ہجری میں آیا' جس

کا ذکر سورۃ التوبہ میں آیا ہے۔)

(۲) غلبۂ دین کی جدّوجُہد کا حتمی اور ناگزیر مرحلہ (اقدام): غزوۂ بدر رسول اللہ ﷺ کی غلبۂ دین کی جدّوجُہد کے پانچویں اور آخری مرحلے یعنی حق و باطل کے درمیان ''باقاعدہ تصادم'' کا نقطۂ آغاز تھا۔ اس مرحلے کو کامیابی سے سر کرنے کے بعد یہ تحریک بالآخر تاریخ انسانی کے عظیم ترین اور جامع ترین انقلاب پر منتج ہوئی۔ اس تحریک کے ابتدائی چار مراحل یعنی دعوت، تنظیم، تربیت اور صبرِ محض تو مکّہ مکرمہ میں طے ہو گئے تھے۔ اس سلسلے کے چوتھے مرحلے (صبرِ محض) کا تذکرہ سورۃ النساء کی آیت ۷۷ میں ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ کے الفاظ میں کیا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ باندھ کر رکھو، یعنی تمہارے ٹکڑے بھی کر دیے جائیں تو بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے، حتیٰ کہ مدافعانہ کارروائی کی بھی اجازت نہیں ہے۔

مذکورہ چار مراحل کو کامیابی سے طے کر لینے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے پاس جاں نثاروں کی ایک مختصر مگر انتہائی مضبوط جماعت تیار ہو گئی تھی، جو سرد و گرم چشیدہ تھے، ہر طرح کی سختیاں جھیل چکے تھے، ہر قسم کی قربانیاں دے چکے تھے اور ان کے اخلاص مع اللہ میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ اس تربیت یافتہ، منظم اور مضبوط جماعت کی تیاری کے بعد اب باطل کو للکارنے کا وقت قریب آ چکا تھا۔ لہٰذا مدینہ کی طرف ایک کھڑکی کھول کر دارالہجرت کا انتظام کر دیا گیا، تاکہ یہ ساری قوت ایک جگہ مجتمع ہو کر آخری مرحلے (اقدام) کے لیے تیاری کر سکے اور یہی وجہ تھی کہ یہ ہجرت تمام اہلِ ایمان پر فرض کر دی گئی تھی۔ اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو یہ ہجرت فرار (flight) نہیں تھی، جیسا کہ مغربی مؤرخین ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ ایک باقاعدہ سوچی سمجھی، طے شدہ حکمت عملی کا حصّہ تھی، جس کے تحت اس تحریک کے ہیڈ کوارٹرز کو متبادل base فراہم کرنے کے لیے مکّہ سے مدینہ منتقل کیا گیا، تاکہ وہاں سے فیصلہ کُن انداز میں اقدام کیا جا سکے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس موضوع پر میری کتاب ''منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ''۔)

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ وضاحت طلب ہے اور وہ یہ کہ اٹھارہویں صدی میں مغربی علوم و تہذیب کی شدید یلغار کے سامنے مسلمان ہر میدان میں پسپا ہوتے چلے گئے، اس ماحول میں جب مغرب کی طرف سے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ ع ''بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے!'' یعنی یہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو اس کے جواب میں ہمارے کچھ بزرگوں کی طرف سے پورے خلوص کے ساتھ معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا۔ شاید یہ اس وقت کے حالات کی وجہ سے مجبوری بھی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں محکومی و غلامی کی حالت میں مسلمان خصوصی طور پر انگریزوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے۔ ان حالات میں کچھ مسلمان رہنما ایک طرف اپنی قوم کے تحفّظ کے بارے میں فکرمند تھے تو دوسری طرف وہ اسلام اور سیرت النبی ﷺ کا دفاع بھی کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس الزام کے جواب میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے خود سے کوئی ایسا جارحانہ اقدام نہیں کیا، بلکہ تمام جنگیں آپ ﷺ پر مسلّط کی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے تمام جنگیں اپنے دفاع میں لڑیں۔

ہندوستان میں ان خطوط پر سب سے زیادہ کام علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ وہ سرسیّد احمد خان کے زیر اثر تھے اور یہ سب لوگ مل کر جدید مغربی افکار و خیالات، تہذیب و تمدّن اور اقدار و نظریات کے طوفان کا خلوصِ نیت سے مقابلہ کر رہے تھے، جو بہرحال کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لہٰذا اس سلسلے میں انہیں معذرت خواہانہ (apologetic) انداز اختیار کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلیؒ نے ''سیرت النبی ﷺ'' تحریر کرتے ہوئے غزوۂ بدر سے پہلے کی آٹھ مہمات (جن میں چار غزوات اور چار سرایہ تھیں) کو تقریباً نظر انداز کر دیا ہے، تاکہ یہ ثابت نہ ہو کہ پہل کا اقدام (initiative) حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہوا تھا۔

مذکورہ مصلحت آمیز حکمتِ عملی ایک خاص دور کا تقاضا تھی، لیکن اب حالات مختلف ہیں۔ آج اسلام کا یہ فلسفہ پوری وضاحت کے

ساتھ دنیا کے سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے جو انسانی معاشرے میں عملی تنفیذ کے لیے اپنا غلبہ چاہتا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ دین اسلام کو دنیا میں عملی طور پر غالب کر دیا جائے۔ دین کو غالب کرنے کی انقلابی جدوجہد کی آج بھی ضرورت ہے۔ یہ جدوجہد جب بھی اور جہاں بھی شروع کی جائے گی اس کے لیے منظم انداز میں تیاری کی ضرورت ہوگی۔ تیاری کا یہ کٹھن سفر سیرتِ مطہرہ ﷺ کی روشنی میں بتدریج مذکورہ چار مراحل (دعوت، تنظیم، تربیت اور صبرِ محض) میں اسی طرح طے کرنا ہوگا جس طرح خود نبی اکرم ﷺ نے طے فرمایا تھا۔ اگر یہ پہلے چار مراحل کامیابی سے طے کر لیے جائیں گے تو اس کے بعد اس جدوجہد کو آخری اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل کرنا ہوگا۔ یعنی باطل کو للکار کر اس سے ٹکر لینا ہوگی۔ اس سب کچھ کی منطقی وجہ یہ ہے کہ حق اور باطل دو ایسی متضاد اور متحارب قوتیں ہیں جو متوازی انداز میں نہیں چل سکتیں۔ دونوں میں بقائے باہمی (co-existence) کے اصول پر کسی قسم کی کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک قوت غالب ہوگی تو دوسری کو لازمی طور پر مغلوب ہونا پڑے گا۔ لہٰذا اگر حق اور اہلِ حق طاقتور ہیں تو وہ کسی قیمت پر باطل سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزاکت کے تحت منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ رعایت کرنے کے مشورے کے جواب میں فرمایا تھا: اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ (کیا دین میں ترمیم کی جائے گی جبکہ میں ابھی زندہ ہوں!)۔ لہٰذا سورۃ الانفال کا مطالعہ کرتے ہوئے اس فلسفے کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھنا اور ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

غزوۂ بدر کا پس منظر: مدینہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شہر کے داخلی استحکام پر ترجیحی طور پر توجہ مرکوز فرمائی۔ اس سلسلے میں پہلے چھ ماہ میں آپ ﷺ نے تین انتہائی اہم امور سرانجام دیے۔ اوّلاً آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل کروائی، جس کی صورت میں آپ ﷺ کو ایک ایسا مرکز میسر آ گیا جو بیک وقت ایک گورنمنٹ سیکرٹیریٹ بھی تھا اور پارلیمنٹ ہاؤس بھی، جو دارالعلوم اور خانقاہ بھی تھا اور ایک عبادت گاہ بھی۔ ثانیاً آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات کا رشتہ قائم کرا دیا، جس سے نہ صرف مہاجرین کے معاشی و معاشرتی مسائل حل ہو گئے بلکہ مدینہ میں ان دونوں فریقوں کے اتحاد سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس کے افراد باہمی محبت اور اخلاص کے گہرے رشتہ میں منسلک تھے۔ اس سلسلے کا تیسرا اور اہم ترین کارنامہ میثاقِ مدینہ تھا۔ یعنی یہودی قبائل کے ساتھ مدینہ کے مشترکہ دفاع کا معاہدہ، جس کے تحت حملے کی صورت میں مدینہ کے یہودی قبائل مسلمانوں کے ساتھ مل کر شہر کا دفاع کرنے کے پابند ہو گئے۔

داخلی محاذ پر ان معاملات سے فارغ ہونے کے بعد ہجرت کے ساتویں ماہ سے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے اطراف و جوانب میں چھاپہ مار دستے بھیجنے شروع کر دیے۔ قریشِ مکہ کی معیشت کا دارومدار تجارت پر تھا اور مکہ سے یمن اور شام کی طرف اُن کے تجارتی قافلے سارا سال رواں دواں رہتے تھے۔ یہ دونوں تجارتی شاہراہیں قریشِ مکہ کی معیشت کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اِن دونوں شاہراہوں پر اپنے فوجی دستوں کی نقل و حرکت سے قریش کو یہ باور کرا دیا کہ ان کی یہ معاشی شہ رگ اب عملی زد میں ہے اور ہم جب چاہیں اسے منقطع کر سکتے ہیں۔ اپنی معیشت کے بارے میں ایسے خدشات کا تصور قریش کے لیے بہت ہی بھیانک تھا۔ غزوۂ بدر (۲ ہجری) سے پہلے، ڈیڑھ سال کے دوران میں ایسی آٹھ مہمات کا بھیجا جانا تاریخ سے ثابت ہے۔ ان میں سے چار مہمات میں رسول اللہ ﷺ کی بنفسِ نفیس شرکت بھی ثابت ہے۔ آپ ﷺ جن جن علاقوں میں تشریف لے گئے وہاں پر آباد قبائل کے ساتھ آپ ﷺ نے دوستی کے معاہدے کر لیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کے اطراف و جوانب میں آباد اکثر قبائل جو پہلے قریش کے دوست تھے اب مسلمانوں کے حلیف بن گئے، جبکہ کچھ قبائل نے غیر جانبدار رہنے کے معاہدے کر لیے، اور یوں

آپ ﷺ کی کامیاب حکمت عملی سے مدینہ کے مضافاتی علاقوں سے قریش کا دائرۂ اثر سکڑنے لگا۔ قریش کے لیے مکہ کی معاشی ناکہ بندی کا خدشہ ہی کچھ کم پریشان کن نہیں تھا کہ اب انہیں اس علاقے سے اپنے سیاسی اثر ورسوخ کی بساط بھی لپٹتی ہوئی دکھائی دینے لگی' چنانچہ ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق وہ مدینہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے منصوبہ بندی کرنے لگے۔ اسی دوران میں دو ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے حالات تیزی سے خراب ہو کر غزوۂ بدر پر منتج ہوئے۔

پہلا واقعہ یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا دستہ نخلہ کے مقام پر بھیجا تھا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ اس دستے میں شامل لوگوں کو یہ مشن سونپا گیا تھا کہ وہ اس علاقے میں موجود رہیں اور قریش کی نقل وحرکت کے بارے میں مطلع کرتے رہیں۔ اتفاق سے اس دستے کی مڈبھیڑ قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہوگئی۔ مقابلے میں ایک مشرک شخص عبداللہ بن حضرمی مارا گیا جبکہ ایک دوسرے مشرک کو قید کر لیا گیا۔ مالِ غنیمت اور قیدی کے ساتھ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا' کیونکہ ایسا کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا' لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ یہ گویا مسلمانوں کی طرف سے قریش کے خلاف پہلا باقاعدہ مسلح اقدام تھا جس میں ان کا ایک شخص بھی قتل ہوا۔ لہٰذا اس واقعہ سے ماحول کی کشیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

دوسرا واقعہ ابوسفیان کے قافلے سے متعلق ہوا۔ یہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تھا جو مکہ سے شام کی طرف جا رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا تعاقب کیا' مگر وہ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب یہ قافلہ پچاس ہزار دینار کی مالیت کے ساز وسامان کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا تو ممکنہ خطرے کے پیش نظر ابوسفیان نے قافلے کی حفاظت کے لیے دوہری حکمت عملی اختیار کی۔ انہوں نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار سوار کو اپنے تحفظ کی خاطر مدد حاصل کرنے کے لیے مکہ روانہ کر دیا اور دوسری طرف معمول کا راستہ جو بدر کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا' اس کو چھوڑ کر قافلے کو مدینہ سے دور ساحل سمندر کے راستے پر ڈال دیا۔ راستہ بدلنے سے قافلہ تو ممکنہ خطرے سے بچ گیا مگر مدد حاصل کرنے کے لیے روانہ ہونے والے ایلچی کو واپس بلانا ممکن نہ تھا۔ بہرحال اتفاق سے مکہ میں یہ دونوں اشتعال انگیز خبریں یکے بعد دیگرے پہنچیں۔ ایک طرف نخلہ سے جان بچا کر بھاگنے والے افراد روتے پیٹتے عبداللہ بن حضرمی کے قتل کی خبر لے کر پہنچ گئے اور دوسری طرف ابوسفیان کا ایلچی بھی دہائی دیتے ہوئے آ پہنچا کہ بھاگو! دوڑو! کچھ کر سکتے ہو تو کرو' تمہارا قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں لٹنے والا ہے۔ ان خبروں سے مکہ میں تو گویا آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ فوری طور پر ایک ہزار کا لشکر تیار کیا گیا جس کے لیے ایک سو گھوڑوں پر مشتمل رسالہ اور نو سو اونٹ مہیا کیے گئے' وافر مقدار میں سامانِ رسد اور اسلحہ وغیرہ بھی فراہم کیا گیا۔

مشاورت کے بارے میں غلط فہمی کی وضاحت: غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جس مشاورت کا ذکر قرآن حکیم اور تاریخ میں ملتا ہے اس کے بارے میں اکثر لوگ مغالطے کا شکار ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دو مواقع اور دو مقامات پر الگ الگ مشاورت کا انعقاد فرمایا تھا' مگر اسے اکثر وبیشتر لوگوں نے ایک ہی مشاورت سمجھا ہے۔

پہلی مجلسِ مشاورت مدینہ میں ہوئی اور اس کا مقصد یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ابوسفیان کے قافلے کو شام سے واپسی پر روکنا چاہیے یا نہیں؟ اور جب مشورہ کے بعد اس سلسلے میں اقدام کرنا طے پایا تو حضور ﷺ کچھ صحابہؓ کو لے کر اس مقصد کے لیے مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ اُس وقت تک جنگ کے بارے میں کوئی گمان تک نہیں تھا اس لیے اس مہم کے لیے کوئی خاص تیاری نہیں کی گئی تھی۔ جس کے ہاتھ میں جو آیا وہ لے کر چل پڑا۔ چنانچہ دو گھوڑوں' آٹھ تلواروں اور کچھ چھوٹے موٹے ہتھیاروں کے ساتھ چند صحابہؓ کی معیت میں جب آپ ﷺ مقامِ صفراء پر پہنچ گئے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابوجہل ایک ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے چل پڑا ہے۔ اسی

اثناء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آ گئی کہ جنوب (مکہ) کی طرف سے ایک بڑا لشکر آ رہا ہے جو کیل کانٹے سے لیس ہے جبکہ شمال کی جانب سے قافلہ آ رہا ہے' اور میرا یہ وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پر آپ (ﷺ) کو ضرور فتح حاصل ہوگی۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو اس بارے میں خوشخبری بھی دیں اور ان سے مشورہ بھی کریں۔ چنانچہ اس وحی کے بعد مقامِ صفراء پر آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کرنے کے لیے دوسری مشاورت کا انعقاد فرمایا کہ پہلے لشکر کے مقابلے کے لیے جایا جائے یا قافلے کو روکنے کے لیے اقدام کیا جائے؟ چنانچہ جن محققین اور مفسرین سے اس پس منظر کی تحقیق میں کوتاہی ہوئی ہے' انہوں نے مشاورت کے دو واقعات کو ایک ہی واقعہ سمجھا ہے' نتیجتاً انہیں اس سورت کی متعلقہ آیات کو سمجھنے اور ان کا ترجمہ و تشریح کرنے میں بہت خلجان رہا ہے۔

سورت کے اسلوب کا ایک خاص انداز: یہ سورت دس رکوعات پر مشتمل ایک مکمل خطبہ ہے' لیکن اس میں سے مالِ غنیمت کی تقسیم کے مسئلے کو درمیان سے نکال کر آغاز میں لایا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات سورت کے اندر اپنی جگہ پر ہی بیان ہوئی ہیں' لیکن اس موضوع کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر سورت کا آغاز غیر معمولی انداز میں اس کے ذکر سے کیا گیا ہے۔ یہاں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ اس لیے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آیا کہ غزوۂ بدر جزیرہ نمائے عرب میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ اس سے پہلے عرب میں کہیں بھی کسی باقاعدہ فوج اور اس کے ڈسپلن کی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔ چنانچہ عسکری نظم وضبط اور جنگی معاملات کے بارے میں کوئی ضابطہ اور قانون بھی پہلے سے موجود نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ میں فتح کے بعد میدانِ جنگ سے جو چیز جس کے ہاتھ لگ گئی' اُس نے سمجھا کہ بس اب یہ اُس کی ہے۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے بہت سنجیدہ نوعیت کے مسائل پیدا ہو گئے۔ بعض لوگوں نے تو بھاگ دوڑ کر کے بہت زیادہ مال جمع کر لیا' جبکہ مختلف وجوہات کی بنا پر کچھ لوگوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔ کچھ لوگ اپنی بزرگانہ حیثیت اور وضع داری کی بنا پر بھاگ دوڑ کر مال اکٹھا نہیں کر سکتے تھے۔ کچھ لوگ اہم مقامات پر پہرہ دے رہے تھے' جبکہ بعض صحابہؓ رسول ﷺ کی حفاظت پر مامور تھے۔ مالِ غنیمت میں سے ایسے تمام لوگوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس ضمن میں شکایات بھی پیدا ہوئیں۔ چنانچہ سورت کی پہلی آیت میں ہی جتلا دیا گیا کہ اللہ کے ہاں اس معاملے کا خاص نوٹس لیا گیا ہے اور پھر بات بھی اس طرح سے کی گئی کہ مسئلے کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی گئی۔ بالکل دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے' کسی اور کا اس پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں۔ سورۃ الانفال کا یہ اسلوب اگر اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے تو اس سے ہمیں سورۃ التوبہ کے مضامین کی ترتیب کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

آیات ۱ تا ۸

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا: ۷۵ رُكُوْعَاتُهَا: ۱۰

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

آیت ۱ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں' آپ کہیے کہ اموالِ غنیمت کُل کے کُل اللہ اور رسولؐ کے ہیں۔''

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اور اپنے آپس کے معاملات درست کرو' اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

یہاں مالِ غنیمت کے لیے لفظ ''انفال'' استعمال کیا گیا ہے۔ اَنفال جمع ہے نفل کی اور نفل کے معنی ہیں اضافی شے۔ مثلاً نمازِ نفل جسے ادا کرلیں تو باعث ثواب ہے اور اگر ادا نہ کریں تو مواخذہ نہیں۔ اسی طرح جنگ میں اصل مطلوب شے تو فتح ہے جب کہ مالِ غنیمت ایک اضافی انعام ہے۔

جیسا کہ تمہیدی گفتگو میں بتایا جا چکا ہے' غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ بہت سنجیدہ صورت اختیار کر گیا تھا۔ چنانچہ آیت زیرِ نظر میں ایک مختصر' قطعی اور دوٹوک حکم کے ذریعے سے اس مسئلہ کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور بہت واضح انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ ''انفال'' کُل کے کُل اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی ملکیت ہیں۔ اس لیے کہ یہ فتح تمہیں اللہ کی خصوصی مدد اور اللہ کے رسولؐ کے ذریعے سے نصیب ہوئی ہے۔ لہٰذا انفال کے حق دار بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہیں۔ اس قانون کے تحت یہ تمام غنیمتیں اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائیں اور تمام مجاہدین کو حکم دے دیا گیا کہ انفرادی طور جو چیز جس کسی کے پاس ہے وہ اسے لاکر بیت المال میں جمع کرا دے۔ اس طریقے سے سب لوگوں کو zero level پر کھڑا کر دیا گیا اور یوں یہ مسئلہ احسن طور پر حل ہو گیا۔ اس کے بعد جس کو جو دیا گیا اُس نے وہ بخوشی قبول کر لیا۔

اگلی آیات اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں بندۂ مؤمن کی شخصیت کے کچھ خدوخال بیان ہوئے ہیں۔ مگر ان خدوخال کے بارے میں جاننے سے پہلے یہ نکتہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ''مؤمن'' اور ''مسلمان'' دو مترادف الفاظ یا اصطلاحات نہیں ہیں۔ قرآن ان دونوں میں واضح فرق کرتا ہے۔ یہ فرق سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ بدو لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں' ان سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں جبکہ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے''۔ اسلام اور ایمان کا یہ فرق اچھی طرح سمجھنے کے لیے ''ارکانِ اسلام'' کی تفصیل ذہن میں تازہ کر لیجیے جو قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا کا مرحلۂ اولیٰ طے کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ :شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

اس حدیث میں پانچ ارکانِ اسلام کا ذکر ہوا ہے' جن سے ہر مسلمان واقف ہے۔ مگر جب ایمان کی بات ہوگی تو ان پانچ ارکان کے ساتھ دو مزید ارکان کا اضافہ کرنا ہوگا۔ اور یہ دو ارکان ہیں ''دل کا یقین'' اور ''جہاد فی سبیل اللہ''۔ ان میں سے پہلے رکن کا تعلق نظریے سے ہے' جبکہ دوسرے کا تعلق عمل سے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو سورۃ الحجرات کی اگلی آیت میں بندۂ مؤمن کی شخصیت کا یہ نقشہ: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵﴾ ''مؤمن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر' پھر ان کے دلوں میں شک باقی نہ رہے اور وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ صرف وہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں''۔ یعنی کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد انسان قانونی طور پر مسلمان ہو جاتا ہے اور تمام ارکانِ اسلام اس کے لیے لازمی قرار پاتے ہیں۔ مگر حقیقی مؤمن وہ تب بنے گا جب اُس کے دل کو گہرے یقین ﴿ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا﴾ والا ایمان نصیب ہوگا اور عملی طور پر وہ جہاد میں بھی حصہ لے گا۔

بندۂ مؤمن کی اسی تعریف (definition) کی روشنی میں اہلِ ایمان کی کیفیت یہاں سورۃ الانفال میں دو حصوں میں الگ الگ بیان ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ حقیقی ایمان والے حصے کی کیفیت کو آیت ۲ اور ۳ میں بیان کیا گیا ہے' جبکہ اس کے دوسرے (جہاد والے) حصے کی کیفیات کا ذکر سورت کی آخری آیت سے پہلے والی آیت میں آیا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک پرکار (compass) کو کھول کر اُس کی ایک نوک کو سورت کے آغاز پر (پہلی آیت چھوڑ کر) جبکہ دوسری نوک کو سورت کے آخر پر (آخری آیت چھوڑ کر) رکھ دیا گیا ہو۔ اس وضاحت کے بعد اب ملاحظہ ہو بندۂ مؤمن کی تعریف (definition) کا پہلا حصہ:

آیت ۲ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲﴾ ''حقیقی مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے' اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''

آیت ۳ ﴿الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۳﴾ ''جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

اس سے انفاق فی سبیل اللہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ کے دین کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو حقیقی مؤمن ہیں۔''

یہاں پر ایک مؤمن کی تعریف (definition) کا پہلا حصہ بیان ہوا ہے' جب کہ اس کا دوسرا اور تکمیلی حصہ اس سورت کی آیت ۷۴ میں بیان ہوگا' یعنی آخری سے پہلی (second last) آیت میں۔ اُس آیت میں یہی الفاظ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

۱۔ صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب بنی الاسلام علی خمس۔ و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام و دعائمه العظام۔ و اللفظ للمسلم۔

حَقًّا﴾ ایک دفعہ پھر آئیں گے۔ ایمان کے ان حقائق کو تقسیم کر کے سورت کے آغاز اور اختتام پر اس طرح رکھا گیا ہے جیسے ساری سورت اس مضمون کی گود میں آ گئی ہو۔

﴿لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴﴾ ''اُن کے لیے ان کے ربّ کے پاس (اونچے) درجات اور مغفرت اور عزّت والا رزق ہے۔''

یہاں سے اب غزوۂ بدر کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔

آیت ۵ ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵﴾ ''جیسے کہ نکالا آپ کو (اے نبی ﷺ) آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ' اور یقیناً اہلِ ایمان میں سے کچھ لوگ اسے پسند نہیں کر رہے تھے۔''

یہ اُس پہلی مشاورت کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مدینہ ہی میں فرمائی تھی۔ قریش کے ساتھ مسلح تصادم کے کسی امکان کو ناپسند کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک تو منافقین تھے جو کسی قسم کی آزمائش میں پڑنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اپنے منصوبے کے تحت اس طرح کی کسی مہم جوئی کی روایت کو ''Nip the evil in the bud'' کے مصداق ابتدا ہی میں ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ان کے دلائل بظاہر بڑے بھلے تھے کہ لڑائی جھگڑا اچھی بات نہیں ہے' ہمیں تو اچھی باتوں اور اچھے اخلاق سے دین کی تبلیغ کرنی چاہیے' اور لڑنے بھڑنے سے بچنا چاہیے' وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف کچھ نیک سرشت سچّے مؤمن بھی ایسے تھے جو اپنے خاص مزاج اور سادہ لوحی کے سبب یہ رائے رکھتے تھے کہ ابھی تک قریش کی طرف سے تو کسی قسم کا کوئی اقدام نہیں ہوا' لہٰذا ہمیں آگے بڑھ کر پہل نہیں کرنی چاہیے۔ زیر نظر آیت میں دوٹوک الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا بدر کی طرف روانہ ہونا اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھا۔

آیت ۶ ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ﴾ ''وہ لوگ آپؐ سے جھگڑ رہے تھے حق کے بارے میں' اس کے بعد کہ بات (ان پر) بالکل واضح ہو چکی تھی''

یہ آیت میرے نزدیک دوسری مشاورت کے بارے میں ہے جو مقامِ صفراء پر منعقد ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ مدینہ سے قریش کے تجارتی قافلے کا پیچھا کرنے کے ارادے سے نکلے تھے' اور یہ بظاہر اسی طرح کی ایک مہم تھی جس طرح کی آٹھ مہمات اس علاقے میں پہلے بھی بھیجی جا چکی تھیں۔ اُس وقت تک لشکرِ قریش کے بارے میں نہ کوئی اطلاع تھی اور نہ ہی ایسا کوئی گمان تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ سے نکل کر صفراء کے مقام پر پہنچے تو آپؐ کو اپنے ذرائع سے بھی لشکرِ قریش کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بھی آپ ﷺ کو اس بارے میں مطلع فرما دیا۔ چنانچہ جس طرح حضرت طالوت نے راستے میں اپنے لشکر کی آزمائش کی تھی کہ دریا کو عبور کرتے ہوئے جو شخص سیر ہو کر پانی پیے گا اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا اور اس طرح مخلص ساتھیوں کا خلوص ظاہر ہو گیا' اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے سارا معاملہ مسلمانوں کے سامنے مشاورت کے لیے رکھ دیا اور ان کو واضح طور پر بتا دیا کہ مکہ سے ابوجہل ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک لشکرِ جرار لے کر روانہ ہو چکا ہے۔

﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶﴾ ''(وہ لوگ ایسے محسوس کر رہے تھے) جیسے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اسے دیکھ رہے ہوں۔''

ظاہر بات ہے یہ کیفیت تو پکے منافقین ہی کی ہو سکتی تھی۔

آیت ۷ ﴿وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ اللہ وعدہ کر رہا تھا تم لوگوں سے کہ ان دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا''

لشکر یا قافلے میں سے کسی ایک پر مسلمانوں کی فتح کی ضمانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی گئی تھی۔

﴿وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) تم یہ چاہتے تھے کہ جو بغیر کانٹے کے ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے''

تم لوگوں کی خواہش تھی کہ لشکر اور قافلے میں سے کسی ایک کے مغلوب ہونے کی ضمانت ہے تو پھر غیر مسلح گروہ یعنی قافلے ہی کی طرف جایا جائے' کیونکہ اس میں کوئی خطرہ اور خدشہ (risk) نہیں تھا۔ قافلے کے ساتھ بمشکل پچاس یا سو آدمی تھے' جبکہ اس میں پچاس ہزار دینار کی مالیت کا ساز و سامان بھی تھا۔ لہٰذا اس قافلے پر بڑی آسانی سے قابو پایا جا سکتا تھا۔ اس رائے کے حامل لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے پاس تو ہتھیار بھی نہیں ہیں اور سامانِ رسد وغیرہ بھی ناکافی ہے' ہم مدینہ سے پوری تیاری کر کے نہیں آئے۔ لہٰذا یہ بہتر ہوگا کہ پہلے قافلے کی طرف جائیں' اس طرح ہمیں ساز و سامان بھی مل جائے گا' اہلِ قافلہ کے ہتھیار بھی ہمارے قبضے میں آ جائیں گے اور اس کے بعد لشکر کا مقابلہ ہم بہتر انداز میں کر سکیں گے۔ تو گویا عقل و منطق کے اعتبار سے بھی یہ رائے بظاہر بہت معقول تھی۔

﴿وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۙ﴾ ''اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فیصلے کے ذریعے سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

یہ وہی بات ہے جو ہم سورۃ الانعام (آیت ۴۵) میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ﴾ کہ ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یعنی اللہ کا ارادہ کچھ اور تھا۔ دراصل یہ سب کچھ دنیا کے عام قواعد و ضوابط (physical laws) کے مطابق نہیں ہونے جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس دن کو ''یوم الفرقان'' بنانا چاہتا تھا۔ وہ تین سو تیرہ نہتے افراد کے ہاتھوں کیل کانٹے سے پوری طرح مسلح ایک ہزار جنگجوؤں کے لشکر کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کر کے دکھانا چاہتا تھا کہ اللہ کی تائید و نصرت کس کے ساتھ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔

آیت ۸ ﴿لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۸﴾ ''تاکہ سچا ثابت کر دے حق کو اور جھوٹا ثابت کر دے باطل کو' خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

آیات ۹ تا ۱۹

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۱۰ اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۱۱ اِذْ یُوْحِیْ

رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۱۲

آیت ۹ ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾﴾ ''یاد کرو جبکہ تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے' تو اُس نے تمہاری دُعا قبول کی تھی' کہ میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ جو پے در پے آئیں گے۔''

قریش کے ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکر کے مقابلے میں تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے آسمانوں سے قطار در قطار اتریں گے۔

آیت ۱۰ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۭ﴾ ''اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر (تمہارے لیے) بشارت' اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔''

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست' حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ تو ''کُنْ فَیَکُوْن'' کی شان کے ساتھ جو چاہے کر دے۔ وہ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا' لیکن انسانی ذہن چونکہ سوچنے کا اپنا ایک انداز رکھتا ہے' اس لیے اُس نے تمہارے دلوں کی تسکین اور تسلی کے لیے نہ صرف ایک ہزار فرشتے بھیجنے کا فیصلہ کیا بلکہ تمہیں ان کی آمد کی پیشگی اطلاع بھی دے دی کہ خاطر جمع رکھو' ہم تمہاری مدد کے لیے فرشتے بھیج رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ کے وعدے کے مطابق میدانِ بدر میں فرشتے اترے ضرور ہیں لیکن انہوں نے عملی طور پر لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ لڑائی عملی طور پر کُفّار کے ایک ہزار اور مسلمانوں کے تین سو تیرہ افراد کے درمیان ہی ہوئی اور قوتِ ایمانی سے سرشار مسلمان اس بے جگری اور بے خوفی سے لڑے کہ اپنے سے تین گنا بڑے لشکر پر غالب آ گئے۔

آیت ۱۱ ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ ''یاد کرو جبکہ اللہ تمہاری تسکین کے لیے تم پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کرے''

بدر کی رات تمام مسلمان بہت پُرسکون نیند سوئے اور اسی رات بہت غیر معمولی انداز میں بارش بھی ہوئی۔ مسلمانوں کی یہ پُرسکون نیند اور بارش کا نزول گویا دو معجزے تھے' جن کا ظہور مسلمانوں کی خاص مدد کے لیے عمل میں آیا۔ یہ معجزات اس انداز میں ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے باقاعدہ ان کے بارے میں اعلان فرمایا ہو' یا یہ کہ یہ بالکل خرقِ عادت واقعات ہوں' بلکہ یہ معجزات اس انداز میں تھے کہ اس وقت ان دونوں واقعات سے مسلمانوں کو غیر معمولی طور پر مدد ملی' اور اس لیے بھی کہ ایسی چیزیں محض اتفاقات سے ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔ اگر دُنیوی اعتبار سے دیکھا جائے تو بدر کا معرکہ مسلمانوں کے لیے بہت سخت مرحلہ تھا۔ چنانچہ فطری طور پر اس رات مسلمان لشکر میں ہر شخص کے لیے بظاہر فکرمندی' تشویش اور اندیشہ ہائے دور دراز کی انتہا ہونی چاہیے تھی' کہ کل جو کچھ ہونے جا رہا ہے اس میں مَیں زندہ بھی بچ پاؤں گا یا نہیں؟ مگر عملی طور پر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ مسلمان رات کو آرام و سکون کی نیند سوئے اور صبح بالکل تازہ دم اور چاق و چوبند ہو کر اٹھے۔ اسی طرح اس رات جو بارش ہوئی وہ بھی مسلمانوں کے لیے اللہ کی تائید و نصرت ثابت ہوئی۔ اس بارش سے دوسرے فوائد کے علاوہ مسلمانوں کو ایک یہ سہولت بھی میسر آ گئی کہ جن لوگوں کو غسل کی حاجت تھی انہیں غسل کے لیے پانی میسر آ گیا۔

﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝۱۱﴾ ''اور تا کہ دُور کر دے تم سے شیطان کی (ڈالی ہوئی) نجاست کو اور تا کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جما دے۔''

اس بارش میں مسلمانوں کے لیے اطمینانِ قلوب کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ انہیں خشک صحرا کے اندر پانی کا وافر ذخیرہ مل گیا۔ واضح رہے کہ اس علاقے میں پانی کا ایک ہی تالاب تھا جس پر لشکرِ قریش پہلے ہی قبضہ کر چکا تھا۔ بارش ہوئی تو نشیب کی بنا پر سارا پانی مسلمانوں کی طرف جمع ہو گیا' جسے انہوں نے بند وغیرہ باندھ کر ذخیرہ کر لیا۔ بارش کی وجہ سے مٹی دب گئی' ریت فرش کی طرح سخت ہو گئی اور چلنے پھرنے میں سہولت ہو گئی۔

آیت ۱۲ ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ ''یاد کریں جب آپ کا ربّ وحی کر رہا تھا فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تو تم (جاؤ اور) اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو!''

قبل ازیں آیت ۹ میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔

﴿سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝۱۲﴾ ''میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں' پس ماروان کی گردنوں کے اوپر اور ماروان کی ایک ایک پور پر۔''

اللہ تعالیٰ نے کفار کو بھرپور مقابلے کے دوران دہشت زدہ کر دیا تھا۔ اور جب کوئی شخص اپنے حریف کے مقابلے میں دہشت زدہ ہو جائے تو اس کے اندر قوتِ مدافعت نہیں رہتی۔ پھر وہ گویا حملہ آور کے رحم و کرم پر ہوتا ہے' وہ اس کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔

آیت ۱۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳﴾ ''اور یہ (سزا ان کی) اس لیے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی' اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ دشمنی کرے تو اللہ بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

اب اگلی آیت میں قریش سے براہِ راست خطاب ہے۔

آیت ۱۴ ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ﴾ ''(لو) یہ تو چکھو''

ابھی ہماری طرف سے سزا کی پہلی قسط وصول کرو۔

﴿وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝۱۴﴾ ''اور یہ (بھی تمہیں معلوم رہے) کہ کافروں کے لیے جہنّم کا عذاب بھی ہے۔''

یعنی یہ مت سمجھنا کہ تمہاری سزا بس یہی تھی۔ نہیں' بلکہ تمہاری اصل سزا تو جہنّم ہے' لہٰذا اس کے لیے بھی تیار رہو۔

آیت ۱۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ ''اے اہلِ ایمان' جب تمہارا مقابلہ ہو جائے کافروں سے میدانِ جنگ میں''

''زحف'' میں باقاعدہ دو لشکروں کے ایک دوسرے کے مدِمقابل آ کر لڑنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علاقے میں آٹھ مہمات (expeditions) بھیجی گئی تھیں' مگر ان میں سے کوئی مہم بھی باقاعدہ جنگ کی شکل میں نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ انہیں چھاپہ مار مہمات کہا جا سکتا ہے' لیکن بدر میں مسلمانوں کی کُفار کے ساتھ پہلی مرتبہ دو بدو جنگ ہوئی۔ چنانچہ ایسی صورتِ حال کے لیے ہدایات دی جا رہی ہیں کہ جب میدان میں باقاعدہ جنگ کے لیے تم لوگ کُفار کے مقابل آ جاؤ:

﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝۱۵﴾ ''تو تم اُن سے پیٹھ مت پھیرنا۔''

مطلب یہ ہے کہ ڈٹے رہو' مقابلہ کرو۔ جان چلی جائے لیکن قدم پیچھے نہ ہٹیں۔

آیت ۱۶ ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ﴾ ''اور جو کوئی بھی اُن سے اُس دن اپنی پیٹھ پھیرے گا''

یعنی اگر کوئی مسلمان میدانِ جنگ سے جان بچانے کے لیے بھاگے گا۔

﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ ''سوائے اس کے کہ وہ کوئی داؤ لگا رہا ہو جنگ کے لیے''

جیسے دو آدمی دو بدو مقابلہ کر رہے ہوں اور لڑتے لڑتے کوئی دائیں' بائیں یا پیچھے کو ہٹے' بہتر داؤ کے لیے پینترا بدلے تو یہ پیٹھ پھیرنا نہیں ہے' بلکہ یہ تو ایک تدبیری چال (tactical move) شمار ہوگی۔ اسی طرح جنگی حکمتِ عملی کے تحت کمانڈر کے حکم سے کوئی دستہ کسی جگہ سے پیچھے ہٹ جائے اور کوئی دوسرا دستہ اُس کی جگہ لے لے تو یہ بھی پسپائی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

﴿اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ ''یا کسی (دوسری) جمعیت سے ملنا ہو''

یعنی لڑائی کے دوران اپنے لشکر کے کسی دوسرے حصے سے ملنے کے لیے منظم طریقے سے پیچھے ہٹنا (orderly retreat) بھی پیٹھ پھیرنے کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ ان دو استثنائی صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے بزدلی دکھائی اور بھگدڑ کے اندر جان بچا کر بھاگا:

﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶﴾ ''تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہے' اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔''

اب اگلی آیات میں یہ بات واضح تر انداز میں سامنے آ رہی ہے کہ غزوۂ بدر دُنیوی قواعد و ضوابط کے مطابق نہیں' بلکہ اللہ کی خاص مشیّت کے تحت وقوع پذیر ہوا تھا۔

آیت ۱۷ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠﴾ ''پس (اے مسلمانو!) تم نے انہیں قتل نہیں کیا' بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا''

ویسے تو ہر کام میں فاعل حقیقی اللہ ہی ہے' ہم جو کام بھی کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی مشیت سے ممکن ہوتا ہے' اور جس شے کے اندر جو بھی تاثیر یا خصوصیت ہے وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ عام حالات کے لیے بھی اگرچہ یہی قاعدہ ہے: لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَةِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہ لیکن غزوۂ بدر کے اندر تو بہت ہی مخصوص حالات تھے جن میں اللہ کی خصوصی مدد آئی تھی۔

﴿وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ﴾ ''اور جب آپؐ نے (ان پر کنکریاں) پھینکی تھیں تو وہ آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں''

میدانِ جنگ میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور شَاهَتِ الْوُجُوْه (چہرے بگڑ جائیں) فرماتے ہوئے کُفّار کی طرف پھینکیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کنکریاں کہاں کہاں تک پہنچیں اور اُن کے کیسے کیسے اثرات کُفّار پر مرتب ہوئے۔ بہرحال یہاں پر آپ ﷺ کے اس عمل کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر رہا ہے کہ اے نبی (ﷺ) جب وہ کنکریاں آپ نے پھینکی تھیں' تو وہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اسی بات کو اقبالؔ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ع ''ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ!''

﴿وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ﴾ ''تاکہ اللہ اس سے اہلِ ایمان کے جوہر نکھارے خوب اچھی طرح سے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر ایسی آزمائشیں ان کی مخفی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے آتی ہیں۔ بَلَا، یَبْلُو، بَلَاءً کے معنی ہیں آزمانا' تکلیف اور آزمائش میں ڈال کر کسی کو پرکھنا' لیکن اَبْلٰی، یُبْلِی جب بابِ افعال سے آتا ہے تو یہ کسی کے جوہر نکھارنے کے معنی دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۸ ﴿ذٰلِکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ مُوْهِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''یہ تو ہو چکا' اور (آئندہ کے لیے بھی سمجھ لو کہ) اللہ کُفّار کی تمام چالوں کو ناکام بنا دینے والا ہے۔''

اس آیت میں گویا اہلِ ایمان اور کُفّار دونوں مخاطب ہیں۔ جبکہ اگلی آیت میں صرف کُفّار سے خطاب ہے۔ ابوجہل کو بحیثیت سپہ سالار اپنے لشکر کی تعداد' اسلحہ اور ساز و سامان کی فراوانی کے حوالے سے پورا یقین تھا کہ ہم مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے ہی پراپیگنڈا شروع کر دیا تھا کہ معرکہ کا دن ''یوم الفرقان'' ثابت ہوگا اور اُس دن یہ واضح ہو جائے گا کہ اللہ کس کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کو تو وہ لوگ بھی مانتے تھے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ابوجہل کی اس دعا کے الفاظ بھی منقول ہیں جو بدر کی رات اس نے خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی۔ اُس رات جب ایک طرف حضور اکرم ﷺ سربسجود ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے تو دوسری طرف ابوجہل بھی دعا مانگ رہا تھا۔ اُس کی اس دعا کے الفاظ حیرت انگیز حد تک موحدانہ ہیں۔ اس دعا میں لات' منات' عُزّیٰ' ہُبل وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں' بلکہ اس دُعا میں وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہا ہے: اللّٰهم أقطعنا لِلرَّحِم وآتانا بما لا نعرفه فأحِنه الغداة ... کہ اے اللہ جس شخص نے ہمارے رحمی رشتے کاٹ دیے ہیں اور ہمارے پاس وہ کچھ لے کر آیا ہے جسے ہم پہچانتے نہیں ہیں' کل تو اسے کچل کر رکھ دے..... اس دُعا سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ابوجہل کا حضور ﷺ پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ آپ ﷺ کی وجہ سے قریش کے خون کے رشتے کٹ گئے تھے۔ مثلاً ایک بھائی مسلمان ہو گیا اور باقی کافر رہے' تو نہ صرف یہ کہ ان میں اخوت کا رشتہ باقی نہ رہا' بلکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اسی طرح اولاد ماں باپ سے اور

بیویاں اپنے شوہروں سے کٹ گئیں۔ چونکہ اس عمل سے قریش کی یک جہتی' طاقت اور ساکھ بُری طرح متاثر ہوئی تھی' اس لیے سب سے زیادہ انہیں اسی بات کا قلق تھا۔ بہرحال ابوجہل سمیت تمام قریش کی خواہش تھی اور وہ دعا گو تھے کہ بدر کے میدان میں اس چپقلش کا واضح فیصلہ سامنے آ جائے جو پچھلے کئی برسوں سے مکہ میں اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان جاری تھی۔ چنانچہ اگلی آیت میں ان کی اسی خواہش اور دعا کا جواب دیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۹ ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ﴾ ''اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمہارے پاس (اللہ کا) فیصلہ آ چکا۔''

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن فتح کے ذریعے بتا دیا کہ اُس کی تائید و نصرت کس گروہ کے ساتھ ہے۔ اس معرکے کے بعد حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا پوری طرح واضح ہو گیا۔

﴿وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ﴾ ''اور اگر اب بھی تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے' اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کچھ دوبارہ کریں گے۔''

﴿وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''اور تمہاری یہ جمعیت تمہارے کسی کام نہیں آ سکے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو' اور یہ کہ اللہ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔''

آیات ۲۰ تا ۲۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ
الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ
اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا
تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ
اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ
بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ
اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

آیت ۲۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان! اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو جبکہ تم سن رہے ہو۔''

یعنی جب اللہ کے رسول ﷺ نے بدر کی طرف چلنے کا ارادہ کر لیا تو پھر تمہاری طرف سے ردّ و قدح اور بحث و استدلال کیوں ہو رہا تھا؟ تمہیں تو چاہیے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی پر فوراً سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے اور آپؐ کے حکم پر سرِ تسلیم خم

کر دیتے۔ واضح رہے کہ یہاں خاص طور پر ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اس موقع پر کمزوری دکھائی تھی۔

آیت ۲۱ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۲۱﴾ ''اور اُن لوگوں کی مانند مت ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور حقیقت میں وہ سنتے نہیں ہیں۔''

یعنی صرف زبان سے سَمِعْنَا کہہ دیتے ہیں مگر اُن کے دل اپنے خیالات اور مفادات پر ہی ڈیرے جمائے رہتے ہیں۔ اطاعت پر اُن کی طبیعت میں یکسوئی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس طرح کے سننے کی کوئی اہمیت نہیں۔

آیت ۲۲ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۲۲﴾ ''یقیناً تمام چوپایوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

یہاں خصوصی طور پر منافقین کو بدترین جانور قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ﴾ ''اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر ہے تو وہ انہیں سنوا دیتا۔''

﴿وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳﴾ ''اور اگر وہ انہیں (بھلائی کے بغیر) سنوا بھی دیتا تو وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر جاتے۔''

اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اندر کوئی صلاحیت پاتا تو ان کو سننے اور سمجھنے کی توفیق دے دیتا' لیکن اگر انہیں بغیر صلاحیت کے تعمیل حکم میں جنگ کے لیے نکل آنے کی توفیق دے بھی دی جاتی تو یہ خطرے کا موقع دیکھتے ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ یہ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو کفار کے لشکر کا سامنا کرنے میں پس وپیش کر رہے تھے۔

آیت ۲۴ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ﴾ ''اے اہل ایمان! لبیک کہا کرو اللہ اور رسول (ﷺ) کی پکار پر جب وہ تمہیں پکاریں اُس شے کے لیے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔''

تم جنگ کے لیے جاتے ہوئے سمجھ رہے ہو کہ یہ موت کا گھاٹ ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ تو اصل اور ابدی زندگی کا دروازہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں شہداء کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴﴾ ''اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مُردہ ہیں۔ (وہ مُردہ نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے''۔ چنانچہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ جس چیز کی طرف تمہیں بلا رہے ہیں' حقیقی زندگی تو وہی ہے۔ اس کے مقابلے میں اس دعوت سے اعراض کر کے زندگی بسر کرنا گویا حیوانوں کی سی زندگی ہے۔ سورۃ الاعراف میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ﴾ (الاعراف:۱۷۹) کہ وہ انسان نہیں جانور ہیں' بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ ''اور جان رکھو کہ اللہ بندے اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے''

یعنی اگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی پکار سُنی اَن سُنی کر دی جائے اور اُن کے احکامات سے بے نیازی کو وطیرہ بنا لیا جائے تو اللہ تعالیٰ خود ایسے بندے اور ہدایت کے درمیان آڑ بن جاتا ہے' جس کی وجہ سے آئندہ وہ ہدایت کی ہر بات سننے اور سمجھنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ اسی مضمون کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۷ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ﴾ کہ

ان کے دلوں اور ان کی سماعت پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔ جبکہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۰ میں اس اصول کو سخت تر الفاظ میں اس طرح واضح کیا گیا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ یعنی حق کے پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ جانے پر بھی جو لوگ فوری طور پر اسے نہیں مانتے اور اس سے پہلوتہی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے دل الٹ دیے جاتے ہیں اور ان کی بصارت پلٹ دی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بہت حساس اور خوف کھانے والا معاملہ ہے۔ دین کا کوئی مطالبہ کسی کے سامنے آئے' اللہ کا کوئی حکم اس تک پہنچ جائے اور اس کا دل اس پر گواہی بھی دے دے کہ ہاں یہ بات درست ہے' پھر اگر وہ اس سے اعراض کرے گا' کنی کترائے گا' تو اس کی سزا اسے اس دنیا میں یوں بھی مل سکتی ہے کہ حق کو پہچاننے کی صلاحیت ہی اس سے سلب کر لی جاتی ہے' اس کے دل اور کانوں پر مہر لگ جاتی ہے' آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں' ہدایت اور اس کے درمیان آڑ کر دی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت اور اس کا اٹل قانون ہے۔

﴿وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴﴾ ''اور یہ کہ (بالآخر) تم سب کو یقیناً اُسی کی طرف جمع کیا جانا ہے۔''

آیت ۲۵ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ﴾ ''اور ڈرو اُس فتنے سے جو تم میں سے صرف گنہگاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔''

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔ اس سے پہلے اس آیت کا حوالہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶۶ کے مطالعے کے دوران بھی آ چکا ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ کسی جرم کا براہِ راست ارتکاب کرنا ہی صرف جرم نہیں ہے' بلکہ کسی فرض کی عدم ادائیگی کا فعل بھی جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان ذاتی طور پر گناہوں سے بہت بچ کر رہتا ہے' نیکی کے کاموں میں بھی حتی الوسع حصہ لیتا ہے' وہ صدقہ و خیرات بھی دیتا ہے اور نماز' روزہ کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ مگر دوسری طرف اللہ اور اُس کے دین کی نصرت سے' اقامتِ دین کی جدّ و جُہد سے اور اس جدّ و جُہد میں اپنے مال اور اپنے وقت کی قربانی جیسے فرائض سے پہلوتہی کا رویہ اپنائے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا شخص بھی گویا مجرم ہے اور اجتماعی عذاب کی صورت میں وہ اس کی لپیٹ سے بچ نہیں پائے گا۔ اس لحاظ سے یہ دل دہلا دینے والی آیت ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵﴾ ''اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

اب اگلی آیت کو خصوصی طور پر پاکستان کے مسلمانوں کے حوالے سے پڑھیں۔

آیت ۲۶ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑی تعداد میں تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے''

﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ ''تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے''

تحریک پاکستان کے پس منظر میں اس جملے کا مفہوم یوں سمجھیں کہ برصغیر میں مسلمان اقلیت میں تھے' ہندوؤں کی اکثریت کے مقابلے میں انہیں خوف تھا کہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ کرنے میں کمزور ہیں۔ اپنے جان و مال کو درپیش خطرات کے علاوہ انہیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اکثریت کے ہاتھوں ان کا معاشی' سماجی' سیاسی' لسانی' مذہبی وغیرہ ہر اعتبار سے استحصال ہوگا۔

﴿فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶﴾ ''تو اللہ نے تمہیں پناہ کی جگہ دے دی اور تمہاری مدد کی اپنی خاص نصرت سے اور تمہیں بہترین پاکیزہ رزق عطا کیا' تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

آیت ۲۷ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ ''اے اہلِ ایمان! مت خیانت کرو اللہ سے اور رسول (ﷺ) سے''

اللہ کی امانت میں خیانت یقیناً بہت بڑی خیانت ہے۔ ہمارے پاس اللہ کی سب سے بڑی امانت اُس کی وہ روح ہے جو اُس نے ہمارے جسموں میں پھونک رکھی ہے۔ اسی کے بارے میں سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾﴾ ''ہم نے (اپنی) امانت کو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے' مگر انسان نے اسے اٹھا لیا' یقیناً وہ ظالم اور جاہل تھا''۔ اس کے علاوہ دین' قرآن اور شریعت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی بڑی بڑی امانتیں ہیں جو ہمیں سونپی گئی ہیں۔ چنانچہ اگر ہم ایمان کا دم بھرتے ہیں' اللہ کی اطاعت اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں' لیکن پھر اللہ کے دین کو مغلوب دیکھ کر بھی اپنے کاروبار' اپنی جائیداد' اپنی ملازمت اور اپنے کیریئر کی فکر میں لگے رہتے ہیں تو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ اس سے بڑی بے وفائی' غداری اور خیانت بھلا اور کیا ہوگی!

﴿وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور نہ ہی اپنی (آپس کی) امانتوں میں خیانت کرو جانتے بوجھتے۔''

آیت ۲۸ ﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ﴾ ''اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں''

فتنہ کے معنی آزمائش اور اس کسوٹی کے ہیں جس پر کسی کو پرکھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مال اور اولاد انسان کے لیے بہت بڑی آزمائشیں ہیں۔ یقیناً مال اور اولاد ہی انسان کے پاؤں کی سب سے بڑی بیڑیاں ہیں جو اُسے نصرتِ دین کی جدّوجُہد سے روک کر اُس کی عاقبت خراب کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی شعوری اور فعال زندگی کے شب و روز مال کمانے' اُسے سینت سینت کر رکھنے اور اولاد کے مستقبل کو محفوظ بنانے میں اس انداز سے کھپا دیتا ہے کہ اس میں اور کولہو کے بیل میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اس تگ و دو میں اس کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق باقی بچتی ہی نہیں جسے وہ دین کی جدّوجُہد کے لیے پیش کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور خود کو سرخرو کر سکے۔

﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس ہے بڑا اجر۔''

آیات ۲۹ تا ۴۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِیَآءَهٗ ؕ اِنْ

اَوْلِيَآؤُهٗ ۚ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا
مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۭ وَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ
ع ۱۸ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

آیت ۲۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ ''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کے تقویٰ پر برقرار رہو گے تو وہ تمہارے لیے فرقان پیدا کر دے گا''

اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکے بعد دیگرے تمہارے لیے ''فرقان'' آتا رہے گا۔ جیسے پہلا فرقان غزوۂ بدر میں تمہاری فتح کی صورت میں آ گیا۔

﴿وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور دور کر دے گا تم سے تمہاری بُرائیاں (کمزوریاں) اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور یاد کیجیے جب کُفار آپؐ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے''

﴿لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ﴾ ''کہ آپؐ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا (مکہ سے) نکال دیں۔''

یہ ان سازشوں کا ذکر ہے جو قریشِ مکہ ہجرت سے پہلے کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی مخالفت میں اُن کے باقی تمام حربے ناکام ہو گئے تو وہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہو گئے اور اس بارے میں سنجیدگی سے صلاح مشورے کرنے لگے۔

﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''وہ بھی چالیں چل رہے تھے اور اللہ بھی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ اور اللہ بہترین منصوبہ بندی کرنے والا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''اور جب انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں بہت سن لیا ہم نے (یہ کلام)، اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ دیں، یہ کچھ نہیں سوائے پچھلے لوگوں کی کہانیوں کے۔''

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ قول نضر بن حارث سے منسوب ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ایسی باتیں صرف کہنے کی حد تک تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو بار بار یہ چیلنج دیا گیا کہ اگر تم لوگ اس قرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں سمجھتے تو

تم بھی اسی طرح کا کلام بنا کر لے آؤ اور کسی ثالث سے فیصلہ کرالو مگر وہ لوگ اس چیلنج کو قبول کرنے کی کبھی جرأت نہ کر سکے۔ اسی طرح پچھلی صدی تک عام مستشرقین بھی یہ الزام لگاتے رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے تورات اور انجیل سے معلومات لے کر قرآن بنایا ہے' مگر آج کل چونکہ تحقیق کا دور ہے' اس لیے اُن کے ایسے بے تکے الزامات خود بخود ہی دَم توڑ گئے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری ہی طرف سے برحق ہے تو برسا دے ہم پر پتھر آسمان سے یا بھیج دے ہم پر کوئی دردناک عذاب۔''

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' سردارانِ قریش کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ مکہ کے عام لوگوں کو محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے اثرات سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے لیے وہ مختلف قسم کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ اس آیت میں ان کی ایسی ہی ایک تدبیر کا ذکر ہے۔ اُن کے بڑے بڑے سردار عوام کے اجتماعات میں علی الاعلان اس طرح کی باتیں کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے اور ہم اس کا انکار کر رہے ہیں تو ہم پر اللہ کی طرف سے عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے دعائیہ انداز میں بھی پکارتے تھے کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیرا ہی کلام ہے تو پھر اس کا انکار کرنے کے سبب ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے' یا کسی بھی شکل میں ہم پر اپنا عذاب نازل فرما دے۔ اور اس کے بعد وہ اپنی اس تدبیر کی خوب تشہیر کرتے کہ دیکھا ہماری اس دعا کا کچھ بھی ردِّعمل نہیں ہوا' اگر یہ واقعی اللہ کا کلام ہوتا تو ہم پر اب تک عذاب آ چکا ہوتا۔ چنانچہ ایسے حربوں سے وہ اپنے عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

آیت ۳۳ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ﴾ ''اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن کو عذاب دیتا جبکہ (ابھی) آپؐ اُن کے درمیان موجود تھے۔''

اگرچہ وہ لوگ پوری طرح عذاب کے مستحق ہو چکے تھے' لیکن جس طرح کے عذاب کے لیے وہ لوگ دعائیں کر رہے تھے ویسا عذاب سُنّتِ الٰہی کے مطابق اُن پر اُس وقت تک نہیں آ سکتا تھا جب تک اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں ان کے درمیان موجود تھے' کیونکہ ایسے عذاب کے نزول سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ اور اہلِ ایمان کو ہجرت کا حکم دے دیتا ہے اور ان کے نکل جانے کے بعد ہی کسی آبادی پر اجتماعی عذاب آیا کرتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور اللہ اُن کو عذاب دینے والا نہیں تھا جب کہ وہ استغفار بھی کر رہے تھے۔''

نظریات اور اعمال کے لحاظ سے مکہ کی آبادی کا معاملہ بہت گڈمڈ تھا۔ مکہ کے عوام الناس میں ایسے سادہ لوح لوگ بھی تھے جو اپنے طور پر اللہ کا ذکر کرتے تھے' تلبیہ پڑھتے تھے اور اللہ سے استغفار بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں اللہ تعالیٰ مکہ کے معاشرے پر اجتماعی عذاب نازل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آگے اسی سورت کی آیت ۳۷ کے مضمون سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو چھانٹ کر الگ نہیں کر دیتا ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ اُس وقت تک اس نوعیت کا عذاب کسی قوم پر نہیں آتا۔

آیت ۳۴ ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''اور کیا (رکاوٹ) ہے ان کے لیے کہ

اللہ اُن کو عذاب نہ دے جب کہ وہ روک رہے ہیں مسجدِ حرام سے (لوگوں کو)''

﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴﴾ ''درآنحالیکہ وہ اس کے متولی بھی نہیں ہیں۔ اس کے (اصل) متولی تو صرف متقی لوگ ہیں' لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

آیت ۳۵ ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ﴾ ''اور نہیں ہے ان کی نماز بیت اللہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا۔''

قریشِ مکہ نے اپنی عبادات کا حلیہ اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ ان کی نماز میں سیٹیوں اور تالیوں جیسی خرافات بھی شامل ہو چکی تھیں۔ اسی طرح خانہ کعبہ کا سب سے اعلیٰ طواف اُن کے نزدیک وہ تھا جو بالکل برہنہ ہو کر کیا جاتا۔

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۵﴾ ''تو اب چکھو مزہ عذاب کا اپنے کفر کی پاداش میں۔''

یہاں واضح کر دیا گیا کہ اللہ کا عذاب صرف آسمان سے پتھروں کی صورت ہی میں نہیں آیا کرتا بلکہ غزوۂ بدر میں ان کی فیصلہ کن شکست ان کے حق میں اللہ کا عذاب ہے۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یقیناً کافر لوگ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) روکیں اللہ کے راستے سے۔''

ایسے اخراجات انفاق ''فی سبیل الشیطان'' اور ''فی سبیل الشرک'' کے زمرے میں آتے ہیں۔ قریش کی طرف سے لشکر کی تیاری' سازوسامان کی فراہمی' اسلحہ کی خریداری' اونٹوں' گھوڑوں' راشن وغیرہ کے بندوبست کے حوالے سے اخراجات انفاق فی سبیل الشیطان اور فی سبیل الشرک ہی کی مثالیں ہیں۔ وہ لوگ گویا شیطان کے راستے کے مجاہدین تھے اور اللہ کی مخلوق کو اُس کے راستے سے روکنا اُن کا مشن تھا۔

﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۭ﴾ ''تو وہ (اور بھی) خرچ کریں گے' پھر یہ ان کے لیے ایک حسرت بن جائے گا' پھر وہ مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔''

یہ خرچ کرنا ان کے لیے موجبِ حسرت ہوگا اور یہ پچھتاوا ان کی جانوں کا روگ بن جائے گا کہ اپنا مال بھی کھپا دیا' جانیں بھی ضائع کر دیں' لیکن اس پوری کوشش کے باوجود محمد ﷺ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ ان کی یہ حسرتیں اُس وقت اور بھی بڑھ جائیں گی جب ﴿وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ (بنی اسرائیل) کی تفسیر عملی طور پر اُن کے سامنے آجائے گی اور وہ مغلوب ہو کر اہلِ حق کے سامنے اُن کے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝۳۶﴾ ''اور جو کفر پر رہیں گے وہ جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جائیں گے۔''

یعنی ان میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں گے انہیں اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا' اور جو کفر پر اَڑے رہیں گے اور کفر پر ہی انہیں موت آئے گی تو ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

آیت ۳۷ ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰي بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ﴾ ''تاکہ اللہ پاک کو ناپاک سے (چھانٹ کر) علیحدہ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے سب

کو ایک ڈھیر بنا دے، پھر اس کو جہنّم میں جھونک دے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۳۶﴾ ''یقیناً یہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے۔''

آیت ۳۸ ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) آپ اعلان کر دیجیے ان کافروں کے سامنے کہ اگر وہ اب بھی باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کے لیے معاف کر دیا جائے گا۔''

یعنی اب بھی تمہارے لیے موقع ہے۔ اگر تم اب بھی ایمان لے آؤ گے تو تمہاری پہلی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔

﴿وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸﴾ ''اور اگر وہ دوبارہ یہی کچھ کریں گے تو پچھلوں کے حق میں سُنّتِ الٰہی گزر چکی ہے۔''

انہیں سب معلوم ہے کہ جن قوموں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا تھا اُن کا کیا انجام ہوا تھا۔ سورۃ الانفال سے پہلے مکّی قرآن تو پورے کا پورا نازل ہو چکا تھا' سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف بھی نازل ہو چکی تھیں۔ لہٰذا قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ' قومِ شعیبؑ اور قومِ لوطؑ کے عبرتناک انجام کی تفصیلات سب کو معلوم ہو چکی تھیں۔

آیت ۳۹ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کا ہو جائے۔''

یہی حکم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۳ میں بھی آ چکا ہے۔ البتہ یہاں اس کے الفاظ میں ''كُلُّهٗ'' کی اضافی شان اور مزید تاکید پائی جاتی ہے۔ یعنی اے مسلمانو! دین کے غلبے کے لیے تمہاری تحریک کو شروع ہوئے پندرہ برس ہو گئے۔ اس دوران میں تم لوگ دعوت' تنظیم' تربیت اور صبرِ محض کے مراحل کامیابی سے طے کر چکے ہو۔ چنانچہ اس کے بعد اب passive resistance کا دور ختم سمجھو۔ ہمارے رسول (ﷺ) کی طرف سے اقدام (active resistance) کا آغاز ہو چکا ہے اور اس اقدام کے نتیجے میں اب یہ تحریک مسلّح تصادم (armed conflict) کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ لہٰذا جب ایک دفعہ تلواریں تلواروں سے ٹکرا چکی ہیں تو تمہاری یہ تلواریں اب واپس نیاموں میں اُس وقت تک نہیں جائیں گی جب تک یہ کام مکمل نہ ہو جائے اور اس کام کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے۔ دراصل ''فتنہ'' کسی معاشرے کے اندر باطل کے غلبے کی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے اس معاشرے کے لوگوں کے لیے ایمان پر قائم رہنا اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جنگ اب اس وقت تک جاری رہے گی جب تک باطل مکمل طور پر مغلوب اور اللہ کا دین پوری طرح سے غالب نہ ہو جائے۔ اللہ کے دین کا یہ غلبہ جزوی طور پر بھی قابلِ قبول نہیں بلکہ دین کُل کا کُل اللہ کے تابع ہونا چاہیے۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳۹﴾ ''پھر اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ یقیناً اس کو دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰﴾ ''اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو (اے مسلمانو!) تم یہ جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ (حمایتی) ہے۔ کیا ہی خوب ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی خوب ہے وہ مددگار!''

آیات ۴۱ تا ۴۴

الجزء العاشر (۱۰)

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

آیت ۴۱ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ ''اور جان لو کہ جو بھی غنیمت تمہیں حاصل ہوئی ہے اُس کا خُمس (پانچواں حصہ) تو اللہ کے لیے‘ رسولؐ کے لیے اور (رسولؐ کے) قرابت داروں کے لیے ہے''

اس آیت میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے حوالے سے قانون کی وضاحت کی جا رہی ہے۔ واضح رہے کہ بعثت کے بعد سے رسول اللہ ﷺ کا ذریعہ معاش کوئی نہیں تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے نکاح کے بعد اپنی ساری دولت ہر قسم کے تصرف کے لیے آپ ﷺ کو پیش کر دی تھی۔ جب تک آپ ﷺ مکہ میں رہے‘ آپؐ کے ذاتی اخراجات اسی سرمائے سے چلتے رہے‘ لیکن ہجرت کے بعد اس سلسلے میں کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ کے قرابت دار اور اہل وعیال بھی تھے جن کی کفالت آپؐ کے ذمہ تھی۔ ان سب اخراجات کے لیے ضروری تھا کہ کوئی معقول اور مستقل انتظام کر دیا جائے۔ چنانچہ غنائم میں سے پانچواں حصہ مستقل طور پر بیت المال کو دے دیا گیا اور آپؐ کے ذاتی اخراجات‘ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا نان نفقہ اور آپؐ کے قرابت داروں کی کفالت بیت المال کے ذمہ طے پائی۔

﴿وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ ''اور (اس میں حصہ ہوگا) یتیموں‘ مسکینوں اور مسافروں کے لیے (بھی)''

اسی پانچویں حصے میں سے معاشرے کے محروم افراد کی مدد بھی کی جائے گی۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ﴾ ''اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اُس شے پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر فیصلے کے دن‘ جس دن دو فوجوں کا ٹکراؤ ہوا تھا۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔''

فیصلے (غزوۂ بدر) کے دن جو شے خصوصی طور پر نازل کی گئی وہ غیبی امداد اور نصرتِ الٰہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہاری مدد کے لیے فرشتے آئیں گے۔ وہ فرشتے اگرچہ میدانِ جنگ میں تمہیں نظر تو نہیں آتے تھے‘ لیکن جیسے تم لوگ اللہ پر اور اُس کی وحی پر

ایمان بالغیب رکھتے ہو' جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے پر ایمان رکھتے ہو اور اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہو' اسی طرح تمہارا یہ ایمان بھی ہونا چاہیے کہ اللہ نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دیا جو اُس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدد کے حوالے سے کیا تھا اور یہ کہ میدانِ بدر میں تمہاری فتح اللہ کی مدد سے ہی ممکن ہوئی تھی۔ اگر تم لوگوں کا اس حقیقت پر یقینِ کامل ہے تو پھر اللہ کا یہ فیصلہ بھی دل کی آمادگی اور خوشی سے قبول کر لو کہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ' اُس کے رسولؐ اور بیت المال کا ہوگا۔

اس حکم کے نزول کے بعد تمام مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کیا گیا اور اس میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے۔ اس میں سے ہر اُس شخص کو برابر کا حصہ ملا جو لشکر میں جنگ کے لیے شامل تھا' قطع نظر اس کے کہ کسی نے عملی طور پر قتال کیا تھا یا نہیں کیا تھا اور قطع نظر اس کے کہ کسی نے بہت سا مالِ غنیمت جمع کیا تھا یا کسی نے کچھ بھی جمع نہیں کیا تھا۔ البتہ اس تقسیم میں سوار کے دو حصے رکھے گئے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اس لیے کہ سواریوں کے جانور مہیا کرنے اور اُن جانوروں پر اٹھنے والے اخراجات متعلقہ افراد ذاتی طور پر برداشت کرتے تھے۔

آیت ۴۲ ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى﴾ ''جب تم لوگ تھے قریب والے کنارے پر اور وہ لوگ تھے دُور والے کنارے پر''

وادیٔ بدر شمال اور جنوب کی اطراف سے تنگ ہے جبکہ درمیان میں یہ ایک کھلے میدان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے شمالی کنارے سے شام کی طرف راستہ نکلتا تھا اور جنوبی کنارے سے مکہ کی طرف۔ جبکہ وادی کی مشرقی سمت سے نکلنے والا راستہ مدینہ کی طرف جاتا تھا۔ پرانے زمانے میں حاجیوں کے زیادہ تر قافلے وادیٔ بدر سے ہی گزرتے تھے۔ اب نئی موٹروے ''طریق الھجرۃ'' بن جانے کی وجہ سے حُجّاج کو ان مقامات سے گزرنے کا موقع نہیں ملتا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تدبیر کا ظہور ہوا کہ دونوں لشکر وادیٔ بدر میں تقریباً ایک ساتھ پہنچے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی اسی تدبیر کا ذکر ہے کہ جب قریش کا لشکر وادی کے دور والے (جنوبی) کنارے پر آ پہنچا اور مشرق کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا لشکر لے کر اس کنارے پر پہنچ گئے جو مدینہ سے قریب تھا۔

﴿وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ﴾ ''اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔''

قریش کا تجارتی قافلہ اُس وقت نیچے ساحل سمندر کی طرف سے ہو کر گزر رہا تھا۔ ابوسفیان نے ایک طرف تو قافلے کی مدد کے لیے مکہ والوں کو پیغام بھیج دیا تھا اور دوسری طرف اُس نے یہ تدبیر بھی کی تھی کہ اصل راستے کو چھوڑ کر قافلے کو ساحل سمندر کی طرف لے گیا تھا۔ روایتی راستہ تو وادیٔ بدر سے ہو کر گزرتا تھا لیکن اس راستہ پر جانے کے بجائے اب یہ قافلہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ بدر کے پہاڑی سلسلے سے آگے تہامہ کا میدان ہے جو ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ اور قافلہ اس وقت اس میدان کی بھی آخری حدود پر سمندر کی جانب تھا۔ اس لیے فرمایا گیا کہ قافلہ تم سے نچلی سطح پر تھا۔

﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ﴾ ''اور اگر تم لوگ آپس میں میعاد ٹھہرا کر نکلتے تو بھی وقتِ مقررہ (پر پہنچنے) میں تم ضرور مختلف ہو جاتے''

یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت دونوں لشکر ٹھیک ایک ہی وقت پر وادی کے دونوں کناروں پر پہنچے تھے۔ اگر آپ لوگوں نے مقامِ معیّن پر پہنچنے کے لیے آپس میں کوئی وقت مقرر کیا ہوتا تو اس میں ضرور تقدیم و تاخیر ہو جاتی' لیکن ہم نے دونوں لشکروں کو عین وقت پر ایک ساتھ آمنے سامنے لا کھڑا کیا' کیونکہ ہم چاہتے تھے کہ یہ ٹکراؤ ہو جائے اور اہلِ مکہ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی

نصرت کس کے ساتھ ہے۔

﴿وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ﴾ ''لیکن (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تا کہ اللہ فیصلہ کر دے اس کام کا جو ہونے ہی والا تھا''

﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ ''تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ ہلاک ہو بات واضح ہو جانے کے بعد''

یعنی حق کے واضح ہو جانے میں کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ اہلِ مکہ میں سے اُن عوام کے لیے بھی حق کو پہچاننے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے جنہیں اب تک سرداروں نے گمراہ کر رکھا تھا۔ اگر اس کے بعد بھی کسی کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور وہ ہلاکت کے راستے پر ہی گامزن رہنے کو ترجیح دیتا ہے تو یہ اس کی مرضی' مگر ہم چاہتے ہیں کہ اگر ایسے لوگوں کو ہلاک ہی ہونا ہے تو ان میں سے ہر فرد حق کے پوری طرح واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو۔

﴿وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲﴾ ''اور جسے زندہ رہنا ہے وہ زندہ رہے واضح دلیل کی بنا پر۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

جو سیدھے راستے پر آنا چاہتا ہے وہ بھی اس بَيِّنَة کی بنا پر سیدھے راستے پر آ جائے اور حیاتِ معنوی حاصل کر لے۔

آیت ۴۳ ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ﴾ ''جب اللہ آپ کو دکھا رہا تھا (اے نبی ﷺ) انہیں آپ کی نیند میں کم تعداد میں''

رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ قریش کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے' بس تھوڑے سے لوگ ہیں جو جنگ کے لیے بدر کی طرف آ رہے ہیں' حالانکہ وہ ایک ہزار افراد پر مشتمل بہت بڑا لشکر تھا۔

﴿وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا﴾ ''اور اگر وہ آپ کو دکھاتا کہ وہ کثیر تعداد میں ہیں''

اور آپ (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو وہ خبر جوں کی توں بتائی ہوتی:

﴿لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ ''(تو اے مسلمانو!) تم ضرور کمزوری دکھاتے اور معاملے میں اختلاف کرتے''

دشمن کی اصل تعداد اور طاقت کے بارے میں جان کر آپ لوگ پست ہمت ہو جاتے اور اختلاف میں پڑ جاتے کہ ہمیں بدر میں جا کر اس لشکر کا مقابلہ کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔ اس طرح آراء میں اختلاف کی بنا پر بھی تمہاری جمعیت میں کمزوری آ جاتی۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳﴾ ''لیکن اللہ نے سلامتی پیدا فرما دی۔ یقیناً وہ واقف ہے اس سے جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جو خواب دیکھا وہ تو غلط نہیں ہو سکتا تھا' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں۔ اس لیے مفسرین نے اس نکتے کی توجیہہ اس طرح کی ہے کہ آپ ﷺ کو لشکرِ کفار کی معنوی حقیقت دکھائی گئی تھی۔ یعنی کسی چیز کی ایک کمیت (quantitative value) ہوتی ہے اور ایک اس کی اندرونی کیفیت اور اصل حقیقت ہوتی ہے۔ کمیت کے پہلو سے دیکھا جائے تو لشکرِ کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ مسلمانوں سے تین گنا تھے' مگر اس لشکر کی اندرونی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ درحقیقت مکہ کے عوام الناس کی اکثریت حضور ﷺ کو اپنے معاشرے کا بہترین انسان سمجھتی تھی۔ ان کی سوچ کے مطابق آپؐ کے تمام ساتھی بھی مکہ کے

بہترین لوگ تھے۔ مکّہ کا عام آدمی دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرتا تھا کہ محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے' بلکہ یہ سب کے سب ایک خدا کو ماننے والے اور نیکیوں کا پرچار کرنے والے شریف لوگ ہیں۔ چنانچہ مکّہ کی خاموش اکثریت کی ہمدردیاں شروع سے مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ ایسے تمام لوگ اپنے سرداروں اور لیڈروں کے حکم کی تعمیل میں لشکر میں شامل تو ہو گئے تھے' مگر اُن کے دل اپنے لیڈروں کے ساتھ نہیں تھے۔ جنگ میں دراصل جان کی بازی لگانے کا جذبہ ہی انسان کو بہادر اور طاقتور بناتا ہے اور یہ جذبہ نظریے کی سچائی اور نظریاتی پختگی سے پیدا ہوتا ہے۔ قریش کے اس لشکر میں ایسا کوئی جذبہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ لہٰذا تعداد میں اگرچہ وہ لوگ زیادہ تھے مگر معنوی طور پر اُن کی جو کیفیت اور اصل حقیقت تھی اس لحاظ سے وہ بہت کم تھے اور حضور ﷺ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اصل حقیقت دکھائی تھی۔

آیت ۴۴ ﴿وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ﴾ ''اور جب تم آمنے سامنے ہوئے تو تمہاری نظروں میں انہیں (کفار کو) تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور ان کی نظروں میں تمہیں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا''

جب دونوں لشکر مقابلے کے لیے آمنے سامنے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ مسلمانوں کو بھی دیکھنے میں کفار تعداد میں بہت کم لگ رہے تھے اور کفار کو بھی مسلمان بہت تھوڑے نظر آ رہے تھے۔ ایسی صورتِ حال اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا فرما دی تاکہ یہ جنگ ڈٹ کر ہو۔ اس لیے کہ وہ اس دن کو ''یوم الفرقان'' بنانا چاہتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ کوئی فریق بھی میدان سے کنی کترائے۔

﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴﴾ ''تاکہ اللہ پورا کر دے اُس معاملے کو جو ہونے والا ہی تھا۔ اور تمام معاملات (بالآخر تو) اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔''

آیات ۴۵ تا ۴۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸ ع

آیت ۴۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا﴾ ''اے اہلِ ایمان! جب بھی تمہارا مقابلہ ہو کسی گروہ سے تو ثابت قدم رہو''

یہ وہ دور تھا جب حق و باطل کے درمیان گھمسان کا تصادم شروع ہو چکا تھا اور یوں دین کے غلبے کی جدّوجُہد آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ غزوۂ بدر اس سلسلے کی پہلی جنگ تھی اور ابھی بہت سی مزید جنگیں لڑی جانی تھیں۔ چنانچہ ان حالات سے عہدہ برآ ہونے

کے لیے زیر مطالعہ آیات میں مسلمانوں کو میدانِ جنگ اور جنگی حکمتِ عملی کے بارے میں ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی ہدایت یہ ہے کہ جب بھی کسی فوج سے میدانِ جنگ میں تمہارا مقابلہ ہو تو تم ثابت قدم رہو' اور کبھی بھی' کسی بھی حالت میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور اللہ کا ذکر کرتے رہو کثرت کے ساتھ تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

دوسری ہدایت یہ کہ حالتِ جنگ میں بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے رہو' کیونکہ تمہاری اصل طاقت کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہے۔ اور اللہ کی مدد صبر کرنے (ثابت قدم رہنے) والوں کے ساتھ ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل ۱۲۷)' اور یاد رکھو! ایک بندۂ مؤمن کا صبر اللہ کے بھروسے پر ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر تمہارے دل اللہ کی یاد سے منور ہوں گے' اُس کے ساتھ قلبی اور روحانی تعلق استوار ہوگا' تو تمہیں ثابت قدم رہنے کے لیے سہارا ملے گا' اور اگر اللہ کے ساتھ تمہارا تعلق کمزور پڑ گیا تو پھر تمہاری ہمت بھی جواب دے دے گی۔

آیت ۴۶ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''اور حکم مانو اللہ کا اور اُس کے رسول (ﷺ) کا''

یہ تیسرا حکم ڈسپلن کے بارے میں ہے کہ جو حکم تمہیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ملے اس کی دل و جان سے پابندی کرو۔ اگرچہ یہاں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی بات ہوئی ہے' لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو عملی طور پر یہ اطاعت رسول ﷺ ہی کی ہدایت ہے' کیونکہ جو حکم بھی آتا تھا وہ آپ ﷺ ہی کی طرف سے آتا تھا۔ قرآن بھی حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا تھا اور اگر آپؐ اپنی کسی تدبیر سے اجتہاد کے تحت کوئی فیصلہ فرماتے تو وہ بھی آپ ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا تھا۔ لہٰذا عملاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت آپ ﷺ ہی کی اطاعت میں مضمر ہے۔ اقبالؔ نے اس نکتے کو بہت خوبصورتی سے اس ایک مصرعے میں سمو دیا ہے: ع ''بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!''

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶﴾ ''اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی' اور ثابت قدم رہو۔ یقیناً اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۵۲ کا مضمون ضرور مدِنظر رہنا چاہیے۔ وہاں غزوۂ اُحد کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ﴾ ''اور اللہ نے تو تم سے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا جبکہ تم ان کو تہِ تیغ کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔ یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور تم نے امر میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمہیں محبوب ہے''۔ اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کہ ایک سال بعد (غزوۂ اُحد میں) کیا صورتِ حال پیش آنے والی ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں ایک سال پہلے ہی مسلمانوں کو جنگی حکمتِ عملی کے ضمن میں بہت واضح ہدایات دے دی گئیں کہ خبردار! ڈسپلن کی پابندی اور اطاعت رسول ﷺ کے حوالے سے کبھی کوتاہی نہ کرنا' ورنہ بہت نقصان اٹھاؤ گے۔

آیت ۴۷ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ﴾ ''اور ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اِتراتے ہوئے' لوگوں کو دکھانے کے لیے''

یہ قریش کے لشکر کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہ لشکر مکّہ سے روانہ ہوا تو اُس کی شان و شوکت واقعی مرعوب کن تھی۔ یہی وجہ تھی کہ

ابوجہل اور دیگر سردارانِ قریش اپنے غرور اور تکبر کے باعث اس زعم میں تھے کہ مٹھی بھر مسلمان ہمارے اس طاقتور لشکر کے سامنے خس و خاشاک ثابت ہوں گے اور ہم انہیں کچل کر رکھ دیں گے۔

﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷﴾ ''اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔''

وہ اپنی ساری کوششیں اور تمام توانائیاں مخلوقِ خدا کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے صَرف کر رہے تھے' مگر اُن کی کوئی تدبیر اللہ کے قابو سے باہر جانے والی تو نہیں تھی۔

آیت ۴۸ ﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ ''اور جب شیطان نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزیّن کر دیا تھا اور اُس نے (ان سے) کہا تھا کہ آج تم پر انسانوں میں سے کوئی غالب نہیں آ سکتا''

یعنی اُن کے دلوں میں شیطان نے متکبرانہ خیالات پیدا کر دیے تھے اور انہیں خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ تمہارا یہ ساز و سامان' یہ اسلحہ' یہ اتنا بڑا لشکر' یہ سب کچھ غیر معمولی اور انہونی صورتِ حال ہے۔ عرب کی تاریخ میں اس جیسے لشکر کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ کس میں ہمت ہے کہ آج اس لشکر کے سامنے ٹھہر سکے اور کس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ آج تمہارے اوپر غلبہ پا سکے؟

﴿وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ''اور میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں۔''

﴿فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ﴾ ''پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے پھر گیا''

﴿وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ﴾ ''اور کہنے لگا کہ میں تم سے لاتعلق ہوں' میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو''

چونکہ ابلیس (عزازیل) کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے' لہٰذا ناری مخلوق ہونے کی وجہ سے اُس نے فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھ لیا اور یہ کہتے ہوئے اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تو یہاں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگوں کو نظر نہیں آ رہا ہے۔

﴿اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸﴾ ''مجھے اللہ کا خوف ہے۔ اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

آیات ۴۹ تا ۵۸

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۝۵۴ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۵۵ اَلَّذِيۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِىۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ ۝۵۶ فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِى الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ۝۵۷ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ ۝۵۸

آیت ۴۹ ﴿اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ﴾ ''جب کہہ رہے تھے منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا''

ابھی تک ایک طرف کے حالات کا نقشہ پیش کیا جا رہا تھا۔ یعنی لشکر قریش کی مکّہ سے روانگی' اس لشکر کی کیفیت' ان کے سرداروں کے متکبرانہ خیالات' شیطان کا ان کی پیٹھ ٹھونکنا اور پھر عین وقت پر بھاگ کھڑے ہونا۔ اب اس آیت میں مدینہ کے حالات پر تبصرہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ سے لشکر لے کر نکلے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین کیا کیا باتیں بنا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے:

﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيۡنُهُمۡ ؕ﴾ ''ان (مسلمانوں) کو تو ان کے دین نے بالکل دھوکے میں ڈال دیا ہے۔''

یعنی ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو قریش کے اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنے چل پڑے ہیں۔ ہم تو پہلے ہی ان کو سُفَہَاء (احمق) سمجھتے تھے' مگر اب تو عملی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے دین کے پیچھے بالکل ہی پاگل ہو گئے ہیں۔

﴿وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝۴۹﴾ ''اور (انہیں کیا پتا کہ) جو کوئی توکّل کرتا ہے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۵۰ ﴿وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''اور کاش تم دیکھ سکتے جب قبض کرتے ہیں فرشتے ان کافروں کی جانوں کو'

﴿يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۚ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝۵۰﴾ ''ضربیں لگاتے ہوئے اُن کے چہروں اور اُن کی پیٹھوں پر' اور (کہتے ہیں کہ اب) چکھو جلنے کا عذاب۔''

آیت ۵۱ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝۵۱﴾ ''یہ وہ کچھ ہے جو تمہارے اپنے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ تو ہرگز اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔''

آیت ۵۲ ﴿كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ﴾ ''(ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا) جیسے کہ معاملہ ہوا آلِ فرعون کا اور اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے۔''

آلِ فرعون سے پہلے قومِ شعیبؑ تھی' قومِ شعیبؑ سے پہلے قومِ لوطؑ' اُن سے پہلے قومِ ثمود' اُن سے پہلے قومِ عاد اور اُن سے پہلے قومِ نوحؑ۔ ان ساری قوموں کے انجام کے بارے میں ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں۔

﴿كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ﴾ ''انہوں نے اللہ کی آیات کا کفر کیا' تو اللہ نے انہیں پکڑ لیا اُن کے

گناہوں کی پاداش میں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ ''یقیناً اللہ قوی ہے اور سزا دینے میں سخت ہے۔''

آیت ۵۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ کوئی نعمت جو اُس نے کسی قوم کو دی ہو اُس میں تغیر کرے جب تک کہ وہ قوم اپنی اندرونی کیفیت کو خود متغیر نہ کر دے''

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اپنا پیغمبر مبعوث کیا' جس نے اللہ کی توحید اور اس کے احکام کے مطابق اس قوم کو دعوت دی۔ پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا' اُن پر اپنے انعامات و احسانات کی بارشیں کیں۔ پھر اپنے پیغمبر کے بعد ان لوگوں نے آہستہ آہستہ کفر و ضلالت کی روش اختیار کی اور توحید کی شاہراہ کو چھوڑ کر شرک کی پگڈنڈیاں اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں نے بھی اُن سے منہ موڑ لیا' انعامات کی جگہ اللہ کے عذاب نے لے لی اور یوں وہ قوم تباہ و برباد کر دی گئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پر سوار ہونے والے مؤمنین کی نسل سے ایک قوم وجود میں آئی۔ جب وہ قوم گمراہ ہوئی تو حضرت ہود علیہ السلام کو اُن کی طرف بھیجا گیا۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی نسل سے قومِ ثمود نے جنم لیا اور پھر جب وہ لوگ گمراہ ہوئے تو اُن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ گویا ہر قوم اپنے پیغمبر کے راستے کو چھوڑنے کے سبب برباد ہوئی' مگر اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قوم سے اپنی نعمت اُس وقت تک سلب نہیں کی جب تک کہ خود انہوں نے ہدایت کی راہ کو چھوڑ کر گمراہی اختیار نہیں کی۔ یہ مضمون بعد میں سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں بھی آئے گا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس مضمون کو ایک خوبصورت شعر میں اس طرح ڈھالا ہے: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

اس فلسفے کے مطابق جب کوئی قوم محنت کو اپنا شعار بنا لیتی ہے تو اس کے ظاہری حالات میں مثبت تبدیلی آتی ہے اور یوں اس کی تقدیر بدلتی ہے۔ صرف خوش فہمیوں (wishful thinkings) اور دعاؤں سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلا کرتیں' اور قوم چونکہ افراد کا مجموعہ ہوتی ہے' اس لیے تبدیلی کا آغاز افراد سے ہوتا ہے۔ پہلے چند افراد کی قلب ماہیت ہوتی ہے۔ یعنی اُن کی سوچ' اُن کے تصورات' اُن کے خیالات' اُن کے مقاصد' اُن کی دلچسپیاں اور اُن کی امنگیں تبدیل ہوتی ہیں۔ پھر جب ایسے پاک باطن لوگوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی ہے اور وہ لوگ ایک طاقت اور قوت کے طور پر خود کو منظم کر کے باطل کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو طاغوتی طوفان اپنا رُخ بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یوں اہلِ حق کی قربانیوں سے نظام بدلتا ہے' انقلاب کی سحر پُرنور طلوع ہوتی ہے اور معاشرہ پھر سے راہِ حق پر گامزن ہوتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اس انقلاب کی جدّ و جُہد کے لیے ہمیں فکری و عملی رہنمائی صرف اور صرف قرآنی تعلیمات سے حاصل کرنا ہوگی۔ یہی وہ سبق ہے جس کے پڑھنے سے انسان کے اندر کی دنیا میں انقلاب آتا ہے۔ اسی اکسیر سے اُس کی قلب ماہیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے مٹی کا یہ انبار یکایک شمشیر بے زنہار کا روپ دھار لیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس لطیف نکتے کی وضاحت اس طرح کی ہے: ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

جب یہ قرآن کسی انسان کے دل کے اندر اتر جاتا ہے تو اُس کے دل اور اُس کی روح کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اور ایک بندۂ مؤمن کے اندر کا یہی انقلاب بالآخر عالمی انقلاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور یہ کہ اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۵۴ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ ''جیسا کہ معاملہ ہوا آلِ فرعون کا اور جو اُن سے پہلے تھے۔''

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا اُن کے گناہوں کی پاداش میں''

﴿وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''اور آلِ فرعون کو ہم نے غرق کر دیا' اور یہ سب کے سب ظالم تھے۔''

آیت ۵۵ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''یقیناً بدترین چوپائے اللہ کے نزدیک یہی لوگ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔''

یہی بات اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۹ میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ ایسے لوگ بظاہر انسان نظر آتے ہیں' لیکن حقیقت میں وہ انسان نہیں ہیں: ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ﴾ یعنی حقیقت میں وہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان ہی لوگوں کو یہاں ''شَرَّ الدَّوَآبِّ'' کہا گیا ہے' کہ یہی وہ حیوان نما انسان ہیں جو تمام جانوروں سے بدتر ہیں' جو ایمان کی نعمت کے مقابلے میں کفر کی روش اختیار کر کے دنیا کی لذتوں پر ریجھ گئے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''وہ لوگ جن سے (اے نبی ﷺ) آپ نے معاہدہ کیا تھا' پھر وہ ہر مرتبہ اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ (اس بارے میں) ڈرتے نہیں ہیں۔''

یہ اشارہ یہودِ مدینہ کی طرف ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے آتے ہی یہودیوں سے مذاکرات شروع کیے اور نتیجتاً مدینہ کے تینوں یہودی قبائل سے شہر کے مشترکہ دفاع کا معاہدہ کر لیا۔ پروفیسر منٹگمری واٹ (۱۹۰۹ء-۲۰۰۶ء) نے اس معاہدے کو آنحضور ﷺ کا ایک بہت بڑا مدبرانہ کارنامہ قرار دیا ہے۔ اُس نے اس سلسلے میں آپ ﷺ کی معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ظاہری طور پر اگرچہ یہودی اس معاہدے کے پابند رہے مگر خفیہ طور پر وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ انہوں نے ہر مشکل مرحلے پر اس معاہدے کا پاس نہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کی' حتیٰ کہ غزوۂ احزاب کے انتہائی نازک موقع پر قریش کو خفیہ طور پر پیغامات بھجوائے کہ آپ لوگ باہر سے شہر پر حملہ کر دیں' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔

آیت ۵۷ ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''تو اگر آپؐ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی خوف زدہ کر دیں' تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔''

یہ یہودی آپ لوگوں کے خلاف کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر سازشیں تو ہر وقت ہی کرتے رہتے ہیں' لیکن اگر ان میں سے کچھ لوگ قریش کی طرف سے لڑتے ہوئے کبھی میدانِ جنگ میں پکڑے جائیں تو ان کو ایسی عبرت ناک سزا دو کہ قریشِ مکہ جو پیچھے بیٹھ کر ان کی ڈوریں ہلا رہے ہیں اور ان سازشوں کی منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں' اُن کے ہوش بھی ٹھکانے آ جائیں۔

آیت ۵۸ ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ﴾ ''اور اگر آپؐ کو اندیشہ ہو جائے کسی قوم کی طرف

سے بدعہدی کا تو پھینک دیجیے (ان کا معاہدہ) ان کی طرف کھلم کھلا۔''

پچھلی آیات میں انفرادی فعل کے طور پر معاہدے کی خلاف ورزی کا ذکر تھا۔ مثلاً کسی قبیلے کا کوئی فرد اس طرح کی کسی سازش میں ملوث پایا جائے تو ممکن ہے ایسی صورت میں اس کے قبیلے کے لوگ یا سردار اس سے بریٔ الذمہ ہو جائیں کہ یہ اس شخص کا ذاتی اور انفرادی فعل ہے اور اجتماعی طور پر ہمارا قبیلہ بدستور معاہدے کا پابند ہے۔ لیکن اس آیت میں قومی سطح پر اس مسئلے کا حل بتایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ کو کسی قوم یا قبیلے کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں آپ ان کے معاہدے کو علی الاعلان منسوخ (abrogate) کر دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اخلاق کے جس معیار پر دیکھنا چاہتا ہے اس میں یہ ممکن نہیں کہ بظاہر معاہدہ بھی قائم رہے اور اندرونی طور پر متعلقہ فریق کے خلاف اقدام کی منصوبہ بندی بھی ہوتی رہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ایسی صورت میں آپ (ﷺ) کھلم کھلا یہ اعلان کر دیں کہ آج سے میرے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔

مولانا مودودیؒ نے ۱۹۴۸ء میں جہادِ کشمیر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اسی قرآنی حکم کی روشنی میں کیا تھا' کہ ہندوستان کے ساتھ ہمارے سفارتی تعلقات کے ہوتے ہوئے یہ اقدام قرآن اور شریعت کی رو سے غلط ہے اور اسلام کے نام پر بننے والی مملکت کی حکومت کو ایسی پالیسی زیب نہیں دیتی۔ پاکستان کو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی پالیسی کا کھلم کھلا اعلان کرنا چاہیے۔ میز کے اوپر باہمی تعاون کے معاہدے کرنا' دوستی کے ہاتھ بڑھانا اور میز کے نیچے سے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنا دنیاداروں کا وطیرہ تو ہو سکتا ہے اہلِ ایمان کا طریقہ نہیں۔ مولانا مودودیؒ کی یہ رائے اگرچہ اس آیت کی روح کے عین مطابق تھی مگر اُس وقت اُن کی اس رائے کے خلاف عوام میں خاصا اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۸﴾ ''یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیات ۵۹ تا ۶۶

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا
تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا
تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱
وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲
وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ
اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۴ ع
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۶۶

آیت ۵۹ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ﴾ ''اور نہ سمجھیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے کہ وہ بچ نکلے ہیں۔''

غزوۂ بدر میں کفار کے ایک ہزار افراد میں سے بہت سے لوگ صحیح سلامت بچ بھی نکلے تھے۔ یہ اُن کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ واقعی بچ نکلے ہیں۔

﴿اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹﴾ ''وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکیں گے۔''

وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکیں گے۔

آیت ۶۰ ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ ''اور تیار رکھو اُن کے (مقابلے کے) لیے اپنی استطاعت کی حد تک طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے''

یہاں مسلمانوں کو واضح طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ اب جبکہ تمہاری تحریک تصادم کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے تو تم لوگ اپنے وسائل کے مطابق' مقدور بھر فنِ حرب کی صلاحیت واہلیت' اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ جہاد کے لیے تیار رکھو۔ اگرچہ ایک مؤمن کو توکل صرف اللہ کی نصرت پر ہی کرنا چاہیے' مگر توکل کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور امید رکھے کہ سب کچھ اللہ کی مدد سے ہی ہو جائے گا۔ بلکہ توکل یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے تمام ممکنہ مادی اور تکنیکی وسائل مہیا رکھے جائیں اور پھر اللہ کی نصرت پر توکل کیا جائے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف بھرپور دفاعی صلاحیت حاصل کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنے کے حوالے سے بہت واضح حکم دیا گیا ہے۔ تیاری کا یہ حکم ہر دور کے لیے ہے۔ آج اگر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے نوازا ہے تو یہ صلاحیت ملک وقوم کی قوت وطاقت کی علامت بھی ہے اور تمام عالمِ اسلام کی طرف سے پاکستان کے پاس ایک امانت بھی۔ اگر اس سلسلے میں کسی دباؤ کے تحت' کسی بھی قسم کا کوئی سمجھوتہ (compromise) کیا گیا تو یہ اللہ' اُس کے دین اور تمام عالمِ اسلام سے ایک طرح کی خیانت ہوگی۔ لہٰذا آج وقت کی یہ اہم ضرورت ہے کہ پاکستانی قوم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہتے ہوئے اس سلسلے میں جرأت مندانہ پالیسی اپنائے' تاکہ اس کے دشمنوں کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی صورت میں قوتِ مزاحمت کا توازن (deterrence) قائم رہے۔

﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ ''(تاکہ) تم اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو''

﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ﴾ ''اور کچھ دوسروں کو (بھی) جو ان کے علاوہ ہیں' تم انہیں نہیں جانتے' اللہ انہیں جانتا ہے۔''

یعنی تمہاری آستینوں کے سانپ منافقین جو در پردہ تمہاری تباہی اور بربادی کے درپے رہتے ہیں۔ تمہاری نظروں سے تو وہ چھپے ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰﴾ ''اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب پورا پورا تمہیں دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

یعنی اگر اسلحہ خریدنا ہے' ساز و سامان فراہم کرنا ہے' گھوڑے تیار کرنے ہیں تو اس سب کچھ کے لیے اخراجات تو ہوں گے۔ لہٰذا جنگی تیاری کے حکم کے ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بھی آ گیا' اس ضمانت کے ساتھ کہ جو کوئی جتنا اس سلسلے میں اللہ کے راستے میں خرچ کرے گا اس کو وعدے کے مطابق پورا پورا اجر دیا جائے گا اور کسی کی ذرّہ برابر بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔ یہاں انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۶ اور ۳۷ میں دیے گئے احکام کو ذہن میں دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اب تمہاری تحریک کا وہ مرحلہ شروع ہو چکا ہے جہاں تمہارا جنگ کے لیے ممکن حد تک بھرپور تیاری کرنا اور بہتر سے بہتر اسلحہ حاصل کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب آگے بڑھو اور اس عظیم مقصد کے لیے دل کھول کر خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک کے بدلے سات سو تک دینے کا وعدہ کر چکا ہے' بلکہ یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ جذبۂ ایثار و خلوص جس قدر زیادہ ہوگا یہ اجر و ثواب اسی قدر بڑھتا چلا جائے گا۔ لہٰذا اپنا مال سینت سینت کر رکھنے کے بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالو تاکہ دنیا میں اللہ کے دین کے غلبے کے لیے کام آ جائے اور آخرت میں تمہاری فلاح کا ضامن بن جائے۔

آیت ۶۱ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر وہ اپنے بازو جھکا دیں امن کے لیے تو آپ بھی جھک جائیں اس کے لیے''

اگر مخالف فریق صلح پر آمادہ نظر آئے تو آپ ﷺ بھی امن کی خاطر مناسب شرائط پر اُن سے صلح کر لیں۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱﴾ ''اور اللہ پر توکل کیجیے' یقیناً وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

یعنی آپ اُن کی منفی چالوں سے فکرمند نہ ہوں' اللہ پر توکل رکھیں اور صلح کا جواب صلح سے ہی دیں۔

آیت ۶۲ ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور اگر وہ ارادہ رکھتے ہوں آپ کو دھوکہ دینے کا' تب بھی (آپ گھبرائیے نہیں) آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔''

گویا ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی ضمانت دی جا رہی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲﴾ ''وہی تو ہے (اللہ) جس نے آپ کی مدد کی ہے اپنی نصرت سے اور اہلِ ایمان کے ذریعے سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے آپ کو ایسے مخلص اور جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم عطا کیے کہ جہاں آپ کا پسینہ گرا وہاں انہوں نے اپنے خون کی ندیاں بہا دیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی امداد کی شان اس وقت خصوصی طور پر نکھر کر سامنے آتی ہے جب ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا طرزِ عمل دیکھتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلو' تو انہوں نے صاف کہہ دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ (المائدۃ) ''تو جائیے آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑیں' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیزاری سے یہاں تک کہہ دیا تھا: ﴿رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۵﴾ ''اے میرے رب! میں تو اپنی جان اور اپنے بھائی کے علاوہ کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا' لہٰذا آپ ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان علیحدگی کر دیں۔''

اس کے مقابلے میں اب نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندازِ اخلاص اور جذبۂ جاں نثاری کی مثال ملاحظہ ہو۔ غزوۂ بدر سے پہلے جب حضور ﷺ نے مقامِ صفراء پر صحابہؓ سے مشاورت کی (اور یہ بڑی کانٹے دار مشاورت تھی) تو کچھ لوگ مسلسل زور دیتے

رہے کہ ہمیں قافلے کی طرف چلنا چاہیے۔ ان لوگوں کے دلائل واقعتاً بہت ٹھوس اور مؤثر تھے' مگر حضور ﷺ ہر بار فرما دیتے کہ کچھ اور لوگ بھی مشورہ دیں! اس پر مہاجرین میں سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے آپ اسی طرف چلئے' آپ ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح نہ سمجھئے' جنہوں نے کہہ دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾۔ ہم آپ کے ساتھی ہیں' آپ جو حکم دیں ہم حاضر ہیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اظہارِ خیال فرمایا' لیکن حضور ﷺ انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ بیعتِ عَقَبہ ثانیہ کے موقع پر انصار نے یہ وعدہ تو کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ ہوا تو وہ لوگ آپ کی حفاظت کریں گے' لیکن یہاں معاملہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا تھا' لہٰذا جنگ کا فیصلہ انصار کی رائے معلوم کیے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی منشا کو بھانپ لیا' لہٰذا وہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! شاید آپ کا روئے سخن ہماری (انصار کی) طرف ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس پر انہوں نے کہا: لَقَدْ اٰمَنَّا بِکَ وَصَدَّقْنَاکَ ... ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں' ہم آپ کی تصدیق کر چکے ہیں' ہم آپ کو اللہ کا رسول مان چکے ہیں اور آپ سے سمع وطاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں' اب ہمارے پاس آپ کے حکم کی تعمیل کے علاوہ کوئی راستہ (option) نہیں ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اگر آپ اپنی سواری اس سمندر میں ڈال دیں گے تو ہم بھی آپ کے پیچھے اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے۔ اور خدا کی قسم' اگر آپ ہمیں کہیں گے تو ہم برک الغماد (یمن کا شہر) تک جا پہنچیں گے' چاہے اس میں ہماری اونٹنیاں لاغر ہو جائیں۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا ٹکرائیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے' مقابلہ میں سچی جاں نثاری دکھائیں گے' اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوا دے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہمیں لے چلیں! حضرت سعدؓ کی اس تقریر کے بعد حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور آپ نے بدر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ یہ ایک جھلک ہے اُس مدد کی جو اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کے انتہائی سچے اور مخلص صحابہؓ کی صورت میں حضور ﷺ کے شاملِ حال تھی۔

آیت ۶۳ ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''اور اِن (اہلِ ایمان) کے دلوں میں اُس نے الفت پیدا کر دی۔ اگر آپ زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تو اِن کے دلوں میں یہ اُلفت پیدا نہیں کر سکتے تھے''

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''لیکن یہ تو اللہ نے اُن کے مابین (ایسی) الفت پیدا کر دی۔''

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فضل خاص کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ﴾ ''اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے' پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی تو اُس کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے' اور تم لوگ تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے جہاں سے اللہ نے تمہیں بچایا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳﴾ ''یقیناً وہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۴ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۶۴﴾ ''اے نبی! (ﷺ) آپ کے لیے کافی ہے اللہ اور وہ جو پیروی کر رہے ہیں آپ کی اہلِ ایمان میں سے۔''

اگر اس آیت کو پچھلی آیت کے ساتھ تسلسل سے پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ یہی ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے' لیکن اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: ''اے نبی (ﷺ) اللہ کافی ہے آپ کے لیے بھی اور جو آپ کی پیروی کرنے والے مسلمان ہیں اُن کے لیے بھی''۔ عبارت کا انداز ایسا ہے کہ اس میں یہ دونوں مفاہیم آ گئے ہیں۔

آیت ۶۵ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ﴾ ''اے نبی! (ﷺ) ترغیب دلایئے اہلِ ایمان کو قتال کی۔''

ہجرت کے بعد ۹ سال تک قتال کے لیے ترغیب' تشویق اور تحریص کے ذریعے ہی زور دیا گیا۔ یہ تحریص گاڑھی ہو کر ''تحریض'' بن گئی۔ اُس دور میں مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی' اِن سے بلند درجات کا وعدہ کیا گیا (النساء: ۹۵) مگر قتال کو ہر ایک کے لیے فرضِ عین قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد کے لیے نکلنا تمام اہل ایمان پر فرض کر دیا گیا۔ اس وقت تمام اہلِ ایمان کے لیے نفیرِ عام تھی اور کسی کو بلا عذر پیچھے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

﴿اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ﴾ ''اگر تم میں سے بیس افراد ہوں گے صبر کرنے والے (ثابت قدم) تو وہ دو سو افراد پر غالب آ جائیں گے''

﴿وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور اگر ہوں گے تم میں سے سو افراد تو وہ غالب آ جائیں گے کفار کے ایک ہزار افراد پر''

﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝۶۵﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔''

یہاں سمجھ نہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ انہیں اپنے موقف کی سچائی کا یقین نہیں ہے۔ ایک طرف وہ شخص ہے جسے اپنے نظریے اور موقف کی حقانیت پر پختہ یقین ہے' اس کا ایمان ہے کہ وہ حق پر ہے اور حق کے لیے لڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص ہے جو نظریاتی طور پر ڈانواں ڈول ہے' وہ یا تو کسی کا تنخواہ یافتہ ہے یا کسی کے حکم پر مجبور ہو کر لڑ رہا ہے۔ اب ان دونوں اشخاص کی کارکردگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ چنانچہ کفار کو جنگ میں ثابت قدمی اور استقلال کی وہ کیفیت حاصل ہو ہی نہیں سکتی جو نظریے کی سچائی پر جان قربان کرنے کے جذبے سے پیدا ہوتی ہے۔ دونوں اطراف کے افراد کی نظریاتی کیفیت کے اسی فرق کی بنیاد پر کفار کے ایک سو افراد کے مقابلے میں دس مسلمانوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔ اس کے بعد والی آیت اگرچہ زمانی لحاظ سے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی مگر مضمون کے تسلسل کے باعث یہاں شامل کر دی گئی ہے۔

آیت ۶۶ ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ﴾ ''اب اللہ نے تم پر سے تخفیف کر دی ہے اور اللہ کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری آ گئی ہے۔''

یہ کس کمزوری کا ذکر ہے اور یہ کمزوری کیسے آئی؟ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مہاجرین اور انصار میں سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے جو سابقون الاوّلون میں سے تھے تو ان کے اندر (معاذ اللہ) کسی قسم کی بھی کوئی کمزوری نہیں تھی' لیکن جو لوگ نئے مسلمان ہو رہے تھے ان کی تربیت ابھی اس انداز میں نہیں ہو پائی تھی جیسے پرانے لوگوں کی ہوئی تھی۔ ان

کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف یہ حقیقت بھی اپنی جگہ بہت اہم تھی کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد میں ایسے نئے لوگوں کا تناسب روز بروز بڑھ رہا تھا۔ مثلاً اگر پہلے ہزار لوگوں میں پچاس یا سو نئے لوگ تھے تو اب ان کی تعداد خاصی زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ لہٰذا اوسط کے اعتبار سے مسلمانوں کی صفوں میں پہلے کی نسبت اب کمزوری آ گئی تھی۔

﴿فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ﴾ ''پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے۔''

﴿وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آ جائیں گے اللہ کے حکم سے۔''

﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۶۶﴾ ''اور یقیناً اللہ صبر کرنے والوں (ثابت قدم رہنے والوں) کے ساتھ ہے۔''

آیات ۶۷ تا ۷۱

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ۫ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۶۷ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۶۸ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۶۹ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی ۙ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۷۰ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۷۱ ع

آیت ۶۷ ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اُس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں خوب خونریزی نہ کر دے۔''

یہ آیت غزوۂ بدر میں پکڑے جانے والے قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ غزوۂ بدر میں قریش کے ستر لوگ قیدی بنے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشاورت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے اور فدیہ وغیرہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ خود حضور ﷺ چونکہ رؤف و رحیم اور رقیق القلب تھے اس لیے آپؐ کی بھی یہی رائے تھی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اعتبار سے بہت سخت گیر تھے (اَشَدُّھُمْ فِی اَمْرِ اللّٰہِ عُمَر) ۔ آپؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ آزاد ہو کر پھر کفر کے لیے تقویت کا باعث بنیں گے' اس لیے جب تک کفر کی کمر پوری طرح ٹوٹ نہیں جاتی ان کے ساتھ نرمی نہ کی جائے۔ آپؓ کا اصرار تھا کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے' بلکہ مہاجرین اپنے قریب ترین عزیزوں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کریں۔ بعد میں ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ ہوا اور اس پر عمل درآمد بھی ہو گیا۔ اس فیصلے پر اس آیت کے ذریعے گرفت ہوئی کہ جب تک باطل کی کمر پوری طرح سے توڑ نہ دی جائے اُس وقت تک حملہ آور کفار کو جنگی قیدی بنانا درست نہیں۔ انہیں قیدی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ رہیں گے' اور آج نہیں تو کل انہیں چھوڑنا ہی پڑے گا۔ لہٰذا وہ پھر سے باطل کی طاقت کا سبب بنیں گے اور پھر سے تمہارے

خلاف لڑیں گے۔

﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا﴾ ''تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو!''

یہ فدیے کی طرف اشارہ ہے۔ اب نہ تو رسول اللہ ﷺ کی یہ نیت ہو سکتی تھی (معاذ اللہ!) اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی' لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس کے ہاں جب اپنے مقرب بندوں کی گرفت ہوتی ہے تو الفاظ بظاہر بہت سخت استعمال کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان الفاظ میں بھی ایک طرح کی سختی موجود ہے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات نہ حضور ﷺ کے لیے ہے اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے۔

﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷﴾ ''اور اللہ کے پیش نظر آخرت ہے۔ اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۸ ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸﴾ ''اگر اللہ کی طرف سے بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جو کچھ (فدیہ وغیرہ) تم نے لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا سخت عذاب آتا۔''

اس سے مراد سورۂ محمد (ﷺ) کا وہ حکم ہے (آیت ۴) جو بہت پہلے نازل ہو چکا تھا۔ اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ سورۂ محمدؐ کے مطالعے کے دوران پڑھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی تعبیر (interpretation) میں کس طرح فدیہ لینے کی گنجائش نکالی تھی۔ یہ دراصل قانون کی تشریح و تعبیر کا معاملہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزمر کی آیت ۱۸ میں ارشاد ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ﴾ یعنی وہ لوگ جو کسی بات کو سن کر پیروی کرتے ہیں اُس میں سے بہترین کی اور اس کے اعلیٰ ترین درجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قانون کی تعبیر میں بھی ایسے ہی ہوا۔ چونکہ مذکورہ حکم کے اندر یہ گنجائش یا رعایت موجود تھی اس لیے حضور ﷺ نے اپنی طبیعت کی نرمی کے سبب اس کو اختیار فرما لیا۔ آیت زیر نظر کے اندر سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ سورۂ محمدؐ میں نازل شدہ حکم میں رعایت کی یہ گنجائش موجود تھی' اسی لیے تو اس حکم کا حوالہ دے کر فرمایا گیا کہ اگر وہ حکم پہلے نازل نہ ہو چکا ہوتا تو جو بھی تم نے فدیہ وغیرہ لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا عذاب آتا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے بعد کئی دن تک روتے رہے۔ بہرحال اس فیصلے میں کسی صریح حکم کی خلاف ورزی نہیں تھی اور جو بھی رائے اختیار کی گئی تھی وہ اجتہادی تھی اور آپ ﷺ نے اجتہاد کے ذریعے اس حکم میں سے نرمی اور رعایت کا ایک پہلو اختیار فرمایا تھا۔

آیت ۶۹ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠﴾ ''تو اب کھاؤ جو کچھ تمہیں ملا ہے غنیمت میں سے (کہ وہ تمہارے لیے) حلال اور طیب (ہے)''

ایک مالِ غنیمت تو وہ تھا جو مسلمانوں کو عین حالتِ جنگ میں ملا تھا' اور دوسرے اس مال کو بھی غنیمت قرار دے کر بلا کراہت حلال اور جائز قرار دے دیا گیا جو قیدیوں سے بطور فدیہ حاصل کیا گیا تھا۔

﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۷۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ﴾ ''اے نبی (ﷺ) کہہ دیجیے اُن لوگوں سے جو آپ کے قبضے میں قیدی ہیں''

اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے پس منظر کے طور پر غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دو باتیں ذہن میں رکھیے۔ ایک تو ان قیدیوں میں بہت سے وہ لوگ بھی شامل تھے جو اپنی مرضی سے جنگ لڑنے نہیں آئے تھے' بلکہ وہ اپنے سرداروں کے دباؤ یا بعض

دوسری مصلحتوں کے تحت بادلِ نخواستہ جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ دوسری اہم بات اُن کے بارے میں یہ تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ بعض مسلمانوں کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔ جیسے خود نبی اکرم ﷺ کے حقیقی چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی ان قیدیوں میں شامل تھے۔ ان کے بارے میں گمانِ غالب یہی ہے کہ وہ ایمان تو پہلے سے لا چکے تھے مگر اس وقت تک انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان نہیں کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباسؓ جن رسیوں میں بندھے ہوئے تھے اُن کے بند بہت سخت تھے۔ وہ تکلیف کے باعث جب کراہتے تو حضور ﷺ اُن کی آواز سن کر بے چین ہو جاتے تھے' مگر آپ ﷺ نے اُن کے لیے کسی رعایت کی خواہش کا اظہار نہ فرمایا۔ تاہم جب اُن کی تکلیف آپؐ کی طبیعت پر زیادہ گراں گزری تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی قید ہو کر آئے تھے اور جب آپؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لیے اپنا ہار فدیے کے طور پر بھیجا (یہ ہار اُنؓ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شادی کے موقع پر دیا تھا) تو حضور ﷺ کے لیے بڑی رقت آمیز صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ آپ ﷺ نے جب وہ ہار دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزاری ہوئی ساری زندگی' آپؐ کی خدمت گزاری اور وفاشعاری کی یاد مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ اگر اجازت دیں تو یہ ہار واپس کر دیا جائے تاکہ ماں کی نشانی بیٹی کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ سب کی اجازت سے وہ ہار واپس بھجوا دیا گیا —— قیدیوں کے بارے میں دوسری اہم بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ اکثر مہاجرین کے بہت گہرے خونی رشتے تھے' اس لیے کہ یہ سب لوگ ایک ہی خاندان اور ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

تو فرمایا گیا کہ اے نبی (ﷺ) آپؐ کے قبضے میں جو قیدی ہیں آپؐ ان سے کہہ دیجیے:

﴿اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ﴾ ''اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر تمہیں دے دے گا''

یعنی تمہاری نیتوں کا معاملہ تمہارے اور اللہ کے مابین ہے' جبکہ برتاؤ تمہارے ساتھ خالصتاً قانون کے مطابق ہوگا۔ تم سب لوگ جنگ میں کفار کا ساتھ دینے کے لیے آئے تھے اور اب قانوناً جنگی قیدی ہو۔ جنگ میں کوئی اپنی خوشی سے آیا تھا یا مجبوراً' کوئی دل سے ایمان لے کر آیا تھا یا کفر کی حالت میں آیا تھا' ان سب باتوں کی حقیقت کو اللہ خوب جانتا ہے' وہ یقیناً دلوں کی نیتوں کے مطابق ہی تم سب کے ساتھ معاملہ کرے گا اور جس کے دل میں خیر اور بھلائی پائے گا اُس کو بہت بہتر انداز میں اس بھلائی کا صلہ دے گا۔

﴿وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾﴾ ''اور تمہیں بخش دے گا' اور اللہ بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کرنا چاہیں تو اس سے پہلے یہ اللہ سے بھی خیانت کرتے رہے ہیں''

﴿فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾﴾ ''تو اللہ نے اُن کو پکڑوا دیا۔ اور اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

یعنی ان قیدیوں میں ایسے بھی ہوں گے جو آپ ﷺ سے جھوٹ بولیں گے' جھوٹے بہانے بنائیں گے' بے جا معذرتیں پیش کریں گے۔ تو اس نوعیت کی خیانتیں یہ اللہ سے بھی کرتے رہے ہیں اور ان کے ایسے ہی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو یہ سزا دی گئی ہے کہ اب یہ لوگ آپ ﷺ کے قابو میں ہیں۔

اگلی آیات کی حیثیت اس سورۂ مبارکہ کے ''حاصل کلام'' (concluding remarks) کی سی ہے۔

آیات ۷۲ تا ۷۵

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

آیت ۷۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں‘ اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور اُن کی مدد کی‘ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔‘‘

مدینہ میں ہجرت کے بعد کا مسلمان معاشرہ دو علیحدہ علیحدہ گروہوں پر مشتمل تھا‘ ایک گروہ مہاجرین کا تھا اور دوسرا انصار کا۔ اگرچہ مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنایا جا چکا تھا‘ لیکن اس طرح کے تعلق سے پورا قبائلی نظام ایک دم تو تبدیل نہیں ہو جاتا۔ اُس وقت تک صورتِ حال یہ تھی کہ غزوۂ بدر سے پہلے جو آٹھ مہمات حضور ﷺ نے مختلف علاقوں میں بھیجیں ان میں آپؐ نے کسی انصاری صحابیؓ کو شریک نہیں فرمایا۔ انصار پہلی دفعہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ اس تاریخی حقیقت کو مدنظر رکھا جائے تو یہ نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ آیت کے پہلے حصے میں مہاجرین کا ذکر ہجرت کے علاوہ جہاد کی تخصیص کے ساتھ کیوں ہوا ہے؟ یعنی انصارِ مدینہ تو جہاد میں بعد میں شامل ہوئے‘ ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد تک تو جہادی مہمات میں حصہ صرف مہاجرین ہی لیتے رہے تھے۔ یہاں انصار کی شان یہ بتائی گئی:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا﴾ کہ انہوں نے اپنے دلوں اور اپنے گھروں میں مہاجرین کے لیے جگہ پیدا کی اور ہر طرح سے ان کی مدد کی۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی‘ تمہارا (اب) اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں‘‘

﴿حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ﴾ ’’حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔‘‘

یعنی جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی اُن کے ساتھ تمہارا کوئی رشتۂ ولایت و رفاقت نہیں ہے۔ ایمانِ حقیقی تو ظاہر ہے دل کا معاملہ ہے جس کی کیفیت صرف اللہ جانتا ہے‘ لیکن قانونی تقاضوں کے لیے ان مخصوص حالات میں ایمان کا ظاہری معیار ہجرت کو قرار دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ سورۃ النساء میں (جو اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے) ہجرت نہ کرنے والوں کو منافقین اور کفار جیسے سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے کہ انہیں پکڑو اور قتل کرو (آیات ۸۹، ۹۰) اِلّا یہ کہ اُن کا تعلق کسی ایسے قبیلے سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد مکہ سے مدینہ ہجرت کی' انہوں نے اپنے ایمان کا عملی ثبوت فراہم کر دیا' جبکہ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی مگر ایمان کے دعویدار رہے' انہیں قانونی طور پر مسلمان تسلیم نہیں کیا گیا۔ مثلاً بدر کے قیدیوں میں سے کوئی شخص اگر یہ دعویٰ کرتا کہ میں تو ایمان لا چکا تھا' جنگ میں تو مجبوراً شامل ہوا تھا' تو اس کا جواب اس اصول کے مطابق یہی تھا کہ چونکہ تم نے ہجرت نہیں کی' لہٰذا تمہارا شمار ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ مل کر تم جنگ کرنے آئے تھے۔ اس لحاظ سے اس آیت میں بھی روئے سخن اسیرانِ بدر ہی کی طرف ہے کہ ان میں سے اگر کوئی شخص اسلام کا دعویدار ہے تو وہ قانون کے مطابق فدیہ دے کر آزاد ہو' واپس مکہ جائے' پھر وہاں سے باقاعدہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو تب اسے صاحبِ ایمان تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ تمہارا حمایتی ہوگا اور تم اس کے حمایتی ہو گے۔

﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ ''اور اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد مانگیں تو اُن کی مدد کرنا تم پر واجب ہے''

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن مکہ میں ہی رہے یا اپنے اپنے قبیلے میں رہے اور اُن لوگوں نے ہجرت نہیں کی' اگر وہ دین کے معاملے میں تم لوگوں سے مدد مانگیں تو تم اُن کی مدد کرو۔

﴿اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ﴾ ''مگر کسی ایسی قوم کے خلاف (نہیں) کہ اُن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔''

اگرچہ دارالاسلام والوں پر ان مسلمانوں کی حمایت و مدافعت کی ذمہ داری نہیں ہے جنہوں نے دارالکفر سے ہجرت نہیں کی ہے' تاہم وہ دینی اخوت کے رشتہ سے خارج نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے اس دینی تعلق کی بنا پر مدد کے طالب ہوں تو ان کی مدد کرنا ضروری ہے' بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسے قبیلے کے مقابلے میں نہ مانگی جا رہی ہو جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ معاہدہ کا احترام بہرحال مقدم ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۷۳ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔''

عرب کے قبائلی معاشرے میں باہمی معاہدوں اور ولایت کا معاملہ بہت اہم ہوتا تھا۔ ایسے معاہدوں کی تمام ذمہ داریوں کو بڑی سنجیدگی سے نبھایا جاتا تھا۔ مثلاً اگر کسی شخص پر کسی قسم کا تاوان پڑ جاتا تو اس کے ولی اور حلیف اس کے تاوان کی رقم پوری کرنے کے لیے پوری ذمہ داری سے اپنا اپنا حصہ ڈالتے تھے۔ چنانچہ ولایت کی اہمیت کے پیش نظر یہاں دراصل اس کی شرائط اور حدود واضح کی جا رہی ہیں کہ کفار باہم ایک دوسرے کے حلیف ہیں' جب کہ اہلِ ایمان کا رشتہ' ولایت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔ اس لحاظ سے وہ مسلمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی' اُن کا اہلِ ایمان کے ساتھ ولایت کا تو کوئی رشتہ نہیں' لیکن اگر ایسے مسلمان مدد کے طلب گار ہوں تو اہلِ ایمان ضرور اُن کی مدد کریں' بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسے قبیلے کے خلاف نہ ہو جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴾ ''اگر تم یہ (اِن قواعد وضوابط کی پابندی) نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیلے گا اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔''

اے مسلمانو! تم لوگوں کا ہر کام قواعد وضوابط کے مطابق ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا کوئی عمل زمین میں فتنہ وفساد کا سبب بن جائے۔ مثلاً مکہ میں اپنے قبیلے کے ہاتھوں اذیت کا شکار کوئی مسلمان اگر تم سے مدد مانگتا ہے تو تم اُس کی مدد ضرور کرو' لیکن اگر اس قبیلے نے تمہارے ساتھ امن کا معاہدہ کر رکھا ہے تو تم ایسا نہیں کر سکتے کہ اس کی مدد کے لیے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کے قبیلے پر چڑھ دوڑو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کی وعدہ خلافی اور ناانصافی کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ ایسی صورت میں اس مسلمان کو دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح ہجرت کر کے دارالاسلام پہنچنا چاہیے' اور اگر وہ ہجرت نہیں کر سکتا تو پھر وہاں جیسے بھی حالات ہوں اسے چاہیے کہ وہ انہیں برداشت کرے۔

اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا ذکر سورۃ کے آغاز میں پرکار (compass) کی تشبیہہ کے حوالے سے ہوا تھا۔

آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (یعنی مہاجرین) اور وہ لوگ (انصارِ مدینہ) جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی نصرت کی''

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ ''یہی لوگ ہیں سچے مؤمن۔ اُن کے لیے ہے مغفرت اور رزقِ کریم۔''

یہاں پر مہاجرین اور انصار کے دونوں گروہوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے مؤمنینِ صادقین کی خصوصیات کے حوالے سے ایک حقیقی مؤمن کی تعریف (definition) کے دوسرے رُخ کی جھلک دکھائی گئی ہے' جبکہ اس کے پہلے حصے یا رُخ کے بارے میں ہم اسی سورت کی آیت ۲ اور ۳ میں پڑھ آئے ہیں۔ لہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے سورت کے آغاز کی مذکورہ آیات کے مضمون کو ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ...) یعنی کلمۂ شہادت' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ۔ یہ پانچ ارکان ایک مسلمان کے لیے ضروری ہیں' لیکن حقیقی مؤمن ہونے کے لیے ان میں دو چیزوں کا مزید اضافہ کرنا ہوگا' جن کا ذکر ہمیں سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں ملتا ہے' یعنی ایمان میں زبان کی شہادت کے ساتھ ''یقینِ قلبی'' کا اضافہ ہوگا اور اعمال میں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کے ساتھ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا اضافہ۔ گویا یہ سات چیزیں یا سات شرطیں پوری ہوں گی تو تب ایک شخص بندۂ مؤمن کہلانے کا مستحق ہوگا۔ ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت کا جو نقشہ اس سورت کی آیت ۲ اور ۳ میں دیا گیا ہے اس میں یقین والے ایمان کا خصوصی طور پر ذکر ہوا ہے۔ ان آیات کے مطابق ایک بندۂ مؤمن کا دل یقین والے ایمان کا حامل ہوتا ہے' اللہ کی یاد سے اُس کا دل لرز اُٹھتا ہے' وہ آیاتِ قرآنی پڑھتا ہے یا سنتا ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ وہ ہر معاملے میں اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ رکھتا ہے' نماز قائم کرتا ہے' زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اِن خصوصیات کے ساتھ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ﴾ (آیت ۴) کی مہر لگا کر وہاں پر بندۂ مؤمن کی شخصیت کا ایک رُخ یا ایک صفحہ مکمل کر دیا گیا۔

اب بندۂ مؤمن کی شخصیت کا دوسرا صفحہ یا رُخ آیت زیرِ نظر میں یوں سامنے آیا ہے کہ یہاں جہاد فی سبیل اللہ کو ایک لازمی شرط

کے طور پر بندۂ مؤمن کی خصوصیات میں شامل کر دیا گیا ہے اور پھر اس پر بھی وہی مہر ثبت کی گئی ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾۔ چنانچہ یہ دونوں رُخ مل کر مذکورہ سات خصوصیات یا شرائط کے ساتھ بندۂ مؤمن کی سیرت و شخصیت کی تصویر مکمل ہوگئی ہے۔ ایک شخصیت کی تصویر کے یہ دو رخ ایسے ہیں جن کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ گویا دو صفحات ہیں جن سے مل کر ایک ورق بنتا ہے۔ صحابہ کرام ؓ کی شخصیتوں کے اندر یہ دونوں رخ ایک ساتھ پائے جاتے تھے' مگر جیسے جیسے اُمت زوال پذیر ہوئی' بندۂ مؤمن کی شخصیت کی خصوصیات کے بھی حصے بخرے ہو گئے اور اب اس حوالے سے بقول علامہ اقبال صورت یہ ہے: ؎

اُڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

آج مسلمانوں کی مجموعی حالت یہ ہے کہ اگر کچھ حلقے ذکر کے لیے مخصوص ہیں تو اُن کو جہاد اور فلسفۂ جہاد سے کوئی سروکار نہیں۔ دوسری طرف جہادی تحریکیں ہیں تو اُن کو رُوحانی کیفیات سے شناسائی نہیں۔ لہٰذا آج اُمت کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے ایسے اہل ایمان افراد کی ضرورت ہے جن کی شخصیات میں یہ دونوں رنگ اکٹھے ایک ساتھ جلوہ گر ہوں۔ جب تک مؤمنینِ صادقین کی ایسی شخصیات وجود میں نہیں آئیں گی' جن میں صحابہ کرام ؓ کی طرح دونوں پہلوؤں میں توازن ہو' اس وقت تک اُمتِ مُسلمہ کی بگڑی تقدیر نہیں سنور سکتی۔ اگرچہ صحابہ کرام ؓ جیسی کیفیات کا پیدا ہونا تو آج ناممکنات میں سے ہے' لیکن کسی نہ کسی حد تک اُن ہستیوں کا عکس اپنی شخصیات میں پیدا کرنے اور ایک ہی شخصیت کے اندر ان دونوں طرح کی خصوصیات کا کچھ نہ کچھ توازن پیدا کرنے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ مثلاً آج اگر ان میں سے ایک نوعیت کی کیفیت ایک شخصیت کے اندر ۲۵ فیصد ہو اور دوسری قسم کی کیفیت بھی ۲۵ فیصد کے لگ بھگ ہو تو قابل قبول ہے۔ لیکن اگر کہیں ایسا ہے کہ روحانی کیفیت تو ۷۰ فیصد ہے مگر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صفر ہے یا جہاد کا جذبہ تو ۸۰ فیصد ہے مگر روحانیت کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی تو ایسی شخصیت نظریاتی لحاظ سے غیر متوازن ہوگی۔ بہر حال ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت کی تکمیل کے لیے مذکورہ دونوں رُخ ناگزیر ہیں۔ اِن کو اکٹھا کرنے اور ایک شخصیت میں توازن کے ساتھ جمع کرنے کی آج کے دور میں سخت ضرورت ہے۔

آیت ۷۵ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ﴾ ''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا' تو (اے مسلمانو!) وہ تم میں سے ہی ہیں۔''

وہ تمہاری جماعت' اسی اُمت اور حزب اللہ کا حصہ ہیں۔

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور رحمی رشتے دار اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

یعنی شریعت کے قوانین میں خون کے رشتے مقدم رکھے گئے ہیں۔ مثلاً وراثت کا قانون خون کے رشتوں کو بنیاد بنا کر ترتیب دیا گیا ہے۔ اسی طرح شریعت کے تمام قواعد و ضوابط میں رحمی رشتوں کی اپنی ایک ترجیحی حیثیت ہے۔ چنانچہ خونی رشتوں کی ان قانونی ترجیحات کو بھائی چارے اور ولایت کے تعلقات کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا جائے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ○○

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ

تمہیدی کلمات

سورۃ التوبہ کئی خطبات پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر خطبہ الگ پس منظر میں نازل ہوا ہے۔ جب تک ان مختلف خطبات کے پس منظر اور زمانۂ نزول کا الگ الگ تعین درست انداز میں نہ ہو جائے' متعلقہ آیات کی درست توضیح و تشریح کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس سورت کی تفسیر کرتے ہوئے پوری احتیاط سے تحقیق نہیں کی' وہ خود بھی مغالطوں کا شکار ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کا باعث بنے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سورت قرآن حکیم کی مشکل ترین سورت ہے اور اس کی تفہیم کے لیے انتہائی محتاط تحقیق اور گہرے تدبر کی ضرورت ہے۔

سورۃ التوبہ اور حضور ﷺ کی بعثت کے دو پہلو: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے قبل ہر پیغمبر کو ایک خاص علاقے اور خاص قوم کی طرف مبعوث کیا گیا' مگر آپ اپنی قوم (بنو اسماعیل) کی طرف بھی رسول بن کر آئے اور قیامت تک کے لیے پوری دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھی۔ یہ فضیلت تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام میں صرف آپ ﷺ کے لیے مخصوص ہے کہ آپ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا' ایک بعثتِ خصوصی اور دوسری بعثتِ عمومی۔ آپ کی بعثت کے ان دونوں پہلوؤں کے حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیات میں بھی ایک بڑی خوبصورت تقسیم ملتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اس سورت کے بھی بنیادی طور پر دو حصے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ آپ ﷺ کی بعثت کے خصوصی پہلو سے متعلق ہے' جبکہ دوسرے حصے کا تعلق آپ کی بعثت کے عمومی پہلو سے ہے۔ چنانچہ سورت کے ان دونوں حصوں کے موضوعات و مضامین کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے حضور ﷺ کی بعثت کے ان دونوں پہلوؤں کے فلسفے کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے۔

حضور ﷺ کی بعثتِ خصوصی: محمدِ عربی ﷺ کی خصوصی بعثت مشرکینِ عرب یا بنو اسماعیل کی طرف تھی۔ آپ کا تعلق بھی اسی قوم سے تھا اور آپ ﷺ نے ان لوگوں کے اندر رہ کر' خود ان کی زبان میں' اللہ کا پیغام اُن تک پہنچا دیا اور ان پر آخری حد تک اتمامِ حُجّت بھی کر دیا۔ بعد میں اسی حوالے سے مشرکینِ عرب پر اللہ کے اس قدیم قانون کا نفاذ بھی عمل میں آیا کہ جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے اور وہ رسول اپنی دعوت کے سلسلے میں اس قوم پر اتمامِ حُجّت کر دے' اس اتمامِ حُجّت کے بعد اگر وہ قوم اپنے رسول کی دعوت کو رد کر دے تو اس پر عذابِ استیصال مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مشرکینِ عرب پر عذابِ استیصال کی نوعیت معروضی حالات کے پیشِ نظر پہلی قوموں کے مقابلے میں مختلف نظر آتی ہے۔ اس عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر میں مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکینِ مکہ کی ہزیمت و شکست کی صورت میں سامنے آئی' جبکہ اس عذاب کی دوسری اور آخری قسط ۹ ہجری میں ظہور پذیر ہوئی' جس کا ذکر اس سورت کے آغاز میں کیا گیا ہے۔ بہر حال اپنی بعثتِ خصوصی کے حوالے سے حضور ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر دیا' اور اس خطۂ زمین میں آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی اقامتِ دین کا عملی نقشہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا۔

حضور ﷺ کی بعثتِ عمومی : نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ عمومی پوری انسانیت کی طرف قیامت تک کے لیے ہے۔ اس سلسلے میں دعوت کا آغاز آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے بعد فرمایا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے کوئی مبلّغ یا داعی عرب سے باہر نہیں بھیجا' بلکہ تب تک آپؐ نے اپنی پوری توجہ جزیرہ نمائے عرب کے علاقے پر ہی مرکوز رکھی اور اپنے تمام وسائل اسی خطہ میں دین کو غالب کرنے کے لیے صرف کیے۔ لیکن جونہی آپ ﷺ کو اس سلسلے میں ٹھوس کامیابی ملی' یعنی قریش نے آپ ﷺ کو بطورِ فریق ثانی کے تسلیم کر کے آپ ﷺ سے صلح کر لی' (قرآن نے سورۃ الفتح کی پہلی آیت میں اس صلح کو ''فتح مبین'' قرار دیا ہے) تو آپ ﷺ نے اپنی بعثتِ عمومی کے تحت دعوت کا آغاز کرتے ہوئے عرب سے باہر مختلف سلاطین و اُمراء کی طرف خطوط بھیجنے شروع کر دیے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے جن فرمانرواؤں کو خطوط لکھے' اُن میں قیصرِ روم' ایران کے بادشاہ کسریٰ' مصر کے بادشاہ مقوقس اور حبشہ کے فرمانروا نجاشی (یہ عیسائی حکمران اس نجاشی کا جانشین تھا جنہوں نے مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ کے زمانے میں اسلام قبول کر لیا تھا' اور جن کی غائبانہ نمازِ جنازہ حضور ﷺ نے خود پڑھائی تھی) کے نام شامل ہیں۔ [نوٹ: ماضی قریب میں یہ چاروں خطوط اصل متن کے ساتھ اصل شکل میں دریافت ہو چکے ہیں۔] آپؐ کے انہی خطوط کے ردِّعمل کے طور پر سلطنتِ روما کے ساتھ مسلمانوں کے ٹکراؤ کا آغاز ہوا' جس کا نتیجہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں جنگِ مُوتہ اور غزوۂ تبوک کی صورت میں نکلا۔ بہرحال ان تمام حالات و واقعات کا تعلق آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے' جس کی دعوت کا آغاز آپ ﷺ کی زندگی مبارک ہی میں ہو گیا تھا' اور پھر خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے واضح طور پر یہ فریضہ اُمت کے ہر فرد کی طرف منتقل فرما دیا۔ اس لحاظ سے اب تا قیامِ قیامت آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والا ہر مسلمان اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین کے لیے محنت و کوشش کرنے کا مکلف ہے۔

موضوعات:

مضامین و موضوعات کے حوالے سے یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے' جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

حصہ اوّل: یہ حصہ سورت کے پہلے پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی کے تکمیلی مرحلے سے ہے۔ آیات کی ترتیب کے مطابق اگرچہ یہ پانچ رکوع بھی مزید تین حصوں میں بٹے ہوئے ہیں' مگر موضوع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ حصہ ہمیں دو خطبات پر مشتمل نظر آتا ہے' جن کا الگ الگ تعارف ذیل کی سطور میں دیا جا رہا ہے۔

پہلا خطبہ: پہلا خطبہ دوسرے اور تیسرے رکوع پر مشتمل ہے اور یہ فتح مکہ (۸ ہجری) سے پہلے نازل ہوا۔ اس خطبہ میں مسلمانوں کو فتح مکہ کے لیے نکلنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ مکہ پر چڑھائی کا معاملہ دراصل بہت نازک اور حساس تھا۔ مسلمان مہاجرین کی مشرکینِ مکہ کے ساتھ براہِ راست قریبی رشتہ داریاں تھیں' ان کے خاندان اور قبیلے مشترک تھے' حتیٰ کہ بہت سے مسلمانوں کے اہل و عیال بھی مکہ میں تھے۔ کچھ غریب' بے سہارا مسلمان بھی' جو مختلف وجوہات کی بنا پر ہجرت نہیں کر سکے تھے' ابھی تک مکہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر جنگ ہو گی' مکہ پر حملہ ہو گا تو ان سب کا کیا بنے گا؟ کیا گندم کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا؟ دوسری طرف قریشِ مکہ کا یہ ظاہری اعزاز بھی بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں ایک سوالیہ نشان بنا ہوا تھا کہ وہ بیت اللہ کے متولی ہیں اور حُجّاج کی خدمت کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کہیں سادہ دل مسلمان اپنے خدشات کا اظہار کر رہے تھے تو کہیں منافقین اس موضوع کو ہوا دے کر لگائی بجھائی میں مصروف تھے۔ چنانچہ متعلقہ آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان تمام حقائق کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے۔

دوسرا خطبہ: دوسرا خطبہ پہلے' چوتھے اور پانچویں رکوع پر مشتمل ہے اور یہ ذوالقعدہ ۹ ہجری کے بعد نازل ہوا۔ موضوع کی

خصوصی اہمیت کے پیشِ نظر اس میں سے چھ آیات کو مقدم کر کے سورت کے آغاز میں لایا گیا ہے۔ یہ وہی آیات ہیں جن کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلۂ حج کے پیچھے بھیجا تھا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ۹ ہجری میں حضور ﷺ خود حج پر تشریف نہیں لے گئے تھے' اس سال آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا تھا۔ حج کا یہ قافلہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں روانہ ہوا' جبکہ یہ آیات اس قافلہ کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلے کے پیچھے مکہ بھیجا کہ حج کے موقع پر علی الاعلان یہ آیات سب کو سنا دی جائیں۔ سن ۹ ہجری کے اس حج میں مشرکینِ مکہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ وہاں حج کے اجتماع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آیات خصوصی اعلان کے طور پر پڑھ کر سنائیں۔ ان آیات کے تحت مشرکین کے ساتھ ہر قسم کے معاہدے سے اعلانِ براءت کر دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔ مشرکینِ عرب کے لیے چار ماہ کی مہلت کا اعلان کیا گیا کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایمان لانا چاہیں تو لے آئیں' ورنہ اُن سب کو قتل کر دیا جائے گا۔

یہ آیات چونکہ قرآن کریم کی سخت ترین آیات ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ ان کے پس منظر کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے۔ ان آیات میں دیے گئے احکامات دراصل اُس عذابِ استیصال کے قائم مقام ہیں جو قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ' قومِ شعیبؑ' قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون پر آیا تھا۔ ان تمام قوموں پر عذابِ استیصال اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون کے تحت آیا تھا جس کا ذکر ان تمہیدی کلمات کے آغاز میں ''حضور ﷺ کی بعثتِ خصوصی'' کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے۔ اس قانون کے تحت مشرکینِ مکہ اب عذابِ استیصال کے مستحق ہو چکے تھے' اس لیے کہ حضور ﷺ نے انہی کی زبان میں اللہ تعالیٰ کے احکامات ان تک پہنچا کر اُن پر حجت تمام کر دی تھی۔ اس سلسلے میں اللہ کی مشیت کے مطابق ان کو جو مہلت دی گئی تھی وہ بھی ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان پر عذابِ استیصال کی پہلی قسط میدانِ بدر میں نازل کی گئی اور دوسری اور آخری قسط کے طور پر اب انہیں الٹی میٹم دے دیا گیا کہ تمہارے پاس سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لیے صرف چار ماہ ہیں۔ اس مدت میں ایمان لانا چاہو تو لے آؤ' ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس حکم کے اندر اُن کے لیے یہ آپشن خود بخود موجود تھا کہ وہ چاہیں تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی جا سکتے ہیں' مگر اس خطہ کے اندر اب وہ مشرکین کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے' کیونکہ اب جزیرہ نمائے عرب کو شرک سے بالکل پاک کر دینے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی کی تکمیلی شان کے ظہور کا وقت آن پہنچا تھا۔

ایک اشکال کی وضاحت: یہاں ایک اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ آیات کی موجودہ ترتیب خطبات کی زمانی ترتیب کے بالکل برعکس ہے۔ جو خطبہ پہلے (۸ ہجری میں) نازل ہوا ہے وہ سورت میں دوسرے رکوع سے شروع ہو رہا ہے' جبکہ بعد (۹ ہجری) میں نازل ہونے والی آیات کو مقدم کر کے سورت کے آغاز میں درج کیا گیا ہے۔ پھر یہ دوسرا خطبہ بھی آیات کی ترتیب کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اس کی ابتدائی چھ آیات پہلے رکوع میں آ گئی ہیں' جبکہ بقیہ آیات چوتھے اور پانچویں رکوع میں ہیں۔ دراصل ترتیب آیات میں اس پیچیدگی کی وجہ قرآن کا وہ خاص اسلوب ہے جس کے تحت کسی انتہائی اہم بات کو موضوع کی منطقی اور روایتی ترتیب میں سے نکال کر شہ سرخی (head line) کے طور پر پہلے بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس اسلوب کو سمجھنے کے لیے سورۃ الانفال کے آغاز کی مثال بھی مدِنظر رہنی چاہیے۔ سورۃ الانفال کے موضوعات میں سے ایک موضوع مالِ غنیمت سے متعلق ہے۔ اس معاملے پر تفصیلی بحث تو بعد میں ہونا مقصود تھی' لیکن چونکہ یہ معاملہ انتہائی اہم اور حساس تھا اس لیے اس ضمن میں بنیادی اصول سورت کی پہلی آیت میں بیان کر دیا گیا اور مسئلے کی خصوصی اہمیت کے پیشِ نظر اس موضوع سے سورت کا آغاز فرمایا گیا۔ بالکل اسی انداز میں اس سورت کا آغاز بھی ایک انتہائی اہم مسئلے کے بیان سے کیا گیا' البتہ اس مسئلے کی بقیہ تفصیل بعد میں چوتھے اور پانچویں رکوع

میں بیان ہوئی۔

حصّہ دوم: اس سورت کا دوسرا حصہ چھٹے رکوع سے لے کر آخر تک گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق حضور ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے۔ اس لیے کہ اس حصّے کا مرکزی موضوع غزوۂ تبوک ہے' اور غزوۂ تبوک تمہید تھی اقامتِ دین کے حوالے سے کی جانے والی اُس جدّوجُہد کی جس کا آغاز مستقبل قریب میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر بین الاقوامی سطح پر ہونے والا تھا۔ ان گیارہ رکوعوں میں سے ابتدائی چار رکوع تو وہ ہیں جو غزوۂ تبوک کے لیے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے سے متعلق ہیں' چند آیات وہ ہیں جو تبوک جاتے ہوئے دورانِ سفر نازل ہوئیں' چند آیات تبوک میں قیام کے دوران اور کچھ تبوک سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئیں' جبکہ ان میں کچھ آیات ایسی بھی ہیں جو تبوک سے واپسی کے بعد مدینہ میں نازل ہوئیں۔

آیات ۱ تا ۶

اٰیاتُہا: ۱۲۹ سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُہا: ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَ اَذَانٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ
وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ
يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ
خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا
الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ع اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶

آیت ۱ ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱﴾ ''اعلانِ براءت ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے اُن لوگوں کی جانب جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کیے تھے مشرکین میں سے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے تمام معاہدے ختم کرنے کا دوٹوک الفاظ میں اعلان ہے جو مسلمانوں نے مشرکین کے ساتھ کر رکھے تھے۔ یہ اعلان چونکہ انتہائی اہم اور حساس نوعیت کا تھا اور قطعی (categorical) انداز میں کیا گیا تھا' اس لیے اس کے ساتھ کچھ شرائط یا استثنائی شقوں کا ذکر بھی کیا گیا جن کی تفصیل آئندہ آیات میں آئے گی۔ واضح رہے کہ سورۃ التوبہ قرآن کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نہیں لکھی جاتی۔ اس کا سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ سورت تو ننگی تلوار لے کر یعنی مشرکین کے لیے قتلِ عام کا اعلان لے کر نازل ہوئی ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت کی صفات کے ساتھ اس کے مضامین کی مناسبت نہیں ہے۔

آیت ۲ ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ ''تو گھوم پھر لو اس زمین میں چار ماہ تک''

یعنی اس جزیرہ نمائے عرب میں تمہیں رہنے اور گھومنے پھرنے کے لیے صرف چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے۔

﴿وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲﴾ ''اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہ اللہ کافروں کو رُسوا کر کے رہے گا۔''

اب ان مشرکین کے لیے اللہ کے عذاب کی آخری قسط آ کر رہے گی۔ یہ قطعی اعلان تو ایسے معاہدوں کے ضمن میں تھا جن میں کوئی میعاد معین نہیں تھی' جیسے عام دوستی کے معاہدے' جنگ نہ کرنے کے معاہدے وغیرہ۔ ایسے تمام معاہدوں کو چار ماہ کی پیشگی وارننگ کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ یہ ایک معقول طریقہ تھا جو سورۃ الانفال کی آیت ۵۸ میں بیان کردہ اصول ﴿فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ﴾ کے مطابق اختیار کیا گیا۔ یعنی معاہدے کو علی الاعلان دوسرے فریق کی طرف پھینک دیا گیا' اور پھر فوراً اقدام بھی نہیں کیا گیا' بلکہ چار ماہ کی مہلت بھی دے دی گئی۔

آیت ۳ ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ ''اور اعلانِ عام ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے لوگوں کے لیے حج اکبر کے دن''

عمرے کو چونکہ ''حج اصغر'' کہا جاتا ہے اس لیے یہاں عمرے کے مقابلے میں حج کو ''حج اکبر'' کہا گیا ہے۔ ہمارے ہاں عوام کی طرف سے مشہور کی گئی یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ حج اگر جمعہ کے دن ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے۔

﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ﴾ ''کہ اللہ بری ہے مشرکین سے اور اُس کا رسولؐ بھی۔''

یہ اعلان چونکہ حج کے اجتماع میں کیا گیا تھا اور حج کے لیے جزیرہ نمائے عرب کے تمام اطراف و اکناف سے لوگ آئے ہوئے تھے' لہٰذا اس موقع پر اعلان کرنے سے یہ گویا عرب کے تمام لوگوں کے لیے اعلانِ عام ہو گیا کہ اب اللہ اور اُس کا رسولؐ مشرکین سے بری الذمہ ہیں اور ان کے ساتھ ان کا کسی بھی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں رہا۔

﴿فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ''تو اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔''

﴿وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور اگر تم روگردانی کرو گے تو سن رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔''

﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) بشارت دے دیجیے ان کافروں کو دردناک عذاب کی۔''

آیت ۴ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''سوائے اُن مشرکین کے جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کیے تھے''

﴿ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا﴾ ''پھر انہوں نے کچھ کمی نہیں کی تمہارے ساتھ' اور نہ تمہارے خلاف مدد کی کسی کی بھی''

یہاں میعادی معاہدوں کے سلسلے میں استثناء کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ یعنی مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے ایسے معاہدے جو کسی مدت تک ہوئے تھے' ان کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین تمہارے ساتھ کیے گئے کسی معاہدے کو بخوبی نبھا رہے

ہیں اور تمام شرائط کی پابندی کر رہے ہیں:

﴿فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ﴾ ''تو مکمل کرو اُن کے ساتھ اُن کا معاہدہ مقررہ مدت تک۔''

یعنی اگر مشرکین کے ساتھ کسی خاص مدت تک تمہارا کوئی معاہدہ ہوا تھا اور ان کی طرف سے ابھی تک اس میں کسی قسم کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی' تو اس معاہدے کی جو بھی مدت ہے وہ پوری کرو۔ لیکن اس کے بعد اس معاہدے کی تجدید نہیں ہوگی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴﴾ ''یقیناً اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۵ ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ ''پھر جب یہ محترم مہینے گزر جائیں''

یہاں محترم مہینوں سے مراد وہ چار مہینے ہیں جن کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی۔ چار مہینے کی یہ مہلت یا امان غیر میعادی معاہدوں کے لیے تھی' جبکہ میعادی معاہدوں کے بارے میں فرمایا گیا1 کہ اُن کی طے شدہ مدت تک پابندی کی جائے۔ لہٰذا جیسے جیسے کسی گروہ کی مدتِ امان ختم ہوتی جائے گی اس لحاظ سے اس کے خلاف اقدام کیا جائے گا۔ بہرحال جب یہ مہلت اور امان کی مدت گزر جائے:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ﴾ ''تو قتل کرو ان مشرکین کو جہاں پاؤ' اور پکڑو ان کو' اور گھیراؤ کرو ان کا' اور ان کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔''

ان الفاظ میں موجود سختی کو محسوس کرتے ہوئے اُس منظر اور ماحول کو ذہن میں لائیے جب یہ آیات بطور اعلانِ عام پڑھ کر سنائی جا رہی تھیں اور اندازہ کیجیے کہ ان میں سے ایک ایک لفظ اس ماحول میں کس قدر اہم اور پُرتاثیر ہوگا۔ اس اجتماع میں مشرکین بھی موجود تھے اور ان کے لیے یہ اعلان اور الٹی میٹم یقیناً بہت بڑی ذلت و رسوائی کا باعث تھا۔

جب یہ چھ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلۂ حج کے پیچھے روانہ کیا اور انہیں تاکید کی کہ حج کے اجتماع میں میرے نمائندے کی حیثیت سے یہ آیات بطورِ اعلانِ عام پڑھ کر سنا دیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کی یہ نامزدگی عرب کے عام رواج کے مطابق فرمائی تھی۔ عرب کے رواج کے مطابق کسی بڑی شخصیت کی طرف سے اگر کوئی اہم اعلان کرنا مقصود ہوتا تو اس شخصیت کا کوئی قریبی عزیز ہی ایسا اعلان کرتا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قافلۂ حج سے جا کر ملے تو قافلہ پڑاؤ پر تھا۔ امیر قافلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ جونہی حضرت علیؓ آپؓ سے ملے تو آپؓ نے پہلا سوال یہ کیا: اَمِيْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ ؟ یعنی آپؓ امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور؟ مراد یہ تھی کہ سب سے پہلے میری اور آپؓ کی حیثیت کا تعین کر لیا جائے۔ اگر آپؓ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے تو مَیں آپؓ کے لیے اپنی جگہ خالی کر دوں اور خود آپؓ کے سامنے مامور کی حیثیت سے بیٹھوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ مَیں مامور ہوں' امیرِ حج آپؓ ہی ہیں' البتہ حج کے اجتماع میں آیاتِ الٰہی پر مشتمل اہم اعلان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مَیں کروں گا۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت بہت خوبصورت انداز میں فرمائی تھی اور آپ ﷺ کی اسی تربیت کے باعث اُنؓ کی جماعتی زندگی انتہائی منظم تھی۔ جبکہ آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ یہ دنیا کی انتہائی غیر منظم قوم بن کر رہ گئے ہیں۔

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

یعنی اگر وہ شرک سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینا قبول کر لیں تو پھر اُن سے مؤاخذہ نہیں۔

آیت ۶ ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپؐ سے پناہ طلب کرے تو اُسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے''

جزیرہ نمائے عرب میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے اُس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو سنجیدگی سے سنا ہی نہیں ہوگا۔ اتنے بڑے الٹی میٹم کے بعد ممکن ہے اُن میں سے کچھ لوگ سوچنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ اس دعوت کو سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ اسی حوالے سے حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص تم لوگوں سے پناہ طلب کرے تو نہ صرف اسے پناہ دے دی جائے' بلکہ اسے موقع بھی فراہم کیا جائے کہ وہ قرآن کے پیغام کو اچھی طرح سن لے۔ یہاں پر ''كَلٰمَ اللّٰهِ'' کے الفاظِ قرآنی گویا شہادت دے رہے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

﴿ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ﴾ ''پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو۔''

یعنی ایسے شخص کو فوری طور پر فیصلہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے کہ اسلام قبول کرتے ہو یا نہیں؟ اور یہ کہ اگر قبول نہیں کرتے تو ابھی تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی' بلکہ کلامُ اللہ سننے کا موقع فراہم کرنے کے بعد اسے سمجھنے اور سوچنے کے لیے مہلت دی جائے اور اُسے بحفاظت اس کے گھر تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔''

یعنی یہ لوگ ابھی تک بھی غفلت کا شکار ہیں۔ انہوں نے ابھی تک سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں کہ یہ دعوت ہے کیا!

جس مضمون سے سورت کی ابتدا ہوئی تھی وہ یہاں عارضی طور پر ختم ہو رہا ہے' اب دوبارہ اس مضمون کا سلسلہ چوتھے رکوع کے ساتھ جا کر ملے گا۔ اس کے بعد اب دو رکوع (دوسرا اور تیسرا) وہ آئیں گے جو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئے۔ ان آیات کے ذریعے مسلمانوں کو قریشِ مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرنا مقصود تھا۔

آیات ۷ تا ۱۶

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

فتح مکہ سے قبل مسلمانوں کے ہاں بہت سے لوگ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے سلسلے میں تذبذب اور الجھن کا شکار تھے۔ بعض مسلمانوں کے بیوی بچے اور بہت سے کمزور مسلمان جو ہجرت نہیں کر پائے تھے، ابھی تک مکہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ اکثر لوگوں کو خدشہ تھا کہ اگر مکہ پر حملہ ہوا تو بہت خون خرابہ ہوگا اور مکہ میں موجود تمام مسلمان اس کی زد میں آ جائیں گے۔ اگرچہ بعد میں بالفعل جنگ کی نوبت نہ آئی مگر مختلف ذہنوں میں ایسے اندیشے بہرحال موجود تھے۔ اس سلسلے میں زیادہ بے چینی منافقین نے پھیلائی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۷ ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ﴾ ''کیسے ہو سکتا ہے مشرکین کے لیے کوئی عہد اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک؟''

یہاں پر اُس پس منظر کو ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس سے قبل مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، لیکن اس معاہدے کو خود قریش کے ایک قبیلے نے توڑ دیا تھا۔ بعد میں جب قریش کو اپنی غلطی اور معاملے کی سنجیدگی کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کو تجدیدِ صلح کی درخواست کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ مدینہ پہنچ کر ابوسفیان سفارش کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اپنی بیٹی حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا (اُمّ المؤمنین) سے ملے۔ ان دونوں شخصیات کی طرف سے اُن کی سرے سے کوئی حوصلہ افزائی نہ کی گئی۔ بلکہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کے ہاں تو ابوسفیان کو عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ جب اپنی بیٹی کے ہاں گئے تو حضور ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا، وہ بستر پر بیٹھنے لگے تو اُمِ حبیبہؓ نے فرمایا کہ ابا جان ذرا ٹھہریے! اس پر وہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ بیٹی نے بستر تہ کر دیا اور فرمایا کہ ہاں ابا جان اب آپ بیٹھ جایئے۔ ابوسفیان کے لیے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، وہ قریش کے سب سے بڑے سردار اور رئیس تھے اور بستر تہ کرنے والی اُن کی اپنی بیٹی تھی۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا: بیٹی! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں تھا یا میں اس بستر کے لائق نہیں؟ بیٹی نے جواب دیا: ابا جان! آپ اس بستر کے لائق نہیں۔ یہ اللہ کے نبی ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں! اس کے بعد ابوسفیان اب کہتے تو کیا کہتے! وہ تو آئے تھے بیٹی سے سفارش کروانے اور یہاں تو معاملہ بالکل ہی اُلٹ ہو گیا۔ چنانچہ مطلب کی بات کے لیے تو اُن کی زبان بھی نہ کھل سکی ہوگی۔

بہرحال ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے مل کر تجدیدِ صلح کی درخواست کی مگر حضور ﷺ نے قبول نہ فرمائی۔ ان حالات میں ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے چہ می گوئیاں بھی کی ہوں کہ دیکھیں جی قریش کا سردار خود چل کر آیا تھا، وہ صلح کی بھیک مانگ رہا تھا، صلح بہتر ہوتی ہے، حضور ﷺ کیوں صلح نہیں کر رہے، وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اس پس منظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان مشرکین کے لیے اب کوئی معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ یعنی ان کے کسی عہد کی ذمہ داری اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟

﴿اِلَّا الَّذِیۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ۚ﴾ ''سوائے اُن لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا مسجدِ حرام کے پاس۔''

اس معاہدے سے صلح حدیبیہ مراد ہے۔

﴿فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝۷﴾ ''تو جب تک وہ تمہارے لیے (اس پر) قائم رہیں تم بھی ان کے لیے (معاہدے پر) قائم رہو۔ بے شک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔''

یعنی جب تک مشرکین صلح کے اس معاہدے پر قائم رہے' تم لوگوں نے بھی اس کی پوری پوری پابندی کی' مگر اب جب کہ وہ خود ہی اسے توڑ چکے ہیں تو اب تمہارے اوپر اس سلسلے میں کوئی اخلاقی دباؤ نہیں ہے کہ لازماً اس معاہدے کی تجدید کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اب ان مشرکین میں اتنا دم نہیں ہے کہ وہ مقابلہ کر سکیں۔ ان حالات میں معاہدے کی تجدید کا مطلب تو یہ تھا کہ کفر اور شرک کو اپنی مذموم سرگرمیوں کے لیے پھر سے کھلی چھٹی (fresh lease of existance) مل جائے۔ اس لیے حضور ﷺ نے معاہدے کی تجدید قبول نہیں فرمائی۔

﴿كَيۡفَ وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ﴾ ''کیسے (کوئی معاہدہ قائم رہ سکتا ہے ان سے!) جبکہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو ہرگز لحاظ نہیں کریں گے تمہارے بارے میں کسی قرابت کا اور نہ عہد کا۔''

ایسے لوگوں سے آخر کوئی معاہدہ کیوں کر قائم رہ سکتا ہے جن کا کردار یہ ہو کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو پھر نہ قرابت داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدے کے تقدس کا پاس۔

﴿يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ﴾ ''راضی کرنا چاہتے ہیں تم لوگوں کو اپنے مُنہ (کی باتوں) سے''

اب وہ صلح کی تجدید کی خاطر آئے ہیں تو اس کے لیے بظاہر خوشامد اور چاپلوسی کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس طرح آپ لوگوں کو راضی کر لیں۔

﴿وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝۸﴾ ''جبکہ اُن کے دل (اب بھی) انکاری ہیں' اور اُن کی اکثریت فاسقین پر مشتمل ہے۔''

جو باتیں وہ زبان سے کر رہے ہیں وہ اُن کے دل کی آواز نہیں ہے۔ دل سے وہ ابھی بھی نیک نیتی کے ساتھ صلح پر آمادہ نہیں ہیں۔

﴿اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا﴾ ''انہوں نے اللہ کی آیات کو فروخت کیا حقیر سی قیمت کے عوض''

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی قدر نہیں کی اور ان کے بدلے میں حقیر سا دُنیوی فائدہ حاصل کر لیا۔ انہوں نے محمد ﷺ کو اللہ کا رسول جانتے ہوئے اور حق کو پہچانتے ہوئے صرف اس لیے رد کر دیا کہ اُن کی چودھراہٹیں قائم رہیں' لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے بہت گھاٹے کا سودا کیا تھا۔

﴿فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۹﴾ ''پس وہ لوگوں کو روکتے رہے اللہ کے راستے سے (اور خود بھی رُکتے رہے)۔ یقیناً بہت ہی بُرا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

صَدَّ یَصُدُّ صَدًّا اس فعل کے اندر رکنے اور روکنے کے دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ﴾ ''نہیں لحاظ کرتے وہ کسی مؤمن کے حق میں نہ کسی قرابت کا اور نہ کسی معاہدے کا۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰﴾ ''اور یہی لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔''

آیت ۱۱ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ﴾ ''پھر بھی اگر وہ توبہ کرلیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

اللہ نے ان کے لیے اب بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے۔ اب بھی اگر وہ اسلام قبول کرلیں اور شعارِ دینی کو اپنالیں تو وہ تمہاری دینی برادری میں شامل ہو سکتے ہیں۔

﴿وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱﴾ ''اور ہم اپنی آیات کی تفصیل بیان کر رہے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۱۲ ﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ ''اور اگر وہ توڑ ڈالیں اپنے قول وقرار کو عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں''

﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ﴾ ''تو تم جنگ کرو کفر کے ان اماموں سے' ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں''

یہ بہت اہم اور قابلِ توجہ نکتہ ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے اندر کافر اور مشرک تو بہت تھے مگر یہاں خصوصی طور پر کفر اور شرک کے پیشواؤں سے جنگ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ ''اَئِمَّةَ الْكُفْرِ'' (کفر کے امام) قریش تھے۔ وہ کعبہ کے متولی اور تمام قبائل کے بُتوں کے مجاور تھے۔ دوسری طرف سیاسی' معاشرتی اور معاشی لحاظ سے مکہ کو ''اُمّ القریٰ'' کی حیثیت حاصل تھی اور یہ شہر اُن کے زیر تسلط تھا۔ اُس وقت اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں نہ کوئی مرکزی حکومت تھی اور نہ ہی کوئی باقاعدہ مرکزی دارالحکومت تھا' مگر پھر بھی اس پورے خطے کا مرکزی شہر اور معنوی صدر مقام مکہ ہی تھا' اور اس مرکزی شہر اور اُمّ القریٰ میں واقع اللہ کے گھر کو قریش نے شرک کا اڈا بنایا ہوا تھا۔ اس لیے جب تک ان کو شکست دے کر مکہ کو کفر اور شرک سے پاک نہ کر دیا جاتا' جزیرہ نمائے عرب کے اندر دین کے غلبے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے یہاں ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ کا واضح حکم دیا گیا ہے' کہ جب تک کفر کے ان سرغنوں کا سر نہیں کچلا جائے گا اور شرک کے اس مرکزی اڈے کو ختم نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک سرزمین عرب میں دین کے کُلّی غلبے کی راہ ہموار نہیں ہوگی۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲﴾ ''شاید کہ (اس طرح) وہ باز آجائیں۔''

یعنی ان پر سختی کی جائے گی تو شاید وہ باز آجائیں' نرمی سے یہ کوئی بات ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۳ ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ﴾ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جنگ نہیں کرنا چاہتے ایسی قوم سے جنہوں نے اپنے قول وقرار توڑ دیے اور رسولؐ کو جلاوطن کرنے کا قصد کیا''

اے مسلمانو! مشرکینِ مکہ نے صلح حدیبیہ کو خود توڑا ہے' جبکہ تمہاری طرف سے اس معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی تھی اور یہ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ سے جلاوطنی پر مجبور کیا تھا۔ تو آخر کیا وجہ ہے کہ اب جب ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ تذبذب کا شکار ہو رہے ہیں۔

﴿وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ﴾ ''اور انہوں نے ہی آغاز کیا تھا تمہارے ساتھ پہلی مرتبہ۔''

یعنی مکہ کے اندر مسلمانوں کو ستانے اور تکلیفیں پہنچانے کی کارستانیاں ہوں یا غزوۂ بدر میں جنگ چھیڑنے کا معاملہ ہو یا صلح حدیبیہ کے توڑنے کا واقعہ' تمہارے ساتھ ہر زیادتی اور ہر بے اصولی کی پہل ہمیشہ ان لوگوں ہی کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔

﴿اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ﴾ ''کیا تم ان سے ڈر رہے ہو؟''

یہ مجتسانہ سوال (searching question) کا انداز ہے کہ ذرا اپنے گریبانوں میں جھانکو' اپنے دلوں کو ٹٹولو' کیا واقعی تم ان سے ڈر رہے ہو؟ کیا تم پر کوئی بزدلی طاری ہوگئی ہے؟ آخر تم قریش کے خلاف اقدام سے کیوں گھبرا رہے ہو؟

﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳﴾ ''اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔''

اب اس کے بعد اقدام کرنے کا آخری حکم قطعی انداز میں دیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴﴾

''تم ان سے جنگ کرو' اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں' اور ان کو رسوا کرے گا' اور تمہاری مدد کرے گا ان کے مقابلے میں اور بہت سے اہلِ ایمان کے سینوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے گا۔''

آیت ۱۵ ﴿وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ ''اور ان کے دلوں کے غصہ کو نکال دے گا۔''

اللہ تعالیٰ اس اقدام کے نتائج کے طور پر مسلمانوں کے سینوں کی جلن کو دور کرے گا اور انہیں ٹھنڈک عطا فرمائے گا۔ مکہ میں ابھی بھی ایسے مسلمان موجود تھے جن کو قریش کی طرف سے تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں۔ ابھی بھی مسلمان بچوں' عورتوں اور ضعیفوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ چنانچہ جب تمہارے حملے کے نتیجے میں ان ظالموں کی درگت بنے گی تو مظلوم مسلمانوں کے سینوں کی جلن بھی کچھ کم ہوگی۔

﴿وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵﴾ ''اور اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا۔ اور اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

اب جو آیت ''اَمْ حَسِبْتُمْ'' کے الفاظ سے شروع ہو رہی ہے وہ اپنے خاص انداز اور لہجے کے ساتھ قرآن میں تین مرتبہ آئی ہے۔ دو مرتبہ اس سے پہلے اور تیسری مرتبہ یہاں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴۲ میں فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ اور یہاں (اس سورت کی آیت ۱۶ میں) فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ — ایک ہی موضوع کی حامل ان تینوں آیات کے نہ صرف الفاظ آپس میں ملتے ہیں' بلکہ ان میں ایک عجیب و غریب مشابہت یہ بھی ہے کہ ہر آیت کے نمبر کے ہندسوں کا حاصل جمع ۷ آتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ ''کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے' حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جو جہاد کرنے والے ہیں''

دوسری قوموں کے خلاف برسرِ پیکار ہونا اور بات ہے' لیکن اپنی قوم کے خلاف جہاد کرنے کے لیے جانا نسبتاً سخت امتحان ہے۔

چنانچہ اللہ تمہارا یہ امتحان بھی لینا چاہتا ہے۔

﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً﴾ ''اور (وہ کون ہیں) جو نہیں رکھتے اللہ اُس کے رسولؐ اور اہلِ ایمان کے علاوہ کسی کے ساتھ قلبی دوستی کا کوئی تعلق۔''

یہ دُنیوی رشتوں کے خوشنما بندھن جب تک ایمان کی تلوار سے کٹیں گے نہیں' اُس وقت تک اللہ اور دین کے ساتھ تمہارا اخلوص کیسے ثابت ہوگا!

﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

آیات ۱۷ تا ۲۴

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ
الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ
اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا
نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ
عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۴ ع ۳

آیت ۱۷ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ﴾ ''مشرکوں کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اپنے اوپر کفر کی گواہی دیتے ہوئے۔''

یہ مساجد تو اللہ کے گھر ہیں' یہ کعبہ اللہ کا گھر اور توحید کا مرکز ہے' جبکہ قریش علی الاعلان کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اللہ کے گھر کے متولی بھی بنے بیٹھے ہیں۔ ایسا کیونکر ممکن ہے؟ اللہ کے اِن دشمنوں کا اس کی مساجد کے اوپر کوئی حق بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے

ہیں' اور آگ ہی میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

بیت اللہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کی خدمت جیسے وہ اعمال جن پر مشرکینِ مکہ پھولے نہیں سماتے' ایمان کے بغیر اللہ کے نزدیک اُن کے اِن اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اُن کے کفر کے سبب اللہ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیے ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''یقیناً اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر' نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' اور نہ ڈریں کسی سے سوائے اللہ کے''

﴿فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸﴾ ''تو امید ہے کہ یہی لوگ راہ یاب ہوں گے۔''

آیت ۱۹ ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے کو برابر کر دیا ہے اُس شخص (کے اعمال) کے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور اُس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟''

مشرکینِ مکہ اس بات پر بہت نازاں ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کو آباد رکھا ہوا ہے اور وہ حاجیوں کو پانی پلانے جیسا کارِ خیر سرانجام دیتے ہیں' تو کیا اُن کے یہ امور ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو جائیں گے؟

﴿لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹﴾ ''یہ برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے نزدیک۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت ۲۰ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے' جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ' اُن کا بہت عظیم رتبہ ہے اللہ کے نزدیک۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰﴾ ''اور وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔''

آیت ۲۱ ﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱﴾ ''انہیں بشارت دیتا ہے اُن کا رب اپنی رحمتِ خاص اور رضامندی کی اور اُن باغات کی جن کے اندر اُن کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔''

آیت ۲۲ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲﴾ ''جن میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔ یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے بہت بڑا اجر۔''

اگلی دو آیات اپنے موضوع اور فلسفۂ دین کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' مکہ پر چڑھائی کے سلسلے میں بعض مسلمانوں میں تذبذب پایا جاتا تھا۔ اس کی ایک بہت ہی اہم وجہ یہ تھی کہ مشرکینِ مکہ میں سے اکثر کے ساتھ مہاجرین کی بہت قریبی عزیز داریاں تھیں۔ ابھی تک تو کچھ اُمید تھی کہ شاید وہ لوگ ایمان لے آئیں گے' مگر اب صاف نظر آ رہا تھا کہ مکہ پر چڑھائی کی صورت میں اپنے قریبی عزیزوں کے خلاف لڑنا ہوگا' اپنے بھائیوں' بیٹوں اور باپوں کے گلے کاٹنا ہوں گے۔ انسانی سطح پر یہ کوئی آسان کام نہیں تھا' مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی مسلمانوں کا یہ مشکل ترین امتحان لینا بھی مقصود تھا۔ لہٰذا یہ آیات اس ضمن میں اللہ

تعالیٰ کی مرضی اور دینِ حق کا اصول بہت واضح اور دوٹوک الفاظ میں بیان کر رہی ہیں۔

آیت ۲۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ﴾ ''اے اہلِ ایمان! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دلی دوست اور حمایتی مت بناؤ اگر انہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کیا ہے۔''

اگر تم میں سے کسی کے دل میں اب بھی اپنے کافر اقرباء کے لیے محبت کی کوئی رمق موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ایمان کے ساتھ اس کا رشتہ مضبوط نہیں ہوا۔ اللہ اُس کے دین اور توحید کے لیے اس کے جذبات میں غیرت وحمیت نہیں ہے۔

﴿وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۲۳﴾ ''اور تم میں سے جو کوئی بھی اُن کے ساتھ ولایت (دوستی) کا تعلق رکھیں گے تو ایسے لوگ (خود بھی) ظالم ٹھہریں گے۔''

اب وہ آیت آ رہی ہے جو اس موضوع پر قرآن کریم کی اہم ترین آیت ہے۔

آیت ۲۴ ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)، تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں، اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے، اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں، (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ، اُس کے رسول (ﷺ) اور اُس کے راستے میں جہاد سے، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔''

﴿وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۲۴﴾ ''اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

اس آیت میں آٹھ چیزیں گِنوا کر دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں ان آٹھ محبتوں میں سے کسی ایک یا ان سب محبتوں کا جذبہ اللہ، اُس کے رسولؐ اور اُس کے راستے میں جہاد کی محبتوں کے جذبے کے مقابلے میں زیادہ ہے تو پھر اللہ کے فیصلے کا انتظار کرے۔ یہ بہت سخت اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا لہجہ اور انداز ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرے۔ اس کے ایک پلڑے میں یہ آٹھ محبتیں ڈالے اور دوسرے میں اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور جہاد کی تین محبتیں ڈالے اور پھر اپنا جائزہ لے کہ میں کہاں کھڑا ہوں! چونکہ انسان خود اپنے نفس سے خوب واقف ہے ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ۱۴﴾ (القیامة) اس لیے اگر وہ غور کرے گا تو اسے اپنے باطن کی صحیح صورتِ حال ضرور معلوم ہو جائے گی۔ بہرحال اس سلسلے میں ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تو اُس کی ساری خواہشیں، محبتیں اور حقوق (بیوی، اولاد، نفس وغیرہ کے حقوق) مذکورہ تین محبتوں کے تابع ہیں تو اُس کے معاملاتِ ایمان درست ہیں، لیکن اگر مذکورہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک بھی چیز کی محبت کا گراف اوپر چلا گیا تو بس یوں سمجھیں کہ وہاں توحید ختم ہو جائے گی اور شرک شروع ہو جائے گا! اسی فلسفہ کو علامہ اقبالؔ نے اپنے اس شعر میں اس طرح پیش کیا ہے:

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند　　بتانِ وہم و گماں، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!

آیت زیرِ نظر میں جو آٹھ چیزیں گنوائی گئی ہیں ان میں پہلی پانچ ''رشتہ و پیوند'' کے زُمرے میں آتی ہیں جب کہ آخری تین ''مال و دولتِ دنیا'' کی مختلف شکلیں ہیں۔ علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں ہے' یہ ہمارے وہم و توہم کے بنائے ہوئے بُت ہیں۔ جب تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شمشیر سے اِن بتوں کو توڑا نہیں جائے گا' بندۂ مومن کے نہاں خانۂ دل میں توحید کا عَلَم بلند نہیں ہوگا۔

دوسرے اور تیسرے رکوع پر مشتمل وہ خطبہ جو رمضان ۸ ہجری سے قبل نازل ہوا تھا یہاں ختم ہوا۔ اب چوتھے رکوع کے آغاز سے سلسلۂ کلام پھر سے سورت کی ابتدائی چھ آیات کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔

آیات ۲۵ تا ۲۹

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ﴾ ''(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بہت سے مواقع پر اور (خاص طور پر) حنین کے دن''

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے' پہلے' چوتھے اور پانچویں رکوع پر مشتمل یہ خطبہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں نازل ہوا تھا' جبکہ اس سے پہلے غزوۂ حنین شوال ۸ ہجری میں وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ ''جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا''

ظاہر ہے لشکر میں شامل تمام مسلمانوں کو اپنی کثرت کا زعم نہیں تھا۔ معاملہ دراصل یوں تھا کہ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھی۔ اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں اتنی بڑی تعداد میں مسلمان اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔ ان میں سے دس ہزار مسلمان تو وہ تھے جو فتح مکہ کے وقت حضور ﷺ کے ہمراہ تھے' جبکہ دو ہزار لوگ مکہ سے شامل ہوئے تھے۔ مکہ سے شامل ہونے والوں میں اکثریت نومسلموں کی تھی جو مکہ فتح ہو جانے کے بعد ایمان لائے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں کچھ مشرک بھی ہوں جو اَب مسلمانوں کی طاقت دیکھنے کے باعث معاونین اور خادمین کی حیثیت سے لشکر میں شامل ہو گئے ہوں۔ مسلمانوں کی یہ لشکر کشی ہوازن اور ثقیف کے

قبائل کے خلاف تھی جو طائف اور اس کے اردگرد کی شاداب وادیوں میں آباد تھے۔ مسلمان اس سے قبل بارہا قلیل تعداد اور معمولی اسلحہ سے کفار کی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دے چکے تھے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں کی زبان سے اپنی کثرت کے زعم میں یہ الفاظ نکل گئے کہ ''آج مسلمانوں پر کون غالب آ سکتا ہے!'' دوسری طرف ہوازن اور ثقیف کے قبائل نے پہلے سے اپنے تیرانداز دستے پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر تعینات کر رکھے تھے اور موزوں مقامات پر صف آرائی کر لی تھی۔ یہ لوگ بڑے ماہر تیرانداز تھے۔ مسلمانوں کا لشکر جونہی وادیٔ حنین میں پہنچا تو پہاڑیوں پر پہلے سے موجود تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ لشکر نشیب میں تھا' تیر بلندی سے آ رہے تھے اور دونوں طرف سے آ رہے تھے۔ اس سے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ جب ہراول دستے سے لوگ اضطراری کیفیت میں پلٹ کر بھاگے تو ریلے کی صورت میں بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ دھکیلتے چلے گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف ۳۰ یا ۴۰ آدمی رہ گئے تھے۔ علامہ شبلیؒ نے ''سیرت النبی ﷺ'' میں یہی لکھا ہے کہ ۳۰' ۴۰ آدمی رہ گئے تھے' لیکن سیّد سلیمان ندویؒ نے بعد میں اپنے استاد کی رائے پر اختلافی نوٹ لکھا کہ تین سو یا چار سو آدمی آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لیکن بارہ ہزار کے لشکر میں سے تین سو یا چار سو آدمیوں کا رہ جانا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس صورتِ حال میں حضور ﷺ اپنی سواری سے نیچے اتر آئے' آپ ﷺ نے عَلَم خود اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بآوازِ بلند رجز پڑھا: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ کہ میں نبی ہوں اس میں کوئی شک نہیں! (یعنی میں یقیناً نبی ہوں' چاہے یہ بارہ ہزار لوگ میرا ساتھ دیں تب بھی' اور اگر کوئی بھی ساتھ نہ دے تب بھی)۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں' یعنی میں عبدالمطلب کا پوتا میدانِ جنگ میں بنفسِ نفیس موجود ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو پکارا: اِلَیَّ یَا عِبَادَ اللّٰہِ! ''اللہ کے بندو! میری طرف آؤ!'' اس کے بعد آپ ﷺ نے قریب ہی موجود اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو' جن کی آواز کافی بلند تھی' حکم دیا کہ وہ انصار و مہاجرین کو پکاریں۔ حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے پکارا: اصحابِ بدر کہاں ہو؟ اصحابِ شجرہ (بیعتِ رضوان والو) کہاں ہو؟ اس پر لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹنا شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے لشکر پھر سے اکٹھا ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ایک بھرپور حملہ کیا۔ مخالف لشکر نے سخت مقابلہ کیا لیکن بالآخر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ کام نہ آ سکی اور زمین پوری فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی' پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

آیت ۲۶ ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''پھر اللہ نے نازل فرمائی اپنی (طرف سے) تسکین اپنے رسولؐ اور اہلِ ایمان پر اور (اُس وقت بھی) ایسے لشکر اُتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا''

﴿وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور عذاب دیا کافروں کو۔ اور یقیناً کافروں کا بدلہ یہی ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾﴾ ''پھر اس کے بعد (بھی) اللہ تو بہ نصیب فرمائے گا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا۔ اور اللہ بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ﴾ ''اے اہلِ ایمان! یہ مشرکین یقیناً ناپاک ہیں' لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجدِ حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔''

یعنی اس سال (۹ ہجری) کے حج میں تو مشرکین بھی شامل ہیں' مگر آئندہ کبھی کوئی مشرک حج کے لیے نہیں آ سکے گا اور نہ کسی مشرک کو بیت اللہ یا مسجدِ حرام کے قریب آنے کی اجازت ہوگی۔

﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً﴾ ''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو فقر کا''

﴿فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۲۸﴾ ''تو عنقریب اللہ تمہیں غنی کر دے گا اپنے فضل سے اگر وہ چاہے گا۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' حکمت والا ہے۔''

اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ اس حکم کے بعد حاجیوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور ان کے نذرانوں اور قربانیوں سے ہونے والی آمدنی میں بھی کمی آ جائے گی' تو اُسے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ رکھنا چاہیے۔ عنقریب اس قدر دُنیوی دولت تم لوگوں کو ملے گی کہ تم سنبھال نہیں سکو گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد چند سالوں کے اندر اندر حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ سلطنتِ فارس اور سلطنتِ روما کی فتوحات کے بعد مالِ غنیمت کا گویا سیلاب اُمڈ آیا۔ اور بعینہٖ وہی صورتِ حال پیش آ گئی جس کی نشاندہی حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ ' وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ' فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا ' وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ))[1]

''پس اللہ کی قسم (اے مسلمانو!) مجھے تم پر فقر و احتیاج کا کوئی اندیشہ نہیں ہے' بلکہ مجھے تم پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے گی (تمہارے قدموں میں مال و دولت کے انبار لگ جائیں گے) جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی' پھر تم اس کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے جیسے کہ وہ لوگ کرتے رہے' پھر یہ تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی جیسے کہ اس نے ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔''

﴿قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ۝۲۹﴾ ''جنگ کرو تم اُن لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' نہ یومِ آخرت پر اور نہ حرام ٹھہراتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو' اور نہ قبول کرتے ہیں دینِ حق کی تابعداری کو' اُن لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی' یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں اور چھوٹے (تابع) بن کر رہیں۔''

اس آیت میں بھی دین کا بہت اہم فلسفہ بیان ہوا ہے۔ اس حکم میں مشرکینِ عرب کے معاملے کو نسلِ انسانی کے باقی لوگوں کے حصے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۵ کی رو سے مشرکینِ عرب کو جو مہلت یا امان دی گئی تھی اس مدت کے گزرنے کے بعد ان کے لیے تو کوئی اور راستہ (option) اس کے علاوہ نہیں تھا کہ یا وہ ایمان لے آئیں یا انہیں قتل کر دیا جائے گا' اور یا وہ جزیرہ عرب سے چلے جائیں۔ اُن کا معاملہ تو اس لیے خصوصی تھا کہ محمدِ عربی ﷺ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے اُن پر آخری درجہ میں اتمامِ حجت کر دیا تھا' اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے وہ لوگ عذابِ استیصال کے حق دار ہو چکے تھے۔ مگر یہود و نصاریٰ

[1] صحیح البخاری' کتاب الجزیۃ و کتاب المغازی و کتاب الرقاق' باب مایحذر من زھرۃ الدنیا و التنافس فیھا۔
صحیح مسلم' کتاب الزھد و الرقائق۔

اور باقی پوری نوعِ انسانی کے لیے اس ضمن میں قانون مختلف رہے گا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے زمانے میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر کے لوگوں کے لیے (جنہوں نے آپؐ کی دعوت کو براہِ راست ردّ نہیں کیا) اور قیامت تک تمام دنیا کے انسانوں کے لیے وہ چیلنج نہیں کہ ایمان لاؤ' ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ ظاہر ہے حضور ﷺ کی دنیوی حیاتِ مبارکہ کے بعد جب حضور ﷺ بحیثیت رسولؐ معنوی طور پر تو دنیا میں موجود ہیں مگر بنفسِ نفیس موجود نہیں' تو کسی قوم کے لیے آپ ﷺ کی دعوت کو براہِ راست ردّ کر کے عذابِ استیصال کے مستحق ہونے کا امکان نہیں۔ چنانچہ باقی تمام نوعِ انسانی کے افراد کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے قتال کیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ دین کی بالادستی کو بحیثیت ایک نظام کے قبول کر لیں' مگر انفرادی طور پر کسی کو قبولِ اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ہر کوئی اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے اسلامی ریاست کے ایک شہری کے طور پر رہ سکتا ہے' مگر ایسی صورتِ حال میں غیر مسلموں کو جزیہ دینا ہوگا۔ اسی فلسفے کے تحت خلافتِ راشدہ کے دور میں کسی بھی ملک پر لشکر کشی کرنے سے پہلے تین شرائط پیش کی جاتی تھیں۔ پہلی یہ کہ ایمان لے آؤ' ایسی صورت میں تم ہمارے برابر کے شہری ہو گے۔ اگر یہ قبول نہ ہو تو اللہ کے دین کی بالادستی قبول کر کے اسلامی ریاست کے فرمانبردار شہری بن کر رہنا اور جزیہ دینا قبول کر لو۔ ایسی صورت میں تم لوگوں کو آزادی ہوگی کہ تم یہودی' عیسائی' مجوسی' ہندو وغیرہ جو چاہو بن کر رہو۔ لیکن اگر یہ بھی قابل قبول نہ ہو اور تم لوگ اس زمین پر باطل کا نظام قائم رکھنا چاہو تو اس صورت میں تم سے ہماری جنگ ہوگی۔

آیات ۳۰ تا ۳۵

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور یہود نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ نقل کر رہے ہیں ان لوگوں کی باتوں کو جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے پہلے۔''

ان کے ایسے مَن گھڑت عقیدوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے' بلکہ یہ لوگ محض اپنے سے پہلے والے مشرکین کے عقائد کی نقل کر رہے ہیں۔ مثلاً تاریخی شہادت کے مطابق تثلیث کا عقیدہ سب سے پہلے مصر کے قدیم مذہب ''متھرا ازم'' کے پیروکاروں نے گھڑا تھا۔ اس حوالے سے انہوں نے یہ تین کردار متعارف کرائے تھے: "God the Father, Horus the Son of God and Isis the Mother Goddess." یعنی خدا' خدا کا بیٹا حورس اور اس کی ماں آئسس دیوی۔ یہ پہلی تثلیث تھی جو مصر میں بنی تھی۔ پھر جب سینٹ پال نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور اس کا دائرہ غیر اسرائیلیوں (gentiles) تک وسیع ہو گیا تو اہلِ مصر کی نقالی میں تثلیث جیسے نظریات عیسائیت میں بھی شامل کر لیے گئے تاکہ نئے لوگوں کو عیسائیت اختیار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ عیسائیت میں جو پہلی تثلیث شامل کی گئی وہ ''خدا' خدا کا بیٹا یسوع اور مریم مقدس'' کے کرداروں پر مشتمل تھی۔ گویا کہ اس تثلیث کا بنیادی تصور متھرا ازم سے لیا گیا تھا۔

﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰﴾ ''اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں سے بچلائے گئے ہیں!''

آیت ۳۱ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ﴾ ''انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا لیا اللہ کے سوا اور مسیحؑ ابن مریم کو بھی۔''

عیسائیوں میں دوسری بڑی گمراہی یہ پیدا ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی الوہیت میں حصہ دار بنا لیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اُن کے ہاں باقاعدہ تین خداؤں میں سے ایک تھے اور اس حیثیت میں وہ آپؑ کی پرستش بھی کرتے تھے' مگر احبار و رہبان کو رب ماننے کی کیفیت ذرا مختلف تھی۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جنہوں نے عیسائیت سے اسلام قبول کیا تھا) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس آیت کے بارے میں وضاحت کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ))(۲)

''وہ ان (احبار و رہبان) کی عبادت تو نہیں کرتے تھے' لیکن جب وہ کسی شے کو حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دیتے تو یہ اسے حرام مان لیتے۔''

یعنی حلال و حرام کے بارے میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے' اور اگر کوئی دوسرا اس حق کو استعمال کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کی الوہیت میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتا ہے' اور جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی کا یہ حق تسلیم کرتا ہے وہ گویا اُسے اللہ کے سوا اپنا رب تسلیم کر رہا ہے۔

آج بھی پوپ کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ مذہبی معاملات کے حوالے سے جو چاہے فیصلہ کرے۔ جیسا کہ اُس نے ایک فرمان کے ذریعے سے یہودیوں کو دو ہزار سال پرانے اس الزام سے بَری کر دیا کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھایا تھا۔ گویا کہ اسے تاریخ تک کو بدل دینے کا اختیار ہے' اسی طرح وہ کسی حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے۔ اس طرح کے تصورات ہمارے ہاں اسماعیلیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے ''امامِ حاضر'' کو معصوم مانتے ہیں اور اُس کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اسے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس طرح انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا ہے۔ تاہم یہ معاملہ

۲۔ سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب ومن سورة التوبة۔

بالخصوص گجرات (انڈیا) کے علاقے میں بسنے والے اسماعیلیوں کا ہے' جبکہ ہنزہ میں جو اسماعیلی آباد ہیں اُن کے ہاں شریعت موجود ہے' کیونکہ یہ پرانے اسماعیلی ہیں جو باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ گجرات (انڈیا) کے علاقہ میں اسماعیلیوں نے جب مقامی آبادی میں اپنے نظریات کی تبلیغ شروع کی تو انہوں نے وہی کیا جو سینٹ پال نے کیا تھا۔ انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا اور ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اوتار کا عقیدہ اپنا لیا۔ مقامی ہندو آبادی میں اپنے نظریات کی آسان ترویج کے لیے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دسویں اوتار کے طور پر پیش کیا (ہندوؤں کے ہاں نو اوتار کا عقیدہ رائج تھا)۔ لہٰذا ''دشتم اوتار'' کا عقیدہ مستقل طور پر اُن کے ہاں رائج ہو گیا۔ اس کے علاوہ اُن کے حاضر امام کو مکمل اختیار ہے کہ وہ شریعت کے جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے' کسی حلال چیز کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال قرار دے دے۔

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ ''انہیں نہیں حکم دیا گیا تھا مگر اسی بات کا کہ وہ پوجیں صرف ایک الٰہ کو' نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا۔ وہ پاک ہے اس سے جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۳۲ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اپنے مُنہ (کی پھونکوں) سے''

﴿وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ ''اور اللہ کو ہرگز منظور نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اِتمام فرما کر رہے' چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

اس اسلوب میں یہودیوں پر ایک طرح کا طنز ہے کہ وہ ہمیشہ خفیہ سازشوں کے ذریعے سے ہی دین اسلام کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی علی الاعلان میدان میں آ کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اس آیت کی ترجمانی مولانا ظفر علی خان نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کی ہے: ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

آیت ۳۳ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝﴾ ''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر' خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

یہ آیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی امتیازی یا تکمیلی شان کا واضح مظہر ہے۔ جیسے کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے حضور ﷺ کی رسالت کا بنیادی مقصد تو دوسرے انبیاء و رُسل علیہم السلام کی طرح تبشیر' انذار' تذکیر' دعوت اور تبلیغ ہے' جس کا تذکرہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۵) میں بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ لیکن اس کے علاوہ حضور ﷺ کی بعثت کا ایک امتیازی اور خصوصی مقصد بھی ہے اور وہ ہے تکمیلِ رسالت' یعنی دین کو بالفعل قائم اور غالب کرنا۔ اِن دو آیات میں آپ ﷺ کی رسالت کی اسی تکمیلی شان کا ذکر ہے۔ آیات کا یہ جوڑا بالکل اسی ترتیب سے سورۃ الصف (آیت ۸ اور ۹) میں بھی آیا ہے۔ ان میں سے پہلی آیت سورۃ الصف میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ آئی ہے: ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ جبکہ دوسری آیت جوں کی توں ہے' اس میں اور سورۃ

التوبہ کی اس آیت میں بالکل کوئی فرق نہیں ہے۔ میں نے اس آیت کی وضاحت میں چوبیس صفحات پر مشتمل ایک مقالہ لکھا ہے جو ''نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت'' کے عنوان سے شائع ہوتا ہے۔ اس مقالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے خصوصی یا امتیازی مقصد کی کُلّی انداز میں تکمیل یعنی دنیا میں دین کو قائم اور غالب کرنے کی جدّوجُہد ہم سب پر حضور ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے فرض ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اس فرض سے جان چھڑانے کے لیے بھی دلائل دیے ہیں کہ دین کو ہم انسانوں نے نہیں بلکہ اللہ نے غالب کرنا ہے' لیکن اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو یہ حقیقت' ان شاء اللہ' آپ پر واضح ہو جائے گی۔

آیت ۳۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ ''اے اہلِ ایمان' یقیناً بہت سے علماء اور درویش ہڑپ کرتے ہیں لوگوں کے مال باطل طریقے سے''

مختلف مسلمان اُمتوں میں مذہبی پیشواؤں کے لیے مختلف نام اور القاب رائج رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں انہیں اَحبار اور رہبان کہا جاتا تھا۔ آیت زیرِ نظر کے مطابق اس طبقے کے اکثر لوگ باطل اور ناجائز ذرائع سے مال و دولت جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے کے مکروہ دھندے میں ملوث رہے ہیں۔ ایک عام دنیادار آدمی اگر جائز طریقے سے مال و دولت کماتا ہے یا جائیداد بناتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر ایک ایسا شخص جو دین کی خدمت میں مصروف ہے اور اسی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے' اگر وہ بھی مال و دولت جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے میں مشغول ہو جائے' اپنی دینی حیثیت کو نیلام کرتے ہوئے لوگوں کے مال ہڑپ کرنے لگے اور مال و دولت جمع کرنے ہی کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لے' تو ایسا انسان آسمان کی چھت کے نیچے بدترین انسان ہوگا۔ یہاں حضور ﷺ کی ایک بہت عبرت انگیز حدیث بھی سن لیں جس میں آپ ﷺ نے اپنی امت کے علماء سوکا ذکر بھی فرمایا ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ ' وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ ' مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى' عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ' مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ)) (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا جب اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے رسم الخط کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مسجدیں بہت آباد (اور شاندار) ہوں گی مگر وہ ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے' فتنہ انہی میں سے برآمد ہوگا اور ان ہی میں لوٹ جائے گا۔''

﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور روکتے ہیں لوگوں کو اللہ کے راستے سے۔''

جب کوئی دینی تحریک اٹھتی ہے' کوئی اللہ کا مخلص بندہ لوگوں کو دین کی طرف بلاتا ہے' تو ان مذہبی پیشواؤں کو اپنی مسندیں خطرے میں نظر آتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے عقیدت مند انہیں چھوڑ کر کسی دوسری دعوت کی طرف متوجہ ہوں' کیونکہ انہی عقیدت مندوں کے نذرانوں ہی سے تو ان کے دولت کے انباروں میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے اور ان کی جائیدادیں بن رہی ہوتی ہیں۔ وہ آخر کیونکر چاہیں گے کہ اُن کے نام لیوا کسی دوسری دعوت پر لبیک کہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ ''اور وہ

۳۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح' کتاب العلم' الفصل الثالث۔

لوگ جو جمع کرتے ہیں اپنے پاس سونا اور چاندی اور خرچ نہیں کرتے اس کو اللہ کی راہ میں' تو اُن کو بشارت دے دیجیے دردناک عذاب کی۔''

اس آیت کے حوالے سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ کسی مسلمان کے لیے سونا اور چاندی اپنے پاس رکھنا مطلقاً حرام ہے۔ مگر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس رائے سے متفق نہیں تھے۔ چنانچہ دین کا عام قانون اس بارے میں یہی ہے کہ اگر کسی نے کوئی مال جائز طریقے سے کمایا ہو اور وہ اس میں سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو تو اس مال کو وہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے' چاہے وہ کتنی ہی زیادہ مقدار میں ہو اور چاہے وہ سونے اور چاندی ہی کی شکل میں ہو۔ ایسا مال ایک شخص کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو جائز مال کے طور پر قانونِ وراثت کے مطابق منتقل بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانونِ وراثت خود اس بات پر دلیل ہے کہ مال و دولت کو اپنی ملکیت میں رکھنا ناجائز نہیں ہے' کیونکہ اگر مال جمع نہیں ہوگا تو وراثت کس چیز کی ہوگی اور قانونِ وراثت کا عملاً کیا مقصد رہ جائے گا؟ اس لحاظ سے قرآن کے وہ احکام روحانی اور اخلاقی تعلیم کے زمرے میں آتے ہیں جن میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسے اس حوالے سے ﴿قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یعنی جو بھی زائد از ضرورت مال ہو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باوجود قانونی نقطہ نظر سے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ کسی مسلمان کے لیے سونا' چاندی اپنے پاس رکھنا مطلقاً حرام نہیں ہے' مگر اس کے باوجود حضرت ابوذر غفاریؓ اپنی رائے میں کسی قسم کی لچک پیدا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ چونکہ آپؓ کے اختلاف کی شدت کے باعث مدینہ کے ماحول میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو رہی تھی' اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ اس پر آپؓ مدینہ سے نکل گئے اور صحرا میں ایک جھونپڑی بنا کر اس میں رہنے لگے۔

میرے نزدیک اس آیت کا حکم اَحبار اور رہبان یعنی مذہبی پیشواؤں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس حکم میں خصوصی طور پر وہ سب لوگ شامل ہیں جنہوں نے اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہیں اور اُن کا اپنا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ ایسے مذہبی پیشواؤں کو لوگ ہدیے دیتے ہیں اور اُن کی مالی معاونت کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو باعزت طریقے سے پورا کر سکیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بیت المال سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے' ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو نان نفقہ بھی دیتے تھے اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کرتے تھے۔ (اور بیت المال سے کچھ میسّر نہ ہونے کی صورت میں آپؐ فاقے بھی کرتے تھے)۔ اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مثال بھی ہے۔ چنانچہ ایسے تمام مذہبی پیشواؤں پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کے ہدیے اور وظائف صرف معروف انداز میں اپنی اور اپنے زیرِ کفالت افراد کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے استعمال میں لائیں۔ لیکن اگر یہ لوگ اپنی مذکورہ حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دولت اکٹھی کرنا اور جائیدادیں بنانا شروع کر دیں' اور پھر یہ دولت اور جائیدادیں قانونِ وراثت کے تحت اُن کے ورثاء کو بھی منتقل ہوں تو ایسی صورت میں اِن لوگوں پر اس آیت کے احکام کا حرف بہ حرف انطباق ہوگا۔ چنانچہ آج بھی اگر آپ علماءِ حق اور علماءِ سُوء کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو میرے نزدیک یہ آیت اس کے لیے ایک طرح کا لٹمس ٹیسٹ (litmus test) ہے۔ اگر کوئی مذہبی پیشوا یا عالم اپنے دینی کیریئر کے نتیجے میں جائیداد بنا کر اور اپنے پیچھے دولت چھوڑ کر مرا ہو تو وہ بلاشک وشبہ علماءِ سُوء میں سے ہے۔

آیت ۳۵ ﴿يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ﴾ ''جس دن ان

(سونے اور چاندی) کو تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں اور پھر داغا جائے گا ان سے اُن کی پیشانیوں' اُن کے پہلوؤں اور اُن کی پیٹھوں کو۔''

﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵﴾ ''(اور ساتھ کہا جائے گا:) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے اکٹھا کیا تھا' تو اب چکھو مزا اس کا جو کچھ تم جمع کرتے تھے۔''

آیات ۳۶' ۳۷

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷ ع

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے' اللہ کے قانون میں' جس دن سے اُس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو''

اللہ کے قائم کردہ تکوینی نظام اور تشریعی قانون کے تحت مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کی گئی ہے۔

﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ﴾ ''ان میں سے چار مہینے محترم ہیں۔''

ان چار مہینوں (ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب) کو ''اشہر حرم'' کہتے ہیں اور ان میں جنگ وغیرہ جائز نہیں۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''یہی ہے سیدھا دین' تو ان کے معاملے میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو''

قانونِ خداوندی کے مطابق یہ چار مہینے شروع سے محترم ہیں' لہٰذا تم لوگ ان مہینوں کی حرمت کو پامال کر کے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اس میں قریش کے اس رواج کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت وہ محترم مہینوں کو اپنی مرضی سے بدلتے رہتے تھے۔ کسی مہم یا لڑائی کے دوران میں اگر کوئی ماہِ حرام آجاتا تو اس مہینے کے احترام میں جنگ وجدال بند کرنے کے بجائے وہ اعلان کر دیتے کہ اس سال اس مہینے کے بجائے فلاں مہینہ ماہِ حرام کے طور پر منایا جائے گا۔ اس طرح انہوں نے پورا کیلنڈر گڈمڈ کر رکھا تھا۔ لیکن مہینوں کے اوّل بدل اور اُلٹ پھیر سے گزرتے ہوئے قدرتِ خداوندی سے سن ۱۰ ہجری میں کیلنڈر واپس اپنی اصلی حالت پر پہنچ گیا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ((اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ

۳۔ صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق و کتاب المغازی و کتاب تفسیر القرآن' باب قوله ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله ... وصحیح مسلم' کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات' باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ...)) [۴] یعنی زمانے کی یہ تقویم (کیلنڈر) پورا چکر لگا کر ساری غلطیوں اور ترامیم میں سے گزرتے ہوئے اب ٹھیک اسی جگہ پر پہنچ گئی ہے جس پر اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶﴾ ''اور مشرکین سے سب مل کر جنگ کرو جیسے وہ سب اکٹھے ہو کر تم سے جنگ کرتے ہیں' اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''یہ مہینوں کو ہٹا کر آگے پیچھے کر لینا تو کفر میں ایک اضافہ ہے' جس کے ذریعے سے گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا''

یعنی امن کے مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں ایک اور کافرانہ حرکت کا اضافہ ہے۔

﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ''ایک سال یہ لوگ حلال کر لیتے ہیں اس (مہینے) کو اور ایک سال اسے حرام قرار دے دیتے ہیں' تاکہ تعداد پوری کر لیں اس کی جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں''

﴿فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ﴾ ''اور (اس طرح) حلال کر لیتے ہیں وہ (مہینہ) جو اللہ نے حرام کیا ہے۔''

یعنی اس طرح اُلٹ پھیر کر کے وہ ان مہینوں کو حلال کر لیتے جو اصل میں اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں۔ مشرکینِ عرب بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کو محترم ضرور مانتے تھے مگر اپنی مرضی سے ان مہینوں کو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے اور سال کے آخر تک محترم مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے تھے۔

﴿زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷﴾ ''(اسی طرح) ان کے لیے مزین کر دیے گئے اُن کے بُرے اعمال۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

یہاں وہ پانچ رکوع ختم ہوئے جن کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خصوصی سے ہے۔ ان آیات میں اس سلسلے میں تکمیلی اور آخری احکام دے دیے گئے ہیں۔ اب چھٹے رکوع سے غزوۂ تبوک کے موضوع کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس کے پس منظر کے ضمن میں چند باتیں پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے عرب سے باہر مختلف فرمانرواؤں کی طرف اپنے خطوط اور ایلچی بھیجنے شروع کیے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا نامۂ مبارک بصریٰ (شام) کے رئیس شرحبیل بن عمرو کی طرف بھی بھیجا گیا۔ یہ شخص رومن ایمپائر کا باج گزار تھا۔ اس کے پاس حضور ﷺ کا نامۂ مبارک حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ شرحبیل نے تمام اخلاقی و سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کرا دیا۔ لہٰذا سفیر کے قتل کو اعلانِ جنگ سمجھتے ہوئے حضور ﷺ نے تین ہزار صحابہؓ پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت شام کی طرف روانہ فرمایا۔ موتہ پہنچنے پر ان لوگوں نے ایک لاکھ رومیوں کے لشکر کو اپنے خلاف صف آرا پایا۔ مخالف لشکر کی تعداد کا اندازہ کرنے کے بعد مسلمانوں نے مقابلہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں تفصیلی مشاورت کی اور حالات کی تمام تر سنگینی کے باوجود انہوں نے لشکر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے مسلمانوں کا یہ فیصلہ صرف اور صرف شوقِ شہادت کی بنیاد پر کیا گیا تھا: ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی! (اقبال)

جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں ان دونوں لشکروں کے درمیان مُوتہ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ مسلمان لشکر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے علاوہ خصوصی طور پر دو مزید کمانڈر بھی مقرر فرمائے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب (جعفر طیارؓ) کمان سنبھالیں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ لشکر کے امیر ہوں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے مقرر کردہ تینوں کمانڈر اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے از خود لشکر کی کمان سنبھالی اور کامیاب حکمتِ عملی کے تحت اپنے لشکر کو رومیوں کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

جنگِ مُوتہ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال میں حضور ﷺ نے اعلانِ عام فرمایا کہ رومیوں کے مقابلے کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ایک بڑا لشکر تبوک کے لیے روانہ کیا جائے۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے خود لشکر کی قیادت کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ تبوک مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً ساڑھے تین سو میل کی مسافت پر حجاز کا آخری شہر ہے۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں سے آگے اس زمانے میں رومن ایمپائر کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے آپ ﷺ نے اعلانِ عام فرمایا تھا۔ یعنی جنگ کے قابل ہر صاحبِ ایمان شخص کے لیے فرض تھا کہ وہ اس مہم میں شریک ہو۔ یہ اہل ایمان کے لیے سخت امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ قحط کا زمانہ، شدید گرمی کا موسم، طویل صحرائی سفر، وقت کی سپر پاور سے مقابلہ اور سب پر مستزاد یہ کہ فصل سنبھالنے کا موسم سر پر کھڑا تھا۔ گویا ایک سے بڑھ کر ایک مسئلہ تھا اور ایک سے بڑھ کر ایک امتحان! مدینہ کے بیشتر لوگوں کی سال بھر کی معیشت کا دارومدار کھجور کی فصل پر تھا، جو اس وقت پک کر تیار کھڑی تھی۔ مہم پر نکلنے کا مطلب یہ تھا کہ پکی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر ہی چھوڑ کر جانا ہوگا۔ عورتیں چونکہ کھجوروں کو درختوں سے اتارنے کا مشکل کام نہیں کر سکتی تھیں، اس لیے پکی پکائی فصل ضائع جاتی صاف نظر آ رہی تھی۔

دوسری طرف اس مہم کا اعلان منافقین پر بہت بھاری ثابت ہوا اور اس کی وجہ سے ان کی ساری خباثتیں طشت از بام ہو گئیں۔ چنانچہ آئندہ گیارہ رکوعوں کی آیات اگرچہ اپنے اندر اس سلسلے کے چھوٹے بڑے بہت سے موضوعات سمیٹے ہوئے ہیں، مگر دوسرے مضامین کے درمیان میں ایک مضمون جو مسلسل چل رہا ہے وہ منافقین کا تذکرہ ہے۔ گویا یہ مضمون ایک دھاگہ ہے جس میں دوسرے مضامین چھوٹے بڑے موتیوں کی طرح پروئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس سے پہلے سورۃ النساء میں منافقین کا ذکر بڑی تفصیل سے آ چکا ہے، لیکن آئندہ گیارہ رکوع اس موضوع پر قرآن کے ذروۂ سنام کا درجہ رکھتے ہیں۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک تشریف لے گئے۔ مقابل میں اگرچہ ہرقل (قیصر روم) بنفسِ نفیس موجود تھا، لیکن شاید وہ پہچان چکا تھا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، چنانچہ وہ مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ حضور ﷺ نے کچھ عرصہ تبوک میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں اردگرد کے بہت سے قبائل نے آ کر آپؐ سے معاہدے کیے۔ اس مہم میں اگرچہ جنگ کی نوبت نہ آئی مگر مسلمان لشکر کا مدینہ سے تبوک جا کر رومن ایمپائر کی سرحدوں پر دستک دینا اور ہرقل کا مقابلہ کرنے کی بجائے کنی کترا جانا، کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس مہم کی وجہ سے نہ صرف اس علاقے میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی بلکہ اسلامی ریاست کی سرحدیں عملی طور پر تبوک تک وسیع ہو گئیں۔ دوسری طرف جنگِ مُوتہ کی وجہ سے مسلمانوں کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی بھرپور انداز میں تلافی ہو گئی۔ سلطنتِ روم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا یہ سلسلہ جو غزوۂ تبوک کی صورت میں شروع ہوا، اس میں مزید پیش رفت دورِ صدیقیؓ میں ہوئی۔ حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مدینہ سے لشکرِ اسامہؓ کی روانگی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

آیات ۳۸ تا ۴۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع

آیت ۳۸ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اے ایمان کے دعوے دارو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم دھنسے جاتے ہو زمین کی طرف!''

اگرچہ یہ وضاحت سورۃ النساء میں بھی ہو چکی ہے مگر اس نکتے کو یہاں دوبارہ ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن حکیم میں منافقین سے خطاب بھی ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کے صیغے میں ہی ہوتا ہے' کیونکہ ایمان کا دعویٰ تو وہ بھی کرتے تھے' جبکہ قانونی اور ظاہری طور پر بھی وہ مسلمان ہی تھے۔

﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''(سوچو!) کیا تم نے آخرت کی بجائے دُنیا کی زندگی کو قبول کر لیا ہے؟''

یہ ایک متجسسانہ سوال (searching question) ہے۔ یعنی تم دعویدار تو ہو ایمان بالآخرت کے' لیکن اس کے باوجود اگر تم اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنے کو تیار نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آخرت ہاتھ سے دے کر دنیا کے خریدار بننے جا رہے ہو۔

﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾﴾ ''تو (جان لو کہ) دنیا کی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ﴾ ''اگر تم نہیں نکلو گے (اللہ کی راہ میں) تو وہ تمہیں عذاب دے گا دردناک عذاب اور تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا' اور تم اُس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکو گے۔''

اگر تم لوگ اللہ کے دین کا جھنڈا نہیں اٹھاؤ گے تو وہ تمہیں ہٹا کر اس مقصد کے لیے کسی اور قوم کو آگے لے آئے گا۔

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾ ''اگر تم ان (رسول اللہ ﷺ) کی مدد نہیں کرو گے تو (کچھ پروا نہیں) اللہ نے تو اُس وقت انؐ کی مدد کی تھی''

﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ ''جب کافروں نے انؐ کو (مکہ سے) نکال دیا تھا (اس حال میں کہ) آپؐ دو میں کے دوسرے تھے' جب کہ وہ دونوں غار میں تھے''

یعنی اُس وقت وہ صرف دو اشخاص تھے' محمد رسول اللہ ﷺ خود اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾ ''جبکہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلاش میں آنے والے مشرکین کو دیکھ کر کہا تھا کہ حضورؐ یہ لوگ تو غار کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں' اگر کسی نے ذرا بھی نیچے جھانک کر دیکھ لیا تو ہم نظر آ جائیں گے' تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ فکر مت کریں' اللہ ہمارے ساتھ ہے!

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''تو اللہ نے اپنی سکینت نازل فرمائی انؐ پر اور انؐ کی مدد فرمائی ان لشکروں سے جنہیں تم نہیں دیکھتے''

﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ﴾ ''اور کافروں کی بات کو پست کر دیا۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی مدد فرما کر کفار کو زیر کر دیا اور پورے جزیرہ نمائے عرب کے اندر اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٠﴾﴾ ''اور اللہ ہی کا کلمہ سب سے اونچا ہے' اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ ''نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل''

ہلکے اور بوجھل کے الفاظ یہاں لوگوں کی ظاہری اور باطنی کیفیت کے حوالے سے آئے ہیں۔ چنانچہ اس جملے کا ایک مفہوم تو یوں ہو گا کہ تم بوجھل دل کے ساتھ نکلو یا آمادگی کے ساتھ' اب نکلنا تو پڑے گا' کیونکہ جہاد کا معاملہ اب محض تحریض و ترغیب تک نہیں رہا' بلکہ اب تو اس کے لیے نفیرِ عام کی نوبت آ گئی ہے اور اللہ کے راستے میں نکلنا اب فرضِ عین ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یوں ہو گا کہ چاہے تمہارے پاس ساز و سامان اور اسلحہ وغیرہ کافی ہے تب بھی نکلو اور اگر ساز و سامان کم ہے تب بھی نکلو۔

﴿وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾﴾ ''اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''

آیت ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ﴾ ''اگر مالِ غنیمت قریب ہوتا اور سفر بھی چھوٹا ہوتا تو (اے نبی ﷺ) یہ آپ کی پیروی کرتے' لیکن ان کو تو بڑی بھاری پڑ رہی ہے دُور کی مسافت۔''

اگر ان منافقین کو توقع ہوتی کہ مالِ غنیمت آسانی سے مل جائے گا اور ہدف بھی کہیں قریب ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپؐ کا ساتھ دیتے' مگر اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ تبوک کی مسافت کا سن کر ان کے دل بیٹھے جا رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کسی بھی مہم کے ہدف وغیرہ کو ہمیشہ صیغہ راز میں رکھتے تھے۔ جنگ یا مہم کے لیے نکلنا ہوتا تو تیاری کا حکم دے دیا جاتا' مگر یہ نہ بتایا جاتا کہ کہاں جانا ہے اور منصوبہ کیا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کے منصوبہ کو بھی آخر وقت تک خفیہ رکھا گیا تھا۔ مگر غزوۂ تبوک کی تیاری کے حکم کے ساتھ ہی آپؐ نے تمام تفصیلات بھی علی الاعلان سب کو بتا دی تھیں کہ لشکر کی منزلِ مقصود تبوک ہے اور مقابلہ سلطنتِ روما سے ہے' تاکہ ہر شخص ہر لحاظ سے اپنا جائزہ لے لے اور ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے تیاری کر لے۔ ساز و سامان بھی مہیا کر لے اور اپنے حوصلے کی بھی جانچ پرکھ کر لے۔

﴿وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ﴾ ''اور عنقریب یہ لوگ قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہمارے اندر استطاعت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تم لوگوں کے ساتھ۔''

یعنی قسمیں کھا کھا کر بہانے بنائیں گے اور اپنی فرضی مجبوریوں کا رونا روئیں گے۔

﴿يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۴۲﴾ ''یہ لوگ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں' اور اللہ کو معلوم ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

آیات ۴۳ تا ۶۰

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۴۳ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۴۸ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۳ وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۵۴ فَلَا

تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸ وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝۵۹ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰ ع ۱۲

آیت ۴۳ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) اللہ آپ کو معاف فرمائے (یا اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا) آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟“

یعنی آپ ﷺ کے پاس کوئی منافق آیا اور اپنی کسی مجبوری کا بہانہ بنا کر جہاد سے رخصت چاہی تو آپ ﷺ نے اپنی نرم مزاجی کی وجہ سے اُسے اجازت دے دی۔ اب اس شخص کو تو گویا سند مل گئی کہ میں نے حضور ﷺ سے رخصت لے لی ہے۔ جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ تو اُس کا تھا ہی نہیں، مگر اجازت مل جانے سے اُس کی منافقت کا پردہ چاک نہیں ہوا۔ اجازت نہ ملتی تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا کہ اُس کا حضور ﷺ کے ساتھ جانے کا ارادہ تھا بھی یا نہیں۔ اس طرح کئی منافقین آئے اور اپنی مجبوریوں کا بہانہ بنا کر آپ ﷺ سے رخصت لے گئے۔

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۴۳﴾ ”یہاں تک کہ آپؐ کے لیے واضح ہو جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور آپؐ (یہ بھی) جان لیتے کہ کون جھوٹے ہیں۔“

آیت ۴۴ ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ”وہ لوگ جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپؐ سے اجازت کے طالب ہو ہی نہیں سکتے کہ وہ جہاد نہ کریں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔“

سچے مؤمن ایسی صورتِ حال میں ایسا کبھی نہیں کر سکتے کہ وہ جہاد سے معافی کے لیے درخواست کریں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ واضح رہے کہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں ایمان کی جو تعریف (definition) کی گئی ہے اس میں تصدیق قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ کو واضح طور پر ایمان کے ارکان قرار دیا گیا ہے۔ یہ مضمون قبل ازیں سورۃ الانفال کی آیت ۲ اور آیت ۷۴ کے مطالعہ کے دوران بھی زیر بحث آ چکا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴﴾ ”اور اللہ متقی بندوں سے خوب واقف ہے۔“

آیت ۴۵ ﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ”آپؐ سے رخصت تو وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے دل شکوک میں پڑ گئے ہیں“

یہاں سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کے الفاظ ''ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا'' ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ مؤمن تو وہی ہیں جو ایمان لانے کے بعد شک میں نہ پڑیں۔ جبکہ آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ''وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ'' سے واضح ہوتا ہے کہ ان منافقین کے دلوں کے اندر شکوک وشبہات مستقل طور پر ڈیرے ڈال چکے ہیں۔

﴿فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور وہ اپنے اسی شک وشبہ کے اندر متردد ہیں۔''

اپنے ایمان کے اندر پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کی وجہ سے وہ تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں اور جہاد کے لیے نکلنے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہے۔ کبھی اُن کو مسلمانوں کے ساتھ چلنے میں مصلحت نظر آتی ہے کہ نہ جانے سے ایمان کا ظاہری بھرم بھی جاتا رہے گا' مگر پھر فوراً ہی مسافت کی مشقت کے تصور سے دل بیٹھ جاتا ہے' دُنیوی مفادات کا تصور پاؤں کی بیڑی بن جاتا ہے اور وہ پھر سے جھوٹے بہانے بنانے شروع کر دیتے ہیں۔

آیت ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ ''اور اگر انہوں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لیے ساز وسامان فراہم کرتے''

ایسے طویل اور کٹھن سفر کے لیے بھرپور تیاری کی ضرورت تھی' بہت سا ساز وسامان درکار تھا' سواری کا بندوبست کرنا تھا' مگر اس کی تیاری کے لیے ان کا کچھ بھی نہ کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا خود ہی ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے جانے کا ارادہ تک نہیں کیا تھا۔

﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ۝۴۶﴾ ''لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے پسند ہی نہیں کیا اُن کا اٹھنا (اور نکلنا) تو ان کو روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو تم بھی بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ۔''

اس فرمان میں جو حکمت تھی اس کی تفصیل اگلی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے:

آیت ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ ''اگر یہ نکلتے (اے مسلمانو!) تمہارے ساتھ تو ہرگز اضافہ نہ کرتے تمہارے لیے مگر خرابی ہی کا''

اُن کے دلوں میں چونکہ روگ تھا' اس لیے لشکر کے ساتھ جا کر بھی یہ لوگ فتنے ہی اٹھاتے' طرح طرح کی سازشیں کرتے اور مسلمانوں کو باہم لڑانے کی کوشش کرتے۔ لہٰذا ان کے بیٹھے رہنے اور سفر میں آپ لوگوں کے ساتھ نہ جانے میں ہی بہتری تھی۔ گویا بندۂ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح خیر ہی خیر ہے' جبکہ منافق کے لیے ہر حالت میں نقصان ہی نقصان ہے۔

﴿وَّلَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ﴾ ''اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے مابین' فتنہ پیدا کرنے کے لیے۔''

﴿وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۴۷﴾ ''اور تمہارے اندر ان کے جاسوس بھی ہیں۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔''

اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ ''تمہارے درمیان ان کی باتیں سننے والے بھی ہیں''۔ یعنی تمہارے درمیان ایسے نیک دل اور سادہ لوح مسلمان بھی ہیں جو ان منافقین کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کے اِن منافقین کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی ہیں اور وہ ان کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ لشکر میں موجود ہوتے اور کوئی فتنہ اٹھاتے تو عین ممکن تھا کہ تمہارے وہ ساتھی اپنی سادہ لوحی کے باعث اُن کے اٹھائے ہوئے فتنے کا شکار ہو جاتے۔

آیت ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''یہ پہلے بھی فتنہ اٹھاتے رہے ہیں''

یاد رہے کہ یہی لفظ ''فتنہ'' اس حدیث میں بھی آیا ہے جس کا ذکر علماءِ سُوء کے کردار کے سلسلے میں قبل ازیں آیت ۳۴ کے ضمن میں ہو چکا ہے: ((عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ ' مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ)) یعنی ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین لوگ ہوں گے' فتنہ ان ہی میں سے برآمد ہوگا اور ان ہی میں پلٹ جائے گا''۔ یعنی وہ آپس میں لڑائی جھگڑوں' فتویٰ پردازیوں اور تفرقہ بازیوں میں مشغول رہا کریں گے۔ تو اے نبی (ﷺ) ان منافقین نے آپؐ کے خلاف سازشیں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ کے لیے معاملات کو الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں''

یہ لوگ اپنی امکانی حد تک کوشش کرتے رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے معاملات کو تلپٹ کر دیں۔

﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ ''یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا امر غالب ہو گیا اور انہیں یہ پسند نہیں تھا۔''

یعنی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ان لوگوں کی خواہشوں اور کوششوں کے علی الرغم اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

آیت ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ﴾ ''اور ان میں سے وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجیے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔''

یہ منافق اور مردود شخص جُد بن قیس تھا (لعنۃ اللہ علیہ)۔ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لیے تیاری کا اعلان فرمایا تو یہ شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عجیب استہزائیہ انداز میں آپ ﷺ سے رخصت چاہی کہ حضور مجھے تو رہنے ہی دیں' کیونکہ میں حسن پرست قسم کا انسان ہوں اور لشکر جا رہا ہے شام کے علاقے کی طرف' جہاں کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں۔ میں وہاں کی خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکوں گا اور فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا' لہٰذا آپ مجھے اس فتنے میں مت ڈالیں اور مجھے پیچھے ہی رہنے دیں۔

﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ فتنے میں تو یہ لوگ پڑ چکے۔''

یعنی یہ شخص اور اس کے دوسرے ساتھی تو پہلے ہی بدترین فتنے کا شکار ہو چکے ہیں جو اس طرح کے بہانے تراشنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ رویہ جس سوچ کی غمازی کر رہا ہے اس سے مزید بڑا فتنہ اور کون سا ہو گا!

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور یقیناً جہنم ان کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

آیت ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اگر آپ کو کوئی اچھی بات پہنچتی ہے تو انہیں وہ بُری لگتی ہے۔''

اگر آپ ﷺ کو کوئی کامیابی ملتی ہے' اگر کہیں سے کوئی اچھی خبر آپؐ کے لیے آتی ہے تو انہیں یہ سب کچھ ناگوار لگتا ہے۔

﴿وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور اگر آپؐ کو کوئی تکلیف آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی درست کر لیا تھا''

کہ ہم کوئی ان لوگوں کی طرح بے وقوف تھوڑے ہیں' ہم نے تو حالات پر نظر رکھی ہوئی تھی اور ممکنہ خطرے سے پہلے ہی ان برے حالات سے اپنی حفاظت کا بندوبست ہم نے قبل از وقت ہی کر لیا تھا۔

﴿وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰﴾ ''اور وہ لوٹ جاتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے۔''

وہ اس صورتِ حال میں بڑے شاداں و فرحاں پھرتے ہیں کہ مسلمانوں پر مصیبت آ گئی اور ہم بچ گئے۔

اگلی دو آیات معرکہ حق و باطل کی صورت میں ایک بندۂ مؤمن کے لیے بہت بڑا ہتھیار ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کو یہ دونوں آیات زبانی یاد کر لینی چاہئیں۔

آیت ۵۱ ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہیں آ سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا مولا ہے۔''

ہم تو اللہ کے بندے ہیں۔ ہم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ ہی کی مرضی اور اجازت سے آتی ہے۔ اُس کے اذن کے بغیر کائنات میں ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ ہمارا کارساز اور پروردگار ہے۔ اگر اس کی مشیت ہو کہ ہمیں کوئی تکلیف آئے تو سر آنکھوں پر ع ''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے''۔ جو اُس کی رضا ہو ہم بھی اسی پر راضی ہیں۔ اگر اُس کی طرف سے کوئی تکلیف آ جائے تو اس میں بھی ہمارے لیے خیر ہی ہے ع ''ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف است'' (ہمارا ساقی ہمارے پیالے میں جو بھی ڈال دے اُس کا لطف و کرم ہی ہے)۔ محبوب کی شمشیر سے تو ذبح ہونا بھی بہت بڑے اعزاز کی بات ہے اور یہ اعزاز کسی غیر کے نصیب میں کیوں ہو جبکہ ہماری گردنیں ہر وقت اس سعادت کے لیے حاضر ہیں: ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی!

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱﴾ ''اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے اہلِ ایمان کو۔''

آیت ۵۲ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ﴾ ''(ان سے) کہیے کہ تم ہمارے بارے میں کس شے کا انتظار کر سکتے ہو سوائے دو نہایت عمدہ چیزوں میں سے کسی ایک کے!''

الْحُسْنَيَيْنِ' الْحُسْنٰی کی تثنیہ ہے' جو اَحْسَن کی مؤنث ہے۔ یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ چنانچہ الْحُسْنَيَيْنِ کے معنی ہیں دو نہایت احسن صورتیں۔ جب کوئی بندۂ مؤمن اللہ کے راستے میں کسی مہم پر نکلتا ہے تو اس کے لیے دونوں امکانی صورتیں ہی احسن ہیں' اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو وہ بھی احسن:

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی! (اقبال)

اور اگر فتح یاب ہو کر لوٹیں تو بھی احسن۔ دونوں صورتوں میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ تیسری کوئی صورت تو ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ایک بندۂ مؤمن کو خوف کاہے کا؟ ؎

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگرؔ
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں!

﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ﴾ ''اور (اے منافقو!) ہم منتظر ہیں تمہارے بارے میں کہ اللہ تمہیں پہنچائے کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں''

ہمیں بھی تمہارے بارے میں انتظار ہے کہ تمہارے کرتوتوں کے سبب اللہ تعالیٰ تم پر خود کوئی عذاب نازل کر دے یا عین ممکن ہے کہ کبھی ہمیں اجازت دے دی جائے اور ہم تمہاری گردنیں اڑا ئیں۔

﴿فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''تو تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔''

آیت ۵۳ ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''کہہ دیجئے کہ چاہے خوشی سے خرچ کرو یا مجبوری سے' تم سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ تم نافرمان لوگ ہو۔''

یہ منافقین کے اس حربے کا ذکر ہے کہ کچھ مال و اسباب چندے کے طور پر لے آئے اور بہانہ بنایا کہ مجھے فلاں فلاں مجبوری ہے' میں خود تو جانے سے معذور ہوں' مجھے رخصت دے دیں اور یہ ساز و سامان قبول کر لیں۔ ایسی صورتِ حال کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اب جبکہ جہاد کے لیے بنفسِ نفیس نکلنا فرضِ عین ہے' تو اس صورتِ حال میں روپیہ پیسہ اور ساز و سامان اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

آیت ۵۴ ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ ''اور نہیں مانع ہوئی کوئی چیز کہ ان سے ان کے نفقات (اموال کا خرچ کرنا) کو قبول کیا جاتا' مگر یہ کہ انہوں نے کفر کیا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ''

﴿وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''اور وہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر بہت ہی کسل مندی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر کراہت کے ساتھ۔''

یعنی اب جو چندہ یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہ تو جان بچانے کے لیے دے رہے ہیں کہ ہم سے ساز و سامان لے لیا جائے اور ہمیں اس مہم پر جانے سے معاف رکھا جائے۔

آیت ۵۵ ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد سے تعجب نہ ہو۔''

ان کو دیکھ کر آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مال و دولت اور اولاد کی کثرت ان کے لیے اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے' بلکہ ایسے لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ ایسی نعمتیں اس لیے دیتا ہے کہ ان کا حساب اسی دنیا میں بے باق ہو جائے اور آخرت میں ان کے لیے کچھ نہ بچے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات دنیا کی انہی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ انسان کے لیے باعث عذاب بنا دیتا ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''اللہ تو چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے انہیں دُنیوی زندگی میں عذاب دے''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ یہی اولاد جس کو انسان بڑے لاڈ پیار اور ارمانوں سے پال پوس کر بڑا کرتا ہے اس کے لیے سوہانِ روح بن جائے اور یہی مال و دولت جسے وہ جان جوکھوں میں ڈال کر جمع کرتا ہے اس کی جان کا وبال ثابت ہو۔

﴿وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''اور ان کی جانیں نکلیں اسی کفر کی حالت میں۔''

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی میں اپنی دولت ہی سے لپٹے رہیں اور اپنی اولاد کی محبت میں اس قدر مگن رہیں کہ جیتے جی آنکھ کھول کر حق کو دیکھنے اور پہچاننے کی فرصت ہی نصیب نہ ہو' اور اسی حالت میں یہ لوگ آخری عذاب کے مستحق بن جائیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ﴾ ''اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔''

کہ ہم بھی مسلمان ہیں' آپ لوگوں کے ساتھی ہیں' ہماری بات کا اعتبار کیجیے' وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶﴾ ''لیکن (اے مسلمانو! حقیقت میں) یہ لوگ تم میں سے نہیں ہیں' بلکہ اصل میں یہ ڈرے ہوئے لوگ ہیں۔''

اصل میں یہ لوگ اسلام کے غلبے کے تصور سے خوفزدہ ہیں اور خوف کے مارے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں۔

آیت ۵۷ ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷﴾ ''اگر یہ پالیں کہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سر چھپانے کی جگہ' تو یہ اس کی طرف بھاگ جائیں اپنی رسیاں تڑاتے ہوئے۔''

جیسے کوئی جانور خوف کے مارے اپنی رسّی تڑا کر بھاگتا ہے' اسی طرح کی کیفیت ان پر بھی طاری ہے۔ اس اضطراری کیفیت میں اگر جزیرہ نمائے عرب میں انہیں کہیں بھی کوئی پناہ گاہ مل جاتی یا کسی بھی طرح کا کوئی ٹھکانہ جان بچانے کے لیے نظر آ جاتا تو وہ خوف کے مارے یہاں سے بھاگ گئے ہوتے۔

آیت ۵۸ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے وہ بھی ہیں جو آپ پر الزام لگاتے ہیں صدقات کے بارے میں۔''

زکوٰۃ و صدقات کا مال رسول اللہ ﷺ خود تقسیم فرماتے تھے۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ مال کی تقسیم کے دوران ایک منافق نے آپ ﷺ کو ٹوک دیا: يَا مُحَمَّدُ اعْدِلْ ''اے محمدؐ انصاف (کے ساتھ تقسیم) کیجیے!'' اس کی مراد یہ تھی کہ آپ ناانصافی کر رہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ کو غصہ آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَكُنْ اَعْدِلُ...))(۵) ''تم برباد ہو جاؤ' اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟''

﴿فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸﴾ ''تو اگر اس میں سے انہیں (خاطر خواہ) دے دیا جائے تو یہ راضی رہتے ہیں اور اگر اس میں سے انہیں (اس قدر) نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔''

آیت ۵۹ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝۵۹﴾ ''اور اگر وہ راضی رہتے اس پر جو کچھ دیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے' اور وہ کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے' عنقریب اللہ اور اُس کے رسول ہمیں (پھر بھی) اپنے فضل سے نوازتے رہیں گے' یقیناً ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا)!''

اگر ان لوگوں کی سوچ مثبت ہوتی اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں اچھا گمان رکھتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اب وہ مشہور آیت آ رہی ہے جس میں زکوٰۃ کے مصارف بیان ہوئے ہیں۔

آیت ۶۰ ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ ''صدقات تو بس مفلسوں اور محتاجوں اور عاملین صدقات کے لیے ہیں''

۵۔ صحیح البخاری' کتاب الادب' باب ما جاء فی قول الرجل ویلک۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب ذکر الخوارج وصفاتھم۔ واللفظ للمسلم۔ راوی: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

صدقات سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا میں محکمہ زکوٰۃ کے چھوٹے بڑے تمام ملازمین شامل ہیں جو زکوٰۃ اکٹھی کرنے' اس کا حساب رکھنے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے یا اس محکمہ میں کسی بھی حیثیت میں مامور ہیں' ان سب ملازمین کی تنخواہیں اسی زکوٰۃ میں سے دی جائیں گی۔

﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''اور اُن کے لیے جن کی تالیفِ قلوب مطلوب ہو''

جب دین کی تحریک اور دعوت چل رہی ہو تو معاشرے کے بعض صاحبِ حیثیت افراد کی تالیفِ قلوب کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے' تاکہ ایسے لوگوں کو کچھ دے دلا کر اُن کی مخالفت کا زور کم کیا جاسکے۔ فقہاء کے نزدیک دین کے غالب ہو جانے کی صورت میں اس مد کی ضرورت نہیں رہتی' لیکن جب اس قسم کی صورتِ حال درپیش ہو تو اس مد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

﴿وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ﴾ ''اور گردنوں کے چھڑانے میں' اور جن پر تاوان پڑا ہو (ان کے لیے)''

ایسا مقروض جو قرض کے بوجھ سے نکلنے کی مقدرت نہ رکھتا ہو یا ایسا شخص جس پر کوئی تاوان پڑ گیا ہو' ایسے لوگوں کی گلوخلاصی کے لیے زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاسکتی ہے۔

﴿وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ کی راہ میں''

یعنی جہاد اور دعوت و اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں بھی یہ رقم خرچ ہو سکتی ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور صدقات کے سلسلے میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ پہلی ترجیح کے طور پر اوّلین مستحقین وہ غرباء' یتامیٰ' مساکین اور بیوائیں ہیں جو واقعی محتاج ہوں۔ البتہ اگر زکوٰۃ کی کچھ رقم ایسے لوگوں کی مدد کے بعد بچ جائے تو وہ دین کے دوسرے کاموں میں صَرف کی جاسکتی ہے۔

﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۰﴾﴾ ''اور مسافروں (کی امداد) میں۔ یہ اللہ کی طرف سے معیّن ہو گیا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

﴿فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ کے الفاظ احکامِ وراثت کے سلسلے میں سورۃ النساء کی آیت ۱۱ میں بھی آئے ہیں۔

آیات ۶۱ تا ۶۶

وَمِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۱﴾ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۳﴾ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۱۴

آیت ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ﴾ ''اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نرے کان ہیں۔''

یہ تو نرے کان ہی کان ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں اور ہم جو بھی جھوٹا سچا بہانہ بناتے ہیں اسے مان لیتے ہیں' گویا بالکل ہی بے بصیرت ہیں (معاذ اللہ!)۔ منافقین ایسی باتیں کر کے (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے تھے اور آپؐ کو اذیت پہنچاتے تھے۔

﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''آپؐ کہیے کہ یہ کان تمہاری بہتری کے لیے ہیں' وہ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور بات مان لیتے ہیں اہلِ ایمان کی۔''

یہاں پر ''یُؤْمِنُ'' کے ساتھ ''بِ'' اور ''لِ'' کے استعمال سے معنی کا واضح فرق ملاحظہ ہو۔ آمَنَ' یُؤْمِنُ 'ب' کے ساتھ ایمان لانے اور 'ل' کے ساتھ بات ماننے اور یقین کر لینے کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی ہمارے رسول ﷺ جانتے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو' مگر یہ آپ ﷺ کی شرافت' نجابت اور مروّت ہے کہ تمہاری جھوٹی باتیں سن کر بھی تمہیں یہ نہیں کہتے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو' اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہارا پول نہیں کھولتے۔ یہ تمہاری حماقت کی انتہا ہے کہ تم اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دے رہے ہو۔ تم لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی بصیرت کا کچھ بھی اندازہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ کے رسولؐ ہیں' جبکہ ایک بندۂ مؤمن کی بصیرت کی بھی کیفیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))[6] ''مؤمن کی فراست سے بچو' بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ﴾ ''اور جو تم میں سے واقعی مؤمن ہیں ان کے حق میں رحمت ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾﴾ ''اور جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول (ﷺ) کو اُن کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔''

آیت ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں۔''

اس مہم کی تیاری کے دوران منافقین کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جھوٹے بہانے بنا کر رسول اللہ ﷺ سے رخصت لے لیتے' اور پھر قسمیں کھا کھا کر عام مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ ہم آپ کے مخلص ساتھی ہیں' آپ لوگ ہم پر شک نہ کریں۔

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾﴾ ''اللہ اور اُس کا رسولؐ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ واقعتاً مؤمن ہیں۔''

آیت ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾﴾ ''کیا وہ جانتے نہیں کہ جو کوئی بھی اللہ اور اُس کے رسولؐ کا مقابلہ کرے گا تو اُس کے لیے جہنّم کی آگ ہے' جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔''

۶۔ سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ الحجر۔

آیت ﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''یہ منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کو ہمارے دلوں کی حالت بتا دے۔''

ان کے دلوں میں چونکہ چور ہے اس لیے انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وحی کے ذریعے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک نہ کر دیا جائے۔

﴿ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴾ ''آپ کہیے کہ ابھی تم استہزاء کرتے رہو یقیناً (ایک وقت آئے گا کہ) اللہ ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈر رہے ہو۔''

آیت ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ﴾ ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔''

رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ منافقین جو آئے دن آپ اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں' اگر آپ اس کے بارے میں ان سے باز پرس کریں تو فوراً کہیں گے کہ ہماری گفتگو سنجیدہ نوعیت کی نہیں تھی' ہم تو ویسے ہی ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔

﴿ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ ''آپ کہیے کیا تم اللہ' اُس کی آیات اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ استہزاء کر رہے تھے؟''

تو کیا اب ع ''بازی بازی باریش بابا ہم بازی!'' کے مصداق اللہ' اُس کی آیات اور اُس کا رسول ﷺ بھی تمہارے استہزاء اور تمسخر کا تختۂ مشق بنیں گے؟

آیت ﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ ''اب بہانے مت بناؤ' تم کفر کر چکے ہو اپنے ایمان کے بعد۔''

﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ ''اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے درگزر بھی کر لیں گے تو کسی دوسری جماعت کو عذاب بھی دیں گے' اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔''

یعنی اب وہ وقت آ رہا ہے کہ تمہیں تمہارے ان کرتوتوں کے سبب سزائیں بھی ملیں گی۔

آیات ۶۷ تا ۷۲

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ

خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ
نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ
اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع ۱۵

آیت ۶۷ ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ﴾ ''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے میں سے ہیں۔''

ان سب منافقین کا آپس میں گٹھ جوڑ ہے' اندر سے یہ سب ایک ہیں۔

﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ ''یہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں''

یعنی اللہ کے احکام کے خلاف یہ لوگ ''امر بالمنکر اور نہی عن المعروف'' کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ دوسروں سے ہمدردی جتا کر انہیں نیکی سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھو اپنے خون پسینے کی کمائی کو اِدھر اُدھر مت ضائع کرو' بلکہ اسے اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے سنبھال کر رکھو۔

﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ﴾ ''اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔''

یعنی اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے (بھی) انہیں نظر انداز کر دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی نافرمان ہیں۔''

آیت ۶۸ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان منافق مَردوں' منافق عورتوں اور تمام کُفّار سے جہنّم کی آگ کا' جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾﴾ ''بس وہی ان کے لیے کفایت کرے گی۔ اور اللہ نے ان پر لعنت فرما دی ہے' اور ان کے لیے عذاب ہے قائم رہنے والا۔''

ایسا عذاب جو اُن کو مسلسل دیا جائے گا اور اس کی شدت کبھی کم نہ ہوگی۔

آیت ۶۹ ﴿كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی مانند ہو جو تم سے پہلے تھے''

﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ﴾ ''وہ تم سے کہیں بڑھ کر تھے طاقت میں اور کہیں زیادہ تھے مال اور اولاد میں۔''

تم سے پہلے جو کافر قومیں گزری ہیں' مثلاً قومِ عاد' قومِ ثمود وغیرہ وہ طاقت' مال و دولت اور تعداد کے لحاظ سے تم سے بہت بڑھ کر تھیں۔

﴿فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ﴾ ''تو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا اور اب تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا ہے''

یعنی تمہاری مدتِ مہلت اب ختم ہونے کو ہے' اب تم لوگ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو۔

﴿كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ﴾ ''جیسے کہ اُن لوگوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا تھا جو تم سے پہلے تھے''

﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ﴾ ''اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے۔''

تم نے بھی اسی طرح کی روش اختیار کی جیسی انہوں نے اختیار کی تھی۔

﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔ اور یہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔''

آیت ۷۰ ﴿اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ''کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آ چکی ہیں جو ان سے پہلے تھے؟ قومِ نوحؑ' عادؑ' ثمودؑ اور قومِ ابراہیمؑ''

قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ سورۃ الحج (آیات ۴۳' ۴۴) میں بھی قومِ ابراہیمؑ کا تذکرہ اس انداز میں آیا ہے کہ شاید آپؑ کی قوم پر بھی عذاب آیا ہو' لیکن آپؑ کی قوم کے حوالے سے واضح طور پر ایسے کسی عذاب کا ذکر پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے۔

﴿وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ﴾ ''اور مدین کے لوگوں اور ان بستیوں کی (خبریں) جو اُلٹ دی گئیں۔''

﴿اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۷۰﴾ ''اُن کے پاس آئے اُن کے رسول واضح نشانیاں (یا احکام) لے کر۔ پس اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہیں تھا' بلکہ وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم ڈھاتے رہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ﴾ ''اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں' یہ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔''

﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ ''نیکی کا حکم دیتے ہیں' بدی سے روکتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحمت فرمائے گا۔ یقیناً اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

آیت ۷۲ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے اُن باغات کا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور بہت عمدہ مکانات (کا وعدہ) ہمیشہ رہنے والے باغات میں۔''

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''اور اللہ کی رضا تو سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔''

جنت کی ساری نعمتیں اپنی جگہ' مگر اہلِ جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ اللہ اُن سے راضی ہو جائے گا۔

آیات ۷۳ تا ۸۰

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع ۱۶

آیت ۷۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''اے نبی (ﷺ)! جہاد کیجیے کفار اور منافقین سے' اور ان پر سختی کیجیے۔''

یہ آیت بالکل انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ التحریم میں بھی آئی ہے جو اٹھائیسویں پارے کی آخری سورت ہے۔ یہاں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں جہاد بمعنی قتال استعمال نہیں ہوا۔ اس لیے کہ منافقین کے ساتھ آپؐ نے کبھی جنگ نہیں کی۔ لہٰذا یہاں جہاد سے مراد قتال سے نچلے درجے کی جدّوجُہد (دُوْنَ الْقِتَالِ) ہے۔ چنانچہ اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے نبی ﷺ! آپ منافقین کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کرنے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جدّوجُہد کریں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب رسول

اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو اسی حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ))(۷) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اُس زمانے کی سپر پاور سلطنتِ روما کے خلاف جہاد کو آپ ﷺ نے ''جہادِ اصغر'' فرمایا اور پھر فرمایا کہ اب ''جہادِ اکبر'' تمہارے سامنے ہے۔ عام طور پر اس حدیث کی توجیہہ اس طرح کی گئی ہے کہ انسان کا اپنے نفس کے خلاف جہاد سب سے بڑا جہاد ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ یعنی سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۸) ''یہ کہ تم جہاد کرو اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں''۔ لہٰذا اسی حدیث کی بنیاد پر جہادِ اکبر والی مذکورہ حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جہاد بالنفس دشمن کے خلاف قتال سے بھی بڑا جہاد ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس حدیث کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیے اس کے موقع محل اور پس منظر کے حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مدینہ کے اندر منافقین دراصل مسلمانوں کے حق میں مارِ آستین تھے۔ آیت زیر مطالعہ میں ان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے' مگر ان کے خلاف جہاد کا معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں تھا۔ ان منافقین کے اوس اور خزرج کے لوگوں کے ساتھ تعلقات تھے اور اُن کے خلاف اقدام کرنے سے اندرونی طور پر کئی طرح کے مسائل جنم لے سکتے تھے۔ مگر ان مشکلات کے باوجود اس آیت کے نزول کے بعد تبوک سے واپس آ کر حضور ﷺ نے منافقین کے خلاف کئی سخت اقدامات کیے تھے۔ مثلاً آپ ﷺ نے مسجد ضرار کو گرانے اور جلانے کا حکم دیا' اور پھر اس پر عمل بھی کرایا۔ یہ بہت بڑا اقدام تھا۔ منافقین مسجد کے تقدس کے نام پر لوگوں کو مشتعل بھی کر سکتے تھے۔ چنانچہ میرے نزدیک یہی وہ ''جہادِ اکبر'' تھا جس کی طرف مذکورہ حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو اپنی صفوں کے اندر چھپے ہوئے دشمنوں کے وار سے بچتے ہوئے ان کے خلاف مسلسل نبرد آزما رہنا تھا جو کہ واقعی ایک بہت بڑا جہاد تھا۔

﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹۵﴾ ''اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔''

آیت ۹۶ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ﴾ ''وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی۔''

یہ جس بات کا ذکر ہے اس کی تفصیل اٹھائیسویں پارے کی سورۃ المنافقون میں آئے گی۔ بہر حال یہاں صرف اتنا جان لینا ضروری ہے کہ تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران عبداللہ بن اُبی کے منہ سے کسی نوجوان مسلمان نے غلط بات سنی تو اُس نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کر دیا۔ آپ ﷺ نے طلب فرما کر باز پرس کی تو وہ صاف مکر گیا کہ اس نوجوان نے خواہ مخواہ فتنہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ ''حالانکہ انہوں نے کہا ہے کفر کا کلمہ''

عبداللہ بن اُبی کے مکر جانے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو سچا قرار دیا اور اس منافق کے جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا۔

﴿وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ﴾ ''اور وہ کفر کر چکے اپنے اسلام کے بعد' اور انہوں نے ارادہ کیا تھا اُس شے کا جو وہ حاصل نہ کر سکے۔''

۷۔ تخریج الکشاف للزیلعی: ۳۹۵/۲۔ (غریب جدًا) ۸۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۲۸۲/۲۔

یہ جس واقعے کی طرف اشارہ ہے وہ بھی غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران پیش آیا تھا۔ پہاڑی راستہ میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسی تنگ گھاٹی سے ہوا جہاں سے ایک وقت میں صرف ایک اونٹ گزر سکتا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ قافلے سے علیحدہ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف دو صحابہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے۔ اس تنگ جگہ پر کچھ منافقین نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے پہچانے جانے کے ڈر سے ڈھائے باندھ رکھے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیں۔ بہر حال آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے حملہ آوروں کو مار بھگایا اور وہ اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان دو صحابہ (رضی اللہ عنہما) کو حملہ آوروں میں سے ہر ایک کے نام بتا دیے اور ان کے علاوہ بھی تمام منافقین کے نام بتا دیے۔ مگر ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو تاکید فرما دی کہ وہ یہ نام کسی کو نہ بتائیں اور آپ ﷺ کے اس راز کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھیں۔ اسی وجہ سے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ صحابہؓ میں ''صاحبُ سِرِّ النَّبِی ﷺ'' (نبی ﷺ کے رازدان) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور یہ لوگ اپنے عناد کا مظاہرہ نہیں کر رہے مگر اسی لیے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں غنی کر دیا ہے اپنے فضل سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے رسول ﷺ کی مہربانی سے یہ لوگ مالِ غنیمت اور زکوٰۃ و صدقات میں سے بافراغت حصہ پا رہے ہیں۔

﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔''

﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''اور اگر وہ پیٹھ موڑیں گے تو اللہ انہیں بہت دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۷۴﴾ ''اور پوری زمین میں ان کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔''

اب وہ تین آیات آ رہی ہیں جن کا حوالہ میری تقاریر میں اکثر آتا رہتا ہے۔ ان میں مدینہ کے منافقین کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ہے، مگر مسلمانانِ پاکستان کے لیے ان آیات کا مطالعہ بطورِ خاص مقامِ عبرت بھی ہے اور لمحۂ فکریہ بھی۔

آیت ۷۵ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵﴾ ''اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا تو ہم خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور نیک بن جائیں گے۔''

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۶﴾ ''پھر جب اللہ نے انہیں نواز دیا اپنے فضل سے (غنی کر دیا) تو انہوں نے اس دولت کے ساتھ بخل کیا اور پیٹھ موڑ لی اور اعراض کیا۔''

آیت ۷۷ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''تو اللہ نے سزا کے طور پر ڈال دیا ان کے دلوں میں نفاق''

اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر کے اس سے پھر جانے کی دنیا میں یہ نقد سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق پیدا فرما دیتے ہیں، اور بدقسمتی سے یہی روگ آج مسلمانانِ پاکستان کے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ گویا پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی اس سزا کی مستحق

ہو چکی ہے۔ مسلمانانِ برصغیر نے تحریک پاکستان کے دوران اللہ تعالیٰ سے ایک وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ ایک نعرہ بن کر بچے بچے کی زبان پر آ گیا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ!'' گویا دنیا کے نقشے پر یہ نیا ملک اسلام کے نام پر اور اسلام کے لیے بنا تھا۔ اس ضمن میں ہندوستان کے مسلمانوں نے تو ووٹ دے کر اپنا فرضِ کفایہ ادا کر دیا کہ تم جا کر پاکستان میں اسلام کا نظام قائم کرو، ہم پر جو گزرے گی سو گزرے گی۔ مگر مسلمانانِ پاکستان نے اس سلسلے میں اب تک کیا کیا ہے؟ کہاں ہے پاکستان میں اسلام اور کہاں ہے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ؟ یہ پاکستانی قوم کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اجتماعی بے وفائی اور بدعہدی کی بدترین مثال ہے۔ اس بدعہدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے نفاق اس قوم پر مسلط کر دیے۔ ایک باہمی نفاق، جس کے باعث یہ قوم اب قوم نہیں رہی فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اس میں مختلف عصبیتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ صوبائیت، مذہبی فرقہ واریت وغیرہ نے باہمی اتحاد پارہ پارہ کر دیا ہے۔ دوسرے جب یہ نفاق ہمارے دلوں کا روگ بنا تو اس سے شخصی کردار اور پھر قومی کردار کا بیڑا غرق ہو گیا۔ اس حوالے سے ایک متفق علیہ حدیث ملاحظہ کیجیے اور اس کے آئینے میں پاکستانی قوم کے اصلی چہرے کی جھلک دیکھیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((آیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ [وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ: وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ] اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

''منافق کی تین نشانیاں ہیں [اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔''] (i) جب بولے جھوٹ بولے (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (iii) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

اس حدیث کو کسوٹی سمجھ کر اپنی قوم کے کردار کو پرکھ لیجیے۔ اس وقت پاکستان میں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے، اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے اور اتنا ہی بڑا خائن ہے (الا ماشاء اللہ!)

تیسرا نفاق جو اس قوم کے حصے میں آیا وہ بہت ہی بڑا ہے اور وہ ہے آئین کا نفاق۔ کسی ملک کا آئین اس ملک کی اہم ترین دستاویز ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے اس ملک کی اس اہم ترین دستاویز کو بھی منافقت کا پلندہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پاکستانی آئین میں ایک ہاتھ سے اسلام داخل کیا جاتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے نکال لیا جاتا ہے۔ الفاظ دیکھو تو ہر سمت اسلام ہی اسلام ہے، تعمیل دیکھو تو اسلام کا سایہ تک کہیں نظر نہیں آتا۔ اگر آئینِ پاکستان کی عبارت میں منافقت کی مثال دیکھنی ہو تو عبرت کے لیے اس جملے کو پڑھ لیجیے:

No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah.

ذرا دیکھیے کہ آئین کے اندر یہ کتنی بڑی بات لکھ دی گئی ہے۔ یعنی اس ملک میں قرآن و سنّت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ اس جملے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الحجرات کی پہلی آیت کا ترجمہ کر کے دستور میں لکھ دیا گیا ہے، لیکن ملک اور معاشرے کے عملی پہلو پر نظر ڈالیں تو یوں لگتا ہے جیسے یہ الفاظ صرف آئینی اور قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے رسماً لکھے گئے ہیں، ان پر عمل کرنے کا کسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بس ایک اسلامی نظریاتی کونسل بنا دی گئی ہے جو اپنی سفارشات مرتب کرتی رہتی ہے۔ یہ سفارشات کونسل کی طرف سے سالانہ رپورٹس کے طور پر حکومت کو باقاعدگی سے پیش ہوتی ہیں، مگر ان کی کوئی تعمیل نہیں ہوتی۔ اسی طرح شریعت کورٹ بھی دکھاوے کا ایک ادارہ ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے تحت بڑی بڑی تنخواہیں اور مراعات لے رہے ہیں، مگر

عملی پہلو دیکھو تو دستورِ پاکستان اُن کے دائرۂ عمل سے ہی خارج ہے۔ اسی طرح عدالتی قوانین' عائلی قوانین' مالی قوانین وغیرہ سب فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔ دستور کی سطح پر اتنی بڑی منافقت شاید پوری دنیا میں اور کہیں نہ ہو۔ بہرحال یہ ہے ایک ہلکی سی جھلک پاکستانی قوم کی اُس سزا کی جو انہیں وعدہ خلافی کے جرم کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے۔

﴿اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ﴾ ''(اور یہ نفاق اب رہے گا) اُس دن تک جس دن یہ لوگ ملاقات کریں گے اُس سے''

اس نفاق سے اب ان کی جان روزِ قیامت تک نہیں چھوٹے گی۔ اب یہ کانٹا ان کے دلوں سے کبھی نکلے گا نہیں۔

﴿بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ وَبِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''بسبب اُس وعدہ خلافی کے جو انہوں نے اللہ سے کی اور بسبب اُس جھوٹ کے جو وہ بولتے رہے۔''

آیت ۷۸ ﴿اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَنَجۡوٰىہُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۷۸﴾﴾ ''کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جانتا ہے ان کے بھیدوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو' اور یہ کہ اللہ تمام غیب کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۹ ﴿اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ﴾ ''جو دل کی خوشی سے نیکی کرنے والے اہل ایمان پر طعن کرتے ہیں (اُن کے) صدقات کے بارے میں''

جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی مہم کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو مسلمانوں کی طرف سے ایثار اور اخلاص کے عجیب و غریب مظاہر دیکھنے میں آئے۔ ابوعقیل رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے' ان کے پاس دینے کو کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے ہاں مزدوری کی اور ساری رات کنویں سے پانی نکال نکال کر اس کے باغ کو سیراب کرتے رہے۔ صبح انہیں مزدوری کے طور پر کچھ کھجوریں ملیں۔ انہوں نے اُن میں سے آدھی کھجوریں تو گھر میں بچوں کے لیے چھوڑ دیں اور باقی آدھی حضور ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں۔ آپ ﷺ ان کے خلوص و اخلاص اور حسنِ عمل سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ کھجوریں سب مال اسباب پر بھاری ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ان کھجوروں کو ساز و سامان کے پورے ڈھیر کے اوپر پھیلا دیا گیا۔ لیکن وہاں جو منافقین تھے انہوں نے حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑایا اور فقرے کسے کہ جی ہاں' کیا کہنے! واقعی بہت بڑی قربانی دی ہے ان کھجوروں کے بغیر تو گویا یہ مہم کامیاب ہو ہی نہیں سکتی تھی' وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰہُ مِنۡہُمۡ ۫ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾﴾ ''اور جن کے پاس اپنی محنت و مشقت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں (اور وہ اس میں سے بھی خرچ کرتے ہیں) تو وہ (منافقین) ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۸۰ ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔''

یہ آیت سورۃ النساء کی آیت ۱۴۵ ﴿اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ﴾ کے بعد منافقین کے حق میں سخت ترین آیت ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیات ۸۱ تا ۸۹

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝۸۳ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۴ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۷ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹ ع

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ﴾ ''بہت خوش ہو گئے پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے پر اللہ کے رسولؐ کے (جانے کے) بعد' اور انہوں نے ناپسند کیا جہاد کرنا اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں''

﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ﴾ ''اور (دوسروں سے بھی) کہنے لگے کہ اس گرمی میں مت نکلو۔''

یہ لوگ خود بھی اللہ کے راستے میں نہ نکلے اور دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش میں رہے کہ ہم تو رخصت لے آئے ہیں' تم بھی ہوش سے کام لو' کوئی بہانہ بنا لو اور اس قدر شدید گرمی میں سفر کے لیے مت نکلو۔

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے: جہنّم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے' کاش ان لوگوں کو فہم حاصل ہوتا۔''

﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲﴾ ''تو انہیں چاہیے کہ ہنسیں کم اور

روئیں زیادہ' بدلہ اُس کا جو کمائی انہوں نے کی ہے۔''

آیت ۸۳ ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ''پس (اے نبی ﷺ!) اگر اللہ آپ کو لوٹا کر لے جائے ان کے کسی گروہ کے پاس''

مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ آیت مقامِ تبوک پر نازل ہوئی ہے۔ سورت کے اس دوسرے حصے کے پہلے چار رکوعوں (چھٹے رکوع سے لے کر نویں رکوع تک) کے بارے میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ غزوۂ تبوک پر روانگی سے قبل نازل ہوئے تھے۔ ان کے بعد کی آیات مختلف مواقع پر نازل ہوئیں' کچھ جاتے ہوئے راستے میں' کچھ تبوک میں قیام کے دوران اور کچھ واپس آتے ہوئے راستے میں۔

﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ ''پھر وہ آپؐ سے اجازت مانگیں (آپؐ کے ساتھ) نکلنے کے لیے''

یعنی کسی مہم پر' کسی اور دشمن کے خلاف آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا چاہیں:

﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ ''تو کہہ دیجیے گا کہ اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے''

غزوۂ تبوک کی مہم میں تمہارا آخری امتحان ہو چکا ہے اور اس میں تم لوگ ناکام ہو چکے ہو۔

﴿وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''اور اب میرے ساتھ ہو کر تم کسی دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کرو گے۔ تم پہلی مرتبہ راضی ہو گئے تھے بیٹھ رہنے پر''

جب جہاد کے لیے نفیرِ عام ہوئی اور سب پر نکلنا فرض قرار پایا تو اُس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے۔

﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ﴾ ''تو (اب ہمیشہ کے لیے) بیٹھ رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔''

آیت ۸۴ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے کوئی مر جائے تو اُس کی نمازِ جنازہ کبھی بھی ادا نہ کریں اور اُس کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں۔''

یہ گویا اب اُن کی رسوائی کا سامان ہو رہا ہے۔ اب تک تو منافقت پر پردے پڑے ہوئے تھے' مگر اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرماتے تھے تو سب کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ منافق مرا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''یقیناً انہوں نے کفر کیا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ اور وہ مرے ہیں اسی حال میں کہ وہ نافرمان تھے۔''

آیت ۸۵ ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ﴾ ''اور آپؐ کو پسند نہ آئیں اُن کے اموال اور اُن کی اولاد۔''

یعنی آپؐ ان کے مال اور اولاد کو اہمیت مت دیجیے۔ یہ آیت اسی سورت میں ۵۵ نمبر پر معمولی فرق کے ساتھ پہلے بھی آ چکی ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ انہیں عذاب دے انہی چیزوں کے ذریعے سے دنیا میں اور ان کی جانیں نکلیں اسی حالتِ کفر میں۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾ ''اور جب

کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اُس کے رسولؐ کے ساتھ مل کر تو آپ سے رخصت مانگتے ہیں ان میں سے مقدرت والے بھی‘‘

﴿وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶﴾ ’’اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں میں شامل ہو جائیں۔‘‘

آیت ۸۷ ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ’’وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو جائیں‘‘

اس اندازِ بیان میں اُن پر گہرا طنز ہے۔ یعنی جنگ کرنا مَردوں کا کام ہے جبکہ خواتین اور بچے ایسے مواقع پر پیچھے گھروں میں رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اب جب تمام مَردوں پر لازم ہے کہ وہ غزوۂ تبوک کے لیے نکلیں‘ تو یہ منافقین طرح طرح کے بہانوں سے رخصت چاہتے ہیں۔ گویا انہوں نے پیچھے گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کا کردار اپنے لیے پسند کر لیا ہے۔

﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۷﴾ ’’اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے‘ پس اب وہ سمجھ نہیں سکتے۔‘‘

آیت ۸۸ ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ﴾ ’’لیکن (اس کے برعکس) رسولؐ اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ایمان لائے‘ انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی۔‘‘

﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸﴾ ’’اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں‘ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔‘‘

فلاح محض ایک لفظ ہی نہیں بلکہ قرآن کی ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۃ المؤمنون کی پہلی آیت کے مطالعے کے دوران ہو گی۔

آیت ۸۹ ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹﴾ ’’اللہ نے اُن کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے دامن میں (یا جن کے نیچے) ندیاں بہتی ہوں گی‘ جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔‘‘

آیات ۹۰ تا ۹۹

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۱ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝۹۲ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۹۳ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

الجزء الحادی عشر (۱۱)

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ
اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ
الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ
سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

آیت ۹۰ ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ﴾ ''اور آئے آپؐ کے پاس بہانے بنانے والے بدو بھی کہ ان کو رخصت دے دی جائے''

'اَعْرَاب' جمع ہے 'اَعرابی' کی یعنی بدو' دیہاتی' بادیہ نشین لوگ۔ ظاہر ہے جہاد کے لیے اس نفیرِ عام کا اطلاق مدینہ کے اطراف وجوانب کی آبادیوں میں بسنے والے مسلمانوں پر بھی ہوتا تھا۔ اب اُن کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُن میں سے بھی لوگ آ آ کر بہانے بنانے لگے کہ انہیں اس مہم پر جانے سے معاف رکھا جائے۔

﴿وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ ''اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اللہ سے اور اُس کے رسولؐ سے۔'' انہوں نے جو وعدے کیے تھے وہ جھوٹے نکلے' یا جو عذر وہ لوگ رخصت کے لیے پیش کر رہے تھے' وہ سب بے بنیاد تھے۔

﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾﴾ ''عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا اُن لوگوں کو جو اُن میں سے کفر پر اڑے رہیں گے۔''

آیت ۹۱ ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ﴾ ''کچھ گناہ (اور الزام) نہیں ضعیفوں پر' نہ بیماروں پر' اور نہ ہی اُن لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں''

آخر اتنا طویل سفر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آدمی تندرست وتوانا ہو' اس کے پاس سواری کا انتظام ہو' راستے میں کھانے پینے اور دوسری ضروریات کے لیے سامان مہیا ہو' لیکن اگر کوئی شخص ضعیف ہے' بیمار ہے' یا اس قدر نادار ہے کہ سفر کے اخراجات کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو اللہ کی نظر میں وہ واقعتاً مجبور ومعذور ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ ان کو اس بات کا کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔

﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ﴾ ''جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ مخلص ہوں۔''

﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾﴾ ''ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں' اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

یعنی مندرجہ بالا وجوہات میں سے کسی وجہ سے کوئی شخص اگر واقعی معذور ہے مگر سچا اور پکا مؤمن ہے' خلوصِ دل سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا وفادار ہے' اُس کا دین درجۂ احسان تک پہنچا ہوا ہے' تو ایسے صاحبِ ایمان اور محسن لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔

آیت ۹۲ ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ ''اور نہ ہی اُن پر (کوئی الزام ہے) جو آئے آپؐ کے پاس کہ آپؐ ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس بھی کوئی چیز نہیں جس پر میں تم لوگوں کو سوار کر سکوں''

﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ''(تو مجبوراً) وہ لوٹ گئے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' اس رنج سے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ خرچ کر سکیں۔''

یہ اُن لوگوں کی کیفیت کا ذکر ہے جو دل و جان سے چاہتے تھے کہ اس مہم میں شریک ہوں' مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے شرکت نہیں کر پا رہے تھے۔ اپنی اس محرومی پر وہ لوگ واقعتاً صدمے اور رنج و غم سے ہلکان ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایسے مؤمنین صادقین تھے اور دوسری طرف وہ صاحبِ حیثیت (اُولُوا الطَّوْلِ) لوگ تھے جن کے پاس سب کچھ موجود تھا' وسائل و ذرائع کی کمی نہیں تھی' تندرست و توانا تھے' لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں نکلنے کو تیار نہیں تھے۔

آیت ۹۳ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ﴾ ''الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو آپؐ سے رخصت مانگتے ہیں جب کہ وہ غنی (مالدار) ہیں۔''

﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ''وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ''

﴿وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے' پس وہ صحیح علم سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ ''بہانے بنائیں گے وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔''

یَعْتَذِرُوْنَ چونکہ فعل مضارع ہے اس لیے اس کا ترجمہ حال میں بھی ہو سکتا ہے اور مستقبل میں بھی۔ اگر تو یہ آیات تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران نازل ہوئی ہیں تو ترجمہ وہ ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے' لیکن اگر ان کا نزول رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوا ہے تو ترجمہ یوں ہوگا: ''بہانے بنا رہے ہیں وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر آ گئے ہو۔''

﴿قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے (یا کہہ دیجیے گا) کہ بہانے مت بناؤ' ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے' اللہ نے ہمیں پوری طرح مطلع کر دیا ہے تمہاری خبروں سے۔''

مہم پر جانے سے قبل تو حضور ﷺ اپنی طبعی شرافت اور مروّت کے باعث منافقین کے جھوٹے بہانوں پر بھی سکوت فرماتے رہے تھے' لیکن اب چونکہ بذریعہ وحی ان کے جھوٹ کے سارے پردے چاک کر دیے گئے تھے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! اب آپ ڈنکے کی چوٹ اُن سے کہہ دیجیے کہ اب ہم تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے' کیونکہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطنی کیفیات سے ہمیں مطلع کر دیا ہے۔

﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ ''اب اللہ اور اُس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے''
یعنی آئندہ تمہارے طرزِ عمل اور رویے (attitude) کا جائزہ لیا جائے گا۔

﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۴﴾ ''پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس (اللہ) کی طرف جو غائب و حاضر کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۹۵ ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ﴾ ''ابھی یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں) جب کہ تم لوگ اُن کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (یا آ گئے ہو) تاکہ آپ ان سے چشم پوشی برتیں۔''

﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵﴾ ''تو (ٹھیک ہے) آپ اُن سے اعراض برتیں۔ یہ ناپاک لوگ ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے' بدلہ اس کا جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں۔''

آیت ۹۶ ﴿يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ﴾ ''یہ قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں' اے مسلمانو!) تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔''

یہ ان منافقین کی معاشرتی مجبوری تھی۔ ایک معاشرے کے اندر سب کا اکٹھے رہنا سہنا تھا۔ اوس اور خزرج کے اندر ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ ایسے ماحول میں وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے صاف نہ ہوئے تو وہ اس معاشرے کے اندر ایک طرح سے اچھوت بن کر رہ جائیں گے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے اندر اپنا اعتماد پھر سے بحال کرنے کے لیے ہر طرح سے دوڑ دھوپ کر رہے تھے' مسلمانوں سے ملاقاتیں کرتے تھے' ان کو اپنی مجبوریاں بتاتے تھے اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنے اخلاص کا یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶﴾ ''تو اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان نافرمانوں سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۹۷﴾ ''یہ بدو لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور زیادہ اس لائق ہیں کہ ناواقف ہوں اُس چیز کی حدود سے جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔''

یعنی اہلِ مدینہ تو مسلسل رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے تھے' آپ ﷺ سے جمعہ کے خطبات سنتے تھے اور آپ ﷺ کی نصیحت کا ایک سلسلہ شب و روز ان کے درمیان چلتا رہتا تھا۔ مگر بادیہ نشین لوگوں کو تعلیم و تعلّم کے ایسے مواقع میسر نہیں تھے۔ لہٰذا فطری اور منطقی وجوہات کی بنا پر کفر و شرک اور نفاق کی شدت ان لوگوں میں نسبتاً زیادہ تھی۔

آیت ۹۸ ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا﴾ ''اور ان بدوؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو کچھ انہیں خرچ کرنا پڑتا ہے اسے وہ تاوان سمجھتے ہیں''

یعنی زکوٰۃ' عُشر وغیرہ کی ادائیگی جو اسلامی نظامِ حکومت کے تحت اُن پر عائد ہوئی ہے یہ لوگ اس کو تاوان سمجھتے ہوئے بڑی ناگواری سے ادا کرتے ہیں' اس لیے کہ اس سے پہلے اس علاقے میں نہ تو کوئی ایسا نظام تھا اور نہ ہی یہ لوگ محصولات وغیرہ ادا کرنے کے عادی تھے۔

﴿وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ﴾ ''اور وہ منتظر ہیں تم لوگوں پر کسی گردشِ زمانہ کے۔''

یہ لوگ بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں کہ گردشِ زمانہ کے باعث مسلمانوں کے خلاف کچھ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن سے مدینہ کی یہ اسلامی حکومت ختم ہو جائے اور وہ ان پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔

﴿عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾﴾ ''(اصل میں) بُری گردش خود ان کے اوپر مسلّط ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

ان کی منافقت جو ان کے دلوں کا روگ بن چکی ہے' وہی اصل برائی ہے جو ان پر مسلّط ہے۔

آیت ۹۹ ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ﴾ ''اور ان بدوؤں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر' اور جو وہ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اُس کو سمجھتے ہیں اللہ کے قرب اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ۔''

یعنی یہ بادیہ نشین لوگ سب کے سب ہی کفر و نفاق پر کاربند اور انفاق فی سبیل اللہ کو تاوان سمجھنے والے نہیں ہیں' بلکہ ان میں سچے مؤمن بھی ہیں' جو نہ صرف اللہ کے راستے میں شوق سے خرچ کرتے ہیں بلکہ اِس انفاق کو وہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دین کے لیے مال خرچ کرنے سے اللہ کے رسول ﷺ کی دعائیں بھی اُن کے شاملِ حال ہو جائیں گی۔

﴿اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ' یہ (اُن کا انفاق) واقعتاً ان کے لیے باعثِ تقرب ہے۔ عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ معاف فرمانے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

آیات ۱۰۰ تا ۱۱۰

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ ؕ مَرَدُوْا عَلَى
النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ۚ وَ
اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ
التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَ قُلِ اعْمَلُوْا
فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع ۱۱ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ ع

اب اہلِ ایمان کے مابین حفظِ مراتب کا مضمون آ رہا ہے۔ ظاہر ہے کسی بھی معاشرے میں تمام انسان برابر نہیں ہوتے: ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد!

چنانچہ مدینہ کے اُس معاشرے میں بھی سب لوگ نظریات و عقائد کی پختگی کے اعتبار سے برابر نہیں تھے‘ حتیٰ کہ جو منافقین تھے وہ بھی سب ایک جیسے منافق نہیں تھے۔ چونکہ انسانی فطرت تو تبدیل نہیں ہوتی اس لیے آئندہ بھی جب کبھی کسی مسلمان معاشرے میں کوئی دینی تحریک اٹھے گی تو اُس وقت بھی اسی طرح کی صورتِ حال پیش آئے گی۔ گویا کسی بھی تنظیم یا تحریک کے ارکان کے درمیان درجہ بندی کے حوالے سے ایک واضح اور غیر مبہم ادراک کا پایا جانا انتہائی ضروری ہے۔ لہٰذا اہلِ ایمان کے مابین یہ درجہ بندی حکمتِ قرآنی کا ایک بہت اہم موضوع ہے اور اس اعتبار سے یہ آیات بہت اہم ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ﴾ ’’اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے‘ اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکوکاری کے ساتھ‘‘

﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ﴾ ’’اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے‘ اور اُس نے ان کے لیے وہ باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی‘ ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔‘‘

﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾﴾ ’’یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔‘‘

اس آیت میں اہلِ ایمان کے دو بلند ترین مراتب کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی سب سے اوپر السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور اس کے بعد ان کے پیروکار۔ (اس سے پہلے یہ مضمون ہم سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں انبیاء‘ صِدِّیقین‘ شہداء اور صالحین کے مراتب کے حوالے سے بھی پڑھ چکے ہیں۔ مگر وہاں مراتب کی درجہ بندی کسی اور اعتبار سے ہے‘ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں)۔ بنیادی طور پر مذکورہ دونوں ہی گروہوں کے لوگ فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم سے نوازے گئے ہیں۔ البتہ ان کی آپس کی درجہ بندی میں جو فرق ہے وہ ان کی طبیعت اور ہمت کے فرق کے باعث ہے۔ ان میں سے درجہ اول (السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ) پر فائز دراصل وہ لوگ ہیں جو حق کو سامنے آتے ہی فوراً

قبول کر لیتے ہیں۔ حق ان کے لیے اس قدر قیمتی متاع ہے کہ اس کی قبولیت میں ذرا سی تاخیر بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی۔ وہ اتنے باہمت لوگ ہوتے ہیں کہ قبولِ حق کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ اس کے نتائج وعواقب کے بارے میں سوچ بچار میں نہیں پڑتے۔ وہ اس خیال کو خاطر میں نہیں لاتے کہ اس کے بعد انہیں کیا کچھ چھوڑنا ہوگا اور کیا کچھ بھگتنا پڑے گا۔ نہ وہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے آگے اس راستے پر پہلے سے کوئی چل بھی رہا ہے یا نہیں' اور اگر نہیں چل رہا تو کسی اور کے آنے کا انتظار کر لیں' سب سے پہلے' اکیلے وہ کیونکر اس پُرخطر وادی میں کود پڑیں! وہ ان سب پہلوؤں پر سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتے' حق کو قبول کرنے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے' کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے' عقل کے دلائل کی منطق میں نہیں پڑتے اور ع ''ہرچہ باداباد' ما کشتی درآب انداختیم'' کے مصداق آتشِ ابتلا میں کود جاتے ہیں۔ بقولِ اقبال: ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو ان السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے اتباع میں داعیٔ حق کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ یہ بھی سلیم الفطرت لوگ ہوتے ہیں' حق کو پہلی نظر میں پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کی قبولیت کے لیے آمادہ بھی ہوتے ہیں' مگر ان میں ہمت قدرے کم ہوتی ہے۔ یہ ''ہرچہ باداباد'' والا نعرہ بلند نہیں کر سکتے اور چاہتے ہیں کہ یہ نئی پگڈنڈی ذرا راستے کی شکل اختیار کر لے' ہمارے آگے کوئی دو چار لوگ چلتے ہوئے نظر آئیں تو ہم بھی اُن کے پیچھے چل پڑیں گے۔ یعنی اس میں معاملہ نیت کے کسی خلل کا نہیں' صرف ہمت کی کمی کا ہے۔ اور وہ بھی اس لیے کہ ان کی طبائع ہی اس نہج پر بنائی گئی ہیں۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ))[۹] ''انسان (معدنیات کی) کانوں کی طرح ہیں' جیسے چاندی اور سونے کی کانیں ہوتی ہیں''۔ یعنی جس طرح معدنیات کی قسمیں ہوتی ہیں اسی طرح انسانوں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ ظاہر ہے سونا آپ کو سونے کی کچ دھات (ore) سے ہی حاصل ہوگا۔ چاندی کی ore کو خواہ کتنا ہی صاف کر لیں وہ سونا نہیں بن سکتی۔ اسی طرح انسانوں کے طبائع میں جو بنیادی فرق ہوتا ہے اس کے سبب سب انسان برابر نہیں ہو سکتے۔

بہرحال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' اور اُن کے اتباع میں حق کو قبول کرنے والے خوش نصیب لوگوں کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے' کیونکہ ان تبعین نے بھی حق کو پوری نیک نیتی سے قبول کیا ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے قبول کیا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی اور غرض' کوئی اور عامل' کوئی اور مفاد ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ بس تھوڑی سی ہمت کی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ سبقت نہ لے سکے' مگر اپنے اخلاص کی بنا پر دوسرے درجے پر فائز ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اب یہاں ایک اہم بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' مہاجرین میں سے بھی ہیں اور انصار میں سے بھی' اور تبعین میں ان کے اپنے اپنے تبعین ہیں۔ انصار چونکہ کہیں دس سال بعد ایمان لائے تھے' اس لیے اگر زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو گروہِ مہاجرین میں سے جو اصحاب تبعین قرار پائے وہ انصار کے ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' سے بہت پہلے ایمان لائے تھے' مگر اس درجہ بندی اور مراتب میں وہ ان سے پیچھے ہی رہے۔ اس لیے کہ یہاں پہلے یا بعد میں آنے کا اعتبار زمانی لحاظ سے نہیں' بلکہ یہ مزاج کا معاملہ ہے اور اس پہلے ردِعمل کا معاملہ ہے جو کسی کے مزاج سے اس وقت ظہور پذیر ہوا جب اس نے پہلی دفعہ حق کو پہچانا۔ لہٰذا اگرچہ اہل مدینہ (جو بعد میں انصار کہلائے) بہت بعد میں ایمان لائے تھے مگر ان میں بھی وہ لوگ ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' ہی قرار پائے

۹۔ صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب الارواح جنود مجندة۔

تھے جنہوں نے حق کو پہچان کر فوراً لبیک کہا' پھر نہ انہوں نے نتائج کی پروا کی اور نہ کوئی مصلحت ان کے آڑے آئی۔

آیت ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ﴾ ''اور جو تمہارے آس پاس کے بادیہ نشین ہیں ان میں منافق بھی ہیں۔''

اعلیٰ ترین مراتب والے اصحاب کے ذکر کے بعد اب بالکل نچلی سطح کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۖ﴾ ''اور اہلِ مدینہ میں بھی' جو نفاق پر اڑ چکے ہیں''

یہ وہ لوگ ہیں جن کے نفاق کا مرض اب آخری مرحلے میں پہنچ کر لاعلاج ہو چکا ہے اور اب اس مرض سے ان کے شفایاب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ منافقت کے مرض کی بھی ٹی بی کی طرح تین stages ہوتی ہیں۔ جھوٹے بہانے بنانا اس مرض کی ابتدا ہے' جبکہ بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانا دوسری سٹیج کی علامت ہے' اور جب یہ مرض تیسری اور آخری سٹیج میں پہنچتا ہے تو اس کی واضح علامت منافقین کی اہلِ ایمان کے ساتھ ضد اور دشمنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اہلِ ایمان تو دین کے تمام مطالبات خوشی خوشی پورے کرتے ہیں' جس مہم سے بچنے کے لیے منافقین بہانے تراشنے میں مصروف ہوتے ہیں اہلِ ایمان بلا حیل و حجت اس کے لیے دل و جان سے حاضر ہو جاتے ہیں۔ مؤمنینِ صادقین کا یہ رویہ منافقین کے لیے ایک عذاب سے کم نہیں ہوتا' جس کے باعث آئے دن ان کی سبکی ہوتی ہے اور آئے دن ان کی منافقت کا پول کھلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کو مسلمانوں سے نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے اور یہی اس مرض کی آخری سٹیج ہے۔

﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ ''آپ انہیں نہیں جانتے' ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے''

جیسے منافقینِ مدینہ ہر روز نئے عذاب سے گزرتے تھے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کا مطالبہ ہوتا تھا اور ہر روز انہیں جھوٹی قسمیں کھا کھا کر' جھوٹے بہانے بنا بنا کر جان چھڑانا پڑتی تھی۔ اس لحاظ سے ان کی زندگی مسلسل عذاب میں تھی۔

﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''پھر وہ لوٹا دیے جائیں گے ایک بہت بڑے عذاب کی طرف۔''

دنیا کا عذاب جتنا بھی ہو آخرت کے عذاب کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا دنیا کے عذاب جھیلتے جھیلتے ایک دن انہیں بہت بڑے عذاب کا سامنا کرنے کے لیے بھی پیش ہونا پڑے گا۔

اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ' ان کے قبعین اور پھر منافقین کے ذکر کے بعد اب کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر بھی دو الگ الگ درجوں میں ہوا ہے۔ ان میں پہلے جس گروہ کا ذکر آ رہا ہے وہ اگرچہ مخلص مسلمان تھے مگر ان میں ہمت کی کمی تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ چلنا بھی چاہتے تھے مگر چل نہیں پاتے تھے۔ کسی قدر چلتے بھی تھے مگر کبھی کوتاہی بھی ہو جاتی تھی۔ ہمت کر کے آگے بڑھتے تھے لیکن کبھی کسل مندی اور سستی کا غلبہ بھی ہو جاتا تھا۔

آیت ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں''

وہ اپنی کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے جھوٹ نہیں بولتے' جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے' جھوٹے بہانے نہیں بناتے' بلکہ کھلے عام اعتراف کر لیتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہو گئی' معمولاتِ زندگی کی مصروفیات اور اہل و عیال کی مشغولیات نے ہمیں اس قدر اُلجھایا کہ ہم دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب کر بیٹھے۔ جب غلطی کا ایسا کھلا اعتراف ہو گیا تو نفاق کا احتمال جاتا رہا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو تو

کی توفیق مل گئی۔

﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ﴾ ''انہوں نے اچھے اور بُرے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔''

وہ نیک اعمال بھی کرتے ہیں اگر کبھی کوئی غلطی بھی کر بیٹھتے ہیں۔ ایثار و انفاق بھی کرتے ہیں مگر دنیاداری کے جھمیلوں میں الجھ کر کہیں کوئی تقصیر بھی ان سے ہو جاتی ہے۔

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ایک روایت کے مطابق یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں سے سستی اور دنیاداری کی مصروفیات کے باعث یہ کوتاہی ہوئی کہ وہ غزوۂ تبوک پر نہ جا سکے' مگر جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے شدید احساسِ ندامت کے باعث رسول اللہ ﷺ کے واپس مدینہ تشریف لانے سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا کہ اب یا تو حضور ﷺ تشریف لا کر ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمائیں گے اور ہمیں اپنے دستِ مبارک سے کھولیں گے یا پھر ہم یہیں بندھے بندھے اپنی جانیں دے دیں گے۔ حضور ﷺ کی واپسی پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ نے تشریف لے جا کر انہیں کھولا اور خوشخبری سنائی کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ توبہ کرنے اور توبہ کی قبولیت کا یہ وہی اصول تھا جو ہم سورۃ النساء کی اس آیت میں پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾﴾ یعنی کوئی غلطی یا کوتاہی سرزد ہونے کے فوراً بعد انسان کے اندر ایمانی جذبات لوٹ آئیں' اسے احساسِ ندامت ہو اور وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی توبہ کو قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ مگر ان صحابؓ کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں خصوصی حکم نازل ہوا۔

آیت ۱۰۳ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ ''ان کے اموال میں سے صدقات قبول فرما لیجیے' اس (صدقے) کے ذریعے سے آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کا تزکیہ کریں گے''

روایت میں آتا ہے کہ یہ اصحابؓ اپنے اموال کے ساتھ خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہ توبہ کی قبولیت کے شکرانے کے طور پر ہم اللہ کی راہ میں یہ اموال پیش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مخلص مؤمن تھے' صرف سستی اور کمزوری کے باعث کوتاہی ہوئی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے آپ ﷺ کو یہ صدقات قبول کرنے کی اجازت فرمائی۔ جبکہ منافقین کے صدقات قبول کرنے سے آپ ﷺ کو منع فرما دیا گیا تھا۔

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ﴾ ''اور ان کے لیے دعا کیجیے' یقیناً آپ کی دعا ان کے حق میں سکون بخش ہے۔''

آپ ﷺ کی دعا ان کے لیے باعثِ اطمینان ہو گی۔ اس سے انہیں تسلی ہو جائے گی کہ اُن کی خطا معاف ہو گئی ہے اور اُن کی توبہ قبول کی جا چکی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ ''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اُن کے صدقات کو قبولیت عطا فرماتا ہے''

یعنی اللہ کے بندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ التوّاب بھی ہے اور اپنے بندوں کے صدقات کو شرفِ قبولیت بھی بخشتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وخیرات وغیرہ کے مال کو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ مگر اللہ کا اپنے بندوں پر یہ خاص احسان ہے کہ وہ ''الغنی'' ہے' بے نیاز ہے' اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں' مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں سے اُن کے نفقات وصدقات کو قبول فرماتا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ''اور یہ کہ وہ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ﴾ ''اور آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ تم عمل کرو' اب اللہ اور اُس کا رسولؐ اور اہلِ ایمان تمہارے عمل کو دیکھیں گے۔''

اب پھر سے محنت کرو' سرفروشی اور جاں فشانی کا مظاہرہ کرو' آئندہ تمہارے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا کہ مطالباتِ دین کے بارے میں تمہارا کیا رویہ ہے اور یہ کہ پھر سے کہیں کوئی کوتاہی' لغزش وغیرہ تو نہیں ہو رہی۔

﴿وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور عنقریب تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس کی طرف جو ہر غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

قیامت کے دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے' وہاں تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ جیسا کہ سورۃ الزلزال میں فرمایا گیا ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ ''تو جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے (بچشمِ خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ اسے (بچشمِ خود) دیکھ لے گا''۔ اس کے بعد وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آیت ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے معاملے کو اللہ کے فیصلے تک مؤخر کر دیا گیا ہے' چاہے انہیں عذاب دے اور چاہے تو اُن کی توبہ قبول فرما لے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

یہ ضعفاء میں سے دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہے' جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ یہ تین اصحابؓ تھے: کعب بن مالک' ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم' ان میں سے ایک صحابی حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو کُتبِ احادیث اور تفاسیر میں منقول ہے۔ مولانا مودودیؒ نے بھی تفہیم القرآن میں بخاری شریف کے حوالے سے یہ طویل حدیث نقل کی ہے۔ یہ بہت سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد مدینہ کے اُس معاشرے' حضور ﷺ کے زیرِ تربیت افراد کے اندازِ فکر اور جماعتی زندگی کے نظم وضبط کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ حیران کن بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

یہ تینوں حضرات سچے مسلمان تھے' مہم پر جانا بھی چاہتے تھے مگر سُستی کی وجہ سے تاخیر کر بیٹھے اور اس طرح وہ جانے سے رہ گئے۔ حضرت کعبؓ بن مالک خود فرماتے ہیں کہ میں اُس زمانے میں بہت صحت مند اور خوشحال تھا' میری اونٹنی بھی بہت توانا اور تیز رفتار تھی۔ جب سستی کی وجہ سے میں لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہو سکا تو بھی میرا خیال تھا کہ میں آج کل میں روانہ ہو جاؤں گا اور راستے میں لشکر

سے جاملوں گا۔ میں اسی طرح سوچتا رہا اور روانہ نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ وقت نکل گیا اور پھر ایک دن اچانک مجھے یہ احساس ہوا کہ اب خواہ میں کتنی ہی کوشش کرلوں، لشکر کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے پیچھے رہ جانے والوں کو بلا کر باز پرس شروع کی۔ منافقین آپ ﷺ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر بہانے بناتے رہے اور آپ ﷺ ان کی باتوں کو مانتے رہے۔ جب کعبؓ بن مالک کی باری آئی تو حضور ﷺ نے اُن کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ کعبؓ سچے مؤمن ہیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر چھوٹ گئے ہیں، اللہ نے مجھے بھی زبان دی ہے، میں بھی بہت سی باتیں بنا سکتا ہوں، مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا۔ میں اُن دِنوں جتنا صحت مند تھا اتنا پہلے کبھی نہ تھا، جتنا غنی اور خوشحال تھا ویسا پہلے کبھی نہ تھا۔ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا سوائے اس کے کہ شیطان نے مجھے ورغلایا اور میں تاخیر کر بیٹھا۔ ان کے باقی دو ساتھیوں نے بھی اسی طرح سچ بولا اور کوئی بہانہ نہ بنایا۔

ان تینوں حضرات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان تینوں سے بات نہ کرے اور یوں ان کا مکمل طور پر معاشرتی مقاطعہ (social boycott) ہو گیا، جو پورے پچاس دن تک جاری رہا۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں اس دوران ایک دن انہوں نے اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست سے بات کرنا چاہی تو اُس نے بھی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے اُس سے کہا کہ اللہ کے بندے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں منافق نہیں ہوں تو اُس نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ چالیس دن بعد حضور ﷺ کے حکم پر انہوں نے اپنی بیوی کو بھی علیحدہ کر دیا۔ اسی دوران والیٔ غسّان کی طرف سے انہیں ایک خط بھی ملا، جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے ساتھی آپ پر ظلم ڈھا رہے ہیں، آپ باعزت آدمی ہیں، آپ ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو ذلیل کیا جائے، لہٰذا آپ ہمارے پاس آجائیں، ہم آپ کی قدر کریں گے اور اپنے ہاں آپ کو اعلیٰ مراتب سے نوازیں گے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش تھی، مگر انہوں نے وہ خط تنور میں جھونک کر شیطان کا یہ وار بھی ناکام بنا دیا۔ اُن کی اس سزا کے پچاسویں دن اُن کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا حکم (آیت ۱۱۸ کی صورت میں) نازل ہوا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آزمائش اور ابتلا میں سرخرو فرمایا۔ بائیکاٹ کے اختتام پر ہر فرد کی طرف سے ان حضرات کے لیے خلوص و محبت کے جذبات کا جس طرح سے اظہار ہوا، اور پھر ان تینوں اصحابؓ نے اپنی آزمائش اور ابتلا کے دوران اخلاص و استقامت کی داستان جس خوبصورتی سے رقم کی، یہ ایک دینی جماعتی زندگی کی مثالی تصویر ہے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے ضرر (نقصان) اور کفر کے لیے اور اہلِ ایمان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے اور ان لوگوں کو گھات فراہم کرنے کے لیے جو پہلے سے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے جنگ کر رہے ہیں۔''

ضِرَارًا بابِ مفاعلہ سے، یعنی انہوں نے مسجد بنائی ہے ضِدّم ضِدًا مقابلے میں اور دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے کے لیے۔ یہ مسجد منافقین نے مسجد قبا کے قریبی علاقے میں بنائی تھی۔ اس کی تعمیر کے پیچھے ابو عامر راہب کا ہاتھ تھا۔ اس شخص کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ دورِ زمانہ جاہلیت میں عیسائیت قبول کر کے راہب بن گیا تھا اور عرب میں اہلِ کتاب کے ایک بہت بڑے عالم کے طور پر جانا جاتا تھا۔ ابو عامر راہب کے تقابل کے طور پر یہاں ورقہ بن نوفل راہب کا ذکر خالی از دلچسپی نہیں ہوگا۔ ورقہ بن نوفل بنیادی طور پر قرشی تھے۔

انہوں نے بھی بُت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنے زمانے کے اتنے بڑے عالم تھے کہ تورات عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ وہ بہت نیک اور سلیم الفطرت انسان تھے۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو لے کر اُن کے پاس گئیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی اور بتایا کہ آپ ﷺ کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کے پاس آتا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔ حضور ﷺ نے جب حیرت سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہاں! معاملہ ایسا ہی ہے' آپ کی دعوت کے نتیجے میں آپ کی قوم آپ کی دشمن بن جائے گی۔

مگر ابو عامر راہب کا رویہ اس کے برعکس تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا شدید ترین دشمن بن گیا۔ قریشِ مکہ کی بدر میں شکست کے بعد یہ شخص مکہ میں جا کر آباد ہو گیا اور اہلِ مکہ کو حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اُکساتا رہا۔ چنانچہ غزوۂ اُحد کے پیچھے بھی اسی شخص کی سازشیں کارفرما تھیں' بلکہ میدانِ اُحد میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اس نے لشکر سے باہر نکل کر انصارِ مدینہ کو خطاب کر کے انہیں ورغلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس کے بعد بھی تمام جنگوں میں یہ مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی انداز میں حصہ لیتا رہا' مگر حنین کی جنگ کے بعد جب اسے محسوس ہوا کہ اب جزیرہ نمائے عرب میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی تو وہ مایوس ہو کر شام چلا گیا' لیکن وہاں جا کر بھی وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ اس کے لیے اس نے منافقینِ مدینہ کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا اور اسی کے کہنے پر منافقین نے مسجدِ ضرار تعمیر کی' جو نام کو تو مسجد تھی مگر حقیقت میں سازشی عناصر کی کمین گاہ اور فتنے کا ایک مرکز تھی۔

﴿وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷﴾ ''اور وہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو نیکی ہی کا ارادہ کیا تھا' مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

اب جواب طلبی پر یہ منافقین قسمیں کھا کھا کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہماری کوئی بری نیت نہیں تھی' ہمارا ارادہ تو نیکی اور بھلائی ہی کا تھا' اصل میں دوسری مسجد ذرا دور پڑتی تھی جس کی وجہ سے ہم تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے' اس لیے ہم نے سوچا کہ اپنے محلے میں ایک مسجد بنا لیں تا کہ تمام نمازیں آسانی سے باجماعت ادا کر سکیں' وغیرہ وغیرہ۔

آیت ۱۰۸ ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔''

مسجد بنانے کے بعد یہ منافقین حضور ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ آپ مسجد میں تشریف لے آئیں تو بڑی برکت ہوگی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بروقت روک دیا کہ آپ وہاں تشریف نہ لے جائیں۔

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ﴾ ''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی' وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں (نماز پڑھیں)۔''

اس سے مراد مسجدِ قبا ہے جو قریب ہی تھی اور جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ یہ مقام اُس وقت کے مدینہ کی آبادی سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو اس مقام کو مدینہ میں آپ کے پہلے پڑاؤ کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس مقام پر قیام فرمایا تھا اور یہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸﴾ ''اس میں وہ لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک رہیں۔ اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بہت زیادہ پاک رہتے ہیں۔''

اصحابِ قبا سے جب پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کے کس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طہارت کی تعریف فرمائی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر پانی سے بھی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں طہارت کے اس معیار کی تعریف فرمائی ہے۔

آیت ﴿ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ ﴾ ''تو کیا بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد رکھی ہو اللہ کے تقویٰ اور اُس کی رضا پر، وہ بہتر ہے''

﴿ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ ''یا وہ کہ جس نے اپنی تعمیر کی بنیاد رکھی ایک ایسی کھائی کے کنارے پر جو گرا چاہتی ہے، تو وہ اُس کو لے کر گر گئی جہنم میں؟''

یعنی جب انسان کوئی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کسی مضبوط اور ٹھوس جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر وہ کسی کھوکھلی جگہ پر یا کسی کھائی وغیرہ کے کنارے پر عمارت تعمیر کرے گا تو جلد یا بدیر وہ عمارت گر کر ہی رہے گی۔ دراصل یہ منافقین کی تدبیروں اور سازشوں کی مثال ہے کہ ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے وہ جہنم کی گہری کھائی کے کنارے پر اپنی عمارتیں تعمیر کر رہے ہوں، چنانچہ وہ کنارہ خود بھی گر کر رہے گا اور اُن کو اور اُن کی تعمیرات کو بھی جہنم میں گرائے گا۔

﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

آیت ﴿ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾

''یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے رکھے گی، اِلّا یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

ان لوگوں کے دلوں کے اندر منافقت کی جڑیں اتنی گہری جا چکی ہیں کہ اس کے اثرات کا زائل ہونا اب ممکن نہیں رہا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کسی شخص کے پورے جسم میں کینسر پھیل چکا ہو تو کسی معمولی آپریشن سے وہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں اگر اس کے سارے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو تب شاید اس مرض کی جڑوں کو نکالنا ممکن ہو۔ لہٰذا ان منافقین کے دل ہمیشہ شکوک و شبہات کے اندھیروں میں ہی ڈوبے رہیں گے، انہیں ایمان و یقین کی روشنی کبھی نصیب نہیں ہو گی، اِلّا یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے کر دیے جائیں —— اگلی دو آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

آیات ۱۱۱، ۱۱۲

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ۭ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں بھی اور اُن کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

یہ دوطرفہ سودا ہے جو ایک صاحبِ ایمان بندے کا اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے۔ بندہ اپنے جان و مال بیچتا ہے اور اللہ اُس کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیتا ہے۔

﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ﴾ ''وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں' پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔''

جیسے جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر کافروں کو جہنم رسید کیا' اور میدانِ اُحد میں ستر اہلِ ایمان شہید ہو گئے۔

﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ﴾ ''یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہے سچا' تورات' انجیل اور قرآن میں۔''

یہاں بین السطور میں دراصل یہ یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ سودا اگرچہ ادھار کا سودا ہے مگر یہ ایک پختہ عہد ہے جس کو پورا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کوئی وسوسہ تمہارے دلوں میں نہ آنے پائے۔ دراصل یہ اس سوچ کا جواب ہے جو طبع بشری کی کمزوری کے سبب انسانی ذہن میں آتی ہے۔ انسان کو طبعی طور پر ''نونقد نہ تیرہ ادھار'' والا فلسفہ ہی اچھا لگتا ہے۔ ظاہر ہے انسانی سوچ کے مطابق کامیاب سودا تو وہی ہوتا ہے جو ایک ہاتھ دو اور دوسرے ہاتھ لو کے اصول کے مطابق ہو۔ مگر یہاں تو دُنیوی زندگی میں سب کچھ قربان کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور اس کے انعام کے لیے وعدۂ فردا کا انتظار کرنے کو کہا جا رہا ہے کہ اس قربانی کا انعام مرنے کے بعد آخرت میں جا کر ملے گا۔ لہٰذا ایک عام انسان تو اس ''جنتِ موعودہ'' کا ہلکا سا تصور ہی اپنے ذہن میں لا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یقین کی پختگی تو صرف خواص کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو ادھار کے اس سودے پر اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس وعدے کی توثیق تین مرتبہ ہو چکی ہے' تورات میں' انجیل میں اور پھر قرآن مجید میں بھی۔

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾﴾

''اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو وفا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جس کا سودا تم نے اُس کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔''

بَايَعْتُمْ بِهٖ یعنی آپس میں جو سودا تم نے کیا۔ مبایعت بابِ مفاعلہ بَايَعَ يُبَايِعُ (آپس میں سودا کرنا) سے ہے۔ ثلاثی مجرد میں بَاعَ يَبِيْعُ کا معنی بیچنا ہے۔ یہیں سے لفظ ''بیعت'' نکلا ہے۔ چنانچہ لفظ ''بیعت'' میں بھی خود کو بیچ دینے اور کسی کے سپرد کر دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے ہاتھ پر صحابہؓ نے جو بیعت کی تھی' اس کا مطلب یہی تھا کہ انہوں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اللہ تو چونکہ سامنے موجود نہیں تھا اس لیے بظاہر یہ بیعت حضور ﷺ کے دست مبارک پر ہوئی تھی' مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی (ﷺ) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں دراصل وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں اور وقت بیعت ان کے ہاتھوں کے اوپر ایک تیسرا غیر مرئی ہاتھ اللہ کا بھی موجود ہوتا ہے۔ (الفتح: ۱۰)

یہ سودا اور یہ بیع جس کا ذکر آیت زیر نظر میں ہوا ہے دراصل ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو یہ سودا کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور اپنے اموال بیچ دیں۔ تو جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ سودا

کرتا ہے تو اس کے اثرات کی وجہ سے اس کی شخصیت سے اعمالِ صالحہ کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ لہٰذا اس کیفیت کا نقشہ آئندہ آیت میں دکھایا گیا ہے۔

آیت ۱۱۲ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ ''توبہ کرنے والے' (اللہ کی) بندگی کرنے والے' (اللہ کی) حمد کرنے والے' دُنیوی آسائشوں سے لاتعلق رہنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے''

'سَائِحُوْنَ' کا معنی ہے ''سیاحت کرنے والے''۔ لیکن اس سے مراد محض سیر و سیاحت نہیں بلکہ عبادت و ریاضت کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہونے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ پچھلی اُمتوں میں روحانی ترقی کے لیے لوگ لذاتِ دنیوی کو ترک کر کے اور انسانی آبادیوں سے لاتعلق ہو کر جنگلوں میں چلے جاتے تھے یعنی رہبانیت اختیار کر لیتے تھے' مگر ہمارے دین میں ایسی سیاحت اور رہبانیت کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ وَلَا سِيَاحَةَ)) (۱۰) ''اسلام میں نہ رہبانیت ہے نہ سیاحت''۔ سابقہ ادیان کے برعکس اسلام نے سیاحت اور رہبانیت کا جو تصور متعارف کرایا ہے اس کی وضاحت درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ سِيَاحَةً وَاِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ' وَاِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَهْبَانِيَّةً وَرَهْبَانِيَّةُ اُمَّتِي الرِّبَاطُ فِيْ نُحُوْرِ الْعَدُوِّ)) (۱۱)

''ہر اُمت کے لیے سیاحت کا ایک طریقہ تھا اور میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے' اور ہر اُمت کی ایک رہبانیت تھی' جبکہ میری اُمت کی رہبانیت دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونا ہے۔''

ایک موقع پر ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ' مجھے سیاحت کی اجازت دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) (۱۲)

''بے شک میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''

گویا اُمتِ مُسلمہ کے لیے 'سیاحت' کا اطلاق جہاد و قتال کے لیے گھر سے نکلنے اور اس راستے میں صعوبتیں اٹھانے پر ہوگا۔

یہ چھ اوصاف جو اوپر گنوائے گئے ہیں ان کا تعلق انسانی شخصیت کے نظریاتی پہلو سے ہے۔ اب اس کے بعد تین ایسی خصوصیات کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو انسان کی عملی جِدّوجُہد سے متعلق ہیں اور دعوت و تحریک کی صورت میں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۲﴾ ''نیکی کا حکم دینے والے' بدی سے روکنے والے' اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبی ﷺ!) آپ ان اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجیے۔''

امر بالمعروف گویا دین کے لیے عملی جِدّوجُہد کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہ جِدّوجُہد جب آگے بڑھ کر نہی عن المنکر بالید کے مرحلے تک پہنچتی ہے تو پھر ان خدائی فوجداروں کی ضرورت پڑتی ہے جن کو یہاں ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اگر

۱۰۔ فتح الباری لابن رجب: ۱۰۲/۱۔ ومراسیل ابی داؤد: ۲۸۷۔
۱۱۔ مجمع الزوائد للهیثمی: ۲۸۱/۵۔ والجامع الصغیر للسیوطی' ح: ۲۴۰۸۔
۱۲۔ سنن ابی داؤد' کتاب الجهاد' باب فی النهی عن السیاحة۔ وصحیح الجامع للالبانی' ح: ۲۰۹۳۔

پوری طرح منظم ہوں تو اپنی تنظیمی طاقت کے بل پر کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ ہم اپنے معاشرے میں منکرات کا سکہ نہیں چلنے دیں گے اور کسی کو اللہ کی حدود توڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ میں اس مرحلے کے حصول میں آج باقاعدہ اجتہاد کی ضرورت ہے کہ موجودہ حالات میں نہی عن المنکر بالید کے لیے اجتماعی اور منظم جِدّوجُہد کی صورت کیا ہوگی۔

آیات ۱۱۳ تا ۱۱۸

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

آیت ۱۱۳ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ ''نبیؐ اور اہلِ ایمان کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے خواہ وہ اُن کے قرابت دار ہی ہوں''

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اس کے بعد جبکہ اُن پر واضح ہو چکا کہ وہ لوگ جہنّمی ہیں۔''

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ﴾ ''اور نہیں تھا استغفار کرنا ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے حق میں مگر ایک وعدے کی بنیاد پر جو انہوں نے اُس سے کیا تھا۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے آپؑ کو گھر سے نکالا تھا تو جاتے ہوئے آپؑ نے اُس کے لیے دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وعدے کا ذکر سورۂ مریم میں اس طرح آیا ہے: ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾﴾ ''میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی درخواست کروں گا' بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔''

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور جب آپؑ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپؑ نے اُس سے اعلانِ بیزاری کر دیا۔ یقیناً ابراہیمؑ بہت دردِ دل رکھنے والے اور حلیم الطبع تھے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام وعدے کے مطابق اپنے والد کی زندگی میں اُس کے لیے دعا کرتے رہے کہ جب تک وہ زندہ تھا تو امید تھی کہ

شاید اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کی توفیق دے دے، لیکن جب اُس کی موت واقع ہوگئی تو آپؐ نے اُس کے لیے استغفار بند کر دیا کہ زندگی میں جب وہ کفر پر ہی اَڑا رہا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ اب اُس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ﴾ ''اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ انہیں ہدایت دی ہو جب تک اُن پر واضح نہ کر دے کہ انہیں کس چیز سے بچنا ہے۔''

یہ گویا معافی کا اعلان ہے اُن لوگوں کے لیے جو اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے اپنے مشرک والدین یا رشتہ داروں کے لیے دعا کرتے رہے تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۱۵﴾ ''یقیناً اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۱۱۶﴾ ''یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہیں ہے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۱۷ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ ''اللہ مہربان ہوا نبی (ﷺ) پر اور مہاجرین و انصار پر بھی، جنہوں نے آپ کا اتباع کیا (ساتھ دیا) مشکل وقت میں''

یہ تبوک کی مہم کی طرف اشارہ ہے۔ تاریخ میں یہ مہم ''جَیْشُ الْعُسْرَۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خشک سالی کے باعث مدینہ میں قحط کا سماں تھا۔ ان حالات میں اتنے بڑے لشکر کا اتنی لمبی مسافت پر وقت کی سپر پاور سے نبرد آزما ہونے کے لیے جانا واقعی بہت بڑی آزمائش تھی۔ جو لوگ اس آزمائش میں ثابت قدم رہے، یہ ان کے لیے رحمت و شفقت کا ایک اعلانِ عام ہے۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ ''اس کے بعد کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ کجی آنے لگی تھی''

بر بنائے طبع بشری کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی انسان میں کچھ کمزوری آ ہی جاتی ہے۔ جیسے غزوۂ اُحد میں بھی دو مسلمان قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگوں کے دلوں میں عارضی طور پر تھوڑی سی کمزوری آ گئی تھی۔

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۱۱۷﴾ ''پھر اللہ نے ان پر نظرِ رحمت فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے حق میں بہت مہربان، رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۱۱۸ ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ﴾ ''اور ان تین پر بھی (اللہ نے رحمت کی نگاہ کی) جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔''

یہ تین صحابہ کعب بن مالک، ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کے لیے اعلانِ معافی ہے۔ ان تین اصحابؓ کا ذکر قبل ازیں آیت ۱۰۶ میں آیا ہے۔ وہاں ان کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ پچاس دن کے معاشرتی مقاطعہ کی سزا کے بعد ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا گیا اور انہیں اس حکم کی صورت میں قبولیتِ توبہ کی سند عطا ہوئی۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ﴾ ''یہاں تک کہ زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود اُن پر تنگ پڑ گئی اور اُن پر اپنی جانیں بھی بوجھ بن گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی اور جائے پناہ ہے ہی نہیں۔''

انسان کی اس کیفیت کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بچہ ماں سے پٹنے کے بعد اُسی سے لپٹتا ہے۔ اللہ کے بندوں پر بھی اگر اللہ کی طرف سے سختی آتی ہے' کوئی سزا ملتی ہے تو نہ صرف وہ اس سختی کو خوش دلی اور صبر سے برداشت کرتے ہیں' بلکہ پناہ کے لیے رجوع بھی اُسی کی طرف کرتے ہیں' کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ انہیں پناہ ملے گی تو اُسی کے حضور ملے گی' اور اگر ان کے دکھوں کا مداوا ہوگا تو اُسی کی جناب سے ہوگا۔ علامہ اقبالؔ نے اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے: ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو' ترے عفوِ بندہ نواز میں

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۱۸﴾ ''تو اُس نے اُن کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ بھی پھر متوجہ ہو جائیں۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

تاکہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیں اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کر لیں۔

آیات ۱۱۹ تا ۱۲۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَــــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰ۙ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۱ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝۱۲۲ۧ

آیت ۱۱۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹﴾ ''اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔''

یہ گویا اہلِ ایمان کے لیے جماعتی زندگی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور جماعتی زندگی سے منسلک رہنے کے بہت سے فوائد اور بہت سی برکتیں ہیں' جیسا کہ اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام کی آیت ۷۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ﴾ ''اُس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ آؤ ہماری طرف!'' جماعتی زندگی دراصل ایک قافلے کی مانند ہے۔ قافلے میں دورانِ سفر اگر کسی ساتھی کی ہمت جواب دے رہی ہو یا کوئی معذوری آڑے آ رہی ہو تو دوسرے ساتھی اسے سہارا دینے' ہاتھ پکڑنے اور ہمت بندھانے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔

آیت ۱۲۰ ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا

بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ''اہلِ مدینہ اور ان کے اردگرد کے بدو لوگوں کے لیے روا نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہتے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو آپؐ کی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے۔''

غزوۂ تبوک کے لیے نکلتے ہوئے مدینہ کے ماحول میں ''تپتی راہیں مجھ کو پکاریں' دامن پکڑے چھاؤں گھنیری'' والا معاملہ تھا۔ لہٰذا جب اللہ کے رسول ﷺ ان تپتی راہوں کی طرف کوچ فرما رہے تھے تو کسی ایمان کے دعویدار کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے رہ جائے' آپؐ کی جان سے بڑھ کر اپنی جان کی عافیت کی فکر کرے اور آپؐ کے سفر کی صعوبتوں پر اپنی آسائشوں کو ترجیح دے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ﴾ ''یہ اس لیے کہ انہیں پیاس' مشقت اور فاقے کی (صورت میں) جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اللہ کی راہ میں' اور جہاں کہیں بھی وہ قدم رکھتے ہیں کفار (کے دلوں) کو جلاتے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں کوئی بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں' تو اُن کے لیے اس (سب کچھ) کے عوض نیکیوں کا اندراج ہوتا رہتا ہے۔''

اہلِ ایمان جب اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں تو ان کی ہر مشقت اور ہر تکلیف کے عوض اللہ تعالیٰ ان کے نیکیوں کے ذخیرہ میں مسلسل اضافہ فرماتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰﴾ ''یقیناً اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

آیت ۱۲۱ ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ ''اور جو بھی وہ خرچ کرتے ہیں کوئی نفقہ' چھوٹا ہو یا بڑا اور طے کرتے ہیں کوئی وادی تو (اُن کا ایک ایک عمل) اُن کے لیے لکھ لیا جاتا ہے''

﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۱﴾ ''تاکہ اللہ بدلہ دے انہیں بہت ہی عمدہ اس کا جو عمل وہ کرتے رہے۔''

آیت ۱۲۲ ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ﴾ ''اور اہلِ ایمان کے لیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ سب کے سب نکل آئیں۔''

مدینہ کے مضافات میں بسنے والے بدو قبائل کا تذکرہ پچھلی آیات میں ہو چکا ہے: ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا ... ۝۹۷﴾ یہ بدو لوگ کفر اور نفاق میں بہت زیادہ سخت تھے اور اس کا سبب علمِ دین سے ان کی ناواقفیت تھی۔ اس لیے کہ انہیں حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اب اس کے لیے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ سارے بادیہ نشین لوگ اپنی اپنی آبادیاں چھوڑتے اور مدینہ میں آ کر آباد ہو جاتے۔ چنانچہ یہاں اس مسئلے کا حل بتایا جا رہا ہے۔

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ ''تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ نکلتا اُن کی ہر جماعت میں سے ایک گروہ تاکہ وہ دین کا فہم حاصل کرتے''

چنانچہ مذکورہ مشکل کا حل یہ بتایا گیا کہ ہر علاقے اور ہر قبیلے سے چند لوگ آئیں اور صحبتِ نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوں۔

﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝۱۲۲﴾ ''اور وہ اپنے لوگوں کو خبردار کرتے جب ان کی

طرف واپس لوٹتے تاکہ وہ بھی نافرمانی سے بچتے۔''

یہاں اس سلسلے میں باقاعدہ ایک نظام وضع کرنے کی ہدایت کر دی گئی کہ مختلف علاقوں سے قبائل کے نمائندے آئیں' مدینہ میں قیام کریں' رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہیں' اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت سے استفادہ کریں' احکامِ دین کو سمجھیں اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر اس تعلیم کو عام کریں۔

آیات ۱۲۳ تا ۱۲۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۳ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۱۲۴ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۲۵ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۲۶ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۲۷ لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۡ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۱۲۹ ع

آیت ۱۲۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ﴾ ''اے اہل ایمان! جنگ کرو ان کافروں سے جو تم سے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔''

اس حکم میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے بین الاقوامی اور آفاقی دور کے آغاز کی طرف اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! اب اس دعوت کو چہار سُو پھیلنا ہے اور دارالاسلام کی سرحدوں کو وسیع ہونا ہے۔ چنانچہ تم لوگ آگے بڑھو اور اسلامی حکومت کی سرحدوں پر جو کفار بستے ہیں ان سے قتال کرو' پھر جیسے جیسے یہ سرحدیں آگے بڑھتی جائیں تمہارے قتال کا سلسلہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا جائے' حتیٰ کہ اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آ جائے۔ واضح رہے کہ سورۃ الانفال کی اس آیت میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک قتال جاری رکھنے کا حکم ہوا تھا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (آیت ۳۹) یعنی جب تک جزیرہ نمائے عرب سے کفر و شرک کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور اللہ کا دین اس پورے علاقے میں غالب نہیں ہو جاتا یہ جنگ جاری رہے گی۔ بہرحال آیت زیر نظر میں غلبۂ دین کے لیے بین الاقوامی سطح پر جدّ و جُہد کے لیے اللہ تعالیٰ کا واضح حکم اور اسلام کا چارٹر موجود ہے۔ اسی چارٹر پر عمل کرتے ہوئے جزیرہ نمائے عرب سے اسلامی افواج جہاد کے لیے نکلی تھیں اور پھر اسلامی سرحدوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تھا۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۳﴾ ''اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''

آیت ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض (منافقین آپس میں) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟''

سورۃ الانفال کی آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ منافقین اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر طنز و استہزاء کرتے تھے اور حضور ﷺ کی طرف سے جب بھی کوئی تازہ وحی سنائی جاتی تو اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے کہ ہاں بھئی اس سورت کو سن کر آج کس کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ ''تو جو لوگ واقعی ایمان والے ہیں وہ ان کے ایمان میں تو یقیناً اضافہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر حقیقی مؤمنین کے ایمان میں یقیناً اضافہ بھی ہوتا ہے اور وہ ہر وحی کے نازل ہونے پر خوشیاں بھی مناتے ہیں کہ اللہ نے اپنے کلام سے مزید انہیں نوازا ہے اور ان کے ایمان کو جلا بخشی ہے۔

آیت ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝﴾ ''رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے تو وہ ان (کے اندر) کی گندگی پر مزید گندگی کا اضافہ کر دیتی ہے اور وہ مرتے ہیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہوتے ہیں۔''

آیت ﴿اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ ''کیا یہ (منافقین) دیکھتے نہیں ہیں کہ ہر سال انہیں آزمایا جاتا ہے ایک بار یا دو بار''

قتال کا مرحلہ ہو یا کسی اور آزمائش کا موقع، وقفے وقفے سے سال میں ایک دو مرتبہ منافقین کے امتحان کا سامان ہو ہی جاتا ہے جس سے ان کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا رہتا ہے۔

﴿ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾ ''پھر بھی نہ تو یہ لوگ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت اخذ کرتے ہیں۔''

آیت ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں''

جب قتال کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں موجود منافقین کنکھیوں سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہیں۔

﴿هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ﴾ ''کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا' پھر وہ وہاں سے کھسک جاتے ہیں۔''

﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ ''(دراصل) اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے' اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔''

اس سورت کی آخری دو آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔

آیت ﴿لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ''(اے لوگو دیکھو!) آ چکا ہے تمہارے

پاس تم ہی میں سے ایک رسول، بہت بھاری گزرتی ہے آپؐ پر تمہاری تکلیف"

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شے جو تمہیں مصیبت اور ہلاکت سے دوچار کرنے والی ہو ہمارے رسول (ﷺ) کے دل پر نہایت گراں گزرتی ہے۔ آپ ﷺ تم لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں کی ہلاکتوں اور مصیبتوں سے محفوظ اور دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں۔

﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾﴾ "تمہارے حق میں آپؐ (بھلائی کے) بہت حریص ہیں، اہل ایمان کے لیے شفیق بھی ہیں، رحیم بھی۔"

آپ ﷺ کی شدید خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خیر، ساری خوبیاں اور تمام بھلائیاں تم لوگوں کو عطا فرما دے۔

آیت ۱۲۹ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ "پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾﴾ "اُسی پر میں نے توکل کیا اور وہ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔"

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے عرش کی کیفیت اور عظمت ہمارے تصور سے بہت بالا ہے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم، ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم○○

سُوْرَۃُ یُوْنُسَ

تمہیدی کلمات

سورۂ یونس کے آغاز کے ساتھ ہی قرآن حکیم کی تیسری منزل بھی شروع ہو رہی ہے اور یہیں سے مکّی مدنی سورتوں کے تیسرے گروپ کا آغاز بھی ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کا یہ مقام گویا ''قِران السّعدین'' ہے۔ مکّی سورتوں کا یہ سلسلہ جو سورۂ یونس سے شروع ہو کر سورۃ المؤمنون (اٹھارہویں پارہ) تک پھیلا ہوا ہے' حجم کے اعتبار سے طویل ترین ہے۔ (البتہ تیسویں پارے کی سورتیں چونکہ چھوٹی چھوٹی ہیں اس لیے تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ مکّی سورتیں آخری گروپ میں ہیں۔) اس گروپ میں شامل سورۃ الحجر اور سورۃ الحج کے بارے میں بعض مفسّرین کی رائے ہے کہ یہ دونوں مدنیات ہیں' مگر اس سلسلے میں مجھے اُن مفسّرین سے اتفاق ہے جو ان دونوں کو مکّیات مانتے ہیں۔

ان پہلے تین گروپس میں شامل سورتوں کی مکّی اور مدنی تقسیم کے حوالے سے بات کی جائے تو جس طرح پہلے گروپ میں سورۃ البقرۃ سے لے کر سورۃ المائدۃ تک سوا چھ پاروں پر مشتمل چھ سورتیں مدنی تھیں' اسی طرح اب اس گروپ میں آئندہ سات پاروں پر مشتمل مسلسل چودہ سورتیں مکّی ہیں' جب کہ درمیانی گروپ دو مکّی (الانعام اور الاعراف) اور دو مدنی (الانفال اور التوبہ) سورتوں پر مشتمل تھا۔

اس گروپ کی ان چودہ سورتوں میں اکثر و بیشتر تین تین سورتوں کے ذیلی گروپ بھی بنتے ہیں' جن میں سے ہر گروپ کی پہلی دو سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت پائی جاتی ہے' جبکہ تیسری سورت منفرد ہے۔ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تین سورتیں نسبتاً طویل ہیں' ان کے بعد تین نسبتاً چھوٹی سورتوں کا ایک ذیلی گروپ ہے اور اس کے بعد پھر تین سورتوں کا ایک ذیلی گروپ ہے جو قدرے طویل ہیں۔ پہلا ذیلی گروپ سورۂ یونس' سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پر مشتمل ہے۔ ان میں سورۂ یونس اور سورۂ ہود کا آپس میں زوجیت کا بالکل ویسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس کے گیارہ رکوعوں میں سے صرف دو رکوع انباء الرّسل سے متعلق ہیں اور باقی نو رکوع التذکیر بآلاء اللہ پر مشتمل ہیں' جبکہ دوسری طرف سورۂ ہود کے دس رکوعوں میں سے ساڑھے چھ رکوع انباء الرسل (التذکیر بایام اللہ) سے متعلق ہیں اور صرف ساڑھے تین رکوعوں میں دوسرے مضامین ہیں' جن میں کُفّار کے ساتھ ردّوقدح بھی ہے اور التذکیر بآلاء اللہ کا مضمون بھی ہے۔ اس ذیلی گروپ میں سورۂ یوسف کی حیثیت گویا ایک ضمیمے کی ہے' جو ان سے الگ اور بالکل منفرد ہے۔

سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں زوجیت کے تعلق میں ایک عجیب متلازم (reciprocal) نسبت بھی ہے کہ سورۂ یونس میں انباء الرّسل کے دو رکوعوں میں سے صرف آدھے رکوع (چند آیات) میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے اور باقی ڈیڑھ رکوع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے' جبکہ درمیان کے کسی رسول کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے بالکل برعکس سورۂ ہود میں پورے دو رکوع حضرت

نوح علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ یہ مقام حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے اعتبار سے پورے قرآن میں جامع ترین بھی ہے اور افضل بھی۔ (اگرچہ انتیسویں پارے میں سورۂ نوح مکمل آپؑ ہی کے ذکر پر مشتمل ہے' مگر وہاں وہ تفاصیل نہیں ہیں جو یہاں پر ہیں۔) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس سورت میں چند آیات میں صرف حوالے کے لیے ہی آیا ہے' جبکہ درمیان میں انباء الرسل کے سلسلے میں ایک ایک رکوع میں ایک ایک رسولؑ کا ذکر ہے۔

آیات ۱ تا ۱۰

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا: ۱۰۹ رُكُوْعَاتُهَا: ۱۱

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ
اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ
هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّ
الْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا
بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا وَرَضُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ
وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

آیت ۱ ﴿الٓرٰ﴾ ''اَلٓ رٰ''

یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ یہاں پر ایک قابلِ ذکر نکتہ یہ ہے کہ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ' سورۂ آلِ عمران اور سورۃ الاعراف تین سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات (الٓمّٓ ' الٓمّٓصٓ) سے ہوتا ہے اور ان تینوں مقامات پر حروفِ مقطعات پر آیت مکمل ہو جاتی ہے' مگر یہاں ان حروف پر آیت مکمل نہیں ہو رہی ہے' بلکہ یہ پہلی آیت کا حصہ ہیں۔ بہرحال یہ تو توقیفی امور (حضور ﷺ کے بتانے پر موقوف) ہیں۔ گرامر' منطق' نحو' بیان وغیرہ کے کسی اصول یا قاعدے کو یہاں دخل نہیں ہے۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ①﴾ ''یہ بڑی حکمت بھری کتاب کی آیات ہیں۔''

آیت ① ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ ''کیا لوگوں کو بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم نے وحی بھیج دی ایک شخص پر انہی میں سے''

﴿اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ﴾ ''کہ آپؐ لوگوں کو خبردار کر دیجیے اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہت اونچا مرتبہ ہے۔''

﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ②﴾ ''(اس پر) کافروں نے کہا کہ یہ تو ایک کھلا جادوگر ہے۔''

یعنی یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ اس منصب کے لیے انسانوں میں سے جس کو چاہے پسند فرما کر منتخب کر لے۔ اگر اس نے محمد ﷺ کا انتخاب کر کے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی انذار اور تبشیر کی خدمت پر مامور کیا ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے!

آیت ② ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ ''یقیناً تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی چھ دنوں میں''

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ﴾ ''پھر وہ عرش پر متمکن ہو گیا' (اور) وہ تدبیر کرتا ہے ہر معاملہ کی۔''

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور منصوبہ بندی کے مطابق پوری کائنات کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے بابِ اول میں اللہ تعالیٰ کے تین افعال کے بارے میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے: (۱) ابداع (creation ex nehilo) یعنی کسی چیز کو عدم محض سے وجود بخشنا' (۲) خلق' یعنی کسی چیز سے کوئی دوسری چیز بنانا' اور (۳) تدبیر' یعنی اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق کائناتی نظام کی منصوبہ بندی (planning) فرمانا۔

﴿مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ﴾ ''نہیں ہے کوئی بھی شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت کے بعد۔''

کوئی اُس کا اذن حاصل کیے بغیر اُس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے آیت الکرسی (سورۃ البقرۃ) میں بھی شفاعت کے بارے میں اسی نوعیت کا استثناء آ چکا ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③﴾ ''وہ ہے اللہ تمہارا رب' پس تم اسی کی بندگی کرو۔ تو کیا تم نصیحت اخذ نہیں کرتے!''

آیت ③ ﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ﴾ ''تم سب کا لوٹنا اُسی کی جانب ہے۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔''

﴿اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ ''وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے' پھر وہی اس کا اعادہ کر دے گا''

پہلے پہل کسی کام کا کرنا یا ابتدائی طور پر کسی چیز کو تخلیق کرنا مشکل ہوتا ہے جبکہ اس کا اعادہ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ یہ ایک معقول اور منطقی بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سب کچھ پیدا فرمایا ہے اور پہلی بار اسے اس تخلیق میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو جائے گا! بہرحال وہ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا:

﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ﴾ ''تاکہ وہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں

نے اچھے عمل کیے انصاف کے ساتھ۔''

وہ اہلِ ایمان جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے دین کے لیے ایثار کیا ہے‘ ان کی قربانیوں اور مشقتوں کے بدلے میں انہیں انعامات سے نوازا جائے گا اور ان کے ان اعمال کی پوری پوری قدر کی جائے گی۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے پینے کے لیے ہوگا کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب‘ اس کفر کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے۔''

آیت ۵ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ ''وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمکدار اور چاند کو نور''

یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ سورج کے اندر جاری احتراق یعنی جلنے (combustion) کے عمل کی وجہ سے جو روشنی پیدا (generate) ہو رہی ہے اس کے لیے ''ضیاء'' جبکہ منعکس (reflect) ہو کر آنے والی روشنی کے لیے ''نور'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورج اور چاند کی روشنی کے لیے قرآن حکیم نے دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں‘ اس لیے کہ سورج کی اپنی چمک ہے اور چاند کی روشنی ایک انعکاس ہے۔

﴿وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ﴾ ''اور اُس نے اس (چاند) کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تمہیں معلوم ہو گنتی برسوں کی اور تم (معاملاتِ زندگی میں) حساب کر سکو۔''

﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵﴾ ''اللہ نے یہ سب کچھ پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ‘ اور وہ تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنا چاہیں۔''

یعنی یہ کائنات ایک بے مقصد تخلیق نہیں بلکہ ایک سنجیدہ‘ بامقصد اور نتیجہ خیز تخلیق ہے۔

آیت ۶ ﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶﴾ ''یقیناً رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے بنایا ہے آسمانوں میں اور زمین میں‘ یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جن کے اندر تقویٰ ہے۔''

ان نشانیوں سے وہی لوگ سبق حاصل کر کے مستفیض ہو سکتے ہیں جن کے اندر خوفِ خدا ہے اور ان کی اخلاقی حس بیدار ہوتی ہے۔

آیت ۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں''

یہاں پر یہ نکتہ نوٹ کریں کہ یہ الفاظ اس سورت میں بار بار دہرائے جائیں گے۔ اصل میں یہ ایسی انسانی سوچ اور نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق انسانی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ انسان کو غور کرنا چاہیے کہ یہ انسانی زندگی جو ہم اس دنیا میں گزار رہے ہیں اس کی اصل حقیقت کیا ہے! اسے محاورۃً ''چار دن کی زندگی'' قرار دیا جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر سے منسوب اس شعر میں بھی کہا گیا ہے ؎

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن　　دو آرزو میں کٹ گئے‘ دو انتظار میں!

اگر انسان اس دُنیا میں طویل طبعی عمر بھی پائے تو اس کا ایک حصہ بچپن کی ناسمجھی اور کھیل کود میں ضائع ہو جاتا ہے۔ شعور اور جوانی کی عمر کا تھوڑا سا وقفہ اس کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ اس کے بعد جلد ہی بڑھاپا اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ﴿لِكَيْ لَا

یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡئًا ؕ﴾ (النحل: ۷۰) کی جیتی جاگتی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ تو کیا انسانی زندگی کی حقیقت بس یہی ہے؟ اور کیا اتنی سی زندگی کے لیے ہی انسان کو اشرف المخلوقات کا لقب دیا جاتا ہے؟ انسان غور کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ انسانی زندگی محض ہمارے سامنے کے چند ماہ و سال کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے کا نام ہے۔ علامہ اقبالؔ کے بقول: ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی!

اور اقبالؔ ہی نے اس سلسلے میں انسانی نا سمجھی اور کم ظرفی کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے: ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے!

اس لامتناہی سلسلۂ زندگی میں سے ایک انتہائی مختصر اور عارضی وقفہ یہ دُنیوی زندگی ہے جو اللہ نے انسان کو آزمانے اور جانچنے کے لیے عطا کی ہے: ﴿اَلَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک: ۲)۔ جبکہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور وہ بہت طویل ہے۔ جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿وَ اِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ لَہِیَ الۡحَیَوَانُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!'' مگر وہ لوگ جن کا ذہنی اُفق تنگ اور سوچ محدود ہے، وہ اسی عارضی اور مختصر وقفۂ زندگی کو اصل زندگی سمجھ کر اس کی رعنائیوں پر فریفتہ اور اس کی رنگینیوں میں گم رہتے ہیں۔ بقولِ علامہ اقبالؔ:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

اصل اور دائمی زندگی کی عظمت اور حقیقت ایسے لوگوں کی نظروں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے۔

﴿وَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ اطۡمَاَنُّوۡا بِہَا وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ۙ﴿۷﴾﴾ ''اور وہ دنیا کی زندگی پر ہی راضی اور اسی پر مطمئن ہیں، اور جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔''

انسانوں کے اندر اور باہر اللہ کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں اور ان کی فطرت انہیں بار بار دعوتِ فکر بھی دیتی ہے: ؎

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ! مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

مگر وہ لوگ شہواتِ نفسانی کے چکروں میں اس حد تک غلطاں و پیچاں ہیں کہ انہیں آنکھ کھول کر انفس و آفاق میں بکھری ہوئی ان لاتعداد آیاتِ الٰہی کو ایک نظر دیکھنے کی فرصت ہے نہ توفیق۔

﴿اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ آگ ہے، اپنی اس کمائی کے سبب جو وہ کر رہے ہیں۔''

جس شخص نے اپنی پوری دُنیوی زندگی میں نہ اللہ کی طرف رجوع کیا اور نہ آخرت ہی کی کچھ فکر کی، ساری عمر بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست، جیسے نعرے کو اپنا ماٹو بنائے رکھا، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی قیود سے بے نیاز ہو کر جھوٹی مسرتیں اور عارضی خوشیاں جہاں سے ملیں، جس قیمت پر ملیں حاصل کر لیں، تو ایسے شخص کا آخری ٹھکانہ آگ کے سوا بھلا اور کہاں ہو سکتا ہے!

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ ۚ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۹﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، ان کا رب ان کے ایمان کے باعث ان کو پہنچا دے گا نعمتوں والے باغات میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔''

آیت ۱۰ ﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ ''اس میں ان کا ترانہ ہوگا: اے اللہ تُو پاک ہے''

وہ لوگ جنّت کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و مناجات کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تُو ہر ضعف سے پاک ہے، ہر عیب اور ہر نقص سے مبرّا ہے اور احتیاج کے ہر تصوّر سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

﴿وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ﴾ ''اور اس میں ان کی (آپس کی) دعا 'سلام' ہوگی۔''

اہلِ جنّت آپس میں ایک دوسرے کو ملتے ہوئے السّلام علیکم کے الفاظ کہیں گے، اس طرح وہاں ہر طرف سے سلام، سلام کی آوازیں آ رہی ہوں گی۔ جیسے سورۃ الواقعہ میں فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝۲۵ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝۲۶﴾ ''وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ وہاں ان کا کلام سلام سلام ہوگا۔''

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰﴾ ''اور ان کی دعا اور مناجات کا اختتام (ہمیشہ ان کلمات پر) ہوگا کہ کُل حمد اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

آیات ۱۱ تا ۲۰

وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ
لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ
قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ
لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ
خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ
قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ
اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ
فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۷ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ
يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي
الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۸ وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ
وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۹ وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ لَاۤ
ع اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۲۰

آیت ۱۱ ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾ ''اور اگر اللہ جلدی کر دیتا لوگوں کے لیے شر جیسے کہ وہ جلدی چاہتے ہیں خیر''

انسان جلد باز ہے' وہ چاہتا ہے کہ اس کی کوششوں کے نتائج جلد از جلد اس کے سامنے آ جائیں۔ مگر اللہ تو بڑا حکیم ہے' اس نے ہر کام اور ہر واقعہ کے لیے اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس کام میں خیر ہے اور کس میں خیر نہیں ہے۔ اگر اللہ انسان کی غلطیوں اور برائیوں کے بدلے اور نتائج بھی فوراً ہی ان کے سامنے رکھ دیا کرتا اور ان کے جرائم کی سزائیں بھی فوراً ہی ان کو دے دیا کرتا تو:

﴿لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ﴾ ''اُن کی اجل پوری ہو چکی ہوتی''

یعنی ان کی مہلتِ عمر کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔

﴿فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱﴾ ''پھر ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیں گے جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں' کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر بڑھتے چلے جائیں۔''

پھر وہی بات دہرائی گئی ہے۔ اس انداز میں ایک شانِ استغناء ہے کہ اگر وہ ہمیں ملنے کے امیدوار نہیں تو ہماری نظرِ التفات کو بھی اُن سے کوئی دلچسپی نہیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ﴾ ''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے پہلو کے بل (لیٹے ہوئے) یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے۔''

﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ﴾ ''پھر جب ہم اُس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے چل دیتا ہے جیسے اُس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا کوئی تکلیف پہنچنے پر۔''

﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲﴾ ''ایسے ہی مزین کر دیا گیا ہے ان حد سے بڑھنے والوں کے لیے ان کے اعمال کو۔''

ان کے اندر اتنی ڈھٹائی پیدا ہو گئی ہے کہ ذرا تکلیف آ جائے تو گڑگڑا کر دعائیں مانگیں گے' ہر حال میں ہمیں پکاریں گے اور گریہ وزاری میں راتیں گزار دیں گے۔ لیکن جب وہ تکلیف رفع ہو جائے گی تو ایسے بھول جائیں گے گویا ہمیں جانتے ہی نہیں۔

آیت ۱۳ ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ﴾ ''اور ہم تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سی نسلوں اور قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی''

﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ﴾ ''اور اُن کے پاس (بھی) آئے تھے اُن کے رسول واضح تعلیمات لے کر' لیکن وہ نہیں تھے ایمان لانے والے۔''

﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۳﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو۔''

آیت ۱۴ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴﴾ ''پھر اُن کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں جانشین بنا دیا' تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیا کرتے ہو!''

یہاں ہر شخص انفرادی طور پر بھی اپنی محدود عمر میں امتحان دے رہا ہے اور قومیں اور اُمتیں بھی اپنے اپنے وقفۂ مہلت میں اس امتحان گاہ سے گزر رہی ہیں۔ علامہ اقبالؔ کے بقول: ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب　　اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

آیت ۱۵ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ﴾ ''اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں ہماری روشن آیات تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں کہ (اے محمد ﷺ) اس کے علاوہ آپؐ کوئی اور قرآن پیش کریں یا اس میں کوئی ترمیم کریں۔''

یہاں وہی الفاظ پھر دہرائے جا رہے ہیں' یعنی جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ ہمارے کلام کو سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں اور کبھی سن بھی لیتے ہیں تو استہزائیہ انداز میں جواب دیتے ہیں کہ یہ قرآن بہت سخت (rigid) ہے' اس کے احکام ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اس میں کچھ مداہنت (compromise) کا انداز ہونا چاہیے' کچھ دو اور کچھ لو (give and take) کے اصول پر بات ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ (ﷺ) اس کتاب میں کچھ کمی بیشی کریں تو پھر اس کی کچھ باتیں ہم بھی مان لیں گے۔

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میرے لیے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر لوں' میں تو پیروی کرتا ہوں اُسی کی جو میری طرف وحی کیا جا رہا ہے۔''

میں تو خود وحیٔ الٰہی کا پابند ہوں۔ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی' کوئی ترمیم و تنسیخ کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔

﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵﴾ ''میں ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے' اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔''

آیت ۱۶ ﴿قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ﴾ ''آپؐ (ان سے) کہیے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر سناتا اور نہ وہ تمہیں اس سے واقف کرتا''

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶﴾ ''میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اس سے پہلے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے!''

میں پچھلے چالیس برس سے تمہارے درمیان زندگی بسر کر رہا ہوں۔ تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں شاعر نہیں ہوں' تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کاہن یا جادوگر بھی نہیں ہوں' تمہیں یہ بھی علم ہے کہ مجھے ان چیزوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی اور میں نے ان چیزوں کو سیکھنے کے لیے کبھی مشق یا ریاضت بھی نہیں کی۔ تم اس حقیقت کو بھی خوب سمجھتے ہو کہ کوئی شخص ایک دن میں کبھی شاعر یا کاہن نہیں بن جاتا۔ ان تمام حقائق کا علم رکھنے کے باوجود بھی تم مجھے ایسے الزامات دیتے ہو' تو کیا تم لوگ تعصب کی بنا پر عقل سے بالکل ہی عاری ہو گئے ہو؟

آیت ۱۷ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ﴾ ''تو اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جس نے اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کی یا جھٹلایا اُس کی آیات کو!''

یعنی یہ قرآن جو میں تم لوگوں کو سنا رہا ہوں' اگر یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور میں اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں' اور اگر یہ واقعتاً اللہ کی آیات ہیں تو تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اللہ کی آیات کو جھٹلا دے' اُس سے بڑھ کر ظالم اور گنہگار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب اس معیارِ حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ اور اپنے عمل کا جائزہ لے اور دیکھے کہ وہ کون سی روش اختیار کر رہا ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''یقیناً مجرم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے۔''

آیت ۱۸ ﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''اور یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں' اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں۔''

اس سے مشرکینِ مکہ کا بنیادی عقیدہ ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ لوگ مانتے تھے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے۔ وہ اپنے بُتوں کو کائنات کا خالق و مالک نہیں بلکہ اللہ کے قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ جن ہستیوں کے نام پر یہ بُت بنائے گئے ہیں وہ ہستیاں اللہ کے ہاں بہت مقرب اور محبوب ہونے کے باعث اس کے ہاں ہماری سفارش کریں گی۔

﴿قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے کہ کیا تم اللہ کو بتانا چاہتے ہو وہ شے جو وہ نہیں جانتا' نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں؟''

کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دینا چاہتے ہو جس کا اُس کو خود پتا نہیں؟ یہ وہی بات ہے جو آیۃ الکرسی کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے کہ ایسی کسی شفاعت کا آخر جواز کیا ہوگا؟ اللہ تو غائب اور حاضر سب کچھ جاننے والا ہے: ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ﴾۔ تو پھر آخر کوئی سفارشی اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر کیا کہے گا؟ کس بنیاد پر وہ کسی کی سفارش کرے گا؟ کیا وہ یہ کہے گا کہ اے اللہ! تُو اس آدمی کو ٹھیک سے نہیں جانتا' مَیں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں' یہ بہت اچھا اور نیک آدمی ہے! تو کیا وہ اللہ کو وہ کچھ بتانا چاہے گا (معاذ اللہ) جس کو وہ خود نہیں جانتا؟

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''وہ بہت پاک اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔''

آیت ۱۹ ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ﴾ ''اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی اُمت' پھر (بعد میں) انہوں نے اختلاف کیا۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں کی نسل چلی ہے' چنانچہ جس طرح تمام انسان نسلاً ایک تھے اسی طرح نظریاتی طور پر بھی وہ سب ایک ہی اُمت تھے۔ بنی نوعِ انسان کے مابین تمام نظریاتی اختلافات بعد کی پیداوار ہیں۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے سے طے نہ پا چکی ہوتی''

اللہ تعالیٰ نے ہر فرد اور ہر قوم کے لیے ایک اجل مقرر فرما دی ہے۔ اسی طرح پوری کائنات کی اجل بھی طے شدہ ہے۔ اگر یہ سب کچھ طے نہ ہو چکا ہوتا:

﴿لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے مابین ان تمام چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔''

آیت ﴿وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتاری گئی کوئی نشانی (معجزہ) اس (رسولؐ) پر اس کے رب کی طرف سے؟''

﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۲۰﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے' پس انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔''

اپنی اس ضد اور ہٹ دھرمی کے بعد انتظار کرو کہ مشیتِ ایزدی سے کب' کیا شے ظہور میں آتی ہے۔

آیات ۲۱ تا ۲۴

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۲۲ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۳ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۴

آیت ﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ﴾ ''اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں اُس تکلیف کے بعد جو ان پر آ گئی تھی تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔''

پہلی اُمتوں میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اہلِ مکہ پر بھی چھوٹی چھوٹی تکالیف آتی رہی ہیں' جیسے روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں شدید نوعیت کا قحط پڑ گیا تھا۔ ایسے حالات میں مشرکینِ مکہ کچھ نرم پڑ جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس آ کر بیٹھتے بھی تھے اور آپ ﷺ کی باتیں بھی سنتے تھے۔ مگر جونہی تکلیف رفع ہو جاتی تو وہ پھر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف سازشیں شروع کر دیتے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱﴾ ''آپؐ کہیے کہ اللہ اپنی تدبیروں میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ یقیناً ہمارے فرشتے لکھ رہے ہیں جو کچھ بھی سازشیں تم لوگ کر رہے ہو۔''

آیت ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ﴾ ''وہی ہے جو تمہیں سیر کراتا ہے خشکی اور سمندر میں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے مختلف قوانینِ طبعی کے تحت مختلف چیزوں کو سواریوں کے طور پر انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾ ''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ چل رہی ہوتی ہیں انہیں (سواروں کو) لے کر خوشگوار (موافق) ہوا کے ساتھ اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں''

﴿جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ﴾ ''کہ اچانک تیز ہوا کا جھکڑ چل پڑتا ہے اور ہر طرف سے موجیں اُن کی طرف بڑھنے لگتی ہیں اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ ان (لہروں) میں گھیر لیے گئے ہیں''

ہر طرف سے پہاڑ جیسی لہروں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ بس اب وہ لہروں میں گھر گئے ہیں اور اُن کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾﴾ ''(اُس وقت) وہ پکارتے ہیں اللہ کو اس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے کہ (اے اللہ!) اگر تُو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم لازماً ہو جائیں گے بہت شکر کرنے والوں میں سے۔''

ایسے مشکل وقت میں انہیں صرف اللہ ہی یاد آتا ہے' کسی دیوی یا دیوتا کا خیال نہیں آتا۔ اس سلسلے میں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے بارے میں بہت اہم واقعہ تاریخ میں ملتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ حجاز سے فرار ہو کر حبشہ جانے کے لیے بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار تھے کہ کشتی اچانک طوفان میں گھر گئی۔ کشتی میں تمام لوگ مشرکین تھے' لیکن اس مصیبت کی گھڑی میں کسی کو بھی لات' منات' عُزّیٰ اور ہُبل یاد نہ آئے اور انہوں نے مدد کے لیے پکارا تو اللہ کو پکارا۔ اسی لمحے عکرمہ کو اس حقیقت کے انکشاف نے چونکا دیا کہ یہی تو وہ پیغام ہے جو محمد (ﷺ) ہمیں دے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد یہی عکرمہ رضی اللہ عنہ اسلام کے زبردست مجاہد ثابت ہوئے' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں منکرینِ زکوٰۃ اور مرتدین کے خلاف جہاد میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

دراصل اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کی فطرت کے اندر سمو دی گئی ہے۔ بعض اوقات باطل خیالات و نظریات کا ملمع اس معرفت کی قوت میں آڑے آ جاتا ہے' لیکن جب یہ ملمع اترنے کا کوئی سبب پیدا ہوتا ہے تو اندر سے انسانی فطرت اپنی اصلی حالت میں نمایاں ہو جاتی ہے جو حق کو پہچاننے میں لمحہ بھر کو دیر نہیں کرتی۔

﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ﴾ ''پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو فوراً ہی وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق۔''

جونہی خطرے کی گھڑی ٹل جاتی ہے تو پھر انہیں دیویاں' دیوتا یاد آ جاتے ہیں اور پھر سے اللہ سے سرکشی شروع ہو جاتی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾ ''اے لوگو! تمہاری اس بغاوت کا وبال تمہاری اپنی ہی جانوں پر آئے گا' یہ دنیا کی زندگی کا سا سامان ہے (اسے برت لو)' پھر ہماری ہی طرف تم سب کو لوٹنا ہے' پھر ہم تم کو بتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۲۴ ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ﴾ ''اس دنیا کی زندگی کی مثال تو ایسے ہے جیسے پانی' جو ہم برساتے ہیں آسمان سے' پھر اس کے ساتھ نکل آتے ہے زمین کا سبزہ' جس میں سے کھاتے ہیں انسان بھی اور چوپائے بھی۔''

پانی کے بغیر زمین بنجر اور مردہ ہوتی ہے' اس میں گھاس' ہریالی وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جونہی بارش ہوتی ہے اس میں سے طرح طرح کا سبزہ نکل آتا ہے' فصلیں لہلہانے لگتی ہیں' باغات ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ﴾ ''یہاں تک کہ جب زمین اچھی طرح اپنا سنگھار کر لیتی ہے خوب مزین ہو جاتی ہے''

یہاں پر بہت خوبصورت الفاظ میں زمین کی شادابی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ چھوٹے بڑے نباتات کی نمائش' سبز پوش خوبصو کی بہار اور رنگا رنگ پھولوں کی زیبائش کے ساتھ جب زمین پوری طرح اپنا بناؤ سنگھار کر لیتی ہے' فصلیں اپنے جوبن پر آجاتی ہے باغات پھلوں سے لد جاتے ہیں:

﴿وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ﴾ ''اور اس کے مالک سمجھتے ہیں کہ اب ہم اس پر قادر ہیں''

زمین والے لہلہاتی فصلوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس اب چند دن کی بات ہے' ہم اپنی فصلوں کی کٹائی کریں گے' پھلوں کو پیڑوں سے اتاریں گے اور ہماری زمین کی یہ پیداوار ہماری خوشحالی کا ذریعہ بنے گی۔ مگر ہوتا کیا ہے:

﴿اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ﴾ ''تو اچانک ہمارا ایک حکم آتا ہے (کھیت یا باغ) پر رات کے وقت یا دن کے وقت اور ہم اسے کر دیتے ہیں کٹا ہوا جیسے کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔''

اللہ کے حکم سے ایسی آفت آئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ساری فصل تباہ ہو گئی' باغ اُجڑ گیا' ساری محنت اکارت گئی' تمام سرمایہ ڈوب گیا۔ دنیا کی بے ثباتی کی اس مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ یہی معاملہ انسان کا ہے۔ انسان اس دنیا میں دن رات محنت و مشقت بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ اگر انسان کی یہ ساری محنت اور تگ و دو اللہ کی مرضی کے دائرے میں نہیں ہے' اس سے شریعت کے تقاضے پو نہیں ہو رہے ہیں تو یہ سب کچھ اسی دنیا کی حد تک ہی ہے' آخرت میں ان میں سے کچھ بھی اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ موت کے جب اس کی آنکھ کھلے گی تو وہ دیکھے گا کہ اس کی زندگی بھر کی ساری محنت اکارت چلی گئی: ع ''جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۴﴾ ''اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔''

آیات ۲۵ تا ۳۰

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّاۤ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

آیت ۲۵ ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور اللہ بلا رہا ہے تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف' اور وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

آیت ۲۶ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ﴾ ''جو لوگ احسان کی روش اختیار کریں گے' ان کے لیے حُسنیٰ (بھلائی) ہے اور مزید بھی۔''

انہیں نیکی کا بدلہ بھی بہت اچھا ملے گا اور مزید برآں انہیں انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔

﴿وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ﴾ ''اور نہیں مسلط ہوگی ان کے چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت۔''

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''یہی ہوں گے جنت والے' اور رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۲۷ ﴿وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا ۙ﴾ ''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو (ان کے لیے) بدلہ ہوگا برائی کا ویسا ہی''

یعنی جیسی ان کی بُرائی ہوگی ویسا ہی اس کا بدلہ ہوگا' اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ﴾ ''اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ نہیں ہوگا انہیں اللہ (کی پکڑ) سے کوئی بھی بچانے والا۔''

﴿كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ﴾ ''گویا ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اُڑھا دیے گئے ہوں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''یہی لوگ ہوں گے جہنمی' یہ رہیں گے اسی میں ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۲۸ ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ﴾ ''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے' پھر ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا تھا کہ کھڑے رہو اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے شریک بھی۔''

یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لات' منات' عُزّیٰ وغیرہ کی بات نہیں ہو رہی جن کے بارے میں کسی کو پتا نہیں کہ ان کی اصل کیا تھی' بلکہ یہ اولیاء اللہ' نیک اور برگزیدہ بندوں کی بات ہو رہی ہے جن کے ناموں پر مورتیاں اور بُت بنا کر ان کی پوجا کی گئی ہوگی۔ جیسے قومِ نوحؑ نے ودّ' سواع اور یغوث وغیرہ اولیاء اللہ کی پوجا کے لیے ان کے بُت بنا رکھے تھے (اس بارے میں تفصیل سورۃ نوح میں آئے گی)۔

ہمارے ہاں صرف یہ فرق ہے کہ بت نہیں بنائے جاتے' قبریں پوجی جاتی ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے خطاب کی ایک جھلک ہم سورۃ المائدۃ کے آخری رکوع میں دیکھ آئے ہیں۔ اس لیے یہاں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ایسے بلند مرتبہ لوگوں کو اس طرح کا حکم کیونکر دیا جائے گا کہ ٹھہرے رہو اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے شریک بھی! بہرحال اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے' جبکہ ایک بندہ تو بندہ ہی ہے' چاہے جتنی بھی ترقی کر لے: اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ۔ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی!

﴿فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''تو ہم ان کے درمیان رشتے منقطع کر دیں گے اور کہیں گے ان کے شریک (ان سے) کہ تم ہم کو تو نہیں پوجا کرتے تھے۔''

وہ نیک لوگ جنہیں اللہ کا شریک بنایا گیا وہ اس شرک سے بَری ہیں' کیونکہ انہوں نے تو اپنی زندگیاں اللہ کی اطاعت میں گزاری تھیں۔ جیسے البقرۃ: ۱۳۴ میں بہت واضح انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ﴾ ''وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی' ان کے لیے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو تم نے کمایا''۔ اگر کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو پکارتا ہے یا کسی مزار پر جا کر مشرکانہ حرکتیں کرتا ہے تو اس کا وبال صاحبِ مزار پر قطعاً نہیں ہوگا۔ ان پر تو اُلٹا ظلم ہو رہا ہے کہ انہیں اللہ کے ساتھ شرک میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اللہ کے وہ نیک بندے اللہ کے ہاں ان شرک کرنے والوں کے خلاف استغاثہ کریں گے' کہ وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر انہیں پکارتے تھے اور ان کے ناموں کی دہائیاں دیتے تھے۔ وہ ان شرک کرنے والوں سے کہیں گے:

آیت ﴿فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''پس اللہ کافی ہے (بطور) گواہ ہمارے اور تمہارے مابین' ہم تو تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔''

یعنی اگر تم ہماری پوجا کرتے بھی رہے ہو تو ہمیں بالکل اس کی خبر نہیں' ہم پر اس کا کچھ الزام نہیں۔ ہم تمہارے اس گھناؤنے فعل سے بالکل بَری ہیں۔

آیت ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''اُس وقت ہر جان کو پتا چل جائے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا تھا' اور وہ لوٹا دیے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا برحق مولیٰ ہے' اور گم ہو جائے گا ان سے وہ سب کچھ جو وہ افترا کرتے تھے۔''

یعنی اس دن جب شفاعت کی امیدوں کے سارے سہارے ہوا ہو جائیں گے تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں گے۔ تب انہیں معلوم ہوگا کہ ع ''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا!''

آیات ۳۱ تا ۳۹

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ
حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ
شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ
يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۠ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا
ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا
الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا
رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ
تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

آیت ۳۱ ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے) پوچھئے کہ کون ہے جو تمہیں رزق پہنچاتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں؟''

﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ﴾ ''اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے' اور کون ہے تدبیرِ اَمر کرنے والا؟''

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ﴾ ''تو وہ کہیں گے اللہ!''

مشرکینِ مکہ اللہ کو ان تمام صفات کے ساتھ مانتے تھے اور اس بارے میں ان کے ذہنوں میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نہ صرف اس کائنات کا خالق ہے بلکہ اس کا نظام بھی وہی چلا رہا ہے۔

﴿فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''تو آپ فرمائیے کہ کیا پھر تم (اُس اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟''

جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق' مالک اور رازق مانتے ہو' جب تم مانتے ہو کہ کائنات کا یہ سارا نظام اللہ ہی اپنے حسنِ تدبیر سے چلا رہا ہے تو پھر اس کے بعد تمہارے ان مشرکانہ نظریات اور دیوی دیوتاؤں کی اس پوجا پاٹ کا کیا جواز ہے؟ کیا تمہیں کچھ بھی خوفِ خدا نہیں ہے؟

آیت ۳۲ ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''تو وہی ہے اللہ تمہارا ربّ حق۔ حق کے بعد کیا رہ جاتا ہے سوائے گمراہی کے؟ تو کہاں سے تم پھیرے جا رہے ہو؟''

حق ہے جس کو تم اپنی فطرت کی نظر سے پہچان چکے ہو۔ اب اسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پھر سے گمراہی میں مبتلا ہونے سے بچ جاؤ۔ تمہاری فطرت کے اندر حق کی پہچان موجود ہے۔ اس کی گواہی خود تمہاری اپنی زبانیں دے رہی ہیں۔ تم اللہ کو اپنا اور اس

کائنات کا خالق و مالک مانتے ہو‘ زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو۔ تو یہاں تک پہنچ کر پھر کیوں گمراہی میں اوندھے منہ گر جاتے ہو۔ تمہاری عقل کہاں اُلٹ جاتی ہے؟

آیت ۳۳ ﴿كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳﴾ ’’اسی طرح تیرے رب کی بات سچ ثابت ہوئی نافرمان لوگوں پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘

آیت ۳۴ ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ﴾ ’’ان سے پوچھئے کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو تخلیق کرتا ہو پہلی مرتبہ اور پھر اسے دوبارہ بھی بنائے؟‘‘

﴿قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴﴾ ’’آپؐ کہیے صرف اللہ ہی ہے جو پہلی مرتبہ بھی پیدا کرتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ بھی بنائے گا‘ تو تم کہاں سے پلٹائے جا رہے ہو؟‘‘

پھر تم یہ کس اُلٹی راہ پر چلائے جا رہے ہو؟ تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو؟

آیت ۳۵ ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ﴾ ’’ان سے پوچھئے کہ ہے کوئی تمہارے شریکوں میں سے جو حق کی طرف راہنمائی کر سکے؟‘‘

﴿قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ﴾ ’’آپؐ کہیے کہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔‘‘

﴿اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ﴾ ’’تو کیا جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پا سکتا‘ اِلّا یہ کہ اس کی راہنمائی کی جائے؟‘‘

تمام مخلوق کو ہدایت دینے والا اللہ ہے۔ چنانچہ ہدایت و راہنمائی کے لیے سب اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔ خود نبی مکرم ﷺ بھی اللہ ہی سے یہ دعا مانگتے تھے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ تو بھلا وہ جو ہدایت دیتا ہے اُس کی بات مانی جانی چاہیے یا اُن کی جو خود ہدایت کے محتاج ہوں؟

﴿فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵﴾ ’’تو تمہیں کیا ہو گیا ہے‘ تم کیسے فیصلے کرتے ہو!‘‘

آیت ۳۶ ﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶﴾ ’’اور نہیں پیروی کر رہے ان میں سے اکثر مگر گمان کی‘ اور یہ گمان کسی بھی درجے میں (انسان کو) حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۳۷ ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ’’اور یہ قرآن ایسی شے نہیں ہے جس کو اللہ کے سوا (کہیں اور) گھڑ لیا گیا ہو‘‘

یہ قرآن کسی انسان کے ہاتھوں تصنیف کی جانے والی کتاب نہیں ہے۔

﴿وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷﴾ ’’بلکہ یہ تو تصدیق (کرتے ہوئے آیا) ہے اُس کی جو اس کے سامنے ہے اور (اس میں تمام) شریعت کی تفصیل ہے‘ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔‘‘

آیت ۳۸ ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ﴾ ''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو پیغمبرؐ نے خود گھڑ لیا ہے؟''

یہ لوگ اس قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ محمد (ﷺ) کی اپنی تصنیف ہے۔ انہوں نے خود یہ کلام موزوں کر لیا ہے۔

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸﴾ ''آپؐ (ان سے) کہیے کہ لے آؤ تم بھی ایک سورت اس جیسی اور (اس کے لیے) بلا لو جس کو بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔''

یہ چیلنج سورۃ البقرۃ میں بھی ہے جو کہ مدنی ہے' جبکہ مکی سورتوں میں تو اسے متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ سورۂ ہود میں اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آنے کا چیلنج دیا گیا ہے اور یہاں اس سورت میں یہ چیلنج گویا بر سبیلِ تنزل آخری درجہ میں پیش کیا گیا ہے کہ چلو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو۔

آیت ۳۹ ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ﴾ ''(نہیں) بلکہ انہوں نے تکذیب کی ہے اُس چیز کی جس کے علم کا یہ احاطہ نہیں کر سکے اور ابھی نہیں آئی ان کے پاس اس کی تاویل۔''

یعنی یہ لوگ قرآن کے علوم کا ادراک اور اس کے پیغام کا شعور حاصل نہیں کر سکے۔ اس کے علاوہ عذاب کے بارے میں ان کو دی گئی دھمکیوں کا مصداقِ خارجی بھی ابھی ان پر ظاہر نہیں ہوا' اس لیے وہ اس سب کچھ کو محض ڈراوا اور جھوٹ سمجھ رہے ہیں۔ قرآن میں ان لوگوں کو بار بار دھمکیاں دی گئی تھیں کہ اللہ کا انکار کرو گے تو اُس کی پکڑ میں آ جاؤ گے' اُس کی طرف سے بہت سخت عذاب تم پر آئے گا۔ یہ عذاب موعود چونکہ ابھی ظاہری طور پر اُن پر نہیں آیا' اسی لیے وہ قرآن کو بھی جھٹلا رہے ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹﴾ ''اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے' تو دیکھو کیسا انجام ہوا ظالموں کا!''

آیات ۴۰ تا ۵۲

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰ وَاِنْ ع
كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا
سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ
شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ
هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

آیت ﴿۴۰﴾ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''ان میں وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور وہ بھی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے' اور آپ کا رب ان مفسدوں سے خوب واقف ہے۔''

آیت ﴿۴۱﴾ ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ کہیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔''

﴿اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''تم بری ہو میرے عمل کی ذمہ داری سے اور میں بری ہوں تمہارے اعمال کی ذمہ داری سے۔''

نہ میرے عمل کی کوئی ذمہ داری تم لوگوں پر ہے اور نہ تمہارے کیے کا میں ذمہ دار ہوں۔

آیت ﴿۴۲﴾ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ﴾ ''اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بڑی توجہ سے سنتے ہیں آپؐ (کی باتوں) کو۔''

﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''تو کیا آپؐ بہروں کو سنا سکتے ہیں چاہے وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں!''

یہ لوگ تو پہلے سے ہی نہ سننے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں' اس لیے ان کے کان حق کی طرف سے بہرے ہو چکے ہیں۔ ان کا آپؐ کی باتوں کو سننا صرف دکھاوے کا سننا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو بتا سکیں کہ ہاں جی ہم تو محمد (ﷺ) کی محفل میں بھی جاتے ہیں' ساری باتیں بھی سنتے ہیں مگر ان میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں جسے مانا جائے۔

آیت ﴿۴۳﴾ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ﴾ ''اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپؐ کو دیکھتے ہیں۔''

﴿اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''تو کیا آپؐ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ دیکھتے نہ ہوں!''

چنانچہ جب ان لوگوں کی نیت ہی ہدایت حاصل کرنے کی نہیں ہے' جب ان کے دل ہی اندھے ہو چکے ہیں تو آپؐ کی مجلس میں آنا اور آپؐ کی صحبت میں بیٹھنا' اُن کے لیے ہرگز مفید نہیں ہو سکتا۔

آیت ﴿۴۴﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا' بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔''

آیت ﴿۴۵﴾ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''اور جس دن وہ انہیں جمع کرے گا (تو وہ محسوس کریں گے) جیسے نہیں رہے وہ مگر دن کی ایک گھڑی' وہ ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔''

انہیں دنیا اور عالم برزخ میں گزرا ہوا وقت ایسے محسوس ہوگا جیسے کہ وہ ایک دن کا کچھ حصہ تھا۔

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵﴾ ''وہ لوگ بڑے خسارے کا شکار ہوئے جنہوں نے جھٹلا دیا اللہ کی ملاقات کو اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے۔''

آگے عذاب کی اُس دھمکی کا ذکر آ رہا ہے جس کے بارے میں آیت ۳۹ میں فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ﴾ کہ اس کی تاویل ابھی اُن کے پاس نہیں آئی۔

آیت ۴۶ ﴿وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ ''اور اگر ہم دکھا دیں آپؐ کو اس میں سے کچھ (عذاب) جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں یا (اس سے پہلے ہی) ہم آپؐ کو وفات دے دیں''

﴿فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶﴾ ''پس انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر اللہ گواہ ہے اُس پر جو وہ کر رہے ہیں۔''

یعنی آخری محاسبہ تو ان کا قیامت کے دن ہونا ہی ہے' مگر ہو سکتا ہے کہ یہاں دنیا میں بھی سزا کا کچھ حصہ ان کے لیے مختص کر دیا جائے۔ جیسا کہ بعد میں مشرکینِ مکہ پر عذاب آیا۔ ان پر آنے والے اس عذاب کا انداز پہلی قوموں کے عذاب سے مختلف تھا۔ اس عذاب کی پہلی قسط جنگِ بدر میں ان کے سترسرداروں کے قتل اور ذلّت آمیز شکست کی صورت میں سامنے آئی' جبکہ دوسری اور آخری قسط ۹ ہجری میں وارد ہوئی جب انہیں الٹی میٹم دے دیا گیا: ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ...﴾ (التوبۃ: ۲) کہ اب تمہارے لیے صرف چند ماہ کی مہلت ہے' اس میں ایمان لے آؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اہلِ مکہ کے ساتھ عذاب کا معاملہ پہلی قوموں کے مقابلے میں شاید اس لیے بھی مختلف رہا کہ پہلی قوموں کی نسبت ان کے ہاں ایمان لانے والوں کی تعداد کافی بہتر رہی۔ مثلاً اگر حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ سے ۸۰ لوگ ایمان لائے (میری رائے میں وہ لوگ ۸۰ بھی نہیں تھے) تو یہاں مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ سال کی محنت کے نتیجے میں اہلِ ایمان کی تعداد اس سے دوگنا تھی اور ان میں حضرت ابوبکر' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے بڑے بڑے لوگ بھی شامل تھے۔

آیت ۴۷ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ﴾ ''اور ہر اُمّت کے لیے ایک رسولؑ (بھیجا گیا) ہے۔''

﴿فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷﴾ ''پھر جب آیا ان کا رسولؑ تو ان کے مابین عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔''

اس کی وضاحت کے لیے حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب' حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی قوموں کے معاملات کو ذہن میں رکھئے۔

آیت ۴۸ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ کب یہ (عذاب کا) وعدہ پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟''

آیت ۴۹ ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپؐ کہہ دیجیے کہ میں تو خود اپنی جان کے لیے بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا' نہ کسی ضرر کا نہ نفع کا' سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ﴾ ''ہر اُمّت کے لیے ایک وقت معیّن ہے۔''

جیسے ہر اُمت کے لیے ایک رسولؑ ہے اسی طرح ہر اُمت کے لیے اس کی اجل (مہلت کی مدت) بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کے مطابق ان کے لیے مقرر کردہ وقت بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے۔

﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ تو وہ اس کو ایک گھڑی مؤخر کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پہلے لا سکتے ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے کیا تم نے غور کیا کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب (ناگہاں) آدھمکے رات کو یا دن کے وقت' تو وہ کیا شے ہے جس کے بل پر یہ مجرم جلدی مچا رہے ہیں؟''

یعنی یہ جو تم سینہ تان کر کہتے ہو کہ لے آؤ عذاب! اور پھر کہتے ہو کہ آ کیوں نہیں جاتا ہم پر عذاب! اور پھر استہزائیہ انداز میں استفسار کرتے ہو کہ یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہونے جا رہا ہے؟ تو کبھی تم لوگوں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے کہ اگر وہ عذاب کسی وقت اچانک تم پر آ ہی گیا' رات کی کسی گھڑی میں یا دن کے کسی لمحے میں' تو اس سے حفاظت کے لیے تم نے کیا بندوبست کر رکھا ہے؟ آخر تم لوگ کس بل بوتے پر عذاب کو للکار رہے ہو؟ کس چیز کے بھروسے پر تم اس طرح جسارتیں کر رہے ہو؟

آیت ۵۱ ﴿اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''پھر کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو جائے گا تب تم لوگ اس پر ایمان لاؤ گے؟ (اُس وقت کہا جائے گا:) کیا اب (ایمان لا رہے ہو)؟ اور اسی کی تو تم جلدی مچا رہے تھے۔''

عذاب جب واقعتاً ظاہر ہو جائے گا تو اُس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

آیت ۵۲ ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''پھر کہا جائے گا ان ظالموں سے کہ اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں بدلہ نہیں دیا جا رہا ہے مگر تمہارے اپنے ہی کرتوتوں کا۔''

آیات ۵۳ تا ۶۰

ع ﴿وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ

اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

آیت ۵۳ ﴿وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ واقعی حق ہے؟''

جیسے قرآن بار بار اپنے مخالفین سے متجسسانہ انداز میں سوال (searching questions) کرتا ہے اسی طرح مشرکین بھی حضور ﷺ سے searching انداز میں سوال کرتے تھے۔ یہاں ان کا یہ سوال نقل کیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کیا واقعی یہ سچ ہے؟ کیا آپ کو خود بھی اس کا پورا پورا یقین ہے؟

﴿قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً وہ حق ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔''

ان الفاظ میں بہت زیادہ تاکید اور شدت ہے۔

آیت ۵۴ ﴿وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ﴾ ''اور اگر کسی گنہگار جان کے پاس زمین کی ساری دولت بھی ہو تو وہ اسے اس (عذاب) کے بدلے میں دے ڈالے۔''

﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ﴾ ''اور وہ اپنی ندامت کو چھپائیں گے جب وہ دیکھیں گے عذاب کو۔''

﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔''

آیت ۵۵ ﴿اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین میں وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔''

﴿اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

آیت ۵۶ ﴿هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔''

اگلی دو آیات عظمتِ قرآن کے ضمن میں ایک بیش بہا خزانہ اور افادیت کے اعتبار سے نہایت جامع آیات ہیں۔

آیت ۵۷ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴾ ''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا''

﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور (بہت بڑی) رحمت۔''

اس آیت کے الفاظ کی ترتیب (موعظہ' شفا' ہدایت اور رحمت) بہت پُرحکمت ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۴ میں انسان کے دل کی سختی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ...﴾۔ دراصل دل کی سختی ہی وہ بنیادی مرض ہے جس کے باعث اعلیٰ

سے اعلیٰ کلام بھی کسی انسان پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے: ع ''مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر''۔ چنانچہ قبولِ ہدایت کے لیے سب سے پہلے دلوں کی سختی کو دور کرنا ضروری ہے۔ جیسے بارش سے فائدہ اٹھانے کے لیے زمین کو نرم کرنا پڑتا ہے' سخت زمین بارش سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتی' بارش کا پانی اوپر ہی اوپر سے بہہ جاتا ہے' اس کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر انسان کا معدہ ہی خراب ہو تو کوئی دوسری دوائی اپنا اثر نہیں دکھاتی۔ لہٰذا انسان کی کسی بھی بیماری کے علاج کے لیے پہلے اُس کے معدے کو درست کرنا ضروری ہے۔ دلوں کی سختی کو دور کرنے کے لیے مؤثر ترین نسخہ وعظ و نصیحت (موعظہ) ہے۔ جب وعظ اور نصیحت سے دلوں میں گداز پیدا ہو گا تو پھر قرآن ان پر دوائی کی مانند اثر کر کے تکبر' حسد' بغض' حُبِّ دُنیا وغیرہ تمام امراض کو دور کر دے گا۔ حُبِّ دنیا میں دولت' اولاد' بیوی' شہرت وغیرہ کی تمام محبتیں شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ﴾۔ آیت زیر مطالعہ میں الفاظ کی ترتیب پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک انسان کے حق میں قرآن سب سے پہلے وعظ اور نصیحت ہے' پھر تمام امراض قلب کے لیے شفا اور پھر ہدایت۔ کیونکہ جب دل سے بیماری نکل جائے گی' دل شفایاب ہو گا تب ہی انسان قرآن کی ہدایت اور راہنمائی کو قبول اختیار کرے گا' اور جب انسان یہ سارے مراحل طے کر کے قرآن کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے گا تو پھر اس کو انعامِ خاص سے نوازا جائے گا اور وہ ہے اللہ کی خصوصی رحمت۔ کیونکہ یہ قرآن ربِّ رحمان کی رحمانیت کا مظہرِ اَتم ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾﴾

آیت ۵۸ ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے''

یہ قرآن اللہ کے فضل اور رحمت کا مظہر اور بنی نوع انسان پر اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ سب سے بڑی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو عطا کی ہے۔

﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ﴾ ''تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں!''

''فرح'' کے معنی ہیں خوشی سے پھولے نہ سمانا' یعنی خوشی کے جذبے میں حد سے بڑھ جانا' اس لحاظ سے یہ جذبہ شریعتِ اسلامی میں قابلِ مذمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ قرآن میں زیادہ تر منفی مفہوم میں آیا ہے ـــــ جیسے سورۃ القصص میں قارون کے ذکر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾﴾ ـــــ لیکن یہاں پر تو اعلانِ عام ہو رہا ہے کہ اگر ''فرح'' کرنا ہی ہے تو دولتِ قرآن پر کرو! اگر تمہیں اترانا ہی ہے تو نعمتِ قرآن پر اتراؤ! اور اگر جشن ہی منانا ہے تو جشنِ قرآن مناؤ! ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا!﴾

﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

یہ مال و دولتِ دنیا' یہ سامانِ آرائش و زیبائش' یہ اشیائے آسائش' یہ رنگا رنگ نعمتیں' غرض اس دنیا میں انسان اپنے لیے جو کچھ بھی اکٹھا کرتا ہے' اس سب کچھ سے کہیں بہتر قرآن کی دولت ہے۔

ان دو آیات میں قرآن کی اہمیت و عظمت کے بیان میں جو تاکید اور جلال ہے اس کی قدردانی کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان اس تصور کو حرزِ جان بنا لیں' ان آیات کو زبانی یاد کریں' الفاظ کی ترتیب کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ان سے استفادہ کی کوشش کریں اور قرآن کی تعلیم و تفہیم کے ذریعے سے دل کو نرم اور گداز کرنے کا سامان کریں' تاکہ اس کے اثرات دل کے اندر جذب ہو کر اپنا رنگ جمائیں

(ع چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود)۔ اور اس طرح قرآن کے ذریعے اپنی دنیائے دل و جان میں انقلاب برپا کریں' تاکہ یہ ان کے لیے شفا' ہدایت اور رحمت بن جائے۔ آمین!

آیت ۵۹ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ﴾ ''ان سے کہیے کہ تم نے کبھی غور کیا کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا ہے تم نے اس میں سے (از خود) کسی کو حرام قرار دے دیا اور کسی کو حلال!''

﴿قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹﴾ ''ان سے پوچھئے کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو؟''

سورۃ الانعام میں ان چیزوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے جنہیں وہ لوگ از خود حرام یا حلال قرار دے لیتے تھے۔ سورۃ المائدۃ میں بھی ان کی خود ساختہ شریعت کا ذکر ہے۔

آیت ۶۰ ﴿وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور جو لوگ اللہ سے جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں' قیامت کے دن کے بارے میں ان کا کیا گمان ہے؟''

وہ کیا خیال رکھتے ہیں کہ اُس دن اِس جرم کے بدلے میں ان کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰﴾ ''یقیناً اللہ تو انسانوں کے حق میں بہت فضل والا ہے' لیکن ان کی اکثریت شکر گزار نہیں ہے۔''

آیات ۶۱ تا ۷۰

وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴ وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ؕ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۵ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۷ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ ع ۱۲

آیت ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) نہیں ہوتے آپ کسی بھی کیفیت میں اور نہیں پڑھ رہے ہوتے آپ قرآن میں سے کچھ اور (اے مسلمانو!) تم نہیں کر رہے ہوتے کوئی بھی (اچھا) عمل''

﴿اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ ''مگر یہ کہ ہم تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔''

اس اندازِ تخاطب میں ایک خاص کیف ہے۔ پہلے واحد کے صیغے میں حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور آپ ﷺ کو خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ آپ جس کیفیت میں بھی ہوں' قرآن پڑھ رہے ہوں یا پڑھ کر سنا رہے ہوں' ہم بذاتِ خود آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں' آپ کی آواز سن رہے ہوتے ہیں۔ پھر اسی خوشخبری کو جمع کے صیغے میں تمام مسلمانوں کے لیے عام کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ جو بھی بھلائی کماتے ہو' قربانیاں دیتے ہو' ایثار کرتے ہو' ہم خود اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ہم تمہارے ایک ایک عمل کے گواہ اور قدردان ہیں۔ ہمارے ہاں اپنے بندوں کے بارے میں تغافل یا ناقدری نہیں ہے۔

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾﴾ ''اور نہیں غائب ہوتی آپ کے رب سے زمین میں ایک ذرّہ کے برابر بھی کوئی شے اور نہ آسمانوں میں اور نہ ہی اس سے کم تر کوئی شے اور نہ بڑی' مگر یہ کہ وہ ایک روشن کتاب میں درج ہے۔''

کوئی ذرّہ برابر چیز یا اس سے چھوٹی یا بڑی آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں ہے جو کبھی ربّ ذوالجلال کی نظر سے پوشیدہ ہو گئی ہو اور وہ ایک روشن کتاب میں درج نہ ہو۔ یہ روشن کتاب اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے۔

آیت ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ یہ کوئی علیحدہ نوع (Species) نہیں ہے' اور نہ ہی اس کے لیے کوئی خاص لباس زیب تن کرنے یا کوئی مخصوص حلیہ بنانے کی ضرورت ہے' بلکہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمانِ حقیقی سے بہرہ مند ہوں' ان کے دلوں میں یقین پیدا ہو چکا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درجہ ''احسان'' پر فائز ہو چکے ہوں' جس کا ذکر ''حدیث جبریل'' میں ہوا ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))[1] اللہ تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں کی جس طرح پذیرائی فرماتا ہے اس کا ایک انداز سورۃ البقرۃ' آیت ۲۵۷ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ ''اللہ ولی ہے اہلِ ایمان کا' انہیں نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی کی جانب''۔ آیت زیر نظر میں بھی انہیں خوشخبری سنائی گئی ہے کہ ایسے لوگ خوف اور حزن سے بالکل بے نیاز ہوں گے۔ بہر حال اس سلسلے میں ایک بہت اہم نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ جو اللہ کا دوست ہو گا اس کے اندر اللہ کی غیرت و حمیت بھی ہو گی۔ وہ اللہ کے دین کو پامال ہوتے دیکھ کر تڑپ اٹھے گا۔ وہ اللہ کے شعائر کی بے حرمتی کو کبھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دے گا۔ گویا دُنیوی زندگی میں یہ معیار اور طرزِ عمل اولیاء اللہ کی پہچان ہے ـــــ اگلی آیت میں مزید وضاحت فرما دی گئی کہ یہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں:

۱۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الایمان والاسلام والاحسان۔

آیت ۶۳ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''وہ لوگ جو صاحبِ ایمان ہوں اور تقویٰ کی روش اختیار کریں۔''

اور یہ تقویٰ کس طرح اہلِ ایمان کو درجہ بدرجہ بلند سے بلند کرتا چلا جاتا ہے اس کی تفصیل ہم سورۃ المائدۃ کی اس آیت کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾﴾

آیت ۶۴ ﴿لَہُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ؕ﴾ ''اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارتیں ہیں اور آخرت میں بھی۔''

ان بشارتوں کے بارے میں ہم سورۃ التوبہ کی آیت ۵۲ میں پڑھ چکے ہیں: ﴿ہَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ ؕ﴾ یعنی ہمارے لیے تو دو اچھائیوں کے سوا کسی تیسری چیز کا تصور ہی نہیں ہے' ہمارے لیے تو بشارت ہی بشارت ہے۔ اور اگر بالفرض دنیا میں کوئی تکلیف آ بھی جائے تو بھی کوئی غم نہیں' کیونکہ ہمارے اوپر جو بھی تکلیف آتی ہے وہ ہمارے رب ہی کی طرف سے آتی ہے۔ جیسے سورۃ التوبہ' آیت ۵۱ میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَوْلٰىنَا ۚ﴾ چنانچہ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ وہ ہمارا دوست ہے' اور دوست کی طرف سے اگر کوئی تکلیف بھی آ جائے تو سر آنکھوں پر۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس تکلیف میں بھی ہمارے لیے خیر اور بھلائی ہی ہوگی۔

﴿لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾﴾ ''اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔''

آیت ۶۵ ﴿وَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُہُمْ ۘ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔''

﴿اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ؕ ہُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾﴾ ''عزت کُل کی کُل اللہ کے اختیار میں ہے' وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰہِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! اللہ ہی کے (مملوک) ہیں جو کوئی بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں۔''

﴿وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ ؕ﴾ ''اور یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ (اُس کے) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ کسی چیز کا اتباع نہیں کر رہے۔''

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ہُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾ ''وہ تو ظن و تخمین ہی کے پیچھے پڑے ہیں اور صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں۔''

آیت ۶۷ ﴿ہُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّہَارَ مُبْصِرًا ؕ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو بنا دیا روشن۔''

رات کو پُرسکون بنایا تاکہ رات کے وقت آرام کرو' اور دن کو روشن بنایا تاکہ اس میں اپنی معاشی ذمہ داریاں نبھاؤ اور دوسرے کام کاج نپٹاؤ۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔''

آیت ۶۸ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد اختیار کی ہے' وہ (اس بات سے) پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔''

اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اسے اولاد کی حاجت ہو۔ یہاں ''غنی'' کا لفظ اس لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اولاد کی تمنا تو اس لیے کرتا ہے کہ اس کا سہارا بنے اور مرنے کے بعد اس کے ذریعے دنیا میں اس کا نام باقی رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ایسی حاجتوں سے پاک ہے۔ وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے' وہ ہر حاجت سے غنی اور بے نیاز ہے' اسے اولاد سمیت کسی چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں ہے۔

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔''

﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ﴾ ''نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند (دلیل) اس کے لیے۔''

﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸﴾ ''کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ چیز جس کے متعلق تمہیں علم ہی نہیں۔ تمہارے پاس کوئی علمی سند یا عقلی دلیل اس بات کے حق میں نہیں ہے جو تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو۔

آیت ۶۹ ﴿قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝۶۹﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ باتیں منسوب کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔''

آیت ۷۰ ﴿مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ ''دنیا میں (ان کے لیے) برتنے کی کچھ چیزیں ہیں' پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے''

دنیا کی چند روزہ زندگی کا فائدہ اٹھانے کے لیے انہیں کچھ ساز و سامان دے دیا گیا ہے' پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہوگی۔

﴿ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝۷۰﴾ ''پھر ہم انہیں مزہ چکھائیں گے بہت سخت عذاب کا اس کفر کی وجہ سے جو وہ کرتے رہے ہیں۔''

آیات ۷۱ تا ۷۴

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۱ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۷۲ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝۷۳ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝۷۴

اب انباء الرسل کے سلسلے میں دو رکوع آ رہے ہیں' جن کا آغاز سورت میں ذکر ہوا تھا کہ ان میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ (آدھے رکوع میں) ہے اور بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل سے (ڈیڑھ رکوع میں) آیا ہے۔

درمیان میں صرف حوالہ دیا گیا ہے کہ ہم نے مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا' اس سلسلے میں کسی رسولؑ کا نام نہیں لیا گیا۔

آیت ۷۱ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ﴾ ''اور ان کو سنایئے نوحؑ کی خبر۔''

﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''جب اُس نے کہا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم پر بڑا بھاری گزر رہا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا''

میرا دعوتِ حق کے ساتھ کھڑا ہونا اور تبلیغ و تذکیر کا میرا یہ عمل اگر تم پر بہت شاق گزر رہا ہے کہ تم میرا مذاق اڑاتے ہو اور مجھ پر آوازے کستے ہو تو مجھے تمہاری مخالفت کی کوئی پروا نہیں۔

﴿فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ ''تو میں نے بس اللہ پر توکل کر لیا ہے' پس تم جمع کر لو اپنے سارے ذرائع اور اپنے شریکوں کو (بھی بلا لو)''

﴿ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۱﴾ ''پھر تم پر تمہارا معاملہ کسی اشتباہ میں نہ رہ جائے' پھر جو فیصلہ میرے بارے میں کرنا ہے کر گزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔''

اس طرزِ تخاطب سے اندازہ ہو رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا دل اپنی قوم کے رویے کی وجہ سے کس قدر دکھا ہوا تھا' اور ایسا ہونا بالکل فطری عمل تھا۔ اللہ کے اس بندے نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو سمجھانے اور نصیحت کرنے میں دن رات ایک کر دیا تھا' اپنا آرام و سکون تک قربان کر دیا تھا' مگر وہ قوم تھی کہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال ان الفاظ میں اللہ کے رسولؑ کی طرف سے ایک آخری بات جیسے چیلنج کے انداز میں کہی جا رہی ہے کہ تم لوگ اپنی ساری قوتیں مجتمع کر لو' تمام وسائل اکٹھے کر لو اور پھر میرے ساتھ جو کر سکتے ہو کر گزرو!

آیت ۷۲ ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ ''پھر اگر تم (اس سے) اعراض کرو''

﴿فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ﴾ ''تو میں نے تم لوگوں سے (کبھی) کوئی اجر تو نہیں مانگا۔''

یعنی پھر اگر تم اس چیلنج کا سامنا نہ کر سکو اور میرے خلاف آخری اقدام کرنے کا حوصلہ بھی نہ کر پاؤ تو پھر ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو کہ میں پچھلے ساڑھے نو سو سال سے تمہیں راہِ راست پر لانے کی جو جدّ و جُہد کر رہا ہوں اس کے عوض میں نے تم لوگوں سے کوئی معاوضہ' کوئی اُجرت' کوئی تعریف و توصیف' کوئی شاباش' الغرض کچھ بھی طلب نہیں کیا۔ تو کیا میرے اس طرزِ عمل سے تم لوگوں کو یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کا چیلنج قبول کر کے ان کے خلاف اقدام کرنے سے گریزاں تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر ہم نے انہیں قتل کر دیا تو ہم پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی۔

﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۷۲﴾ ''میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کے فرمانبردار بندوں میں سے رہوں۔''

آیت ۷۳ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ﴾ ''تو انہوں نے (پھر بھی) جھٹلا دیا اُس کو' تو ہم نے نجات دے دی اُس کو اور جو بھی اُس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو بنا دیا جانشین''

نئی لوگوں کو ہم نے زمین میں خلافت عطا کی۔

﴿وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝۷۳﴾ ''اور غرق کر دیا ہم نے ان لوگوں

کو جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی' تو دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا!''

آیت ۷۴ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد بہت سے رسولوں کو اُن کی (اپنی اپنی) قوموں کی طرف' تو وہ (سب کے سب) آئے اُن کے پاس روشن دلیلیں لے کر''

﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۷۴﴾ ''لیکن وہ (سابقہ روشن دلیلیں دیکھنے کے باوجود بھی) اُس چیز پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کا پہلے انکار کر چکے تھے۔ اسی طرح ہم مہر کر دیا کرتے ہیں حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر۔''

آیات ۷۵ تا ۸۲

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ ع ۱۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲

عام طور پر قرآن حکیم میں انباء الرسل کے ضمن میں چھ رسولوں کا تذکرہ بار بار آیا ہے' لیکن یہاں اختصار کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا صرف تین آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اس ایک آیت (۷۴) میں باقی تمام رسولوں کا نام لیے بغیر صرف حوالہ دے دیا گیا ہے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔

آیت ۷۵ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا﴾ ''پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب اپنی نشانیوں کے ساتھ''

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵﴾ ''تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے مجرم لوگ۔''

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶﴾ ''تو جب اُن کے پاس حق آیا ہماری طرف سے تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔''

آیت ۷۷ ﴿قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا کہ کیا تم لوگ حق کے بارے میں یہ کہہ رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آ پہنچا ہے۔''

﴿اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷﴾ ''کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر تو کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔''

آیت ۷۸ ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ ''انہوں نے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں پھیر دو اُن طریقوں سے جن پر پایا ہم نے اپنے آباء و اجداد کو''

﴿وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸﴾ ''اور تم دونوں کی بڑائی قائم ہو جائے زمین میں؟ اور ہم ہرگز تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

یعنی تم دونوں (حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنا چاہتے ہو۔ اس اندیشے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اہلِ مصر کو بندگیٔ رب کی جو دعوت دے رہے تھے اس سے وہ مشرکانہ نظام خطرے میں تھا جس پر فرعون کی بادشاہی اُس کے سرداروں کی سرداری اور مذہبی پیشواؤں کی پیشوائی قائم تھی۔

آیت ۷۹ ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹﴾ ''اور فرعون نے کہا کہ لے آؤ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو۔''

آیت ۸۰ ﴿فَلَمَّا جَاۗءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰﴾ ''اور جب وہ جادوگر آ گئے تو موسیٰؑ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔''

آیت ۸۱ ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰي مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ﴾ ''اور جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے۔''

یعنی جادو وہ نہ تھا جو میں نے دکھایا تھا' بلکہ جادو یہ ہے جو تم دکھا رہے ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱﴾ ''یقیناً اللہ اسے ابھی باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدوں کے عمل کو کامیاب نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ ابھی تمہاری شعبدہ بازی کا باطل ہونا ثابت کر دے گا' اسے نیست و نابود کر دے گا' هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دیتا۔

آیت ۸۲ ﴿وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲﴾ ''اور اللہ تو حق کو حق ثابت کرتا ہے اپنے کلمات سے' خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

آیات ۸۳ تا ۹۳

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰي خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳ وَقَالَ مُوْسٰي يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝۸۴ فَقَالُوْا عَلَي اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۵ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰي مُوْسٰي وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷ وَقَالَ مُوْسٰي رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا ۚ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

آیت ۸۳ ﴿فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ ''تو کوئی ایمان نہیں لایا موسیٰؑ پر مگر چند نوجوان اُس کی قوم میں سے ﴿عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ﴾ ''ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے سرداروں سے کہ وہ اُن کو مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں۔''

اُس وقت مصر پر قبطی قوم حکمران تھی' جسے قرآن نے ''آلِ فرعون'' کہا ہے اور اسرائیلی ان کے محکوم تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل کی آزادی کے علمبردار تھے' لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل میں سے بھی صرف چند نوجوان لڑکوں نے ہی آپؑ کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ دراصل غلام ہونے کی وجہ سے وہ لوگ فرعون اور اس کے سرداروں کے مظالم سے خوف زدہ تھے۔ عام طور پر محکوم قوم کے ساتھ اسی طرح ہوتا ہے کہ اس کے کچھ لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے حکمرانوں سے مل جاتے ہیں اور حکمران انہیں مراعات اور خطابات سے نواز کر ان کی وفاداریاں خرید لیتے ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگ فرعون کے ایجنٹ بن چکے تھے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قارون کی ہے۔ وہ حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے تھا' مگر فرعون کا درباری اور اس کا ایجنٹ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا (اس کا تفصیلی ذکر سورۃ القصص میں ہے)۔ بہرحال بنی اسرائیل کے عام لوگ ایسے مخبروں کے ڈر سے حضرت موسیٰؑ کے قریب ہونے سے گریز کرتے تھے۔ نوجوان چونکہ باہمت اور پُرجوش ہوتے ہیں' اس لیے وہ اس طرح کی انقلابی آواز پر لبیک کہنے کا خطرہ مول لے لیتے ہیں' جبکہ اسی قوم کے ادھیڑ عمر لوگ کم ہمتی اور مصلحتوں کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ پورا فلسفہ اس آیت میں موجود ہے۔ ان آیات کے نزول کے وقت اہلِ مکہ میں سے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے جو لوگ آگے بڑھ رہے تھے وہ چند باہمت نوجوان ہی تھے' نہ کہ مصلحت کوش بوڑھے۔

﴿وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''اور یقیناً فرعون زمین میں بہت سرکشی کر رہا تھا اور وہ یقیناً حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔''

آیت ۸۴ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾﴾ ''اور موسیٰؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اب اُسی پر توکّل بھی کرو اگر تم واقعتاً فرمانبردار بن گئے ہو۔''

آیت ۸۵ ﴿فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۵﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ اے ہمارے رب! تُو ہمیں ان ظالموں کے لیے تختۂ مشق نہ بنا دے۔''

اللہ پر توکل کرتے ہوئے ہم اپنا معاملہ اسی کے حوالے کرتے ہیں۔ پروردگار! اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے ذریعے سے تُو ان کو آزمائے۔ جیسے ابوجہل اگر آلِ یاسر پر ظلم ڈھاتا تھا تو اللہ کے ہاں یہ اُس کی بھی آزمائش ہو رہی تھی' لیکن اس آزمائش میں تختۂ مشق حضرت یاسر اور حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہما بن رہے تھے۔

آیت ۸۶ ﴿وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶﴾ ''اور ہمیں اپنی رحمت سے اس کافر قوم سے نجات عطا فرما۔''

آیت ۸۷ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا﴾ ''اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ اور اُس کے بھائی (ہارونؑ) کو کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر معیّن کر لو''

ان گھروں میں جمع ہو کر تم لوگ اللہ کی عبادت کیا کرو۔ اسی طرح کا انتظام حضور ﷺ نے بھی اپنی دعوت کے ابتدائی زمانہ میں کیا تھا جب آپ ﷺ نے دارِ ارقم کو دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں کے لیے مختص فرمایا تھا۔

﴿وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ ''اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ''

فرعون کے ڈر سے وہ لوگ مسجد تو بنا نہیں سکتے تھے' اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو تعمیر ہی قبلہ رخ کرو' تاکہ وہاں تم نمازیں پڑھا کرو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی قبلہ معیّن تھا جبکہ بیت المقدس تو ابھی بنا ہی نہیں تھا۔ بیت المقدس تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ایک ہزار سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کا قبلہ یہی بیت اللہ تھا۔ تورات میں ان کی قربان گاہوں کے خیموں کے بارے میں تفصیل ملتی ہے کہ یہ خیمے اس طرح نصب کیے جاتے تھے کہ جب کوئی شخص قربانی پیش کرتا تھا تو اس کا رخ سیدھا قبلہ کی طرف ہوتا تھا۔

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷﴾ ''اور نماز قائم رکھو اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دو۔''

آیت ۸۸ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ﴾ ''اور موسیٰؑ نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! تُو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ زیب و زینت اور اموال عطا کر دیے ہیں دنیا کی زندگی میں''

﴿رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ﴾ ''پروردگار! اس لیے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں تیرے راستے سے!''

ان کے پاس طاقت ہے' اقتدار ہے' اختیار ہے' دولت ہے' جاہ و حشم ہے۔ لوگ ان کے رعب و دبدبے کے خوف اور مال و دولت کے لالچ سے گمراہ ہو رہے ہیں۔ پروردگار! کیا تُو نے انہیں یہ سب کچھ اس لیے دے رکھا ہے کہ وہ تیرے بندوں کو تیرے سیدھے راستے سے گمراہ کریں؟

﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ﴾ ''اے ہمارے رب! اب ان کے اموال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں میں سختی پیدا کر دے''

﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸﴾ ''کہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ یہ کھلم کھلا دیکھ نہ لیں عذابِ الیم کو۔''

اور جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر ان کا ایمان انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا' کیونکہ اُس وقت کا ایمان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آلِ فرعون سے بیزاری کی آخری حد ہے۔ اگرچہ نبی ایک ایک فرد کے لیے ایمان کا خواہش مند ہوتا ہے' مگر فرعون اور اس کے سردار اہلِ ایمان کو ستانے اور اذیتیں دینے میں اس حد تک آگے جا چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! اب ان لوگوں کے دلوں کو سخت کر دے' ان کے دلوں پر مہریں لگا دے' تا کہ تیرا عذاب آنے تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ اس لیے کہ جو کچھ انہوں نے اللہ اور اہلِ ایمان کی دشمنی میں کیا ہے اس کی سزا انہیں مل جائے۔

آیت ۸۹ ﴿قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا﴾ ''اللہ نے فرمایا کہ (ٹھیک ہے) تم دونوں کی دُعا قبول کر لی گئی' اب تم دونوں بھی قائم رہو''

ایسا نہ ہو کہ وقت آنے پر تمہارا دل پسیج جائے اور پھر دعا کرنے لگو کہ اے اللہ اب ان کو معاف فرما دے!

﴿وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸۹﴾ ''اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی مت کرنا جو علم نہیں رکھتے''

آیت ۹۰ ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ﴾ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو پار اُتارا دریا سمندر (یا دریا) کے''

﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ﴾ ''پھر ان کا پیچھا کیا فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کی غرض سے۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ﴾ ''یہاں تک کہ جب پالیا اُسے غرق نے''

یعنی جب فرعون غرق ہونے لگا تو:

﴿قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰﴾ ''کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اُس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں' اور میں (اُس کے) فرماں برداروں میں سے ہوں۔''

آیت ۹۱ ﴿آٰلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۹۱﴾ ''کیا اب (تُو ایمان لا رہا ہے)؟ حالانکہ اس سے پہلے تُو نافرمانی کرتا رہا ہے اور تُو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔''

آیت ۹۲ ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ﴾ ''تو آج ہم تمہارے بدن کو بچائیں گے تا کہ تُو اپنے بعد والوں کے لیے ایک نشانی بنا رہے۔''

یعنی تمہارے جسم کو محفوظ رکھا جائے گا' اس کو گلنے سڑنے نہیں دیا جائے گا تا کہ بعد میں آنے والے اسے دیکھ کر عبرت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ غرق ہونے کے کچھ عرصہ بعد فرعون کی لاش کنارے پر پائی گئی تھی' صرف اس کے ناک کو کسی مچھلی وغیرہ نے کاٹا تھا' باقی لاش صحیح سلامت تھی اور آج تک قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝۹۲﴾ ''اور یقیناً بہت سے لوگ ہماری آیات سے غفلت ہی برتتے رہتے ہیں۔''

آیت ۹۳ ﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ﴾ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت ہی عمدہ جگہ فراہم کر دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ روزی دی۔''

﴿فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ﴾ ’’پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا۔‘‘

یعنی انہوں نے اُس وقت اختلاف کیا اور تفرقے برپا کیے جبکہ ان کے پاس علم آ چکا تھا۔ انہوں نے ایسا ناواقفیت کی بنیاد پر مجبوراً نہیں کیا تھا‘ بلکہ یہ سب کچھ ان کے اپنے نفس کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ’’یقیناً آپؐ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن‘ جن چیزوں میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے۔‘‘

آیات ۹۴ تا ۱۰۳

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۵

آیت ۹۴ ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ﴾ ’’پھر اگر آپؐ کو کوئی شک ہے اُس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپؐ پر نازل کی ہے‘‘

یہاں خطاب بظاہر محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے‘ لیکن اس بات کا تو قطعاً کوئی امکان نہیں کہ آپ ﷺ کو اس میں کوئی شک ہوتا‘ لہٰذا اصل میں روئے سخن اہلِ مکہ کی طرف ہے۔ بعض اوقات جس سے بات کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے رویے کی وجہ سے اس سے اس قدر نفرت ہو جاتی ہے کہ اسے براہِ راست مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص سے بات کی جاتی ہے تاکہ اصل مخاطب بالواسطہ طور پر اسے سن لے۔ چنانچہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اے مشرکینِ مکہ! اگر تم لوگوں کو اس کتاب کے بارے میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہے:

﴿فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ﴾ ’’تو پوچھ لیجیے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تھی آپؐ سے پہلے۔‘‘

﴿لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کے پاس حق آیا ہے

آپ کے رب کی طرف سے' تو ہرگز نہ ہو جائیں آپ شک کرنے والوں میں سے۔''

یہ اُسی اندازِ تخاطب کا تسلسل ہے کہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے مشرکینِ مکہ کو سنایا جا رہا ہے۔

آیت ۹۵ ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۵﴾ ''اور مت ہو جانا اُن لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا' ورنہ تم ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے۔''

آیت ۹۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۹۶﴾ ''یقیناً جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

جو لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قانونِ خداوندی کی زد میں آ چکے ہیں اور ان کے دلوں پر آخری مہر لگ چکی ہے' ایسے لوگوں کو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

آیت ۹۷ ﴿وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۹۷﴾ ''اور چاہے ان کے پاس ساری ہی نشانیاں آ جائیں (اب وہ ایمان نہیں لائیں گے) جب تک کہ عذابِ الیم کو دیکھ نہ لیں۔''

جیسا کہ فرعون کا معاملہ ہوا کہ جب غرق ہونے لگا تب ایمان لایا۔

آیت ۹۸ ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ﴾ ''تو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی جو ایمان لاتی اور اُسے اُس کا ایمان نفع پہنچاتا سوائے قومِ یونسؑ کے؟''

حضرت یونس علیہ السلام نینوا کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپؑ کی دعوت کے مقابلے میں آپؑ کی قوم انکار پر اڑی رہی۔ جب آخری حُجت کے بعد ان لوگوں پر عذاب کا فیصلہ ہو گیا تو حضرت یونس علیہ السلام حمیتِ دینی کے جوش میں انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور جاتے جاتے انہیں یہ خبر دے گئے کہ اب تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آ جائے گا' جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کو اپنی قوم کو چھوڑ کر جانے کی ابھی باضابطہ طور پر اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ رہی ہے کہ ایسے مواقع پر رسولؑ اپنی مرضی سے اپنی بستی کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ ہجرت کا حکم نہ آ جائے (نبی کا معاملہ اس طرح سے نہیں ہوتا)۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیا تھا مگر آپ ﷺ نے خود اُس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باضابطہ طور پر اس کی اجازت نہیں مل گئی تھی۔ سیرت کی کتابوں میں یہاں تک تفصیل ملتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں اس مقصد کے لیے تیار کر رکھی تھیں اور روزانہ آپؐ سے استفسار کرتے تھے کہ حضورؐ اجازت ملی یا نہیں؟

بہر حال حضرت یونس علیہ السلام کے جانے کے بعد جب عذاب کے آثار پیدا ہوئے تو پوری بستی کے لوگ اپنے بچوں' عورتوں اور مال مویشی کو لے کر باہر نکل آئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر توبہ کی۔ اللہ کے قانون کے مطابق تو عذاب کے آثار ظاہر ہو جانے کے بعد نہ ایمان فائدہ مند ہوتا ہے اور نہ توبہ قبول کی جاتی ہے' مگر حضرت یونس علیہ السلام کے وقت سے پہلے ہجرت کر جانے کی وجہ سے اس قوم کے معاملے میں نرمی اختیار کی گئی اور ان کی توبہ قبول کرتے ہوئے ان پر سے عذاب کو ٹال دیا گیا۔ یوں انسانی تاریخ میں ایک استثناء (exception) قائم ہوا کہ اس قوم کے لیے قانونِ خداوندی میں رعایت دی گئی۔

﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸﴾ ''جب وہ ایمان لے

آئے تو ہم نے ہٹا دیا اُن سے دنیا کی زندگی میں وہ رسوا کن عذاب اور ایک وقتِ معیّن کے لیے ہم نے انہیں (فوائدِ دنیوی سے) بہرہ مند ہونے کا موقع دے دیا۔''

آیت ۹۹ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ بھی ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔''

یہ مضمون سورۃ الانعام میں بڑے شدّ و مد کے ساتھ آ چکا ہے۔ حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ یہ سب لوگ ایمان لے آئیں' مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں ہمارا اپنا قانون ہے اور وہ یہ کہ جو حق کا طالب ہوگا اسے حق مل جائے گا اور جو تعصّب' ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے گا' اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ اگر لوگوں کو مسلمان بنانا ہی مقصود ہوتا تو اللہ کے لیے یہ کون سا مشکل کام تھا۔ وہ سب کو پیدا ہی ایسے کرتا کہ سب مؤمن' متقی اور پرہیزگار ہوتے۔ آخر اُس نے فرشتے بھی تو پیدا کیے ہیں جو کبھی غلطی کرتے ہیں نہ اُس کی معصیت۔ جیسا کہ سورۃ التحریم میں فرمایا: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶﴾ ''وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے''۔ لیکن انسانوں کو اُس نے پیدا ہی امتحان کے لیے کیا ہے۔ سورۃ الملک کے آغاز میں زندگی اور موت کی تخلیق کا یہی مقصد بتایا گیا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (آیت ۲) ''اُس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون حسنِ عمل کا رویہ اختیار کرتا ہے''۔ لہٰذا اے نبی (ﷺ) آپ اس معاملے میں اپنا فرض ادا کرتے جائیں' کوئی ایمان لائے یا نہ لائے اس کی پروا نہ کریں' کسی کو ہدایت دینے یا نہ دینے کا معاملہ ہم سے متعلق ہے۔

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۹۹﴾ ''تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ ضرور ایمان لے آئیں!''

اصل میں یہ ساری باتیں حضور ﷺ کے دل مبارک کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کی جا رہی ہیں کہ آپ ہر وقت دعوت و تبلیغ کی جدّ و جُہد میں مصروف ہیں' پھر آپ کو یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ کہیں اس ضمن میں میری طرف سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ جیسے سورۃ الاعراف (آیت ۲ میں) فرمایا: ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ کہ آپ ﷺ کے دل میں فرائضِ رسالت کے سلسلے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ اور ان لوگوں کے پیچھے آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کسی جان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کے اذن سے۔''

﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۰﴾ ''اور وہ گندگی مسلّط کر دیتا ہے اُن لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

آیت ۱۰۱ ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''ان سے کہیے کہ دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں ہیں' ان کو بنظرِ غائر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

﴿وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱﴾ ''لیکن یہ نشانیاں اور ڈراوے اُن لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔''

آیت ۱۰۲ ﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ ''تو کیا یہ منتظر ہیں اسی طرح کے دنوں کے

جیسے ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں؟''

رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں پر آنے والے عذابِ استیصال والے دنوں کو قرآن حکیم میں ''ایام اللہ'' قرار دیا گیا ہے۔ تو کیا یہ لوگ ایسے دنوں کے منتظر ہیں جو قومِ نوحؑ یا قومِ ہودؑ یا قومِ صالحؑ یا قومِ لوطؑ کو دیکھنے پڑے تھے؟

﴿قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۱۰۲﴾ ''کہہ دیجیے کہ پس انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔''

آیت ۱۰۳ ﴿ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳﴾ ''پھر ہم نجات دیتے رہے ہیں اپنے رسولوںؑ کو اور اہلِ ایمان کو۔ اسی طرح ہمارے اوپر حق ہے کہ ہم اہلِ ایمان کو نجات دیں۔''

جیسے حضرت نوحؑ' حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی قوموں میں سے جو لوگ ایمان لے آئے انہیں بچا لیا گیا۔ عامورہ اور سدوم کی بستیوں میں سے کوئی ایک خوش قسمت بھی نہ نکلا کہ اسے بچایا جاتا۔ حضرت لوطؑ اصرف اپنی دو بیٹیوں کو لے کر وہاں سے نکلے تھے' جبکہ ان کی اپنی بیوی بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ گئی اور عذاب کا نشانہ بنی۔

آیات ۱۰۴ تا ۱۰۹

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۸ ع وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۱۰۹

آیت ۱۰۴ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے''

اب سورۃ کے آخر میں فیصلہ کن انداز میں خطاب کیا جا رہا ہے کہ اے لوگو! یہ جو تم مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہو' کہ میں اپنے موقف میں کچھ نرمی پیدا کر لوں یا تمہارے ساتھ کسی حد تک مداہنت (compromise) کا رویہ اختیار کروں' تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں ابھی تک شک ہے۔ اگر ایسا ہے تو تم لوگ اپنا یہ شک دور کر لو:

﴿فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ﴾ ''تو (جان لو کہ) میں ہرگز نہیں پوجنے والا اُن کو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا' بلکہ میں تو پوجوں گا اُسی اللہ کو جو تمہیں قبض کرے گا۔''

﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔''

آیت ۱۰۵ ﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ﴾ ''اور یہ کہ آپؐ اپنا رخ سیدھا رکھیے دین کی طرف یکسو ہو کر۔''

پوری طرح حنیف یعنی یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ ہوں۔

﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اور ہرگز نہ ہوں ان مشرکوں میں سے۔''

آیت ۱۰۶ ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''اور مت پکاریئے اللہ کے سوا اُس کو جو نہ تمہیں نفع دے سکے نہ نقصان' اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا کیا تو پھر آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ ''اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے' تو کوئی نہیں ہے اس کو دُور کرنے والا سوائے اللہ کے۔''

﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اور اگر وہ ارادہ کر لے آپؐ کے ساتھ بھلائی کا تو اُس کے فضل کو لوٹانے والا کوئی نہیں۔''

﴿يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''وہ پہنچاتا ہے اس (فضل) کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے' اور وہ بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق آ چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ تو اب جو کوئی بھی ہدایت پائے گا وہ اپنے بھلے کو ہی ہدایت پائے گا۔''

اس ہدایت کا فائدہ اسی کو ہوگا' عاقبت اسی کی سنورے گی اور اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہوگی۔

﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اور جو کوئی بھٹک جائے گا تو وہ بھی اپنی جان پر ہی وبال لے گا۔ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

مجھے تمہارے اوپر کوئی داروغہ مقرر نہیں کیا گیا۔ میں تمہارے بارے میں مسئول نہیں ہوں۔ اللہ رب العزت کے ہاں تمہارے بارے میں مجھ سے باز پرس نہیں ہوگی کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے تھے؟ ﴿وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾﴾ (البقرۃ) ''اور آپؐ سے نہیں پوچھا جائے گا جہنمیوں کے بارے میں!''

آیت ۱۰۹ ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپؐ پیروی کرتے جایئے اُس کی جو آپ کی طرف وحی کیا جا رہا ہے اور صبر کیجیے''

اپنے موقف پر جمے رہیے اور ڈٹے رہیے' مشکلات کے دباؤ کو برداشت کیجیے۔

﴿حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے' اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم oo

سُوْرَۃُ هُوْدٍ

تمہیدی کلمات

سورۂ ہود کے دس رکوع ہیں' جن میں سے چھ رکوع انباء الرسل پر مشتمل ہیں۔ یہ سورت چونکہ سورۂ یونس کے ساتھ مل کر جوڑا بنتی ہے اس لیے سورۂ یونس کے برعکس اس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ ہوا ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بالکل سرسری انداز میں ہے۔ (سورۂ یونس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر سرسری انداز میں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔) ان دونوں پیغمبروں کے ذکر کے درمیان میں باقی رسولوں کا ذکر اس سورت میں بالکل سورۃ الاعراف والے انداز میں ہے' یعنی ایک ایک رکوع میں ایک ایک رسول کا تذکرہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپؐ پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں''۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا))[1] ''مجھے سورۂ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے''۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان سورتوں میں بے در بے تنبیہات نازل ہو رہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر وقت یہ اندیشہ گھلائے دیتا ہوگا کہ کہیں اللہ کی دی ہوئی مہلت ختم نہ ہو جائے اور وہ آخری ساعت نہ آ جائے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب میں پکڑ لینے کا فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔

آیات ۱ تا ۸

سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا: ۱۲۳ رُكُوْعَاتُهَا: ۱۰

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

الجزء الثانی عشر (۱۲)

۱۔ رواہ الترمذی۔ مشکاۃ المصابیح' کتاب الرقاق' باب البکاء والخوف' الفصل الثانی۔

الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷ وَ لَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع

آیت ۱ ﴿الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝۱﴾ ''الٓ ل ٓ ر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات (پہلے) پختہ کی گئی ہیں' پھر ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اُس ہستی کی طرف سے جو حکیم اور خبیر ہے۔''

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ حجم کے اعتبار سے تو چھوٹی' لیکن بہت جامع اور گہرے مفہوم کی حامل ہیں' جیسے کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہو۔ مثلاً سورۃ العصر' جس کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں: لَوْلَمْ یُنْزَلْ مِنَ الْقُرْآنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسِ یعنی ''اگر اس سورت کے علاوہ قرآن میں کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو بھی یہ سورت لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی تھی''۔ امام شافعیؒ سورۃ العصر کے بارے میں مزید فرماتے ہیں: لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ ''اگر لوگ اس سورت پر ہی تدبر کریں تو یہ ان کی ہدایت کے لیے کافی ہو جائے گی''۔ چنانچہ قرآن مجید کی ابتدائی سورتیں اور آیات بہت محکم اور جامع ہیں اور بعد میں انہی کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اور اس کتاب کا بنیادی پیغام یہ ہے:

آیت ۲ ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ۝۲﴾ ''کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے۔ یقیناً میں ہوں تمہارے لیے اُسی کی جانب سے خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا۔''

انبیاء و رسل کے لیے قرآن میں بشیر اور نذیر کے الفاظ بار بار آتے ہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝۱۶۵﴾ اور سورۃ الانعام میں فرمایا: ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ﴾ (آیت ۴۸)

آیت ۳ ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّیُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ﴾ ''اور یہ کہ اپنے رب سے استغفار کرو' پھر اُس کی جناب میں توبہ کرو' وہ تمہیں (دُنیوی زندگی میں) مال و متاع دے گا بہت اچھا ایک وقتِ معین تک اور ہر صاحبِ فضل کو اُس کے حصے کا فضل عطا کرے گا۔''

یہاں ذِیْ فَضْلٍ سے مراد ہے 'مستحقِ فضل'۔ یعنی جو بھی فضل کا مستحق ہوگا' اللہ تعالیٰ اُسے اپنا فضل ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ۝۳﴾ ''اور اگر تم پھر جاؤ گے تو مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا۔''

آیت ۴ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴﴾ ''اللہ ہی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۵ ﴿اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ یہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں۔''

یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ ثَنٰی یَثْنِیْ کے معنی پھیرنے' موڑنے اور لپیٹنے کے ہیں۔ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مخالفین میں سے کچھ لوگوں کا رویہ ایسا تھا کہ آپ ﷺ کو آتے دیکھتے تو رخ بدل لیتے یا کپڑے کی اوٹ میں منہ چھپا لیتے' تاکہ کہیں آمنا سامنا نہ ہو جائے اور آپ ﷺ انہیں مخاطب کر کے کچھ اپنی باتیں نہ کہنے لگیں۔ یہاں ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ حق کا سامنا اور حقیقت کا مواجہہ کرنے سے گھبراتے ہیں' حالانکہ کسی کے گریز کرنے سے حقیقت غائب نہیں ہو جاتی۔ شُتر مُرغ طوفان کے دوران اگر ریت میں سر چھپا لے تو اس سے طوفان کا رخ تبدیل نہیں ہو جاتا۔

اس کے علاوہ ایک رائے وہ ہے جو بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل ہوئی ہے کہ کچھ اہلِ ایمان پر حیا کا بہت زیادہ غلبہ تھا (مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان اصحاب میں بہت نمایاں تھے) ایسے لوگ کبھی غسل کے وقت بھی عریاں ہونا پسند نہیں کرتے تھے اور ایسے مواقع پر اس انداز سے جھک جاتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو ستر چھپا رہے۔ اسی طرح قضائے حاجت کے وقت بھی پورے ستر کا اہتمام کرتے تھے۔ اس حوالے سے اس حکم کا منشا یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں جو کچھ بھی کر لو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے تو نہیں چھپ سکتے ہو۔ لہٰذا ستر چھپانے کے بارے میں جو بھی احکامات ہیں اُن کی معروف طریقے سے پیروی کرو۔ اس طرح کے کسی بھی معاملہ میں غلو کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ جب وہ اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں تب بھی اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہوتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ تو اس کو بھی جانتا ہے جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔''

آیت ۶ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ ''اور نہیں ہے کوئی بھی چلنے پھرنے والا (جاندار) زمین پر' مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے''

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے اندر تقسیمِ رزق کا جو نظام وضع کیا ہے اس میں اس نے ہر جاندار کے لیے اس کی ضروریاتِ زندگی فراہم کر دی ہیں۔ بچے کی پیدائش بعد میں ہوتی ہے مگر اس کے لیے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ اللہ کے اس نظام اور اس کے قوانین کو پسِ پشت ڈال کر کوئی ایسا نظام یا ایسے قوانین وضع کرے جن کے تحت ایک فرد کے حصے کا رزق کسی دوسرے کی جھولی میں چلا جائے' تو رزق یا دولت کی تقسیم کا خدائی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لوٹ کھسوٹ کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کہیں دولت کے بے جا انبار لگیں گے اور کہیں بے شمار انسان فاقوں پر مجبور ہو جائیں گے۔ لہٰذا جہاں کہیں بھی رزق کی تقسیم میں کوئی کمی بیشی نظر آئے تو سمجھ لو کہ اس کا ذمہ دار خود انسان ہے۔

﴿وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ﴾ ''اور وہ جانتا ہے اس کے مستقل ٹھکانے کو بھی اور اس کے عارضی طور پر سونپے جانے کی جگہ کو بھی۔''

مُستَقَر اور مُستَودَع دونوں الفاظ کی تشریح سورۃ الانعام کی آیت ۹۸ میں تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے۔ وہاں ان الفاظ کے بارے میں تین مختلف اقوال بھی زیر بحث آ چکے ہیں۔

﴿كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۶﴾ ''یہ سب کچھ ایک روشن کتاب میں (درج) ہے۔''

وہی روشن اور واضح کتاب جو علمِ الٰہی کی کتاب ہے۔

آیت ۷ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ ''اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں اور اُس کا تخت تھا پانی پر''

میرے نزدیک یہ آیت آج بھی متشابہات میں سے ہے' لیکن شاید یہ اُس دَور کی طرف اشارہ ہے جب یہ دُنیا معرضِ وجود میں آئی۔ زمین کی تخلیق کے بارے میں سائنسی اور تاریخی ذرائع سے اب تک ملنے والی معلومات کو مجتمع کر کے جو آراء سامنے آئی ہیں اُن کے مطابق زمین جب ٹھنڈی ہونی شروع ہوئی تو اس سے بخارات اور مختلف اقسام کی گیسیں خارج ہوئیں۔ انہی گیسوں میں سے ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملنے سے پانی پیدا ہوا جو لاکھوں سال تک بارشوں کی صورت میں زمین پر برستا رہا۔ پھر جب زمین ٹھنڈی ہو کر سکڑی تو اس کی سطح پر نشیب و فراز پیدا ہونے سے پہاڑ اور سمندر وجود میں آئے۔ اُس وقت تک کسی قسم کی کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس زمین کی حد تک اللہ تعالیٰ کا تختِ حکومت (اس کا تصور انسانی ذہن سے ماوراء ہے) پانی پر تھا۔ پھر وہ دور آیا جب زمین کی آب و ہوا زندگی کے لیے موافق ہوئی تو مٹی اور پانی سے وجود میں آنے والے دلدلی علاقوں میں نباتاتی یا حیوانی مخلوق کی ابتدائی شکلیں پیدا ہوئیں۔ (واللہ اعلم!)

﴿لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ ''تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سے اچھے عمل کرنے والا۔''

یعنی انسانی زندگی کا وہ حصہ جو اس دنیا میں گزرتا ہے اس کا اصل مقصد امتحان ہے۔ علامہ اقبال نے اس شعر میں اس آیت کی بہت خوبصورت ترجمانی کی ہے:

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب — اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

﴿وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷﴾ ''اور اگر آپؐ کہیں کہ تمہیں اٹھایا جائے گا مرنے کے بعد تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

آیت ۸ ﴿وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ﴾ ''اور اگر مؤخر کیے رکھیں ہم اُن سے عذاب کو ایک خاص مدت تک تو وہ کہتے ہیں کہ کس چیز نے روک رکھا ہے اسے؟''

کہ اتنے عرصے سے آپ (ﷺ) ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں کہ تم پر عذاب آنے والا ہے' مگر اب تک وہ عذاب آیا کیوں نہیں؟ آخر کس چیز نے اسے روک رکھا ہے؟

﴿اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! جس دن یہ اُن پر آ جائے گا تو ان کی طرف سے پھیرا نہیں جائے گا' اور اُن کو گھیرے میں لے لے گی وہی چیز جس کا یہ لوگ استہزا کیا کرتے تھے۔''

آیات ۹ تا ۲۴

وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَیَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ
نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِیْنَ

صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا
يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ
اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ
سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا
يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ
بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ
كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ
مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۫ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ
مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ
هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ
فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا
يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ
كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع

آیت ۹ ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾ ''اور اگر ہم مزہ چکھاتے ہیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا''
﴿ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾﴾ ''پھر (جب) ہم اس سے وہ چھین لیتے ہیں تو وہ ہو جاتا ہے بالکل مایوس' نہایت ناشکرا۔''

انسان بنیادی طور پر کوتاہ نظر اور ناشکرا ہے۔ کسی نعمت' کامیابی یا خوشی کے بعد اگر اسے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اُس وقت وہ بھول جاتا ہے کہ اس پر کبھی اللہ کی نظرِ کرم بھی تھی۔ چاہیے تو یہ کہ اچھے حالات میں انسان اللہ کا شکر ادا کرے اور جب کوئی سختی آ جائے تو اس پر صبر کرے اور ساتھ ہی ساتھ دل میں اطمینان رکھے کہ ہر طرح کے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں' اگر آج سختی ہے تو کل آسائش بھی تو تھی۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ﴾ ''اور اگر ہم مزہ چکھائیں اسے

نعمتوں کا کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہوئی تھی تو ضرور کہے گا کہ میرے تو سارے دلدر دُور ہو گئے۔''

﴿اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰﴾ ''بے شک وہ اترانے والا اور فخر جتانے والا ہے۔''

جب کسی سختی کے بعد انسان کو آسائش یا کوئی نعمت مل جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی رحمت اور اس کا انعام سمجھتے ہوئے سجدۂ شکر بجالائے' وہ اس پر اترانا اور ڈینگیں مارنا شروع کر دیتا ہے اور اسے اپنی تدبیر کا نتیجہ اور اپنی محنت کا صلہ قرار دیتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ﴾ ''سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے صبر کی روش اختیار کی اور نیک اعمال کیے۔''

یعنی سب انسان ایک جیسے نہیں' کچھ ایسے بھی ہیں جن کو اللہ نے حقیقی ایمان کی نعمت سے نواز رکھا ہے اور ایمان کے نتیجے میں ان کے دل صبر کی دولت سے مالا مال ہیں اور ان کے کردار سے اعمالِ صالحہ کے نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱﴾ ''انہی کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) شاید آپ کچھ چیزیں چھوڑ دیں اُس میں سے جو آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے''

﴿وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ﴾ ''اور آپ کا سینہ اُس سے تنگ ہو رہا ہے جو وہ کہہ رہے ہیں' کہ کیوں نہیں ان کے اوپر اتار دیا گیا کوئی خزانہ یا کیوں نہیں آیا ان کے پاس کوئی فرشتہ۔''

یہ مضمون اس سے پہلے بڑی وضاحت کے ساتھ سورۃ الانعام میں آ چکا ہے' لیکن زیر مطالعہ گروپ کی مکی سورتوں میں بھی جا بجا مشرکین کی ایسی باتوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں گروپس میں شامل یہ تمام مکی سورتیں ایک ہی دور میں نازل ہوئی ہیں۔

یہاں مکی سورتوں کی ترتیبِ مصحف کے بارے میں ایک اہم نکتہ سمجھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ کے قیامِ مکہ کے بارہ سال کے عرصے کو اگر چار چار سال کے تین حصوں میں تقسیم کریں تو پہلے حصے یعنی پہلے چار سال میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ قرآن مجید کے آخری دو گروپوں میں شامل ہیں' یعنی سورۂ قٓ سے لے کر آخر تک۔ درمیانی چار سال کے دوران نازل ہونے والی سورتیں درمیانی گروپوں میں شامل ہیں اور آخری چار سال میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ شروع کے دو گروپوں میں شامل ہیں۔ ایک گروپ میں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف جبکہ اس دوسرے گروپ میں سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون (اس میں صرف ایک استثناء ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا)۔

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۲﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں' اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ ہے۔''

اس دور کی سورتوں میں مختلف انداز میں بار بار حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کا فرضِ منصبی یہی ہے کہ آپ ان لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اس کے بعد تمام معاملات اللہ کے حوالے ہیں۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ ایمان یا ہدایت کی توفیق کسے دینی ہے اور کسے نہیں دینی۔ کوئی معجزہ دکھانا ہے یا نہیں' نافرمانوں کو کب تک مہلت دینی ہے اور کب ان پر عذاب بھیجنا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

آیت ۱۳ ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ﴾ ''کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اُس نے خود گھڑ لیا ہے۔''

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اچھا تم لوگ بھی لے آؤ اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی''

مشرکین کو یہ چیلنج مختلف درجوں میں بار بار دیا گیا تھا۔ اس سے پہلے انہیں کہا گیا تھا کہ اس جیسا قرآن تم بھی بنا کر دکھاؤ (بنی اسرائیل: ۸۸)۔ یہاں دوسرے درجے میں ۱۰ سورتوں کا چیلنج دیا گیا۔ پھر اس کے بعد بر سبیلِ تنزل صرف ایک سورت بنا کر لانے کو کہا گیا' جس کا تذکرہ سورۂ یونس (آیت ۳۸) میں بھی ہے اور سورۃ البقرۃ (آیت ۲۳) میں بھی۔

﴿وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۳﴾ ''اور (اس کے لیے) بلا لو تم جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا' اگر تم سچے ہو۔''

آیت ۱۴ ﴿فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ﴾ ''پھر اگر وہ (تمہارے مددگار) تمہاری اس دعا کو قبول نہ کریں''

یعنی اگر وہ اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور تمہاری مدد کو نہ پہنچ سکیں:

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴﴾ ''تو جان لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اُس کے۔ تو کیا اب تم سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟''

یہ کفار ہی سے خطاب ہے کہ تم لوگ اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے اپنے معبودوں کو پکار دیکھو' کچھ خود محنت کرو اور کچھ اُن سے کہو کہ وہ القاء اور الہام کریں اور اس طرح مل جل کر دس سورتیں بنا لاؤ۔ اور اگر تمہارے یہ معبود تمہاری اس درخواست کو قبول نہ کر سکیں تو جان لو کہ نہ صرف یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے بلکہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی نہیں۔ تو اس سب کچھ کے بعد بھی کیا تم ماننے والے نہیں ہو؟ زورِ استدلال ملاحظہ ہو کہ ایک ہی دلیل سے قرآن حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت بھی دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا بھی۔

آیت ۱۵ ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا﴾ ''جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں''

جن لوگوں کا مقصدِ حیات ہی دنیوی مال و متاع کو حاصل کرنا ہو اور اسی کے لیے وہ رات دن دوڑ دھوپ میں لگے ہوں تو:

﴿نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ۝۱۵﴾ ''ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں اسی (دنیا کی زندگی) میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔''

ان لوگوں کے دل و دماغ پر دنیا پرستی چھائی ہوئی ہے' اور انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں دُنیوی زندگی کو حسین و دلکش بنانے کے لیے ہی صَرف کر دی ہیں۔ ان کی ساری منصوبہ بندی اسی دنیا کے مال و متاع کے حصول کے لیے ہے۔ چنانچہ اُن کی اونچی اونچی عمارات بھی بن گئی ہیں' کاروبار بھی خوب وسیع ہو گئے ہیں' ہر قسم کا سامانِ آسائش بھی ان کی دسترس میں ہے' عیش و عشرت کے مواقع بھی حسبِ خواہش انہیں میسّر ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ:

آیت ۱۶ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں ہے سوائے آگ کے۔''

ان کی ساری محنت اور بھاگ دوڑ اسی دنیا کے لیے تھی' لہٰذا ہم نے ان کی محنت کا صلہ اسی دنیا میں دے کر ان کا حساب چکا دیا ہے۔

﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۶﴾ ''اور اس (دُنیا) میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ سب جعل

ہو جائے گا اور جو اعمال انہوں نے کیے وہ بھی ضائع ہو جائیں گے۔''

روزِ محشر انہیں معلوم ہوگا کہ جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا اور جس کے لیے اپنی تمام تر استعدادات اور صلاحیتیں صرف کیں وہ سب ملیامیٹ ہو چکا ہے' اور اگر انہوں نے اپنے دل کو بہلانے کے لیے کوئی جھوٹی سچی نیکی کی ہوگی تو وہ بھی بے بنیاد ثابت ہوگی۔

آیت ۱۷ ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ''تو بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو''

بَیِّنَة (واضح دلیل) سے مراد انسان کی فطرتِ سلیمہ ہے۔ انسان کے اندر جو روحِ ربانی پھونکی گئی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے اندر موجود ہے۔ مگر یہ معرفتِ الٰہی انسان کے اندر خوابیدہ (dormant) ہوتی ہے۔ پھر جب وحی کے ذریعے واضح ہدایت اُس تک پہنچتی ہے تو وہ خوابیدہ معرفت فوراً جاگ جاتی ہے۔

﴿وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ ''اور اُس کے پیچھے آئے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی''

یعنی ایک سلیم الفطرت شخص جس کو خود اپنے وجود میں اور زمین و آسمان کی ساخت اور کائنات کے نظم و نسق میں توحیدِ باری تعالیٰ کی واضح شہادت مل رہی تھی' جب اُس کے پاس قرآن کی صورت میں اللہ کی طرف سے ایک گواہی بھی آ گئی' تو یہ ''نورٌ علیٰ نورٍ'' والا معاملہ ہو گیا۔ اور پھر اس پر مستزاد تورات کی تصدیق۔

﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً﴾ ''اور اس سے پہلے کتابِ موسیٰؑ بھی موجود تھی جو امام (راہنما) بھی تھی اور رحمت بھی۔''

ایسا سلیم الفطرت شخص کیونکر ایمان نہیں لائے گا؟ یہ تمثیل زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ النُّور میں بیان ہوئی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لائیں گے۔''

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ ''اور جو اِس کا انکار کرے گا ان گروہوں میں سے تو آگ ہی اُس کے وعدہ کی جگہ ہے۔''

تو اب جو بھی اس کتاب کے منکر ہوں چاہے وہ مشرکینِ مکہ میں سے ہوں' دوسرے کُفار میں سے' یا اہلِ کتاب میں سے' ان کا موجود ٹھکانا بس دوزخ ہے۔

﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ ''تو آپؐ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑیں''

﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''یقیناً یہ حق ہے آپؐ کے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''

آیت ۱۸ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا''

جس نے خود کوئی چیز گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دی۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو پیش کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے''

﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ ''اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر۔''

﴿اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ! ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘

ان جھوٹ گھڑنے والوں میں غلام احمد قادیانی آنجہانی اور اس جیسے دوسرے مدعیانِ نبوت بھی شامل ہوں گے۔

آیت ۱۹ ﴿الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَیَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ﴾ ’’جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔‘‘

تعلیماتِ حق اور طریقِ ہدایت پر خواہ مخواہ کے اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ اس راستے کو اختیار نہ کریں۔

﴿وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ ’’اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں۔‘‘

یہ وہی بات ہے جو ہم سورۂ یونس میں بار بار پڑھ آئے ہیں: ﴿لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا﴾ کہ انہیں ہم سے ملاقات کی امید ہی نہیں ہے۔ ان کی اصل بیماری بھی یہی ہے کہ وہ دل سے آخرت کے منکر ہیں اور اسی وجہ سے ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

آیت ۲۰ ﴿اُولٰٓئِکَ لَمۡ یَکُوۡنُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ﴾ ’’یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہیں‘‘

یہ لوگ اللہ کے قابو سے باہر نہیں ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہرگز شکست نہیں دے سکتے۔

﴿وَمَا کَانَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ ؘ﴾ ’’اور نہ ہی اللہ کے سوا اُن کا کوئی حمایتی ہے۔‘‘

﴿یُضٰعَفُ لَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ﴾ ’’اُن کے لیے عذاب دوگنا کیا جاتا رہے گا۔‘‘

﴿مَا کَانُوۡا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ السَّمۡعَ وَمَا کَانُوۡا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾﴾ ’’(اس لیے کہ) نہ تو وہ سننے کی صلاحیت رکھتے تھے نہ ہی دیکھتے تھے۔‘‘

وہ بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ سورۃ البقرۃ میں ایسے لوگوں کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾۔ حق کے لیے ان لوگوں کے اسی رویّہ کی وجہ سے ان کا عذاب بڑھایا جاتا رہے گا۔

آیت ۲۱ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو برباد کر لیا اور اُن سے گم ہو گیا جو کچھ وہ افترا کیا کرتے تھے۔‘‘

تب انہیں اپنے جھوٹے معبود اور سفارشی‘ من گھڑت عقائد و نظریات اور اللہ تعالیٰ پر افترا پردازیوں میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ یہ سب کچھ پادر ہوا ہو جائے گا۔

آیت ۲۲ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۲۲﴾﴾ ’’کچھ شک نہیں کہ آخرت میں سب سے بڑھ کر خسارہ پانے والے یہی لوگ ہوں گے۔‘‘

واضح رہے کہ ’’اَخۡسَرُ‘‘ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔

اہلِ جہنم کے تذکرے کے بعد فوری تقابل (simultaneous contrast) کے لیے اب اہلِ جنت کا ذکر کیا جا رہا ہے:

آیت ۲۳ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ ۙ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۳﴾﴾ ’’(اس کے برعکس) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی‘ وہ ہوں گے جنت والے‘ اور اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ﴾ ''ان دونوں گروہوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرہ ہو اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا۔''

﴿هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۴﴾ ''کیا یہ دونوں برابر ہیں مثال کے اعتبار سے؟ تو کیا تم نصیحت اخذ نہیں کرتے!'' بھلا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟ کیا تم اس مثال سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے؟

اب اگلے چھ رکوع انباء الرسل پر مشتمل ہیں۔ ان میں انہی چھ رسولوں اور اُن کی قوموں کے حالات بیان ہوئے ہیں جن کا ذکر ہم سورۃ الاعراف میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ یعنی حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب' حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہ چھ رسول ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے اوّلین مخاطب (اہلِ عرب) ان سب رسولوں اور ان کی قوموں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ جس خطے میں یہ رسول اپنے اپنے زمانے میں مبعوث ہوئے اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ان میں سے چیدہ چیدہ معلومات ذہن میں پھر سے تازہ کر لیں۔

اگلے صفحے پر جو نقشہ دیا گیا ہے یہ گویا ''ارض القرآن'' کا نقشہ ہے۔ قرآن مجید میں جن رسولوں کے حالات کا تذکرہ ہے وہ سب کے سب اسی خطے کے اندر مبعوث کیے گئے۔ نقشے میں جزیرہ نمائے عرب کے دائیں طرف خلیج فارس اور بائیں طرف بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر) ہے' جو اوپر جا کر خلیج عقبہ اور خلیج سویز میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

نقشے پر اگر خلیج فارس سے اوپر سیدھی لکیر کھینچی جائے اور خلیج عقبہ کے شمالی کونے سے بھی ایک لکیر کھینچی جائے تو جہاں یہ دونوں لکیریں آپس میں ملیں گی' یہ وہ علاقہ ہے جہاں پر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہیں سے اوپر شمال کی جانب ارارات کا پہاڑی سلسلہ ہے' جس میں کوہِ جُودی پر آپؑ کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ اس علاقے میں سیلاب کی صورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا' جس سے پوری قوم ہلاک ہو گئی۔ اُس وقت تک پوری نسلِ انسانی بس یہیں پر آباد تھی' چنانچہ سیلاب کے بعد نسلِ انسانی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے آگے چلی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام سام تھا' وہ اپنی اولاد کے ساتھ عراق کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ اس علاقے میں اُن کی نسل سے بہت سی قومیں پیدا ہوئیں۔ انہی میں سے ایک قوم اپنے مشہور سردار ''عاد'' کے نام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ قومِ عاد جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں احقاف کے علاقے میں آباد تھی۔ اس قوم میں جب شرک عام ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے بہت سے نبی بھیجے۔ ان انبیاء کے آخر میں حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف بطور رسول مبعوث ہو کر آئے۔ آپؑ کی دعوت کو رد کر کے جب یہ قوم بھی عذابِ الٰہی کی مستحق ہو گئی تو حضرت ہود علیہ السلام اپنے اہلِ ایمان ساتھیوں کو ساتھ لے کر عرب کے وسطی علاقے حجر کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہاں پھر ان لوگوں کی نسل آگے بڑھی۔ ان میں سے قومِ ثمود نے خصوصی طور پر بہت ترقی کی۔ اس قوم کا نام بھی ثمود نامی کسی بڑی شخصیت کے نام پر مشہور ہوا۔ یہ لوگ فنِ تعمیر کے بہت ماہر تھے۔ چنانچہ انہوں نے میدانی علاقوں میں بھی عالی شان محلات تعمیر کیے اور Granite Rocks پر مشتمل انتہائی سخت پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت مکانات بھی بنائے۔ اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ یہ تینوں اقوام (قومِ نوحؑ' قومِ عاد اور قومِ ثمود) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کی ہیں۔

دوسری طرف عراق میں جو سامی النسل لوگ آباد تھے ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپؑ کا تذکرہ قرآن میں کہیں

نقشہ "ارض القرآن"

(ان قوموں کے علاقے جن کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے)

بھی ''انباء الرسل'' کے انداز میں نہیں کیا گیا۔ یہاں سورۂ ہود میں بھی آپؑ کا ذکر ''قصص النّبیین'' کی طرز پر آیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کی اور بہت بڑا صحرائی علاقہ عبور کر کے شام چلے گئے۔ وہاں آپؑ نے فلسطین کے علاقے میں اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو آباد کیا جبکہ اس سے پہلے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپؑ مکہ میں آباد کر چکے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام آپؑ کے بھتیجے تھے۔ شام کی طرف ہجرت کرتے ہوئے وہ بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نواز کر عامورہ اور سدوم کے شہروں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ شہر بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے کنارے پر آباد تھے۔ لہٰذا قومِ ثمود کے بعد انباء الرسل کے انداز میں حضرت لوط علیہ السلام ہی کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد آپؑ کی تیسری بیوی قطورہ سے ہوئی وہ خلیج عقبہ کے مشرقی علاقے میں آباد ہوئی۔ اپنے کسی مشہور سردار کے نام پر اس قوم اور اس علاقے کا نام ''مدین'' مشہور ہوا۔ اس قوم کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ انباء الرسل کے اس سلسلے میں حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں مبعوث کیا گیا جو جزیرہ نمائے عرب سے باہر جزیرہ نمائے سینا (Senai Peninsula) کے دوسری طرف واقع ہے۔ آپؑ کی بعثت بنی اسرائیل میں ہوئی تھی، جو حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے فلسطین سے ہجرت کر کے مصر میں آباد ہوئے تھے۔ (سورۂ یوسف میں اس ہجرت کی پوری تفصیل موجود ہے۔)

بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء و رسل دنیا کے مختلف علاقوں میں مبعوث فرمائے۔ اُن تمام پیغمبروں کی تاریخ بیان کرنا قرآن کا موضوع نہیں ہے۔ قرآن تو کتابِ ہدایت ہے اور انبیاء و رسل کے واقعات بھی ہدایت کے لیے ہی بیان کیے جاتے ہیں۔ اس ہدایت کے تمام پہلو کسی ایک رسولؑ کے قصے میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر مذکورہ چھ رسولوں (علیہم السلام) کا ذکر بار بار اس لیے قرآن میں آیا ہے کہ اُن کے ناموں سے اہلِ عرب واقف تھے اور ان کی حکایات و روایات میں بھی ان کے تذکرے موجود تھے۔

آیات ۲۵ تا ۳۵

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۫ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ
اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا
بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ
عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ
رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ
یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ
طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ
اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

آیت ۲۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف (تو آپؑ نے کہا) کہ مَیں تمہارے لیے ایک کھلا خبردار کر دینے والا ہوں۔''

آیت ۲۶ ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾﴾ ''کہ مت پوجو کسی کو سوائے اللہ کے۔ مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دردناک دن کے عذاب کا۔''

آیت ۲۷ ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ ''تو اُس کی قوم کے اُن سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی کہ ہم نہیں دیکھتے (اے نوح) آپ کو مگر اپنے جیسا ایک انسان''

انہوں نے کہا کہ آپ تو بالکل ہمارے جیسے انسان ہیں۔ آپ میں ہمیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی کہ ہم آپ کو اللہ کا فرستادہ مان لیں۔

﴿وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ﴾ ''اور ہم نہیں دیکھتے مگر یہ کہ آپ کی پیروی کرنے والے بظاہر ہم میں ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں۔''

ہمیں بلا تامل نظر آ رہا ہے کہ چند مفلس' نادار اور نچلے طبقے کے لوگ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے ہیں' جبکہ ہمارے معاشرے کا کوئی بھی معزز اور معقول آدمی آپ سے متاثر نہیں ہوا۔

﴿وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور ہمیں نظر نہیں آتی اپنے مقابلے میں تم لوگوں میں کوئی بھی فضیلت' بلکہ ہمارا گمان تو یہی ہے کہ تم لوگ جھوٹے ہو۔''

آیت ۲۸ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''نوحؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا غور کرو اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا''

یہ لفظ بَیِّنَۃ اس سورت میں بار بار آئے گا۔ یعنی میں نے اپنی زندگی تمہارے درمیان گزاری ہے' میرا کردار' میرا اخلاق اور میرا رویہ' سب کچھ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تم لوگ جانتے ہو کہ میں ایک شریف النفس اور سلیم الفطرت انسان ہوں۔ لہٰذا تم لوگ غور کرو کہ پہلے بھی اگر میں ایسی شخصیت کا حامل انسان تھا:

﴿وَّاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ﴾ ''اور (اب) اُس نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا فرما دی ہے (اور یہ وہ چیز ہے) جس کو تمہاری نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔''

یعنی میرے اوپر اللہ کی رحمت سے وحی آتی ہے جس کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک تم لوگ نہیں کر سکتے۔ مَیں اس کے بارے میں تم لوگوں کو بتا ہی سکتا ہوں' دکھا تو نہیں سکتا۔

﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''تو کیا ہم چپکا دیں تم پر اس کو (زبردستی) جبکہ تم لوگ اس کو ناپسند کرتے ہو؟''

اب اگر ایک بات آپ لوگوں کو پسند نہیں آ رہی تو ہم زبردستی اس کو تمہارے سر نہیں تھوپ سکتے۔ ہم آپ لوگوں کو مجبور تو نہیں کر سکتے کہ آپ ضرور ہی اللہ کو اپنا معبود اور مجھے اس کا رسول مانو۔

آیت ۲۹ ﴿وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۭ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس کے بدلے کوئی مال طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے' اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں۔''

جن لوگوں کے بارے میں تم کہتے ہو کہ وہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں' وہ سب اہلِ ایمان ہیں' اور اس لحاظ سے میرے نزدیک وہ بہت اہم اور معزز لوگ ہیں۔ اب میں تمہارے کہنے پر ان کو خود سے دور نہیں بنا سکتا۔

﴿اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''وہ یقیناً اپنے رب سے ملنے والے ہیں' لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت میں مبتلا ہو گئے ہو۔''

آیت ۳۰ ﴿وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! (ذرا سوچو کہ) اگر میں ان کو اپنے ہاں سے بھگا دوں گا تو کون میری مدد کرے گا اللہ کے مقابلے میں؟''

یہ سب سچے مؤمنین' اللہ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعائیں مانگنے والے لوگ ہیں۔ اگر میں تمہارے کہنے پر ان کو دھتکار دوں تو اللہ کی ناراضگی سے مجھے کون بچائے گا۔

﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''تو کیا تم لوگ نصیحت اخذ نہیں کرتے؟''

آیت ۳۱ ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ﴾ ''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں''

میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ اللہ کے خزانوں پر میرا اختیار ہے۔ یہ وہی بات ہے جو ہم سورۃ الانعام آیت ۵۰ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ ''اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں' اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں'

﴿وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ﴾ ''اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں اُن لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر دیکھ رہی ہیں کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا۔''

کیا معلوم اللہ کے ہاں وہ بہت محبوب ہوں' اللہ انہیں بہت بلند مراتب عطا کرے اور اُخروی زندگی میں ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾﴾ (الواقعہ) کا مستحق ٹھہرائے۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' (اگر میں اُن کو دور کر دوں) تب تو یقیناً میں خود ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔''

یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اپنے ایمان کے دعوے میں کتنا مخلص ہے اور کس کے دل میں اللہ کے لیے کتنی محبت ہے۔ اگر میں تمہارے طعنوں سے تنگ آ کر ان اہلِ ایمان کو اپنے پاس سے اٹھا دوں تو میرا شمار ظالموں میں ہو گا۔

آیت ﴿قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ ''انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور خوب جھگڑا کیا''

جب حضرت نوح علیہ السلام کی ان تمام باتوں کا علمی، عقلی اور منطقی سطح پر کوئی جواب ان لوگوں سے نہ بن پڑا تو وہ خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے کہ بس جی بہت ہو گیا بحث مباحثہ اب چھوڑیں ان دلیلوں کو اور:

﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۳۲﴾ ''پس لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔''

آیت ﴿قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۳۳﴾ ''آپؑ نے فرمایا کہ وہ (عذاب) تو اللہ ہی لائے گا تمہارے اوپر اگر وہ چاہے گا اور پھر تم اس کو شکست نہیں دے سکو گے۔''

اگر اُس نے تمہیں عذاب دینے کا فیصلہ کر لیا تو پھر تم لوگ اس کا مقابلہ کر کے اس کے عذاب سے بچ کر بھاگ نہیں سکو گے۔

آیت ﴿وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ﴾ ''اور تم لوگوں کو میری نصیحت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں تمہیں نصیحت کرنا بھی چاہوں اگر اللہ ہی تمہاری گمراہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔''

اگر تمہاری اس خواہ مخواہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث اللہ نے تمہاری گمراہی کے فیصلے پر مہر ثبت کر دی ہو تو پھر میری نصیحت اور خیر خواہی تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی۔

﴿هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۳۴﴾ ''وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔''

آیت ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۳۵﴾ ''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے؟ آپؐ کہیے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو اس کا وبال مجھ ہی پر آئے گا اور میں بَری ہوں اس سے جو جرم تم کر رہے ہو۔''

یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے درمیان آ گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ تمام باتیں جو ہم آپؐ کو بذریعہ وحی بتاتے ہیں جیسے حضرت نوحؑ اور آپؑ کی قوم کی گفت و شنید نقل ہوئی تو مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں اور قصے آپؐ خود اپنی طرف سے بنا کر انہیں سناتے ہیں۔ آپؐ ان پر واضح کر دیں کہ میں اگر واقعی یہ جرم کر رہا ہوں تو اس کا وبال بھی مجھ ہی پر آئے گا۔ مگر آپ لوگ اس کے دوسرے پہلو پر بھی غور کریں کہ اگر یہ کلام واقعی اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو جھٹلا کر تم لوگ جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو اس کے نتائج بھی پھر تم لوگوں کو ہی بھگتنا ہیں۔ بہر حال میں علی الاعلان کہے دیتا ہوں کہ میں تمہارے اس جرم سے بالکل بَری ہوں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کا سلسلہ دوبارہ وہیں سے جوڑا جا رہا ہے۔

آیات ۳۶ تا ۴۹

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۳۶ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ یَصۡنَعُ الۡفُلۡکَ ۟ وَ کُلَّمَا مَرَّ عَلَیۡہِ مَلَاٌ مِّنۡ قَوۡمِہٖ سَخِرُوۡا مِنۡہُ ؕ قَالَ اِنۡ
تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡکُمۡ کَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ یَّاۡتِیۡہِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡہِ وَ
یَحِلُّ عَلَیۡہِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۴۰﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِیۡہَا مِنۡ کُلٍّ
زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ اَہۡلَکَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ وَ مَنۡ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَہٗۤ اِلَّا
قَلِیۡلٌ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ ارۡکَبُوۡا فِیۡہَا بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰىہَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۴۲﴾ وَ
ہِیَ تَجۡرِیۡ بِہِمۡ فِیۡ مَوۡجٍ کَالۡجِبَالِ ۫ وَ نَادٰی نُوۡحُ ۨ ابۡنَہٗ وَ کَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا
وَ لَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۴۳﴾ قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ
مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ قِیۡلَ یٰۤاَرۡضُ
ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ وَ یٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ وَ غِیۡضَ الۡمَآءُ وَ قُضِیَ الۡاَمۡرُ وَ اسۡتَوَتۡ عَلَی الۡجُوۡدِیِّ وَ
قِیۡلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ نَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ وَ اِنَّ
وَعۡدَکَ الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ
غَیۡرُ صَالِحٍ ۫ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۴۷﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ
مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۸﴾ قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ؕ وَ
اُمَمٌ سَنُمَتِّعُہُمۡ ثُمَّ یَمَسُّہُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۹﴾ تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا
کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ۛؕ فَاصۡبِرۡ ؕ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

آیت ۳۶ ﴿وَاُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّہٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور وحی کر دی گئی نوحؑ کی طرف کہ اب کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا تمہاری قوم میں سے سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں' تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں آپؑ اس کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔''

آیت ۳۷ ﴿وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا﴾ ''اور (اب) آپؑ کشتی بنایئے ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری ہدایات کے مطابق''

اس حکم سے یوں لگتا ہے کہ کشتی کی تیاری کے ہر مرحلے پر حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات مل رہی تھیں' مثلاً لمبائی اتنی ہو' چوڑائی اتنی ہو' لکڑیاں یوں تیار کرو وغیرہ۔

﴿وَلَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ﴾ ''اور جو ظالم ہیں ان کے بارے میں اب مجھ سے بات نہ کیجیے گا۔''

اب ان منکرین میں سے کسی کے بارے میں کوئی درخواست' دعا یا سفارش وغیرہ آپ کی طرف سے نہ آئے' اب اس کا وقت گزر چکا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۳۷﴾ ''(اب) یہ سب کے سب غرق کیے جائیں گے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ﴾ ''اور آپؑ کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی آپؑ کے پاس سے گزرتے آپؑ کی قوم کے سردار تو وہ آپؑ کا مذاق اڑاتے۔''

حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے اہلِ ایمان ساتھی جس جگہ اور جس علاقے میں یہ کشتی بنا رہے تھے ظاہر ہے کہ وہاں ہر طرف خشکی ہی خشکی تھی' سمندر یا دریا کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ ان حالات میں تصور کریں کہ کیا کیا باتیں اور کیسے کیسے تمسخر آمیز فقرے کہے جاتے ہوں گے کہ اب تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بالکل ہی مت ماری گئی ہے کہ خشکی پر کشتی چلانے کا ارادہ ہے!

﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝۳۸﴾ ''نوحؑ فرماتے کہ اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کر رہے ہو تو (وہ وقت قریب آنے والا ہے کہ) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے کہ اب تم تمسخر کر رہے ہو۔''

آیت ۳۹ ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۹﴾ ''تو عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اُسے رسوا کر دے گا' اور کس پر اترتا ہے وہ عذاب جو قائم رہنے والا (دائمی) ہوگا۔''

آیت ۴۰ ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ﴾ ''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور جوش سے اُبل پڑا''

مشرقِ وسطیٰ کے اس پورے علاقے میں ایک بہت بڑے سیلاب کے واضح آثار بھی ملتے ہیں' اس بارے میں تاریخی شہادتیں بھی موجود ہیں اور آج کا علم طبقات الارض (Geology) بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ H.G.Wells نے اس سیلاب کی تاویل یوں کی ہے کہ یہ علاقہ بحیرۂ روم (Mediterranean) کی سطح سے بہت نیچا تھا' مگر سمندر کے مشرقی ساحل یعنی شام اور فلسطین کے ساتھ ساتھ موجود پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے سمندر کا پانی خشکی کی طرف نہیں آ سکتا تھا۔ (جیسے کراچی کے بعض علاقوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سطح سمندر سے بہت نیچے ہیں مگر ساحلی علاقہ کی سطح چونکہ بلند ہے اس لیے سمندر کا پانی اس طرف نہیں آ سکتا۔) H.G.Wells کا خیال ہے کہ اس علاقے میں سمندر سے کسی وجہ سے پانی کے لیے کوئی راستہ بن گیا ہوگا جس کی وجہ سے یہ پورا علاقہ سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔ قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق اس سیلاب کا آغاز ایک خاص تنور سے ہوا تھا جس کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی آسمان سے غیر معمولی انداز میں لگاتار بارشیں ہوئیں اور زمین نے بھی اپنے چشموں کے دہانے کھول دیے۔ پھر آسمان اور زمین کے یہ دونوں پانی مل کر عظیم سیلاب کی صورت اختیار کر گئے۔ سورۃ القمر میں اس کی تفصیل بایں الفاظ بیان کی گئی ہے:

﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَاۗءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲﴾

''پس ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے جن سے لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین کو پھاڑ دیا کہ ہر طرف چشمے پھوٹ پڑے اور یہ دونوں طرح کے پانی اُس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گئے جو مقدر کر دیا گیا تھا۔''

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ ''ہم نے کہا: (اے نوح علیہ السلام!) اپنی اس کشتی میں تمام جانداروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی' سوائے اُن کے جن کے بارے میں پہلے حکم گزر چکا ہے''

یہ استثنائی حکم حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور آپؑ کے بیٹے ''یام'' (کنعان) کے بارے میں تھا' جو اُسی بیوی سے تھا' جبکہ

آپؑ کے تین بیٹے حامؑ، سامؑ اور یافثؑ ایمان لا چکے تھے اور آپؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ حضرت سام اور ان کی اولاد بعد میں اسی علاقے میں آباد ہوئی تھی۔ چنانچہ قومِ عادؑ، قومِ ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی النسل تھے۔ حام اور یافث دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں میں ان کی نسل بھی آگے چلی۔

﴿وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾﴾ ''اور ان لوگوں کو بھی (سوار کر لیں) جو ایمان لائے ہیں، اور نہیں ایمان لائے تھے آپؑ کے ساتھ مگر بہت ہی کم۔''

یہاں پر لفظ قَلِیْل انگریزی محاورہ "the little" کے ہم معنی ہے، یعنی بہت ہی تھوڑے، نہ ہونے کے برابر۔

آیت ۴۱ ﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ﴾ ''اور نوحؑ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ اس میں، اللہ کے نام کے ساتھ ہی ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا لنگر انداز ہونا بھی۔''

جب تک اللہ چاہے گا اور جس سمت کو اسے چلائے گا یہ چلے گی اور جب اور جہاں اُس کی مشیت ہوگی یہ لنگر انداز ہو جائے گی۔

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾﴾ ''یقیناً میرا رب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ﴾ ''اور وہ چل رہی تھی ان سب کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان سے''

﴿وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''اور نوحؑ نے پکارا اپنے بیٹے کو اور وہ ایک کنارے کی طرف تھا، کہ اے میرے بیٹے آؤ ہمارے ساتھ (کشتی میں) سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت رہو۔''

آیت ۴۳ ﴿قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ﴾ ''اُس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔''

﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ﴾ ''نوحؑ نے کہا: آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں ہے اللہ کے امر سے، سوائے اُس کے جس پر اللہ ہی رحم فرما دے۔''

﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور حائل ہو گئی ان دونوں کے درمیان ایک موج اور وہ ہو گیا غرق ہونے والوں میں۔''

اسی گفتگو کے دوران ایک بڑی موج آئی اور اس کی زد میں آ کر آپؑ کی نظروں کے سامنے آپؑ کا وہ بیٹا غرق ہو گیا۔

آیت ۴۴ ﴿وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ ﴾ ''اور حکم ہوا کہ اے زمین تُو اپنے پانی کو نگل جا''

زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تو اپنے اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس عمل میں کتنا وقت لگا ہوگا۔ بہرحال حکمِ الٰہی کے مطابق پانی زمین میں جذب ہو گیا۔

﴿وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ ''اور اے آسمان تو بھی اب تھم جا، اور پانی سکھا دیا گیا، اور فیصلہ چکا دیا گیا''

﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ ''اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری''

کوہِ ارارات میں ''جودی'' ایک چوٹی کا نام ہے۔ یہ دشوار گزار پہاڑی سلسلہ آذربائیجان کے علاقے اور ترکی کی سرحد کے قریب ہے۔ کسی زمانے میں ایک ایسی خبر بھی مشہور ہوئی تھی کہ اس پہاڑی سلسلہ کی ایک چوٹی پر کسی جہاز کے پائیلٹ نے کوئی کشتی نما چیز دیکھی تھی۔ بہر حال قرآن کا فرمان ہے کہ ہم اس کشتی کو محفوظ رکھیں گے اور ایک زمانے میں یہ نشانی بن کر دنیا کے سامنے آئے گی (العنکبوت: ۱۵)۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشتی اب بھی کوہِ جودی کی چوٹی پر موجود ہے اور ایک وقت آئے گا جب انسان اس تک رسائی حاصل کر لے گا۔

﴿وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴﴾ ''اور کہہ دیا گیا دُوری (ہلاکت) ہے اُس قوم کے لیے جو ظالم تھی۔''

یعنی اس قوم کا نام و نشان مٹا کر ہمیشہ کے لیے اسے نسیاً منسیا کر دیا گیا۔

آیت ۴۵ ﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ﴾ ''اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا: اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا''

﴿وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۴۵﴾ ''اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تُو تمام حاکموں میں سب سے بڑا اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا حاکم ہے۔''

پروردگار! تُو نے وعدہ کیا تھا کہ تُو میرے اہل کو بچا لے گا' جبکہ میرا بیٹا تو میری آنکھوں کے سامنے ڈوب گیا۔

آیت ۴۶ ﴿قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۡ﴾ ''اللہ نے فرمایا: اے نوحؑ! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے' اُس کے اعمال غیر صالح ہیں۔''

اُس کے نظریات' اُس کے عقائد' اُس کا کردار سب کافرانہ تھے۔ وہ آپ کے اہل میں کیسے شمار ہو سکتا ہے؟ نبی کا گھرانا صرف نسب سے نہیں بنتا بلکہ ایمان و عمل صالح سے بنتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے نسبی خاندان کا ایک رکن ہونے کے علی الرغم آپ کے ایمانی و اخلاقی خاندان کا فرد نہیں تھا۔

﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ ''تو آپؑ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کریں جس کے بارے میں آپؑ کو علم نہیں۔''

﴿اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۶﴾ ''میں آپؑ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپؑ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنیں۔''

یہ بہت سخت انداز ہے۔ یاد کیجیے کہ سورۃ الانعام کی آیت ۳۵ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اس طرح کے الفاظ فرمائے گئے ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ ''نوحؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں ہے۔''

﴿وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۴۷﴾ ''اور اگر تُو نے مجھے معاف نہ فرما دیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں ہو جاؤں گا خسارہ پانے والوں میں۔''

آیت ۴۸ ﴿قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ﴾ ''حکم ہوا اے نوحؑ اُتر جاؤ

ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ‘ جو آپؑ پر بھی ہوں گی اور اُن اُمتوں پر بھی جو آپؑ کے ساتھیوں کی نسلوں سے وجود میں آئیں گی۔‘‘

عام خیال یہی ہے کہ اس طوفان کے بعد نسلِ انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے ان تینوں بیٹوں سے چلی تھی۔ اس سلسلے میں ماہرینِ علم الانساب کی مختلف آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؑ کے بیٹے حضرت سام اس علاقے میں آباد ہو گئے‘ جبکہ حضرت یافث کی اولاد وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے روس کے میدانی علاقوں میں جا بسی۔ پھر وہاں سے ان میں سے کچھ لوگ صحرائے گوبی کو عبور کر کے چین کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ وسطی ایشیا کے ممالک سے لے کر چین‘ اس کے ملحقہ علاقوں اور پورے یورپ میں اسی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ ان کے علاوہ Anglo Saxons اور شمالی اقوام کے لوگ بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسری طرف حضرت حام کی نسل کے کچھ لوگ مشرق کی طرف کوچ کر کے ایران اور پھر ہندوستان میں آ بسے۔ جبکہ ان میں سے بعض دوسرے قبائل جزیرہ نمائے سینا کو عبور کر کے مغرب میں سوڈان اور مصر کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ آریائی اقوام‘ رومن‘ جرمن‘ یونانی اور مشرقی یورپ کے تمام لوگ حضرت حام ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں‘ واللہ اعلم!

﴿وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۸﴾ ’’اور کچھ اور قومیں (بھی ہوں گی) جنہیں ہم (دنیا کے) کچھ فوائد دیں گے‘ پھر اُن کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آ پکڑے گا۔‘‘

جیسا کہ بعد میں قومِ عاد اور قومِ ثمود پر عذاب آیا ہے۔

آیت ۴۹ ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ﴾ ’’(اے محمد ﷺ!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔‘‘

﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ﴾ ’’اس سے پہلے نہ آپؐ ان کو جانتے تھے اور نہ آپؐ کی قوم۔‘‘

﴿فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۹﴾ ’’تو آپؐ صبر کیجئے‘ یقیناً انجام کار بھلا ہوگا اہلِ تقویٰ ہی کا۔‘‘

آپؐ ہمت اور صبر و استقامت کے ساتھ اپنا کام کیے چلے جائیں۔ یقیناً انجامِ کار کی کامیابی اہلِ تقویٰ ہی کے لیے ہے۔

آیات ۵۰ تا ۶۰

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱ وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۵۲ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۳ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۵۴ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝۵۵ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَي اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ

بِنَاصِيَتِهَا ۚ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ
اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۤ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ
عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا
بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع

آیت ۵۰ ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ﴾ ''اور قومِ عاد کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی ہودؑ کو۔''

قومِ عاد حضرت سام کی نسل سے تھی۔ یہ قوم اپنے زمانے میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں آباد تھی۔ آج کل یہ علاقہ دوق صحرا ہے۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، تمہارا کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ (اس سلسلے میں) تم محض جھوٹ گھڑتے ہو۔''

یہ جو تم نے مختلف ناموں سے معبود گھڑ رکھے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ تم محض افترا کر رہے ہو۔

آیت ۵۱ ﴿يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اُسی کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۵۲ ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے استغفار کرو، پھر اُسی کی طرف رجوع کرو''

شرک، بُت پرستی کو چھوڑ دو اور اللہ سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگو۔

﴿يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''وہ آسمان سے تم پر خوب پانی برسائے گا، اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمائے گا، اور تم روگردانی نہ کرو مجرم بن کر۔''

قرآن حکیم کے کئی مقامات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف اپنا رسول اپنے پیغام کے ساتھ بھیجتا ہے تو اب اس قوم کی قسمت اس پیغام کے ساتھ معلق ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قوم رسول پر ایمان لے آتی ہے اور اس پیغام کو قبول کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، بصورتِ دیگر اسے تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۵۳ ﴿قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ ''انہوں نے کہا: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آئے''

یعنی آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو اس کے ثبوت کے طور پر آپ کے پاس کوئی کھلی نشانی، سند یا معجزہ نہیں ہے۔

﴿وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور ہم نہیں ہیں چھوڑنے والے اپنے

معبودوں کو صرف تمہارے کہنے پر اور ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

آیت ۵۴ ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ﴾ ''ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔''

یعنی ہمارا خیال تو یہی ہے کہ آپ جو ہمارے معبودوں کا انکار کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے آپ کو ان کی طرف سے سزا ملی ہے اور آپ کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ اسی لیے آپ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں۔

﴿قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ ''ہودؑ نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری ہوں اُن سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو اُس کے سوا''

میں تمہارے ان جھوٹے معبودوں اور تمہارے شرک کے اس جرم سے بالکل بری اور بیزار ہوں۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمائی تھی۔

آیت ۵۵ ﴿فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ﴿۵۵﴾﴾ ''پس تم سب مل کر میرے خلاف جو چالیں چل سکتے ہو چل لو پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔''

آیت ۵۶ ﴿اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ﴾ ''میں نے تو توکل کیا ہے اللہ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔''

﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ﴾ ''نہیں ہے کوئی بھی جاندار مگر اس کی پیشانی اُسی کی گرفت میں ہے۔''

یعنی ہر جاندار کی قسمت اور تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور ﷺ سے بھی ایک مشہور دعا میں یہ الفاظ منقول ہیں: ((فِيْ قَبْضَتِكَ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ))[۲] یعنی اے اللہ! میں تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہوں، میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

﴿اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴿۵۶﴾﴾ ''یقیناً میرا ربّ تو سیدھی راہ پر ہے۔''

اگر اللہ تک رسائی حاصل کرنی ہے، اگر اُسے پانا ہے تو وہ توحید اور عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہی ملے گا۔

آیت ۵۷ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ﴾ ''پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو (انکار کرو) تو میں نے پہنچا دیا ہے تمہیں (وہ پیغام) جو مجھے دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔''

﴿وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴿۵۷﴾﴾ ''اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا، اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکو گے۔ یقیناً میرا ربّ ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

آیت ۵۸ ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ﴾ ''اور جب ہمارا (عذاب کا) فیصلہ آ گیا تو ہم نے بچا لیا ہودؑ کو اور آپؑ کے اہلِ ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے۔''

﴿وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴿۵۸﴾﴾ ''اور ہم نے انہیں نجات دے دی ایک بہت ہی بھاری عذاب سے۔''

آیت ۵۹ ﴿وَتِلْكَ عَادٌ ۛ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ﴾ ''یہ تھی قومِ عادؑ جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور نافرمانی کی اُس کے رسولوں کی''

۲۔ رواہ رزین۔ بحوالہ مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات۔

یہاں پر اُن تمام انبیاء کو بھی رسول کہا گیا ہے جو حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے اس قوم میں مبعوث ہوئے۔ اکثر اس طرح ہوتا رہا ہے کہ کسی قوم میں پہلے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام ان کے معلّمین کی حیثیت سے آتے رہے اور پھر آخر میں ایک رسولؑ آیا۔ اور جیسا کہ قبل ازیں بھی نبی اور رسول کے فرق کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ قرآن میں یہ دونوں الفاظ اگر الگ الگ آئیں تو ایک دوسرے کی جگہ پر آ سکتے ہیں' لیکن اگر یہ دونوں الفاظ اکٹھے ایک جگہ آئیں تو پھر ان میں سے ہر لفظ اپنے خاص معنی دیتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۵۹﴾ ''اور انہوں نے پیروی کی ہر سرکش دشمنِ حق کے حکم کی۔''

آیت ۶۰ ﴿وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ ''اور اُن کے پیچھے لگا دی گئی لعنت اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن (کے لیے) بھی۔''

﴿اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝۶۰﴾ ''آگاہ ہو جاؤ' قومِ عاد نے اپنے رب کا کفر کیا تھا۔ سن لو' پھٹکار ہے عاد پر جو قومِ ہودؑ تھی!''

آیات ۶۱ تا ۶۸

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝۶۱ قَالُوْا
يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ
مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۶۲ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ
مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝۶۳ وَ يٰقَوْمِ
هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝۶۴ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ
مَكْذُوْبٍ ۝۶۵ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ
يَوْمِئِذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝۶۶ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۶۷ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝۶۸

آیت ۶۱ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ﴾ ''اور ثمود کی طرف (ہم نے بھیجا) اُن کے بھائی صالح کو۔''

قومِ عاد میں سے جو لوگ بچے تھے وہ اپنے علاقے سے آگے وسطی علاقے کی طرف جا کر ''حجر'' میں آباد ہوئے اور اُن لوگوں کی نسل میں سے ثمود نام کی ایک بڑی قوم ابھری۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ جب اس قوم کے اندر بھی وہی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور وہ لوگ بھی جب بُت پرستی اور شرک کی لعنت میں مبتلا ہو گئے تو اُن کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو

تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا نہیں ہے۔''

﴿هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ﴾ ''اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو آباد کیا' تو اس سے اپنے گناہ بخشواؤ' پھر اُسی کی جناب میں رجوع کرو۔''

﴿اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾﴾ ''یقیناً میرا ربّ قریب ہے اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ ''انہوں نے کہ اے صالح! آپ سے تو ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے''

یعنی آپ تو اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے پوری قوم کی امیدوں کا مرکز تھے۔ ہمیں تو توقع تھی کہ آپ اپنی صلاحیتوں کے سبب اپنے آباء و اَجداد اور پوری قوم کا نام روشن کریں گے' مگر آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے تو اپنے باپ دادا کے دین اور ان کے طور طریقوں پر ہی تنقید شروع کر دی۔ آپ کی ان باتوں سے تو پوری قوم کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔

﴿اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۭ وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾﴾ ''کیا آپ ہمیں روک رہے ہیں ان کو پوجنے سے جن کو ہمارے آباء و اَجداد پوجتے تھے؟ اور یقیناً جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے بارے میں ہمیں بہت شکوک و شبہات ہیں۔''

آپ کی اس دعوتِ توحید کے بارے میں ہمیں سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال دیا ہے۔ ہمارا دل آپ کی اس دعوت پر مطمئن نہیں ہے۔

آیت ۶۳ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''صالحؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا سوچو تو سہی' اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا''

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی وہی بات کہی کہ دیکھو میری گزشتہ زندگی تمہارے سامنے ہے۔ میرا کردار اور میرا اخلاق گواہ ہے کہ میں اس سے پہلے تمہارے معاشرے کا ایک صالح کردار اور سلیم الفطرت انسان تھا۔

﴿وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ ''اور اللہ نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا کر دی''

اور اب میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی بھی آ گئی ہے' اللہ نے اپنی رحمتِ خاص سے مجھے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے۔

﴿فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾﴾ ''تو اب اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے کون بچائے گا؟ تم تو اضافہ نہیں کرو گے میرے لیے مگر خسارہ ہی میں!''

یعنی اگر میں اپنی فطرتِ سلیم اور وحی الٰہی کی راہنمائی کے باوجود اس دعوتِ حق کو چھوڑ کر تمہیں خوش کرنے کے لیے گمراہی کا طریقہ اختیار کر لوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچائے گا؟ تمہاری اس طرح کی باتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ میری تباہی کے درپے ہو۔

آیت ۶۴ ﴿وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ ''اور (دیکھو) میری قوم کے لوگو! یہ اللہ کی تمہارے لیے ایک نشانی ہے' اسے چھوڑے رکھو کہ یہ چرتی پھرے اللہ کی زمین میں''

﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾﴾ ''اور (دیکھنا) کسی بُرے ارادے سے اسے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں آپکڑے گا ایک قریبی عذاب۔''

وہ عذاب اب دور نہیں ہے اور اسے آتے کچھ دیر نہ لگے گی۔

آیت ۶۵ ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ ''تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں''

انہوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔

﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾﴾ ''تو صالحؑ نے فرمایا: اب تم اپنے گھروں میں تین دن تک رہ بس لو۔ یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا ثابت نہیں ہوگا۔''

آیت ۶۶ ﴿فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ ''تو جب ہمارا فیصلہ آ گیا تو ہم نے نجات دی صالحؑ کو اور اُن کو جو آپؑ کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے''

﴿وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾﴾ ''اور اُس دن کی رسوائی سے (انہیں بچا لیا)۔ یقیناً آپؐ کا پروردگار بہت طاقتور، زبردست ہے۔''

آیت ۶۷ ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''اور ان ظالموں کو پکڑ لیا ایک چیخ نے تو وہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے رہ گئے۔''

آیت ۶۸ ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ﴾ ''گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہیں تھے۔''

﴿اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ یقیناً ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا۔ آگاہ ہو پھٹکار ہے ثمود پر!''

آیات ۶۹ تا ۸۳

وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاۗءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَاۗىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع ۱۵

اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے، مگر آپؑ کا ذکر انباء الرسل کے طور پر نہیں بلکہ بالکل مختلف انداز میں ہے۔ یہاں رسولوں کے ذکر میں ایک خوبصورت تقسیم کو مدِنظر رکھیں کہ اس سورت میں پہلے تین رسول جن کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے (حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام) ان کا ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مختصراً قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے، اور آپؑ کے ذکر کے بعد پھر تین رسولوں کا تذکرہ ہے جو آپؑ ہی کی نسل میں سے تھے، بلکہ اُن میں سے حضرت لوط علیہ السلام تو آپؑ کے بھتیجے اور ہم عصر بھی تھے۔ یہاں پر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر انباء الرسل کے انداز میں آیا ہے اور اسی کے ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہوا تو عذاب کے فرشتے براہِ راست حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانے کے بجائے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور وہاں نہ صرف قومِ لوطؑ پر عذاب کے بارے میں اُن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ ہوا، بلکہ فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری بھی دی۔

یاد رہے کہ سورۃ الاعراف میں بھی جب ان چھ رسولوں کا تذکرہ انباء الرسل کے انداز میں ہوا تو وہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا گیا اور جب سورۃ الانعام (جو سورۃ الاعراف کی جڑواں سورت ہے) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آیا تو انباء الرسل کے انداز میں نہیں بلکہ قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح کہیں بھی نہیں آیا کہ آپؑ کو اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہو، آپؑ نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی ہو، قوم اس دعوت سے منکر ہوئی ہو اور پھر اس پر عذاب بھیج دیا گیا ہو۔

آیت ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ﴾ ''اور ابراہیمؑ کے پاس ہمارے فرستادے بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے کہا: سلام!''

﴿قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾﴾ ''ابراہیمؑ نے بھی (جواب میں) سلام کہا، پھر کچھ دیر نہ گزری کہ آپؑ لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا۔''

مہمانوں کی آمد کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ضیافت کے لیے ایک بچھڑا ذبح کیا اور اسے بھون کر ان کے سامنے پیش کر دیا۔

آیت ۷۰ ﴿فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ﴾ ''پھر جب آپؑ نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں''

﴿نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ﴾ ''تو آپؑ نے اُن میں اجنبیت پائی اور اُن کی طرف سے ایک خوف محسوس کیا۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ رسمی اصرار کے باوجود بھی مہمان کسی طور کھانے کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تو اب آپؑ بجا طور پر کھٹکے کہ یہ پُراسرار لوگ کون ہیں اور یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟ اُس زمانے میں یہ رواج بھی تھا کہ اگر کوئی شخص دشمنی کی غرض سے کسی کے پاس جاتا تو اُس کے ہاں کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی طرف سے خدشہ محسوس ہوا۔ جب انہوں نے آپؑ کا یہ خوف محسوس کیا تو:

﴿قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا: آپؑ ڈریئے نہیں! اصل میں تو ہم بھیجے گئے ہیں قومِ لوطؑ کی طرف۔''

یعنی ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قومِ لوطؑ کی طرف عذاب کی غرض سے بھیجا گیا ہے۔

آیت ۷۱ ﴿وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ﴾ ''اور آپؑ کی بیوی (کہیں قریب) کھڑی تھی تو وہ ہنس پڑی''

حضرت سارہؓ قریب ہی کہیں پردے کے پیچھے کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھیں تو وہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت پر ہنس پڑیں کہ میرے شوہر فرشتوں سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔

﴿فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾﴾ ''تو ہم نے اُسے بشارت دی اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی۔''

یعنی فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی حضرت یعقوبؑ یعنی پوتے کی بھی۔ اس وقت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہو چکی تھی۔ حضرت سارہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں جبکہ حضرت ہاجرہؓ کو آپؑ کی خدمت میں بادشاہِ مصر نے پیش کیا تھا۔ یہودیوں کے ہاں حضرت ہاجرہؓ کو کنیز سمجھا جاتا ہے' حالانکہ آپؓ مصر کے شاہی خاندان کی خاتون تھیں۔ آپؑ کے ہاں حضرت اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ ان دونوں (ماں اور بیٹے) کو اللہ کے حکم سے حجاز میں اس جگہ چھوڑ آئے جہاں بعد میں بیت اللہ تعمیر ہونا تھا۔ بہرحال حضرت سارہؓ کے ہاں اُس وقت تک کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ فرشتوں نے آپؑ کو بیٹے کی اور پھر اُس بیٹے کے بیٹے کی ولادت کی بشارت دی۔

آیت ۷۲ ﴿قَالَتۡ یٰوَیۡلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ﴿۷۲﴾﴾ ''اُس نے کہا: ہائے میری شامت! کیا اب میں بچہ جنوں گی جبکہ میں نہایت بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں! یہ تو بہت عجیب بات ہے۔''

آیت ۷۳ ﴿قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ﴾ ''فرشتوں نے کہا: کیا آپ تعجب کرتی ہیں اللہ کے فیصلے پر؟''

یعنی یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے اور ہم اللہ کی طرف سے آپ کو خوشخبری دے رہے ہیں۔

﴿رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ﴾ ''اللہ کی رحمتیں اور اُس کی برکتیں ہوں تم پر اے نبیؐ کے گھر والو!''

اس آیت میں ''اہلِ بیت'' کا مفہوم بہت واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ یہاں پر اس کا مصداق حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی نہیں لہٰذا یہاں لازمی طور پر آپؓ ہی اہلِ بیت ہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں بھی اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جو حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے: ((اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ)) [۳] تو یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کے دائرے کو وسعت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بھی میرے اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝۷۳﴾ ''یقیناً اللہ لائقِ حمد اور بزرگی والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے اور وہ بہت عظمتوں والا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝۷۴﴾ ''پھر جب ابراہیمؑ کا خوف جاتا رہا اور یہ بشارت بھی پہنچ گئی، تو آپؑ نے جھگڑنا شروع کر دیا ہم سے قومِ لوط کے بارے میں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مجادلہ تورات میں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ اگر ان بستیوں میں پچاس آدمی بھی راست باز ہوئے تو کیا پھر بھی ان کو ہلاک کر دیا جائے گا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر انہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چالیس آدمیوں کا پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ پھر بھی اُن کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بات ہوتے ہوتے پانچ آدمیوں پر آ گئی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا گیا کہ آپؑ اس بحث کو چھوڑ دیں۔ اب تو آپؑ کے رب کا فیصلہ آ چکا ہے، کیونکہ ان بستیوں میں خود حضرت لوط علیہ السلام اور اِن کی دو بیٹیوں کے علاوہ کوئی ایک متنفس بھی راست باز نہیں ہے۔

آیت ۷۵ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝۷۵﴾ ''یقیناً ابراہیمؑ بہت ہی بردبار، نرم دل اور اللہ کی جناب میں رجوع کرنے والے تھے۔''

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تین صفات ایک ساتھ جمع فرما کر آپؑ کی بہت قدر افزائی بھی فرمائی گئی ہے اور آپؑ کے مجادلہ کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی گئی ہے کہ چونکہ آپؑ بہت حلیم الطبع اور دل کے نرم تھے، اسی وجہ سے آپؑ نے آخری حد تک کوشش کی کہ عذاب کے ٹلنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک میں بھی خصوصی نرمی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ نے طبیعت کی خاص نرمی عطا کر رکھی تھی۔

آیت ۷۶ ﴿يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ﴾ ''اے ابراہیمؑ! چھوڑیے اس معاملے کو، اب تو آپؑ کے رب کا فیصلہ آ چکا ہے۔''

﴿وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝۷۶﴾ ''اور ان پر وہ عذاب آ کر ہی رہے گا جسے لوٹایا نہیں جا سکے گا۔''

آیت ۷۷ ﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ ''اور جب آئے ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس تو آپؑ ان کی وجہ سے بڑے غمگین ہوئے، اور آپؑ کا دل بہت تنگ ہوا''

﴿وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝۷۷﴾ ''اور آپؑ کہنے لگے کہ آج تو بہت سختی کا دن ہے۔''

چونکہ ان بستیوں کے لوگوں میں امرد پرستی عام تھی، لہٰذا اُن کی آخری آزمائش کے لیے فرشتوں کو اُن کے پاس نوجوان خوبصورت

۳۔ السنن الکبریٰ للبیهقی: ۱۵۰/۲۔ عن أم سلمة هند بنت ابی أمیة۔

لڑکوں کے روپ میں بھیجا گیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام ان خوبصورت مہمان لڑکوں کو دیکھ کر اسی لیے پریشان ہوئے کہ اب وہ اپنے ان مہمانوں کا دفاع کیسے کریں گے۔ اس لیے کہ آپؑ جانتے تھے کہ ان کی قوم کے لوگ کسی اپیل یا دلیل سے باز آنے والے نہیں تھے اور آپؑ اکیلے زبردستی انہیں روک نہیں سکتے تھے۔

آیت ۷۸ ﴿وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ﴾ ''اور آئے آپؑ کی قوم کے لوگ دیوانہ وار دوڑتے ہوئے آپؑ (کے گھر) کی طرف' اور وہ پہلے سے ہی گندے کاموں میں ملوث تھے۔''

﴿قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ ''لوطؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں (موجود) ہیں' وہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں''

مفسرین نے اس کے ایک معنی تو یہ مراد لیے ہیں کہ تمہارے گھروں میں تمہاری بیویاں موجود ہیں جو میری بیٹیوں ہی کی مانند ہیں' کیونکہ نبی اپنی پوری قوم کے لیے باپ کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب' آیت ۶ میں حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ﴾ کہ آپؐ کی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مؤمنین کی مائیں ہیں۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں' اُن سے جائز اور پاکیزہ طریقے سے نکاح کر لو' میں اس کے لیے تیار ہوں' لیکن میرے ان مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸﴾ ''تو اللہ کا خوف کرو اور مجھے میرے مہمانوں کے معاملہ میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں ہے؟''

کیا تم لوگوں میں کوئی ایک بھی شریف النفس انسان نہیں ہے جو میرا ساتھ دے اور ان سب لوگوں کو بداخلاقی اور بے حیائی سے روکے۔

آیت ۷۹ ﴿قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝۷۹﴾ ''انہوں نے کہا کہ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ تمہاری ان بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے' اور تم خوب جانتے ہو جو ہم چاہتے ہیں۔''

قوم کے لوگوں نے کہا کہ اب آپؑ اِدھر اُدھر کی باتیں مت کیجیے' آپ خوب سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

آیت ۸۰ ﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝۸۰﴾ ''لوطؑ نے کہا: کاش میرے پاس تمہارے مقابلہ کے لیے کوئی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی میں پناہ لے لیتا۔''

اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ))[۴] ''اللہ رحم فرمائے لوطؑ پر' وہ ایک مضبوط قلعہ میں ہی تو تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی اور حفاظت تو حضرت لوط علیہ السلام کو حاصل تھی۔ لیکن اُس وقت جو صورتِ حال بن گئی تھی اس میں بربنائے طبعِ بشری پریشانی اور خوف کا طاری ہو جانا نبوت کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وقتی طور پر جادوگروں کے سانپوں سے ڈر گئے تھے۔

آیت ۸۱ ﴿قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ﴾ ''فرشتوں نے کہا: اے لوطؑ! ہم آپؑ کے رب کے بھیجے

۴۔ صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قولہ عز وجل ونبئھم عن ضیف ابراھیم۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب زیادۃ طمانینۃ القلب بتظاھر الادلۃ۔

ہوئے (فرشتے) ہیں' یہ لوگ آپؑ تک نہیں پہنچ پائیں گے''

فرشتوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے آپؑ کو تسلی دی کہ آپؑ اطمینان رکھیں' یہ لوگ آپؑ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ پھر فرشتے نے اپنا ہاتھ ہلایا تو وہ سب نابکار اندھے ہو گئے۔

﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ ''پس آپؑ رات کے (اس بقیہ) حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور کوئی بھی آپ میں سے پیچھے مڑ کر نہ دیکھے''

یعنی یہاں سے جاتے ہوئے آپ لوگوں کو پیچھے رہ جانے والوں کی طرف کسی قسم کی کوئی توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ﴾ ''سوائے آپؑ کی بیوی کے' اس پر بھی وہی مصیبت آئے گی جو سب پر آنے والی ہے۔''

یعنی جب آپؑ اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکلیں گے تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہیں جائیں گے۔ آپؑ کی اس بیوی کا ذکر سورۃ التحریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی مشرک بیوی کے ساتھ اس طرح ہوا ہے: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰﴾ ''اللہ کافروں کے لیے مثال بیان کرتا ہے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی۔ وہ دونوں عورتیں ہمارے دو برگزیدہ بندوں کے تحت تھیں لیکن انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی' چنانچہ ان کے شوہر انہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکے۔ اور (ان دونوں عورتوں سے) کہہ دیا گیا کہ تم بھی (جہنم میں) داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔''

﴿اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝۸۱﴾ ''ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے' کیا صبح قریب نہیں ہے!''

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ لوگوں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ آپؑ فوری طور پر اپنی بچیوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں' صبح ہوتے ہی ان بستیوں پر عذاب آ جائے گا۔ اور صبح ہونے میں اب دیر ہی کتنی ہے!

آیت ۸۲ ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ ''پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس کے اوپر (کے حصے) کو نیچا کر دیا''

یعنی ان بستیوں کو تلپٹ کر دیا گیا۔ جب عمارتیں تباہ ہوتی ہیں تو چھت زمیں بوس ہو جاتی ہے اور دیواریں اس کے اوپر گرتی ہیں' بنیادیں بھی اوپر آ جاتی ہیں۔

﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝۸۲﴾ ''اور (مزید) ہم نے ان پر بارش برسائی تہہ بر تہہ کنکریوں کی۔''

سِجِّیل اصل میں فارسی لفظ ہے۔ فارسی میں یہ ''سنگِ گِل'' تھا جو عربی میں آ کر سِجِّیل کا تلفظ اختیار کر گیا۔ سنگ کے معنی پتھر اور گِل کے معنی مٹی کے ہیں۔ یعنی مٹی کے پتھر جو گیلی مٹی کے دھوپ میں گرم ہو کر پختہ ہو جانے کے بعد بنتے ہیں' جیسے اینٹوں کو بھٹے میں پکایا جاتا ہے۔ ان بستیوں پر عذاب دو صورتوں میں آیا' ایک زمین کے اندر کوئی زوردار دھماکہ ہوا' جس کے نتیجے میں زبردست زلزلہ آیا اور یہ بستیاں الٹ پلٹ ہو گئیں۔ پھر اوپر سے کنکریوں کی بارش ہوئی اور اس طرح انہیں ان پتھروں کے اندر دفن کر دیا گیا۔

آیت ۸۳ ﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ﴾ ''وہ نشان زدہ تھے تمہارے رب کی طرف سے۔''

یعنی ہر پتھر ایک آدمی کے لیے نشان زدہ اور مخصوص تھا۔

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾﴾ ''اور یہ ان ظالموں سے کوئی زیادہ دور نہیں۔''

یعنی مشرکینِ مکہ سے قومِ لوطؑ کی یہ بستیاں زیادہ دور نہیں ہیں۔ قریش کے قافلے جب فلسطین کی طرف جاتے تھے تو پہلے قومِ ثمود اور قومِ مدین کے علاقے سے گزرتے تھے، پھر قومِ لوط کی بستیوں کے آثار بھی اُن کے راستے میں آتے تھے۔

آیات ۸۴ تا ۹۵

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَ لَا تَنْقُصُوا
الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾ وَ يٰقَوْمِ
اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿٨٥﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا
يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ
اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَ
رَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا
الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِيْقِىْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَ يٰقَوْمِ لَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِىْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا
قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾
قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ
لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِىْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ
وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا
فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾ ع ۸

آیت ۸۴ ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ﴾ ''اور مدین کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیبؑ کو۔''

اس قوم کے بارے میں ہم سورۃ الاعراف کے مطالعہ کے دوران پڑھ چکے ہیں کہ یہ لوگ بنی قطورہ میں سے تھے اور خلیج عقبہ کے داہنی (مشرقی) طرف کے علاقہ میں آباد تھے۔ اس علاقہ میں یہ لوگ ایک بڑی مضبوط قوم بن کر ابھرے تھے۔ یہ علاقہ اُس وقت

دو بہت اہم بین الاقوامی شاہراہوں کے مقامِ انقطاع (intersection) پر واقع تھا۔ ایک شاہراہ شمالاً جنوباً تھی جو شام سے یمن جاتی تھی اور دوسری شرقاً غرباً تھی جو عراق سے مصر کو جاتی تھی۔ چنانچہ تمام تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے جس کی وجہ سے یہ علاقہ اس زمانے کا بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ نتیجتاً یہاں کے لوگ بہت خوشحال ہو گئے تھے' مگر ساتھ ہی ناپ تول میں کمی اور راہزنی جیسے قبیح جرائم میں بھی ملوث تھے۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ﴾ ''آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود نہیں اُس کے سوا۔''

﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ''اور نہ کم کرو ماپ اور تول کو''

﴿اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝۸۴﴾ ''میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں' لیکن (اگر تم لوگ ان غلط کاریوں سے باز نہ آئے تو) مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا جو تمہیں گھیر لے گا۔''

آیت ۸۵ ﴿وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! پورا پورا دیا کرو پیمانہ اور تول' عدل اور انصاف کے ساتھ''

﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۸۵﴾ ''اور مت کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ ہی زمین میں فساد مچاتے پھرو۔''

آیت ۸۶ ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ ''اللہ کی عطا کردہ بچت ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو۔''

انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپو اور تولو' اور لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے ان کی حق تلفی نہ کیا کرو۔ اگر تم لوگ دیانتداری سے تجارت کرو' اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں جو منافع عطا کریں' اسی پر قناعت کرو تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لیے بہت بہتر ہوگا۔

﴿وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝۸۶﴾ ''لیکن میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔''

میں تو تمہیں سمجھا سکتا ہوں' نیکی کی تلقین کر سکتا ہوں' تم پر میرا کوئی زور نہیں ہے۔

آیت ۸۷ ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَآ﴾ ''انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جن کو پوجتے آئے ہیں ہمارے آباء و اَجداد؟''

اگرچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی گفتگو میں ان کے شرک کا تذکرہ نہیں ہے' مگر اُن کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ وہ بنیادی طور پر اسی مرضِ شرک میں بھی مبتلا تھے جو تمام گمراہ قوموں کا مشترک مرض رہا ہے۔

﴿اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰۗؤُا ۭ﴾ ''یا (تمہاری نماز یہ سکھاتی ہے کہ) ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟''

یعنی ہماری ملکیت میں جو سامان اور مال ہے کیا ہم اس کے استعمال میں بھی اپنی مرضی نہیں کر سکتے؟ یہ وہی تصور ہے جو آج کے جدید زمانے میں sacred right of ownership کے خوبصورت الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے' جبکہ اسلام میں ملکیت کا ایسا تصور

نہیں ہے۔ اسلام کی رو سے ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور دنیا کا یہ مال اور ساز و سامان انسانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے' جس میں اللہ کی مرضی کے خلاف تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا اسلام ملکیت کے کسی ''مقدس حق'' کو تسلیم نہیں کرتا' کیونکہ: ؎

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست درحقیقت مالکِ ہر شے خداست

یعنی یہ مال و دولت ہمارے پاس چند دن کی امانت ہے' ورنہ حقیقت میں ہر شے کا مالک حقیقی تو اللہ ہی ہے۔ بہرحال جب انسان خود کو مالک سمجھتا ہے تو پھر وہ وہی کچھ کہتا ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارا مال ہے' ہم جیسے چاہیں اس میں تصرف کریں!

﴿اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾﴾ ''ہاں ایک تم ہی تو ہو جو بڑے باوقار اور نیک چلن ہو!''

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید کہنا کسی تعظیم اور تکریم کے لیے نہیں تھا' بلکہ طعن اور استہزاء کے طور پر تھا۔

آیت ۸۸ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''آپ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا سوچو کہ اگر میں (پہلے بھی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا''

حضرت شعیب علیہ السلام نے وہی بات فرمائی جو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی اپنی قوم سے فرماتے آئے تھے کہ تمہارے درمیان رہتے ہوئے میرا کردار اور اخلاق پہلے بھی مثالی تھا' میں اس معاشرے میں ایک شریف النفس اور سلیم الفطرت انسان کے طور پر معروف تھا۔

﴿وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ﴾ ''اور اللہ نے اپنے پاس سے مجھے اچھا رزق بھی عطا کیا ہے''

یعنی پھر مجھے اللہ نے نبوت اور رسالت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے۔

﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ﴾ ''اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جس چیز سے تم لوگوں کو منع کروں خود وہی کام کروں۔''

﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ﴾ ''میں تو کچھ نہیں چاہتا سوائے اصلاح کے جس قدر مجھ میں استطاعت ہے' اور میری توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

میرا مقصد تم لوگوں کی اصلاح ہے اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی میں کر رہا ہوں وہ اللہ کی توفیق ہی سے کر رہا ہوں۔ اُسی نے مجھے ہمت اور استقامت سے نوازا ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾﴾ ''اُسی پر میں نے توکّل کیا ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

آیت ۸۹ ﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! (دیکھو) میری دشمنی تمہیں اس انجام تک نہ لے جائے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائے جیسا کہ آیا تھا قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ یا قومِ صالحؑ پر۔''

﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾﴾ ''اور قومِ لوطؑ تو تم سے زیادہ دُور بھی نہیں ہے۔''

حضرت شعیب علیہ السلام سے پہلے ان چار قوموں پر عذابِ استیصال آ چکا تھا۔ اور یہ جو فرمایا گیا کہ قومِ لوط تم سے ''بعید'' نہیں ہے' یہ زمانی اور مکانی دونوں اعتبار سے ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل سے متصل علاقے میں قومِ مدین آباد تھی۔ اس

علاقے سے ذرا ہٹ کر مشرق کی جانب بحیرۂ مردار ہے جس کے ساحل پر عامورہ اور سدوم کی وہ بستیاں تھیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ زمانی اعتبار سے بھی ان دونوں اقوام میں ہزاروں سال کا نہیں بلکہ صرف چند سو سال کا بُعد تھا۔ بہر حال مجھے ان مفسّرین سے اختلاف ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں مجھے ان علماء کی رائے سے اتفاق ہے جن کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں جس شخص کے مہمان بنے تھے اور جن کی بیٹی کے ساتھ بعد میں آپؑ نے نکاح کیا تھا وہ مدین کے اُن لوگوں کی نسل سے کوئی نیک بزرگ تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ عذابِ استیصال سے بچ گئے تھے۔

دوسرا اہم نکتہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ بعض اوقات کسی داعی کے ساتھ ذاتی عناد اور دشمنی کی بنیاد پر کوئی شخص یا کوئی گروہ اس کی اصولی دعوت کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔ یہ انسانی رویّے کا ایک بہت خطرناک پہلو ہے' کیونکہ اس میں اس داعی کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا مگر صرف ذاتی تعصّب کی بنیاد پر اس کی دعوت کو ٹھکرانے والے خود کو برباد کر لیتے ہیں۔

آیت ۹۰ ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝۹۰﴾ ''اور استغفار کرو اپنے رب سے' پھر اُس کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب رحیم بھی ہے' محبت فرمانے والا بھی۔''

اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اُس کی طرف پلٹ آؤ۔ اُس کی عبادت اور اطاعت شعاری اختیار کرو تو تم اس کے دامنِ رحمت کو اپنے لیے وسیع پاؤ گے۔ وہ انتہائی رحم کرنے والا اور اپنی مخلوق سے محبت رکھنے والا ہے۔

آیت ۹۱ ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ ''انہوں نے کہا: اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں''

جب ذہنوں کے سانچے بگڑ جائیں اور سوچوں کے زاویے بدل جائیں تو پھر سیدھی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

﴿وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝۹۱﴾ ''اور ہم تو دیکھتے ہیں تمہیں اپنے درمیان ایک کمزور آدمی۔ اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے' اور تم ہم پر غالب نہیں ہو۔''

یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ سمجھ لیں کہ جس زمانے میں جو سورت نازل ہوئی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آنے والے معروضی حالات کے ساتھ تطابق پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی گزشتہ اقوام کے واقعات جو مختلف سورتوں میں تواتر کے ساتھ بار بار آئے ہیں یہ تکرارِ محض نہیں ہے' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تحریک کو جس دور میں جن مسائل کا سامنا ہوتا تھا اس خاص دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں ان مسائل کی مناسبت سے پچھلی اقوام کے حالات و واقعات سے وہ باتیں نمایاں کی جاتی تھیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے لیے راہنمائی اور دلجوئی کا سامان موجود ہوتا۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں حضرت شعیب علیہ السلام کے خاندان اور قبیلے کی حمایت کی بات اس لیے ہوئی ہے کہ اِدھر مکّہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کچھ ایسے ہی حالات کا سامنا تھا۔ اُس زمانے میں بنو ہاشم کے سردار آپؐ کے چچا ابوطالب تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی اور آپؐ نے اپنے بچپن کا کچھ عرصہ ان کے سایۂ عاطفت میں گزارا تھا۔ انہی کی وجہ سے آپؐ کو پورے قبیلہ بنی ہاشم کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اگر اُس وقت بنو ہاشم کی سرداری کہیں ابولہب کے پاس ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاندان اور قبیلہ کی یہ حمایت حاصل نہ ہوتی' اس طرح مشرکینِ مکّہ کو آپؐ کے خلاف (معاذ اللہ) کوئی انتہائی اقدام کرنے کا موقع مل جاتا۔ لہٰذا یہاں حالات میں تطابق اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ

تعالیٰ نے آج مکہ میں بنو ہاشم کی حمایت سے محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک محفوظ قلعہ مہیا فرما دیا ہے' بالکل اسی نوعیت کی حفاظت اُس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اُن کے خاندان کی حمایت کی صورت میں بھی عطا فرمائی تھی۔

آیت ۹۲ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! کیا میرا خاندان تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے؟''

حقیقت میں میرا پشت پناہ تو اللہ ہے۔ تم اللہ سے نہیں ڈرتے' لیکن میرے خاندان سے ڈرتے ہو۔ کیا تمہارے نزدیک میرا خاندان اللہ سے زیادہ طاقتور ہے؟

﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ﴾ ''اور اُس (اللہ) کو تو تم نے اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال رکھا ہے۔''

یعنی اللہ کو تو تم لوگوں نے بالکل ہی بھلا چھوڑا ہے' پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ یہ انسانی نفسیات کا ایک اہم پہلو ہے۔ اگرچہ آج تم بھی اللہ کو اپنا خالق' مالک اور معبود ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ساتھ ہی دنیا اور اس کے جھمیلوں میں اس قدر مگن رہتے ہیں کہ اللہ کا تصور مستحضر نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کاروبارِ دنیا میں حقیقی مسبّب الاسباب کو بھلا کر اسباب وحقائق (cause and fact) کی منطق بھول بھلیوں میں گم رہتے ہیں: ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے　　مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنے خاندان کے مقابلے میں اللہ کا ذکر کرنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ کو بخوبی جانتے تھے' اسی طرح مشرکینِ مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے۔ گویا اللہ کا معاملہ ایسے لوگوں کے نزدیک آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم لوگ میرے خاندان سے ڈرتے ہو مگر اللہ سے نہیں ڈرتے! حضرت شعیب علیہ السلام کے اس جواب میں قریش کے لیے یہ پیغام مضمر ہے کہ تمہیں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہی جواب ہے۔

﴿اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۹۲﴾ ''یقیناً میرا رب تو اُس سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا گھیراؤ کیے ہوئے ہے۔ تم اس کی گرفت سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے ہو۔

آیت ۹۳ ﴿وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! تم کرو جو کچھ کر سکتے ہو اپنی جگہ پر' میں بھی کر رہا ہوں جو میں (اپنی جگہ پر) کر سکتا ہوں۔''

تم میرے خلاف جو بھی ریشہ دوانیاں کر سکتے ہو' جو بھی چالیں چل سکتے ہو' اور جو اقدامات بھی کر سکتے ہو' کر گزرو۔ اپنے طور پر جو کچھ میں کر سکتا ہوں' جو کوشش مجھ سے بن آ رہی ہے میں کر رہا ہوں۔ یہ چیلنج کرنے کا انداز سورۃ الانعام سے چلا آ رہا ہے۔ یہ گویا مکہ کے حالات کے ساتھ تطابق کیا جا رہا ہے۔ مکہ میں حق و باطل کی کشمکش بھی اب انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اس کی وجہ سے آپؐ کی طبیعت کے اندر ایک طرح کی بیزاری پیدا ہو چکی تھی کہ اب جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو!

﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ﴾ ''عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے!''

﴿وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝۹۳﴾ ''تم بھی انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔''

آیت ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ ''پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے نجات دے دی شعیبؑ کو اور اُن لوگوں کو جو آپؑ کے ساتھ ایمان لائے تھے''

﴿وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾﴾ ''اور ظالموں کو آ پکڑا ایک زبردست کڑک نے' تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔''

آیت ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾﴾ ''جیسے کہ وہ کبھی ان میں آباد ہی نہیں تھے۔ آگاہ ہو جاؤ پھٹکار ہے مدین پر' جیسے کہ ثمود پر پھٹکار ہوئی تھی۔''

اہلِ مدین بھی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کا نشانہ بن کر اُسی طرح ہلاک ہو گئے جیسے قومِ ثمود ہلاک ہوئی تھی۔

اب آخر پر بہت مختصر انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

آیات ۹۶ تا ۹۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

آیت ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾﴾ ''اور ہم نے بھیجا موسیٰؑ کو اپنی آیات اور واضح سند کے ساتھ۔''

آیت ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾﴾ ''فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف' لیکن انہوں نے فرعون ہی کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا معاملہ راستی والا نہیں تھا۔''

آیت ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''قیامت کے دن وہ آئے گا آگے چلتا ہوا اپنی قوم کے''

دنیا کی طرح قیامت کے دن بھی اسے قیادت کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ وہ آگے آگے ہو گا اور اس کی قوم پیچھے پیچھے آ رہی ہو گی جیسے وہ لوگ دنیا میں اس کے پیچھے چلتے تھے۔

﴿فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾﴾ ''پھر وہ آگ کے گھاٹ پر انہیں اُتار دے گا۔ اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے جائیں گے۔''

جس طرح جانوروں کا کوئی گروہ پانی پینے کے لیے گھاٹ پر آتا ہے اور اُن کا لیڈر آگے آگے جا رہا ہوتا ہے' ایسے ہی فرعون اپنی قوم کو جہنم کے گھاٹ پر لا اُتارے گا۔

آیت ﴿وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اِس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ بہت ہی بُرا ہے وہ انعام جو اُن کو ملنے والا ہے۔''

آیات ۱۰۰ تا ۱۰۹

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ
رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ
اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ
مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ
لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا
زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ
مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

آیت ۱۰۰ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''یہ ہیں اُن بڑی بڑی بستیوں کی کچھ اہم خبریں جو ہم آپؐ کو سنا رہے ہیں' ان میں ایسی بھی ہیں جو ابھی قائم ہیں اور ایسی بھی ہیں جو بالکل ختم ہو گئیں۔''

حَصِيْدٌ کا لفظ اس کھیت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی فصل کاٹ لی گئی ہو۔ فصل کے کٹنے کے بعد کھیت میں جو ویرانی کا منظر ہوتا ہے اس کے ساتھ عذابِ استیصال سے تباہ شدہ بستیوں کو تشبیہہ دی گئی ہے۔ پھر ان بستیوں میں کچھ تو ایسی ہیں جن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے مگر بعض ایسی بھی ہیں جن کے آثار کو باقی رکھا گیا ہے۔ مثلاً قومِ عاد کی آبادیوں کا کوئی نشان تک نہیں ملتا جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ قوم کہاں آباد تھی (اگرچہ حال ہی میں سیٹلائٹ کے ذریعے ان کے شہر اور شداد کی جنّت کے کچھ آثار زیرِ زمین ملنے کا دعویٰ سامنے آیا ہے)۔ دوسری طرف قومِ ثمود کے مکانات کے کھنڈرات آج تک موجود ہیں۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ ''اور ہم نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھایا''

﴿فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ﴾ ''تو اُن کے کچھ بھی کام نہ آ سکے اُن کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے' جب آپ کے رب کا حکم آ پہنچا۔''

﴿وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ''اور انہوں نے کچھ اضافہ نہیں کیا اُن کے حق میں مگر بربادی ہی کا۔''

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذابِ استیصال کا حکم آ گیا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آ سکے اور انہوں نے ان کی ہلاکت و بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔

آیت ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ایسے ہی ہوتی ہے پکڑ آپ کے رب کی' جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔''

جب کسی بستی میں گناہ اور معصیت کا چلن عام ہو جاتا ہے تو وہ گویا ''ظلم'' کی مرتکب ہو کر عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے۔

﴿ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴾ ''یقیناً اُس کی پکڑ بڑی دردناک بھی ہے اور بڑی سخت بھی۔''

اللہ کی پکڑ کے بارے میں سورۃ البروج میں فرمایا گیا: ﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴾ ''یقیناً تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

آیت ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہوں۔''

﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴾ ''وہ ایک ایسا دن ہے جس میں لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ دن ہے پیشی کا۔''

آیت ﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴾ ''اور ہم اسے ایک وقتِ معین تک کے لیے مؤخر کیے ہوئے ہیں۔''

اُس کے آنے کی ایک گھڑی معین ہے' جس کو باقاعدہ گن کر اور حساب لگا کر طے کیا گیا ہے۔

آیت ﴿ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴾ ''جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی متنفس بات نہیں کر سکے گا مگر اللہ کے اِذن سے' تو ان (انسانوں) میں سے کچھ شقی ہوں گے اور کچھ سعید۔''

یعنی کچھ انسان بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

آیت ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴾ ''تو وہ لوگ جو بدبخت ہیں وہ آگ میں ہوں گے جس میں انہیں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہے۔''

وہ لوگ درد اور کرب کی وجہ سے چیخ و پکار کریں گے اور پھنکارے ماریں گے۔

آیت ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ ﴾ ''اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ رہیں آسمان اور زمین' سوائے اُس کے جو تیرا رب چاہے۔''

یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے۔ یہ قرآن کا واحد مقام ہے جہاں ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ کے ساتھ کچھ استثنآت بھی آئے ہیں۔ جہنم اور جنت کب تک رہیں گی یا جہنمی اور جنتی لوگ ان میں کب تک رہیں گے؟ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ کہ جب تک آسمان و زمین قائم رہیں گے۔ اِس سے مراد ابدیت بھی ہو سکتی ہے اور اس طرح کا کوئی اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید کبھی کوئی ایسا وقت آئے جب زمین و آسمان کا وہ نظام بدل بھی جائے اور کوئی دوسرا نظام اس کی جگہ لے لے۔ واضح رہے کہ اس ''زمین و آسمان'' سے مراد بھی موجودہ زمین و آسمان نہیں ہو سکتے' اس لیے کہ از روئے الفاظِ قرآنی یہ تو قیامت کے روز بدل ڈالے جائیں گے۔ یہاں قیامت کے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر اس میں بھی ایک استثناء بیان کیا گیا ہے: ﴿ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ ﴾ ''سوائے اس کے جو تیرا رب چاہے''۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کے عذاب میں تخفیف کرنا چاہے یا کسی کو ایک مدت تک

عذاب دے کر جہنّم سے نکالنے کا فیصلہ فرمائے تو اسے اس کا پورا اختیار ہے۔ جزا و سزا کے بارے میں بھی اہلِ سُنّت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار مطلق ہے' لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ کُفّار کے لیے جہنّم ابدی ٹھکانہ ہے۔ واللہ اعلم!

﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۰۷﴾ ''بے شک آپ کا رب جو ارادہ کرے اسے کر گزرنے والا ہے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ ''اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے وہ جنّت میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش جب تک رہیں آسمان اور زمین' سوائے اس کے جو آپ کا رب چاہے۔''

﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝۱۰۸﴾ ''یہ ایسی بخشش ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔''

ان آیات میں جنّت اور جہنّم کا جو موازنہ کیا گیا ہے اس میں جنّت کے لیے ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ کے الفاظ اضافی طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ اس طرح کے لفظی فرق و تفاوت کا جب علماء و مفسّرین باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں تو ان سے بڑے بڑے فلسفیانہ نکات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنّت اور جہنّم کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ اور شیخ ابن عربیؒ دونوں نے ایک رائے پیش کی ہے جو اہلِ سُنّت کے عام اجماعی عقیدے سے مختلف ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان اگرچہ بڑا نظریاتی بُعد ہے (امام ابن تیمیہؒ بعض اوقات شیخ محی الدین ابن عربی پر تنقید کرتے ہوئے بہت سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں) مگر اس رائے میں دونوں کا اتفاق ہے کہ جنّت تو ابدی ہے مگر جہنّم ابدی نہیں ہے۔ ایک وقت آئے گا' چاہے وہ اربہا سال کے بعد آئے' جب جہنّم ختم کر دی جائے گی۔ اس کے برعکس اہلِ سُنّت کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ جنّت اور جہنّم دونوں ابدی ہیں۔ واللہ اعلم!

آیت ۱۰۹ ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ﴾ ''پس (اے نبی ﷺ!) آپ کسی شک میں نہ رہیں ان کے بارے میں جن کی یہ لوگ پُوجا کر رہے ہیں۔''

﴿مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ ''یہ لوگ نہیں پُوجا کر رہے ہیں مگر ایسے ہی جیسے کہ ان کے آباء و اَجداد پُوجا کرتے رہے ہیں اس سے پہلے۔''

یہ تو بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔

﴿وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝۱۰۹﴾ ''اور یقیناً ہم اُن کو دینے والے ہیں اُن کا حصّہ بغیر کسی کمی کے۔''

آیات ۱۱۰ تا ۱۲۳

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۱۰ وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱۱ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۲ وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا

تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ
ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ۚ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ
الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا
مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ
لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا
يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ
فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ۚ

ع ۱۰

آیت ۱۱۰ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ﴾ ''اور موسیٰؑ کو ہم نے کتاب دی تھی پھر اس میں اختلاف پیدا کر دیے گئے۔''

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''اور اگر طے نہ ہو چکی ہوتی ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی سے تو ان کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا۔''

﴿وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾﴾ ''اور (اب تو) یہ لوگ اس (تورات) کے بارے میں الجھا دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔''

یہ بات سورۃ الشوریٰ میں وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ ہر رسول کی اُمت اپنی الہامی کتاب کی وارث ہوتی ہے۔ پھر جب اس اُمت پر زوال آتا ہے تو اپنی اس کتاب کے بارے میں بھی ان کے ہاں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کہ واقعتاً یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں!

آیت ۱۱۱ ﴿وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا لازماً پورا پورا بدلہ دے گا۔''

﴿اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''یقیناً وہ باخبر ہے اس سے جو عمل یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۱۲ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ڈٹے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور وہ بھی جنہوں نے توبہ کی ہے آپ کے ساتھ''

آپ ﷺ کے ساتھ وہ لوگ بھی صبر و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں جو شرک سے باز آئے ہیں' جنہوں نے کفر کو چھوڑا ہے

اور آپؐ کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔

﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾ ''اور تم لوگ حد سے تجاوز نہ کرو۔''

تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منکرینِ حق پر جلد عذاب لے آنے کی خواہش کریں اور یہ بھی کہ چاروں طرف سے ان لوگوں کی مخالفت کے سبب کسی لمحے غصے میں آجائیں اور حلم و بردباری کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔

﴿اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''یقیناً وہ تم لوگوں کے سب اعمال دیکھ رہا ہے۔''

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال بھی دیکھ رہا ہے اور جو کچھ تمہارے مخالفین کر رہے ہیں ان کی تمام حرکتیں بھی اس کے علم میں ہیں۔ اس لیے اس کے ہاں سے تمہیں تمہارا اجر و ثواب ملے گا' اور اُن لوگوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''اور کوئی جھکاؤ پیدا نہ کرنا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا''

یہ خالص حق اور باطل کی کش مکش ہے' اس میں کہیں کوئی رشتہ داری کا معاملہ' کوئی پرانے مراسم' قبیلے کی محبت جیسے عوامل تم لوگوں کو کسی لمحے ان کی طرف جھکنے پر مائل نہ کریں۔

﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''(اگر ایسا ہوا) تو تمہیں آگ پکڑ لے گی' پھر تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہیں ہوں گے' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔''

آیت ۱۱۴ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) نماز کو قائم رکھیے دن کے دونوں سروں پر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں۔''

دن کے دونوں سروں پر فجر اور عصر کے اوقات ہیں جبکہ رات میں مغرب اور عشاء شامل ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ پانچ نمازوں کا موجودہ نظام گیارہ نبویؐ میں معراج کے بعد قائم ہوا ہے۔ اس سے پہلے مکی دور میں تقریباً ساڑھے دس برس تک نمازوں کے بارے میں جو احکام نازل ہوئے وہ اسی نوعیت کے ہیں۔ یہاں ایک نکتہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں کہ حضور ﷺ سے اس انداز میں صیغۂ واحد میں جو خطاب کیا جاتا ہے' وہ دراصل آپ ﷺ کی وساطت سے اُمت کو حکم دینا مقصود ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاددہانی ہے یاد رکھنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اور صبر کیجیے' یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

آیت ۱۱۶ ﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ﴾ ''تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے کی قوموں میں حق کے ایسے علمبردار ہوتے جو (اپنی اپنی قوموں کے لوگوں کو) روکتے زمین میں فساد مچانے سے''

﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ﴾ ''مگر بہت تھوڑے لوگ ایسے تھے جنہیں ہم نے اُن میں سے بچا لیا۔''

یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ حق کے علمبردار' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرنے والے لوگ جہاں بھی ہوں' جس قوم سے بھی ہوں' اللہ تعالیٰ ہمیشہ انہیں اپنی رحمتِ خاص سے بچا لیتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور پیچھے پڑے رہے وہ ظالم اُن عیش و آرام کی چیزوں کے جو انہیں دی گئی تھیں اور وہ مجرم تھے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اور آپؐ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے جبکہ ان میں بسنے والے لوگ اصلاح کرنے والے ہوں۔''

ایسا نہیں ہوتا کہ کسی علاقے' کسی ملک یا شہر میں اچھے کردار کے حامل' اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں سرگرم لوگوں کی اکثریت ہو اور اللہ پھر بھی اس بستی پر عذاب بھیج دے۔

آیت ۱۱۸ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''اور اگر آپؐ کا رب چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو ایک ہی اُمت بنا دیتا' لیکن وہ تو اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔''

جہاں کہیں بھی لوگ اکٹھے مل جل کر رہ رہے ہوں گے ان میں اختلافِ رائے کا ہونا بالکل فطری بات ہے۔ مختلف لوگوں کی مختلف سوچ ہے' ہر ایک کا اپنا اپنا نقطہ نظر ہے اور اس کے لیے اپنا اپنا استدلال ہے۔ اسی کے مطابق ان کے نظریات ہیں اور اسی کے مطابق ان کے اعمال و افعال۔ جب تک یہ استدلال علم اور قرآن و سنت کی بنیاد پر ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں' بشرطیکہ یہ اختلاف کی حد تک رہے اور تفرقہ کی صورت اختیار نہ کرے اور ''من دیگرم تو دیگری'' والا معاملہ نہ ہو۔

اس نکتہ کو یوں بھی سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے قرآن و سنت سے استدلال کیا ہے' مگر بعض اوقات دونوں بزرگوں کی آراء میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم ایسے اہلِ علم حضرات کے ہاں ایسا اختلاف کبھی بھی نزاع اور تفرقہ بازی کا باعث نہیں بنتا۔ ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو دنیا کی رونق اور خوبصورتی بھی اسی تنوع اور اختلاف سے قائم ہے۔ ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے!

اگر دنیا میں یکسانیت (monotany) ہی ہو تو انسان کی طبیعت اس سے اکتا جائے۔

آیت ۱۱۹ ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ﴾ ''سوائے اُس کے کہ جس پر آپؐ کا رب رحم فرما دے۔ اور اسی لیے اُس نے انہیں پیدا کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کے اندر یہ اختلاف اور تنوع خود رکھا ہے۔ دنیا میں اربوں انسان ہیں مگر ان میں کوئی سے دو انسانوں کے مزاج' شکل و صورت اور آواز حتیٰ کہ انگلیوں کے نشانات آپس میں نہیں ملتے۔ لہٰذا اللہ رب العزت انسانوں کو پیدا ہی اسی انداز پر کرتا ہے کہ ان میں تنوع اور انفرادیت قائم رہے۔ ایک حدیث نبویؐ کی رو سے انسان بھی معدنیات کی طرح ہیں۔ چنانچہ جس طرح معدنیات کی بے شمار اقسام ہیں مگر ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور اپنی پہچان ہے' یہی معاملہ انسانوں کا ہے۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اور آپؐ کے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر کر رہوں گا۔''

یعنی تمام مشرک' سرکش' نافرمان اور گناہگار جنوں اور انسانوں کو اکٹھا کر کے جہنم کا ایندھن بناؤں گا اور یوں ان سے جہنم کو

بھر دوں گا۔ اُس نے جنّت بنائی ہے تو اسے بھی آباد کرنا ہے اور جہنّم بنائی ہے تو اُسے بھی ایندھن فراہم کرنا ہے۔

آیت ۱۲۰ ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم رسولوں کی خبروں میں سے ہر ایک آپ کو سنا رہے ہیں''

یہ ''انباء الرسل'' کی وہی اصطلاح ہے جس کا ذکر قبل ازیں بار بار ہوا ہے۔ حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط' حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے حالات ہم آپ کو بار بار اس لیے سنا رہے ہیں:

﴿مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ﴾ ''(تاکہ) مضبوط رکھیں ہم اس کے ساتھ آپ کا دل۔''

تاکہ ان واقعات کو سن کر آپ اور آپ کے ساتھیوں کے دلوں میں اطمینان بڑھے اور استقامت میں اضافہ ہو۔ ان واقعات کے ذریعے سے ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مکّہ میں آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں' یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' بلکہ جب بھی کوئی رسولؑ کسی قوم کی طرف مبعوث ہوا اور اسے دعوتِ حق پیش کی تو اس کی مخالفت اسی شدّومد سے ہوئی۔ انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر جس طرح ہم نے ہر بار اہلِ حق کی مدد کی اور بالآخر کامیاب وہی ہوئے' اسی طرح اب بھی حق و باطل کی اس جاں گسل کشمکش میں بول بالا حق ہی کا ہوگا' اور آخر کار فتح آپ کی اور آپ کے ساتھیوں ہی کی ہوگی۔

﴿وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۲۰﴾ ''اور اس میں آپ کے پاس حق آیا ہے اور مؤمنین کے لیے اس میں نصیحت اور یاددہانی ہے۔''

یعنی اس قرآن میں یا اس سورت میں یا ان واقعات میں حق اور باطل کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے اور مؤمنین کے لیے نصیحت اور یاددہانی کا سامان بھی فراہم کر دیا گیا ہے۔

آیت ۱۲۱ ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝۱۲۱﴾ ''اور کہہ دیجیے اُن لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی جگہ پر کرو (جو کر سکتے ہو) ہم بھی کر رہے ہیں (جو کچھ ہم کر سکتے ہیں)۔''

یعنی تم میری مخالفت اور دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرو' اس ضمن میں جو کر سکتے ہو بے شک میرے خلاف کر گزرو' تم اپنے طریقے پر چلتے رہو' ہم اپنی روش پر چلتے رہیں گے۔

آیت ۱۲۲ ﴿وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۲۲﴾ ''اور تم بھی انتظار کرو' ہم بھی منتظر ہیں۔''

کہ اللہ کی طرف سے آخری فیصلہ کیا آتا ہے۔

آیت ۱۲۳ ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی چیزیں اور کُل کا کُل معاملہ اُسی کی جانب لوٹا دیا جائے گا''

﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۳﴾ ''تو آپ اُسی کی عبادت کریں اور اُسی پر توکّل کریں۔ اور یقیناً آپ کا رب غافل نہیں ہے اس سے جو تم لوگ کر رہے ہو۔''

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ○○

سُوْرَۃُ یُوْسُفَ

تمہیدی کلمات

چودہ مکّی سورتوں (سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون) پر مشتمل اس طویل سلسلے میں تین تین سورتوں کے جو ذیلی گروپس ہیں' سورۂ یوسف ان میں سے پہلے ذیلی گروپ کا حصّہ ہے' لیکن اس سورت کو اپنے مضمون اور خاص انداز کی بنا پر پہلی دو سورتوں (سورۂ یونس اور سورۂ ہود) کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سورۂ یوسف پورے قرآن مجید میں اپنے انداز کی ایک بالکل منفرد سورت ہے۔ اس کی ہلکی سی مشابہت صرف سورۂ طٰہٰ کے ساتھ ہے۔ سورۂ طٰہٰ بھی سورۂ یوسف کی طرح صرف ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سورتوں میں اس کے علاوہ ایک معنوی نسبت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اور آپؑ کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تھے' جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آپؑ کے ذریعے سے وہ لوگ وہاں سے نکلے تھے۔

اس سے پہلے مکّی سورتوں میں انباء الرسل کا مضمون بہت شدّ و مدّ کے ساتھ بیان ہوا ہے' جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے' پہلے سورۃ الانعام میں اور پھر سورۂ ہود میں۔ مگر سورۂ یوسف قصص النبیین کے اعتبار سے بھی یوں منفرد ہے کہ پوری سورت ایک ہی نبی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس پورے قصّے میں انباء الرسل کے انداز کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ یعنی اس طرح کا کوئی اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے' یا پھر انہوں نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دینے کے بعد کہا ہو کہ اگر تم میری اس دعوت کو نہیں مانو گے تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔ پوری سورت میں ہمیں ان کی طرف سے جا بجا دعوت کی مثالیں ملتی ہیں مگر وہ ایک مصلح کے انداز میں تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے نبی اور رسول کے مابین فرق بھی واضح ہو جاتا ہے۔ رسولوں کے حالات کے ضمن میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ ایک رسول کی بعثت تعین کے ساتھ جس قوم کی طرف ہوتی تھی وہ انہیں اللہ واحد کی بندگی اور اپنی اطاعت کا حکم دیتا تھا: ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۳﴾ (نوح) ''کہ تم اللہ کی بندگی کرو' اُس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو''۔ اور اگر وہ قوم اپنے رسول کی دعوت کو رد کرتی چلی جاتی تھی تو بالآخر اُس قوم پر اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہو جاتا تھا اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا تھا —— لیکن نبی کا معاملہ اولیاء اللہ کی طرح ہوتا تھا۔ وہ اپنے معاشرے میں توحید کی دعوت دیتا' کفر و شرک اور بدعات سے اجتناب کی تلقین کرتا اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتا۔ بنی اسرائیل میں انبیاء کرام علیہم السلام تسلسل کے ساتھ آتے رہے ہیں' لیکن رسول معدودے چند تھے۔ اُمّتِ مُسلمہ میں بڑے بڑے اولیاء کرام رحمہم اللہ پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے عظیم الشان دعوتی اور تجدیدی خدمات انجام دی ہیں' لیکن وحی کا دروازہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد بند ہو چکا ہے۔

اس سورت کے نزول اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی اس قدر تفصیل بیان کرنے کا بنیادی سبب تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی خبریں جب یہود مدینہ تک پہنچیں تو انہوں نے تورات کی معلومات کی بنیاد پر شرارتاً مشرکینِ مکّہ

کو مختلف سوالات بھیجنے شروع کر دیے' جو وہ حضور ﷺ سے پوچھتے رہتے تھے۔ ان سوالات میں ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں آپؐ یہ واقعات تو بیان کر رہے ہیں کہ مصر میں فرعون اُن پر ظلم کرتا تھا اور وہاں وہ غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو وہاں سے نکال کر لے گئے' مگر بنی اسرائیل کے جدِ امجد حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام تو فلسطین میں آباد تھے' ان کے بارے میں یہ بھی بتائیں کہ وہاں سے یہ لوگ مصر میں کیسے پہنچ گئے؟ یہ تاریخ کا ایک سوال تھا' جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ پورا واقعہ اس سورت میں بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان فرما دیا' بلکہ اس قصے کو قریش کے اس طرزِ عمل پر بھی منطبق کر دیا جو وہ برادرانِ یوسف کی مانند نبی آخر الزماں ﷺ کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھے۔

میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ قرآن حکیم کے ساتھ میرا جو ذہنی و قلبی رشتہ اور معنوی ربط و تعلق قائم ہوا اس کا نقطۂ آغاز یہی سورۂ یوسف بنی' جب میں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے اس کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ مَیں نے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا ہی تھا کہ مشرقی پنجاب میں فسادات شروع ہو گئے اور مسلمانوں کا قتلِ عام ہونے لگا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک ہم اپنے شہر حصار میں محصور رہے۔ ہم نے اپنی حفاظت کے لیے مورچے قائم کر لیے تھے' جن میں شہر کے نوجوان اپنی باری سے ڈیوٹی دیتے۔ فارغ وقت میں' مَیں اور میرے بڑے بھائی اظہار احمد ایک مسجد میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے۔ اُن دنوں مولانا مودودیؒ کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں ''تفہیم القرآن'' کے سلسلے میں سورۂ یوسف کی تفسیر شائع ہو رہی تھی۔ مَیں نے بھی میٹرک میں عربی کا مضمون رکھا تھا اور بھائی جان نے بھی جب میٹرک کیا تھا تو عربی پڑھی تھی۔ چنانچہ ہم مل کر سورۂ یوسف کی تفسیر کا مطالعہ کرتے اور اس پر باہم مذاکرہ کرتے۔ قرآن حکیم کی تلاوت اور ترجمے کی مدد سے اس کو سمجھنے کا معاملہ تو پہلے سے ہی تھا' لیکن اس تفسیری مطالعے اور مذاکرے سے قرآن حکیم کے ساتھ ذہنی و قلبی رشتہ استوار ہوا۔

آیات ۱ تا ۶

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا: ۱۱۱ — رُكُوْعَاتُهَا: ۱۲

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ
عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
الْغٰفِلِيْنَ ۝۳ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ
رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ
الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ۭ
ع اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

آیت ۱ ﴿الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱﴾ ''ا ل ر۔ یہ ایک روشن کتاب کی آیات ہیں۔''

یہ اُس کتابِ روشن کی آیات ہیں جو اپنا مدعا واضح طور پر بیان کرتی ہے اور کوئی ابہام باقی نہیں رہنے دیتی۔

آیت ۲ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا﴾ ''ہم نے اس کو نازل کیا ہے عربی قرآن بنا کر''

یعنی وہ قرآن جو اُمّ الکتاب اور لوحِ محفوظ میں ہمارے پاس ہے اس کو ہم نے قرآنِ عربی بنا کر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا ہے۔

﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۲﴾ ''تاکہ تم لوگ اسے اچھی طرح سے سمجھ سکو۔''

یہ خطاب عرب کے اُمّیین سے ہے کہ ہمارے آخری رسول ﷺ کی اوّلین بعثت تمہاری طرف ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کے مخاطبین اوّلین تم لوگ ہو۔ چنانچہ ہم نے قرآن کو تمہاری اپنی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم لوگ اسے اچھی طرح سمجھ سکو۔

آیت ۳ ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو سنانے لگے ہیں بہترین بیان''

قَصَص (ق کی زبر کے ساتھ) یہاں بطور مصدر آیا ہے اور اس کے معنی ہیں ''بیان''۔ اگر لفظ قِصَص (ق کی زیر کے ساتھ) ہوتا تو قصہ کی جمع کے معنی دیتا' اور اس صورت میں اس کا ترجمہ یوں ہوتا کہ ہم آپ ﷺ کو بہترین قصہ سنا رہے ہیں۔

﴿بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۳﴾ ''اس قرآن کے ساتھ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے' اور یقیناً آپ اس سے پہلے (اس سے) ناواقف تھے۔''

یعنی قرآن میں اس وحی (سورت) کے نزول سے پہلے آپ ﷺ اس واقعہ سے واقف نہیں تھے۔

آیت ۴ ﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ﴾ ''جب یوسفؑ نے اپنے والد (یعقوبؑ) سے کہا''

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بیوی سے آپؑ کے دس بیٹے تھے اور وہ سب کے سب اُس وقت تک جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے' جبکہ آپؑ کے دو بیٹے (یوسفؑ اور بن یامین) آپؑ کی چھوٹی بیوی سے تھے۔ اِن میں حضرت یوسفؑ بڑے تھے' مگر ابھی یہ دونوں ہی کم سن تھے۔

﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۴﴾ ''ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو' میں نے اُن کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۵ ﴿قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ اس خواب میں یوسفؑ کے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ کے بارے میں کوئی اشارہ ہے اور شاید اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے کے لیے کوئی خاص فضیلت ظاہر کرنے والا ہے۔

﴿فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ﴾ ''ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔''

ممکن ہے وہ لوگ خواب سن کر اس میں واضح اشارے کو بھانپ لیں تو ان کے اندر حسد کی آگ بھڑک اُٹھے اور پھر وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں' تمہیں گزند پہنچانے کی کوشش کریں۔

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۵﴾ ''یقیناً شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

وہ دشمنی میں کسی کو بھی کسی بھی وقت' کوئی بھی پٹی پڑھا سکتا ہے۔

آیت ۶ ﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ﴾ ''اور اسی طرح تمہارا ربّ تمہیں منتخب کرے گا''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ میرے بیٹوں میں سے یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لیے چُن لیا ہے۔

﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ''اور تمہیں سکھائے گا تاویل الاحادیث میں سے (علم)''

یہاں پر تاویلِ حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک خوابوں کی تعبیر اور دوسرے معاملہ فہمی اور دور بینی' باتوں کی تُہ (تہ) تک پہنچ جانا' حقیقت تک رسائی ہو جانا۔

﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ﴾ ''اور اِتمام فرمائے گا اپنی نعمت کا تجھ پر اور آلِ یعقوبؑ پر جس طرح اُس نے اس سے پہلے اپنی نعمت کا اِتمام فرمایا تیرے آباء واَجداد ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر۔''

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کسرِ نفسی کے سبب حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے ساتھ اپنا نام نہیں لیا۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٦﴾ ''یقیناً تیرا رب جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

آیات ۷ تا ۲۰

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝٧ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ
أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۗ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝٨ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا
يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝٩ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا
يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝١٠ قَالُوا يَا أَبَانَا
مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝١١ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا
لَهُ لَحَافِظُونَ ۝١٢ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ
عَنْهُ غَافِلُونَ ۝١٣ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝١٤ فَلَمَّا ذَهَبُوا
بِهِ وَأَجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ۝١٥ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝١٦ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا
يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝١٧ وَجَاءُو
عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ
الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝١٨ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ
يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝١٩ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ
دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝٢٠ ع ۱۲

آیت ۷ ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷﴾ ''یقیناً یوسفؑ اور آپؑ کے بھائیوں (کے قصے) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔''

یعنی جن لوگوں (قریشِ مکہ) نے یہ سوال پوچھا ہے اور جن لوگوں (یہودِ مدینہ) کے کہنے پر پوچھا ہے' ان سب کے لیے اس قصے میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر وہ صرف اس ایک قصے کو حقیقت کی نظروں سے دیکھیں اور اس پر غور کریں تو بہت سے حقائق نکھر کر اُن کے سامنے آجائیں گے۔

آیت ۸ ﴿اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ﴾ ''جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں۔''

برادرانِ یوسف نے کہا کہ ہم پورے دس لوگ ہیں' سب کے سب جوان اور طاقتور ہیں' خاندان کی شان تو ہمارے دم قدم سے ہے (قبائلی زندگی میں نوجوان بیٹوں کی تعداد پر ہی کسی خاندان کی شان وشوکت اور قوت وطاقت کا انحصار ہوتا ہے) لیکن ہمارے والد ہمیں نظر انداز کر کے ان دو چھوٹے بچوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝۸﴾ ''یقیناً ہمارے والد صریح غلطی پر ہیں۔''

آیت ۹ ﴿اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ﴾ ''(چنانچہ) قتل کر دو یوسف کو یا اسے پھینک آؤ (دور) کسی علاقے میں تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے''

یوسف چونکہ ان دونوں میں بڑا ہے' اس لیے وہی والد صاحب کی ساری توجہ اور عنایات کا مرکز ومحور بنا ہوا ہے' چنانچہ جب یہ نہیں رہے گا تو لامحالہ والد صاحب کی تمام تر شفقت اور مہربانی ہمارے لیے ہی ہوگی۔

﴿وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹﴾ ''اور پھر اس کے بعد نیک بن جانا۔''

اس فقرے میں اُن کے نفس اور ضمیر کی کشمکش کی جھلک صاف نظر آرہی ہے۔ ضمیر تو مسلسل ملامت کر رہا تھا کہ یہ کیا کرنے لگے ہو؟ اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہتے ہو؟ یہ تمہاری سوچ درست نہیں ہے! لیکن عام طور پر ایسے مواقع پر انسان کا نفس اس کے ضمیر پر غالب آجاتا ہے' جیسا کہ ہم نے سورۃ المائدۃ' آیت ۳۰ میں ہابیل اور قابیل کے سلسلے میں پڑھا تھا: ﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ﴾ ''پس قابیل کے نفس نے اُسے آمادہ کر ہی لیا اپنے بھائی کے قتل کرنے پر۔''

اسی طرح ان لوگوں نے بھی اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر آپس میں مشورہ کیا کہ ایک دفعہ یہ کڑوا گھونٹ حلق سے اتار لو' پھر اس کے بعد توبہ کر کے اور کفارہ وغیرہ ادا کر کے کسی نہ کسی طرح اس جرم کی تلافی کر دیں گے اور باقی زندگی نیک بن کر رہیں گے۔

آیت ۱۰ ﴿قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ﴾ ''کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہ یوسف کو قتل مت کرو''

یہ شریف النفس انسان اُن کے سب سے بڑے بھائی تھے جنہوں نے یہ مشورہ دیا۔ ان کا نام یہودا تھا' اور انہی کے نام پر لفظ ''یہودی'' بنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اصل مسئلہ تو اس سے پیچھا چھڑانے کا ہے' لہٰذا ضروری نہیں کہ قتل جیسا گناہ کر کے ہی یہ مقصد حاصل کیا جائے' اس کے لیے کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

﴿وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ﴾ ''اور ڈال آؤ اسے کسی باؤلی کے طاقچے میں' اٹھا لے جائے گا اس کو کوئی قافلہ''

پرانے زمانے کے کنویں کی ایک خاص قسم کو باؤلی کہا جاتا تھا' اس کا منہ کھلا ہوتا تھا لیکن گہرائی میں یہ تدریجاً تنگ ہوتا جاتا تھا۔ پانی کی سطح کے قریب اس کی دیوار میں طاقچے سے بنائے جاتے تھے۔ اس طرح کی باؤلیاں پرانے زمانے میں قافلوں کے راستوں پر بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل کی صورت میں قوی امکان تھا کہ کسی قافلے کا ادھر سے گزر ہوگا اور قافلے والے یوسف کو باؤلی سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ بڑے بھائی کے اس مشورے کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ اس طرح کم از کم یوسف کی جان بچ جائے گی اور ہم بھی اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کے جرم کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۰﴾ ''اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو۔''

جب نو بھائی اس بات پر پوری طرح تُل گئے کہ یوسف سے بہرحال چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو دسواں بھائی ان کو اس حرکت سے بالکل منع تو نہیں کر سکا' لیکن اس نے کوشش کی کہ کم از کم وہ لوگ یوسف کو قتل کرنے سے باز رہیں۔

آیت ۱۱ ﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰي يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝۱۱﴾ ''انہوں نے کہا: ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپؑ ہم پر بھروسہ نہیں کرتے یوسف کے معاملے میں' حالانکہ ہم تو اس کے بڑے خیر خواہ ہیں۔''

آیت ۱۲ ﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲﴾ ''کل ذرا اسے ہمارے ساتھ بھیجئے' تاکہ وہ کچھ کھائے پیے اور کھیل کود لے' اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

انہوں نے کہا کہ ہم کل شکار پر جا رہے ہیں' آپؑ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ وہاں یہ درختوں سے پھل وغیرہ کھائے گا اور کھیل کود سے بھی دل بہلائے گا۔ آپؑ اس کی طرف سے بالکل فکرمند نہ ہوں' ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

آیت ۱۳ ﴿قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝۱۳﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا: مجھے یہ بات اندیشہ میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ' اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے جبکہ تم اس سے غافل ہو جاؤ۔''

مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ تمہارے ساتھ چلا جائے' پھر تم لوگ اپنی مصروفیات میں منہمک ہو جاؤ' اس طرح وہ جنگل میں اکیلا رہ جائے اور کوئی بھیڑیا اسے پھاڑ کھائے۔

آیت ۱۴ ﴿قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۱۴﴾ ''وہ کہنے لگے کہ اگر (ہمارے ہوتے ہوئے) اسے بھیڑیا کھا گیا جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں' تب تو ہم بہت ہی نکمے ثابت ہوں گے۔''

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے جیسے دس کڑیل جوانوں کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے' ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ﴾ ''پھر جب وہ اس کو لے گئے اور سب اس پر متفق ہو گئے کہ اسے ڈال دیں باؤلی کے طاقچے میں۔''

یہاں پر اَجْمَعُوْا کے بعد عَلٰی کا صلہ محذوف ہے' یعنی اس منصوبے پر وہ سب کے سب جمع ہو گئے' انہوں نے اس رائے پر اتفاق کر لیا۔

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۵﴾ ''اور ہم نے (اُس وقت) وحی کی یوسف کو کہ

تم (ایک دن) اُن کو ان کی یہ حرکت ضرور جتلاؤ گے اور انہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہوگا۔''

یہ بات الہام کی صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ڈالی گئی ہوگی' کیونکہ ابھی آپؑ کی عمر نبوت کی تو نہیں تھی کہ باقاعدہ وحی ہوتی۔ بہرحال آپؑ پر یہ الہام کیا گیا کہ ایک دن تم اپنے ان بھائیوں کو یہ بات اُس وقت جتلاؤ گے جب انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا۔ اس چھوٹے سے فقرے میں جو بلاغت ہے اس کا جواب نہیں۔ چند الفاظ کے اندر حضرت یوسفؑ کی تسلی کے لیے گویا پوری داستان بیان کر دی گئی ہے کہ تمہاری جان کو خطرہ نہیں ہے' تم نہ صرف اس مشکل صورتِ حال سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے بلکہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب تم اس قابل ہو گے کہ اپنے ان بھائیوں کو اُن کا یہ سلوک جتلا سکو۔

آیت ۱۶ ﴿وَجَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ۝۱۶﴾ ''اور وہ آئے اپنے والد کے پاس شام کو روتے ہوئے۔''

آیت ۱۷ ﴿قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ ''انہوں نے کہا: ابا جان! ہم جا کر دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے اور ہم نے چھوڑ دیا تھا یوسف کو اپنے سامان کے پاس''

ہم نے اپنا اضافی سامان اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھا اور اس سامان کے پاس ہم نے یوسفؑ کو چھوڑ دیا تھا۔ خود ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے۔

﴿فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ۝۱۷﴾ ''تو اُسے کھا لیا ایک بھیڑیے نے۔ اور آپؑ ہماری بات مانیں گے تو نہیں' خواہ ہم کتنے ہی سچے ہوں۔''

آیت ۱۸ ﴿وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ﴾ ''اور وہ اُس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔''

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا: (واقعہ یوں نہیں) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا ہے۔''

ان کی بات سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں' بات کچھ اور ہے۔ یہ بات جو تم بتا رہے ہو یہ تو تمہارے جی کی گھڑی ہوئی ایک بات ہے۔ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک بڑی بات کو ہلکا کر کے پیش کیا ہے اور تم لوگوں نے کوئی بہت بڑا غلط اقدام کیا ہے۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝۱۸﴾ ''اب صبر ہی بہتر ہے' اور اللہ ہی کی مدد طلب کی جا سکتی ہے اس پر جو تم بیان کر رہے ہو۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام اکیلے تھے' بوڑھے تھے اور دوسری طرف دس جوان بیٹے' اس صورتِ حال میں اور کیا کہتے؟

آیت ۱۹ ﴿وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ﴾ ''اور (کچھ عرصہ بعد) ایک قافلہ آیا تو انہوں نے بھیجا اپنے آگے چلنے والے کو''

جب قافلے چلتے تھے تو ایک آدمی قافلے کے آگے آگے چلتا تھا۔ وہ قافلے کے پڑاؤ کے لیے جگہ کا انتخاب کرتا اور پانی وغیرہ کے انتظام کا جائزہ لیتا۔ قافلے والوں نے اس ڈیوٹی پر مامور شخص کو بھیجا کہ وہ جا کر پانی کا کھوج لگائے۔ اس شخص نے باؤلی دیکھی تو پانی نکالنے کی تدبیر کرنے لگا۔

﴿فَاَدْلٰی دَلْوَهٗ ؕ﴾ ''تو اُس نے لٹکایا اپنا ڈول۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے ڈول کو پکڑ لیا۔ اس نے جب ڈول کھینچا اور حضرت یوسفؑ کو دیکھا تو:

﴿قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ﴾ ''وہ پکار اٹھا کہ خوشخبری ہو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔ اور انہوں نے اسے چھپا لیا ایک پونجی سمجھ کر۔''

کہ بہت خوبصورت لڑکا ہے' بیچیں گے تو اچھے دام ملیں گے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۹﴾ ''اور اللہ خوب جانتا تھا جو وہ کر رہے تھے۔''

آیت ۲۰ ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝۲۰﴾ ''اور (مصر پہنچ کر) انہوں نے بیچ دیا اس کو بڑی تھوڑی سی قیمت پر چند درہم کے عوض' اور وہ تھے اس کے معاملے میں بہت ہی قناعت پسند۔''

اگرچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مالِ تجارت سمجھ کر چھپایا تھا' مگر مصر پہنچ کر بالکل ہی معمولی قیمت پر فروخت کر دیا۔ اُس زمانے میں درہم ایک دینار کا چوتھا حصہ ہوتا تھا۔ گویا انہوں نے چند چونیوں کے عوض آپؑ کو بیچ دیا۔ اس لیے کہ آپؑ کے بارے میں اُس وقت تک انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس کی دو وجوہات تھیں' ایک تو آپؑ ان کے لیے مفت کا مال تھے جس پر ان لوگوں کا کوئی سرمایہ وغیرہ نہیں لگا تھا' لہٰذا جو مل گیا انہوں نے اسے غنیمت جانا۔ دوسرے ان لوگوں کو آپؑ کی طرف سے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ لڑکے کے وارث آ کر کہیں اسے پہچان نہ لیں اور ان پر چوری کا الزام نہ لگ جائے۔ لہٰذا وہ جلد از جلد آپؑ کے معاملے سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔

آیات ۲۱ تا ۲۹

وَ قَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۪ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۲۲ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝۲۴ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۵ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۷ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹ ع ۱۳

آیت ۲۱ ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ﴾ ''اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو خریدا (اُس نے) اپنی بیوی سے کہا: اس کو اچھے طریقے سے رکھنا' ہوسکتا ہے یہ ہمارے لیے نفع بخش ہو یا پھر ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔''

وہ شخص مصر کی حکومت میں بہت اعلیٰ منصب (عزیزِ مصر) پر فائز تھا۔ حضرت یوسفؑ کو بیٹا بنانے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے ہاں اولاد نہیں تھی۔

﴿وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ﴾ ''اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو اس ملک میں تمکّن عطا کیا''

اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس دور کی متمدن ترین مملکت میں پہنچا دیا اور وہاں آپؑ کی رہائش کا بندوبست بھی کیا تو کسی جھونپڑی میں نہیں بلکہ ملک کے ایک بہت بڑے صاحبِ حیثیت شخص کے گھر میں' اور وہ بھی محض ایک غلام کے طور پر نہیں بلکہ خصوصی عزّت واکرام کے انداز میں۔

﴿وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ﴾ ''اور تاکہ ہم اس کو سکھائیں باتوں کی تہہ تک پہنچنے کا علم۔''

یعنی عزیزِ مصر کے گھر میں آپؑ کو جگہ بنا کر دینے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہاں آپؑ کو ''معاملہ فہمی'' کی تربیت فراہم کی جائے۔ عزیزِ مصر کا گھر ایک طرح کا سیکرٹیریٹ ہوگا جہاں آئے دن انتہائی اعلیٰ سطح کے اجلاس ہوتے ہوں گے' اور قومی و بین الاقوامی نوعیت کے انتہائی اہم امور پر بحث وتمحیص کے بعد فیصلے کیے جاتے ہوں گے اور حضرت یوسفؑ کو ان تمام سرگرمیوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے مواقع میسّر آتے ہوں گے۔ اس طرح بہت اعلیٰ سطح کی تعلیم وتربیت کا ایک انتظام تھا جو حضرت یوسفؑ کے لیے یہاں پر کر دیا گیا۔

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾﴾ ''اور اللہ تو اپنے فیصلے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کی تنفیذ پر غالب ہے' وہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ﴾ ''اور جب آپؑ اپنی جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے آپؑ کو حکم اور علم عطا کیا۔''

﴿وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾﴾ ''اور اسی طرح ہم محسنین کو بدلہ دیتے ہیں۔''

حکم اور علم سے مراد نبوت ہے۔ حکم کے معنی قوتِ فیصلہ کے بھی ہیں اور اقتدار کے بھی۔ علم سے مراد علم وحی ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ﴾ ''اور آپؑ کو پھسلانے کی کوشش کی اُس عورت نے جس کے گھر میں آپؑ تھے''

یعنی عزیزِ مصر کی بیوی آپؑ پر فریفتہ ہوگئی۔ قرآن میں اس کا نام مذکور نہیں' البتہ تورات میں اس کا نام زلیخا بتایا گیا ہے۔

﴿وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ﴾ ''اور (ایک موقع پر) اُس نے دروازے بند کر لیے اور بولی جلدی سے آجاؤ!''

﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں' وہ میرا رب ہے' اُس

نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے۔''

یہاں پر ''ربّ'' کے دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں اللہ بھی اور آقا بھی۔ چنانچہ اس فقرے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور اُس نے میرے لیے بہت اچھے ٹھکانے کا انتظام کیا ہے' میں اس کی نافرمانی کا کیسے سوچ سکتا ہوں! دوسرے معنی میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا خاوند میرا آقا ہے' وہ میرا محسن اور مربی بھی ہے' اُس نے مجھے اپنے گھر میں بہت عزّت و اکرام سے رکھا ہے' اور مَیں اُس کی خیانت کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں' یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا! یہ دوسرا مفہوم اس لیے بھی زیادہ مناسب ہے کہ ''ربّ'' کا لفظ اس سورت میں آقا اور بادشاہ کے لیے متعدد بار استعمال ہوا ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے۔''

آیت ۲۴ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ﴾ ''اور اُس عورت نے ارادہ کیا آپؑ کا' اور آپؑ بھی ارادہ کر لیتے اُس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی ایک دلیل۔''

حضرت یوسف علیہ السلام جوان تھے اور ممکن تھا طبعِ بشری کی بنیاد پر آپؑ کے دل میں بھی کوئی ایسا خیال جنم لیتا' مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس نازک موقع پر آپؑ کی خصوصی مدد فرمائی اور اپنی خصوصی نشانی دکھا کر آپؑ کو کسی منفی خیال سے محفوظ رکھا۔ یہ نشانی کیا تھی؟ اس کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں' البتہ تورات میں اس کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے کہ عین اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل دیوار پر ظاہر ہوئی اور آپؑ نے انگلی کا اشارہ کر کے حضرت یوسفؑ کو باز رہنے کے لیے کہا۔

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ﴾ ''یہ اس لیے کہ ہم پھیر دیں اس سے بُرائی اور بے حیائی کو۔''

یعنی ہم نے اپنی نشانی دکھا کر حضرت یوسفؑ سے برائی اور بے حیائی کا رخ پھیر دیا اور یوں آپؑ کی عصمت و عفت کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا۔

﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''یقیناً وہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔''

واضح رہے کہ یہاں لفظ مُخْلَص (لام کی زبر کے ساتھ) آیا ہے۔ مُخْلِص اور مُخْلَص کے فرق کو سمجھ لیجیے۔ مُخْلِص اسم الفاعل ہے یعنی خلوص و اخلاص سے کام کرنے والا اور مُخْلَص وہ شخص ہے جس کو خالص کر لیا گیا ہو۔ اللہ کے مخلَص وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنے لیے خالص کر لیا ہو' یعنی اللہ کے خاص برگزیدہ اور چہیتے بندے۔

آیت ۲۵ ﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ﴾ ''اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے''

یعنی حضرت یوسفؑ نے جب دیکھا کہ اس عورت کی نیت خراب ہے اور اس پر شیطنت کا بھوت سوار ہے تو آپؑ اس سے بچنے کے لیے دروازے کی طرف لپکے اور آپؑ کے پیچھے وہ بھی بھاگی تاکہ آپؑ کو قابو کر سکے۔

﴿وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ﴾ ''اور پھاڑ دی اس (عورت) نے آپؑ کی قمیص پیچھے سے''

آپؑ کو دوڑتے ہوئے دیکھ کر اس عورت نے آپؑ کی طرف تیزی سے لپک کر پیچھے سے آپؑ کو پکڑنے کی کوشش کی تو آپؑ کی قمیص اس کے ہاتھ میں آ کر پھٹ گئی۔

﴿وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ﴾ ''اور پایا اُن دونوں نے اُس کے خاوند کو دروازے کے پاس۔''

اس عورت نے لازماً ایسے وقت کا انتخاب کیا ہوگا جب اس کا خاوند گھر سے باہر تھا اور اس کے جلد گھر آنے کا امکان نہیں تھا' مگر

جونہی وہ دونوں آگے پیچھے دروازے سے باہر نکلے تو غیر متوقع طور پر اُس کا خاوند عین دروازے پر کھڑا تھا۔

﴿قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۵﴾ ''وہ (فوراً) بولی: کیا سزا ہونی چاہیے ایسے شخص کی جس نے ارادہ کیا تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا' سوائے اس کے کہ اسے جیل بھیج دیا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے!''

اپنے خاوند کو دیکھتے ہی اس عورت نے فوراً پینترا بدلا اور اُس کی غیرت کو للکارتے ہوئے بولی کہ اس لڑکے نے مجھ پر دست درازی کی ہے اور مَیں نے بڑی مشکل سے خود کو بچایا ہے۔ اب اس سے آپ ہی سمجھیں اور اسے کوئی عبرت ناک سزا دیں۔

آیت ۲۶ ﴿قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ﴾ ''آپؑ نے فرمایا کہ اسی نے مجھے پھسلانا چاہا تھا''

صورتِ حال بہت نازک اور خطرناک رخ اختیار کر چکی تھی۔ حضرت یوسفؑ کو بھی اپنے دفاع میں کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔ لہٰذا آپؑ نے صاف صاف بتا دیا کہ خود اس عورت نے مجھے گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ﴾ ''اور گواہی دی عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے۔''

اس عورت کے اپنے رشتہ داروں میں سے بھی کوئی شخص موقع پر آ پہنچا۔ اُس نے موقع محل دیکھ کر وقوعہ کے بارے میں بڑی مدلّل اور خوبصورت قرائنی شہادت (circumstancial evidence) دی کہ:

﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶﴾ ''اگر تو اُس کی قمیص پھٹی ہے سامنے سے' تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔''

اگر عورت سے دست درازی کی کوشش ہو رہی تھی اور وہ اپنا تحفظ کر رہی تھی تو ظاہر ہے کہ حملہ آور کی قمیص سامنے سے پھٹنی چاہیے۔

آیت ۲۷ ﴿وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۷﴾ ''اور اگر اُس کی قمیص پھٹی ہے پیچھے سے' تو پھر یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔''

اس عادلانہ اور حکیمانہ گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اس معاشرے میں بہت سی خرابیاں تھیں (جن میں سے کچھ کا ذکر آگے آئے گا) وہاں اس گواہی دینے والے شخص جیسے حق گو اور انصاف پسند لوگ بھی موجود تھے جس نے قرابت دار ہوتے ہوئے بھی حق اور انصاف کی بات کی۔

آیت ۲۸ ﴿فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸﴾ ''پھر جب اُس (عزیزِ مصر) نے دیکھا کہ آپؑ کی قمیص پھٹی ہوئی ہے پیچھے سے' تو اُس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی چالوں میں سے (ایک چال) ہے' یقیناً تم عورتوں کے فریب بہت بڑے ہوتے ہیں۔''

پھر عزیزِ مصر نے حضرت یوسفؑ سے کہا:

آیت ۲۹ ﴿يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ﴾ ''یوسف! اِس معاملے سے درگزر کرو۔''

اس کے بعد وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہوا اور بولا:

﴿وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹﴾ ''اور تم اپنے گناہ کی معافی مانگو' یقیناً قصوروار تم ہی ہو۔''

آیات ۳۰ تا ۳۵

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝۳۱ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۳۲ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۳ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۴ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۳۵ ع

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ﴾ ''اور شہر میں عورتوں نے (اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے) کہا کہ عزیز کی بیوی تو اپنے غلام کو پھسلا رہی ہے۔''

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ﴾ ''وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔''

﴿اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰﴾ ''یقیناً ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت بھٹک گئی ہے۔''

اس کا اپنے غلام کے ساتھ اس طرح کا معاملہ! یہ تو بہت ہی گھٹیا بات ہے!

آیت ۳۱ ﴿فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ﴾ ''پھر جب اُس نے سنیں اُن کی مکارانہ باتیں''

عزیز مصر کی بیوی نے جب سنا کہ شہر میں اس کے خلاف اس طرح کے چرچے ہو رہے ہیں اور مصر کی عورتیں ایسی طعن آمیز باتیں کر رہی ہیں تو اس نے بھی جوابی کارروائی کا منصوبہ بنا لیا۔ یہ اُس معاشرے کے انتہائی اعلیٰ سطح کے لوگوں کی بات تھی اور اس کا چرچا بھی اسی سطح پر ہو رہا تھا۔ اُسے بھی اپنے اردگرد سب لوگوں کے کردار کا پتا تھا' کہاں کیا خرابی ہے اور کس کے ہاں کتنی گندگی ہے وہ سب جانتی تھی۔ چنانچہ اُس نے اس اعلیٰ سوسائٹی کے اجتماعی کردار کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

﴿اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً﴾ ''اُس نے دعوت دی اُن سب کو اور اہتمام کیا ایک تکیہ دار مجلس کا''

اُس نے کھانے کی ایک پُرتکلف تقریب کا اہتمام کیا جس میں مہمان عورتوں کے لیے گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔

﴿وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا﴾ ''اور ان میں سے ہر عورت کو اُس نے ایک چھری دے دی''

کھانے کی چیزوں میں پھل وغیرہ بھی ہوں گے چنانچہ ہر مہمان عورت کے سامنے ایک ایک چھری بھی رکھ دی گئی۔

﴿وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ﴾ ''اور (یوسفؑ سے) کہا کہ اب تم ان کے سامنے آؤ!''

﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ﴾ ''پھر جب انہوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو اُسے بہت عظیم جانا (ششدر رہ گئیں)''

﴿وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ﴾ ''اور اُن سب نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے''

عورتوں نے جب پاکیزگی اور تقدس کا پیکر ایک جوانِ رعنا اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئیں۔ سب کی سب آپؑ کے حسن و جمال پر ایسی فریفتہ ہوئیں کہ اپنے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے۔ ممکن ہے کسی ایک عورت کا ہاتھ تو واقعی عالمِ حیرت و محویت میں کٹ گیا ہو اور اس کی طرف حضرت یوسفؑ بحیثیت خادم کے متوجہ ہوئے ہوں کہ خون صاف کر کے پٹی وغیرہ کر دیں اور یہ دیکھ کر باقی سب نے بھی اپنی اپنی انگلیاں دانستہ کاٹ لی ہوں کہ اس طرح یہی التفات انہیں بھی ملے گا۔ قَطَّعَ بابِ تفعیل ہے' جس میں کسی کام کو پورے اہتمام اور ارادے سے کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾﴾ ''اور وہ پکار اُٹھیں: حاشا للہ یہ کوئی آدمی تو نہیں! یہ تو کوئی بہت بزرگ فرشتہ ہے۔''

آیت ۳۲ ﴿قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ﴾ ''تو اُس عورت نے کہا کہ یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں۔''

﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ﴾ ''اور یقیناً میں نے اسے پھسلانا چاہا تھا لیکن وہ بچا رہا۔''

﴿وَلَىِٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے حکم دے رہی ہوں تو وہ لازماً قید میں پڑے گا اور ضرور ذلیل ہو کر رہے گا۔''

اس عورت کا دھڑلے سے خصوصی دعوت کا اہتمام کرنا اور اس میں سب کو فخر سے بتانا کہ دیکھ لو یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں' اور پھر پوری بے حیائی سے اعلان کرنا کہ ایک دفعہ تو یہ مجھ سے بچ گیا ہے مگر کب تک؟ آخر کار اسے میری بات ماننا ہوگی! اس سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اُن کی اس انتہائی اونچی سطح کی سوسائٹی کی مجموعی طور پر اخلاقی حالت کیا تھی!

آیت ۳۳ ﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ﴾ ''یوسفؑ نے دعا کی: اے میرے پروردگار! مجھے قید زیادہ پسند ہے اُس چیز سے جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہیں۔''

﴿وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور اگر تُو نے مجھ سے دور نہ کر دیا ان کی چالوں کو تو (ہو سکتا ہے) میں بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔''

آیت ۳۴ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾﴾ ''تو آپؑ کے رب نے آپؑ کی دعا قبول کر لی اور اُن عورتوں کی چالوں کو آپؑ سے پھیر دیا۔ یقیناً وہی ہے سننے والا' جاننے والا۔''

آیت ۳۵ ﴿ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۳۵﴾﴾ ''پھر اُن لوگوں کو یہ بات سوجھی ساری نشانیاں دیکھ لینے کے بعد کہ اس کو کچھ عرصہ کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے۔''

اس تقریب میں جو کچھ ہوا اس معاملے کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا' چنانچہ اربابِ اختیار نے جب یہ سارے حالات دیکھے تو انہیں عافیت اور مصلحت اسی میں نظر آئی کہ حضرت یوسفؑ کو وقتی طور پر منظر سے ہٹا دیا جائے اور اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ کچھ عرصے کے لیے انہیں جیل میں ڈال دیا جائے۔

آیات ۳۶ تا ۴۲

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ
اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ
ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ
اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ
السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ
رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ
عِنْدَ رَبِّكَ ۖ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۵

آیت ۳۶ ﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ﴾ ''اور داخل ہوئے آپؑ کے ساتھ جیل میں دو نوجوان۔''

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجا گیا تو اتفاقاً اسی موقع پر دو اور قیدی بھی آپؑ کے ساتھ جیل میں داخل کیے گئے۔

﴿قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ﴾ ''ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں۔''

﴿وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ﴾ ''اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں۔''

﴿نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دیجیے' ہم آپؑ کو بہت نیکوکار دیکھتے ہیں۔''

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ دوسرے قیدیوں سے بالکل مختلف ہیں۔ آپؑ اعلیٰ اخلاق اور قابلِ رشک کردار کے مالک ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپؑ ہمارے خوابوں کے سلسلے میں ضرور ہماری راہنمائی فرمائیں گے۔

آیت ۳۷ ﴿قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ﴾ ''یوسفؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے پہلے میں تم دونوں کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔''

جیل میں قیدیوں کے کھانے کے اوقات مقرر ہوں گے۔ آپؑ نے فرمایا کہ آپ لوگ اب تعبیر کے بارے میں فکر مت کرو، وہ تو میں کھانا آنے سے پہلے پہلے آپ لوگوں کو بتادوں گا، لیکن میں تم لوگوں سے اس کے علاوہ بھی بات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا اِس وقت تم لوگ میری بات سنو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ طریقہ ایک داعیٔ حق کے لیے راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ ایک داعی کی ہر وقت یہ کوشش ہونی چاہیے کہ تبلیغ کے لیے، حق بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے جب اور جہاں موقع میسّر آئے اس سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگ میری طرف خود متوجہ ہوئے ہیں تو آپؑ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان کی حاجت کو مؤخر کر کے پہلے انہیں پیغامِ حق پہنچانا ضروری سمجھا۔

﴿ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ﴾ ''یہ اُس علم میں سے ہے جو میرے ربّ نے مجھے سکھایا ہے۔''

آپؑ نے انہی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی بات شروع کی اور خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا، کہ یہ علم مجھے میرے رب نے سکھایا ہے، اس میں میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔

﴿اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''(دیکھو!) مَیں نے ترک کر دیا ہے اُس قوم کا راستہ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی لوگ منکر ہیں۔''

آیت ۳۸ ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ﴾ ''اور مَیں نے پیروی کی ہے اپنے آباء ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ (علیہم السلام) کے طریقے کی۔''

آپؑ کی اس بات سے موروثی اور شعوری عقائد کا فرق سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی ایک تو وہ عقائد و نظریات ہیں جو بچہ اپنے والدین سے اپناتا ہے، جیسے ایک مسلمان گھرانے میں بچے کو موروثی طور پر اسلام کے عقائد ملتے ہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کا نام وہ بچپن ہی سے جانتا ہے، ابتدائی کلمے اس کو پڑھا دیے جاتے ہیں، نماز بھی سکھا دی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے آزادانہ انتخاب کے نتیجے میں اپنے علم اور غور و فکر سے کوئی عقیدہ اختیار کرے گا تو وہ اس کا شعوری عقیدہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اس شعوری عقیدے کا ذکر کیا کہ اگرچہ وہ جن لوگوں کے درمیان زندگی گزار رہے ہیں، وہ اللہ، اُس کے کسی نبی اور وحی وغیرہ کے تصورات سے نابلد ہیں، سب کے سب کافر اور مشرک ہیں، مگر مجھے دیکھو مَیں نے اس ماحول کا اثر قبول نہیں کیا، اپنے اردگرد کے لوگوں کے نظریات و عقائد نہیں اپنائے، بلکہ پورے شعور کے ساتھ اپنے آباء و اَجداد کے نظریات کو صحیح مانتے ہوئے ان کی پیروی کر رہا ہوں، صرف اس لیے نہیں کہ وہ میرے آباء و اَجداد تھے، بلکہ اس لیے کہ یہی راستہ میرے نزدیک معقول اور عقلِ سلیم کے قریب تر ہے۔

﴿مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''(دیکھو!) ہمارے لیے یہ روا نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی بھی شے کو شریک کریں۔''

﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''یہ اللہ کا بڑا فضل ہے ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

یعنی شرک سے بچنے اور توحید کو اپنانے کا عقیدہ دراصل اللہ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس حیثیت میں انسان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کی پرستش کرتا پھرے جنہیں خود اس کی

خدمت اور استفادے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

آیت ۳۹ ﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۳۹﴾ ''اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا بہت سے متفرق ربّ بہتر ہیں یا اکیلا اللہ سب پر حاوی و غالب؟''

آیت ۴۰ ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ﴾ ''نہیں پوجتے تم اُس (اللہ) کے سوا مگر چند ناموں کو جو موسوم کر رکھے ہیں تم لوگوں نے اور تمہارے آباء و اجداد نے''

﴿مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ ''نہیں اتاری اللہ نے ان کے لیے کوئی سند۔ اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے۔''

قانون بنانے اور اس کے مطابق حکم چلانے کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔

﴿اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ﴾ ''اُس نے حکم دیا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی کی بندگی مت کرو!''

﴿ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۴۰﴾ ''یہی ہے دین سیدھا (اور ہمیشہ سے قائم و دائم) لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۴۱ ﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ﴾ ''اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔''

یہاں پر ربّ کا لفظ بادشاہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ اُس شخص کے خواب کی تعبیر ہے جس نے خود کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ شخص پہلے بھی بادشاہ کا ساقی تھا مگر اس پر کوئی الزام لگا اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خبر دے دی کہ اس کے خواب کے مطابق وہ اس الزام سے بری ہو کر اپنے پرانے عہدے پر بحال ہو جائے گا۔

﴿وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ﴾ ''اور جو دوسرا ہے اُسے سولی دے دی جائے گی اور پرندے اُس کے سر میں سے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے۔''

﴿قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ۴۱﴾ ''فیصلہ کر دیا گیا ہے اُس معاملے کا جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے۔''

آیت ۴۲ ﴿وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۪﴾ ''اور یوسفؑ نے کہا اُس شخص سے جس کے بارے میں آپؑ نے گمان کیا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پائے گا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا۔''

یعنی تمہیں کبھی موقع ملے تو بادشاہ کو بتانا کہ جیل میں ایک ایسا قیدی بھی ہے جس کا کوئی قصور نہیں اور اسے خواہ مخواہ جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔

﴿فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ۴۲﴾ ''تو اُسے بھلائے رکھا شیطان نے ذکر کرنا اپنے آقا سے، تو آپؑ رہے جیل میں کئی برس تک۔''

بِضْع کا لفظ عربی زبان میں دو سے لے کر نو تک (دس سے کم) کی تعداد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آیات ۴۳ تا ۴۹

وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع

آیت ۴۳ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ﴾ ''اور بادشاہ نے کہا کہ مَیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں' جن کو کھا رہی ہیں سات دبلی گائیں''

اب یہاں سے اس قصے کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔ اُس وقت مصر پر فراعنہ کی حکومت نہیں تھی' بلکہ وہاں چرواہے بادشاہ (Hyksos Kings) حکمران تھے۔ تاریخ میں اکثر ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کچھ صحرائی قبیلوں نے قوت حاصل کر کے متمدن علاقوں پر چڑھائی کی' پھر یا تو وہ لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے یا اُن علاقوں پر اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ ایسی ہی ایک مثال مصر کے چرواہے بادشاہوں کی ہے جو صحرائی قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے کسی زمانے میں مصر پر حملہ کیا اور مقامی لوگوں (قبطی قوم) کو غلام بنا کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہاں جس بادشاہ کا ذکر ہے وہ اسی خاندان سے تھا۔ اس بادشاہ کے کردار اور رویے کی جو جھلک اس قصے میں دکھائی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اگرچہ توحید و رسالت سے نابلد تھا مگر ایک نیک سرشت انسان تھا۔

﴿وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ﴾ ''اور سات بالیاں ہیں ہری اور دوسری (سات) خشک۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''تو اے میرے درباریو! مجھے بتاؤ تعبیر میرے خواب کی اگر تم لوگ خوابوں کی تعبیر کر سکتے ہو۔''

آیت ۴۴ ﴿قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں' اور ایسے خوابوں کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔''

بادشاہ کے خواب کو سن کر انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوئی معنوی خواب نہیں' ایسے ہی بے معنی اور منتشر قسم کے خیالات ہیں جن کی ہم کوئی تعبیر نہیں کر سکتے۔ فرائڈ کا بھی یہی خیال ہے کہ خواب میں انسان اپنے شہوانی خیالات اور دوسری دبی ہوئی نفسانی خواہشات کی تسکین کرنا چاہتا ہے' مگر اسلامی نکتہ نظر سے خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم ''رویائے صادقہ'' کی ہے یعنی سچے خواب' یہ اللہ کی

طرف سے ہوتے ہیں اور ایسے خوابوں کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ہیں۔ دوسری قسم کے خواب وہ ہیں جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان میں بعض اوقات شیاطین جن اپنی طرف سے خیالات انسانوں کے ذہنوں میں الہام بھی کرتے ہیں۔ تیسری قسم کے خواب وہ ہیں جن کا ذکر فرائڈ نے کیا ہے۔ یعنی انسان کے اپنے ہی خیالات منتشر انداز میں مختلف وجوہات کی بنا پر سوتے وقت انسان کے ذہن میں آتے ہیں اور ان میں کوئی معنی یا ربط ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

آیت ۴۵ ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ ''اور کہا اُس شخص نے جو اُن دونوں (قیدیوں) میں سے نجات پا گیا تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد اسے (اچانک) یاد آ گیا''

وہ شخص جیل سے رہا ہو کر پھر سے ساقی گری کر رہا تھا۔ اُسے بادشاہ کے خواب کے ذکر سے اچانک حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ ہاں جیل میں ایک شخص ہے جو خوابوں کی تعبیر بتانے میں بڑا ماہر ہے۔

﴿اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝۴۵﴾ ''(اس نے کہا:) میں بتا دوں گا تم لوگوں کو اس کی تعبیر' بس مجھے ذرا (قید خانے میں یوسف کے پاس) بھیج دیں۔''

اس طرح وہ شخص جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ کر آپؑ سے مخاطب ہوا:

آیت ۴۶ ﴿یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ﴾ ''اے یوسف! اے راست باز! ہمیں تعبیر بتایئے سات موٹی گائیوں کے بارے میں کہ انہیں کھا رہی ہیں سات دبلی' اور سات سبز بالیوں اور دوسری (سات) خشک بالیوں کے بارے میں''

﴿لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۴۶﴾ ''تاکہ میں واپس جاؤں (تعبیر لے کر) اُن لوگوں کے پاس' تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے۔''

آیت ۴۷ ﴿قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ﴾ ''یوسفؑ نے (تعبیر بتاتے ہوئے) فرمایا کہ تم سات سال تک خوب زراعت کرو گے لگاتار۔''

﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝۴۷﴾ ''تو (اس دوران میں) جو فصل بھی تم کاٹو اُسے رہنے دینا اس کی بالیوں ہی میں' سوائے اُس قلیل تعداد کے جو تم کھاؤ۔''

آپؑ نے صرف اس خواب کی تعبیر ہی نہیں بتائی بلکہ مسئلے کی تدبیر بھی بتا دی' اور تدبیر بھی ایسی جو شاہی مشیروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ آج کے سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اناج کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسے بالوں کے اندر ہی رہنے دیا جائے اور ان بالوں کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس طرح سے اناج خراب نہیں ہوتا اور اسے کیڑوں مکوڑوں سے بچانے کے لیے کسی اضافی preservative کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

آیت ۴۸ ﴿ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ﴾ ''پھر اس کے بعد سات سال آئیں گے بہت سخت''

خوشحالی کے سات سالوں کے بعد سات سال تک خشک سالی کا سماں ہوگا جس کی وجہ سے ملک میں شدید قحط پڑ جائے گا۔

﴿یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝۴۸﴾ ''وہ (سات سال) چٹ کر جائیں گے اُس کو جو کچھ تم نے

ان کے لیے بچا رکھا ہوگا سوائے اُس کے جو تم (بیج کے لیے) محفوظ کر لو گے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال تک ملک میں بہت خوشحالی ہوگی' فصلیں بہت اچھی ہوں گی' مگر ان سات سالوں کے بعد سات سال ایسے آئیں گے جن میں خشک سالی کے سبب شدید قحط پڑ جائے گا۔ اس مسئلے کی تدبیر آپؑ نے یہ بتائی کہ پہلے سات سال کے دوران صرف ضرورت کا اناج استعمال کرنا' اور باقی سِٹوں کے اندر ہی محفوظ کرتے جانا اور جب قحط کا زمانہ آئے تو ان سِٹوں سے نکال کر بقدرِ ضرورت اناج استعمال کرنا۔

آیت ۴۹ ﴿ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝۴۹﴾ ''پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال کہ اس میں خوب بارشیں ہوں گی لوگوں پر اور اس میں وہ (انگور کا) رس نچوڑیں گے۔''

جب خوب بارشیں ہوں گی تو انگور کی بیلیں خوب پھلیں پھولیں گی' انگور کی پیداوار بھی خوب ہوگی' لوگ خوب انگور نچوڑیں گے اور شراب کشید کریں گے۔

آیات ۵۰ تا ۵۷

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۲ وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۳ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝۵۴ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝۵۵ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۵۷ ع

الجزء الثالث عشر (۱۳)

آیت ۵۰ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ﴾ ''(یہ سُن کر) بادشاہ نے کہا کہ اُس شخص کو میرے پاس لے آؤ!''

بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر اور پھر اس کی ایسی اعلیٰ تدبیر سن کر یقیناً بہت متاثر ہوا ہوگا اور اس نے سوچا ہوگا کہ ایسے ذہین' فطین شخص کو جیل میں نہیں بلکہ بادشاہ کا مشیر ہونا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ اس قیدی کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ ''پھر جب آیا آپؑ کے پاس ایلچی' تو آپؑ نے فرمایا کہ تم واپس چلے جاؤ اپنے آقا کے پاس''

بادشاہ کا پیغام لے کر جب قاصد آپؑ کے پاس پہنچا تو آپؑ نے اُس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ مَیں اس طرح ابھی جیل سے باہر نہیں آنا چاہتا۔ پہلے پورے معاملے کی چھان بین کی جائے کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں جیل بھیجا گیا تھا۔ اگر مجھ پر کوئی الزام ہے تو اس کی مکمل تفتیش ہو اور اگر میرا کوئی قصور نہیں ہے تو مجھے علی الاعلان بے گناہ اور بَری قرار دیا جائے۔ چنانچہ آپؑ نے اس قاصد سے فرمایا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ:

﴿فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ﴾ ''اور اُس سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا معاملہ تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟''

﴿اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝۵۰﴾ ''یقیناً میرا رب اُن کی چالوں سے خوب واقف ہے۔''

بادشاہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے سب بیگمات کو طلب کر لیا۔

آیت ۵۱ ﴿قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ﴾ ''اُس نے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا تمہارا جب تم سب نے پھسلانا چاہا تھا یوسف کو؟''

﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اللہ گواہ ہے' ہمارے علم میں اُس کے بارے میں کوئی بھی برائی نہیں ہے۔''

اُس وقت جو کچھ بھی ہوا تھا وہ سب ہماری طرف سے تھا' یوسفؑ کی طرف سے کوئی غلط بات ہم نے محسوس نہیں کی۔

﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱﴾ ''(اس پر) عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب حقیقت تو واضح ہو ہی گئی ہے' میں نے ہی اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی اور وہ بالکل سچا ہے۔''

اس طرح عزیز کی بیوی کو اس حقیقت کا برملا اظہار کرنا پڑا کہ یوسفؑ نے نہ تو زبان سے کوئی غلط بیانی کی ہے اور نہ ہی اُس کے کردار میں کوئی کھوٹ ہے۔

آیت ۵۲ ﴿ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ میں نے اُس کی غیر موجودگی میں اُس کی خیانت نہیں کی''

یہ فقرہ سیاقِ عبارت میں کس کی زبان سے ادا ہوا ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ اس لیے کہ اس فقرے کے موقع محل اور الفاظ میں متعدد امکانات کی گنجائش ہے۔ ان اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ فقرہ عزیز کی بیوی کی زبان ہی سے ادا ہوا ہے کہ مَیں نے ساری بات اس لیے سچ سچ بیان کر دی ہے تاکہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ مَیں نے اُس کی عدم موجودگی میں اُس سے کوئی غلط بات منسوب کر کے اُس کی خیانت نہیں کی۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝۵۲﴾ ''اور یہ کہ یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔''

آیت ۵۳ ﴿وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ ''اور مَیں اپنے نفس کو بَری قرار نہیں دیتی' یقیناً (انسان کا) نفس تو بُرائی ہی کا حکم دیتا ہے''

﴿اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾﴾ ''سوائے اُس کے جس پر میرا ربّ رحم فرمائے۔ یقیناً میرا ربّ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اگر گزشتہ آیت میں نقل ہونے والے بیان کو عزیز مصر کی بیوی کا بیان مانا جائے تو اس صورت میں آیت زیر نظر بھی اُسی کے کلام کا تسلسل قرار پائے گی اور اس کا ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ دراصل اس نظریے کے مطابق ہے جس کے تحت ہمارے بہت سے مفسّرین اور قصہ گو حضرات نے مائی زُلیخا کو ولی اللہ کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ اور کچھ بعید بھی نہیں کہ اُس کا عشقِ مجازی وقت کے ساتھ ساتھ عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو گیا ہو اور وہ حقیقتاً ہدایت پر آ گئی ہو۔ بہرحال جو لوگ اس بات کو درست تسلیم کرتے ہیں وہ ان آیات کا ترجمہ اسی طرح کرتے ہیں' کیونکہ اس نے اعترافِ جرم کر کے توبہ کر لی تھی اور اس لحاظ سے مذکورہ مفسّرین کا موقف یہ ہے کہ اعترافِ گناہ سے لے کر آیت ۵۳ کے اختتام تک اُسی کا بیان ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا موقف (جو دورِ حاضر کے زیادہ تر مفسّرین نے اختیار کیا ہے) یہ ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی کا بیان اس آیت پر ختم ہو گیا ہے: ﴿اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾﴾ اور اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان نقل ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت ۵۲ اور ۵۳ کا مفہوم یوں ہوگا کہ جب بادشاہ کی تفتیش کارروائی اور عزیز مصر کی بیوی کے برملا اعترافِ جرم کے بارے میں حضرت یوسفؑ کو بتایا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اس سب کچھ سے میرا یہ مقصود نہیں تھا کہ کسی کی عزّت و ناموس کا پردہ چاک ہو' بلکہ میں تو چاہتا تھا کہ عزیزِ مصر یہ جان لے کہ اگر اُس نے مجھے اپنے گھر میں عزّت و اکرام سے رکھا تھا اور مجھ پر اعتماد کیا تھا تو مَیں نے بھی اس کی عدم موجودگی میں اس کی خیانت کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی' اور میرا ایمان ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ باقی میں خود کو بہت پارسا نہیں سمجھتا' بلکہ سمجھتا ہوں کہ نفسِ انسانی تو انسان کو برائی پر ابھارتا ہی ہے اور اس کے حملے سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب اپنی خصوصی نظرِ رحمت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری حفاظت کا بھی اگر خصوصی انتظام نہ فرمایا جاتا تو مجھ سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی تھی۔ مگر چونکہ میرا رب بخشنے والا' بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے اس لیے اُس نے مجھ پر اپنی خصوصی رحمت فرمائی۔

آیت ۵۴ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ﴾ ''اور بادشاہ نے (اب فیصلہ کن انداز میں) کہا کہ اُس کو میرے پاس لے آؤ' میں اُسے اپنا مصاحبِ خاص بناؤں گا۔''

﴿فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾﴾ ''تو جب بادشاہ نے آپؑ سے بات چیت کی تو کہا کہ آج کے دن سے آپؑ ہمارے نزدیک بڑے باعزّت اور معتبر انسان ہیں۔''

آج سے آپؑ کا شمار ہمارے خاص مقرّبین میں ہوگا اور اس لحاظ سے مملکت کے اندر آپؑ کا ایک خاص مقام ہوگا۔ آپ کی امانت و دیانت پر ہمیں پورا پورا بھروسا ہے۔

آیت ۵۵ ﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾﴾ ''آپؑ نے فرمایا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں' مَیں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور جاننے والا بھی ہوں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام جان چکے تھے کہ اس ملک پر بہت بڑی آفت آنے والی ہے اور اگر اس ممکنہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے

لیے بروقت درست اور مؤثر اقدام نہ کیے گئے تو نہ صرف خود مصر ایک خوفناک قحط کی زد میں آجائے گا بلکہ آس پاس کے علاقوں کے لیے بھی بہت بھیانک حالات پیدا ہو جائیں گے۔ اس پورے خطے میں مصر ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں غلّہ اور دوسری اشیائے خوراک پیدا ہوتی تھیں۔ اس کے ہمسایہ میں چاروں طرف خشک صحرائی علاقے تھے اور اناج وغیرہ کے سلسلے میں ان علاقوں کا انحصار بھی مصر کی زراعت پر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؑ نے موقع دیکھا تو فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں کہ اگر خزانے اور خوراک و زراعت کا پورا انتظام و انصرام میرے پاس ہوگا تو میں اس آفت کا سامنا کرنے کے لیے جامع اور ٹھوس منصوبہ بندی کر سکوں گا۔

آیت ۵۶ ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ﴾ ''اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو تمکّن عطا کیا (مصر کی) زمین میں' کہ وہ اس میں جہاں چاہے اپنا ٹھکانہ بنا لے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمکّن عطا ہونے کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ پہلے مرحلے میں آپؑ کو بدوی اور صحرائی ماحول سے اٹھا کر اُس دَور کے ایک نہایت متمدّن ملک کی اعلیٰ ترین سطح کی سوسائٹی میں پہنچایا گیا' جبکہ دوسرے مرحلے میں آپؑ کو اسی ملک کے اربابِ اختیار و اقتدار کی صف میں ایک نہایت ممتاز مقام عطا کر دیا گیا' جس کے بعد آپؑ پورے اختیار کے ساتھ عزیز کے عہدے پر متمکّن ہو گئے۔

﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاۗءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶﴾ ''ہم اپنی رحمت سے نوازتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۵۷﴾ ''اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بہتر ہے اُن کے لیے جو ایمان لائیں اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں۔''

اب یہاں سے آگے اس قصے کا ایک نیا باب شروع ہونے جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ آئندہ رکوع کے مضامین اور گزشتہ مضمون کے درمیان زمانی اعتبار سے تقریباً دس سال کا بُعد ہے۔ اب بات اس زمانے سے شروع ہو رہی ہے جب مصر میں بہتر فصلوں کے سات سالہ دور کے بعد قحط پڑ چکا تھا۔ یہاں پر جو تفصیلات چھوڑ دی گئی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر کے عین مطابق سات سال تک مصر میں خوشحالی کا دور دورہ رہا اور فصلوں کی پیداوار معمول سے کہیں بڑھ کر ہوئی۔ اس دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اناج کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر لیے تھے۔ چنانچہ جب یہ پورا علاقہ قحط کی لپیٹ میں آیا تو مصر کی حکومت کے پاس نہ صرف اپنے عوام کے لیے بلکہ ملحقہ علاقوں کے لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی اناج وافر مقدار میں موجود تھا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس غیر معمولی صورتِ حال کے پیشِ نظر ''راشن بندی'' کا ایک خاص نظام متعارف کروایا۔ اس نظام کے تحت ایک خاندان کو ایک سال کے لیے صرف اس قدر غلّہ دیا جاتا تھا جس قدر ایک اونٹ اٹھا سکتا تھا اور اس کی قیمت اتنی وصول کی جاتی تھی جو وہ آسانی سے ادا کر سکیں۔ ان حالات میں فلسطین میں بھی قحط کا سماں تھا اور وہاں سے بھی لوگ قافلوں کی صورت میں مصر کی طرف غلّہ لینے کے لیے آتے تھے۔ ایسے ہی ایک قافلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائی بھی غلّہ لینے مصر پہنچے' جبکہ آپؑ کا ماں جایا بھائی اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اس بیٹے کو کسی طرح بھی اُن کے ساتھ کہیں بھیجنے پر آمادہ نہیں تھے۔

آیات ۵۸ تا ۶۸

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ
بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ
الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ
اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا
انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا
الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ
اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَمَّا فَتَحُوْا
مَتَاعَهُمْ وَ جَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ
اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ
اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ
مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ
وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا
كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا
عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

آیت ۵۸ ﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ ''اور آئے یوسفؑ کے بھائی اور آپؑ کے سامنے پیش ہوئے''
﴿فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''تو آپؑ نے انہیں پہچان لیا مگر وہ آپؑ کو نہیں پہچان پائے۔''

ان حالات میں یہ امکان ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عزیزِ مصر جس کے دربار میں اُن کی پیشی ہو رہی ہے وہ ان کا بھائی یوسف ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ﴾ ''پھر جب آپؑ نے اُن کا سامان تیار کروا دیا تو فرمایا کہ (آئندہ) اپنے اُس بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا جو تمہارے والد سے (تمہارا بھائی) ہے۔''

غلّہ چونکہ راشن بندی کے تحت دیا جاتا تھا اس لیے انہوں نے درخواست کی ہوگی کہ ہمارا ایک بھائی اور بھی ہے' اس کے اہلِ خانہ بھی ہیں' اُسے ہم اپنے والد کی خدمت کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں' اُس کے حصّے کا غلّہ بھی ہمیں دے دیا جائے۔ اس سلسلے میں سوال و جواب کے دوران انہوں نے یہ بھی بتایا ہوگا کہ ہم دس حقیقی بھائی ہیں جبکہ وہ گیارہواں بھائی باپ کی طرف سے سگا لیکن والدہ کی طرف

سے سوتیلا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے یہ سارا ماجرا سننے کے بعد فرمایا ہوگا کہ ٹھیک ہے مَیں آپ کے گیارہویں بھائی کے حصّے کا اضافی غلّہ تم لوگوں کو اس شرط پر دے دیتا ہوں کہ آئندہ جب تم لوگ غلّہ لینے کے لیے آؤ گے تو اپنے اُس بھائی کو ساتھ لے کر آؤ گے تا کہ مَیں تصدیق کر سکوں کہ تم لوگوں نے غلط بیانی کر کے مجھ سے اضافی غلّہ تو نہیں لیا۔

﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْٓ اُوْفِی الْکَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرنے والا بھی ہوں!''

آیت ۶۰ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا کَیْلَ لَکُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾﴾ ''اور اگر تم اُسے میرے پاس لے کر نہیں آؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلّہ نہیں ہے' اور تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔''

آیت ۶۱ ﴿قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم اُس کے بارے میں اُس کے والد کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ﴾ ''اور یوسفؑ نے اپنے نوجوانوں سے کہا کہ ان کی پونجی (بھی واپس) اُن کے کجاووں میں رکھ دو''

اُس زمانے میں چیزوں کے عوض ہی چیزیں خریدی جاتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اپنے ہاں سے کچھ چیزیں (بھیڑ بکریوں کی اون وغیرہ) اس مقصد کے لیے لے کر آئے تھے اور غلّے کی قیمت کے طور پر اپنی وہ چیزیں انہوں نے پیش کر دی تھیں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ملازمین کو ہدایت کر دی کہ جب ان کے کجاووں میں گندم بھری جائے تو ان لوگوں کی یہ چیزیں بھی جو انہوں نے غلّے کی قیمت کے طور پر ادا کی ہیں چپکے سے واپس ان کے کجاووں میں ہی رکھ دی جائیں۔

﴿لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ''تا کہ وہ پہچانیں ان کو جب لوٹیں اپنے اہل وعیال کی طرف' شاید کہ (اس طرح) وہ دوبارہ آئیں۔''

آیت ۶۳ ﴿فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْکَیْلُ﴾ ''پھر جب وہ لوٹے اپنے والد کے پاس تو کہنے لگے: ابا جان! ہم سے (ایک) پیمانہ روک لیا گیا ہے''

یعنی انہوں نے آئندہ کے لیے ہمارے چھوٹے بھائی کے حصّے کا غلّہ روک دیا ہے اور وہ تبھی ملے گا جب ہم اس کو وہاں لے کر جائیں گے۔

﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَکْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''تو (آئندہ) ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجئے گا تا کہ ہم (اس کے حصّے کا بھی) غلّہ لے کر آئیں' اور ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔''

آیت ۶۴ ﴿قَالَ هَلْ اٰمَنُکُمْ عَلَیْهِ اِلَّا کَمَآ اَمِنْتُکُمْ عَلٰٓی اَخِیْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا کہ کیا میں اس کے بارے میں اسی طرح تم پر اعتبار کر لوں جیسے میں نے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں پہلے تم پر اعتبار کیا تھا؟''

﴿فَاللّٰهُ خَیْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''(ویسے تو) اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور وہی تمام رحم کرنے والوں

میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۶۵ ﴿وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ﴾ ''اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو انہوں نے دیکھا کہ اُن کی پونجی انہیں لوٹا دی گئی ہے۔''

﴿قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ﴾ ''وہ پکار اٹھے: ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجی بھی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔''

﴿وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝۶۵﴾ ''(اب ہم جائیں گے) اور اپنے اہل و عیال کے لیے غلّہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے' اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لائیں گے۔ یہ (ایک اضافی) بوجھ (لانا تو اب) بہت آسان ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا: میں اسے (واپس) ہرگز نہیں بھیجوں گا تمہارے ساتھ' یہاں تک کہ تم میرے سامنے پختہ قسم کھاؤ اللہ کی کہ تم لازماً اسے لے کر آؤ گے میرے پاس' سوائے اس کے کہ تم سب کو گھیرے میں لے لیا جائے۔''

ہاں اگر کوئی ایسی مصیبت آ جائے کہ تم سب کے سب گھیر لیے جاؤ اور وہاں سے گلو خلاصی مشکل ہو جائے تو اور بات ہے' مگر عام حالات میں تم لوگ اسے واپس میرے پاس لانے کے پابند ہو گے۔

﴿فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۶۶﴾ ''پھر جب انہوں نے آپؑ کو اپنا پختہ قول و قرار دے دیا تو یعقوبؑ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔''

آیت ۶۷ ﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ﴾ ''اور آپؑ نے کہا: اے میرے بیٹو! تم لوگ ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔''

حسد اور نظر بد وغیرہ کے اثرات سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ آپ تمام بھائی اکٹھے ایک دروازے سے شہر میں داخل ہونے کے بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہوں۔

﴿وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''اور میں تم کو بچا نہیں سکتا اللہ (کے فیصلے) سے کچھ بھی۔''

میں اللہ کے کسی فیصلے کو تم لوگوں سے نہیں ٹال سکتا۔ اگر اللہ کی مشیت میں تم لوگوں کو کوئی گزند پہنچانا منظور ہے تو میں اُس کو روک نہیں سکتا۔ یہ صرف انسانی کوشش کی حد تک احتیاطی تدابیر ہیں جو ہم اختیار کر سکتے ہیں۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۶۷﴾ ''اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے' اُسی پر میں نے توکّل کیا ہے' اور تمام توکّل کرنے والوں کو اُسی پر توکّل کرنا چاہیے۔''

آیت ۶۸ ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ﴾ ''تو جب وہ داخل ہوئے جہاں سے انہیں حکم دیا تھا ان کے والد نے۔''

﴿مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ﴾ ''وہ (یعقوبؑ) بچانے والا نہیں تھا اُن کو اللہ (کے فیصلے) سے کچھ بھی' سوائے اس کے کہ یعقوبؑ کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) تھا جسے اُس نے پورا کر لیا۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک کھٹک تھی جسے دور کرنے کے لیے آپؑ نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اپنے بیٹوں کو ہدایت کر دی کہ وہ ایک دروازے سے داخل ہونے کے بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہوں' لیکن آپؑ کی یہ تدبیر اللہ کے کسی فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور یقیناً آپؑ صاحبِ علم تھے اُس علم کے اعتبار سے جو ہم نے آپؑ کو سکھایا تھا' لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

آیات ۶۹ تا ۷۹

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاۗءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝ قَالُوْا فَمَا جَزَاۗؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَاۗؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَاۗؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ ع

آیت ۶۹ ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ﴾ ''اور جب وہ آئے یوسفؑ کے پاس تو آپؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلا لیا اور اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں''

آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی بن یامین کو علیحدگی میں اپنے پاس بلایا اور ان پر اپنی شناخت ظاہر کر دی کہ میں تمہارا بھائی یوسفؑ ہوں جو بچپن میں کھو گیا تھا۔

﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۹﴾ ''تو اب مت غمگین ہونا اُس پر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اس اعلیٰ مقام تک پہنچایا ہے اور ہمیں آپس میں ملا بھی دیا ہے۔ چنانچہ اب ان بڑے بھائیوں کے رویّے پر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب سختی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔

آیت ۷۰ ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ﴾ ''پھر جب آپؑ نے اُن کے لیے اُن کا سامان تیار کرا دیا تو رکھ دیا پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں''

یہ بادشاہ کا خصوصی جام تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا۔

﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۷۰﴾ ''پھر ایک پکارنے والے نے پکار لگائی کہ اے قافلے والو! تم لوگ چور ہو۔''

جب وہ قافلہ چل پڑا تو اسے روک لیا گیا کہ ہمارے ہاں سے کوئی چیز چوری ہوئی ہے اور ہمیں اس بارے میں تم لوگوں پر شک ہے۔

آیت ۷۱ ﴿قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝۷۱﴾ ''انہوں نے پوچھا اُن کی طرف مڑ کر کہ آپ کی کیا چیز گم ہوئی ہے؟''

آیت ۷۲ ﴿قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝۷۲﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بادشاہ کا جامِ زرّیں نہیں مل رہا اور جو اُسے لے آئے گا اُسے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلّہ دیا جائے گا' اور مَیں اس کا ذمّہ دار ہوں۔''

آیت ۷۳ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝۷۳﴾ ''انہوں نے کہا: اللہ کی قسم آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد مچانے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے ہرگز نہیں ہیں۔''

آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم قحط کے مارے لوگ یہاں اتنی دور سے غلّہ لینے آئے ہیں' ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں۔ اُن کے اس فقرے اور اندازِ گفتگو میں بڑی لجاجت پائی جاتی ہے۔

آیت ۷۴ ﴿قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝۷۴﴾ ''انہوں (شاہی ملازمین) نے کہا کہ پھر اُس (چور) کی کیا سزا ہوگی اگر تم لوگ جھوٹے ہوئے؟''

یعنی اگر تم لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے نکلے اور تم میں سے ہی کوئی شخص چور ہوا تو پھر اُس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

آیت ۷۵ ﴿قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۷۵﴾ ''انہوں نے کہا کہ اُس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ (جامِ زرّیں) پایا جائے وہ خود ہی اس کا بدلہ ہوگا۔ ہم تو اسی طریقے سے ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔''

انہوں نے کہا کہ ہاں اگر ایسا ہوا تو پھر جس کے سامان میں سے آپ کا جام نکل آئے' سزا کے طور پر آپ لوگ اسے اپنے پاس رکھ لیں' وہ آپ کا غلام بن جائے گا۔ ہمارے ہاں تو (شریعتِ ابراہیمی کی رو سے) چوری کے جرم کی یہی سزا رائج ہے۔

آیت ۷۶ ﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ﴾ ''تو آپؑ نے (تلاشی) شروع کی اُن کے بوروں کی اپنے بھائی کے بورے سے پہلے' پھر آپؑ نے نکال لیا وہ (جام) اپنے بھائی کے سامان سے۔''

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ﴾ ''اس طرح سے ہم نے تدبیر کی یوسف کے لیے۔''

یہ ایک ایسی تدبیر تھی جس میں توریے کا سا انداز تھا اور اس سے مقصود کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس پورے خاندان کو آپس میں ملانا تھا۔ اس تدبیر کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی طرف سے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اللہ نے آپؑ کے لیے یہ ایک راہ نکالی تھی۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی تاکہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا نہ ہو کہ ایسی تدبیر اختیار کرنا تو شانِ نبوت کے منافی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار بھی مطلق ہے اور اس کا علم بھی ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کو تو علم تھا کہ یہ عارضی سا معاملہ ہے اور اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

﴿مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''آپؑ کے لیے ممکن نہیں تھا کہ اپنے بھائی کو روک سکتے بادشاہ کے قانون کے مطابق سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔''

لفظ ''دین'' کی تعریف (definition) کے اعتبار سے قرآن کی یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہاں دِيْنِ الْمَلِكِ (بادشاہ کے دین) سے مراد وہ نظام ہے جس کے تحت بادشاہ اس پورے ملک کو چلا رہا تھا' جس میں بادشاہ اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) کا مالک تھا۔ اس کا اختیار مطلق تھا' اس کا ہر حکم قانون تھا اور پورا نظامِ سلطنت و مملکت اس کے تابع تھا۔ اس حوالے سے ''دین اللہ'' کی اصطلاح بہت آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر اللہ کے اقتدار (Sovereignty) اور اختیارِ مطلق کو تسلیم کر کے پورا نظامِ زندگی اس کے تابع کر دیا جائے تو یہی ''دین اللہ'' کا عملی ظہور ہوگا۔ یہی وہ کیفیت تھی جو ''دین اللہ'' کے غلبے کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئی تھی اور جس کی گواہی سورۃ النصر میں اس طرح دی گئی ہے: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲﴾۔ اسی طرح آج کا دین جسے عوام کی فلاح کا ضامن قرار دیا جا رہا ہے ''دین الجمہور'' ہے۔ اس دین یا نظام میں قانون سازی کا اختیار جمہور یعنی عوام یا عوام کے نمائندوں کو حاصل ہے' وہ جسے چاہیں جائز قرار دیں اور جسے چاہیں ناجائز' اور یہی سب سے بڑا کفر اور شرک ہے۔

بہرحال اُس وقت مصر میں بادشاہی نظام رائج تھا جس کو حضرت یوسف علیہ السلام بدل نہیں سکتے تھے' کیونکہ آپؑ بادشاہ تو نہیں تھے۔ آپؑ کو جو اختیار حاصل تھا وہ اسی نظام کے مطابق اپنے شعبے اور محکمے کی حد تک تھا جس کے وہ انچارج تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے لیے یہ تدبیر نکالی۔ آپؑ کے بھائیوں سے پہلے یہ اقرار کرا لیا گیا کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ برآمد ہوگا' سزا کے طور پر اُسے خود ہی غلام بننا پڑے گا اور اس طرح حضرت یوسفؑ کے لیے جواز پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکیں۔

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝۷۶﴾ ''ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہتے ہیں۔ اور ہر صاحبِ علم کے اوپر کوئی اور صاحبِ علم بھی ہے۔''

یعنی علم کے لحاظ سے علماء کے درجات ہیں۔ ہر عالم کے اوپر اس سے بڑا عالم ہے اور یہ درجات اللہ تعالیٰ کی ذات پر جا کر اختتام پذیر ہوتے ہیں' جو سب سے بڑا عالم ہے۔

آیت ۷۷ ﴿قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔''

برادرانِ یوسف کی طبیعت کا ہلکا پن ملاحظہ ہو کہ اس پر انہوں نے فوراً کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے یہ بعید نہیں تھا' کیونکہ ایک زمانے میں اس کے ماں جائے بھائی (یوسفؑ) نے بھی اسی طرح کی حرکت کی تھی۔

﴿فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ﴾ ''اس کو چھپائے رکھا یوسفؑ نے اپنے جی میں اور اُن پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔''

﴿قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝۷۷﴾ ''آپؑ نے (دل ہی دل میں) کہا کہ تم بجائے خود بہت بُرے لوگ ہو' اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔''

انہوں نے آپؑ پر بھی فوراً چوری کا بے بنیاد الزام لگا دیا' مگر آپؑ نے کمال حکمت اور صبر سے اسے برداشت کیا اور اس پر کسی قسم کا کوئی ردِّعمل ظاہر نہیں کیا۔

آیت ۷۸ ﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ﴾ ''وہ کہنے لگے: اے عزیز (صاحبِ اختیار)! اس کا والد جو ہے بہت بوڑھا ہے' تو آپؑ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں۔''

﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۷۸﴾ ''ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ بڑے ہی نیک انسان ہیں۔''

یہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ باپ کا اعتماد وہ پہلے ہی کھو چکے تھے۔ اس دفعہ اللہ کے نام پر عہد کر کے بن یامین کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اب خیال آتا تھا کہ اگر اسے یہاں چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تو والد کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ چنانچہ وہ گڑگڑانے پر آ گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی منت سماجت کرنے لگے کہ آپؑ بہت شریف اور نیک انسان ہیں' آپؑ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ اپنے پاس رکھ لیں' مگر اس کو جانے دیں۔

آیت ۷۹ ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹﴾ ''یوسفؑ نے فرمایا: اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم پکڑ لیں کسی اور کو اُس شخص کے بجائے جس کے پاس سے ہم نے اپنا مال برآمد کیا ہے' یقیناً اس صورت میں تو ہم ظالم ہوں گے۔''

آیات ۸۰ تا ۹۳

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰ ارْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝۸۱ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَ

الْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ
قَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا
تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ
وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ
اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝
فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ
لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ
بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ
هٰذَآ اَخِيْ ۭ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ
عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى
وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

آیت ۸۰ ﴿فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ﴾ ''پھر جب وہ یوسفؑ سے مایوس ہو گئے تو علیحدگی میں جا کر مشورہ کرنے لگے۔''

﴿قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اُن کے بڑے نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر پختہ عہد لیا ہوا ہے''

اُن کے سب سے بڑے بھائی کا نام یہودا تھا' یہ وہی تھے جنہوں نے مشورہ دے کر حضرت یوسفؑ کی جان بچائی تھی کہ اگر تم اُس کی جان کے درپے ہو گئے ہو تو اسے قتل مت کرو بلکہ کسی دور دراز علاقے میں پھینک آؤ۔

﴿وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ﴾ ''اور (کیا تم نہیں جانتے) جو زیادتی اس سے پہلے تم یوسفؑ کے معاملے میں کر چکے ہو!''

﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ﴾ ''اب مَیں تو اِس سرزمین سے نہیں ہلوں گا' یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں''

تم لوگ جا کر والد صاحب کو سارا واقعہ بتاؤ' پھر اگر وہ مطمئن ہو کر مجھے اجازت دے دیں تو تب مَیں واپس جاؤں گا ورنہ مَیں اِدھر ہی رہوں گا۔

﴿اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾ ''یا پھر اللہ ہی میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے' اور وہ

بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۸۱ ﴿اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ﴾ ''تم لوٹ جاؤ اپنے والد کے پاس اور (جا کر) کہو کہ ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔''

﴿وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝۸۱﴾ ''اور ہم گواہی نہیں دے سکتے مگر اُسی چیز کی جس کے بارے میں ہمیں علم ہے' اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہیں۔''

ابا جان! ہم نے اُسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا' ہم تو آپؑ کو وہی حقیقت بتا رہے ہیں جو ہمارے علم میں آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بن یامین نے چوری کی ہے اور اس جرم میں وہ وہاں پکڑا گیا ہے۔

آیت ۸۲ ﴿وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۸۲﴾ ''آپ اُس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے' اور اُس قافلے (والوں) سے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ اور ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔''

آپؑ مصر سے بھی حقیقت حال معلوم کرا سکتے ہیں یا پھر جس قافلے کے ساتھ ہم گئے تھے اس کے سب لوگ وہاں موجود تھے' ان کے سامنے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ آپؑ ان میں سے کسی سے بھی پوچھ لیں' وہ سارا ماجرا آپ کو بتا دیں گے۔

آیت ۸۳ ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے ایک کام آسان کر دیا ہے' پس صبر ہی بہتر ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہاں پر پھر وہی فقرہ بولا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کے بارے میں خبر ملنے پر بولا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو وہ بیان کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: بہر حال میں اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۸۳﴾ ''ہو سکتا ہے اللہ ان سب کو لے آئے میرے پاس۔ یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا غم ہی کیا کم تھا کہ اب دیارِ غیر میں دوسرے بیٹے کے مصیبت میں گرفتار ہونے کی خبر مل گئی' اور پھر تیسرے بیٹے یہودا کا دکھ اس پر مستزاد جس نے مصر سے واپس آنے سے انکار کر دیا تھا' مگر پھر بھی آپؑ صبر کا دامن تھامے رہے۔ رنج والم کے سیلِ بے پناہ کا سامنا ہے مگر پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ بس اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا ہے اور اُسی کی رحمت سے اُمید!

آیت ۸۴ ﴿وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ﴾ ''اور آپؑ نے اُن سے رخ پھیر لیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف پر! (اور رونا شروع کر دیا)''

﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝۸۴﴾ ''اور صدمے سے آپؑ کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں کیونکہ آپؑ غم کو (اندر ہی اندر) پیتے رہتے تھے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی بیٹے کے ہجر اور فراق میں آپؑ کے دل پر جو گزری تھی خود قرآن کے یہ الفاظ اس پر گواہ ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا ایک ناگزیر تقاضا ہے جسے یہاں اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کسی کے بچے کا

فوت ہو جانا یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے' لیکن بچّے کا گم ہو جانا اس سے کئی گنا بڑا صدمہ ہے۔ فوت ہونے کی صورت میں اپنے سامنے تجہیز و تکفین ہونے سے' اپنے ہاتھوں دفن کرنے اور قبر بنا لینے سے کسی قدر صبر کا دامن ہاتھ میں رہتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس صبر میں ثبات پیدا ہوتا جاتا ہے۔ مگر بچّے کے گم ہونے کی صورت میں اس کی یاد مستقل طور پر انسان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہے۔ یہ خیال کسی وقت چین نہیں لینے دیتا کہ نہ معلوم بچّہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے۔ اور اگر زندہ ہے تو کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ یہی دکھ تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندر ہی اندر کھا گیا تھا اور رو رو کر آپؑ کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں۔ آپؑ کو وحی کے ذریعے یہ تو بتلا دیا گیا تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور آپؑ سے ضرور ملیں گے' مگر کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ اور کب ملیں گے؟ یہ وہ سوالات تھے جو آپؑ کو سالہا سال سے مسلسل کرب میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ اب بن یامین کی جدائی پر یوسفؑ کا غم پوری شدت سے عود کر آیا۔

آیت ۸۵ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝۸۵﴾ ''انہوں نے کہا: (ابا جان!) اللہ کی قسم آپؑ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپؑ یا تو (اسی صدمے میں) گھل جائیں گے یا فوت ہو جائیں گے۔''

آیت ۸۶ ﴿قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا: مَیں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں''

مَیں نے تم لوگوں سے تو کچھ نہیں کہا' مَیں نے تمہیں تو کوئی لعن طعن نہیں کی' تم سے تو مَیں نے کوئی باز پُرس نہیں کی۔ یہی الفاظ تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے دن اپنی دعا میں استعمال فرمائے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ' اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ؟...))[1] ''اے اللہ! میں تیری جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں اپنی قوت کی کمزوری اور اپنے وسائل کی کمی کی' اور لوگوں کے سامنے میری جو توہین ہو رہی ہے اُس کی۔ اے اللہ! تُو نے مجھے کس کے حوالے کر دیا ہے؟.....''

﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۶﴾ ''اور مَیں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم لوگ نہیں جانتے ہو۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے میں جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہیں' فوت نہیں ہوئے۔

آیت ۸۷ ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اے میرے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسفؑ کو بھی اور اُس کے بھائی کو بھی' اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷﴾ ''یقیناً اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں۔''

صاحبِ ایمان لوگ کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

آیت ۸۸ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ ''پھر جب وہ لوگ یوسفؑ کے ہاں پہنچے''

اگلے سال جب وہ لوگ اپنے والد کے حکم کے مطابق مصر پہنچے اور پھر حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے۔

﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ ''انہوں نے کہا: اے عزیز (صاحبِ اختیار)! ہم پر اور ہمارے اہل و عیال پر بڑی سختی آ گئی ہے''

۱۔ الجامع الصغیر للسیوطی' ح ۱۴۸۳۔ عن عبداللہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

کئی سال سے لگاتار قحط کا سماں تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے اثرات زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر ہو رہے ہوں گے۔ بھیڑ بکریاں بھی ختم ہو چکی ہوں گی۔ اب تو ان کی اون بھی نہیں ہوگی جو اناج کی قیمت کے عوض دے سکیں۔

﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ ''اور ہم بہت حقیری پونجی لے کر آئے ہیں' لیکن (اس کے باوجود) آپ ہمارے لیے پیمانے پورے بھر کر دیجیے''

اس دفعہ ہم جو چیزیں غلّے کی قیمت ادا کرنے کے لیے لے کر آئے ہیں وہ بہت کم اور ناقص ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان سے غلّے کی قیمت پوری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ﴾ ''اور ہمیں خیرات بھی دیجیے۔''

اپنے انتہائی خراب حالات کی وجہ سے ہم چونکہ خیرات کے مستحق ہو چکے ہیں' اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اس دفعہ کچھ غلّہ آپ ہمیں خیرات میں بھی دیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸﴾ ''یقیناً اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔''

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یہ ساری صورتِ حال بہت رقّت انگیز تھی' اس لیے آپ مزید ضبط نہیں کر سکے اور آپ نے انہیں اپنے بارے میں بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

آیت ۸۹ ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝۸۹﴾ ''آپ نے پوچھا: کیا تم لوگوں کو یاد ہے کہ تم نے کیا کیا تھا یوسفؑ اور اُس کے بھائی کے ساتھ جب کہ تم نادان تھے!''

آپ کا اپنے بھائیوں سے یہ سوال کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا حرف بہ حرف ایفا تھا جس کا ذکر سورت کے آغاز میں ان الفاظ میں ہوا تھا: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۵﴾۔ یہ تب کی بات ہے جب وہ سب بھائی مل کر آپ کو باؤلی میں پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اِن الفاظ میں آپ کے دل پر الہام کیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب آپ اپنے بھائیوں کو یہ بات ضرور جتلائیں گے' اور یہ ایسے وقت اور ایسی صورتِ حال میں ہوگا جب یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگی۔

آیت ۹۰ ﴿قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ﴾ ''انہوں نے کہا: تو کیا آپ یوسفؑ ہیں؟ یوسفؑ نے فرمایا: ہاں! مَیں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے''

﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۰﴾ ''اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ یقیناً جو شخص تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

آیت ۹۱ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝۹۱﴾ ''انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔''

یقیناً ہم خطا کار ہیں' بلاشبہ ظلم و زیادتی کے مرتکب ہم ہی ہوئے تھے۔

آیت ۹۲ ﴿قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ﴾ ''یوسفؑ نے فرمایا: آج کے دن تم لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔''

یہ اس قدر معمولی بات نہیں تھی جسے اس ایک فقرے میں ختم کر دیا جاتا' مگر حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت کے ترفع اور اخلاق کی عظمت کی دلیل ہے کہ آپؑ نے اپنے ان خطا کار بھائیوں کو فوراً غیر مشروط طور پر معاف کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے مخالفین' جن کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور سنگین تھی' کو معاف کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے اسی قول کا تذکرہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ((اَنَا اَقُوْلُ کَمَا قَالَ اَخِیْ یُوْسُفُ : لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ)) ''میں آج (تمہارے بارے میں) وہی کہوں گا جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے (اپنے بھائیوں سے) کہا تھا: (جاؤ) تم پر آج کوئی گرفت نہیں ہے!''

﴿یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ۫ وَہُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾﴾ ''اللہ تمہیں معاف کرے' اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۹۳ ﴿اِذْہَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ہٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ﴾ ''تم میری یہ قمیص لے جاؤ اور (جا کر) اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو' آپؑ کی بصارت لوٹ آئے گی۔''

﴿وَاْتُوْنِیْ بِاَہْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''اور تم لے آؤ میرے پاس اپنے تمام اہلِ خانہ کو۔''

آیات ۹۴ تا ۱۰۱

وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ
اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ
اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا
كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی
یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی
الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ
حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ
الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ
قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫
اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

آیت ۹۴ ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْہُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾﴾ ''اور جب قافلہ چلا (مصر سے تو) ان کے والد نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے' اگر تم لوگ یہ نہ کہو کہ میں سٹھیا گیا ہوں۔''

یہاں پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ جونہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اسی لمحے کنعان میں حضرت

یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی خوشبو پہنچ گئی۔ مگر اس سے پہلے ایک طویل عرصے تک آپؑ نے اپنے بیٹے کے ہجر میں رو رو کر اپنی آنکھیں سفید کر لیں، مگر یہ خوشبو نہیں آئی۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ کوئی نبی ہو یا ولی، کسی معجزے یا کرامت کا ظہور کسی بھی شخصیت کا ذاتی کمال نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ وہ جس کو، جس وقت، جو علم چاہے عطا فرما دے یا اس کے ہاتھوں جو چاہے دکھا دے۔ جیسے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبویؐ میں خطبہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے شام کے علاقے میں واقع اس میدانِ جنگ کا نقشہ دکھا دیا جہاں اُس وقت اسلامی افواج برسرِ پیکار تھیں، اور آپؓ نے فوج کے کمانڈر ساریہ کو ایک حربی تدبیر اختیار کرنے کی بآوازِ بلند تلقین فرمائی۔ جناب ساریہ نے میدانِ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور آپؓ کی ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار تھا کہ جب چاہتے ایسا منظر دیکھ لیتے۔

آیت ۹۵ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝۹۵﴾ ''انہوں (گھر والوں) نے کہا: اللہ کی قسم! آپؑ تو اپنے اسی پرانے خبط ہی میں مبتلا ہیں۔''

آپؑ کو شروع ہی سے یہ وہم ہے کہ یوسفؑ زندہ ہے اور آپؑ کو اس کے دوبارہ ملنے کا یقین ہے۔ یہ آپؑ کے ذہن پر اسی وہم کے غلبے کا اثر ہے جو آپؑ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہی پرانے خیالات یوسف کی خوشبو بن کر آپ کے دماغ میں آ رہے ہیں۔

آیت ۹۶ ﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ﴾ ''تو جب آیا بشارت دینے والا اور اُس نے ڈالا اس (قمیص) کو یعقوبؑ کے چہرے پر تو آپؑ پھر سے ہو گئے دیکھنے والے۔''

یوسف کی قمیص چہرے پر ڈالتے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت لوٹ آئی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے زندگی کا سب سے اندوہناک غم بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے ہی کی صورت میں سامنے آیا تھا جب برادرانِ یوسف نے اس پر خون لگا کر ان کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اب زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی یوسفؑ کے کُرتے ہی کی صورت میں نمودار ہو گئی۔

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۙ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶﴾ ''آپؑ نے فرمایا: کیا میں تم سے کہتا نہیں تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جو تم نہیں جانتے؟''

آیت ۹۷ ﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝۹۷﴾ ''انہوں نے کہا: ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجیے، یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔''

آیت ۹۸ ﴿قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۹۸﴾ ''آپؑ نے فرمایا: عنقریب میں مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے، یقیناً وہی ہے بخشش والا، بہت رحم کرنے والا۔''

یہاں پر ''سَوْفَ'' کا لفظ بہت اہم ہے۔ یعنی آپؑ نے فوری طور پر ان کے لیے استغفار نہیں کیا بلکہ وعدہ کیا کہ میں عنقریب تم لوگوں کے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اپنے بیٹوں کے بارے میں آپؑ کے دل میں رنج اور غصّہ برقرار تھا۔ شاید آپؑ کا خیال ہو کہ میں یوسفؑ سے مل کر ساری تفصیلات معلوم کروں گا، اس کے بعد جب تمام معاملات کی صفائی ہو جائے گی تو پھر میں اپنے رب سے ان کے لیے معافی کی درخواست کروں گا۔

آیت ۹۹ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ﴾ ''پھر جب وہ سب یوسفؑ کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو''

کنعان سے چل کر بنی اسرائیل کا یہ پورا خاندان جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچا تو آپ نے خصوصی اعزاز کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے پاس امتیازی نشستیں پیش کیں۔

﴿وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾﴾ ''اور کہا کہ اب آپ لوگ مصر میں داخل ہو جائیں' اللہ نے چاہا تو پورے امن وچین کے ساتھ (یہاں رہیں)۔''

اب آپ لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہاں آپؑ کے لیے امن وچین اور سکون وراحت ہی ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ﴾ ''اور آپؑ نے اپنے والدین کو اونچے تخت پر بٹھایا' اور وہ سب کے سب یوسفؑ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔''

یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ شریعتِ محمدی ﷺ میں جہاں دین کی تکمیل ہوگئی وہاں توحید کا معاملہ بھی آخری درجے میں تکمیل کو پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ یہ سجدۂ تعظیمی اب حرامِ مطلق ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگوں یا قبروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ صریح شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات وواقعات سے آج اس کے لیے کوئی دلیل اخذ کرنا قطعاً درست نہیں۔

﴿وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫﴾ ''اور یوسفؑ نے کہا: ابا جان! یہ ہے تعبیر اُس خواب کی جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا''

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب کا ذکر آیت ۴ میں ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس میں گیارہ بھائی ستاروں کی مانند جبکہ والدین سورج اور چاند کے حکم میں ہیں۔

﴿قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ﴾ ''میرے رب نے اس کو سچا کر دکھایا۔''

﴿وَّقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ﴾ ''اور اُس نے مجھ پر بہت احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکلوایا''

﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ ''اور آپ لوگوں کو (یہاں) لے آیا صحرا سے''

آپ لوگوں کو صحرا کی پُرمشقت زندگی سے نجات دلا کر یہاں مصر کے متمدن اور ترقی یافتہ ماحول میں پہنچا دیا' جہاں زندگی کی ہر سہولت میسر ہے۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ﴾ ''اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی تھی۔''

﴿اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''یقیناً میرا ربّ غیر محسوس طور پر تدبیر کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یقیناً وہی ہے ہر شے کا علم رکھنے والا' حکمت والا۔''

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق باریک بینی سے تدبیر کرتا ہے اور اس کی تدبیر بالآخر کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اللہ ربّ العزت کے حضور دعا کرتے ہیں:

آیت ﴿۱۰۱﴾ ﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ﴾ ''اے میرے ربّ! تُو نے مجھے حکومت بھی عطا کی ہے اور مجھے خوابوں کی تعبیر (یا معاملہ فہمی) کا علم بھی سکھایا ہے۔''

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اے وہ ہستی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' تُو ہی میرا کارساز ہے' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾﴾ ''مجھے وفات دیجیو فرمانبرداری کی حالت میں اور مجھے شامل کر دیجیو اپنے صالح بندوں میں۔''

آیات ۱۰۲ تا ۱۱۱

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔـلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۱ ۵ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲ ۶

آیت ﴿۱۰۲﴾ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ﴾ ''یہ ہے غیب کی خبروں میں سے جو ہم وحی کرتے ہیں (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف۔''

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے اتفاقِ رائے کیا تھا اپنے معاملے پر اور جب وہ لوگ سازش کر رہے تھے۔''

آیت ﴿۱۰۳﴾ ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''اور بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں' چاہے آپ کتنی ہی خواہش رکھیں۔''

ان منکرینِ حق نے اپنی طرف سے ایک سوال کیا تھا' ہم نے اس کا مفصّل جواب دے دیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس قدر عمدہ اور خوبصورت جواب پا کر وہ لوگ ایمان بھی لے آئیں گے۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ان میں سے اکثر لوگ آپ ﷺ کی شدید خواہش کے باوجود بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ اس پر ان سے کوئی اجر تو نہیں مانگ رہے' یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۱۰۵﴾ ''اور کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر سے یہ گزرتے رہتے ہیں' لیکن یہ اُن سے اعراض ہی کرتے ہیں۔''

یہ لوگ زمین و آسمان کی وسعتوں میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں کو بار بار دیکھتے ہیں مگر کبھی ان پر غور کر کے سبق حاصل نہیں کرتے۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝۱۰۶﴾ ''اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ (کسی نہ کسی نوع کا) شرک بھی کرتے ہیں۔''

یہ آیت ہمارے لیے بہت زیادہ لائقِ توجہ ہے اور ہم سب کو اس پر بہت غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔ شرک کا معاملہ ان لوگوں کا تو بالکل واضح ہے جو ایک اللہ کے ساتھ بے شمار دوسرے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مختلف ناموں سے اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خود کو موحد سمجھتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ امکانی حد تک موحد ہوتے بھی ہیں' بسا اوقات غیر شعوری طور پر وہ بھی کسی نہ کسی نوع کے شرک میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے بڑی گہری بصیرت کی ضرورت ہے' اور ایسی بصیرت اور ایسا علم حاصل کرنا ہر صاحبِ شعور مسلمان پر فرض ہے تاکہ وہ خود کو اس مہلک اور تباہ کن گناہ سے بچا سکے۔

شرک کو قرآن مجید میں بدترین گناہ اور سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس گناہ کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورۃ النساء میں وہ آیت (۴۸ اور ۱۱۶) دو مرتبہ آئی ہے جس میں شرک کا ارتکاب کرنے والے فرد کے لیے معافی اور مغفرت کے کسی بھی امکان کو سختی سے رد کر دیا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ﴾ —— اس اعتبار سے مَیں یہاں پر ایک دفعہ پھر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے موضوع پر میری چھ گھنٹے کی تقاریر کی ریکارڈنگ آپ ضرور سنیں (اب اسی نام سے کتاب بھی دستیاب ہے' جس کا مطالعہ کر لیں) اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام کیا ہیں؟ ماضی میں شرک کی کیا صورتیں تھیں اور آج کے دور کا سب سے بڑا شرک کون سا ہے؟ شرک فی الذات کیا ہے؟ شرک فی الصفات کیا ہے؟ شرک فی الحقوق کیا ہے؟ نظریاتی شرک کیا ہے؟ سائنس میں یہ شرک کس طور سے آیا ہے؟ قوم پرستی' مادہ پرستی' نفس پرستی اور دولت پرستی کس اعتبار سے شرک کے زمرے میں آتی ہے؟ کون کون سے بڑے شرک ہیں جن میں آج ہمارے ملوث ہونے کا امکان ہے؟ شرک کے بارے میں یہ تمام تفصیلات جاننا ایک بندۂ مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

آیت ۱۰۷ ﴿اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ﴾ ''کیا وہ اس سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ آ دھمکے اُن پر ڈھانپ لینے والی آفت اللہ کے عذاب کی''

﴿اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''یا (اُن کو یہ ڈر بھی نہیں رہا کہ) آجائے اُن پر قیامت اچانک اور انہیں اس کا احساس تک نہ ہو!''

آیت ۱۰۸ ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے' مَیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں' پوری بصیرت کے ساتھ' مَیں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔''

یعنی میرا اس راستے کو اختیار کرنا اور پھر اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا' یونہی کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف نہیں ہے' بلکہ میں اپنی بصیرتِ باطنی کے ساتھ' پوری سوجھ بوجھ اور پورے شعور کے ساتھ اس راستے پر خود بھی چل رہا ہوں اور اس راستے کی طرف دوسروں کو بھی بلا رہا ہوں۔ اسی طرح میرے پیروکار بھی کوئی اندھے بہرے مقلد نہیں ہیں بلکہ پورے شعور کے ساتھ میری پیروی کر رہے ہیں۔

آج کے دور میں اس شعوری ایمان کی بہت ضرورت ہے۔ اگرچہ blind faith بھی اپنی جگہ بہت قیمتی چیز ہے اور یہ بھی انسان کی زندگی اور زندگی کی اقدار میں انقلاب لاسکتا ہے' لیکن آج ضرورت چونکہ نظام بدلنے کی ہے اور نظام پر معاشرے کے intelligentsia کا تسلط ہے' اس لیے جب تک اس طبقے کے اندر شعور اور بصیرت والا ایمان پیدا نہیں ہوگا' یہ نظام تبدیل نہیں ہوسکتا۔

﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ''اور اللہ پاک ہے اور مَیں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

آیت ۱۰۹ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نہیں بھیجتے رہے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مَردوں ہی کو بستیوں والوں میں سے' جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔''

یعنی آپ ﷺ سے پہلے مختلف ادوار میں اور مختلف علاقوں میں جو انبیاء و رسل علیہم السلام آئے وہ سب آدمی ہی تھے اور ان ہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔''

یہ انہی اقوام کے انجام کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر انباء الرسل کے تحت قرآن میں بار بار آیا ہے۔

﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

اگلی آیت مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سی آراء ہیں۔ میرے نزدیک جو رائے صحیح تر ہے' صرف وہ یہاں بیان کی جا رہی ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ ﴾ ''یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے''

یعنی متعلقہ قوم میں جس قدر فطرتِ سلیمہ کی استعداد (potential) تھی اس لحاظ سے نتائج سامنے آچکے۔ ان میں سے جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ ایمان لا چکے اور مزید کسی کے ایمان لانے کی توقع نہ رہی۔ بالفاظِ دیگر اِس چاٹی میں سے جس قدر مکھن نکلنا تھا

نکل چکا' اب اسے مزید بلونے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔

﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ ''اور لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا تھا''

یہاں ظَنُّوْٓا کا فاعل متعلقہ قوم کے لوگ ہیں' یعنی اب تک جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ مزید دلیر ہو گئے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سب کچھ واقعی جھوٹ تھا۔ کیونکہ اگر سچ ہوتا تو اتنے عرصے سے ہمیں جو عذاب کی دھمکیاں مل رہی تھیں وہ پوری ہو جاتیں۔ ہم ایمان بھی نہیں لائے اور عذاب بھی نہیں آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ اور عذاب کے یہ ڈراوے سب جھوٹ ہی تھا۔

﴿جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ ''تو اُن کو ہماری مدد آ پہنچی''

یعنی انبیاء و رسلؑ کی دعوت اور حق و باطل کی کشمکش کے دوران ہمیشہ ایسا ہوا کہ جب دونوں طرف کی سوچ اپنی اپنی آخری حد تک پہنچتی (پیغمبر سمجھتے کہ اب مزید کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا اور منکرین سمجھتے کہ اب کوئی عذاب وغیرہ نہیں آئے گا' یہ سب ڈھونگ تھا) تو عین ایسے موقع پر نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے پاس ہماری طرف سے مدد پہنچ جاتی۔

﴿فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰﴾ ''پس بچا لیا گیا ان کو جن کو ہم نے چاہا۔ اور ہمارا عذاب پھیرا نہیں جا سکتا مجرم قوم سے۔''

یعنی اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے لیے ہماری یہ مدد منکرینِ حق پر عذاب کی صورت میں آتی اور اس عذاب سے جسے ہم چاہتے بچا لیتے' لیکن اس سلسلے کی اٹل حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقع پر مجرمین پر ہمارا عذاب آ کر ہی رہتا ہے۔ اُن کی طرف سے اس کا رخ کسی طور سے موڑا نہیں جا سکتا۔

آیت ۱۱۱ ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ﴾ ''یقیناً اُن (سابقہ اقوام) کے واقعات میں ہوش مند لوگوں کے لیے عبرت ہے۔''

﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ''یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے گھڑ لیا گیا ہو' بلکہ یہ تو تصدیق (کرتے ہوئے آیا) ہے اُس کی جو اس سے پہلے موجود ہے''

یعنی یہ واقعات تورات میں بھی ہیں اور قرآن انہی واقعات کی تصدیق کر رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے سلسلے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بہت عمدگی کے ساتھ تورات اور قرآن کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے حسنِ بیان اور اس کے حکیمانہ انداز کا معیار اس قدر بلند ہے کہ تورات میں اس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تورات تو گم ہو گئی تھی۔ بعد میں حافظے کی مدد سے جو تحریریں مرتب کی گئیں' ان میں ظاہر ہے وہ معیار تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تورات میں تھا۔

﴿وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱﴾ ''اور (اس میں) تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو (اس پر) ایمان لاتے ہیں۔''

یعنی وہ علم جو اس دنیا میں انسان کے لیے ضروری ہے اور وہ راہنمائی جو دُنیوی زندگی میں اسے درکار ہے سب کچھ اس قرآن میں موجود ہے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم oo

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

تمہیدی کلمات

سورۃ الرعد سے مکّی مدنی سورتوں کے زیر مطالعہ گروپ کے دوسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس ذیلی گروپ میں اس سورت کے علاوہ سورۂ ابراہیم اور سورۃ الحجر شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں نسبتاً چھوٹی ہیں' جبکہ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تینوں سورتیں ان کے مقابلے میں طویل تھیں۔ سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے' ان دونوں کے مضامین میں بھی مشابہت ہے اور طوالت میں بھی یہ تقریباً برابر ہیں' البتہ سورۃ الحجر منفرد ہے۔ جہاں تک سورۃ الرعد کے موضوع کا تعلق ہے یہ سورت ''التذکیر بآلاءِ اللہ'' پر مشتمل ہے۔ اس میں اقوامِ گزشتہ کا تذکرہ کسی رسول یا قوم کا نام لیے بغیر بالکل سرسری انداز میں آیا ہے۔

آیات ۱ تا ۷

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا: ۴۳ رُكُوْعَاتُهَا: ۶

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴ وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ ع

آیت ① ﴿الٓمّٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ﴾ ''ال م ر۔ یہ (اللہ کی) کتاب کی آیات ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جو چیز آپ پر نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (یا ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔''

آیت ② ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے اٹھایا ہے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھتے ہو''

اس کائنات کے اندر جو بلندیاں ہیں انہیں ستونوں یا کسی طبعی سہارے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باہمی کشش کا ایک عظیم الشان نظام وضع کیا گیا ہے' جس کے تحت تمام کہکشائیں' ستارے اور سیارے اپنے اپنے مقام پر رہ کر اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ﴾ ''پھر وہ متمکن ہوا عرش پر اور اُس نے (مسلسل) کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو۔''

﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ ''ہر ایک چل رہا ہے ایک وقتِ معین کے لیے۔''

یعنی اس کائنات کی ہر چیز متحرک ہے' چل رہی ہے' یہاں پر سکون اور قیام کا کوئی تصور نہیں۔ دوسرا اہم نکتہ جو یہاں بیان ہوا وہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر شے کی عمر یا مہلت مقرر ہے۔ ہر ستارے' ہر سیارے' ہر نظامِ شمسی اور ہر کہکشاں کی مہلت زندگی مقرر و معین ہے۔

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②﴾ ''وہ تدبیر فرماتا ہے اپنے امر کی اور تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی' تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔''

آیت ③ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور بنائے اس میں لنگر (یعنی پہاڑ) اور ندیاں۔''

اللہ تعالیٰ نے زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اس پر پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ دیے ہیں اور پانی کی فراہمی کے لیے دریا ندیاں بہا دی ہیں۔

﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ''اور اُس نے ہر طرح کے پھلوں میں جوڑے بنائے''

جوڑے بنانے کے اس قانون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذّاریات' آیت ۴۹ میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ..﴾ ''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے.....'' گویا یہ زوجین (نر اور مادہ) کی تخلیق اور ان کا قاعدہ و قانون اللہ تعالیٰ نے اس عالمِ خلق کے اندر ایک باقاعدہ نظام کے طور پر رکھا ہے۔ یہاں پر پھلوں کے حوالے سے اشارہ ہے کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ کا باقاعدہ نظام موجود ہے۔ کہیں نر اور مادہ پھول الگ الگ ہوتے ہیں اور کہیں ایک ہی پھول کے اندر ایک حصہ نر اور ایک حصہ مادہ ہوتا ہے۔

﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ﴾ ''وہ ڈھانپ دیتا ہے دن پر رات کو۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۴ ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ﴾ ''اور زمین میں قطعات ہیں ایک دوسرے سے متصل اور باغات انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت' جڑوں سے ملے ہوئے بھی اور الگ الگ بھی' انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے''

﴿وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ﴾ ''(اس کے باوجود) ہم کسی کو کسی پر فضیلت دے دیتے ہیں ذائقے میں۔''

ایک ہی زمین میں ایک ہی جڑ سے کھجور کے دو درخت اُگتے ہیں' دونوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے' لیکن دونوں کے پھلوں کا اپنا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔''

یہ التذکیر بآلاءِ اللہ کا انداز ہے' جس میں بار بار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرتوں' نشانیوں اور نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

آیت ۵ ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ ''اور اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو قابلِ تعجب ہے ان کا یہ قول کہ کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو وجود میں آئیں گے؟''

یعنی کفار کا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر تعجب کرنا' بذاتِ خود باعثِ تعجب ہے۔ جس اللہ نے پہلی مرتبہ تم لوگوں کو تخلیق کیا' پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز پُرحکمت طریقے سے بنائی اُس کے لیے یہ تعجب کرنا کہ وہ ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کرے گا' یہ سوچ اور یہ نظریہ اپنی جگہ بہت ہی مضحکہ خیز اور باعثِ تعجب ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا۔''

دوبارہ جی اٹھنے کے عقیدے سے ان کا یہ انکار دراصل اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار ہے۔ اُس کی قدرت اور اس کے عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہونے کا انکار ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵﴾ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں' اور یہی جہنمی ہیں' اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۶ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ ''اور یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں آپ سے بُرائی (عذاب) کے لیے بھلائی سے پہلے''

کفارِ مکہ حضور ﷺ سے بڑی جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ لے آئیں ہم پر وہ عذاب جس کے بارے میں آپ ہمیں روز روز دھمکیاں دیتے ہیں۔

﴿وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ﴾ ''حالانکہ ان سے پہلے (بہت سی) مثالیں گزر چکی ہیں۔''

اللہ کے عذاب کی بہت سی عبرت ناک مثالیں گزشتہ اقوام کی تاریخ کی صورت میں ان کے سامنے ہیں۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ ''اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے حق میں معاف کرنے والا ہے ان کے ظلم کے باوجود۔''

یہ اُس کی رحمت اور شانِ غفاری کا مظہر ہے کہ ان کے مطالبے کے باوجود اور ان کے شرک و ظلم میں اس حد تک بڑھ جانے کے

باوجود عذاب بھیجنے میں تاخیر فرمارہا ہے۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶﴾ ''اور یقیناً آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے۔''

آیت ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ''اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے؟''

مشرکینِ مکہ بار بار اسی دلیل کو دہراتے تھے کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں دیا گیا؟

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ تو بس خبردار کر دینے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے۔''

جس طرح ہم نے ہر قوم کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اسی طرح آپؐ کو بھی ہم نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے۔ آپ کے ذمہ ان کی تبشیر، تنذیر اور تذکیر ہے۔ آپ ﷺ اپنا یہ فرض ادا کرتے رہیں۔

آیات ۸ تا ۱۸

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ
بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ
جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَ
اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ۚ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ
خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ
الْمِحَالِ ۝۱۳ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا
كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۴ وَ
لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۱۵ۧ قُلْ
مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ
النُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ

السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع ۲

آیت ۸ ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى﴾ ''اللہ خوب جانتا ہے کہ ہر مادّہ کیا اٹھائے ہوئے ہے''

ہر مادہ چاہے وہ انسان ہے یا حیوان' اس کے رحم میں جو کچھ ہے اللہ کے علم میں ہے۔

﴿وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ﴾ ''اور (وہ جانتا ہے) جس قدر رحم سکڑتے ہیں یا بڑھتے ہیں۔''

جب حمل ٹھہر جاتا ہے تو رحم سکڑتا ہے اور جب بچہ بڑھتا ہے تو اس کے بڑھنے سے رحم پھیلتا ہے۔ ہر ایک مادہ کے اندر ہونے والی اس طرح کی ایک ایک تبدیلی کو اللہ خوب جانتا ہے۔

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾﴾ ''اور ہر چیز اُس کے ہاں اندازے کے مطابق ہے۔''

اس کائنات کا پورا نظام ایک طے شدہ حکمتِ عملی کے تحت چل رہا ہے جہاں ہر چیز کی مقدار اور ہر کام کے لیے قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔

آیت ۹ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾﴾ ''وہ جاننے والا ہے غیب اور ظاہر کا' (وہ) بہت بڑا' بہت بلندی والا ہے۔''

آیت ۱۰ ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾﴾ ''(اُس کے علم میں) برابر ہیں تم میں سے جو بات کو (دل میں) چھپائیں اور جو اسے (بلند آواز سے) ظاہر کریں اور وہ جو رات کی تاریکی میں چھپے ہوئے ہوں اور جو دن کی روشنی میں چلتے پھرتے ہوں۔''

غیاب کی صورت ہو یا ظہور کا عالم' اللہ کے علم کے سامنے سب برابر ہے۔ ہر چیز اور اس کی ہر کیفیت ہر آن اس کے سامنے حاضر و موجود ہے۔

آیت ۱۱ ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (پہرے دار مقرر) ہیں' وہ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے۔''

یہ مضمون اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام (آیت ۶۱) میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تمہارے اوپر محافظ بھیجتا ہے۔ اللہ کے مقرر کردہ یہ فرشتے اللہ کی مشیت کے مطابق ہر وقت انسان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں' حتیٰ کہ اس کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا' جب تک کہ وہ

خود نہیں بدل دیتے اُس (کیفیت) کو جو اُن کے دلوں میں ہے۔''

آپ اپنی باطنی کیفیت کو بدلیں گے اس کے لیے محنت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ کے معاملے میں تبدیلی کر دی جائے گی۔ مولانا ظفر علی خان نے اس آیت کی ترجمانی ان خوبصورت الفاظ میں کی ہے: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی　　نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور جب اللہ کسی قوم کے لیے کسی بُری شے (عذاب) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کو لوٹانے والا کوئی نہیں ہے' اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔''

آیت ۱۲ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾﴾ ''وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کی چمک) خوف سے بھی اور امید سے بھی' اور وہ اٹھاتا ہے بڑے بوجھل بادل۔''

گہرے بادلوں کی گرج چمک میں خوف کے سائے بھی ہوتے ہیں اور امید کی روشنی بھی کہ شاید اس بارش سے فصلیں لہلہا اٹھیں اور ہماری قحط سالی خوشحالی میں بدل جائے۔ یعنی ایسی صورت حال میں خوف و رجاء کی کیفیت ایک ساتھ دلوں پر طاری ہوتی ہے۔

آیت ۱۳ ﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ﴾ ''اور تسبیح کرتی ہے کڑک اُس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے''

یہ گرج اور کڑک کی آواز دراصل اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ہی کا ایک انداز ہے۔

﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور وہ بھیجتا ہے کڑک دار بجلیاں' پھر وہ گرا دیتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے''

﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور وہ (اُس وقت) اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ﴾ ''اُسی کا پکارنا حق ہے۔''

یعنی اللہ ہی ایک ہستی ہے جس کو پکارنا' جس سے دعا کرنا برحق ہے' کیونکہ ایک وہی ہے جو تمہاری پکار کو سنتا ہے' تمہاری حاجت کو جانتا ہے' تمہاری حاجت روائی کرنے پر قادر ہے' اس لیے اس کو پکارنا حق بھی ہے اور سودمند بھی۔ اسے چھوڑ کر کسی اور کو پکارو گے' چاہے وہ کوئی فرشتہ ہو' ولی ہو یا نبی' کوئی تمہاری پکار اور فریاد کو نہیں سنے گا' اور جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے' تمہاری ہر ایسی پکار اکارت جائے گی۔ اس فقرے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ''اُسی کی دعوت حق ہے''۔ یعنی جس چیز کی دعوت وہ دے رہا ہے' جس راستے کی طرف وہ بلا رہا ہے وہی حق ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ''اور جن کو یہ لوگ پکار رہے ہیں اُس کے سوا' وہ ان کی دعا کو کسی طرح بھی قبول نہیں کرتے''

وہ ان کی کوئی بھی دادرسی نہیں کر سکتے۔

﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ﴾ ''مگر جیسے کوئی پھیلا دے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی

طرف کہ وہ اُس کے مُنہ تک پہنچ جائے' حالانکہ وہ اس (کے مُنہ) تک پہنچنے والا نہیں ہے۔''

جیسے اپنے ہاتھ پھیلا کر پانی کو اپنے مُنہ کی طرف بلانا ایک کارِعبث ہے' اسی طرح کسی غیر اللہ کو پکارنا' اُس کے سامنے گڑگڑانا اور اس سے دادرسی کی امید رکھنا بھی کارِعبث ہے۔

﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۴﴾ ''اور کافروں کی دعا تو بالکل بے کار ہے۔''

یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں ان کی یہ پکار لاحاصل ہے' ایک تیر بے ہدف اور صدا بہ صحرا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۱۵﴾ ''اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے' آمادگی کے ساتھ بھی اور مجبوراً بھی' اور اُن کے سائے بھی صبح و شام (اُسی کو سجدہ کرتے ہیں)۔''

صبح کے وقت جب سورج نکلتا ہے اور سائے زمین پر لمبے ہو کر پڑے ہوتے ہیں وہ اس حالت میں اللہ کو سجدہ کر رہے ہوتے ہیں اور اسی طرح شام کو غروبِ آفتاب کے وقت بھی یہ سائے حالتِ سجدہ میں ہوتے ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ﴾ ''(ان سے) پوچھئے کون ہے آسمانوں اور زمین کا مالک؟ کہیے اللہ ہی ہے!''

﴿قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ﴾ ''کہیے کیا تم نے اُس کو چھوڑ کر ایسے حمایتی بنا لیے ہیں جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟''

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ﴾ ''(ان سے) پوچھئے کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی؟''

﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے تخلیق کی ہے اُس کی تخلیق کی طرح' تو یہ تخلیق اُن پر مشتبہ ہو گئی ہے؟''

یعنی ان مشرکین کا معاملہ تو یوں لگتا ہے جیسے اُن کے معبودوں نے بھی کچھ مخلوق پیدا کر رکھی ہے اور کچھ مخلوق اللہ کی ہے۔ اب وہ بے چارے اس شش و پنج میں پڑے ہوئے ہیں کہ کون سی مخلوق کو اللہ سے منسوب کریں اور کس کس کو اپنے ان معبودوں کی مخلوق مانیں! جب ایسا نہیں ہے اور وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کا خالق اور مالک اللہ ہے تو پھر اللہ کو اکیلا اور واحد معبود ماننے میں وہ کیوں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں؟

﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی خالق ہے ہر شے کا' اور وہ ہے یکتا' سب پر حاوی۔''

آیت ۱۷ ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ ''وہ آسمان سے پانی برساتا ہے' پھر تمام ندیاں بہنے لگتی ہیں اپنی اپنی وسعت کے مطابق''

قرآن چونکہ حجاز میں نازل ہو رہا تھا اس لیے اس میں زیادہ تر مثالیں بھی اسی سرزمین سے دی گئی ہیں۔ اس مثال میں بھی علاقہ

حجاز کے پہاڑی سلسلوں اور وادیوں کا ذکر ہے‘ کہ جب بارش ہوتی ہے تو ہر وادی میں اُس کی وسعت کے مطابق سیلابی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ کسی وادی کا catchment area زیادہ ہے تو وہاں زیادہ زوردار سیلاب آ جاتا ہے اور جس کا کم ہے وہاں تھوڑا سیلاب آ جاتا ہے۔

﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ﴾ ’’پھر اٹھالاتا ہے سیلاب اُبھرتے جھاگ کو۔‘‘

پانی جب زور سے بہتا ہے تو اس کے اوپر جھاگ سا بن جاتا ہے۔ لیکن اس جھاگ کی کوئی حقیقت اور وقعت نہیں ہوتی۔

﴿وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ﴾ ’’اور جن (دھاتوں) کو یہ لوگ آگ پر تپاتے ہیں زیور یا دوسری چیزیں بنانے کے لیے اُن پر بھی اسی طرح کا جھاگ اُبھرتا ہے۔‘‘

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ﴾ ’’اسی طرح اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے۔‘‘

اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: ’’اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔‘‘

﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ﴾ ’’تو جو جھاگ ہے وہ خشک ہو کر زائل ہو جاتا ہے۔‘‘

جھاگ کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہوتی‘ اصل نتائج کے اعتبار سے اس کا ہونا یا نہ ہونا گویا برابر ہے۔

﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ’’اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں۔‘‘

سیلاب کا پانی زمین میں جذب ہو کر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے جبکہ جھاگ ضائع ہو جاتا ہے‘ اسی طرح پگھلی ہوئی دھات کے اوپر پھولا ہوا جھاگ اور میل کچیل فضول چیز ہے‘ اصل خالص دھات اس جھاگ کے نیچے کٹھالی کی تہہ میں موجود ہوتی ہے جس سے زیور یا کوئی دوسری قیمتی چیز بنائی جاتی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔‘‘

یہ آیت کارل مارکس کے dialectical materialism کے فلسفے کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس فلسفے کا جتنا حصہ درست ہے وہ اس آیت میں موجود ہے۔ دورِ جدید کے یہ جتنے بھی نظریے (theories) ہیں ان میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ سچائی موجود ہے۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہو یا فرائیڈ اور مارکس کے نظریات‘ ان میں سے کوئی بھی سو فیصد غلط نہیں ہے‘ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان نظریات میں غلط اور درست خیالات گڈمڈ ہیں۔ جہاں تک مارکس کے نظریہ جدلیاتی مادیت (dialectical materialism) کا تعلق ہے اس کے مطابق کسی معاشرے میں ایک خیال یا نظریہ جنم لیتا ہے جس کو thesis کہا جاتا ہے۔ اس کے ردِعمل کے طور پر اینٹی تھیسس (antithesis) وجود میں آتا ہے۔ پھر یہ تھیسس اور اینٹی تھیسس ٹکراتے ہیں اور ان کے ٹکرانے سے ایک نئی شکل پیدا ہوتی ہے جسے سن تھیسس (synthesis) کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ اس نظریہ کی بہتر شکل ہوتی ہے مگر یہ بھی اپنی جگہ کامل نہیں ہوتی‘ اس کے اندر بھی نقائص موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی سن تھیسس کی کوکھ سے ایک اور اینٹی تھیسس جنم لیتا ہے۔ ان کا پھر آپس میں اسی طرح ٹکراؤ ہوتا ہے اور پھر ایک نیا سن تھیسس وجود میں آتا ہے۔ یہ عمل (process) اسی طرح بتدریج آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس تصادم میں جو چیز فضول‘ غلط اور بیکار ہوتی ہے وہ ضائع ہوتی رہتی ہے‘ مگر جو علم اور خیال معاشرے اور نسلِ انسانی کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔

دورِ جدید کے بیشتر نظریے (theories) ایسے لوگوں کی تخلیق ہیں جن کے علم اور سوچ کا انحصار کُلّی طور پر مادّے پر تھا۔ یہ لوگ

روح اور اس کی حقیقت سے بالکل نابلد تھے۔ بنیادی طور پر یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کے اخذ کردہ نتائج اکثر و بیشتر غلط اور گمراہ کن تھے۔ بہر حال اس سارے عمل (process) میں غلط اور باطل خیالات و مفروضات خود بخود چھٹتے رہتے ہیں اور نسلِ انسانی کے لیے مفید علوم کی تطہیر (purification) ہوتی رہتی ہے۔ سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۸ میں یہ حقیقت اس طرح واضح کی گئی ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ ''ہم دے مارتے ہیں حق کو باطل پر' تو وہ باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے' پھر وہ (باطل) غائب ہو جاتا ہے''۔ حق و باطل اور خیر و شر کی اس کش مکش کے ذریعے سے گویا نسلِ انسانی تدریجاً تمدن اور ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے رفتہ رفتہ بہتری کی طرف آ رہی ہے۔

علامہ اقبال کے مطابق نسلِ انسانی کے لیے کامل بہتری یا حتمی کامیابی اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کی تعمیل میں پوشیدہ ہے جس کا کامل عملی نمونہ اس دنیا میں پندرہ سو سال پہلے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے پیش کیا تھا۔ ارتقاءِ فکر انسانی کے سفر کے نام پر انسانی تمدن کے چھوٹے بڑے تمام قافلے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی مینارۂ نور (light house) کی طرف رواں دواں ہیں۔ اگر کسی ماحول میں روشنی کی کوئی کرن اجالا بکھیرتی نظر آتی ہے تو وہ اسی منبعِ نور کی مرہونِ منت ہے۔ اور اگر کسی ماحول کے حصے کی تاریکیاں ابھی تک گہری ہیں تو جان لیجیے کہ وہ اپنی اس فطری اور حتمی منزل سے ہنوز دور ہے۔ اس سلسلے میں اقبالؔ کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰؐ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰؐ است

آیت ۱۸ ﴿لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ﴾ ''جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا اُن کے لیے بھلائی ہے۔''

﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ﴾ ''اور جنہوں نے اُس کی دعوت کو قبول نہیں کیا' اگر اُن کے پاس ہو جو کچھ ہے زمین میں سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو وہ (یہ سب کچھ) ضرور بدلے میں دے ڈالیں۔''

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔''

یعنی ان کے حساب کا جو نتیجہ نکلنے والا ہے وہ ان کے حق میں بہت برا ہوگا۔

آیات ۱۹ تا ۲۶

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَ

ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى
الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ ۭ وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

آیت ۱۹ ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے' بھلا اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟''

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾﴾ ''یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔''

آیت ۲۰ ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾﴾ ''وہ لوگ جو اللہ کے (ساتھ کیے گئے) عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو توڑتے نہیں ہیں۔''

قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ میں بھی ہم ان سے ملتے جلتے یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ﴾۔ اللہ کے ساتھ کیے گئے معاہدوں میں سے ایک تو وہ عہدِ الست ہے (بحوالہ الاعراف: ۱۷۲) جو ہم نے عالمِ ارواح میں اللہ کے ساتھ کیا ہے' پھر ہر بندۂ مؤمن کا میثاقِ شریعت ہے کہ میں اللہ کے تمام احکامات کی تعمیل کروں گا۔ پھر اللہ کا مؤمن کے ساتھ کیا گیا وہ سودا بھی ایک عہد ہے جس کا ذکر سورۃ التوبہ' آیت ۱۱۱ میں ہے اور جس کے مطابق اللہ نے مؤمنین کے جان و مال جنّت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ آیت زیر نظر میں یہ اُن خوش قسمت لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے ساتھ کیے گئے تمام عہد درجہ بدرجہ پورے کرتے ہیں۔

آیت ۲۱ ﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور جو لوگ جوڑتے ہیں اُس کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے' اور جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا۔''

وہ لوگ قرابت کے رشتوں کو جوڑتے ہیں' یعنی صلۂ رحمی کرتے ہیں اور حسابِ آخرت کے نتائج کی برائی سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں کہ اُس دن حساب کے نتائج منفی ہونے کی صورت میں کہیں ہماری شامت نہ آ جائے۔

آیت ۲۲ ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے' اور نماز قائم کی' اور خرچ کیا اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا تھا پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی''

﴿وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور وہ بھلائی سے بُرائی کو دور کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن کے لیے دارِ آخرت کی کامیابی ہے۔''

وہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے' بلکہ کوئی شخص اگر ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ جواباً اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں تاکہ اس کے اندر اگر نیکی کا جذبہ موجود ہے تو وہ جاگ جائے۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!)

آیت ۲۳ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ

مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ ''(آخرت کا گھر) وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے' جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو بھی صالح ہوں گے اُن کے آباء' اُن کی بیویوں اور اُن کی اولاد میں سے' اور ہر دروازے سے جنّت کے فرشتے اُن کے سامنے حاضر ہوں گے۔''

آیت ۲۴ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾﴾ ''(اور کہیں گے) سلامتی ہو آپ پر بسبب اس کے جو آپ لوگوں نے صبر کیا' تو کیا ہی اچھا ہے یہ آخرت کا گھر!''

جنّت میں اپنے آباء و اَجداد اور اہل و عیال میں سے صالح لوگوں کی معیت گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نیک بندوں کے لیے ایک اعزاز ہوگا' اور اس کے لیے اگر ضرورت ہوئی تو ان کے ان رشتہ داروں کے درجات بھی بڑھا دیے جائیں گے۔ مگر یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اہلِ جنّت کے جو قرابت دار کفّار اور مشرکین تھے' ان کے لیے رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی' بلکہ اس رعایت سے صرف وہ اہلِ ایمان مستفیض ہوں گے جو ''صالحین'' کی baseline پر پہنچ چکے ہوں گے۔ یعنی سورۃ النساء' آیت ۶۹ میں جو مدارج بیان ہوئے ہیں ان کے اعتبار سے جو مسلمان کم سے کم درجے کی جنّت میں داخلے کا مستحق ہو چکا ہوگا' اس کے مدارج اس کے کسی قرابت دار کی وجہ سے بڑھا دیے جائیں گے جو جنّت میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کو جنّت میں بہت اعلیٰ مرتبہ عطا ہوا ہے' اب اس کا باپ ایک صالح مسلمان کی baseline پر پہنچ کر جنّت میں داخل ہونے کا مستحق تو ہو چکا ہے مگر جنّت میں اس کا درجہ بہت نیچے ہے' تو ایسے شخص کے مراتب بڑھا کر اسے اپنے بیٹے کے ساتھ اعلیٰ درجے کی جنّت میں پہنچا دیا جائے گا۔

آیت ۲۵ ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ﴾ ''اور (اس کے برعکس) وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان (رشتوں) کو جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔''

قبل ازیں سورۃ البقرۃ' آیت ۲۷ میں بھی ہم بعینہٖ یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ وہاں اس حوالے سے کچھ وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے بُرا گھر (جہنّم) ہے۔''

آیت ۲۶ ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ﴾ ''اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ناپ تُلا رزق دیتا ہے۔''

﴿وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور یہ لوگ مگن ہیں دنیا کی زندگی پر' حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے تھوڑے سے فائدے کے۔''

جو لوگ اُخروی زندگی کے انعامات کے اُمیدوار نہیں ہیں ان کی جُہد و کوشش کی جولان گاہ یہی دنیوی زندگی ہے۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں اسی زندگی کی آسائشوں کے حصول میں صرف ہوتی ہیں اور وہ اس کی زیب و زینت پر فریفتہ اور اس میں پوری طرح مگن ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس طرزِ عمل پر بہت خوش اور مطمئن ہوتے ہیں' حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل و حقیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔

آیات ۲۷ تا ۳۱

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۚ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع

آیت ۲۷ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''اور کہتے ہیں یہ کافر لوگ کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے ربّ کی طرف سے؟''

مشرکینِ مکّہ کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو' بار بار ان کی اسی بات اور اسی دلیل کا ذکر ہو رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر کوئی حسّی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی طرف ہدایت اُسی کو دیتا ہے جو خود (اس کی طرف) رجوع کرے۔''

جو لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' وہ انہیں نعمتِ ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔''

دل اور روح کے لیے تسکین کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے اس لیے کہ انسان کی روح اس کے دل کی مکین ہے اور روح کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرمائیں کہ روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے''۔ لہٰذا جس طرح انسانی جسم کی حیات کا منبع (source) یہ زمین ہے اور جسم کی نشوونما اور تقویت کا سارا سامان زمین ہی سے مہیا ہوتا ہے اسی طرح انسانی روح کا منبع ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور اس کی نشوونما اور تقویت کے لیے غذا کا سامان بھی وہیں سے آتا ہے۔ چنانچہ روح امر اللہ ہے اور اس کی غذا ذکر اللہ اور کلام اللہ ہے۔

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔''

دنیوی مال ومتاع اور سامانِ عیش وآسائش کی بہتات سے نفس اور جسم کی تسکین کا سامان تو ہوسکتا ہے لیکن یہ چیزیں دل کے سکون واطمینان کا باعث نہیں بن سکتیں۔ دل کو یہ دولت نصیب ہوگی تو اللہ کے ذکر سے ہوگی۔

آیت ۲۹ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اُن کے لیے مبارک باد ہے اور لوٹنے کا بہت اچھا مقام ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَهُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کو بھیجا ہے ایک ایسی اُمّت میں جس سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ تلاوت کر کے سنائیں ان لوگوں کو وہ (کتاب) جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف درآں حالیکہ یہ لوگ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔''

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام ''الرحمٰن'' عرب میں پہلے سے متعارف تھا مگر مشرکینِ مکہ ''اللہ'' ہی کو جانتے اور مانتے تھے اس لیے وہ اس نام سے بدکتے تھے اور عجیب انداز میں پوچھتے تھے کہ یہ رحمٰن کون ہے؟ (الفرقان:۶۰)

﴿قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ میرا رب ہے اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔''

﴿عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ مَتَابِ ۝۳۰﴾ ''اُسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی ؕ﴾ ''اور اگر ہوتا کوئی ایسا قرآن جس کے ذریعے سے پہاڑ چل پڑتے یا زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے یا کلام کرتے اس کے ذریعے مردے (تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔''

یہاں پھر حسّی معجزوں کے بارے میں مشرکین کے مطالبے کا جواب دیا جا رہا ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم نے کوئی ایسا قرآن اتارا ہوتا جس کی تاثیر سے طرح طرح کے حسّی معجزات کا ظہور ہوتا تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ یہ قرآن ہر اُس شخص کے لیے سراپا معجزہ ہے جو واقعی ہدایت کا خواہش مند ہے۔ یہ طالبانِ حق کے دلوں کو گداز کرتا ہے ان کی روح کو تازگی بخشتا ہے ان کے لاشعور کے اندر خوابیدہ ایمانی حقائق کو جگاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہدایت کا تمام سامان اس قرآن کے اندر موجود پاتے ہیں۔

﴿بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ﴾ ''بلکہ اختیار تو کُل کا کُل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا اہلِ ایمان اس پر مطمئن نہیں ہو جاتے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟''

اہلِ ایمان کو تو یہ یقین ہے نا کہ اگر اللہ چاہتا تو دنیا کے تمام انسانوں کو ہدایت دے سکتا تھا اور اگر اُس نے ایسا نہیں کیا تو یہ ضرور اسی کی مشیت ہے۔ لہٰذا اس یقین سے اُن کو تو دل جمعی اور اطمینان حاصل ہو جانا چاہیے۔

﴿وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور جو کافر ہیں ان کو برابر پہنچتی رہے گی اُن کے اعمال کے سبب کوئی نہ کوئی آفت یا اُن کے گھروں کے قریب اترتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾﴾ ''یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

ان لوگوں کے کرتوتوں کی پاداش میں ان پر کوئی نہ کوئی آفت اور مصیبت نازل ہوتی رہے گی۔ وہ مسلسل خوف کی کیفیت میں مبتلا رہیں گے' یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔

آیات ۳۲ تا ۳۷

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ
عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌۢ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ
اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا
مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۫
وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ
الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا
وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ
ع مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

آیت ۳۲ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا' تو میں نے ڈھیل دی (کچھ عرصہ کے لیے) کافروں کو' پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا۔''

﴿فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾﴾ ''تو کیسا رہا میرا عذاب!''

ذرا تصوّر کریں قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ' قومِ لوطؑ' قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون کے انجام کا اور پھر سوچیں کہ ان نافرمان قوموں کی جب گرفت ہوئی تو وہ کس قدر عبرتناک تھی۔

آیت ۳۳ ﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌۢ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ﴾ ''تو کیا وہ ہستی جو ہر جان سے محاسبہ کرنے والی ہے جو اُس نے کمائی کی ہے (اوروں کی طرح ہو سکتی ہے؟)''

اللہ تعالیٰ ہر آن ہر شخص کے ساتھ موجود ہے اور اس کی ایک ایک حرکت اور اس کے ایک ایک عمل پر نظر رکھتا ہے۔ کیا ایسی قدرت کسی اور کو حاصل ہے؟

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔''

انہوں نے ایسی بصیر' خبیر اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہستی کے مقابلے میں کچھ معبود گھڑ لیے ہیں' جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ﴾ ''آپؐ کہیے! ذرا ان کے نام تو بتاؤ! کیا تم اللہ کو جتانا چاہتے ہو وہ شے جو وہ نہیں جانتا زمین میں؟''

یعنی اللہ جو اس قدر علیم اور بصیر ہستی ہے کہ اپنے ہر بندے کے ہر خیال اور ہر فعل سے واقف ہے' تو تم لوگوں نے جو بھی معبود بنائے ہیں کیا اُن کے پاس اللہ سے زیادہ علم ہے؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جس سے وہ ناواقف ہے؟

﴿اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ﴾ ''یا تم صرف سطحی سی بات کرتے ہو؟''

یعنی یونہی جو مُنہ میں آتا ہے تم لوگ کہہ ڈالتے ہو اور ان شریکوں کے بارے میں تمہارے اپنے دعوے کھوکھلے ہیں۔ تمہارے ان دعووں کی بنیادوں میں یقین کی پختگی نہیں ہے۔ ان کے بارے میں تمہاری ساری باتیں سطحی نوعیت کی ہیں' عقلی اور منطقی طور پر تم خود بھی اُن کے قائل نہیں ہو۔

﴿بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ﴾ ''بلکہ ان کافروں کے لیے ان کی مکاریاں مزیّن کر دی گئی ہیں' اور وہ روک دیے گئے ہیں (سیدھے) راستے سے۔''

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳﴾ ''اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔''

اب گویا ان کے دل اُلٹ دیے گئے ہیں' ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے اور ان کے اعمال کو دیکھتے ہوئے اللہ نے ان کی گمراہی کے بارے میں آخری فیصلہ دے دیا ہے۔ اب ان کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

آیت ۳۴ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ﴾ ''اُن کے لیے عذاب ہے دنیا کی زندگی میں بھی' اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔''

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴﴾ ''اور نہیں ہوگا کوئی بھی اُن کو اللہ سے بچانے والا۔''

آیت ۳۵ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ﴾ ''مثال اُس جنّت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقیوں سے' اس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' اس کے پھل بھی ہمیشہ قائم رہنے والے ہوں گے اور اس کے سائے بھی۔''

﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵﴾ ''یہ ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی' اور کافروں کا انجام تو آگ ہے۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ''اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں اس (قرآن) سے جو (اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے''

یہ مدینہ کے اہلِ کتاب میں سے نیک سرشت لوگوں کا ذکر ہے۔ اُن کو جب خبریں ملتی تھیں کہ مکہ میں آخری نبی ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے تو وہ ان خبروں سے خوش ہوتے تھے۔

﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ﴾ ''اور بعض گروہوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصّوں کا انکار کرتے ہیں۔''

﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾﴾ ''آپ کہیے کہ مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور اُس کے ساتھ شرک نہ کروں' اُسی کی طرف میں بلا رہا ہوں اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا ہے عربی میں قولِ فیصل بنا کر۔''

''حکم'' بمعنی ''فیصلہ'' یعنی یہ قرآنِ عربی قولِ فیصل بن کر آیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الطارق میں فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾﴾ ''یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے اور کوئی بے ہودہ بات نہیں ہے۔''

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آ چکا ہے تو نہیں ہوگا آپ کے لیے بھی اللہ کی طرف سے کوئی حمایتی اور نہ کوئی بچانے والا۔''

آیات ۳۸ تا ۴۳

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ
يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ
الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ
لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا
تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ
ع ۱۲ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

آیت ۳۸ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ﴾ ''اور ہم نے بھیجا رسولوں کو آپ سے پہلے بھی اور ہم نے بنائیں اُن کے لیے بیویاں بھی اور اولاد بھی۔''

آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں وہ سب عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے)' پھر انہوں نے نکاح بھی کیے اور اُن کی اولادیں بھی ہوئیں۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾﴾ ''اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) لے آتا مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر شے کے لیے ایک مقرر وقت لکھا ہوا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾﴾ ''اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے' اور اُسی کے پاس ہے اُمّ الکتاب۔''

اُمُّ الْكِتٰبِ یعنی اصل کتاب اللہ کے پاس ہے۔ سورۃ الزخرف میں اس کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ

لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ ''اور یہ اصل کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہمارے پاس ہے جو بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے''۔ آپ اسے لوحِ محفوظ کہیں' اُمّ الکتاب کہیں یا کتابِ مکنون کہیں' اصل قرآن اس کے اندر ہے۔ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے' اسے یوں تعبیر کیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ اُس اصل کتاب کی مصدقہ نقل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور مہربانی سے حضور ﷺ کی وساطت سے ہمیں دنیا میں عطا کر دیا ہے۔

آیت ﴿وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ ''اور خواہ ہم دکھا دیں آپ کو اس کا کچھ حصہ جس کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں' یا ہم آپ کو وفات دے دیں''

یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں ان کو عذابِ الٰہی میں سے کچھ حصہ مل جائے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں ان پر ایسا وقت نہ آئے' بلکہ عذاب کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم آپ کو وفات دے دیں۔

﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾﴾ ''پس آپ کے ذمہ تو پہنچانا ہی ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے۔''

آپ ﷺ پر ہمارا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری تھی' سو آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقہ سے ادا کر دی۔ اب اُن کو ہدایت دینا یا نہ دینا' اُن پر عذاب بھیجنا یا نہ بھیجنا اور ان کا حساب لینا' یہ سب کچھ ہمارے ذمے ہے اور ہم یہ فیصلے اپنی مشیت کے مطابق کریں گے۔

آیت ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اس کے کناروں سے؟''

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے' کوئی نہیں پیچھے ڈالنے والا اُس کے حکم کو' اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

یہ مضمون سورۃ الانبیاء میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں' تو کیا اب یہ غالب آنے والے ہیں؟'' یہ اُس دَور کی طرف اشارہ ہے جب مشرکینِ مکہ نے مکہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی بھٹی پورے زور شور سے دہکا رکھی تھی اور وہ لوگ اس میں اپنے سارے وسائل اس اُمید پر جھونکے جا رہے تھے کہ ایک دن محمد ﷺ اور آپ کی اس تحریک کو نیچا دکھا کر رہیں گے۔ اس صورتِ حال میں انہیں مکہ کے مضافاتی علاقوں ﴿اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (الانعام:۹۲) کے معروضی حالات کے حوالے سے مستقبل کی ایک امکانی جھلک دکھائی جا رہی ہے کہ بے شک ابھی تک مکہ کے اندر تمہاری حکمت عملی کسی حد تک کامیاب ہے' لیکن کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ مکہ کے آس پاس کے قبائل کے اندر اس دعوت کے اثر و نفوذ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے مقابلے میں تمہارا حلقہ اثر روز بروز سکڑتا چلا جا رہا ہے۔ جیسے قبیلہ بنی غفار کے ایک نوجوان ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ یہ دعوت قبول کر کے اپنے قبیلے میں ایک مبلّغ کی حیثیت سے واپس گئے ہیں اور آپؐ کی وساطت سے یہ دعوت اس قبیلے میں بھی پہنچ گئی ہے۔ یہی حال اردگرد کے دوسرے قبائل کا ہے۔ ان حالات میں کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ یہ دعوت رفتہ رفتہ تمہارے چاروں طرف سے تمہارے گرد گھیرا تنگ کرتی چلی جا رہی ہے؟ اب وہ وقت بہت قریب نظر آ رہا ہے جب تمہارے اردگرد کا ماحول اسلام قبول کر لے

گا اور تم لوگ اس کے دائرۂ اثر کے اندر محصور ہو کر رہ جاؤ گے۔

اس آیت میں جس صورتِ حال کا ذکر ہے اس کا عملی مظاہرہ ہجرت کے بعد بہت تیزی کے ساتھ سامنے آیا۔ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایک طرف قریشِ مکہ کے لیے ان کی تجارتی شاہراہوں کو مخدوش بنا دیا تو دوسری طرف مدینہ کے آس پاس کے قبائل کے ساتھ سیاسی معاہدات کر کے اس پورے علاقے سے قریشِ مکہ کے اثر و رسوخ کی بساط لپیٹ دی۔ مدینہ کے مضافات میں آباد بیشتر قبائل قریشِ مکہ کے حلیف تھے، مگر اب ان میں سے اکثر یا تو مسلمانوں کے حلیف بن گئے یا انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا۔ قریشِ مکہ کی معاشی ناکہ بندی (economic blockade) اور سیاسی انقطاع (political isolation) کے لیے رسول اللہ ﷺ کے یہ اقدامات اس قدر مؤثر تھے کہ اس کے بعد انہیں اپنے اردگرد سے سکڑتی ہوئی زمین بہت واضح انداز میں دکھائی دینے لگی۔

دراصل فلسفۂ سیرت کے اعتبار سے یہ بہت اہم موضوع ہے مگر بہت کم لوگوں نے اس پر توجہ دی ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ'' میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''اور جو اِن سے پہلے تھے انہوں نے بھی بڑی چالیں چلی تھیں''

اپنے اپنے دَور میں منکرینِ حق نے انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوتِ حق کو روکنے کے لیے سازشوں کے خوب جال پھیلائے تھے اور بڑی بڑی منصوبہ بندیاں کی تھیں۔

﴿فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ﴾ ''لیکن ساری کی ساری تدبیریں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تدبیروں اور سازشوں کا مکمل طور پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی مشیت کے خلاف ان کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

﴿يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝۴۲﴾ ''وہ جانتا ہے ہر جان جو کچھ کماتی ہے۔ اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان کافروں کو کہ دارِ آخرت کی کامیابی کس کے لیے ہے!''

دارِ آخرت کی بھلائی اور اس کا آرام کس کے لیے ہے، انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

آیت ۴۳ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپؐ (اللہ کے) رسول نہیں ہیں۔''

﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان''

اللہ جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں اور اُس کا جاننا میرے لیے کافی ہے۔

﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝۴۳﴾ ''اور جن کے پاس کتاب کا علم ہے (وہ بھی اس پر شاہد ہیں)۔''

میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ میں اُس کا رسول ہوں اور پھر ہر اُس شخص کی گواہی جو کتابِ آسمانی کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تو جانتا ہی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور میرا معاملہ اُسی کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اہلِ کتاب بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اہلِ کتاب کے اس معاملے کو البقرۃ: ۱۴۶ اور الانعام: ۲۰ میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ کہ یہ آپ ﷺ کو بحیثیت رسول ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم، ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ○○

سُوْرَۃُ اِبْرَاھِیْمَ

تمہیدی کلمات

سورۂ ابراہیم کا سورۃ الرعد کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے۔ ان دونوں سورتوں میں کئی ایسی آیات ہیں جو سورۃ البقرۃ کی بعض آیات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں۔ سورۃ الرعد میں کسی نبی یا رسول کا ذکر نام کے ساتھ نہیں آیا' اسی طرح سورۂ ابراہیم میں بھی انبیاء ورسل علیہم السلام کا تذکرہ قدرے مختلف انداز میں آیا ہے۔ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چند آیات میں کرنے کے بعد زمانہ ماقبل کے سب انبیاء ورسل علیہم السلام کا ذکر جمع کے صیغے میں ایک ساتھ کیا گیا ہے' جبکہ آخر میں اختصار کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام بھی آپؑ سے منسوب ہے۔

آیات ۱ تا ۴

سُوْرَۃُ اِبْرَاھِیْمَ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُھَا: ۵۲ رُکُوْعَاتُھَا: ۷

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۴﴾

آیت ۱ ﴿الٓرٰ﴾ ''ا' ل' ر۔''

اس مقام پر حروفِ مقطعات کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مکّی سورتوں کے اس سلسلے کے پہلے ذیلی گروپ کی تینوں سورتوں (یونس' ہود اور یوسف) کا آغاز الٓرٰ سے ہو رہا ہے' جبکہ دوسرے ذیلی گروپ کی پہلی سورۃ (الرعد) المّٓرٰ سے اور دوسری دونوں سورتیں (ابراہیم اور الحجر) پھر الٓرٰ سے ہی شروع ہو رہی ہیں۔

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف' اُن کے رب کے اذن سے''

قرآن کریم میں اندھیرے کے لیے لفظ ''ظُلُمٰت'' ہمیشہ جمع اور اس کے مقابلے میں ''نُور'' ہمیشہ واحد استعمال ہوا ہے۔ چونکہ

کسی فرد کی ہدایت کے لیے فیصلہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے اس لیے فرمایا کہ آپ ﷺ کا انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی منظوری سے ہوگا۔

﴿اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ﴿۱﴾﴾ ''اُس ہستی کے راستے کی طرف جو سب پر غالب اور اپنی ذات میں خود محمود ہے۔''

آیت ۲ ﴿اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ اللہ جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

﴿وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾﴾ ''اور بربادی ہے کافروں کے لیے ایک سخت عذاب سے۔''

آیت ۳ ﴿الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ﴾ ''وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں''

یہ آیت ہم سب کو دعوت دیتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنی ترجیحات کا تجزیہ کرے کہ اس کی مہلتِ زندگی کے اوقات کار کی تقسیم کیا ہے؟ اس کی بہترین صلاحیتیں کہاں کھپ رہی ہیں؟ اور اس نے اپنی زندگی کا بنیادی نصب العین کس رخ پر متعین کر رکھا ہے؟ پھر اپنی مشغولیات میں سے دنیا اور آخرت کے حصے الگ الگ کر کے دیکھے کہ دُنیوی زندگی (مَتَاعُ الْغُرُوْر) کو سمیٹنے کی اس بھاگ دوڑ میں سے اصل اور حقیقی زندگی (خَیْرٌ وَّاَبْقٰی) کے لیے اس کے دامن میں کیا کچھ بچتا ہے؟

﴿وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ﴿۳﴾﴾ ''اور وہ روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔''

اللہ کے راستے سے روکنے کی مثالیں آج بھی آپ کو قدم قدم پر ملیں گی۔ مثلاً ایک نوجوان کو اگر اللہ کی طرف سے دین کا شعور اور متاعِ ہدایت نصیب ہوئی ہے اور وہ اپنی زندگی کو اسی رخ پر ڈالنا چاہتا ہے تو اس کے والدین اور دوست احباب اس کو سمجھانے لگتے ہیں کہ تم اپنے کیریئر کو دیکھو، اپنے مستقبل کی فکر کرو، یہ تمہارے دماغ میں کیا فتور آ گیا ہے؟ غرض وہ کسی نہ کسی طرح سے اسے قائل کر کے اپنے اسی راستے پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جس پر وہ خود اپنی زندگیاں برباد کر رہے ہیں۔

آیت ۴ ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ﴾ ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسولؑ کو مگر اُس کی قوم کی زبان ہی میں تاکہ وہ اُن کے لیے (اللہ کے اَحکام) اچھی طرح واضح کر دے۔''

یعنی ہر قوم کی طرف مبعوث رسول پر وحی اُس قوم کی اپنی ہی زبان میں آتی تھی تاکہ بات کے سمجھنے اور سمجھانے میں کسی قسم کا ابہام نہ رہ جائے اور ابلاغ کا حق ادا ہو جائے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عبرانی زبان میں دی گئی جو آپؑ کی قوم کی زبان تھی۔

﴿فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

اس کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے اُسے جو چاہتا ہے گمراہ ہونا اور ہدایت دیتا ہے اُس کو جو چاہتا ہے ہدایت حاصل کرنا۔

﴿وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۴﴾﴾ ''اور وہ زبردست ہے، کمال حکمت والا۔''

آیات ۵ تا ۸

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَ قَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ ع

آیت ۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’اور (اسی طرح) ہم نے بھیجا تھا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف اور انہیں خبردار کرو اللہ کے دنوں کے حوالے سے۔‘‘

یہ ’’التذکیر بایام اللہ‘‘ کی وہی اصطلاح ہے جس کا ذکر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے قبل ازیں بار بار آ چکا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مشہور کتاب ’’الفوز الکبیر‘‘ میں مضامینِ قرآن کی تقسیم کے سلسلے میں ’’التذکیر بایام اللہ‘‘ کی یہ اصطلاح استعمال کی ہے‘ یعنی اللہ کے ان دنوں کے حوالے سے لوگوں کو خبردار کرنا جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے فیصلے کیے اور ان فیصلوں کے مطابق کئی قوموں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ نے دوسری اصطلاح ’’التذکیر بآلاء اللہ‘‘ کی استعمال کی ہے‘ یعنی اللہ کی نعمتوں اور اس کی نشانیوں کے حوالے سے تذکیر اور یاددہانی۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس انسان کے لیے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہے۔‘‘

صَبَّار اور شَکُور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ صبر اور شکر یہ دونوں صفات آپس میں ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کی ہیں۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو ہر وقت ان میں سے کسی ایک حالت میں ضرور ہونا چاہیے اور اگر وہ ان میں سے ایک حالت سے نکلے تو دوسری حالت میں داخل ہو جائے۔ اگر اللہ نے اس کو نعمتوں اور آسائشوں سے نوازا ہے تو وہ شکر کرنے والا ہو اور اگر کوئی مصیبت یا تنگی اسے پہنچی ہے تو صبر کرنے والا ہو۔

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ))[1]

’’مؤمن کا معاملہ تو بہت ہی خوب ہے‘ اس کے لیے ہر حال میں بھلائی ہے‘ اور یہ بات مؤمن کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔

۱۔ صحیح مسلم‘ کتاب الزھد والرقائق‘ باب المؤمن امرہ کلہ خیر۔

اگر اسے کوئی آسائش پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے' پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے' اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے' پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔''

آیت ۶ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو یاد رکھو جب اُس نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے''

﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ﴾ ''وہ تمہیں مبتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں' اور وہ لوگ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔''

﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶﴾ ''اور اس میں یقیناً تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

آیت ۷ ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ ''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا''

اگر تم لوگ میرے احکام مانو گے اور میری نعمتوں کا حق ادا کرو گے تو میرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے' میں تم لوگوں کو اپنی مزید نعمتیں بھی عطا کروں گا۔

﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷﴾ ''اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔''

لیکن اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے' میری نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کرو گے اور میرے احکام سے روگردانی کرو گے تو یہ رکھو' میری سزا بھی بہت سخت ہوگی۔

آیت ۸ ﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸﴾ ''اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم کفر کرو اور جو بھی لوگ زمین میں ہیں وہ (سب کے سب کافر ہو جائیں) تو یقیناً اللہ غنی اور اپنی ذات میں خود محمود ہے۔''

وہ بے نیاز ہے' اُس کو کسی کی احتیاج یا پروا نہیں۔ وہ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔

آیات ۹ تا ۱۷

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۛؕ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ ع ۱۲

آیت ۹ ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ﴾ ''کیا تمہارے پاس آنہیں چکی ہیں خبریں اُن لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے' یعنی قومِ نوح اور عاد اور ثمود کی''

﴿وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور اُن کی جو اُن کے بعد ہوئے' انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔''

﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ﴾ ''اُن کے پاس آئے اُن کے رسولؑ واضح نشانیاں لے کر' تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے مونہوں میں ٹھونس لیں''

﴿وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾﴾ ''اور کہا کہ ہم تو انکار کرتے ہیں اُس کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو' اور تم ہمیں جس چیز کی دعوت دے رہے ہو اُس کے بارے میں ہم سخت الجھن میں ڈال دینے والے شک میں مبتلا ہیں۔''

یہاں تمام رسولوں کو ایک جماعت فرض کر کے اُن کا ذکر اکٹھے کیا جا رہا ہے' کیونکہ سب نے اپنی اپنی قوم کو ایک جیسی دعوت دی اور اُس دعوت کے جواب میں سب رسولوں کی قوموں کا ردِّعمل بھی تقریباً ایک جیسا تھا۔ ان سب اقوام نے اپنے رسولوں کی دعوت کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو ان باتوں کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات لاحق ہیں' جن کی وجہ سے ہم سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''اُن کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟''

یہ searching question کا سا انداز ہے جس میں بات وہاں سے شروع کی جا رہی ہے جہاں تک خود فریق ثانی کو بھی اتفاق ہے۔ مذکورہ تمام اقوام کے کفار و مشرکین میں ایک عقیدہ ہمیشہ مشترک رہا ہے کہ وہ تمام لوگ نہ صرف اللہ کو مانتے تھے بلکہ اُسے زمین و آسمان کا خالق بھی تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ جس قوم کے لوگوں نے بھی اپنے رسولؑ کی دعوت کو شکوک و شبہات کی بنا پر رد کرنا چاہا ان کو ہمیشہ یہی جواب دیا گیا۔ یعنی سب سے پہلے اللہ کی ذات کا معاملہ ہمارے تمہارے درمیان واضح ہونا چاہیے کہ تمہیں اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے یا اُس کے خالقِ ارض و سماوات ہونے میں؟

﴿یَدۡعُوۡکُمۡ لِیَغۡفِرَ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرَکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ ''وہ (اللہ) تمہیں بلا رہا ہے تا کہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور ایک وقتِ معیّن تک تمہیں مہلت دے۔''

﴿قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہیں آپ لوگ مگر ہماری ہی طرح کے انسان۔''

﴿تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾﴾ ''آپ چاہتے ہیں کہ روک دیں ہمیں اُن (کی پرستش) سے جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء، تو لائیے آپ ہمارے سامنے کوئی کھلا معجزہ!''

سب قوموں کے لوگوں کا یہ جواب بھی ایک جیسا تھا، سب نے رسولوں کے انسان ہونے پر اعتراض کیا اور سب نے حسّی معجزہ طلب کیا۔

آیت ۱۱ ﴿قَالَتۡ لَہُمۡ رُسُلُہُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ﴾ ''اُن کے رسولوں نے اُن سے کہا کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تمہاری ہی طرح کے انسان، لیکن اللہ احسان فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔''

یہ اللہ کی مرضی کا معاملہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے۔ اُس نے ہمیں اپنی رسالت کے لیے چُن لیا ہے ہماری طرف وحی بھیجی ہے اور ہمیں مامور کیا ہے کہ ہم آپ لوگوں کو خبردار کریں اور اس کے احکام آپ تک پہنچائیں۔

﴿وَ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِیَکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے اہلِ ایمان کو۔''

آیت ۱۲ ﴿وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَ قَدۡ ہَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ﴾ ''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر توکّل نہ کریں حالانکہ اُس نے ہمیں ہمارے راستوں کی ہدایت بخشی ہے۔''

اللہ نے ہمیں اپنے تقرّب کے طریقے اور اپنی طرف آنے کے راستے بتائے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس پر توکّل نہ کریں؟

﴿وَ لَنَصۡبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَیۡتُمُوۡنَا ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور ہم صبر ہی کریں گے اُس ایذا پر جو تم ہمیں پہنچا رہے ہو، اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے تمام توکّل کرنے والوں کو۔''

آیت ۱۳ ﴿وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِرُسُلِہِمۡ﴾ ''اور کہا اُن لوگوں نے جو کافر ہوئے تھے اپنے رسولوں سے''

رسولوں کی جماعت اور ان کی قوموں کے درمیان ہونے والے سوالات و جوابات کا تذکرہ جاری ہے۔ یعنی اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے رسولوں سے متعلقہ اقوام کے لوگوں نے کہا:

﴿لَنُخۡرِجَنَّکُمۡ مِّنۡ اَرۡضِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا ؕ﴾ ''ہم لازماً نکال باہر کریں گے تمہیں اپنی زمین سے یا تمہیں لوٹنا ہوگا ہمارے دین میں۔''

﴿فَاَوۡحٰۤی اِلَیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ لَنُہۡلِکَنَّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''تو وحی کی اُن کی طرف اُن کے رب نے کہ ہم ان ظالموں کو اب لازماً ہلاک کر دیں گے۔''

آیت ۱۳ ﴿وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ﴾ ''اور ہم آباد کریں گے زمین میں تم لوگوں کو اُن کے بعد۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی طرف وحی بھیجی کہ اب تمام کافروں کو ہلاک کر دیا جائے گا اور اس کے بعد رسولؑ اور ان کے ساتھ بچ جانے والے تمام اہلِ ایمان کو پھر سے زمین میں آباد کرنے کا سامان کیا جائے گا۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴﴾ ''یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے اور میری وعید سے ڈرتے ہیں۔''

جو لوگ عذاب کی وعیدوں سے ڈرتے ہیں اور روزِ محشر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عدالت میں کھڑے ہونے کے تصور سے لرز جاتے ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۱۵﴾ ''اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور نا مراد ہو کر رہا ہر سرکش ضِدّی۔''

جو لوگ کفر و شرک پر ڈٹے رہتے وہ اس بات پر بھی اپنے رسولؑ سے اصرار کرتے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان آخری فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ پھر جب اللہ کی طرف سے وہ آخری فیصلہ عذابِ استیصال کی صورت میں آتا تو اس کے نتیجے میں سرکش اور ہٹ دھرم قوم کو نیست و نابود کر دیا جاتا۔ ایسے منکرینِ حق کی تباہی و بربادی کا نقشہ قرآن حکیم میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ﴾ (الاعراف: ۹۲) ''وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں'' اور ﴿فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ﴾ (الاحقاف: ۲۵) یعنی وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے دیار و امصار میں صرف اُن کے محلات و مساکن ہی نظر آتے تھے جبکہ اُن کے مکینوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اور یہ سب کچھ تو ان لوگوں کے ساتھ اس دنیا میں ہوا' جبکہ آخرت کی بڑی سزا اُس کے علاوہ ہے جس کو جھیلتے ہوئے اُن میں سے ہر ایک سرکش ضِدی اس طرح نشانِ عبرت بنے گا:

آیت ۱۶ ﴿مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝۱۶﴾ ''اُس کے پیچھے جہنم ہے اور اُس کو پلایا جائے گا پیپ والا پانی۔''

آیت ۱۷ ﴿يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ﴾ ''وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پینے کی کوشش کرے گا لیکن اسے حلق سے اتار نہیں پائے گا''

﴿وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ﴾ ''اور اُسے ہر طرف سے موت (آتی ہوئی نظر) آئے گی لیکن مر نہیں سکے گا۔''

شدید تکلیف میں موت انسان کو راحت پہنچا دیتی ہے۔ بعض بیمار ایسے ہوتے ہیں کہ تکلیف کی شدت میں ایڑیاں رگڑ رہے ہوتے ہیں اور موت اُن کے لیے راحت کا سامان بن جاتی ہے۔ لیکن جہنم ایسی جگہ ہے کہ جہاں انسان کو موت نہیں آئے گی۔ سورۂ طٰہٰ میں اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۷۴﴾ ''نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ جی پائے گا''۔ اہلِ جہنم شدید خواہش کریں گے کہ موت آ جائے اور ان کا قصہ تمام ہو جائے مگر اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷﴾ ''اور اس کے بعد اُس کے لیے ایک اور سخت عذاب ہوگا۔''

یعنی اس سختی میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا' عذاب کی شدت درجہ بدرجہ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

آیات ۱۸ تا ۲۱

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع ۱۵

آیت ۱۸ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ﴾ ''مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے ربّ کے ساتھ (ایسی ہے) کہ اُن کے اعمال ہوں راکھ کی مانند' جس پر زوردار ہوا چلے آندھی کے دن۔''

اللہ کے ہاں کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کے لیے ایمان لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے رب کا کفر کرتے ہیں ان کے نیک اعمال کو یہاں راکھ کے ایسے ڈھیر سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر تیز آندھی چلی اور اس کا ایک ایک ذرّہ منتشر ہو گیا۔ یعنی بظاہر تو وہ ڈھیر نظر آتا تھا مگر اللہ کے ہاں اس کی کچھ بھی حیثیت باقی نہ رہی۔ یہ بہت اہم مضمون ہے اور قرآن کریم میں مختلف مثالوں کے ساتھ اسے تین بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت ۳۹ میں کُفّار کے اعمال کو ''سراب'' سے تشبیہ دی گئی ہے اور سورۃ الفرقان کی آیت ۲۳ میں منکرینِ آخرت کے اعمال کو ﴿هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ یعنی ''ہوا میں اڑتے ہوئے ذرّات'' کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

دراصل ہر انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق نیکی کا ایک تصور رکھتا ہے' کیونکہ نیکی ہر انسان کی روح کی ضرورت ہے' مگر نیکی کا تعلق چونکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی قبولیت کے ساتھ ہے' چنانچہ اس کے لیے معیار بھی وہی قابلِ قبول ہوگا جو اللہ ربّ العزت نے خود قائم کیا ہے' اور وہ معیار سورۃ البقرۃ کی آیۂ البِرّ کی روشنی میں یہ ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾﴾

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو' بلکہ اصل نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر' یومِ آخرت پر' فرشتوں پر' کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور اس نے خرچ کیا مال اس کی محبت کے باوجود قرابت داروں' یتیموں' محتاجوں' مسافروں اور مانگنے والوں پر اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کے جب کوئی عہد کر لیں۔ اور صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں' تکالیف میں اور حالتِ جنگ میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی

حقیقت میں متقی ہیں۔''

اگر نیکی اس معیار کے مطابق ہے تو پھر یہ واقعی نیکی ہے' لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو نیکی کی شکل میں دھوکہ' سراب' اور فریب ہے' نیکی نہیں ہے۔ دراصل جب انسان کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا نیکی کا تصور بھی مسخ ہو جاتا ہے۔ نیکی چونکہ ایک بُرے سے بُرے انسان کے بھی ضمیر کی ضرورت ہے اس لیے بجائے اس کے کہ ایک بُرا انسان اپنی اصلاح کر کے اپنے اعمال و کردار کو نیکی کے مطلوبہ معیار پر لے آئے' وہ الٹا نیکی کے معیار کو گھسیٹ کر اپنے خیالات و نظریات کی گندگی کے ڈھیر کے اندر اس کی جگہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں چور' ڈاکو اور لٹیرے صدقہ و خیرات کرتے اور خدمتِ خلق کے بڑے بڑے کام کرتے نظر آتے ہیں اور جسم فروش عورتیں مزاروں پر دھمال ڈالتی اور نیاز بانٹتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنے ضمیر کی تسکین کا سامان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے پیشے میں قدرے قباحت کا عنصر پایا جاتا ہے تو کیا ہوا' اس کے ساتھ ساتھ ہم نیکی کے فلاں فلاں کام بھی تو کرتے ہیں!

اسی طرح جب مذہبی مزاج رکھنے والے لوگوں کی فطرت مسخ ہوتی ہے تو وہ کبیرہ گناہوں کی طرف سے بے حس اور صغائر کے بارے میں بہت حساس ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ صغائر کے بارے میں تو بڑے زوردار مباحثے اور مناظرے کر رہے ہوتے ہیں' مگر کبائر کو وہ لائقِ اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔ اس پس منظر میں صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ پہلے کبائر سے کُلّی طور پر اجتناب کیا جائے اور پھر اس کے بعد صغائر کی طرف توجہ کی جائے۔ بہرحال قیامت کے دن بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے زعم میں بہت زیادہ نیکیاں لے کر آئے ہوں گے' مگر اللہ کے نزدیک ان کی نیکیوں کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہوگی۔

﴿لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۸﴾ ''انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا اُس میں سے جو کمائی انہوں نے کی ہوگی۔ یہی تو ہے دُور کی گمراہی۔''

اُن کو زعم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں بہت نیک کام کیے تھے' خدمتِ خلق کے بڑے بڑے پراجیکٹ شروع کر رکھے تھے' مگر اُس دن وہاں ان میں سے کوئی نیکی بھی ان کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔

آیت ۱۹ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟''

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹﴾ ''اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے (ہلاک کر دے) اور ایک نئی مخلوق کو لے آئے۔''

اس کی قدرت' قوتِ تخلیق اور تخلیقی مہارت ختم تو نہیں ہو گئی' وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ختم کر دے اور جب چاہے کوئی نئی مخلوق پیدا کر دے۔

آیت ۲۰ ﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰﴾ ''اور یہ کام اللہ پر کوئی بھاری نہیں ہے۔''

آیت ۲۱ ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ﴾ ''اور وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے سب کے سب' تو کہیں گے کمزور لوگ متکبرین سے کہ ہم

آپ لوگوں کے پیروکار تھے' تو کیا آپ اللہ کے عذاب میں سے ہمارے لیے کچھ کمی کر سکتے ہیں؟''

کمزور لوگ طاقتور لوگوں سے' جنہیں وہ دنیا میں اپنے سردار اور لیڈر مانتے تھے' کہیں گے کہ ہم آپ کے فرمانبردار تھے' آپ کا ہر حکم مانتے تھے' آپ کی خدمت کرتے تھے' آپ کے جھنڈے اٹھاتے تھے' آپ کے لیے زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے' تو کیا آپ ہماری اُن خدمات کے عوض آج اس عذاب سے ہمیں کچھ رعایت دلا سکتے ہیں؟

﴿قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ﴾ ''وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم تمہیں بھی ہدایت کی راہ دکھاتے۔''

وہ کورا جواب دے دیں گے کہ ہم خود گمراہ تھے' سو ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا۔

﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَجَزِعْنَاۤ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾﴾ ''اب ہمارے حق میں برابر ہے' خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں' ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔''

اب تو یکساں ہے' خواہ ہم بے قراری کا مظاہرہ کریں' چیخیں چلائیں یا صبر کریں' ہمارے لیے کوئی مفر نہیں' ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

آیات ۲۲ تا ۲۳

وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

آیت ۲۲ ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ ''اور شیطان کہے گا (اُس وقت) جب فیصلہ چکا دیا جائے گا''

جب تمام بنی نوع انسان کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا اور اہلِ جنّت کو جنّت کی طرف اور اہلِ جہنّم کو جہنّم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا تو شیطان کہے گا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ﴾ ''(دیکھو لوگو!) اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا سچا وعدہ' اور مَیں نے بھی تم سے وعدے کیے تھے تو مَیں نے تم سے (اپنے وعدوں کی) خلاف ورزی کی۔''

﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''لیکن میرے پاس تم پر کوئی اختیار نہیں تھا''

میں تم پر کسی قسم کا جبر نہیں کر سکتا تھا اور تمہیں زبردستی برائی کی طرف نہیں لا سکتا تھا۔ یہ اختیار مجھے اللہ نے دیا ہی نہیں تھا۔

﴿اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ﴾ ''سوائے اس کے کہ مَیں نے تم لوگوں کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔''

میں نے تم لوگوں کو ورغلایا' معصیت کی دعوت دی' اللہ کی نافرمانیوں اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دی اور تم لوگوں نے میرا کہا مان لیا۔

﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ ''تو اب تم لوگ مجھے ملامت نہ کرو' بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سارے احکام تمہارے سامنے تھے' اس کے راستے کے تمام نشانات تم پر واضح تھے۔ ان سے روگردانی کر کے تم لوگوں نے اپنی مرضی سے میرے راستے کو اختیار کیا۔ میں تمہیں زبردستی کھینچ کر اس طرف نہیں لے کر آیا۔ چنانچہ آج مجھے کوسنے کے بجائے اپنے آپ کو لعن طعن کرو۔

﴿مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ﴾ ''اب نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں' نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔''

﴿اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''بلاشبہ میں انکار کرتا ہوں اس کا جو قبل ازیں تم مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہراتے رہے تھے۔''

تم نے دنیا میں جو کچھ بھی کیا تھا انتہائی غلط کیا تھا۔ تم لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہیے تھا اور اُس کے وعدے پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ تم لوگ نہ صرف اللہ کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر میرا کہنا مانتے رہے بلکہ مجھے اُس کے برابر کا درجہ بھی دیتے رہے۔ آج میں تمہارے ان سب اعتقادات سے اعلانِ براءت کرتا ہوں۔

﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۲﴾ ''یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۲۳ ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝۲۳﴾ ''اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی' وہ ان میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش اپنے رب کے حکم سے۔ وہاں اُن کی ملاقات کی دعا (ایک دوسرے پر) سلام ہوگی۔''

آیات ۲۴ تا ۲۷

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝۲۴ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۵ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۝۲۷ ع

آیت ۲۴ ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ ''کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان کی ہے کلمہ طیبہ کی!''

کلمۂ طیبہ سے عام طور پر تو کلمۂ توحید "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" مراد لیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ افضل الذکر ہے' لیکن یہاں کلمۂ طیبہ سے توحید پر مبنی عقائد و نظریات' بھلائی کی ہر بات' کلامِ طیب اور حق کی دعوت مراد ہے۔

﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾﴾ "(اس کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک پاکیزہ درخت' اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں۔"

آیت ۲۵ ﴿تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ﴾ "یہ (درخت) ہر فصل میں اپنا پھل لاتا ہے اپنے رب کے حکم سے۔"

اس درخت کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں' اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور اس کا پھل بھی متواتر آ رہا ہے۔

﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾﴾ "اور اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت اخذ کریں۔"

کوئی بھلائی کا کام ہو' نیکی کی دعوت ہو' راہِ حق کی کوئی تحریک ہو' جس نے بھی ایسی کسی نیکی کی ابتدا کی اس نے گویا اپنے لیے ایک بہت عمدہ پھلدار درخت لگا لیا۔ یہ درخت جب تک باقی رہے گا اپنے اثرات و ثمرات سے نہ معلوم کس کس کو فیض یاب کرے گا۔ جیسے کسی نے بھلائی کی دعوت دی اور اس دعوت کو کچھ لوگوں نے قبول کیا' انہوں نے اس دعوت کو مزید آگے پھیلایا' یوں اس نیکی کا حلقۂ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا اور نہ معلوم مستقبل میں ایسے نیک اثرات مزید کہاں کہاں تک پہنچیں گے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ ' وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ))[۲]

"جس کسی نے اسلام میں کسی نیک کام کا آغاز کیا تو اُس کے لیے اس کام کا اجر بھی ہوگا اور بعد میں جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا' لیکن ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس کسی نے اسلام میں کسی بُری شے کا آغاز کیا تو اس پر اس کا گناہ بھی ہوگا اور بعد میں جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا' مگر ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔"

آیت ۲۶ ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۣ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾﴾ "اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھٹیا درخت (جھاڑ جھنکاڑ)' جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا جائے' اُس کے لیے کوئی قرار نہیں۔"

بھلائی اور اس کے اثرات کے مقابلے میں بُرائی' بُرائی کی دعوت اور بُرائی کے اثرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت عمدہ' مضبوط اور پھلدار درخت کے مقابلے میں جھاڑ جھنکاڑ۔ نہ اس کی جڑوں میں مضبوطی' نہ وجود کو ثبات' نہ سایہ' نہ پھل۔ بُرائی بعض اوقات لوگوں میں رواج بھی پا جاتی ہے' انہیں بھلی بھی لگتی ہے اور اس کی ظاہری خوبصورتی میں لوگوں کے لیے وقتی طور پر کشش بھی ہوتی

۲۔ صحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ او کلمۃ طیبۃ۔

ہے۔ جیسے مالِ حرام کی کثرت اور چمک دمک لوگوں کو متأثر کرتی ہے مگر حقیقت میں نہ تو برائی کو ثبات اور دوام حاصل ہے اور نہ اس کے اثرات میں لوگوں کے لیے فائدہ!

آیت ۲۷ ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اللہ ثبات عطا کرتا ہے اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

یہاں قولِ ثابت سے مراد ایمان ہے۔ آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والا شخص دنیا کے اندر اپنے کردار اور نظریات میں مضبوط اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ اس کے حوصلے' اس کے موقف اور اس کی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ استقامت بخشتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اسی طرح کا ثبات آخرت میں بھی عطا ہوگا۔

﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور گمراہ کر دیتا ہے اللہ ظالموں کو' اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔''

آیات ۲۸ تا ۳۴

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع

آیت ۲۸ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ ''کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا کفر سے''

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کی نعمت سے نوازا تھا' مگر انہوں نے ہدایت ہاتھ سے دے کر ضلالت اور گمراہی خرید لی۔ اللہ' اُس کے رسول اور اُس کی کتاب سے کفر کر کے انہوں نے اللہ کی نعمت سے خود کو محروم کر لیا۔

﴿وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور انہوں نے اپنی قوم کو لا اتارا تباہی کے گھر میں۔''

جیسے سورۂ ہود' آیت ۹۸ میں فرعون کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ روزِ محشر وہ اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا آئے گا اور اس پورے جلوس کو لا کر جہنّم کے گھاٹ اتار دے گا' اسی طرح تمام قوموں اور تمام معاشروں کے گمراہ لیڈر اپنے اپنے پیروکاروں کو جہنّم میں پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

آیت ۲۹ ﴿جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾﴾ ''یہ (دارالبوار) جہنّم ہے' وہ اس میں داخل ہوں گے' اور وہ بہت ہی

بُری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔''

آیت ۳۰ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کے مدِمقابل (شریک) ٹھہرا دیے ہیں تاکہ گمراہ کریں لوگوں کو اُس کے راستے سے۔''

یعنی انہوں نے جھوٹے معبودوں کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کی بندگی سے ہٹا کر گمراہ کر دیں۔ ''اَنداد'' جمع ہے 'نِد' کی اس کے معنی مدِمقابل کے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ ''تو اللہ کے مدِمقابل نہ ٹھہرایا کرو''۔ اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے محاورۃً عرض کیا: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ ''جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں'' تو آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ))[۳] ''کیا تُو نے مجھے اللہ کا مدِمقابل بنا دیا؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے!'' یعنی مشیت تو اللہ ہی کی ہے' جو ہوگا اُسی کی مشیت اور مرضی سے ہوگا۔ اختیار صرف اُسی کا ہے' اور کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰﴾ ''آپؐ کہیے کہ (دنیا کی زندگی میں) تم فائدہ اٹھا لو' پھر یقیناً تمہارا لوٹنا آگ ہی کی طرف ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''آپؐ کہیے میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں''

یہاں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اہلِ ایمان کو بالواسطہ حکم دیا جا رہا ہے اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ پورے مکی قرآن میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے براہِ راست مسلمانوں سے خطاب نہیں کیا گیا۔ (سورۃ الحج میں ایک مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں مگر اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔) اس میں جو حکمت ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک مجھے اس کی وجہ سمجھ میں آئی ہے وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا طرزِ خطاب اُمت کے لیے ہے اور مکی دور میں مسلمان ابھی ایک اُمت نہیں بنے تھے۔ مسلمانوں کو اُمت کا درجہ مدینہ میں آ کر تحویلِ قبلہ کے بعد ملا۔ پچھلے دو ہزار برس سے اُمتِ مُسلمہ کے منصب پر یہودی فائز تھے۔ انہیں اس منصب سے معزول کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو اُمتِ مُسلمہ کا درجہ دیا گیا اور تحویلِ قبلہ اس تبدیلی کی ظاہری علامت قرار پایا۔ یعنی یہودیوں کے قبلہ کی حیثیت بطورِ قبلہ ختم کرنے کا مطلب یہ قرار پایا کہ انہیں اُمتِ مُسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کے ذریعے مسلمانوں سے خطاب اس کے بعد شروع ہوا۔

﴿وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱﴾ ''اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہیں خفیہ اور علانیہ' اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت

۳۔ ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہابؒ نے ''کتاب التوحید'' میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ جب کہ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((أَجَعَلْتَنِي وَاللّٰهَ عَدْلًا)) ''کیا تُو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟'' (مرتب)

ہوگی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔''

یہ آیت سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۴ سے بہت ملتی جلتی ہے۔ وہاں بیع اور دوستی کے علاوہ شفاعت کی بھی نفی کی گئی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ﴾۔ یعنی اُس دن سے پہلے پہلے ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرلو جس میں نہ کوئی بیع ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کسی کی شفاعت فائدہ مند ہوگی۔

آیت ۳۲ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی' پھر نکالا اس کے ذریعے سے پھلوں کی شکل میں تمہارے لیے رزق۔''

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو کہ وہ چلے سمندر میں اُس کے حکم سے' اور اس نے مسخر کر دیے تمہارے لیے دریا (اور نہریں وغیرہ)۔''

آیت ۳۳ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور مسخر کر دیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو' کہ مسلسل چل رہے ہیں' اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات کو اور دن کو۔''

ان تمام چیزوں کے گنوانے سے انسان کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ زمین کے دامن اور آسمان کی وسعتوں میں اللہ تعالیٰ کی تمام تخلیقات اور فطرت کی تمام قوتیں مسلسل انسان کی خدمت میں اس کی نفع رسانی کے لیے مصروفِ کار ہیں اور وہ اس لیے کہ اس کائنات میں انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو سب مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔ اللہ نے یہ بساط کون و مکان انسان ہی کے لیے بچھائی ہے اور باقی تمام اشیاء کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی ضروریات پوری کریں۔ یہی بات سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۹ میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ﴾ یعنی یہ زمین میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ نے تمہارے (انسانوں کے) لیے پیدا کیا ہے۔ اور ان چیزوں کو تمہاری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ﴾ اور اُس نے تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے اُس سے مانگا۔''

یہ مانگنا شعوری بھی ہے اور غیر شعوری بھی۔ یعنی وہ تمام چیزیں بھی اللہ نے ہمارے لیے فراہم کی ہیں جن کا تقاضا ہمارا وجود کرتا ہے اور ہمیں اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان کو پوری طرح شعور نہیں ہے کہ اُسے کس کس انداز میں کس کس چیز کی ضرورت ہے اور اُس کی ضرورت کی یہ چیزیں اُسے کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دُنیوی زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اسباب و نتائج کے ایسے ایسے سلسلے پیدا کر دیے ہیں جن کا احاطہ کرنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اللہ نے بہت سی ایسی چیزیں بھی پیدا کر رکھی ہیں جن سے انسان کی ضرورتیں انجانے میں پوری ہو رہی ہیں۔ مثلاً ایک وقت تک انسان کو کب پتا تھا کہ کون سی چیز میں کون سا وٹامن پایا جاتا ہے۔ مگر وہ وٹامنز مختلف غذاؤں کے ذریعے سے انسان کی ضرورتیں اس طرح پوری کر رہے تھے کہ انسان کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ بہرحال اللہ ہمیں وہ چیزیں بھی عطا کرتا ہے جو ہم اُس سے شعوری طور پر مانگتے ہیں اور وہ بھی جو ہماری زندگی اور بقا کا فطری تقاضا ہیں۔

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو

نہیں گن سکو گے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم اور بہت ناشکرا ہے۔''

انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو گن سکے۔ کفّار (ک کی زبر کے ساتھ) یہاں فعّال کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے' یعنی ناشکری میں بہت بڑھا ہوا۔

آیات ۳۵ تا ۴۱

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَ مَا نُعْلِنُ ۭ وَ مَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۣ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ۱۸

آیت ۳۵ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور یاد کرو جب کہا ابراہیمؑ نے: اے میرے ربّ اس شہر (مکّہ) کو بنا دے امن کی جگہ اور بچائے رکھ مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ ہم بُتوں کی پرستش کریں۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کے پندرھویں رکوع کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ماقبل زمانہ کی جو تاریخ ہمیں معلوم ہوئی ہے اُس کے مطابق اس دور کی سب سے بڑی گمراہی بُت پرستی تھی۔ آپؑ سے پہلے کی تمام اقوام اسی گمراہی میں مبتلا تھیں۔ آپؑ کی اپنی قوم کا اس سلسلے میں یہ حال تھا کہ انہوں نے ایک بہت بڑے بُت خانے میں بہت سے بت سجا رکھے تھے۔ انہی بُتوں کا سورۃ الانبیاء میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو توڑا تھا۔ اس کے علاوہ آپؑ کی قوم ستاروں کی پوجا بھی کرتی تھی' جبکہ نمرود نے انہیں سیاسی شرک میں بھی مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اختیارِ مطلق کا دعویدار تھا اور جس چیز کو وہ چاہتا جائز قرار دیتا اور جس کو چاہتا ممنوع۔

آیت ۳۶ ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ﴾ ''اے میرے پروردگار! ان بُتوں نے (پہلے بھی) بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ تو جو کوئی میری پیروی کرے وہ تُو بلاشبہ مجھ سے ہے''

مَیں نے خود کو ہر قسم کے شرک سے پاک کر لیا ہے' اب جو لوگ میری پیروی کریں' شرک سے دُور رہیں' توحید کے راستے پر چلیں ایسے لوگ تو میرے ہی ساتھی ہیں' اُن کے ساتھ تو تیرا وعدہ پورا ہو گا۔

﴿وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ تُو بخشنے والا مہربان ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت کے بارے میں ہم سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ

مُّنِيْبٌ ﴿۴۵﴾ کہ آپؑ بہت ہی نرم دل‘ حلیم الطبع اور ہر وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ چنانچہ جب گنہگاروں کا ذکر ہوا ہے تو آپؑ نے اللہ کی صفاتِ غفاری اور رحیمی کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ بالکل اسی انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی التجا کا ذکر سورۃ المائدۃ میں آیا ہے: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ یعنی پروردگار! اگر تُو انہیں عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں‘ تُو جس طرح چاہے انہیں عذاب دے‘ تیرا اختیار مطلق ہے۔ لیکن اگر تُو انہیں معاف کر دے تو بھی تیرے اختیار اور تیری حکمت پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہے۔

آیت ۳۷ ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ﴾ ’’اے ہمارے ربّ! مَیں نے اپنی اولاد (کی ایک شاخ) کو آباد کر دیا ہے اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس‘‘

اے ہمارے پروردگار! تیرے حکم کے مطابق میں نے یہاں تیرے اس محترم گھر کے پاس اپنی اولاد کو لا کر آباد کر دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں پہلے رَبِّ، رَبِّ (اے میرے پروردگار!) کا صیغہ آ رہا تھا مگر اب ’’رَبَّنَا‘‘ جمع کا صیغہ آ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آپؑ کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں پر عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ کے الفاظ سے اُن روایات کو بھی تقویت ملتی ہے جن کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ ابتدائی زمانہ میں گر گیا اور سیلاب کے سبب اس کی دیواریں وغیرہ بھی بہہ گئیں‘ صرف بنیادیں باقی رہ گئیں۔ ان ہی بنیادوں پر پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس کی تعمیر کی جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۷ میں ملتا ہے: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ﴾۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کر رہے ہیں:

﴿رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں‘ تو تُو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے‘‘

لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت پیدا ہو جائے‘ لوگ اطراف و جوانب سے اُن کے پاس آئیں‘ تاکہ اس طرح اُن کے لیے یہاں رہنے اور بسنے کا بندوبست ہو سکے۔

﴿وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ’’اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے‘ تاکہ وہ شکر ادا کریں۔‘‘

آیت ۳۸ ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! تُو خوب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں۔‘‘

﴿وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾﴾ ’’اور اللہ پر تو کوئی شے مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ﴾ ’’کُل شکر اور کُل ثنا اُس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے عطا فرمائے‘ باوجود بڑھاپے کے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ (جیسے بیٹے)۔‘‘

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۱ برس تھی اور اس کے کئی سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾﴾ ''یقیناً میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے بنا دے نماز قائم کرنے والا اور میری اولاد میں سے بھی''

یعنی مجھے توفیق عطا فرما دے کہ میں نماز کو پوری طرح قائم رکھوں اور پھر میری اولاد کو بھی توفیق بخش دے کہ وہ لوگ بھی نماز قائم کرنے والے بن کر رہیں۔

﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾﴾ ''اے ہمارے پروردگار! میری اس دعا کو قبول فرما۔''

آیت ۴۱ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾﴾ ''اے ہمارے پروردگار! مجھے، میرے والدین اور تمام مؤمنین کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو۔''

آیات ۴۲ تا ۵۲

وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ
الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَ
اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ
نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّ
سَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ
الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ
الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ یَوْمَ
تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَ تَرَی
الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىٕذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ
النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ
وَ لِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

آیت ۴۲ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ﴾ ''اور آپ ہرگز نہ سمجھیں اللہ کو غافل اُس سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔''

﴿اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾﴾ ''یقیناً وہ انہیں مہلت دے رہا ہے اُس دن تک جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔''

آیت ۴۳ ﴿مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾﴾ ''وہ دوڑتے ہوں گے

(محشر کی طرف) اپنے سروں کو اوپر اٹھائے' نہیں لوٹے گی اُن کی طرف اُن کی نگاہ' اور اُن کے دل اُڑے ہوئے ہوں گے۔''

خوف اور دہشت کے سبب نظریں ایک جگہ جم کر رہ جائیں گی اور اِدھر اُدھر حرکت کرنا بھی بھول جائیں گی۔ یہ میدانِ حشر میں لوگوں کی کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

آیت ۴۴ ﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) خبردار کر دیجیے لوگوں کو اُس دن سے جب ان پر عذاب آئے گا''

﴿فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ﴾ ''تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی: اے ہمارے پروردگار! ہمیں مہلت دے دے بس تھوڑی سی مدت تک' ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔''

﴿اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝۴۴﴾ ''(جواب میں کہا جائے گا:) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہے۔''

کہ ہمارا اقتدار' ہماری یہ شان و شوکت' ہماری یہ جاگیریں' یہ سب کچھ ہماری بڑی سوچی سمجھی منصوبہ بندیوں کا نتیجہ ہے' انہیں کہاں سے زوال آئے گا!

آیت ۴۵ ﴿وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ ''اور تم آباد تھے اُن ہی لوگوں کے مسکنوں میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا''

تمہارے آس پاس کے علاقوں میں وہ قومیں آباد تھیں جو ماضی میں اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں۔ قومِ عاد بھی اسی جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھی' قومِ ثمود کے مساکن بھی تمہیں دعوتِ عبرت دیتے رہے' قومِ مدین کا علاقہ بھی تم سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا اور قومِ لوط کے شہروں کے آثار سے بھی تم لوگ خوب واقف تھے۔

﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝۴۵﴾ ''اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا' اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔''

ان کے حالات پوری طرح کھول کر تم لوگوں کو سنا دیے گئے تھے۔ یہ تذکیر بایام اللہ کی تفصیلات کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں حضور ﷺ سے اسی سورت کی آیت ۵ میں خصوصی طور پر فرمایا گیا: ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ﴾ کہ آپؐ اللہ کے دنوں (اقوامِ گزشتہ کے واقعاتِ عذاب) کے حوالے سے ان لوگوں کو خبردار کریں۔

آیت ۴۶ ﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ﴾ ''اور اُنہوں نے اپنی سی چالیں چلیں''

اے قریشِ مکہ! جس طرح آج تم ہمارے نبی ﷺ کے خلاف اپنی چالیں چل رہے ہو' اسی طرح تم سے پہلے والے لوگوں نے بھی کچھ کمی نہیں کی تھی۔ جہاں تک اُن کا بس چلا تھا انہوں نے اپنی چالیں چلی تھیں۔ قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ اور قومِ لوطؑ کے سرداروں نے اپنے رسولوں کے خلاف جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا اس کی تفصیلات ہم تمہیں سنا چکے ہیں۔ اور قومِ شعیبؑ کے سرداروں کی مجبوری کا ذکر بھی ہم کر چکے ہیں جو تم لوگوں کی مجبوری سے ملتی جلتی تھی۔ یعنی ان کا بے چارگی سے یہ کہنا کہ اگر تمہارا قبیلہ تمہاری پشت پر نہ

ہوتا تو ہم اب تک تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ چنانچہ ہمارے لیے اور ہمارے نبی ﷺ کے لیے تمہاری یہ چالیں' یہ سازشیں اور یہ ریشہ دوانیاں کوئی انہونی نہیں ہیں۔ البتہ تم لوگ اپنی پیشرو اقوام کے واقعات کے آئینے میں اپنے مستقبل اور انجام کی جھلک دیکھنا چاہو تو صاف دیکھ سکتے ہو۔ تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو کہ تم سے پہلے ان منکرینِ حق کی چالیں کس حد تک کامیاب ہوئیں اور تم تجزیہ کر سکتے ہو کہ ہر بار حق و باطل کی کش مکش کا آخری نتیجہ کیا نکلا۔

﴿وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾﴾ ''اور اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اُن کی تمام چالیں۔ اور اُن کی چالیں ایسی تو نہ تھیں کہ اُن سے پہاڑ ٹل جاتے۔''☆

اللہ تعالیٰ ان کی تمام چالوں کا احاطہ کیے ہوئے تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے خلاف ان کا کوئی منصوبہ کامیاب ہو جاتا۔ بہر حال ان کی چالیں اور منصوبہ بندیاں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ ایسی نہیں تھیں کہ اُن کے سبب پہاڑ اپنی جگہ بدلنے پر مجبور ہو جاتے۔

آیت ۴۷ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ﴾ ''تو آپ یہ مت سمجھیں کہ اللہ اپنے اس وعدے کے خلاف کرے گا جو اُس نے اپنے رسولوں سے کیا۔''

یہاں پر رسول کے بجائے رُسل جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے' یعنی تمام رسولوں کے ساتھ اللہ کا یہ مستقل وعدہ رہا کہ تمہاری مدد کی جائے گی اور آخری کامیابی تمہاری ہی ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المجادلہ کی آیت ۲۱ میں فرمایا گیا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ﴾ یعنی اللہ نے طے کیا ہوا ہے' لکھ کر رکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے۔ درمیان میں کچھ اونچ نیچ ہوگی' تکلیفیں بھی آئیں گی' آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا ہوگا' مگر فتح ہمیشہ حزب اللہ ہی کی ہوگی۔ آزمائشوں کے ان مراحل کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾﴾

''اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے' تو آپ صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیں۔''

اس کے بعد سورۃ البقرۃ میں ہی فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾

''کیا تم سمجھتے ہو کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں جیسی (مشکلات) تو پیش آئی ہی نہیں۔ اُن کو تو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچی تھیں اور وہ ہلا ڈالے گئے تھے' یہاں تک کہ پیغمبر اور اُن کے ساتھ جو مؤمنین تھے سب پکار اٹھے کہ

☆ اس آیت کا یہ ترجمہ ''وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ'' میں ''اِنْ'' کو نافیہ مان کر کیا گیا ہے اور یہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے کے موافق ہے۔ بعض مفسرین نے ''اِنْ'' شرطیہ اور واؤ اصلیہ مان کر ترجمہ یوں کیا ہے: ''اگرچہ ان کی یہ چالیں ایسی (زبردست) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔'' (اضافہ از مرتب)

کب آئے گی اللہ کی مدد؟ آگاہ ہو جاؤ! اللہ کی مدد قریب ہے۔''

بہر حال اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں سے یہ پختہ وعدہ رہا ہے کہ حق و باطل کی اس کش مکش میں بالآخر فتح انہی کی ہوگی اور انہیں جھٹلانے والوں کو اُن کے سامنے سزا دی جائے گی۔ یہ ساری باتیں تفصیل سے قرآن میں بیان کی جا چکی ہیں تا کہ ان لوگوں کو کوئی شک نہ رہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴۷﴾ ''یقیناً اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا۔''

آیت ۴۸ ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ ''جس دن زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے سوا (کسی اور شکل میں) اور آسمانوں کو بھی (بدل دیا جائے گا)''

یہ روزِ محشر کے منظر کی طرف اشارہ ہے۔ اس سلسلے میں قبل ازیں بھی کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق یوں لگتا ہے جیسے محشر کا میدان اسی زمین کو بنایا جائے گا۔ اس کے لیے زمین کی شکل میں مناسب تبدیلی کی جائے گی' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الفجر میں اس تبدیلی کی ایک صورت اس طرح بتائی گئی ہے: ﴿اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝۲۱﴾ ''جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کر دیا جائے گا''۔ پھر سورۃ الانشقاق میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳﴾ ''اور جب زمین کو کھینچا جائے گا''۔ اس طرح تمام تفصیلات کو جمع کر کے جو صورت حال ممکن ہوتی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کے تمام نشیب و فراز کو ختم کر کے اسے بالکل ہموار بھی کیا جائے گا اور وسیع بھی۔ اس طرح اسے ایک بہت بڑے میدان کی شکل دے دی جائے گی۔ جب زمین کو ہموار کیا جائے گا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' زمین کے پچکنے سے اس کے اندر کا سارا لاوا باہر نکل آئے گا اور سمندر بھاپ بن کر اُڑ جائیں گے۔ اسی طرح نظامِ سماوی میں بھی ضروری ردّ و بدل کیا جائے گا' جس کے بارے میں سورۃ القیامہ میں اس طرح بتایا گیا ہے: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹﴾ یعنی سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم!

حال ہی میں ایک صاحب نے ''The Machanics of the Doom's Day'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ صاحب ماہر طبیعیات ہیں۔ مَیں نے اس کتاب کا پیش لفظ بھی لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کی طرف اس سے پہلے توجہ نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے ان کی یہ باتیں یقیناً قابلِ غور ہیں۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ قیامت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُس وقت پوری کائنات ختم ہو جائے گی' بلکہ یہ واقعہ صرف ہمارے نظامِ شمسی میں رونما ہوگا۔ جس طرح اس کائنات کے اندر کسی گلیکسی یا کسی گلیکسی کے کسی حصے کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اسی طرح ایک وقت آئے گا جب ہمارا نظامِ شمسی تباہ ہو جائے گا اور تباہ ہونے کے بعد کچھ اور شکل اختیار کر لے گا۔ ہماری زمین بھی چونکہ اس نظام کا حصہ ہے' لہٰذا اس پر بھی ہر چیز تباہ ہو جائے گی' اور یہی قیامت ہوگی۔ واللہ اعلم!

﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۴۸﴾ ''اور یہ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے سامنے جو واحد و قہار ہے۔''

سورۃ الفجر میں اس وقت کا منظر بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲ وَجِايْٓءَ يَوْمَىِٕذٍ ۙ بِجَهَنَّمَ ۙ.....﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اُس وقت نزول فرمائے گا' فرشتے بھی قطار در قطار آئیں گے اور جہنم بھی سامنے پیش کر دی جائے گی.....'' اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے کی کیفیت کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا

پر نزول فرماتا ہے' لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس نزول کی کیفیت کیا ہوتی ہے' اسی طرح آج ہم نہیں جان سکتے کہ روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ زمین پر نزول فرمائے گا تو اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ ممکن ہے تب اس کی حقیقت ہم پر منکشف کر دی جائے۔

آیت ۴۹ ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝۴۹﴾ ''اور تم دیکھو گے مجرموں کو اُس روز کہ وہ جکڑے ہوئے ہوں گے باہم زنجیروں میں۔''

آیت ۵۰ ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝۵۰﴾ ''اُن کے کُرتے ہوں گے گندھک کے اور ڈھانپے ہوئے ہوگی اُن کے چہروں کو آگ۔''

آیت ۵۱ ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۵۱﴾ ''تاکہ اللہ بدلہ دے دے ہر جان کو جو کچھ بھی اُس نے کمایا۔ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

اُس دن اللہ تعالیٰ کو اتنے زیادہ لوگوں کا حساب لیتے ہوئے دیر نہیں لگے گی۔

آیت ۵۲ ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ ''یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کے لیے''

اِس قرآن اور اس کے احکام کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ پر ڈالی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کر دی ہے۔ اب یہ ذمہ داری آپ ﷺ کی اُمت کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ یہ پیغام تمام انسانوں تک پہنچائے۔

﴿وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ ''تاکہ وہ اس کے ذریعے سے خبردار کر دیے جائیں''

یعنی اس قرآن کے ذریعے سے تمام انسانوں کی تذکیر و تنذیر کا حق ادا ہو جائے۔ اس حوالے سے سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ کے یہ الفاظ بھی یاد کر لیجیے: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ ''یہ قرآن میری طرف سے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کر دوں اس کے ذریعے سے تمہیں بھی اور (ہر اُس شخص کو) جس تک بھی یہ پہنچ جائے۔''

﴿وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۵۲﴾ ''اور تاکہ وہ جان لیں کہ صرف وہی معبود ہے اکیلا اور اس لیے کہ نصیحت اخذ کریں عقل والے لوگ۔''

بارک اللہ لی ولکم فی القرآنِ العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ۝۝

سُوْرَۃُ الْحِجْرِ

تمہیدی کلمات

اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر اپنے گروپ کی باقی تینوں سورتوں سے بالکل منفرد ہے' بالکل اسی طرح جس طرح پچھلی ذیلی گروپ میں سورۂ یوسف باقی دونوں سورتوں سے منفرد تھی۔ چنانچہ اس ذیلی گروپ کی پہلی دونوں سورتوں (الرعد اور ابراہیم) کا نہ صرف مزاج اور اسلوب ایک سا ہے بلکہ دونوں میں نسبتِ زوجیت بھی ہے' جبکہ سورۃ الحجر کا مزاج' انداز اور اسلوب ان دونوں سورتوں سے مختلف ہے۔

اسلوب میں ایک بنیادی فرق تو آیات کی طوالت کے سلسلے میں ہے۔ دوسری دونوں سورتوں کی آیات کے مقابلے میں سورۃ الحجر کی آیات نسبتاً چھوٹی ہیں۔ سورۃ الرعد کے چھ رکوع ہیں اور اس کی آیات ۴۳ ہیں۔ گویا اوسطاً ایک رکوع میں سات آیات ہیں۔ اسی طرح سورۂ ابراہیم کے سات رکوع ہیں اور اس کی ۵۲ آیات ہیں۔ یعنی اس کے ایک رکوع میں بھی اوسطاً تقریباً سات آیات ہی ہیں۔ اب جب ہم اس حوالے سے سورۃ الحجر کو دیکھتے ہیں تو اس کے چھ رکوع میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی ایک رکوع میں اوسطاً ۱۶ آیات ہیں۔ آیات کے چھوٹے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا اسلوب مکی دور کی ابتدائی سورتوں سے ملتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الحجر ابتدائی چار سال میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

سورتوں کے اسلوب کے بارے میں ایک بنیادی نکتہ بہت اہم ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی آیات چھوٹی اور ردھم (rhythm) بہت تیز ہے۔ ان میں صوتی آہنگ اور غنائیت بھی بہت واضح ہے۔ جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں کے مزاج اور اسلوب میں اس لحاظ سے' ہمیں بتدریج تبدیلی نظر آتی ہے اور یہ تبدیلی مدنی دور میں جا کر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جہاں آیات نسبتاً طویل ہیں اور ردھم بہت دھیما۔ چنانچہ مدنی دور میں آیتِ دَین' آیۃ الکرسی اور آیۃ البر جیسی غیر معمولی طوالت کی حامل آیات بھی ہیں جو ابتدائی دور کی بعض سورتوں سے بھی زیادہ طویل ہیں۔ سورتوں کے اس اسلوب کی مثال ایک ایسے دریا کی سی ہے جو پہاڑوں سے نکلتا ہے اور بتدریج سفر کرتے ہوئے میدانی علاقے میں پہنچتا ہے۔ پہاڑی علاقے میں اس کا بہاؤ بہت تیز اور پاٹ مختصر ہوتا ہے' لیکن میدانی علاقے میں آ کر اس کے بہاؤ میں ٹھہراؤ اور پاٹ میں وسعت آ جاتی ہے۔ جیسے دریائے سندھ' جو پہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک ندی کا منظر پیش کرتا ہے' میدانی علاقوں میں دریا خان وغیرہ کے قریب اس کا پانی میلوں میں پھیلا نظر آتا ہے۔

اس مثال کے مطابق ابتدائی دور کی سورتوں کا ردھم تیز اور آیات محکم ہیں' ان کے مضامین میں جامعیت اور گہرائی زیادہ ہے' جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں یہ مضامین بتدریج پھیلتے گئے ہیں اور پھر اس نسبت سے عبارت کا ردھم بھی مدہم ہوتا گیا ہے۔ اس تدریجی تبدیلی کے حوالے سے دیکھیں تو مکی دور کی آخری سورتوں میں بھی' ہمیں وہ ردھم نمایاں محسوس نہیں ہوتا جو ابتدائی

زمانے کی سورتوں' مثلاً سورۂ قٓ' سورۃ النجم' سورۃ الرحمٰن' سورۃ الواقعہ اور سورۃ الملک میں نظر آتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورۃ الحجر کو مصحف کے وسط میں اور ایسی سورتوں کے درمیان میں کیوں رکھا گیا ہے جن کا زمانہ نزول بعد کا ہے' تو اس کا واضح اور حتمی جواب تو یہی ہے کہ اس معاملے کا تعلق توقیفی امور سے ہے اور اس کی اصل حکمت بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں میری ایک اپنی رائے ہے جس کا اظہار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں' اور وہ یہ کہ یہاں ایک جیسی مکی سورتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو گیارہویں پارے سے شروع ہو کر اٹھارہویں پارے تک چلا گیا ہے۔ ان سورتوں میں ایک جیسے مضامین تکرار کے ساتھ آ رہے ہیں۔ چنانچہ اس یکسانیت کو ختم کرنے اور ایک طرح کا تنوع پیدا کرنے کے لیے ابتدائی دور کی ایک سورت کو یہاں پر رکھا گیا ہے۔ ورنہ مزاج اور اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر کی بہت زیادہ مشابہت سورۃ الشعراء کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم!

یہاں پر سورۃ الحجر کی ایک آیت کو تیرہویں پارے میں اور باقی سورت کو چودہویں پارے میں دیکھ کر پاروں کی تقسیم کی بنیاد اور اس کے طریق کار کے بارے میں بھی سوال اٹھتا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر یہ بات اہم ہے کہ یہ تقسیم صحابہؓ کے زمانے میں نہیں تھی' بلکہ بعد میں کی گئی' اور بغرضِ تلاوت قرآن مجید کو تیس برابر اجزاء میں تقسیم کر دیا گیا' تاکہ روزانہ ایک پارے کی تلاوت سے مہینے بھر میں قرآن ختم کر لیا جائے۔ بہرحال اس تقسیم میں کوئی خاص حکمت نظر نہیں آتی اور نہ ہی اس میں مضمون کے تسلسل کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس تقسیم میں جا بجا سورتوں کی فصیلیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں۔ کئی مقامات پر کسی سورۃ کی چند آیات ایک پارے میں اور باقی سورۃ اگلے پارے میں شامل کی گئی ہے۔ جیسے سورۂ ہود کی ابتدائی پانچ آیات گیارہویں پارے میں ہیں جبکہ باقی پوری سورت بارہویں پارے میں ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کی احزاب (منازل) کی تقسیم صحابہؓ کے دور میں ہوئی اور اس تقسیم میں بڑا حسن نظر آتا ہے۔

آیات ۱ تا ۱۵

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا: ۹۹ رُكُوْعَاتُهَا: ۶

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲
ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ
لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ
نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا
نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ خَلَتْ
سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا
سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵

الجزء الثالث عشر (۱۵)

آیت ۱ ﴿الٓرٰ﴾ ''اٰل رٰ۔''

حروفِ مقطعات کا یہ سلسلہ سورۂ یونس سے شروع ہوا تھا۔ پانچ سورتوں کے آغاز میں الٓرٰ کے حروف ہیں اور ایک سورۃ (الرعد) میں المّٓرٰ ۔ یہ اس سلسلہ کی چھٹی اور آخری سورت ہے۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱﴾ ''یہ (اللہ کی) کتاب اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔''

آیت ۲ ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲﴾ ''ایک وقت خواہش کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔''

ایک وقت آئے گا کہ ان لوگوں کے لیے ان کا کفر موجبِ حسرت بن جائے گا۔

آیت ۳ ﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) چھوڑ دیجیے ان کو یہ کھا پی لیں اور فائدہ اٹھالیں''

زمین میں جو مہلت انہیں ملی ہوئی ہے اس میں خوب مزے کر لیں۔

﴿وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ ''اور (لمبی لمبی) امیدیں ان کو غافل کیے رکھیں''

اَلْهٰی، یُلْهِی، اِلْهَاءً کے معنی ہیں غافل کر دینا۔ سورۃ التکاثر میں فرمایا گیا: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲﴾ ''غافل کیے رکھا تمہیں کثرت کی خواہش کے مقابلے نے' یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں''۔ انسان کے لمبے لمبے منصوبے بنانے کو ''طولِ اَمل'' کہتے ہیں۔ جب انسان اس گورکھ دھندے میں پڑ جائے' تو خواہشوں اور آرزوؤں کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا' مگر زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى))[1] یعنی اگر کوئی شے کم ہے لیکن آپ کو کفایت کر جائے' آپ کی ضرورت اس سے پوری ہو جائے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو آپ کی ضرورت سے زیادہ ہو اور آپ کو اپنے خالق اور مالک کی یاد سے غافل کر دے۔

اگر مال و دولت کی ریل پیل ہے' رزق اور سامانِ آسائش کی فراوانی ہے' کبھی کوئی حاجت پریشان نہیں کرتی' کوئی محرومی' کوئی نارسائی اللہ کی یاد تازہ کرنے کا سبب نہیں بنتی' تو ایسی حالت میں رفتہ رفتہ انسان کے بالکل غافل ہو جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ اتنا ملے جس سے ضرورت پوری ہو جائے اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ لیکن اس قدر فراوانی نہ ہو کہ غفلت غلبہ پالے۔

﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳﴾ ''تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

آیت ۴ ﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴﴾ ''اور ہم نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا' مگر اُس کے لیے ایک معیّن نوشتہ تھا۔''

ہر قوم پر آنے والے عذاب کا ایک وقت معیّن تھا جو پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

آیت ۵ ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵﴾ ''کوئی اُمت نہ تو اپنے وقتِ معیّن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔''

۱۔ مسند احمد' ح ۲۰۷۲۸۔ راوی: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔

آیت ۶ ﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر (اُس کے بقول) یہ ذکر نازل ہوا ہے (ہمارے نزدیک) تم تو یقیناً دیوانے ہو۔''

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!! —— مجنون ''جِنّ'' سے مشتق ہے۔ عربی میں جِنّ کے معنی مخفی چیز کے ہیں۔ اسی معنی میں رحمِ مادر میں بچے کو جنین کہا جاتا ہے' کیونکہ وہ نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے لفظ ''جنّت'' بھی اسی مادہ سے ہے اور اس سے مراد ایسی زمین ہے جو درختوں اور گھاس وغیرہ سے پوری طرح ڈھکی ہوئی ہو۔ سورۃ الانعام' آیت ۷۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ﴾ یعنی جب رات کی تاریکی نے اسے ڈھانپ لیا۔ چنانچہ مجنون اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جس پر جِنّ کے اثرات ہوں' آسیب کا سایہ ہو اور اس کو بھی جس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بات وحی کے بالکل ابتدائی دور میں کہی گئی تھی اور اس کے کہنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس طرح کے خیالات کا اظہار معاندانہ انداز میں نہیں بلکہ ہمدردی میں کر رہے تھے۔ یعنی جب ابتدا میں حضور ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ غارِ حرا میں ان کے پاس فرشتہ آیا ہے تو بہت سے لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ کو کسی بدروح وغیرہ کا اثر ہو گیا ہے۔ چونکہ نبوت ملنے اور فرشتہ کے آنے کا دعویٰ اُن کے لیے بالکل نئی بات تھی اس لیے ان کا واقعی یہ خیال تھا کہ اکیلے کئی کئی راتیں غارِ حرا میں رہنے کی وجہ سے ضرور آپ ﷺ پر کسی بدروح یا جِنّ کے اثرات ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ نٓ (اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے) جو کہ بالکل ابتدائی دور کی سورۃ ہے' اس میں ان لوگوں کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲﴾ ''آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔''

آیت ۷ ﴿لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷﴾ ''کیوں نہیں لے آتے ہمارے سامنے فرشتوں کو اگر تم سچے ہو؟''

اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ان باتوں کا جواب آ رہا ہے:

آیت ۸ ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ''

یعنی یہ لوگ فرشتوں کو بلانا چاہتے ہیں یا اپنی شامت کو؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عاد و ثمود اور قومِ لوط پر فرشتے نازل ہوئے تو کس غرض سے نازل ہوئے! انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فرشتے جب کسی قوم پر نازل ہوتے ہیں تو آخری فیصلے کے نفاذ کے لیے نازل ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸﴾ ''اور (اگر فرشتے نازل ہو گئے تو) پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔''

آیت ۹ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ ''یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

یہ آیت مبارکہ بہت اہم ہے۔ جہاں تک اس کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو یہ حکم تورات پر بھی صادق آتا ہے اور انجیل پر بھی۔ یعنی یہ دونوں کتابیں بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ قرآن میں اس کی بار بار تصدیق بھی کی گئی ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۴۴ میں تورات کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق اس طرح کی گئی ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳ میں ان دونوں کتابوں کا ذکر فرمایا گیا: ﴿وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳﴾۔ لیکن اس آیت کے دوسرے حصے میں جو حکم آیا

ہے وہ صرف اور صرف قرآن کی شان ہے۔ اس سے پہلے کسی الہامی کتاب یا صحیفۂ آسمانی کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ کتب کی ہدایات و تعلیمات حتمی اور ابدی نہیں تھیں۔ وہ تو گویا عبوری ادوار کے لیے وقتی اور عارضی ہدایات تھیں اور اس لحاظ سے انہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اب جبکہ ہدایت کامل ہوگئی تو اسے تاابد محفوظ کر دیا گیا۔

یہ آیت ختمِ نبوت پر بھی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ کے مطابق قرآن میں ہدایت درجۂ کاملیت تک پہنچ گئی اور آیت زیر نظر کے مطابق وہ ابدی طور پر محفوظ بھی ہوگئی تو وحی کے جاری رہنے کی ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ چنانچہ قادیانیوں کے پاس اِن دونوں قرآنی حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد (اور ان کے لیے انہیں تسلیم کیے بغیر چارا بھی نہیں) وحی کے جاری رہنے کے جواز کی کوئی عقلی و منطقی دلیل باقی نہیں رہ جاتی۔ وحی کی ضرورت ان دونوں میں سے کسی ایک صورت میں ہی ہو سکتی ہے کہ یا تو ابھی ہدایت کامل نہیں ہوئی تھی اور اس کی تکمیل کے لیے وحی کے تسلسل کی ضرورت تھی۔ یا پھر ہدایت کامل تو ہوگئی تھی مگر بعد میں غیر محفوظ ہوگئی یا گم ہوگئی اور اس وجہ سے پیدا ہو جانے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے وحی کی ضرورت تھی۔ بہر حال اگر ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی درپیش نہیں ہے تو سلسلۂ وحی کے جاری رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) عبث کام نہیں کرتا کہ ضرورت کے بغیر ہی سلسلۂ وحی کو جاری کیے رکھے۔

یہاں دو دفعہ (زیر نظر آیت سے قبل آیت ۶ میں بھی) قرآن حکیم کے لیے ''الذکر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ ''ن'' کی آخری دو آیات میں بھی قرآن حکیم کے لیے یہ لفظ آیا ہے۔ ذکر کا مفہوم یاددہانی ہے۔ قرآنی فلسفے کے مطابق قرآن مجید کا ''الذکر'' ہونا اس مفہوم میں ہے کہ ایمانی حقائق خصوصی طور پر اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا علم انسانی روح کے اندر موجود ہے' مگر اس علم پر ذُہول (بھول اور غفلت) کا پردہ طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک وقت میں انسان کو ایک چیز یاد ہوتی ہے مگر بعد میں یاد نہیں رہتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے بارے میں معلومات اس کی یادداشت کے تہہ خانے میں دب جاتی ہیں۔ پھر بعد میں کسی وقت جونہی کوئی چیز ان معلومات سے متعلق سامنے آتی ہے تو انسان کے ذہن میں وہ بھولی بسری معلومات پھر سے تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ذہن میں موجود معلومات کو پھر سے تازہ کرنے والی چیز گویا یاددہانی (reminder) کا کام کرتی ہے۔ مثلاً ایک دوست سے آپ کی سالہا سال سے ملاقات نہیں ہوئی اور اس کا خیال بھی کبھی نہیں آیا' مگر ایک دن اچانک اس کا دیا ہوا ایک قلم یا رومال سامنے آنے سے اس دوست کی یاد یکدم ذہن میں تازہ ہوگئی۔ اس قلم یا رومال کی حیثیت گویا ایک نشانی (یا آیت) کی ہے جس سے آپ کے ذہن میں ایک بھولی بسری یاد پھر سے تازہ ہوگئی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم انسانی روح میں خفتہ (dormant) حالت میں موجود ہے۔ اس علم کو پھر سے جگا کر تازہ کرنے اور اس پر پڑے ہوئے ذہول اور نسیان کے پردوں کو ہٹانے کے لیے آیاتِ آفاقیہ' آیاتِ انفسیہ اور آیاتِ قرآنیہ گویا یاددہانی کا کام دیتی ہیں اور اللہ کی یاد کو انسان کے ذہن میں تازہ کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کو الذکر (یاددہانی) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے' پہلی جماعتوں میں۔''

شِیَع' شِیْعَۃ کی جمع ہے اور اس کے معنی الگ ہو کر پھیلنے والے گروہ کے ہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی نسلیں بڑھتی گئیں تو ان کے قبیلے اور گروہ علیحدہ ہوتے گئے اور یوں تقسیم ہو ہو کر روئے زمین پر پھیلتے گئے۔ اردو الفاظ ''اشاعت'' اور ''شائع'' بھی

اسی مادہ سے مشتق ہیں' چنانچہ ان الفاظ میں بھی پھیلنے اور پھیلانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱﴾ ''اور نہیں آیا اُن کے پاس کوئی بھی رسولؑ' مگر وہ اُس کے ساتھ استہزا ہی کرتے رہے۔''

آیت ۱۲ ﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲﴾ ''اسی طرح ہم اس کو چھود یتے تھے مجرموں کے دلوں میں۔''

حق کی دعوت اپنی تاثیر کی وجہ سے ہمیشہ مخاطبین کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ انبیاء کی دعوت کو ٹھکراتے رہے' وہ اس کی حقانیت کو خوب پہچان لینے کے بعد ٹھکراتے رہے۔ اس لیے کہ حق کو حق تسلیم کرنے سے اُن کے مفادات پر زد پڑتی تھی۔

آیت ۱۳ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور پہلے لوگوں کی سُنّت گزر چکی ہے۔''

انبیاء ورسل علیہم السلام کے مخاطبین کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے۔ جس طرح ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ پر یہ ''الذکر'' نازل کیا ہے اسی طرح پہلے بھی ہم اپنے رسولوں پر کتابیں اور صحیفے نازل کرتے رہے ہیں' مگر ان کی قوموں کے لوگ اکثر انکار ہی کرتے رہے۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴﴾ ''اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول بھی دیتے اور وہ اس پر چڑھنے لگتے۔''

آیت ۱۵ ﴿لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵﴾ ''تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظر بندی کر دی گئی ہے' بلکہ ہم پر تو جادو کر دیا گیا ہے۔''

آیات ۱۶ تا ۲۵

وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۱۷ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝۲۲ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۲۳ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝۲۴ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵

آیت ۱۶ ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶﴾ ''اور ہم نے آسمان میں بُرج بنائے ہیں اور ہم نے اسے (آسمانوں کو اور بُرجوں کو) مزین کر دیا ہے دیکھنے والوں کے لیے۔''

ان بُرجوں کی اصل حقیقت کا ہمیں علم نہیں ہے' اس لحاظ سے یہ آیت بھی آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ البتہ رات کے وقت

آسمان پر ستاروں کی بہار وہ دلکش منظر پیش کرتی ہے جس سے ہر دیکھنے والے کی آنکھ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

آیت ۱۷ ﴿وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۱۷﴾ ''اور ہم نے حفاظت کی ہے اس کی ہر شیطانِ مردود سے۔''

یہ گویا ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے کہ ان ستاروں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں۔ اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں انسان کی جدید تحقیق ماضی قریب میں ہوئی ہے' لیکن ابھی بھی اس سلسلے میں انسانی علم بہت محدود ہے۔ وائرس اور بیکٹیریا کے بارے میں کچھ ہی عرصہ پہلے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ بھی کوئی مخلوق ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں یقیناً بہت سے ایسے حقائق ہوں گے جن کے بارے میں اب بھی انسان کچھ نہیں جانتا۔ بہرحال اب تک جتنی مخلوقات کے بارے میں ہمیں علم ہے ان میں صرف تین قسم کی مخلوقات ایسی ہیں جن میں خود شعوری (self consciousness) پائی جاتی ہے' یعنی ملائکہ' جنّات اور انسان۔ ان میں سے پہلے ملائکہ کو پیدا کیا گیا' پھر جنّات کو اور پھر انسان کو۔ گویا انسان اس کائنات کی تخلیق کے اعتبار سے Recent دور کی مخلوق ہے۔ البتہ انسانوں کی ارواح اسی دور میں پیدا کی گئیں جب ملائکہ کو پیدا کیا گیا۔ بہرحال خود شعوری صرف ان تین قسم کی مخلوقات میں ہی پائی جاتی ہے' باقی جو بھی مخلوقات اس کائنات میں موجود ہیں' چاہے وہ خشکی اور سمندر کے جانور ہوں یا ہوا میں اڑنے والے پرندے' ان میں شعور تو ہے مگر خود شعوری نہیں ہے۔

جنّات کی تخلیق چونکہ آگ سے ہوئی ہے' لہٰذا ان کے اندر مخفی قوت (potential energy) انسانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ میرا گمان ہے کہ جنّات کو سورج کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے انہیں پورے نظامِ شمسی کے دائرے میں آمد و رفت کی طاقت اور استعداد حاصل ہے اور اس کے لیے انہیں کسی راکٹ یا مشینی ذرائع کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اسی استعداد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ عالم بالا سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور تدبیرات کی ترسیل کے دوران ملائکہ سے کچھ خبریں اُچکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر وہ ایسی خبریں انسانوں میں اپنے دوست دار عامل اور کاہن لوگوں کو بتاتے ہیں تاکہ وہ اپنی دکانیں چمکا سکیں۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایوانِ صدر سے اَحکام کی ترسیل و تقسیم کے دوران کوئی شخص متعلقہ اہلکاروں سے ان اَحکام کے بارے میں خبریں حاصل کر کے قبل از وقت اُن لوگوں تک پہنچا دے جو اُن کے ذریعے سے اپنی دکانیں چمکانا چاہتے ہیں۔

جنّات کو نظامِ شمسی کی حدود پھلانگنے سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں میزائل نصب کر رکھے ہیں۔ جب بھی کوئی جنّ اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ممنوعہ علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر میزائل پھینکا جاتا ہے جسے ہم شہابِ ثاقب کہتے ہیں۔ اس پورے نظام پر ہم ''كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا'' کے اصول کے تحت یقین رکھتے ہیں جو ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ بہرحال سائنسی ترقی کے سبب کائنات کے بارے میں اب تک سامنے آنے والی معلومات اور ایجادات کے ساتھ بھی ان قرآنی معلومات کا کسی نہ کسی حد تک تطابق (corroboration) موجود ہے۔

آیت ۱۸ ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ ''ماسوائے اس کے کہ جو کوئی چوری چھپے سننا چاہے''

جیسے ایک فرشتہ کچھ احکام لے کر آ رہا ہو اور کوئی جنّ اس سے کوئی سُن گُن لینے کی کوشش کرے۔ فرشتے نوری ہیں اور جنّ ناری مخلوق ہیں' چنانچہ نور اور نار کے درمیان زیادہ بُعد نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ عزازیل (ابلیس) کا بھی ایک جنّ ہونے کے باوجود فرشتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔

﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸﴾ ''تو اُس کا پیچھا کرتا ہے ایک انگارہ چمکتا ہوا۔''

ایسی خلاف ورزی کی صورت میں اس جن پر میزائل پھینکا جاتا ہے۔ یہ میزائل اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لیے ستاروں میں نصب کر رکھے ہیں۔

آیت ۱۹ ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾ ''اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں ہم نے لنگر ڈال دیے''

زمین کے یہ لنگر پہاڑ ہیں جن کے بارے میں قرآن بار بار کہتا ہے کہ یہ زمین کی حرکت کو متوازن رکھنے (isostasy) کا ایک ذریعہ ہیں۔

﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹﴾ ''اور اس میں اُگا دی ہم نے ہر شے ٹھیک اندازے کے مطابق۔''

کائنات کے اس خدائی نظام میں ہر چیز کی مقدار اور تعداد اس حد تک ہی رکھی گئی ہے جس حد تک اس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی چیز اس مقررہ حد سے بڑھے گی تو وہ اس نظام میں خلل کا باعث بنے گی۔ مثلاً بعض مچھلیوں کے انڈوں کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔ یہ تمام انڈے اگر مچھلیاں بن جائیں تو چند ہی سالوں میں ایک مچھلی کی اولاد اس زمین کے حجم سے بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جائے۔ بہرحال اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کو ایک طے شدہ اندازے اور ضرورت کے مطابق رکھا گیا ہے۔

آیت ۲۰ ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰﴾ ''اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے لیے اس میں ذرائع معاش اور (ان کے لیے بھی) جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔''

کچھ مخلوق تو ایسی ہے جس کی روزی اور کھانے پینے کا انتظام بظاہر انسانوں کی ذمہ داری ہے' جیسے پالتو جانور' مگر بہت سی مخلوقات ایسی ہیں جن کے رزق کی ذمہ داری انسانوں پر نہیں ہے' مگر اللہ ان سب کو ان کے حصے کا رزق بہم پہنچا رہا ہے۔

آیت ۲۱ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی شے مگر ہمارے پاس ہیں اُس کے خزانے''

کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ ہمارے خزانے اور وسائل لامحدود ہیں' لیکن:

﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱﴾ ''ہم نہیں نازل کرتے اس میں سے مگر ایک طے شدہ اندازے کے مطابق۔''

اُن لامتناہی اور لامحدود خزانوں سے صرف ضرورت کے مطابق اشیاء دنیا میں بھیجی جاتی ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں بڑے بڑے گوداموں سے ضرورت کے مطابق چیزوں کی ترسیل کی جاتی ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ﴾ ''اور ہم بھیجتے ہیں ہوائیں جو بوجھل ہوتی ہیں (یا بوجھل کرنے والی ہوتی ہیں)''

لَوَاقِحَ کا مفہوم پہلے تو یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور بارش کا سبب بنتی ہیں' لیکن اب جدید سائنسی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ polen grains بھی ہواؤں کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں جن سے پھولوں کی فرٹیلائزیشن ہوتی ہے' جس کے نتیجے میں فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یوں یہ سارا نباتاتی نظام بھی ہواؤں کی وجہ سے چل رہا ہے۔

﴿فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ﴾ ''پس ہم نے اتارا آسمان سے پانی پھر وہ تم لوگوں کو پلایا۔''

پانی مبدأ حیات ہے۔ زمین پر ہر طرح کی زندگی کے وجود کا منبع اور سرچشمہ بھی پانی ہے اور پھر پانی پر ہی زندگی کی بقا کا انحصار بھی ہے۔ پانی کی اس اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم و ترسیل کا ایک لگا بندھا نظام وضع کیا ہے جسے آج کی سائنس نے واٹر سائیکل کا نام دیا ہے۔ واٹر سائیکل کا یہ عظیم الشان نظام اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہے۔ سمندروں سے ہواؤں تک بخارات پہنچ

کر بارش اور برفباری کا انتظام' گلیشیئرز کی شکل میں بلند و بالا پہاڑوں پر واٹر سٹوریج کا اہتمام' پھر چشموں' ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے سے اس پانی کی وسیع و عریض میدانی علاقوں تک رسائی اور زیر زمین پانی کا عظیم الشان ذخیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ وہ واٹر سائیکل ہے جس پر پوری دنیا میں ہر قسم کی زندگی کا دارومدار ہے۔

﴿وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور تم اس کے جمع کرنے والے نہیں ہو۔''

یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم پانی کے اس ذخیرے کو جمع کرتے۔

آیت ۲۳ ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''اور یقیناً ہم ہی ہیں جو زندہ بھی رکھتے ہیں اور موت بھی وارد کرتے ہیں اور ہم ہی وارث ہوں گے۔''

یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ ایک وقت آئے گا جب ظاہری ملکیت کا بھی کوئی دعویدار باقی نہیں رہے گا۔

آیت ۲۴ ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''اور ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی اور جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو بھی۔''

چونکہ یہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے کی سورت ہے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو حق کی اس دعوت پر فوراً لبیک کہیں گے اور آگے بڑھ کر قرآن کو سینوں سے لگائیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ (التوبۃ: ۱۰۰) کے مصداق کون لوگ ہوں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) قبولِ حق کے لیے ایک لمحے کی دیر نہیں لگائے گا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) بھی اس دعوت کو فوراً قبول کر لے گا۔ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی تبلیغ سے طلحہ' زبیر' عبدالرحمٰن بن عوف اور سعید بن زید (رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ فوراً ایمان لے آئیں گے' اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کون کون بدنصیب ہیں جو اس سعادت کو سمیٹنے میں پیچھے رہ جائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور یقیناً آپ کا رب ہی ہے جو ان سب کو جمع کرے گا۔ یقیناً وہ کمال حکمت والا' خوب علم رکھنے والا ہے۔''

آیات ۲۶ تا ۴۸

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ
السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾
فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا
تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ
مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ
عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا
ع ۲۱ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾
اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ
مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

آیت ۲۶ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور یقیناً ہم نے بنایا ہے انسان کو سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے۔''

حَمَاٍ مَّسْنُوْن سے سنا ہوا گارا مراد ہے' جس سے بدبو بھی اُٹھ رہی ہو۔ اس رکوع میں یہ ثقیل اصطلاح تین مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ انسان کے مادۂ تخلیق کے حوالے سے قرآن میں جو مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں' ان پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے مرحلے پر تُراب یعنی مٹی کا ذکر ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ...﴾ (الروم: ۲۰)۔ مٹی میں پانی مل کر گارا بن جائے تو اس گارے کو عربی میں ''طِین'' کہتے ہیں۔ لہٰذا انسان کی تخلیق کے سلسلے میں طین کا ذکر بھی قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ہم شیطان کا یہ قول پڑھ آئے ہیں: ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾﴾ ''مجھے تُو نے بنایا آگ سے اور اس (آدم) کو بنایا مٹی سے''۔ طین کے بعد ''طینِ لازب'' کا مرحلہ ہے۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾﴾ ''طینِ لازب'' اصل میں وہ گارا ہے جو عملِ تخمیر (fermentation) کی وجہ سے لیس دار ہو چکا ہو۔ عام طور پر گارے میں کوئی organic matter بھوسہ وغیرہ ملانے سے اس کی یہ شکل بنتی ہے۔ ''طینِ لازب'' کے بعد اگلا مرحلہ ''حَمَاٍ مَّسْنُوْن'' کا ہے۔ اگر لیس دار گارا زیادہ دیر تک پڑا رہے اور اس میں سڑاند پیدا ہو جائے تو اس کو ''حَمَاٍ مَّسْنُوْن'' کہا جاتا ہے۔ پھر اگر یہ سنا ہوا گارا (حَمَاٍ مَّسْنُوْن) خشک ہو کر سخت ہو جائے تو یہ کھنکنے لگتا ہے۔ آپ نے کسی دریا کے ساحل کے قریب یا کسی دلدلی علاقے میں دیکھا ہو گا کہ زمین کے اوپر خشک پپڑی سی آ جاتی ہے' جس پر چلنے سے یہ آواز پیدا کر کے ٹوٹتی ہے۔ ایسی مٹی کے لیے قرآن نے ﴿صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (الرحمٰن: ۱۴) کی اصطلاح استعمال کی ہے' یعنی ٹھیکرے جیسی کھنکھناتی مٹی۔

انسان کے مادۂ تخلیق کے لیے مندرجہ بالا تمام الفاظ میں سے صرف ایک بنیادی لفظ ہی کفایت کر سکتا تھا کہ ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا' لیکن اس ضمن میں ان مختلف الفاظ (تُراب' طِین' طینِ لازب' صَلصالٍ مِّن حمإٍ مَّسنون اور صَلصالٍ کالفَخّار) کے استعمال میں یقیناً کوئی حکمت کارفرما ہو گی۔ ممکن ہے یہ تخلیق کے مختلف مراحل (stages) کا ذکر ہو اور اگر ایسا ہے تو نظریۂ ارتقاء (Evolution Theory) کے ساتھ بھی اس کی تطبیق (corroboration) ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ انسان کی تخلیق اگر خصوصی طور پر بھی عمل میں آئی ہو تو ہو سکتا ہے کہ باقی حیوانات ارتقائی انداز میں پیدا کیے گئے ہوں۔ بہر حال زمین کی حیوانی حیات کے بارے میں سائنس بھی قرآن سے متفق ہے کہ یہ تمام مخلوق مٹی اور پانی سے بنی ہے۔ ادھر قرآن فرماتا ہے کہ مبدأ حیات پانی ہے اور اس سلسلے میں سائنس کا نظریہ بھی یہی ہے کہ ساحلی علاقوں میں مٹی اور پانی کے اتصال سے دلدل بنی' پھر اس دلدل کے اندر عملِ تخمیر

(fermentation) کے ذریعے سڑاند پیدا ہوئی تو وہاں الجی (Algai) یا امیبا (Amoeba) کی صورت میں نباتاتی یا حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ چنانچہ سائنسی تحقیق یہاں قرآن سے اتفاق کرتی نظر آتی ہے' گویا: ع ''متفق گردید رائے بُوعلی با رائے من!''

آیت ۲۷ ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝۲۷﴾ ''اور جنّات کو ہم نے پیدا کیا تھا اس سے پہلے آگ کی لپٹ سے۔''

یہ لفظ ''سموم'' اردو میں بھی معروف ہے۔ موسم گرما میں صحرا میں چلنے والی تیز گرم ہوا کو بادِ سموم کہتے ہیں۔ آگ کے شعلے کا وہ حصہ جو بظاہر نظر آتا ہے اس کے گرد ہالے کی شکل میں اس کا وہ حصہ ہوتا ہے جو عام طور پر نظر نہیں آتا۔ شعلے کے اس نظر نہ آنے والے حصے کا درجہ حرارت نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں ''نارِ سموم'' سے مراد آگ کی وہی لپٹ یا لو مراد ہے جو شدید گرم ہوتی ہے اور اسی سے جنّات کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں ایک نکتہ یہ بھی مدِنظر رہنا چاہیے کہ جنّات کو اگرچہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے مگر وہ آگ نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے مگر ہم مٹی نہیں ہیں۔ دوسری اہم بات یہاں یہ واضح ہوئی کہ جنّات کو انسانوں سے بہت پہلے پیدا کیا گیا تھا۔

آیت ۲۸ ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۸﴾ ''اور یاد کرو جب کہا تھا آپؐ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں ایک بشر کو سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے۔''

یہاں پھر وہی ثقیل اصطلاح (صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ) استعمال ہوئی ہے۔ انسانی تخلیق کی ابتدا کے بارے میں ایک نکتہ یہ بھی لائقِ توجہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی تخلیق کے ان ابتدائی مراحل کا ذکر آیا ہے' وہاں لفظ آدم استعمال نہیں ہوا' بلکہ بشر اور انسان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پورے قرآن میں صرف سورۂ آل عمران کی آیت ۵۹ ایسی ہے جہاں اس ابتدائی تخلیق کے ضمن میں آدمؑ کا ذکر اس طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۵۹﴾ ''یقیناً عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے بنایا' پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔''

آیت ۲۹ ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ﴾ ''پھر جب مَیں اسے پوری طرح درست کر دوں''

کسی بھی تخلیق کے بعد اس کا تسویہ ضروری ہوتا ہے۔ پہلے بنیادی ڈھانچہ بنایا جاتا ہے اور پھر اس کی نوک پلک سنواری جاتی ہے۔ جیسے ایک عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کے بعد اس کی آرائش و زیبائش کی جاتی ہے اور رنگ و روغن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝۲۹﴾ ''اور پھونک دوں میں اس میں اپنی روح میں سے' تو گر پڑنا اس کے لیے سجدے میں۔''

آیت ۳۰ ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰﴾ ''تو سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مل کر۔''

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ میں بہت تاکید پائی جاتی ہے کہ سب کے سب نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا' اور ان میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ رہا۔ جبرائیل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل سمیت سب جھک گئے' کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ فرشتوں کے ساتھ ذکر آنے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ جیسے ابلیس بھی فرشتہ تھا' مگر وہ فرشتہ نہیں تھا' جیسا کہ سورۃ الکہف کی آیت ۵۰ میں ''كَانَ مِنَ الْجِنِّ'' فرما کر واضح کر دیا گیا کہ وہ جنّات میں سے تھا۔

آیت ۳۱ ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝۳۱﴾ ''سوائے ابلیس کے' اُس نے انکار کیا سجدہ کرنے والوں

کے ساتھ ہونے سے۔"

آیت ۳۲ ﴿قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝۳۲﴾ "اللہ نے فرمایا: اے ابلیس کیا ہوا تجھے کہ تُو نہیں ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ؟"

آیت ۳۳ ﴿قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۳۳﴾ "اُس نے کہا: میرے لیے روا نہیں ہے کہ سجدہ کروں اُس بشر کو جسے تُو نے پیدا کیا ہے سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے۔"

آیت ۳۴ ﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝۳۴﴾ "اللہ نے فرمایا: بس نکل جاؤ اس میں سے، تم یقیناً مردود ہو چکے ہو۔" آدم کو سجدہ کرنے کے حکم الٰہی کا انکار کر کے تم راندۂ درگاہ ہو چکے ہو۔ اب یہاں سے فی الفور نکل جاؤ!

آیت ۳۵ ﴿وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳۵﴾ "اور یقیناً تم پر لعنت رہے گی روزِ جزا تک۔"

آیت ۳۶ ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۳۶﴾ "اُس نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے مہلت دے دے اُس دن تک جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔"

آیت ۳۷ ﴿قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۳۷﴾ "اللہ نے فرمایا: (جاؤ) تمہیں مہلت دے دی گئی۔"

آیت ۳۸ ﴿اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۳۸﴾ "وقتِ معیّن کے دن تک۔"

یعنی روزِ قیامت تک تم زندہ رہو گے۔ ویسے تو جنوں کی عمریں انسانوں سے کافی زیادہ ہوتی ہوں گی مگر ایسا کوئی جن بھی نہیں ہے جو اُس ابتدائی تخلیق کے وقت سے لے کر آج تک زندہ ہو، ماسوائے اس ایک جن کے جس کا نام عزازیل ہے۔ باقی اُس کی اولاد اور ذُرّیت اپنی جگہ ہے۔

آیت ۳۹ ﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ "اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! چونکہ تُو نے مجھے گمراہ کیا ہے"

یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ابلیس اپنی اس گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔

﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۳۹﴾ "مَیں یقیناً مزیّن کر دوں گا ان کے لیے زمین میں (دنیا کو) اور مَیں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو۔"

کہ مَیں اولادِ آدم کے لیے زمین میں دنیا کی رونقوں اور اس کی آرائش و زیبائش کو اس حد تک پُرکشش بنا دوں گا کہ وہ اس میں گم ہو کر آپ کو اور آپ کے احکام کو بھول جائیں گے۔ اس طرح میں ان سب کو آپ کے سیدھے راستے سے گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔

آیت ۴۰ ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰﴾ "سوائے تیرے اُن بندوں کے جن کو تُو ان میں سے (اپنے لیے) خالص کر لے۔"

مُخلَصین (لام کی زبر کے ساتھ) سے مراد وہ بندے ہیں جنہیں اللہ خاص اپنے لیے چُن لے، یعنی اللہ ربّ العزت کے محبوب اور برگزیدہ بندے۔ اللہ کے ایسے بندوں کے بارے میں شیطان کا اعتراف ہے کہ ان پر میرا زور نہیں چلے گا۔

آیت ۴۱ ﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝۴۱﴾ "اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے۔" یعنی میرے اور تمہارے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا، تمہیں مہلت دے دی گئی۔ مجھ تک پہنچنے کا راستہ بالکل واضح ہے۔ تم

آدم کو اس راستے سے بہکانے کے لیے اپنا زور آزما لو۔

آیت ۳۹ ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ ''یقیناً میرے بندوں پر تجھے کچھ اختیار نہیں ہوگا''

یعنی صرف ''مُخلَصین'' ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ کسی انسان پر بھی تجھے اختیار نہیں ہوگا۔

﴿اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝۴۲﴾ ''سوائے اُن کے جو خود تیری پیروی کریں گمراہوں میں سے۔''

جو لوگ ''غاوین'' میں سے ہوں گے' خود اُن کے اندر سرکشی ہوگی' وہ خود اپنی نفس پرستی کی طرف مائل ہو کر تیری پیروی کریں گے' اُن کو لے جا کر تُو گمراہی کے جس گڑھے میں چاہے پھینک دے اور جہنم کی جس وادی میں چاہے ان کو گرا دے' مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میرے کسی فرمانبردار بندے پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

آیت ۴۳ ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۴۳﴾ ''اور یقیناً جہنم ہی ان سب کا موعود ٹھکانہ ہے۔''

جو لوگ بھی تیری پیروی کریں گے' ان سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے۔

آیت ۴۴ ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝۴۴﴾ ''اُس (جہنم) کے سات دروازے ہیں' ان میں سے ہر دروازے کا ایک حصہ ہے مقرر شدہ۔''

جہنم کے ہر دروازے میں سے داخل ہونے والے جنوں اور انسانوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہے دروازوں کی یہ تقسیم و تخصیص گناہوں کی نوعیت کے اعتبار سے ہو۔ واللہ اعلم!

اہلِ جہنم کے ذکر کے بعد اب اہلِ جنت کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ موازنے اور فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز و اسلوب قرآن مجید میں ہمیں جگہ جگہ ملتا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝۴۵﴾ ''(اس کے برعکس) یقیناً متقی لوگ ہوں گے باغات اور چشموں میں۔''

آیت ۴۶ ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ۝۴۶﴾ ''(ان سے کہا جائے گا کہ) تم داخل ہو جاؤ ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔''

یہاں تم ہر طرح سے امن میں رہو گے' تمہیں کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

آیت ۴۷ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ''اور ہم نکال دیں گے ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کدورت ہوگی''

یہ مضمون بالکل انہی الفاظ میں سورۃ الاعراف (آیت ۴۳) میں بھی آ چکا ہے۔ اہلِ ایمان کی آپس کی رنجشیں' کدورتیں اور شکایتیں ختم کر کے ان کے دلوں کو ہر قسم کے تکدر سے پاک کر دیا جائے گا۔

﴿اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝۴۷﴾ ''بھائی بھائی (بن کر وہ بیٹھے ہوں گے) تختوں پر آمنے سامنے۔''

جب کسی سے ناراضگی ہو تو آدمی آنکھیں چار نہیں کرتا' لیکن اہلِ جنت کے دل چونکہ ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہوں گے' اس لیے وہ آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں گے۔

آیت ۴۸ ﴿لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ۝۴۸﴾ ''نہیں پہنچے گی انہیں اس میں کوئی تھکان' اور نہ ہی وہ اس میں سے نکالے جائیں گے۔''

اہلِ جنت کو جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکالے جانے کا کھٹکا نہیں ہوگا اور نہ ہی اس میں انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی ہوگی۔

آیات ۴۹ تا ۸۴

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ
ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ
اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا
بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا
الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾
ع اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا
جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ
اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ
اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾
قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾
ع وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدْ
كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا
يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

آیت ۴۹ ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں یقیناً بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہوں۔''

آیت ۵۰ ﴿وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾﴾ ''اور یہ کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔''

یقیناً میں غفور اور رحیم ہوں، مگر دوسری طرف میرا عذاب بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص نڈر اور نچنت بھی نہ ہو جائے، بلکہ

میرے بندوں کو ہر وقت ''بین الخوف والرجا'' کی کیفیت میں رہنا چاہیے۔ وہ میری رحمت اور مغفرت کی امید بھی رکھیں اور میرے عذاب سے ڈرتے بھی رہیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝۵۱﴾ ''اور انہیں ذرا بتایئے ابراہیمؑ کے مہمانوں کے بارے میں۔''

یہ واقعہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہم سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝۵۲﴾ ''جب وہ داخل ہوئے آپؑ کے ہاں تو انہوں نے سلام کیا۔ آپؑ نے کہا کہ ہمیں تو تم سے خوف آ رہا ہے۔''

آپ کے اجنبی ہونے کی وجہ سے، ہمیں آپ سے خدشہ ہے۔ لہٰذا بہتر ہوگا اگر آپ لوگ اپنی شناخت کروا دیں۔

آیت ۵۳ ﴿قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝۵۳﴾ ''انہوں نے کہا کہ ڈریئے نہیں، ہم آپؑ کو ایک صاحبِ علم بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔''

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت اس سے چند برس قبل ہو چکی تھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ''غلام حلیم'' اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے ''غلام علیم'' کے الفاظ آتے ہیں۔

آیت ۵۴ ﴿قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝۵۴﴾ ''آپؑ نے کہا کہ کیا تم مجھے خوشخبری دے رہے ہو باوجود اس کے کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے، تو تم مجھے یہ کیسی خوشخبری دے رہے ہو!''

عَلٰی یہاں پر ''علی الرغم'' کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ میرے بڑھاپے کے باوجود تم مجھے جو بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو تو کہیں تم لوگوں کو کوئی مغالطہ تو نہیں ہو رہا؟

آیت ۵۵ ﴿قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝۵۵﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم آپؑ کو حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں، تو آپؑ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں۔''

انہوں نے بتایا کہ ہم آپ کے ربّ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور یہ جو بشارت ہم نے آپؑ کو دی ہے یہ حقیقی اور قطعی بات ہے، بالکل ایسا ہی ہوگا۔

آیت ۵۶ ﴿قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ۝۵۶﴾ ''آپؑ نے کہا کہ کون ہوگا جو اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو سوائے گمراہوں کے!''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ستاسی (۸۷) برس کی عمر میں بیٹا عطا کیا۔ اسی طرح کا معاملہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ساری عمر بانجھ رہیں، مگر جب وہ دونوں میاں بیوی بہت بوڑھے ہو چکے تھے تو اللہ نے انہیں بیٹا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) عطا کیا۔

آیت ۵۷ ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۷﴾ ''آپؑ نے پوچھا: اے فرستادو! تمہاری کیا مہم ہے؟''

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ آپ لوگوں کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ آپ کو کیا مہم درپیش ہے؟

آیت ۵۸ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۵۸﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہمیں بھیجا گیا ہے ایک مجرم قوم کی طرف۔''

آیت ۵۹ ﴿اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴾ ''سوائے آلِ لوطؑ کے ان سب کو ہم ضرور بچالیں گے۔''

آیت ۶۰ ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝﴾ ''سوائے اُن کی بیوی کے' ہم نے اندازہ ٹھہرالیا ہے کہ وہ یقیناً پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔''

آیت ۶۱ ﴿فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝﴾ ''تو جب لوطؑ کے گھر پہنچے وہ بھیجے ہوئے۔''

آیت ۶۲ ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝﴾ ''اُس (لوطؑ) نے کہا کہ یقیناً تم اجنبی لوگ ہو۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بالکل اجنبی لوگ ہیں' تو انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں' اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟

آیت ۶۳ ﴿قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝﴾ ''انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو آپؑ کے پاس وہ شے لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے۔''

حضرت لوط علیہ السلام جب اپنی قوم کو متنبہ کرتے تھے کہ اگر تم لوگ شرک سے اور اس فعل خبیث سے باز نہیں آؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا' تو وہ آپؑ کا مذاق اڑاتے تھے' کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ ان پر واقعی عذاب آجائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ آج ہم وہی عذاب لے کر آگئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں تھے۔

آیت ۶۴ ﴿وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝﴾ ''اور ہم آئے ہیں آپؑ کے پاس حق (قطعی فیصلے) کے ساتھ اور یقیناً ہم سچے ہیں۔''

آیت ۶۵ ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ ''تو آپؑ اپنے گھر والوں کو لے جائیے رات کے ایک حصے میں' اور آپؑ اُن کے پیچھے پیچھے جائیے' اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے''

یعنی آپ لوگ صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اب دوستی اور ہمدردی جیسے جذبات کا اظہار کسی بھی شکل میں نہیں ہونا چاہیے۔

﴿وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ ''اور آپؑ چلے جائیے جہاں آپؑ کو حکم ہوا ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝﴾ ''اور ہم نے لوطؑ کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔''

وہاں سے نکلنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو بتا دیا گیا کہ اس پوری قوم کو تہس نہس کر دیا جائے گا اور یہاں کوئی ایک متنفس بھی نہیں بچے گا۔

آیت ۶۷ ﴿وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ ''اور آئے اہلِ شہر خوشیاں مناتے ہوئے۔''

حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر بدقماش قسم کے لوگوں نے خوشی خوشی آپؑ کے گھر پر یلغار کر دی۔

آیت ۶۸ ﴿قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝﴾ ''لوطؑ نے کہا: یہ میرے مہمان ہیں' چنانچہ تم لوگ مجھے رسوا نہ کرو۔''

آیت ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴾ ''اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو مت کرو۔''

آیت ﴿ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپؑ کو سب دنیا والوں (کی حمایت میں کھڑے ہونے) سے منع نہیں کیا تھا؟''

کیا ہم آپ کو منع نہیں کر چکے کہ آپ ہر کسی کی طرف داری کرتے ہوئے ہمارے معاملے میں دخل اندازی نہ کیا کریں۔ ہم جس کے ساتھ جو چاہیں کریں' آپ بیچ میں آنے والے کون ہوتے ہیں؟

آیت ﴿ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ ''آپؑ نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔''

قبل ازیں اس فقرے کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یعنی میری قوم کی بیٹیاں جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے لیے فطری ساتھی بنایا ہے۔ اس فقرے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؑ نے اتمامِ حجت کے لیے ان میں سے دو سرداروں کو یہاں تک کہہ دیا ہو کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کیے دیتا ہوں۔

آیت ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ ''قسم ہے آپؐ کی جان کی' وہ لوگ اپنی اس بدمستی میں بالکل اندھے ہو گئے تھے۔''

عمہ کے مادہ میں دل کے اندھے پن کا مفہوم پایا جاتا ہے' یعنی ان لوگوں کے دل بھلائی اور برائی کی تمیز سے بالکل عاری ہو گئے تھے۔

آیت ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴾ ''تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے اجالا ہونے کے وقت۔''

یعنی پو پھٹتے ہی ان پر اللہ کے عذاب کا کوڑا ایک زبردست چنگھاڑ کے ساتھ ٹوٹ پڑا۔

آیت ﴿ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾ ''پھر ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو بنا دیا اس کے نچلے والا' اور ہم نے برسائے ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے کنکر۔''

یعنی ان آبادیوں کو پوری طرح تلپٹ کر دیا گیا اور ان پر سنگِ گل کی بارش برسائی گئی۔

آیت ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔''

''مُتوسّمین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقیہ' آیاتِ تاریخیہ' آیاتِ انفسیہ یا آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے حقیقت کو جاننا اور پہچاننا چاہیں۔ اسم (اصل مادہ ''س م و'' ہے' الف اس کے حروفِ اصلیہ میں سے نہیں ہے) کے معنی علامت کے ہیں۔ اردو میں لفظ ''اسم'' کو نام کے مترادف کے طور پر جانا جاتا ہے' اس لیے کہ کسی چیز یا شخص کا نام بھی ایک علامت کا کام دیتا ہے' جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ لہٰذا جو اصحابِ بصیرت علامتوں سے متوسّم (باب تفعّل) ہوتے ہیں' ان کے لیے ایسے واقعات میں سامانِ عبرت موجود ہے۔

آیت ﴿ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴾ ''اور یہ بستیاں ایک سیدھی راہ پر واقع تھیں۔''

قومِ لوطؑ کی یہ بستیاں اس شاہراہِ عام پر واقع تھیں جو یمن (بحیرۂ عرب) اور شام (بحیرۂ روم) کے ساحلوں کو آپس میں ملاتی

تھی۔ مشرقی ممالک (ہندوستان، چین، جاوا، ملایا وغیرہ) سے یورپ جانے کے لیے جو سامان آتا تھا وہ یمن کے ساحل پر اتارا جاتا تھا اور پھر اس راستے سے تجارتی قافلے اسے شام اور فلسطین کے ساحل پر پہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح یورپ سے مشرقی ممالک کے لیے آنے والا سامان شام کے ساحل پر اترتا تھا اور یہی قافلے اسے یمن کے ساحل پر پہنچانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ اُس وقت نہر سویز بھی نہیں بنی تھی اور ''راس امید'' والا راستہ (Around the Cape of Good Hope) بھی دریافت نہیں ہوا تھا، جو واسکوڈے گاما نے ۱۴۹۸ء میں تلاش کیا۔ چنانچہ یہ شاہراہ اُس زمانے میں مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی رابطے کا واحد ذریعہ تھی۔

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۷۷﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔''

آیت ۷۸ ﴿وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ۝۷۸﴾ ''اور بے شک بَن والے بھی ظالم تھے۔''

''اصحابُ الایکہ'' سے اہلِ مدین مراد ہیں۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی مگر یہاں اس قوم کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ کا نام نہیں لایا گیا۔ ان سب اقوام کا تذکرہ یہاں پر انباء الرسل کے انداز میں ہو رہا ہے۔

آیت ۷۹ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝۷۹﴾ ''تو اُن سے بھی ہم نے انتقام لیا۔ اور یہ دونوں بستیاں بھی کھلے راستے پر واقع تھیں۔''

اس سے مراد وہی تجارتی شاہراہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے۔ یہ اصحابِ حجر کے مساکن سے بھی ہو کر گزرتی تھی جبکہ اہلِ مدین کی آبادیاں اور قومِ لوطؑ کی بستیاں بھی اسی شاہراہ پر واقع تھیں۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۸۰﴾ ''اور (اسی طرح) حجر والوں نے بھی مرسلین کو جھٹلایا۔''

اصحابُ الحجر سے مراد قومِ ثمود ہے۔ قومِ ثمود حجر کے علاقے میں آباد تھی اور ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے۔ جیسے حضرت ہود علیہ السلام کی قومِ عاد کا ذکر ''احقاف'' کے حوالے سے بھی ہوا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف) جو اس قوم کا علاقہ تھا، اسی طرح قومِ ثمود کا ذکر یہاں ''اصحابُ الحجر'' کے نام سے ہوا ہے۔ یہاں پر ''مُرْسَلِیْن'' کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں پہلے بہت سے انبیاء آئے اور پھر آخر میں رسول کی حیثیت سے حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے۔

آیت ۸۱ ﴿وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝۸۱﴾ ''اور انہیں ہم نے اپنی آیات عطا کیں لیکن وہ ان سے اعراض ہی کرتے رہے۔''

قومِ ثمود کو بطور خاص اونٹنی کی صورت میں حسّی معجزہ دکھایا گیا تھا کہ ایک چٹان شق ہوئی اور اس کے اندر سے ایک خوبصورت گابھن اونٹنی برآمد ہوگئی۔

آیت ۸۲ ﴿وَكَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ ۝۸۲﴾ ''اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے امن و سکون کے ساتھ۔''

قومِ ثمود کے یہ گھر آج بھی موجود ہیں اور دیکھنے والوں کو دعوتِ عبرت دے رہے ہیں۔ مَیں نے خود بھی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُصْبِحِیْنَ ۝۸۳﴾ ''تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے صبح کے وقت۔''

آیت ۸۴ ﴿فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸۴﴾ ''تو کچھ کام نہ آسکا اُن کے جو وہ کماتے تھے۔''

وہ خوشحال قوم تھی مگر انہوں نے جو مال و اسباب جمع کر رکھا تھا وہ انہیں عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے کچھ بھی مفید ثابت نہ ہو سکا۔

اس سورۂ مبارکہ میں اب تک تین رسولوں کا ذکر ''انباء الرسل'' کے انداز میں ہوا ہے۔ ان میں سے حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہما السلام کا نام لیے بغیر اُن کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے' جب کہ حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں بھی قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے' بالکل اسی طرح جس طرح سورۂ ہود میں آیا تھا۔

اس سورۃ کی آخری پندرہ آیات دعوتِ دین کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔

آیات ۸۵ تا ۹۹

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَ قُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

آیت ۸۵ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''اور ہم نے نہیں تخلیق کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ۔''

یہ کائنات ایک بامقصد تخلیق ہے' کوئی کھیل تماشا نہیں۔ ہندو مائتھالوجی کی طرز پر یہ کوئی رام کی لیلا نہیں ہے کہ رام جی جس کو چاہیں راجہ بنا کر تخت پر بٹھا دیں اور جسے چاہیں تخت سے نیچے پٹخ دیں' بلکہ یہ کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تخلیق بامعنی اور بامقصد ہے۔ اس حقیقت کو سورۂ آل عمران میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ ''اے ہمارے ربّ! تُو نے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی' تیری ذات اس سے بہت اعلیٰ اور پاک ہے' لہٰذا ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔''

﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ ''اور یقیناً قیامت آ کر رہے گی''

چونکہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز حق کے ساتھ تخلیق کی گئی ہے' لہٰذا اس حق کا منطقی تقاضا ہے کہ ایک یومِ حساب آئے' لہٰذا قیامت آ کر رہے گی۔ اس کائنات کا بغور جائزہ لینے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اس کی تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر

واقعی ایسا ہے تو منطقی سوال اٹھتا ہے کہ پھر انسان کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اور انسان کے اندر جو اخلاقی حس پیدا کی گئی ہے' اسے پیدائشی طور پر نیکی اور بدی کی جو تمیز دی گئی ہے یہاں دنیا میں اس سے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں؟ اس دنیا میں تو اخلاقیات کے اصولوں کے برعکس نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہاں چور ڈاکو اور لٹیرے عیش کرتے نظر آتے ہیں اور نیک سیرت لوگ فاقے کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا اس صورتِ حال کا منطقی تقاضا ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہو جس میں ہر شخص کا پورا پورا حساب ہو اور ہر شخص کو ایسا صلہ اور بدلہ ملے جو اس کے اعمال کے عین مطابق ہو۔

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کریں۔''

یہ مجرم لوگ ہماری پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔ قیامت آئے گی اور یہ لوگ ضرور کیفرِ کردار کو پہنچیں گے' مگر ابھی ہم انہیں ڈھیل دینا چاہتے ہیں' مزید کچھ دیر کے لیے مہلت دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ فی الحال ان کی دل آزار باتیں برداشت کریں' ان کی معاندانہ سرگرمیوں کے جواب میں صبر کریں اور احسن انداز میں اس سب کچھ کو نظر انداز کر دیں۔ اس رویے اور ایسے طرزِ عمل سے آپ ﷺ کے درجات بلند ہوں گے۔

آیت ۸۶ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾﴾ ''یقیناً آپ کا رب پیدا کرنے والا' خوب جاننے والا ہے۔''

وہ جو پیدا کرنے والا ہے' اپنی مخلوق کو خوب جانتا بھی ہے۔ سورۃ الملک میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾﴾ ''کیا اُسی کے علم میں نہیں ہوگا جس نے پیدا کیا؟ بلکہ وہ تو نہایت باریک بین باخبر ہے''۔ کسی مشین کو بنانے والا اس کے تمام کل پُرزوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔

آیت ۸۷ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾﴾ ''اور ہم نے آپ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن۔''

اس پر تقریباً تمام اُمت کا اجماع ہے کہ یہاں سات بار بار دہرائے جانے والی آیات سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ حدیث میں سورۃ الفاتحہ کو نماز کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) (متفق علیہ) یعنی جو شخص (نماز میں) سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں۔ قبل ازیں سورۃ الفاتحہ کے مطالعے کے دوران ہم وہ حدیثِ قدسی بھی پڑھ چکے ہیں جس میں سورۃ الفاتحہ ہی کو نماز قرار دیا گیا ہے: ((قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ...)) (رواہ مسلم) اب جبکہ ہر نمازی اپنی نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے تو اندازہ کریں کہ دنیا بھر میں ان سات آیات کی تلاوت کتنی مرتبہ ہوتی ہوگی۔ اس کے علاوہ آیت زیر نظر میں اس سورۃ کو ''قرآنِ عظیم'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یعنی اہمیت اور فضیلت کے اعتبار سے سورۃ الفاتحہ قرآنِ عظیم کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس سورت کو اساس القرآن اور اُمّ القرآن قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے الکافیہ (کفایت کرنے والی) اور الشافیہ (شفا دینے والی) جیسے نام بھی دیے گئے ہیں۔

ایک حدیث کے مطابق سورۃ الفاتحہ جیسی کوئی سورت نہ تورات میں ہے' نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن میں۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ دیکھیں ہم نے آپ کو اتنا بڑا خزانہ عطا فرمایا ہے۔ ابوجہل اگر خود کو مالدار سمجھتا ہے' ولید بن مغیرہ اپنے زعم میں اگر بہت بڑا سردار ہے تو آپ (ﷺ) مطلق پروانہ کریں۔ ان لوگوں کی سوچ کے اپنے پیمانے ہیں۔ ان بدبختوں کو کیا معلوم کہ ہم نے آپؐ کو کتنی بڑی دولت سے نوازا ہے!

آیت ۸۸ ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ''آپؐ آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس مال و متاع کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے''

ابوجہل کی دولت و شوکت' ولید بن مغیرہ کے باغات اور ان جیسے دوسرے کافروں کی جاگیریں آپؐ کو ہرگز متاثر نہ کریں۔ آپؐ ان کی ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دنیا و مافیہا کی حیثیت اللہ کی نگاہ میں مچھر کے ایک پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی تک نہ دیتا۔ چنانچہ ان کفار کو جو مال و متاع اس دنیا میں دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ اہلِ ایمان کو بھی چاہیے کہ وہ بھی مال و دولتِ دنیا کو اسی نظر سے دیکھیں۔

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور آپؐ ان کی حالت پر غم نہ کریں''

یہ لوگ آپؐ کی دعوت کو ٹھکرا کر عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں۔ ان میں آپؐ کے قبیلے کے افراد بھی شامل ہیں اور ابولہب جیسے عزیز و اقارب بھی' مگر آپؐ اب ان لوگوں کے انجام کے بارے میں بالکل پریشان نہ ہوں۔

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝٨٨﴾ ''اور اہلِ ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں۔''

اہلِ ایمان کے ساتھ آپ (ﷺ) شفقت اور مہربانی سے پیش آئیں۔ ان لوگوں میں فقراء و مساکین بھی ہیں اور غلام بھی۔ یہ لوگ جب آپؐ کے پاس حاضر ہوں تو کمال تواضع سے ان کا استقبال کیجیے اور ان کی دلجوئی فرمائیے۔ اس سے قبل یہی بات اس انداز میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ۵۴)۔ سورۃ الشعراء میں بھی اس مضمون کو ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝٢١٥﴾ کہ اہلِ ایمان جو آپ (ﷺ) کی پیروی کر رہے ہیں' آپ اپنے کندھے ان کے لیے جھکا کر رکھیے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں والدین کے ادب و احترام کے سلسلے میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ ادب' محبت' عاجزی اور انکساری کا معاملہ کرے۔

آیت ۸۹ ﴿وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۝٨٩﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ میں تو کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔''

میری اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو واضح طور پر خبردار کر دوں۔

آیت ۹۰ ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۝٩٠﴾ ''جیسے کہ ہم نے نازل کیا ان تقسیم کرنے والوں پر۔''

آیت ۹۱ ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۝٩١﴾ ''جنہوں نے (اپنے) قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔''

اس آیت کے مفہوم کے سلسلے میں مفسرین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔ اس ضمن میں زیادہ قرینِ قیاس رائے یہ ہے کہ یہاں لفظ ''قرآن'' کا اطلاق تورات پر ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ سبا کی آیت ۳۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ یعنی کفار کہتے ہیں کہ نہ اس قرآن پر ایمان لاؤ اور نہ اُس پر جو اس سے پہلے تھا۔ تو گویا تورات بھی قرآن ہی تھا اور یہود نے اپنے مفادات کے لیے اپنے اس قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ان کے اس کارنامے کا تذکرہ سورۃ الانعام کی آیت ۹۱ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا﴾ ''تم نے اس (تورات) کو ورق ورق کر دیا ہے' ان میں سے کسی حصے کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو۔''

آیت ۹۲ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝٩٢﴾ ''تو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ کر رہیں گے۔''

اس آیت کا مضمون اور انداز وہی ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں: ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶﴾ ''ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے اُن سے بھی جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور اُن سے بھی جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا''۔ چنانچہ اے نبی (ﷺ) یہ تھوڑے وقت کی بات ہے' ہم ان سے ایک ایک چیز کا حساب لے کر رہیں گے۔

آیت ۹۳ ﴿عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۳﴾ ''جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۴﴾ ''اب آپؐ علی الاعلان بیان کریں جس کا آپؐ کو حکم دیا جا رہا ہے اور ان مشرکوں کی ذرا پروا نہ کریں۔''

اس حکم کو رسول اللہ ﷺ کی دعوتی تحریک میں ایک نئے موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے قبل آپ ﷺ اپنے قریبی ساتھیوں اور رشتہ داروں کو انفرادی طور پر دعوت دے رہے تھے' جیسے آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی' اپنے پرانے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دعوت دی' اپنے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعتماد میں لیا جو آپؐ کے زیر کفالت بھی تھے اور اپنے آزاد کردہ غلام اور مُنہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بھی بات کی۔ آپ ﷺ کی اس انفرادی دعوت کا سلسلہ ابتدائی طور پر تقریباً تین سال پر محیط نظر آتا ہے۔ بعض لوگ اس دور کی دعوت کو ایک خفیہ (underground) تحریک سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ اعلانِ نبوت کے بعد آپ ﷺ کی سیرت میں کوئی دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں آپ ﷺ نے اپنی اس دعوت کو خفیہ رکھا ہو' مگر ایسا ضرور ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت فطری اور تدریجی انداز میں آگے بڑھی اور آہستہ آہستہ ارتقاپذیر ہوئی۔

اس دعوت کا آغاز گھر سے ہوا' پھر آپ ﷺ تعلق اور قرابت داری کی بنیاد پر مختلف افراد کو انفرادی انداز میں دعوت دیتے رہے اور پھر تقریباً تین سال کے بعد آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ اب آپ ﷺ علی الاعلان یہ دعوت دینا شروع کر دیں۔ اس حکم کے بعد آپ ﷺ نے ایک دن عرب کے رواج کے مطابق کوہِ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو اونچی آواز سے اپنی طرف بلانا شروع کیا: وَاصَبَاحَاہ ، وَاصَبَاحَاہ! عرب میں رواج تھا کہ کسی اہم خبر کا اعلان کرنا ہوتا تو ایک آدمی اپنا پورا لباس اتارتا' بالکل ننگا ہو کر کسی اونچی جگہ پر چڑھ جاتا اور ''وَاصَبَاحَاہ'' کا نعرہ لگاتا' کہ ہائے وہ صبح جو آیا چاہتی ہے! یعنی میں تم لوگوں کو آنے والی صبح کی خبر دینے والا ہوں! اس زمانے میں ایسی خبر عام طور پر کسی مخالف قبیلہ کے شب خون مارنے کے بارے میں ہوتی تھی کہ فلاں قبیلہ آج صبح سویرے تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو ''نذیرِ عریاں'' کہا جاتا تھا۔ اس رواج کے مطابق (لباس اتارنے کی بیہودہ رسم کو چھوڑ کر) آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر ''وَاصَبَاحَاہ'' کا نعرہ لگایا۔ جس جس نے آپ ﷺ کی آواز سنی وہ بھاگم بھاگ آپ ﷺ کے پاس آ پہنچا کہ آپ ﷺ کوئی اہم خبر دینے والے ہیں۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کیا' جس کے جواب میں آپؐ کے بدبخت چچا ابولہب نے کہا: تَبًّا لَکَ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا؟ ☆ ''تمہارے لیے ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) اس کام کے لیے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟'' دعوت کو ڈنکے کی چوٹ بیان کرنے کے اس حکم اور اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

☆ ابولہب کے اس قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورۃ ''اللّھب'' نازل فرمائی۔ جس کی پہلی آیت میں ہی فرمایا: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱﴾ ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔'' (مرتّب)

آیت ۹۵ ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝۹۵﴾ ''ہم آپؐ کی طرف سے کافی ہیں ان استہزا کرنے والوں (سے نمٹنے) کے لیے۔''

آپؐ ان کی مخالفت کی پروانہ کریں' ہم ان سے اچھی طرح نمٹ لیں گے۔ یہ لوگ آپؐ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔

آیت ۹۶ ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۹۶﴾ ''جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود گھڑے بیٹھے ہیں۔ تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

ایسے لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی اور وہ کن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

آیت ۹۷ ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝۹۷﴾ ''اور ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان کی باتوں سے۔''

علی الاعلان دعوت کی وجہ سے مخالفت کا ایک طوفان آپؐ پر امڈ آیا تھا۔ پہلے مرحلے میں یہ مخالفت اگرچہ زبانی طعن و تشنیع اور بدگوئی تک محدود تھی مگر بہت تکلیف دہ تھی۔ کسی نے مجنون اور کاہن کہہ دیا' کسی نے شاعر کا خطاب دے دیا۔ کوئی دور کی کوڑی لایا کہ آپؐ نے گھر میں ایک عجمی غلام چھپا رکھا ہے' اس سے معلومات لے کر ہم پر دھونس جماتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو واقعی سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ پر آسیب وغیرہ کے اثرات ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگ از راہِ ہمدردی ایسی باتوں کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ نے اسی طرح آپ ﷺ سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ وہ قبیلے کا معمر بزرگ تھا۔ اُس نے کہا: اے میرے بھتیجے' بڑے بڑے عاملوں اور کاہنوں سے میرے تعلقات ہیں' آپ (ﷺ) کہیں تو میں ان میں سے کسی کو بلا لاؤں اور آپؐ کا علاج کراؤں؟ ان سب باتوں سے آپؐ کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور آپؐ کی اسی تکلیف اور دل کی گھٹن کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اے نبی (ﷺ)! ان لوگوں کی بیہودہ باتوں سے آپؐ کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۳۳ میں بھی گزر چکا ہے۔

آیت ۹۸ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۹۸﴾ ''پس آپؐ تسبیح کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جایئے۔''

آپؐ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں۔ اُسی کے آگے جھکے رہیں اور اس طرح اپنے تعلق مع اللہ کو مزید مضبوط کریں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس قلبی اور ذہنی رشتے کو جتنا مضبوط کریں گے اسی قدر آپ ﷺ کے دل کو سکون و اطمینان ملے گا اور صبر و استقامت کے راستے پر چلنا اور ان سختیوں کو جھیلنا آپؐ کے لیے آسان ہو گا۔

آیت ۹۹ ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝۹۹﴾ ''اور اپنے رب کی بندگی میں لگے رہیں یہاں تک کہ یقینی شے وقوع پذیر ہو جائے۔''

عام طور پر یہاں ''یقین'' سے موت مراد لی گئی ہے۔ یعنی اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اس کی بندگی میں لگے رہیے اور اس سلسلے میں لمحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہ کیجیے:

تا دمِ آخر دمے فارغ مباش اندریں رہ مے تراش و مے خراش!

بعض لوگ یہاں ''یقین'' سے اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی مراد لیتے ہیں کہ کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ جائے' اُس کی مدد اہلِ حق کے شاملِ حال ہو جائے اور انہیں کفار پر غلبہ حاصل ہو جائے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ۝۝

سُوْرَةُ النَّحْلِ

تمہیدی کلمات

سورۂ یونس سے شروع ہونے والے مکّی سورتوں کے طویل سلسلے کی اب تک ہم چھ سورتوں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان چھ سورتوں کو بھی ہم نے تین تین سورتوں کے مزید دو ذیلی گروپس میں تقسیم کیا تھا۔ پہلے گروپ میں شامل تین سورتیں (یونس، ہود اور یوسف) نسبتاً طویل ہیں، جبکہ دوسرے گروپ کی سورتیں (الرعد، ابراہیم اور الحجر) نسبتاً چھوٹی ہیں۔ دوسرے گروپ کی ان سورتوں میں پہلی دو یعنی سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم میں نسبتِ زوجیت ہے جبکہ سورۃ الحجر بالکل منفرد نوعیت کی سورۃ ہے۔ اب سورۃ النحل سے مکّی سورتوں کے اس طویل سلسلے کے تیسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں سورۃ النحل، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں بھی نسبتاً طویل ہیں۔ ان میں سورۃ النحل منفرد ہے جبکہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں جوڑے کا تعلق ہے۔

سورۃ النحل کا زمانۂ نزول مکّہ کا آخری دور معلوم ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بہت جامعیت کے ساتھ ہوا ہے اور اس کے مضامین کی سورۃ الانعام اور سورۃ الروم کے مضامین کے ساتھ گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔

آیات ۱ تا ۹

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا: ۱۲۸ — رُكُوْعَاتُهَا: ۱۶

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ
اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴
وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ
تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ
اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ ع

آیت ۱ ﴿اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ﴾ ”اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، پس تم جلدی مت مچاؤ۔“

جب ہم نے اپنا رسولؐ بھیج دیا اور اس پر اپنا کلام بھی نازل کرنا شروع کر دیا ہے تو گویا فیصلہ کُن وقت آن پہنچا ہے۔ اب معاملہ صرف مہلت کے دورانیے کا ہے کہ ہمارے رسول اور ہمارے پیغام کا انکار کرنے والوں کو مشیتِ الٰہی کے مطابق کس قدر مہلت ملتی ہے۔

بہرحال اب جلدی مچانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا عذاب بس اب آیا ہی چاہتا ہے اس کے لیے اب بہت زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱﴾ ''وہ پاک اور بلند و بالا ہے اُس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔''

آیت ۲ ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲﴾

''وہ اُتارتا ہے فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے' کہ خبردار کر دو (میرے بندوں کو) کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔''

بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ سے مراد اللہ کی وحی ہے۔ یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے اپنی وحی کے لیے چُن لیا اور آپ ﷺ کی طرف حضرت جبرائیلؑ وحی لے کر آئے۔ یہاں پر لفظ ''امر'' کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ' اُسی کے لیے خلق ہے اور اُسی کے لیے امر''۔ یعنی عالمِ خلق اور عالمِ امر دو الگ الگ عالم ہیں۔ عالمِ امر کا معاملہ یہ ہے کہ اُس میں وقت کا عامل بالکل کارفرما نہیں۔ اس عالم میں کسی کام کے کرنے یا کوئی واقعہ وقوع پذیر ہونے میں وقت درکار نہیں ہوتا۔ بس اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور اس کے ''کُن'' فرمانے سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۸۲﴾ ''اُس کا امر تو یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس یہی ہوتا کہ وہ اسے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

اس کے برعکس عالمِ خلق میں کسی کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں وقت درکار ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں متعدد بار فرمایا گیا کہ اللہ نے زمین و آسمان چھ دنوں میں تخلیق کیے۔ اسی طرح دنیا کا سارا نظام عالمِ خلق کے اصولوں پر چل رہا ہے۔ مثلاً آم کی گٹھلی سے کونپلیں پھوٹتی ہیں' پھر بڑھتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں وقت درکار ہوتا ہے۔

یہاں پر روح کے ذکر کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ عالمِ امر کی صرف تین چیزیں ہی ہمارے علم میں ہیں۔ ملائکہ' روح اور وحی۔ قرآن میں ملائکہ کو بھی روح کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لیے روح القدس اور روح الامین کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الشعراء میں فرمایا گیا: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝۱۹۳﴾ جبکہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۷ میں ارشاد ہوا: ﴿وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ﴾۔ اسی طرح قرآن میں وحی کو بھی روح کہا گیا ہے' اور یہ وحی نازل بھی روح پر ہوتی ہے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کا ادراک طبعی حواسِ خمسہ سے نہیں کرتے تھے' بلکہ وحی براہِ راست آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوتی تھی۔ اس لیے کہ قلبِ محمدیؐ روحِ محمدی ﷺ کا مسکن تھا: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝۱۹۳ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝۱۹۴﴾ (الشعراء)۔ چنانچہ وحی بھی روح ہے' اس کو لانے والے جبریلِ امین علیہ السلام بھی روح ہیں اور اس کا نزول بھی روحِ محمدی ﷺ پر ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں جگر مرادآبادی کا یہ شعر اُن کی کسی خاص کیفیت کا مظہر معلوم ہوتا ہے ؎

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سنے اور روح سنائے!

آیت ۳ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳﴾ ''اُس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ بہت بلند ہے اُس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔''

آیت ۴ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴﴾ ''اُس نے پیدا کیا انسان کو گندے پانی کی بوند سے

پھر یکا یک وہ بن گیا کھلا جھگڑالو۔''

انسان اپنے خود ساختہ نظریات کے حق میں خوب بحثیں کرتا ہے' عقلی و نقلی دلیلیں دیتا ہے اور زورِ خطابت سے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔

آیت ۵ ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵﴾ ''اور چوپایوں کو بھی اُس نے پیدا کیا' ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان اور کئی دوسرے فائدے بھی ہیں' اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔''

بعض جانوروں کی اون سے تم لوگ لباس بُنتے ہو' جو سردی کے موسم میں تمہیں گرمی پہنچاتا ہے' بعض جانوروں کے بالوں سے بہت سی دوسری چیزیں بناتے ہو۔ اسی طرح یہ جانور اور بھی بہت سی صورتوں میں تمہارے لیے مفید اور مددگار ہوتے ہیں' حتیٰ کہ تمہاری خوراک کی بیشتر ضروریات بھی انہی سے پوری ہوتی ہیں۔

آیت ۶ ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶﴾ ''اور تمہارے لیے ان میں بڑی شان و شوکت ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر لاتے ہو اور جب (صبح کے وقت) چرانے کے لیے لے جاتے ہو۔''

دیہاتی ماحول میں مویشیوں کی حیثیت بہت قیمتی سرمائے کی سی ہوتی ہے' اسی لیے انہیں مال مویشی کہا جاتا ہے۔ یہ جانور جب صبح چرنے کے لیے جاتے ہیں یا شام کے وقت جنگل سے چر کر واپس آ رہے ہوتے ہیں تو اُن کے مالکوں کے لیے یہ بڑا خوش کن منظر ہوتا ہے۔ جانوروں کا گلہ یا ریوڑ جتنا بڑا ہوگا' اس کے مالک کی حیثیت اور شان و شوکت اسی قدر زیادہ سمجھی جائے گی۔

آیت ۷ ﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ﴾ ''اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسی بستیوں کی طرف جن تک تم نہیں پہنچنے والے ہوتے مگر جان توڑ کر۔''

ان میں ایسے جانور بھی ہیں جو ساز و سامان کے نقل و حمل میں تمہارے کام آتے ہیں اور اُن کے بغیر تم یہ بھاری چیزیں اٹھا کر دور دراز علاقوں تک نہیں پہنچا سکتے۔

﴿اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷﴾ ''یقیناً تمہارا رب شفقت فرمانے والا' مہربان ہے۔''

آیت ۸ ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ﴾ ''اور (اُسی نے پیدا کیے) گھوڑے اور خچر اور گدھے' کہ تم ان پر سواری کرو اور (تمہارے لیے ہے اُن میں) زینت بھی۔''

ان مویشیوں سے انسان کو بہت سے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس کے لیے باعثِ زیب و زینت بھی ہیں۔ خصوصی طور پر گھوڑا بہت حسین اور قیمتی جانور ہے اور اس کا مالک اسے اپنے لیے باعثِ فخر و تمکنت سمجھتا ہے۔

﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸﴾ ''اور (ایسی چیزیں بھی) وہ پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔''

یعنی یہ تو چند وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں تم لوگ جانتے ہو' مگر اللہ تعالیٰ تو بے شمار ایسی چیزیں بھی تخلیق فرماتا ہے جن کے بارے میں تمہیں کچھ بھی علم نہیں۔

آیت ۹ ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ﴾ ''اور اللہ تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے اور ان میں کچھ ٹیڑھے بھی ہیں۔''

یہ سیدھا راستہ توحید کا راستہ ہے۔ یہاں اس راستے کو ''قصد السبیل'' کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن میں اسے صراطِ مستقیم بھی کہا گیا ہے اور سواء السبیل بھی۔ یہی ایک راستہ ہے جو انسان کو اللہ تک پہنچاتا ہے' مگر بہت سے لوگ اس راستے سے بھٹک کر ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر مڑ جاتے ہیں جو انہیں گمراہی کے گڑھوں میں گرا دیتی ہیں۔

﴿وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔''

اللہ اگر چاہتا تو سب انسانوں کو اسی ایک سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق اور سمجھ بوجھ دے دیتا۔

آیات ۱۰ تا ۲۳

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۷ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ۝۱۹ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۲۰ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۲۱ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۲۲ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝۲۳

ع ۱۳ ۸

آیت ۱۰ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰﴾ ''وہی ہے جس نے اتارا ہے آسمان سے تمہارے لیے پانی' اسی سے ہے (تمہارا) پینا اور اسی سے ہیں درخت (نباتات وغیرہ)' جن میں تم (اپنے جانوروں کو) چراتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ ہی بارش اور برف کی صورت میں بادلوں سے پانی برساتا ہے جس پر انسانی زندگی کا براہِ راست انحصار ہے اور پھر یہی پانی بے شمار نباتاتی اور حیوانی مخلوقات کو زندگی بخشتا ہے جو انسان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ﴾ ''وہ اُگاتا ہے تمہارے

لیے اس (پانی) سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔''

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی کے بے شمار انداز ہیں' اس کی تخلیق میں لامحدود تنوع' بوقلمونی اور رنگا رنگی ہے۔ چنانچہ اب ایک دوسرے پہلو سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہونے جا رہا ہے:

آیت ۱۲ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۙ﴾ ''اور اُس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو''

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رات اپنی جگہ اہم ہے اور دن کی اپنی اہمیت ہے۔ رات میں مجموعی طور پر ایک سکون ہے۔ یہ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لیے باعثِ راحت ہے' اس میں وہ آرام کرتے ہیں' سوتے ہیں اور صبح تازہ دم ہو کر اٹھتے ہیں۔ دوسری طرف دن میں بھاگ دوڑ' محنت' جدّ و جہد اور مختلف النوع انسانی سرگرمیاں ممکن ہوتی ہیں۔ اگر اس پہلو سے دنیا کے اجتماعی نظام کو دیکھا جائے تو یہ پورا نظام رات اور دن کے وجود کا مرہونِ منت نظر آتا ہے۔ نباتاتی نظام کو ہی لے لیجیے۔ اس کے لیے رات اور دن دونوں ہی ناگزیر ہیں۔ دن کو سورج کی روشنی اور تمازت سے نباتات کے لیے Photosynthesis کا عمل ممکن ہوتا ہے جو اُن کی نشوونما کے لیے ناگزیر ہے۔ فصلوں اور پھلوں کو بھی پکنے کے لیے سورج کی روشنی اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری طرف رات کو نباتات respiration کے عمل کے ذریعے سے آکسیجن حاصل کرتے ہیں۔ گویا رات اور دن کے بغیر نباتات کا وجود ممکن ہی نہیں ہے اور انسانی زندگی میں نباتات کے عمل دخل کا تصور کریں تو اس ایک مثال سے ہی یہ حقیقت سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دن اور رات کو انسان کے لیے مسخر کر دینا کتنی بڑی نعمت ہے۔

﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ ''اور سورج اور چاند کو' اور ستارے بھی مسخر ہیں اُسی کے حکم سے۔''

پورا نظامِ شمسی اور تمام اجرامِ فلکی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کی نفع رسانی میں مصروف ہیں۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔''

آیت ۱۳ ﴿وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ﴾ ''اور جو چیزیں اُس نے پھیلا دی ہیں تمہارے لیے زمین میں اُن کے مختلف رنگ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زمین میں رنگا رنگ قسم کے حیوانات' نباتات اور جمادات پیدا کیے ہیں۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳﴾ ''یقیناً اس میں بھی نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو نصیحت اخذ کریں۔''

آیت ۱۴ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا﴾ ''اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہاری ضروریات پوری کرنے میں لگا دیا ہے تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت''

سمندری خوراک ہمیشہ سے انسانی زندگی میں بہت اہم رہی ہے۔ دورِ جدید میں اس کی افادیت مزید نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

﴿وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ﴾ ''اور تاکہ تم نکالو اس میں سے بناؤ سنگھار کا سامان جو تم پہنتے ہو۔''

سمندر سے موتی اور بہت سی دوسری ایسی اشیاء نکالی جاتی ہیں جن سے زیورات اور آرائش وزیبائش کا سامان تیار ہوتا ہے۔

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ﴾ ''اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں اس (سمندر) میں''

﴿وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾﴾ ''اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔''

آیت ۱۵ ﴿وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾﴾ ''اور اُس نے زمین میں لنگر ڈال دیے ہیں کہ تمہیں لے کر لڑھک نہ جائے اور اس میں ندیاں (بہادی ہیں) اور راستے (بنا دیے ہیں) تا کہ تم اپنی منزلوں تک پہنچا کرو۔''

یہاں اَنْھٰرًا وَّسُبُلًا کے اکٹھے ذکر کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو عملی طور پر بھی ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ پہاڑی سلسلوں میں عام طور پر ندیوں کی گزرگاہوں کے ساتھ ساتھ ہی راستے بنتے ہیں۔ اسی طرح پہاڑوں کے درمیان قدرتی وادیاں انسانوں کی گزرگاہیں بھی بنتی ہیں اور پانی کے ریلوں کو راستے بھی فراہم کرتی ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾﴾ ''اور دوسری علامتیں بھی ہیں۔ اور وہ ستاروں سے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی مدد کے لیے زمین میں طرح طرح کی علامتیں بنائیں تا کہ مختلف علاقوں اور راستوں کی پہچان ہو سکے۔ اسی طرح آسمان کے ستاروں کو بھی سمتوں اور راستوں کے تعین کا ایک ذریعہ بنا دیا۔ پرانے زمانے میں سمندری اور صحرائی سفر رات کے وقت ستاروں کی مدد سے ہی ممکن ہوتے تھے۔

آیت ۱۷ ﴿أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾﴾ ''تو کیا جو (یہ سب کچھ) پیدا کرتا ہے اُن کی طرح ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرتے؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

مشرکینِ عرب نے مختلف ناموں سے جو بُت بنا رکھے تھے اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ سورۂ یونس کی آیت ۱۸ میں ان کے اس عقیدے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ﴿وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔ اللہ کے بارے میں ان کا ماننا تھا کہ وہ کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ان کے معبودوں کا اس تخلیق میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی وہ کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہیں۔ قرآن میں ان کے اس عقیدے کا بھی بار بار ذکر آیا ہے: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ﴾ (لقمان:۲۵) ''اگر آپؐ ان سے پوچھیں گے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو لازماً یہی کہیں گے کہ اللہ نے!'' ان لوگوں کے اسی عقیدے کی بنیاد پر یہاں یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود جو کچھ بھی تخلیق کرنے کی قدرت نہیں رکھتے' کیا وہ اللہ کی مانند ہو سکتے ہیں جو اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق ہے؟ اور اگر تم تسلیم کرتے ہو کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا پھر بھی تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے ہو؟

آیت ۱۸ ﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو اُن کا احاطہ نہیں کر سکو گے۔''

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی گنتی تو کجا اس کی بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن سے انسان فیض یاب تو ہو رہا ہے لیکن ان تک انسان کے حواس

شعور کی ابھی پہنچ ہی نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸﴾ ''یقیناً اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝۱۹﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔''

آیت ۲۰ ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۲۰﴾ ''اور جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ کچھ پیدا نہیں کرتے' بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔''

انبیاء و رسل ہوں' ملائکہ ہوں یا اولیاء اللہ' سب مخلوق ہیں' خالق صرف اللہ کی ذات ہے۔

آیت ۲۱ ﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۲۱﴾ ''مُردہ ہیں' زندہ نہیں ہیں۔ اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

جن اولیاء اللہ کے ناموں پر انہوں نے بُت بنا رکھے ہیں وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں' وہ فوت ہو چکے ہیں اور انہیں کچھ معلوم نہیں کہ قیامت کب برپا ہو گی اور کب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

آیت ۲۲ ﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ ''تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

﴿فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۲۲﴾ ''تو وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔''

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں آخرت کا یقین نہیں ہے وہ حق بات کو قبول کرنے سے کیوں جھجکتے ہیں اور ان کے اندر استکبار کیوں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کا فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص فطرتِ سلیمہ کا مالک ہے اس کے اندر اچھائی اور برائی کی تمیز موجود ہوتی ہے۔ اس کا دل اس حقیقت کا قائل ہوتا ہے کہ اچھائی کا اچھا بدلہ ملنا چاہیے اور برائی کا برا ع ''گندم از گندم بروید' جو ز جو!''

یہی فلسفہ یا تصور منطقی طور پر ایمان بالآخرت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مگر دنیا میں جب پوری طرح نیکی کی جزا اور برائی کی سزا ملتی ہوئی نظر نہیں آتی تو ایک صاحبِ شعور انسان لازماً سوچتا ہے کہ اعمال اور اس کے نتائج کے اعتبار سے دنیوی زندگی ادھوری ہے اور اس دنیا میں انصاف کی فراہمی کما حقہٗ ممکن ہی نہیں۔ مثلاً اگر ایک ستر سالہ بوڑھا ایک نوجوان کو قتل کر دے تو اس دنیا کا قانون اسے کیا سزا دے گا؟ ویسے تو یہاں انصاف تک پہنچنے کے لیے بہت سے کٹھن مراحل طے کرنے پڑتے ہیں' لیکن اگر یہ تمام مراحل طے کر کے انصاف مل بھی جائے تو قانون زیادہ سے زیادہ اس بوڑھے کو پھانسی پر لٹکا دے گا۔ لیکن کیا اس بوڑھے کی جان واقعی اس نوجوان مقتول کی جان کے برابر ہے؟ نہیں' ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ نوجوان تو اپنے خاندان کا واحد سہارا تھا' اس کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہوئے' ایک نوجوان عورت بیوہ ہوئی' خاندان کا معاشی سہارا چھن گیا۔ اس طرح اس کے لواحقین اور خاندان کے لیے اس قتل کے اثرات کتنے گھمبیر ہوں گے اور کہاں کہاں تک پہنچیں گے' اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ دوسری طرف وہ بوڑھا شخص جو اپنی طبعی عمر گزار چکا تھا' جس کے بچے خود مختار زندگیاں گزار رہے ہیں' جس کی کوئی معاشی ذمہ داری بھی نہیں ہے' اس کے پھانسی پر چڑھ جانے سے اس کے پس ماندگان پر ویسے اثرات مرتب نہیں ہوں گے جیسے اس نوجوان کی جان جانے سے اس کے پس ماندگان پر ہوئے تھے۔ ایسی

صورت میں دنیا کا کوئی قانون مظلوم کو پورا پورا بدلہ دے ہی نہیں سکتا۔ ایسی مثالیں عقلی اور منطقی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ یہ دُنیا نامکمل ہے۔ اس دنیا کے معاملات اور افعال کا ادھورا پن ایک دوسری دنیا کا تقاضا کرتا ہے جس میں اس دنیا کے تشنۂ تکمیل رہ جانے والے معاملات پورے انصاف کے ساتھ اپنے اپنے منطقی انجام کو پہنچیں۔ اب ایک ایسا شخص جو فطرتِ سلیمہ کا مالک ہے' اس کے شعور میں نیکی اور بدی کا ایک واضح اور غیر مبہم تصور موجود ہے' وہ لازمی طور پر آخرت کے بارے میں مذکورہ منطقی نتیجے پر پہنچے گا اور پھر وہ قرآن کے تصورِ آخرت کو قبول کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کرے گا' مگر اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جس کے شعور میں نیکی اور بدی کا واضح تصور موجود نہیں' وہ قرآن کے تصورِ آخرت پر بھی دل سے یقین نہیں رکھتا اور فکرِ آخرت سے بے نیاز ہو کر غرور اور تکبر میں بھی مبتلا ہو چکا ہے' اُس کا دل پیغامِ حق کو قبول کرنے سے بھی منکر ہو گا۔ ایسے شخص کے سامنے حکیمانہ درس اور عالمانہ وعظ سب بے اثر ثابت ہوں گے۔

آیت ۲۳ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ﴾ ''کوئی شک نہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝۲۳﴾ ''یقیناً وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیات ۲۴ تا ۳۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴ لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۲۵ ع قَدْ مَكَرَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۷ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ
سُوْٓءٍ ؕ بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹ وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰
جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي
اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲

آیت ۲۴ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ﴾ ''اور جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟''

نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا چرچا جب مکہ کے اطراف واکناف میں ہونے لگا تو لوگ اہلِ مکہ سے پوچھتے کہ محمد (ﷺ) جو کہہ رہے ہیں کہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے' تم لوگوں نے تو یہ کلام سنا ہے' چنانچہ تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس کے مضامین کیا ہیں؟

﴿قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔''

کہ یہ کلام تو بس پرانے قصے کہانیوں پر مشتمل ہے۔ یہ سب گزشتہ قوموں کے واقعات ہیں جو اِدھر اُدھر سے سن کر ہمیں سنا دیتے ہیں اور پھر ہم پر دھونس جماتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

آیت ۲۵ ﴿لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ﴾ ''تا کہ یہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن''

یوں ان کے دل حق کی طرف مائل نہیں ہو رہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ روزِ قیامت وہ اپنی اس گمراہی اور سرکشی کے وبال میں گرفتار ہوں گے۔

﴿وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ﴾ ''اور کچھ اُن لوگوں کے بوجھ بھی جنہیں یہ گمراہ کر رہے ہیں لاعلمی میں۔''

یعنی قیامت کے دن وہ نہ صرف اپنی گمراہی کا خمیازہ بھگتیں گے' بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کی گمراہی کا وبال بھی ان پر ڈالا جائے گا جنہیں اپنے نام نہاد' دانشورانہ مشوروں سے انہوں نے گمراہ کیا ہوگا۔ جیسے قرب وجوار کے لوگ جب اہلِ مکہ سے اس کلام کے بارے میں پوچھتے تھے یا مکہ کے عام لوگ قرآن سے متاثر ہو کر اپنے سرداروں سے پوچھتے تھے کہ اُن کی اس کلام کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ایسی صورت میں یہ لوگ اپنے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے تھے کہ ہاں ہم نے بھی یہ کلام سنا ہے' اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے' بس سنی سنائی باتیں ہیں اور پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

﴿اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۲۵﴾ ''آگاہ رہو! بہت بُرا ہوگا جو بوجھ وہ اٹھائے ہوں گے۔''

آیت ۲۶ ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''(اسی طرح کی) چالیں چلی تھیں انہوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے''

ان سے پہلے بھی مختلف اقوام کے لوگوں نے ہمارے انبیاء ورسل علیہم السلام کی مخالفت کی تھی اور اُن کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے آزمائے تھے اور سازشیں کی تھیں۔

﴿فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ ''تو اللہ حملہ آور ہوا اُن کے قلعوں پر بنیادوں سے' پھر گر پڑیں اُن پر چھتیں اُن کے اوپر سے''

جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آیا تو مخالفین کی تمام سازشوں کو جڑوں سے اُکھاڑ پھینکا گیا اور اُن کی بستیوں کو تلپٹ کر دیا گیا۔ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ (ھود: ۸۲) ''پھر جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کے اوپر والے حصے کو اس کا نیچے والا''۔ یعنی اس کو تہ وبالا کر دیا۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کے اندر تو صرف انہی چند اقوام کا ذکر آیا ہے جن سے اہلِ عرب واقف تھے' ورنہ رسول تو ہر علاقے اور ہر قوم میں آتے رہے ہیں' از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷﴾ (الرعد) ''اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہے۔''

خود ہندوستان کے علاقے میں بھی بہت سے انبیاء ورسل کے مبعوث ہونے کے آثار ملتے ہیں۔ ہریانہ' ضلع حصار' جس علاقے میں میرا بچپن گزرا' وہاں مختلف مقامات پر سیاہ رنگ کی راکھ کے بڑے بڑے ٹیلے موجود تھے' جن کی کھدائی کے دوران بستیوں کے آثار ملتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ اپنے زمانے کی پُررونق بستیاں تھیں' ان کے باشندوں نے اپنے رسولوں کی نافرمانیاں کیں اور انہیں عذابِ خداوندی نے جلا کر بھسم کر ڈالا' جس طرح پومپیائی پر لاوے کی بارش ہوئی اور پوری بستی جلتے ہوئے لاوے کے اندر دب گئی۔ اُس علاقے میں دریائے سرسوتی بہتا تھا جو ہندوستان کا ایک بہت بڑا دریا تھا اور اسے مقدس مانا جاتا تھا (دریائے گنگا بہت بعد کے زمانے میں وجود میں آیا۔) آج دریائے سرسوتی کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کہاں کہاں سے گزرتا تھا اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ اس کی گزرگاہ تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سب آثار بتاتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر مختلف زمانوں میں انبیاء ورسل آئے اور اُن کی نافرمانیوں کے سبب اُن کی قومیں اللہ کے عذاب کا شکار ہوئیں۔ ان آثار کی شہادتوں کے علاوہ کچھ ایسے مکاشفات بھی ہیں کہ مشرقی پنجاب کے جس علاقے میں شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا مدفن ہے اُس علاقے میں تیس انبیاء مدفون ہیں۔ واللہ اعلم!

﴿وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶﴾ ''اور اُن پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا۔''

آیت ۲۷ ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ﴾ ''پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کی حمیت میں تم جھگڑتے تھے؟''

قیامت کے دن انہیں مزید رسوا کرنے کے لیے ان سے پوچھا جائے گا کہ آج تمہارے وہ مَن گھڑت معبود کہاں ہیں جن کی حمایت اور حمیت کی وجہ سے تم بڑی بڑی جنگیں لڑنے پر تیار ہو جاتے تھے؟

﴿قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۷﴾ ''کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ یقیناً آج کے دن رسوائی اور بدبختی کافروں ہی کے لیے ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠﴾ ''جن (کی روحوں) کو قبض کرتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے''

ایسے لوگ جنہیں اپنی زندگی میں اللہ یاد ہے نہ آخرت' نیکی کی رغبت ہے نہ برائی سے نفرت' بس اپنی عیش کوشی اور نفس پرستی میں مگن ہیں۔ اسی حالت میں جب فرشتے ان کے پاس پروانۂ موت لے کر آدھمکیں گے:

﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ﴾ ''تو (اُس وقت) وہ اطاعت پیش کریں گے کہ ہم تو کوئی بُرے کام نہیں کر رہے تھے۔''

﴿بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸﴾ ''(تو فرشتے کہیں گے) کیوں نہیں' اللہ خوب جانتا ہے اُسے جو کچھ تم کر رہے تھے۔''

موت کے فرشتوں کے سامنے وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے اسلام اور اطاعت کا اظہار کریں گے اور اس طرح ان کے سامنے

بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے۔

آیت ۲۹ ﴿فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾ ''اب تم داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں' اسی میں ہمیشہ ہمیش رہنے کے لیے۔''

﴿فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۲۹﴾ ''پس کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے متکبرین کا!''

آیت ۳۰ ﴿وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ﴾ ''اور (جب) پوچھا جاتا ہے اہلِ تقویٰ سے کہ یہ کیا نازل کیا ہے تمہارے رب نے؟''

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں' جن کے دلوں میں اخلاقی حس بیدار اور جن کی روحیں زندہ ہیں' جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کلام آپ لوگوں کو سناتے ہیں وہ کیا ہے؟

﴿قَالُوْا خَيْرًا ۭ﴾ ''وہ کہتے ہیں بھلائی۔''

یعنی یہ کلام خیر ہی خیر ہے اور ہماری ہی بھلائی کے لیے نازل ہوا ہے۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۳۰﴾ ''جن لوگوں نے نیکی کی روش اختیار کی اُن کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے' اور آخرت کا گھر تو کہیں بہتر ہے۔ اور کیا ہی اچھا ہے وہ گھر متقیوں کا!''

آیت ۳۱ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ﴾ ''باغات ہمیشہ رہنے والے جن میں وہ داخل ہوں گے' ان کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' اُن کے لیے وہاں ہر وہ شے ہوگی جو وہ چاہیں گے۔''

﴿كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۳۱﴾ ''اسی طرح اللہ بدلہ دے گا اپنے متقی بندوں کو۔''

آیت ۳۲ ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ﴾ ''ان (کی روحوں) کو فرشتے قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ پاک ہوتے ہیں''

جن کی روحیں پاکیزہ اور جن کی زندگیاں تقویٰ کی آئینہ دار ہوتی ہیں' جب اُن کے پاس موت کے فرشتے آتے ہیں تو:

﴿يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۳۲﴾ ''کہتے ہیں سلام ہو آپ پر' داخل ہو جایئے جنت میں اپنے اعمال کے بدلے میں۔''

آیات ۳۳ تا ۴۰

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۳۳ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۳۴ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ ع

دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ
فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ
اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا
یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِیُبَیِّنَ
لَهُمُ الَّذِی یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ
اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

آیت ۳۳ ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ﴾ ''اب یہ لوگ کس شے کے منتظر ہیں سوائے اس کے کہ آدھمکیں ان پر فرشتے یا آجائے فیصلہ آپؐ کے رب کا!''

گزشتہ بارہ برس سے رسول اللہ ﷺ قریشِ مکہ کو دعوت دے رہے ہیں' دو تہائی کے قریب قرآن بھی اب تک نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو اب مزید کس چیز کا انتظار ہے؟ اب تو بس یہی مرحلہ باقی رہ گیا ہے کہ فرشتے اللہ کا فیصلہ لے کر پہنچ جائیں اور وہ نقشہ سامنے آجائے جس کی جھلک سورۃ الفجر میں اس طرح دکھائی گئی ہے: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾﴾ ''اور آئے گا آپؐ کا رب اور فرشتے صف بہ صف۔ اور لائی جائے گی اُس دن جہنم' اُس دن ہوش آئے گا انسان کو' مگر کیا فائدہ ہوگا تب اُسے اِس ہوش کا!''

﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''یہی روش اختیار کی تھی انہوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے۔ اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا' بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔''

جن گزشتہ اقوام کے عبرت ناک انجام کے بارے میں تفصیلات قرآن میں بتائی جا رہی ہیں انہیں ان کے اپنے کرتوتوں کی سزا ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قطعاً ظلم نہیں ہوا تھا۔

آیت ۳۴ ﴿فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''پھر اُن پر واقع ہو کر رہیں وہ بُرائیاں جو وہ کرتے تھے اور گھیر لیا اُن کو اسی نے جس کا وہ استہزا کرتے تھے۔''

آیت ۳۵ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ ''اور کہتے ہیں یہ مشرک لوگ کہ اگر اللہ چاہتا تو اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کرتے' نہ ہم اور نہ ہمارے آباء و اجداد''

ان کی دلیل یہ تھی کہ اس دنیا میں تو جو اللہ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے' وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ اگر وہ چاہتا کہ ہم کوئی دوسرے معبود نہ بنائیں اور ان کی پرستش نہ کریں' تو کیسے ممکن تھا کہ ہم ایسا کر پاتے؟ چنانچہ اگر اللہ نے ہمیں اس سے روکا نہیں ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس میں اُس کی مرضی شامل ہے اور اُس کی طرف سے ہمیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ﴾ ''اور نہ حرام قرار دیتے ہم اُس کے (حکم کے) بغیر کسی بھی چیز کو۔ اسی طرح کیا تھا اُن لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے۔''

﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝۳۵﴾ ''پس نہیں ہے رسولوں پر کچھ ذمہ داری سوائے واضح طور پر پہنچا دینے کے۔''

ہمارے رسولؐ اس قسم کی کٹ حُجتی اور کج بحثی میں نہیں الجھتے۔ ان کی ذمہ داری ہمارا پیغام واضح طور پر پہنچا دینے کی حد تک ہے اور یہ ذمہ داری ہمارے رسولؐ ہمیشہ سے پوری کرتے آئے ہیں۔ پیغام پہنچ جانے کے بعد اسے تسلیم کرنا یا نہ کرنا متعلقہ قوم کا کام ہے جس کے لیے ان کا ایک ایک فرد ہمارے سامنے جوابدہ ہے۔

آیت ۳۶ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾ ''اور ہم نے تو ہر اُمت میں ایک رسولؐ بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو!''

طاغوت کا لفظ 'طغٰی' سے مشتق ہے جس کے معنی سرکشی کے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی اللہ کی بندگی اور اطاعت سے سرکشی اور سرتابی کر رہا ہو وہ طاغوت ہے، چاہے وہ انسان ہو یا جن، کسی ریاست کا کوئی ادارہ ہو، آئین ہو یا خود ریاست ہو۔ بہرحال جو بھی اللہ کی اطاعت سے سرتابی کر کے اُس کی بندگی سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا، وہ گویا اللہ کے مقابلے میں حاکمیت کا دعویدار ہوگا اور اسی لیے طاغوت کے زمرے میں شمار ہوگا۔ طاغوت سے کنارہ کشی کا حکم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ میں اس طرح آیا ہے: ﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ﴾ ''جس کسی نے کفر کیا طاغوت سے اور ایمان لایا اللہ پر تو یقیناً اُس نے تھام لیا ایک مضبوط حلقہ جس کو ٹوٹنا نہیں ہے۔''

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ﴾ ''تو اُن میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دے دی، اور کچھ وہ بھی تھے جن پر مسلط ہو گئی گمراہی۔''

﴿فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝۳۶﴾ ''تو تم گھومو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا!''

تم اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ اصحابِ حجر کی بستیوں سے بھی گزرتے ہو، تم نے قومِ ثمود کے محلات کے کھنڈرات بھی دیکھے ہیں۔ تم قومِ مدین کے انجام سے بھی واقف ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا۔ یہ تمام تاریخی حقائق تمہارے علم میں ہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ان سب کو کس جرم کی سزا بھگتنا پڑی تھی۔

آیت ۳۷ ﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝۳۷﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اگر آپ کو بہت خواہش ہے ان کی ہدایت کی تو یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اُسے جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے، اور ان کے لیے نہیں ہوں گے کوئی مددگار۔''

اس سلسلے میں اللہ کا قانون اٹل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں تک حق کی دعوت پہنچانے کا پورا بندوبست کیا جاتا ہے، ان پر ہدایت منکشف کی جاتی ہے اور بار بار انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر آجائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص حق کو واضح طور پر پہچان

لینے کے بعد ہر بار اسے رد کر دے تو اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ پھر وہ حق کو پہچاننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی گمراہی پر مہرِ تصدیق ثبت ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں ہی کے متعلق سورۃ البقرۃ کی آیت ۷ میں فرمایا گیا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠﴾ ''اللہ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑ چکا) ہے''۔ چنانچہ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت زیر نظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کی شدید خواہش ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر راہِ ہدایت پر آ جائیں' مگر چونکہ یہ حق کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد اس سے روگردانی کر چکے ہیں اس لیے ان کی گمراہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے' اور اللہ کا اٹل قانون ہے کہ وہ ایسے گمراہوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سورۃ القصص کی آیت ۵۶ میں اسی اصول کو واضح تر انداز میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ﴾ ''اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں' اپنی پکی قسمیں کہ اللہ ہرگز نہیں اٹھائے گا اُس کو جو مر جائے گا۔''

مشرکینِ مکہ اگرچہ عمومی طور پر مرنے کے بعد دوسری زندگی کے قائل تھے مگر اُن کا اس سلسلہ میں عقیدہ یہ تھا کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کے سفارشی ہوں گے اور اس طرح روزِ محشر کی تمام سختیوں سے وہ انہیں بچا لیں گے۔ لیکن ان کے ہاں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو بعث بعد الموت کا منکر تھا۔ ان لوگوں کے اس عقیدہ کا تذکرہ قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ سورۃ الانعام میں ان لوگوں کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے: ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ ہماری زندگی مگر صرف دنیا کی اور ہم (دوبارہ) اٹھائے نہیں جائیں گے۔''

﴿بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''کیوں نہیں' یہ وعدہ ہے اُس کے ذِمہ سچا (کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۳۹ ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝﴾ ''تاکہ وہ واضح کر دے اُن پر وہ تمام چیزیں جن میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ کفار جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔''

اللہ تعالیٰ پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو دوبارہ اٹھائے گا اور انہیں ایک جگہ جمع کرے گا۔ پھر ان کے تمام اختلافی نظریات وعقائد کے بارے میں حتمی طور پر انہیں بتا دیا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت تمام منکرینِ حق کو اقرار کیے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ ان کے خیالات ونظریات واقعی جھوٹ اور باطل پر مبنی تھے۔

آیت ۴۰ ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾ ''ہمارا قول تو کسی چیز کے بارے میں بس یہ ہوتا ہے' جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم فرماتے ہیں اُسے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ حکم عالمِ امر کے بارے میں ہے' جبکہ عالمِ خلق میں یوں نہیں ہوتا (عالمِ امر اور عالمِ خلق کے بارے میں وضاحت اس سورۃ کی آیت ۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ کے ضمن میں گزر چکی ہے)۔ عالمِ امر میں کسی

واقعے یا کسی چیز کے ظہور پذیر ہونے کے لیے اسباب' وسائل اور وقت درکار نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرما کر کُن فرماتے ہیں تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ عالمِ خلق میں بھی کُلّی اختیار تو اللہ ہی کا ہے مگر اس عالم کو عام طبعی قوانین کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ چنانچہ عالمِ خلق میں کسی چیز کو وجود میں آنے اور مطلوبہ معیار تک پہنچنے کے لیے اسباب' وسائل اور وقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ کائنات اپنے تمام طبعی موجودات کے ساتھ عالمِ خلق کا اظہار ہے۔ آیت زیرِ نظر کے موضوع کی مناسبت سے یہاں میں کائنات کی تخلیق کے آغاز سے متعلق اپنی سوچ اور فکر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

کائنات کی تخلیق کے بارے میں ایک طرف تو پرانے فلسفیانہ تصورات ہیں اور دوسری طرف جدید سائنسی نظریات (theories)۔ فلسفیانہ تصورات کے مطابق سب سے پہلے وجودِ باری تعالیٰ سے عقلِ اوّل وجود میں آئی۔ عقلِ اوّل سے پھر فلکِ اوّل اور پھر فلکِ اوّل سے فلکِ ثانی وغیرہ۔ یہ مشائین کے فلسفے ہیں جو ارسطو اور اس کے شاگردوں کے نظریات کے ساتھ دنیا میں پھیلے اور ہمارے ہاں بھی بہت سے متکلمین ان سے متاثر ہوئے۔ بہرحال جدید سائنسی انکشافات کے ذریعے ان میں سے کسی بھی نظریے کی کہیں کوئی تائید و تصدیق نہیں ہوئی۔

دوسری طرف جدید فزکس کے میدان میں اعلیٰ علمی سطح پر اس سلسلے میں جتنے بھی نظریات (theories) ہیں اُن میں ''عظیم دھماکے'' (Big Bang) کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس تصور کے تحت Big Bang کے نتیجے میں ارب ہا ارب درجہ حرارت کے حامل بے شمار ذرات وجود میں آئے۔ یہ ذرات تیزی سے حرکت کرتے ہوئے مختلف forms میں اکٹھے ہوئے تو کہکشائیں (galaxies) وجود میں آئیں اور چھوٹے بڑے بے شمار ستاروں کا ایک جہان آباد ہو گیا۔ انہی ستاروں میں ایک ہمارا سورج بھی تھا' جس کے اندر مزید ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس کے سیارے (planets) وجود میں آئے۔ سورج کے ان سیاروں میں سے ایک سیارہ ہماری زمین ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوتی رہی اور بالآخر اس پر نباتاتی اور حیوانی زندگی کے لیے سازگار ماحول وجود میں آیا۔ آج کی سائنس فی الحال ''بگ بینگ'' سے آگے کوئی نظریہ قائم کرنے سے قاصر ہے۔ اس نظریے سے جو معلومات سائنس نے اخذ کی ہیں وہ ان تمام حقائق کے ساتھ مطابقت (corroboration) رکھتی ہیں جن کا علم اس موضوع پر ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔ اس سے پہلے مادّے کے بارے میں سائنس قانون بقائے مادہ (Law of conservation of mass) کی قائل تھی کہ مادّہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' مگر نئے نظریے کو اپنا کر سائنس نے نہ صرف بگ بینگ کو کائنات کا نقطۂ آغاز تسلیم کر لیا ہے بلکہ یہ بھی مان لیا ہے کہ مادہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے اور ایک خاص وقت کے بعد ختم ہو جائے گا۔

جہاں تک کائنات کی تخلیق کے آغاز کے بارے میں میری اپنی سوچ کا تعلق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ایک امر ''کُن'' سے ہوئی (اللہ کے حکم سے' نہ کہ اُس کی ذات سے)۔ پھر اس امر ''کُن'' کا ظہور ایک خُنک نُور یا ٹھنڈی روشنی کی صورت میں ہوا (یہ خُنک نُور حرفِ کُن کا ظہور تھا نہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا)۔ اس روشنی میں حرارت نہیں تھی' گویا یہ مادّی روشنی (material light) کے وجود میں آنے سے پہلے کا دور تھا۔ آج جس روشنی کو ہم دیکھتے یا پہچانتے ہیں اس میں حرارت ہوتی ہے اور اسی حرارت کی وجہ سے یہ material light ہے۔ امرِ ''کُن'' سے ظہور پانے والے اس خُنک نُور سے پہلے مرحلے پر ملائکہ کی پیدائش ہوئی۔ جیسے کہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ ((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ)) یعنی ''اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے پیدا کیا''۔ اسی نور سے انسانی ارواح پیدا کی گئیں' اور سب سے پہلے روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کی گئی' جیسا کہ حدیث بیان

کی جاتی ہے: ((اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ))(۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔ ''نُوری'' اور ''رُوحی'' گویا دو مترادف الفاظ ہیں' کیونکہ روح کا تعلق بھی نور سے ہے۔ بہرحال یہ کائنات کی تخلیق کا مرحلہ اول ہے جس میں فرشتوں اور انسانی ارواح کی تخلیق ہوئی۔

اس کے بعد کسی مرحلے پر اس خُنک نُور میں کسی نوعیت کا زوردار دھماکہ (explosion) ہوا جس کو آج کی سائنس ''بگ بینگ'' کے نام سے پہچانتی ہے۔ اس دھماکے کے نتیجے میں حرارت کا وہ گولا وجود میں آیا' جو بہت چھوٹے چھوٹے ذرّات پر مشتمل تھا۔ ان ذرّات کا درجہ حرارت ناقابلِ تصور حد تک تھا۔ یہ گویا طبعی دنیا (Physical World) کا نقطۂ آغاز تھا۔ اسی دور میں اس آگ کی لپٹ سے جنات پیدا کیے گئے اور انہی انتہائی گرم ذرات سے کہکشائیں' ستارے اور سیارے وجود میں آئے۔

ان سیاروں میں سے ایک سیارہ یا کُرہ ہماری زمین ہے جو ابتدا میں انتہائی گرم تھی۔ اس کے ٹھنڈا ہونے پر اس کے اندر سے بخارات نکلے جو اس کے گرد ایک ہالے کی شکل میں جمع ہو گئے۔ ان بخارات سے پانی وجود میں آیا جو ہزار ہا برس تک زمین پر بارش کی صورت میں برستا رہا۔ اس کے نتیجے میں تمام روئے زمین پر ہر طرف پانی ہی پانی پھیل گیا۔ اُس وقت تک زمین پر پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ شاید یہی وہ دور تھا جس کا ذکر قرآن میں بایں الفاظ کیا گیا ہے: ﴿وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (ھود:۷) ''کہ اُس کا عرش (اُس وقت) پانی پر تھا''۔ پھر زمین جب مزید ٹھنڈا ہونے پر سکڑی تو اس کی سطح پر نشیب و فراز نمودار ہوئے۔ کہیں پہاڑ وجود میں آئے تو کہیں سمندر۔ اس کے بعد نباتاتی اور حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ اس حیات کے ارتقاء کے بلند ترین مرحلے پر انسان کی تخلیق ہوئی اور حضرت آدمؑ کی روح اُن کے وجود کو سونپی گئی۔ حضرت آدمؑ کی تاجپوشی کا یہی واقعہ ہے جہاں سے قرآن آدمؑ کی تخلیق کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا اعلیٰ ترین شاہکار بھی ہے اور اس پوری کائنات کی تخلیق کا اصل مقصود و مطلوب بھی۔

یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں کہ عالمِ خلق اور عالمِ امر بالکل الگ الگ نہیں ہیں۔ یعنی یوں نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں تک تو عالمِ خلق ہے اور یہاں سے آگے عالمِ امر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے' بلکہ یہ دونوں عالم ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط اور باہم گندھے ہوئے ہیں۔ مثلاً اس عالمِ خلق میں تمام انسانوں کی ارواح موجود ہیں' جن کا تعلق عالمِ امر سے ہے: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵) یہ آیت واضح کرتی ہے کہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''حُجّۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کی ارواح کو فرشتوں کے طبقۂ اسفل میں شامل کر لیتے ہیں' چنانچہ یہ نیک ارواح ان فرشتوں کے ساتھ سرگرمِ عمل رہتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل و تنفیذ میں مصروف ہیں۔ اسی طرح فرشتے جو کہ عالمِ امر کی مخلوق ہیں وہ بھی یہاں عالمِ خلق میں ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ دو دو فرشتے تو ہم میں سے ہر انسان کے ساتھ بطور نگران مقرر کیے گئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ

(۱) اس روایت کو امام سیوطیؒ نے شرح الموافق میں نقل کیا ہے۔ محدثین کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے۔ تاہم اس کو استشہاداً ذکر کرنے والوں میں بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔ مثلاً علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اور ملا علی قاری نے المرقاۃ میں اسے ذکر کیا ہے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ کا استدلال بہرحال صحیح حدیث ((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ)) سے ہے اور یہ حدیث محض استشہاداً بیان کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ شاید اس حدیث کے موضوع ہونے سے واقف نہیں تھے' لہٰذا حاشیہ میں تصریح کرنا ضروری سمجھا گیا۔ (ادارہ)

السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ))[۲]

''اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کچھ لوگ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان کے اوپر سکینت نازل ہوتی ہے' اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے' فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین (ملاءاعلیٰ) میں ان کا ذکر کرتا ہے۔''

اس حدیث کی رو سے درسِ قرآن کی اس محفل میں یقیناً فرشتے موجود ہیں' وہ عالَم امر کی شے ہیں' ہم نہ انہیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان سے خطاب کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اہلِ ایمان جنّات بھی یہاں موجود ہوں اور قرآن سن رہے ہوں۔ چنانچہ ارواح' فرشتے اور وحی تینوں کا تعلق اگرچہ عالَم امر سے ہے مگر ان کا عمل دخل عالَم خلق میں بھی ہے۔ اس طرح عالَم خلق اور عالَم امر کو بالکل الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں میں مرزا عبدالقادر بیدلؔ کے ایک مشہور شعر کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو تخلیقِ کائنات اور تخلیقِ آدمؑ کے اس فلسفہ کو بہت خوبصورتی سے واضح کرتا ہے:

ہر دو عالَم خاک شد تا بست نقشِ آدمی اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!

مرزا عبدالقادر بیدلؔ ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تھے۔ وہ عظیم فلسفی اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ اُن کا شمار دنیا کے چوٹی کے فلسفیوں میں ہوتا تھا۔ اُن کی شاعرانہ عظمت کے سامنے مرزا غالب بھی پانی بھرتے اور ان کی طرز کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے نظر آتے ہیں: ؎

طرزِ بیدلؔ میں ریختہ لکھنا اسدؔ اللہ خاں قیامت ہے!

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہاں مرزا بیدلؔ کے مندرجہ بالا شعر کی وضاحت ضروری ہے۔ اس شعر میں وہ فرماتے ہیں ''ہر دو عالَم خاک شد'' یعنی دونوں عالَم خاک ہو گئے۔ شاعر کے اپنے ذہن میں اس کی وضاحت کیا تھی اس کے بارے میں شاعر خود جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ —— لیکن مَیں اس سے یہ نکتہ سمجھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے عالَم امر کو تنزل کے مختلف مراحل سے گزار کر عالَم خلق کی شکل دی۔ پھر اس کے مزید تنزلات کے نتیجے میں زمین (مٹی) پیدا کی گئی۔ گویا دونوں جہانوں نے خاک کی صورت اختیار کر لی' تب جا کر کہیں حیاتِ ارضی کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر اس سلسلے میں ارتقا کا وہ بلند ترین مرحلہ آیا: ''تا بست نقشِ آدمی!'' جب آدمی کا نقش بننا شروع ہوا۔

دوسرے مصرعے میں (اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!) ''نیست'' کے فلسفے کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ''وحدت الوجود'' کے فلسفے کے مطابق حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے' باقی جو کچھ بھی ہمیں نظر آتا ہے اس میں سے کسی چیز کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ گویا اللہ کے علاوہ اس کائنات کی ہر چیز ''نیست'' ہے ''ہست'' نہیں ہے:

كُلُّ مَا فِي الْكَوْنِ وَهْمٌ اَوْ خَيَالٌ اَوْ عُكُوسٌ فِي الْمَرَايَا اَوْ ظِلَالٌ

یعنی اللہ کے وجود کے علاوہ جو وجود بھی نظر آتے ہیں وہ وہم ہیں یا خیالی تصویریں۔ اس طرح یہ تمام عالَم گویا ''نیست'' ہے اور اس عالَمِ نیست کی ''بہار'' انسان ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (صٓ:۷۵) کہ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اللہ کا ایک ہاتھ گویا عالَم امر اور دوسرا ہاتھ عالَم خلق ہے۔ اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کے عملِ تخلیق کا کلائمکس' مسجودِ ملائک اور خلیفۃ اللہ ہے۔ چنانچہ مرزا بیدلؔ فرماتے ہیں (اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!) کہ اے انسان! اے اس عالَمِ نیستی کی

۲۔ صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار' باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر۔

بہار! ذرا اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانو! تمہیں وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دو عالم کو نہ جانے تنزلات کی کن کن منازل سے نیچے اُتار کر خاک کیا' تب کہیں جا کر تمہارا نقش بنا۔

آیات ۴۱ تا ۵۰

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

آیت ۴۱ ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ﴾ ''اور جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی' اس کے بعد کہ اُن پر ظلم کیا گیا' ہم انہیں دُنیا میں بھی ضرور اچھی جگہ دیں گے۔''

﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور (اُن کے لیے) آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ اُن کو معلوم ہوتا۔''

آیت ۴۲ ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔''

آیت ۴۳ ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو (رسول بنا کر) جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے''

یعنی آپ ﷺ پہلے نبی یا رسول نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں۔ وہ سب کے سب آدمی ہی تھے اور ان کی طرف ہم اسی طرح وحی بھیجتے تھے جس طرح آج آپ کی طرف وحی آتی ہے۔

﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''تو تم لوگ اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔''

یعنی اے اہلِ مکہ! اگر تم لوگوں کو اس بارے میں کچھ شک ہے تو تمہارے پڑوس مدینہ میں وہ لوگ آباد ہیں جو سلسلۂ وحی و رسالت سے خوب واقف ہیں' اُن سے پوچھ لو کہ اب تک جو انبیاء و رسل علیہم السلام اس دنیا میں آئے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے یا فرشتے؟

آیت ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ ﴾ ''(ہم نے انہیں بھیجا) کھلی نشانیوں اور کتابوں کے ساتھ۔''

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۴۴ ﴾ ''اور ہم نے نازل کیا آپ کی طرف الذِّکر' تاکہ آپ واضح کر دیں لوگوں کے لیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اُن کی جانب اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

یہاں قرآن کے لیے پھر لفظ ''الذِّکر'' استعمال ہوا ہے' یعنی یہ قرآن ایک طرح کی یاد دہانی ہے۔ یہ آیت منکرینِ سُنّت و حدیث کے خلاف ایک واضح دلیل فراہم کرتی ہے۔ اس کی رُو سے قرآن کی ''تبیین'' رسولؐ کا فرضِ منصبی ہے۔ قرآن کے اَسرار و رموز کو سمجھانا' اس میں اگر کوئی نکتہ مجمل ہے تو اس کی تفصیل بیان کرنا' اگر کوئی حکم مبہم ہے تو اس کی وضاحت کرنا رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی تھا۔ یہ فرض اس آیت کی رو سے خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تفویض کیا ہے' مگر منکرینِ سُنّت آج آپ ﷺ کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق یہ اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کے رسولؐ نے ہم تک پہنچا دی ہے' اب ہم خود اس کو پڑھیں گے' خود سمجھیں گے اور خود ہی عمل کی جہتیں متعین کریں گے۔ حضور ﷺ کے سمجھانے کی اگر کچھ ضرورت تھی بھی تو وہ اپنے زمانے کی حد تک تھی۔ فیا للعجب!

آیت ۴۵ ﴿ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ ﴾ ''تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے بُری چالیں چلیں اس بات سے کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے''

یہ لوگ ہمارے رسولؐ کے خلاف سازشوں کے جال بُننے میں مگن ہیں اور حق کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا یہ ڈرتے نہیں کہ اگر اللہ چاہے تو انہیں اس جرم کی پاداش میں زمین میں دھنسا دے؟

﴿ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۴۵ ﴾ ''یا (انہیں یہ خوف بھی نہیں رہا کہ) اُن پر آدھمکے کوئی عذاب جہاں سے انہیں گمان تک نہ ہو۔''

آیت ۴۶ ﴿ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۴۶ ﴾ ''یا وہ انہیں پکڑ لے ان کی چلت پھرت میں' پھر وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔''

یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روزمرہ زندگی میں' معمول کی سرگرمیوں کے دوران ہی ان کی پکڑ کا حکم آ جائے اور پھر اللہ کے اس حکم کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

آیت ۴۷ ﴿ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۴۷ ﴾ ''یا انہیں پکڑے خوف دلا کر۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ربّ بہت بخشنے والا' نہایت رحم والا ہے۔''

اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو اچانک بھی پکڑ سکتا ہے' مگر چونکہ وہ بہت شفیق اور نہایت رحم فرمانے والا ہے' اس لیے اس کا عذاب یونہی بے خبری میں نہیں آتا بلکہ متعلقہ قوم کو پہلے پوری طرح آگاہ کیا جاتا ہے' ان پر اتمامِ حُجّت کے تمام تقاضے پورے کیے جاتے ہیں' تب کہیں جا کر عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۱۵ ﴾ ''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسولؐ نہ بھیجیں''۔ یعنی ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے رسولؐ بھیجا گیا' جس نے اُن پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا خوب اچھی طرح واضح کر دیا' یہاں تک کہ متعلقہ قوم پر حُجّت تمام ہونے میں کوئی

کسر باقی نہ رہی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اور ظلم پر اڑے رہے اُن پر گرفت کی گئی اور عذاب کے ذریعے انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔

آیت ۴۸ ﴿ اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾ ''کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہر شے کی طرف' کہ جھکتے ہیں اس کے سائے دائیں اور بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے اور وہ سب عاجزی (کی کیفیت) میں ہوتے ہیں۔''

اس آیت میں ہمارے اردگرد کی اشیاء سے پیدا ہونے والے ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے جسے دیکھتے ہوئے ہم اللہ کی کبریائی کا ایک نقشہ اپنے تصور میں لا سکتے ہیں۔ جب سورج نکلتا ہے تو تمام چیزوں کے سائے زمین پر بچھے ہوئے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پھر سورج کے بلند ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یہ سائے سمٹتے چلے جاتے ہیں۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ دوسری سمت میں پھیلتے ہوئے یہ سایے پھر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ''اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں اور فرشتے بھی' اور وہ تکبر سے کام نہیں لیتے۔''

آیت ۵۰ ﴿ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴾ ''وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے اوپر اپنے رب سے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

یہ خصوصی طور پر فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ جیسے سورۃ التحریم میں فرمایا گیا: ﴿ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴾ ''وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم وہ انہیں دیتا ہے اور وہی کرتے ہیں جو حکم انہیں دیا جاتا ہے۔''

آیات ۵۱ تا ۶۰

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾ یَتَوٰرٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶۰﴾ ع

آیت ۵۱ ﴿ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴾ ''اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو معبود مت بناؤ' یقیناً وہ تو ایک ہی معبود ہے' پس تم مجھ ہی سے ڈرو۔''

آیت ﴿وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اُسی کے لیے اطاعت ہے ہمیشہ ہمیش' تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کا تقویٰ اختیار کرتے ہو؟''

آیت ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور جو نعمت بھی تمہیں میسر ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے' پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی کے سامنے تم فریاد کرتے ہو۔''

تکلیف کی کیفیت میں تم اللہ کو ہی یاد کرتے ہو' اُسی کی جناب میں گڑگڑاتے' آہ وزاری کرتے اور دعائیں مانگتے ہو۔ اس حالت میں تمہیں کوئی دوسرا معبود یاد نہیں آتا۔

آیت ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو جبھی تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیتا ہے۔''

آیت ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''تاکہ ناشکری کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے ان کو دی ہیں۔ تو چند روزہ مزے اڑالو' پس عنقریب تم جان لو گے۔''

کچھ دنوں کی بات ہے دنیا میں تم لوگ مزے اڑالو۔ بہت جلد اصل حقیقت کھل کر تمہارے سامنے آجائے گی۔

آیت ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ﴾ ''اور وہ بنا دیتے ہیں اُن کے لیے جن کے بارے میں انہیں کوئی علم ہی نہیں' ایک حصہ اس میں سے جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ رزق میں سے وہ لوگ اللہ کے ان شریکوں کے لیے بھی حصے نکالتے تھے جن کے بارے میں کوئی علمی سند یا واضح دلیل بھی ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۶ میں بھی آچکا ہے کہ وہ لوگ اپنی کھیتیوں کی پیداوار اور جانوروں میں سے جہاں اللہ ربّ العالمین کے لیے حصہ نکالتے تھے وہاں اپنے جھوٹے معبودوں کے حصے کے لیے بھی خاص اہتمام کرتے تھے۔

﴿تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اللہ کی قسم! ضرور سوال کیا جائے گا تم سے اس بارے میں جو افترا تم لوگ کرتے تھے۔''

آیت ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور وہ بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں' وہ پاک ہے (اس سے)' اور خود اُن کے لیے وہ کچھ جو انہیں پسند ہے!''

اللہ تعالیٰ کی اولاد کے طور پر وہ لوگ اس سے بیٹیاں منسوب کرتے ہیں جبکہ خود اپنے لیے وہ بیٹے پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز بھی کی تو بیٹیاں تجویز کیں' جو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

آیت ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾﴾ ''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (اندر ہی اندر) رنج وغم سے گھٹتا رہتا ہے۔''

آیت ﴿يَتَوٰرٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ﴾ ''وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بُری خبر کی وجہ سے جو اُسے دی گئی۔''

جب اسے خوشخبری دی جاتی ہے کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے تو اسے ایک منحوس خبر خیال کرتا ہے اور یوں محسوس کرتا ہے کہ اب

وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور ہر وقت اسی شش و پنج میں رہتا ہے کہ:

﴿اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ﴾ ''کیا وہ اسے ذِلّت کے باوجود روکے رکھے یا مٹّی میں دفن کر دے؟''

﴿اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۵۹﴾ ''آگاہ رہو، بہت ہی بُرا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں۔''

آیت ۶۰ ﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بُری مثال ہے۔''

﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۰﴾ ''اور اللہ کی صفت نہایت بلند ہے۔ اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا۔''

عقیدۂ آخرت کے حوالے سے یہ حقیقت لائقِ توجہ ہے کہ یہ عقیدہ دُنیوی زندگی میں انسانی اعمال پر تمام عوامل سے بڑھ کر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آخرت اور ایمان بالآخرت کے بارے میں بہت تکرار پائی جاتی ہے۔

آیات ۶۱ تا ۶۵

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝۶۲ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۶۴ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۵ ع

آیت ۶۱ ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ﴾ ''اور اگر اللہ (فوراً) پکڑ کرتا لوگوں کی ان کے گناہوں کے سبب تو نہ چھوڑتا اس (زمین) پر کوئی بھی جاندار، لیکن وہ مہلت دیتا ہے انہیں ایک وقتِ معیّن تک۔''

یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ وہ لوگوں کے ظلم و معصیت کی پاداش میں فوری طور پر ان کی گرفت نہیں کرتا، بلکہ ڈھیل دے کر انہیں اصلاح کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱﴾ ''پھر جب ان کا وقتِ معیّن آ جائے گا تو نہ وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ﴾ ''اور وہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے لیے جو وہ خود پسند نہیں کرتے''

یعنی ان میں سے کوئی بھی خود بیٹی کا باپ بننا پسند نہیں کرتا، مگر اللہ کے ساتھ بیٹیاں منسوب کرتے ہوئے یہ لوگ ایسا کچھ نہیں سوچتے۔

﴿وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ ''اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کر رہی ہیں کہ ان کے لیے یقیناً

بھلائی ہے۔''

یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ دنیا میں انہیں عزت' دولت اور سرداری ملی ہوئی ہے' تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ ان سے خوش ہے اور انہیں یہ خوش فہمی بھی ہے کہ اگر اس نے یہاں انہیں یہ سب کچھ دیا ہے تو آخرت میں بھی وہ ضرور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے گا۔ چنانچہ دنیا ہو یا آخرت ان کے لیے تو بھلائی ہی بھلائی ہے۔

﴿لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے لیے آگ ہے اور یہ کہ وہ بڑھائے جا رہے ہیں۔''

دنیا میں ان کی رسی دراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں جس حد تک جری ہو کر آگے بڑھ سکتے ہیں بڑھتے چلے جائیں۔

آیت ۶۳ ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اللہ کی قسم! ہم نے بھیجا (اپنے رسولوںؑ کو) بہت سی اُمتوں کی طرف آپؐ سے پہلے' لیکن شیطان نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کیے رکھا''

شیطان کے بہکاوے کے سبب وہ لوگ اس خوش فہمی میں رہے کہ اُن کا کلچر' ان کی تہذیب اور ان کی روایات سب سے اعلیٰ ہیں۔

﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾﴾ ''تو آج وہی ان کا ساتھی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۶۴ ﴿وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ﴾ ''اور نہیں اُتاری (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ واضح کر دیں ان کے لیے وہ سب کچھ جس میں انہوں نے اختلاف کیا''

﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''اور یہ ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانے والے ہیں۔''

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورۂ یونس کی یہ دو آیات بھی ذہن میں رکھیے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾

''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے جو روگ ہیں ان) کی شفا اور ہدایت اور اہلِ ایمان کے حق میں (بہت بڑی) رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے' تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں' وہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

آیت ۶۵ ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ ''اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا' پھر اس سے زندہ کر دیا زمین کو اُس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔''

﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔''

یہ نشانی ان لوگوں کے لیے ہے جن کا سننا حیوانوں کا سا سننا نہ ہو' بلکہ انسانوں کا سا سننا ہو۔ علامہ اقبال نے ''زبورِ عجم'' میں کیا خوب کہا ہے:

دم چیست؟ پیام است' شنیدی' نشنیدی! در خاکِ تو یک جلوۂ عام است ندیدی؟
دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!

یعنی سانس جو تم لیتے ہو یہ بھی اللہ کا ایک پیغام ہے' یہ الگ بات ہے کہ تم اس پیغام کو سنتے ہو یا نہیں سنتے ہو۔ یہ درست ہے کہ تم خاک سے بنے ہو' مگر تمہارے اسی خاکی وجود کے اندر ایک نور اور جلوۂ ربانی بھی موجود ہے۔ یہ روحِ ربانی جو تمہارے وجود میں پھونکی گئی ہے یہ جلوۂ ربانی ہی تو ہے' جسے تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ تمہارے اندر کیا کیا کچھ موجود ہے: ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ (الذاریات) ''اور تمہارے اندر (کیا کچھ ہے)' کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟'' ذرا دوسری طرح کا دیکھنا اور دوسری طرح کا سننا سیکھو! ایسا دیکھنا سیکھو جو چیزوں کی اصلیت کو دیکھ سکے اور ایسا سننے کی صلاحیت حاصل کرو جس سے تمہیں حقیقت کی پہچان نصیب ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ دیکھنا اور یہ سننا محض حیوانوں کا سا دیکھنا اور سننا ہے۔ ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

اس سورۃ میں تکرار کے ساتھ اہلِ فکر و دانش کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر' سن کر اور سمجھ کر سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ (آیت زیرِ نظر کے علاوہ ملاحظہ ہوں آیات ۱۱' ۱۲' ۶۶' ۶۷' ۶۹ اور ۷۹)

آیات ۶۶ تا ۷۰

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶ وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝۶۸ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۣ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ ع ۱۵

آیت ۶۶ ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ﴾ ''اور یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔''

چوپایوں کی تخلیق میں بھی تمہارے لیے بڑا سبق ہے۔ ان کو دیکھو' غور کرو اور اللہ کی حکمتوں کو پہچانو!

﴿نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶﴾ ''ہم پلاتے ہیں تمہیں اُس میں سے جو اُن کے پیٹوں میں ہوتا ہے' گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ' پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار۔''

آیت ۶۷ ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ﴾ ''اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی' اُن سے تم نشہ آور چیزیں بھی بناتے ہو اور اچھا رزق بھی۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

آیت ۶۸ ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝۶۸﴾ ''اور آپ کے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف' کہ گھر بنا پہاڑوں میں' درختوں میں اور لوگ (انگوروں کی بیلوں کے لیے) جو چھتریاں

بناتے ہیں ان میں۔''

یعنی شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ چیز ودیعت کر دی گئی ہے۔

آیت ۶۹ ﴿ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ﴾ ''پھر ہر طرح کے میووں میں سے کھا اور اپنے ربّ کے ہموار کیے ہوئے راستوں پر چلتی رہ۔''

﴿يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ﴾ ''نکلتی ہے اِن کے پیٹوں سے پینے کی ایک شے (شہد)' جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں' اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔''

شہد کی مکھی جن جن جڑی بوٹیوں اور پودوں کے پھولوں کا رس چوستی ہے اُن کے خواص اور اُن کی تاثیرات کو گویا وہ کشید کرتی ہے۔ اس طرح شہد میں مختلف ادویات کے اثرات بھی شامل ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

آیت ۷۰ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۭ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ﴾ ''اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا' پھر وہی تمہیں وفات دے گا' اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ناکارہ عمر کو لوٹا دیے جاتے ہیں''

ایسی عمر جس میں آدمی ناکارہ ہو کر دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے۔

﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰﴾ ''کہ نہ جانے علم رکھنے کے بعد کچھ بھی۔ یقیناً اللہ جاننے والا' قدرت والا ہے۔''

بڑھاپے میں اکثر لوگوں کی قوتِ فکر متاثر ہو جاتی ہے اور زیادہ عمر رسیدہ لوگوں کو تو dementia ہو جاتا ہے جس سے ذہنی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یادداشت جواب دے جاتی ہے۔ اس کیفیت میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشور بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

آیات ۷۱ تا ۷۶

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـــًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۷۶ ع ۱۶

آیت ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ﴾ ''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔''

رزق سے مراد صرف مادی اسباب و وسائل ہی نہیں بلکہ اس میں انسان کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں بھی شامل ہیں۔ مادی وسائل کی کمی بیشی کے بارے میں تو کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ غلط تقسیم اور غلط نظام کا نتیجہ ہے' جس کا ذمہ دار خود انسان ہے' مگر یہ امر اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے کہ ہر انسان کی ذہنی استعداد اور جسمانی طاقت ایک سی نہیں ہوتی۔ جینز (genes) کے ذریعے وراثت میں ملنے والی تمام صلاحیتیں بھی سب انسانوں میں برابر نہیں ہوتیں' پھر اس میں کسی کے اختیار و انتخاب کو بھی کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مادی اسباب و وسائل کے علاوہ ذاتی صلاحیتوں میں بھی مختلف انسانوں کو مختلف اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

﴿فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ﴾ ''تو نہیں ہیں وہ لوگ جنہیں (رزق میں) فضیلت دی گئی ہے لوٹانے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو کہ وہ ہو جائیں اس میں برابر۔''

یعنی ایسا تو نہیں ہوتا کہ اُمراء اپنی دولت اور جائیدادیں اپنے غلاموں میں تقسیم کر دیں اور انہیں بھی اپنے ساتھ ان جائیدادوں کا مالک بنا لیں۔ تو اگر تم لوگ اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ اپنی ملکیت میں شریک نہیں کرتے تو کیا اللہ تمہارے جھوٹے معبودوں کو اپنے برابر کر لے گا؟ اور یہ جو ان لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بڑا خدا ہے اور کچھ چھوٹے چھوٹے خدا ہیں اور یہ چھوٹے خدا بڑے خدا سے ان کی سفارش کریں گے تو کیا اللہ پر ان میں سے کسی کی دھونس چل سکے گی یا اللہ ان میں سے کسی کو یہ اختیار دے گا کہ وہ اس سے اپنی کوئی بات منوا لے؟

﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کر رہے ہیں؟''

آیت ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ ''اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی نوع سے بیویاں بنائیں''

عربی میں ''زوج'' شریکِ حیات (spouse) کو کہتے ہیں اور یہ لفظ بیوی اور خاوند دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عورت کے لیے مرد زوج ہے اور مرد کے لیے عورت۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ﴾ ''اور بنائے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے' اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ چیزوں سے۔''

﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں؟''

یعنی کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ یہاں یہ اہم بات لائقِ توجہ ہے کہ اس سورۃ میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر بہت تکرار کے ساتھ آ رہا ہے۔

آیت ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾﴾

''اور یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اُن کی جنہیں کچھ اختیار نہیں اُن کے لیے کسی رزق کا' نہ آسمانوں سے اور نہ زمین سے اور نہ وہ اس کی قدرت ہی رکھتے ہیں۔''

مشرکینِ عرب ایامِ جاہلیت میں جو تلبیہ پڑھتے تھے اس میں توحید کے اقرار کے ساتھ ساتھ شرک کا اثبات بھی موجود تھا۔ ان کا

تلبیہ یہ تھا: لبیک اللّٰھمّ لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، اِلّا شریکًا تملکُہٗ وَمَا مَلک یعنی میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں حاضر ہوں۔ سوائے اُس شریک کے کہ اُس کا اور جو کچھ اس کا اختیار ہے سب کا مالک تُو ہی ہے۔ یعنی بالآخر اختیار تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک تجھ سے آزاد ہو کر خود مختار (autonomous) نہیں ہے۔ چنانچہ جس طرح عیسائیوں نے توحید کو تثلیث میں بدلا اور پھر تثلیث کو توحید میں لے آئے (One in three and three in One) اسی طرح مشرکینِ عرب بھی توحید میں شرک پیدا کرتے اور پھر شرک کو توحید میں لوٹا دیتے تھے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ﴾ ''تو اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔''

قبل ازیں اسی سورت (آیت ۶۰) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ﴾ ''اور اللہ کی مثال سب سے بلند ہے'' لیکن اس کا ترجمہ بالعموم یوں کیا جاتا ہے: ''اللہ کی صفت بہت بلند ہے''۔ یا ''اللہ کی شان بہت بلند ہے''۔ اس لیے کہ اللہ کے لیے کوئی مثال بیان نہیں کی جا سکتی۔ انسانی سطح پر بات سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تمثیلی الفاظ تو استعمال کرنے پڑتے ہیں، مثلاً اللہ کا چہرہ، اللہ کا ہاتھ، اللہ کا تخت، اللہ کی کرسی، اللہ کا عرش وغیرہ، لیکن ایسے الفاظ سے ہم نہ تو حقیقت کا اظہار کر سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی صفات اور اس کے افعال کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ اسی لیے منع کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔ اس کی منطقی وجہ یہ ہے کہ ہم اگر اس ہستی کے لیے کوئی مثال لائیں گے تو عالمِ خلق سے لائیں گے، جس کی ہر چیز محدود ہے۔ یا پھر ایسی کوئی مثال ہم اپنے ذہن سے لائیں گے، جبکہ انسانی سوچ، قوتِ متخیلہ اور تصورات بھی سب محدود ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات مطلق (Absolute) ہے اور اس کی صفات بھی مطلق ہیں۔ چنانچہ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی مطلق ہستی کے لیے کوئی مثال بیان کر سکے۔ اسی لیے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۱ میں دوٹوک انداز میں فرما دیا گیا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ﴾ کہ اس کی مثال کی سی بھی کوئی شے موجود نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾﴾ ''بے شک اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔''

آیت ۷۵ ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ ''اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک غلام مملوک کی، جو اختیار نہیں رکھتا کسی چیز پر بھی''

اللہ تعالیٰ ان کے شرک کی نفی کے لیے یہ مثال بیان کر رہا ہے کہ ایک بندہ وہ ہے جو کسی کا غلام اور مملوک ہے، اس کا کچھ اختیار نہیں، وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

﴿وَمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ﴾ ''اور (ایک وہ ہے) جس کو ہم نے اپنے پاس سے بہت اچھا رزق دیا ہے، اور وہ اس میں سے خرچ کرتا ہے چھپ کر بھی اور علانیہ بھی۔''

رزق میں مال، علم اور صلاحیتیں سب شامل ہیں۔ یعنی وہ شخص مال بھی خرچ کر رہا ہے، لوگوں کو تعلیم بھی دے رہا ہے، اور کئی دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کو مستفید کر رہا ہے۔

﴿هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾﴾ ''کیا یہ (دونوں) برابر ہیں؟ کُل تعریف اور شکر اللہ کے لیے ہے، لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

ایک طرف اللہ کا وہ بندہ ہے جو اُس کے دین کی خدمت میں مصروف ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دے رہا ہے، لوگوں میں دین کی تعلیم کو عام کر رہا ہے، یا اگر صاحبِ ثروت ہے تو اپنا مال اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے خرچ کر رہا ہے

اور محتاجوں کی مدد کر رہا ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس کچھ اختیار و قدرت نہیں ہے' وہ اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ تو یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

آیت ۷۶ ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ﴾ ''اور اللہ نے (اب ایک اور) مثال بیان کی دو اشخاص کی' ان میں سے ایک گونگا ہے' وہ قدرت نہیں رکھتا کسی بھی چیز پر اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے''

﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ﴾ ''جہاں کہیں بھی وہ (آقا) اسے بھیجتا ہے' وہ کوئی خیر لے کر نہیں آتا۔''

ایک شخص کے دو غلام ہیں۔ ایک غلام گونگا ہے' کسی کام کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا' الٹا اپنے مالک پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ کام وغیرہ کچھ نہیں کرتا' صرف روٹیاں توڑتا ہے۔ اگر اس کا آقا اسے کسی کام سے بھیج دے تو وہ کام خراب کر کے ہی آتا ہے۔

﴿هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾﴾ ''کیا برابر ہو گا وہ' اور وہ جو حکم دیتا ہے عدل کا' اور وہ سیدھی راہ پر قائم ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک شخص کے دو غلاموں کے حوالے سے دو طرح کے انسانوں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ سب انسان میرے غلام ہیں۔ لیکن میرے ان غلاموں کی ایک قسم وہ ہے جو میری نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں مگر میرا کوئی کام نہیں کرتے' میرے دین کی کچھ خدمت نہیں کرتے' میری مخلوق کے کسی کام نہیں آتے۔ یہ لوگ اس غلام کی مانند ہیں جو اپنے آقا پر بوجھ ہیں۔ دوسری طرف میرے وہ بندے اور غلام ہیں جو دن رات میری رضا جوئی کے لیے جدّ و جُہد کر رہے ہیں' نیکی کا حکم دے رہے ہیں اور بُرائی سے روک رہے ہیں' میرے دین کو قائم کرنے کی جدّ و جُہد میں وہ اپنے تن' من اور دھن کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے انسان برابر ہو سکتے ہیں؟

آیات ۷۷ تا ۸۳

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۷

آیت ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی ساری چھپی باتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾﴾ ''اور قیامت کا معاملہ تو ایسے ہے جیسے نگاہ کا لپکنا' یا (ممکن ہے) وہ اس سے بھی قریب تر ہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ﴾ ''اور اللہ نے تمہیں نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے جبکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے''

نوزائیدہ بچہ عقل وشعور اور سمجھ بوجھ سے بالکل عاری ہوتا ہے' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا بچہ تمام حیوانات کے بچوں سے زیادہ کمزور اور زیادہ محتاج (dependent) ہوتا ہے۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ﴾ ''اور تمہارے لیے سماعت' بصارت اور عقل بنائی۔''

اَفْئِدَة کا ترجمہ عام طور پر ''دل'' کیا جاتا ہے' مگر میرے نزدیک اس سے مراد عقل اور شعور ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾﴾ کے ضمن میں ہوگی۔ آیت زیر نظر میں کانوں اور آنکھوں کا ذکر انسانی حواس (senses) کے طور پر ہوا ہے اور ان حواس کا تعلق عقل (اَفْئِدَة) کے ساتھ وہی ہے جو کمپیوٹر کے input devices کا اُس کے پراسیسنگ یونٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح کمپیوٹر کا پراسیسنگ یونٹ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات (data) کو پراسیس کر کے اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اسی طرح حواسِ خمسہ سے حاصل ہونے والی معلومات سے انسانی دماغ سوچ بچار کر کے کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔ انسان کی اسی صلاحیت کو ہم عقل کہتے ہیں اور میرے نزدیک اَفْئِدَة سے مراد انسان کی یہی عقل ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ''تاکہ تم شکر کرو۔''

یہ تمام صلاحیتیں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اللہ نے یہ نعمتیں انسان کو اس لیے عطا کی ہیں کہ وہ ان پر اللہ کا شکر ادا کرے' اور اس سلسلے میں اللہ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں کا استعمال درست طور پر کرے اور ان سے کوئی ایسا کام نہ لے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

آیت ﴿اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ ''کیا یہ دیکھتے نہیں پرندوں کو کہ وہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں' انہیں نہیں تھاما ہوا کسی نے سوائے اللہ کے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے قانون کے مطابق یہ پرندے فضا میں تیر رہے ہیں۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہوں۔''

آیت ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾ ''اور اللہ نے تمہارے گھروں میں تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنائی ہے''

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ﴾ ''اور اُس نے بنا دیے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) جنہیں تم بہت ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ اور قیام کے دن''

جانوروں کی کھالوں سے بنائے گئے خیمے بہت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دورانِ سفر بھی انہیں اٹھانا آسان ہوتا ہے اور اسی طرح جب اور جہاں چاہیں انہیں آسانی سے گاڑ کر آرام دہ قیام گاہ بنائی جاسکتی ہے۔

﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۸۰﴾ ''اور (اُس نے بنایا تمہارے لیے) اُن (بھیڑوں) کی اُون سے اور اُن (اونٹوں اور بکریوں) کے بالوں سے سامان اور برتنے کی چیزیں ایک خاص وقت تک کے لیے۔''

قبل ازیں آیت ۵ میں جانوروں کے بالوں کی افادیت کے حوالے سے ''دِفْءٌ'' کا لفظ استعمال ہوا تھا' جس میں سردی کی شدت سے بچنے کے لیے کپڑا تیار کرنے کی طرف اشارہ تھا۔ یہاں اس سلسلے میں وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ مختلف جانوروں کی اون اور ان کے بالوں کی صورت میں اللہ نے تمہارے لیے قدرتی ریشہ (fiber) پیدا کر دیا ہے جس سے تم لوگ کپڑے بُنتے ہو اور دوسری بہت سی مفید اشیاء بناتے ہو۔ ایک مدت تک انسان کے پاس کپڑا بنانے کے لیے جانوروں سے حاصل ہونے والے اس ریشے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ کپاس کی دریافت بہت بعد میں ہوئی۔ موجودہ زمانے میں اس مقصد کے لیے اگرچہ مصنوعی ریشے کی رنگارنگ اقسام موجود ہیں مگر اس قدرتی ریشے کی اہمیت وافادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

آیت ۸۱ ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا﴾ ''اور اللہ ہی نے بنایا تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سایہ''

اللہ نے درختوں اور بہت سی دوسری چیزوں سے سائے کا نظام وضع فرمایا ہے جو انسانی زندگی کے لیے بہت مفید ہے۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ ''اور اُسی نے بنائیں تمہارے لیے پہاڑوں کے اندر پناہ گاہیں''

پہاڑوں کے اندر قدرتی غاریں پائی جاتی ہیں جن میں لوگ طوفانی ہواؤں وغیرہ کی شدت سے بچنے کے لیے پناہ لے سکتے ہیں۔ پرانے زمانے میں تو اس حوالے سے ان غاروں کی بہت اہمیت تھی۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ﴾ ''اور بنائے تمہارے لیے ایسے لباس جو تمہیں بچاتے ہیں گرمی سے اور ایسے لباس (زرہیں) جو تمہیں بچاتے ہیں تمہاری لڑائی میں''

﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝۸۱﴾ ''اسی طرح وہ اتمام فرماتا ہے اپنی نعمت کا تم پر تاکہ تم اطاعت کی روش اختیار کرو۔''

جیسا کہ قبل ازیں بھی اشارہ کیا گیا ہے' اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کی تکرار بہت زیادہ ہے۔ (مزید ملاحظہ ہوں آیات ۱۸' ۳۵' ۷۱' ۷۲' ۸۳ اور ۱۱۴)۔

آیت ۸۲ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۸۲﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ مُنہ پھیر لیں تو آپ پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔''

آیت ۸۳ ﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۳﴾ ''یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں' پھر منکر ہو جاتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔''

آیات ۸۴ تا ۸۹

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ
إِذَا رَأَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ إِذَا رَأَ الَّذِيْنَ
أَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَأَلْقَوْا
إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ أَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ أَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا
كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ
شَهِيْدًا عَلٰى هٰؤُلَآءِ ۭ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى
لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع ۱۲ ۱۸

آیت ۸۴ ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾ ''اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر اُمّت میں سے ایک گواہ''

شہادتِ حق کا یہ مضمون اس سورت میں دو مرتبہ (مزید ملاحظہ ہو آیت ۸۹) آیا ہے' جبکہ قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ آیت زیر نظر میں ہر اُمّت میں سے جس گواہ کا ذکر ہے وہ اس اُمّت کا نبی یا رسول ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾﴾ ''ہم ضرور پوچھیں گے اُن سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے''۔ روزِ محشر ہر اُمّت کی پیشی کے وقت اُس اُمّت کا رسولؑ عدالت کے سرکاری گواہ (prosecution witness) کی حیثیت سے گواہی دے گا کہ اے اللہ! تیری طرف سے جو پیغام مجھے اس قوم کے لیے ملا تھا وہ میں نے بے کم و کاست ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ لوگ جوابدہ ہیں' ان سے محاسبہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی اپنی اُمّت کے خلاف گواہی دیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾ ''پھر کافروں کو نہ (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ ہی ان کو عذر پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔''

اُس وقت انہیں ایسا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا کہ وہ عذر تراش کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر سکیں۔

آیت ۸۵ ﴿وَإِذَا رَأَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾﴾ ''اور جب یہ ظالم دیکھ لیں گے عذاب کو تو پھر اسے ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔''

آیت ۸۶ ﴿وَإِذَا رَأَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ﴾ ''اور جب مشرک لوگ دیکھیں گے اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔''

﴿فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾﴾ ''تو وہ پھینک دیں گے یہ بات انہی کی طرف کہ تم لوگ یقیناً جھوٹ بول رہے ہو۔''

شرک کا ارتکاب کرنے والے یہ لوگ محشر میں جب اُن مقدس ہستیوں کو دیکھیں گے جن کے نام کی وہ دنیا میں دہائی دیا کرتے تھے تو پکار اٹھیں گے کہ اے اللہ! یہ ہیں وہ ہستیاں جنہیں ہم پکارا کرتے تھے آپ کو چھوڑ کر۔ مثلاً حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی دہائی دینے والے جب وہاں آپؒ کو بلند مراتب پر فائز دیکھیں گے تو آپؒ کو پہچان کر ایسے کہیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا شریک ٹھہرانے والے جب آپؑ کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم جنہیں ہم اللہ کا چہیتا بیٹا سمجھتے تھے اور ہمارا عقیدہ تھا کہ وہ سولی پر چڑھ کر ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں۔

یہ تمام مقدس ہستیاں وہاں مشرکین کے مشرکانہ عقائد سے اظہارِ براءت کریں گی کہ ہمارا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ تم لوگ دنیا میں ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور اللہ کے سوا ہمیں پکارا کرتے تھے۔ قبل ازیں یہ مضمون سورۂ یونس کی آیت ۲۸ اور ۲۹ میں بھی گزر چکا ہے۔

آیت ۸۷ ﴿وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ یَوْمَىِٕذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ''اور وہ (سب کے سب) اُس روز اللہ کے حضور عاجزی پیش کریں گے اور گم ہو جائیں گے اُن سے (وہ عقائد) جو وہ گھڑا کرتے تھے۔''

ایسی مقدس ہستیوں کے بارے میں جو عقائد اور نظریات انہوں نے گھڑ رکھے تھے کہ وہ انہیں عذاب سے بچا لیں گے اور اللہ کی پکڑ سے چھڑا لیں گے' ایسے تمام خود ساختہ عقائد میں سے اس دن انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہے گا اور عذاب کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں گے۔

آیت ۸۸ ﴿اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکتے رہے (دوسروں کو) اللہ کے راستے سے' ہم اُن کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کرتے جائیں گے' بسبب اس فساد کے جو وہ کرتے تھے۔''

اُن لوگوں کا عذاب بتدریج بڑھتا ہی چلا جائے گا جنہوں نے نہ صرف حق کو جھٹلایا بلکہ اس کے خلاف سازشیں کیں اور لوگوں کو ورغلا کر اللہ کے راستے سے روکتے رہے۔

آیت ۸۹ ﴿وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''اور (ذرا تصور کرو اُس دن کا) جس دن ہم ہر اُمت میں کھڑا کریں گے ایک گواہ اُن پر اُن ہی میں سے''

یہ وہی الفاظ ہیں جو ہم آیت ۸۴ میں پڑھ آئے ہیں۔ قیامت کے دن تمام رسولؑ اپنی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ سورۃ الاحزاب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس حوالے سے فرمایا گیا: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾﴾ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا' خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر' اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ''۔ اسی طرح سورۃ المزمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾

''یقیناً ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول' گواہی دینے والا تم پر جیسے ہم نے بھیجا تھا فرعون کی طرف ایک رسول۔''

﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾ ''اور آپؐ کو کھڑا کریں گے گواہ (بنا کر) ان کے خلاف۔''

قبل ازیں ہم سورۃ النساء میں بھی اس سے ملتی جلتی یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝۴۱﴾ ''پھر کیا حال ہوگا جب ہم لائیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ اور آپؐ کو لائیں گے ان پر گواہ''۔ یہاں هٰٓؤُلَآءِ کے لفظ میں قریشِ مکہ کی طرف اشارہ ہے جن تک حضور ﷺ نے براہِ راست اللہ کی دعوت پہنچا دی تھی۔ لہٰذا قیامت کے دن آپؐ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ میں نے آپ کا پیغام بے کم و کاست ان تک پہنچا دیا تھا اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ میں نے اس ضمن میں برس ہا برس تک ان کے درمیان ہر طرح کی مشقت اٹھائی۔ انہیں تنہائی میں فرداً فرداً بھی ملا اور علی الاعلان اجتماعی طور پر بھی اُن سے مخاطب ہوا۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اُمت نے اللہ کا یہ پیغام اہلِ عرب تک براہِ راست پہنچا دیا اور باقی دنیا تک قیامت تک کے لیے یہ پیغام پہنچانے کی ذمہ داری آپ ﷺ نے اُمت کو منتقل فرما دی۔ اب اگر اُمت اس فرض میں کوتاہی کرے گی تو لوگوں کی گمراہی کا وبال افرادِ اُمت پر آئے گا۔ چنانچہ یہ بہت بھاری اور نازک ذمہ داری ہے جو اُمتِ مُسلمہ کے افراد ہونے کے سبب ہمارے کندھوں پر آپڑی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اُمتِ مُسلمہ کی اس ذمہ داری کا ذکر تحویلِ قبلہ کے ذکر کے فوراً بعد اس طرح فرمایا گیا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ ''اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وَسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے''۔ اس بھاری ذمہ داری کی ادائیگی کے دوران بہت مشکل اور جان گسل مراحل کا آنا ناگزیر ہے۔ اس طرح کے مشکل مراحل سے گزرنے کا طریقہ سورۃ البقرۃ ہی میں آگے چل کر اس طرح واضح کیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳﴾ ''اے اہلِ ایمان تم مدد طلب کرو نماز اور صبر کے ساتھ' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ اور پھر اس راہ میں جان کی بازی لگانے والے خوش نصیب اہلِ ایمان کی دلجوئی اس طرح فرمائی گئی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴﴾ ''اور مت کہو انہیں مُردہ جو اللہ کے رستے میں قتل کر دیے جائیں' بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔''

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۸۹﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے اُتار دی ہے آپ پر یہ کتاب وضاحت کرتی ہوئی ہر شے کی' اور یہ ہدایت' رحمت اور بشارت (بن کر آئی) ہے مسلمانوں کے لیے۔''

یعنی حیاتِ انسانی کے تمام مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت' رحمت اور بشارت ہے جو مسلم یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

آیات ۹۰ تا ۱۰۰

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ

بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا
كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ
هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ
بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا
تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ
يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۱ ۱۹

آیت ۹۰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ ''یقیناً اللہ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا اور قرابت داروں کو (ان کے حقوق) ادا کرنے کا''

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ﴾ ''اور وہ روکتا ہے بے حیائی' برائی اور سرکشی سے۔''

﴿يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾﴾ ''وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔''

یہ آیت اس لحاظ سے بہت مشہور ہے کہ اکثر جمعۃ المبارک کے خطبات میں شامل کی جاتی ہے۔ یہ بہت ہی جامع آیت ہے اور اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انداز میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور تین ہی چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ پہلا حکم عدل کا ہے اور دوسرا احسان کا۔ عدل تو یہ ہے کہ جس کا جس قدر حق ہے عین اسی قدر آپ اسے دے دیں' لیکن احسان ایک ایسا عمل ہے جو عدل سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ یعنی احسان یہ ہے کہ آپ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ چنانچہ اللہ محسنین کو محبوب رکھتا ہے۔ تیسرا حکم قرابت داروں کے حقوق کا خیال رکھنے کے بارے میں ہے' یعنی ان سے حسن سلوک سے پیش آنا' صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنا اور انفاقِ مال کے سلسلے میں ان کو ترجیح دینا۔ یہ تین احکام اُن اعمال کے بارے میں ہیں جو ایک اچھے معاشرے کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔

جن چیزوں سے یہاں منع فرمایا گیا ہے ان میں سب سے پہلے بے حیائی ہے۔ حیا گویا انسان اور ہر بُرے کام کے درمیان پردہ ہے۔ جب تک یہ پردہ قائم رہتا ہے انسان عملی طور پر بُرائی سے بچا رہتا ہے' اور جب یہ پردہ اُٹھ جاتا ہے تو پھر انسان بے شرم ہو کر آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ع ''بے حیا باش و ہرچہ خواہی کُن!'' کا مصداق بن کر جو چاہے کرتا پھرتا ہے۔ بے حیائی کے بعد منکر سے منع

کیا گیا ہے۔ منکر ہر وہ کام ہے جس کے بُرے ہونے پر انسان کی فطرت گواہی دے۔ تیسرا ناپسندیدہ عمل یا جذبہ البغی یعنی سرکشی ہے۔ یہ سرکشی اگر اللہ کے خلاف ہو تو بغاوت ہے اور یوں کفر ہے' اور اگر یہ انسانوں کے خلاف ہو تو اسے ''عُدوان'' کہا جاتا ہے یعنی ظلم اور زیادتی۔ بہرحال ان دونوں سطحوں پر یہ انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم جذبہ ہے۔

اگلی چند آیات مشکلات القرآن میں سے ہیں۔ ان کی تفسیر کے بارے میں بہت سی آراء ہیں جو سب کی سب یہاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ مَیں یہاں صرف وہ رائے بیان کروں گا جس سے مجھے اتفاق ہے۔ میری رائے کے مطابق ان آیات میں روئے سُخن اہلِ کتاب کی طرف ہے۔ مکّی سورتوں میں اگرچہ اہلِ کتاب سے ''یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ'' یا ''یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ'' کے الفاظ سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا' لیکن سورۃ الانعام اور اس کے بعد (مکّی دور کے آخری سالوں میں) نازل ہونے والی سورتوں میں اہلِ کتاب کو بالواسطہ انداز میں مخاطب کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک محمد رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں اور یہودِ مدینہ ان خبروں کو سن کر بہت متجسّسانہ انداز میں مزید معلومات کی ٹوہ میں تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو نبی آخر الزماں ﷺ کو پہچان بھی چکے تھے اور وہ اس انتظار میں تھے کہ مزید معلومات سے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق ہو جائے تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ دوسری طرف یہودِ مدینہ ہی میں سے کچھ لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کے خلاف حسد کی آگ بھی بھڑک چکی تھی۔ اس قسم کے لوگ آپ ﷺ کی مخالفت کے لیے قریشِ مکّہ سے مسلسل رابطے میں تھے اور آپؐ کی آزمائش کے لیے قریشِ مکّہ کو مختلف قسم کے سوالات بھیجتے رہتے تھے۔ ان سوالات میں ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام تو فلسطین میں آباد تھے' لیکن ان کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کے لوگ وہاں سے مصر کیسے پہنچے؟ ان کا یہی سوال تھا جس کے جواب میں پوری سورۂ یوسف نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ وہ معروضی صورتِ حال تھی جس کی وجہ سے مکّی دور کی آخری سورتوں میں کہیں کہیں اہلِ کتاب کا ذکر بھی موجود ہے اور بالواسطہ طور پر ان سے خطاب بھی ہے۔ اس پس منظر میں میری رائے یہی ہے کہ آئندہ آیات میں روئے سُخن اہلِ کتاب کی طرف ہے۔

آیت ۹۱ ﴿وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ﴾ ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم عہد کر چکے ہو''

یہاں بنی اسرائیل کا وہ وعدہ مراد ہے جس کی تفصیل بعد میں مدنی سورتوں میں آئی۔ مدنی سورتوں میں اِن کے اس عہد کا بار بار ذکر کیا گیا ہے: ﴿وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ ...﴾ (البقرۃ: ۶۳)۔ یہاں پر اس عہد کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اس کا تذکرہ کر دیا گیا کہ ''عاقلاں را اشارہ کافی است''۔ مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے صاحبانِ علم و بصیرت بات کو سمجھنا چاہیں تو سمجھ لیں۔

﴿وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ﴾ ''اور اپنی قسموں کو مت توڑو مضبوطی سے باندھنے کے بعد' جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ ٹھہرا چکے ہو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝۹۱﴾ ''یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

یعنی یہ عہد تم نے اللہ کو گواہ بنا کر اور اللہ کی قسمیں کھا کر باندھا ہوا ہے۔

آیت ۹۲ ﴿وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ؕ﴾ ''اور مت ہو جاؤ اُس (دیوانی) عورت کی مانند جس نے اپنا سُوت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' مضبوطی (سے کاتنے) کے بعد۔''

دیکھو تم تو ایک مدت سے نبی آخر الزماں ﷺ کے منتظر چلے آ رہے تھے اور اہلِ عرب کو اس حوالے سے دھمکایا بھی کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان آنے والے ہیں' جب وہ تشریف لے آئے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم لوگوں پر غالب آ جائیں گے۔ اب جب کہ وہ نبیؐ آ گئے ہیں تو تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اُنؐ کو جھٹلانے کے لیے بہانے ڈھونڈ رہے ہو! تو کیا اب تم لوگ اپنے منصوبوں اور افکار و نظریات کے تانے بانے خود اپنے ہی ہاتھوں تار تار کر دینے پر تُل گئے ہو؟ کیا اُس دیوانی عورت کی طرح تمہاری بھی مَت ماری گئی ہے جو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ کاتے ہوئے اپنے سُوت کی تار تار اُدھیڑ کے رکھ دے؟

﴿تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًۢا بَیْنَکُمْ اَنْ تَکُوْنَ اُمَّۃٌ ہِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّۃٍ ؕ﴾ ''تم اپنی قسموں کو اپنے مابین دخل دینے کا ذریعہ بناتے ہو تا کہ نہ ہو جائے ایک قوم بڑھی ہوئی دوسری قوم سے۔''

یعنی تم نے تو اس معاملے کو گویا دو قوموں کا تنازعہ بنا لیا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ وہی نبی (ﷺ) ہیں جن کی بشارت تمہاری کتاب میں موجود ہے' تم آپس میں عہد و پیمان کر رہے ہو' قسمیں کھا رہے ہو کہ ہم ہرگز آپ (ﷺ) پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تمہاری اس ہٹ دھرمی کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ تم قومی عصبیت میں مبتلا ہو چکے ہو۔ چونکہ اس آخری نبی ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل یعنی اُمّیین سے ہے' اس لیے تم لوگ نہیں چاہتے کہ بنی اسماعیل کو اب ویسی ہی فضیلت حاصل ہو جائے جو پچھلے دو ہزار سال سے تم لوگوں کو حاصل تھی۔

﴿اِنَّمَا یَبْلُوْکُمُ اللّٰہُ بِہٖ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ تمہیں آزما رہا ہے اس کے ذریعے سے۔''

اس میں تمہاری آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم لوگ حق پرست ہو یا نسل پرست؟ اگر تم لوگ اس معاملے میں نسل پرستی کا ثبوت دیتے ہو تو جان لو کہ اللہ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور اگر حق پرست بننا چاہتے ہو تو تمہیں سوچنا چاہیے کہ ایک مدت تک اللہ تعالیٰ نے نبوت تمہاری نسل میں رکھی اور اب اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کے ایک فرد کو اس کے لیے چُن لیا ہے۔ لہٰذا اسے اللہ کا فیصلہ سمجھتے ہوئے تمہیں قبول کر لینا چاہیے۔ تمہیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ بنی اسماعیل بھی تو آخر تمہاری ہی نسل میں سے ہیں۔ وہ بھی تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں' مگر تم لوگ ہو کہ تم نے اس معاملے کو باہمی مخاصمت اور ضد ﴿بَغْیًۢا بَیْنَہُمْ﴾ کی بھینٹ چڑھا دیا ہے اور اس طرح تم لوگ اللہ کی اس آزمائش میں ناکام ہو رہے ہو۔

﴿وَلَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾﴾ ''اور وہ ضرور ظاہر کرے گا تم پر قیامت کے دن وہ سب کچھ جس میں تم لوگ اختلاف کرتے تھے۔''

آیت ۹۳ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا''

اللہ تعالیٰ یہ بھی کر سکتا تھا کہ پوری انسانیت کو ایک ہی اُمت بنا دیتا تا کہ نسلوں اور قوموں کی یہ تفریق ہی نہ ہوتی اور نہ ہی ایک اُمت کو معزول کر کے دوسری اُمت کو نوازنے کی ضرورت پیش آتی۔ پھر جس اللہ نے بخت نصر کے ہاتھوں تمہاری بربادی کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام کی دعوتِ توبہ کے ذریعے تمہاری نشأۃِ ثانیہ کی تھی' وہ یہ بھی کر سکتا تھا کہ ایک دفعہ پھر کسی اصلاحی تحریک کے ذریعے تمہیں اپنی ہدایت اور رحمت سے نواز دیتا۔ اس طرح آخری نبی بھی تم ہی میں آتے اور یہ قرآن بھی تم ہی کو ملتا۔ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا۔

﴿وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔''

آیت کے اس حصے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ ''وہ گمراہ کرتا ہے اُسے جو (گمراہی) چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اُسے جو (ہدایت) چاہتا ہے۔''

﴿وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۳﴾ ''اور تم سے ضرور پوچھا جائے گا اُس بارے میں جو کچھ تم کرتے تھے۔''

یعنی اِس وقت تم لوگ ایک بہت بڑے امتحان سے دو چار ہو۔ تمہارے پاس نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں واضح نشانیوں کے ساتھ علم آچکا ہے اور تم اللہ کی کتاب کے وارث بھی ہو۔ اس کے باوجود اگر تم نے ہمارے نبی ﷺ کی تصدیق نہ کی اور آپؐ کو جھٹلانے پر تُلے رہے تو اس بارے میں تم سے ضرور جواب طلبی ہوگی۔

اب ذرا سورۃ البقرہ کی ان آیات کو ذہن میں تازہ کیجئے:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۠ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲﴾

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو تم میری وہ نعمت جو میں نے تم پر انعام کی اور پورا کرو میرا عہد میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے گئے) عہد کو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور ایمان لاؤ اُس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے جو تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے اور مت ہو جاؤ تم ہی سب سے پہلے اس کا کفر کرنے والے اور مت بیچو میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ اور نہ ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ حق کو جانتے بوجھتے۔''

ان آیات کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سورۃ النحل میں جو بات اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ سے شروع ہوئی ہے یہ گویا تمہید ہے اُس مضمون کی جو سورۃ البقرۃ کی مندرجہ بالا آیات کی شکل میں مدینہ جا کر نازل ہونے والا تھا۔

آیت ۹۴ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا﴾ ''اور مت بناؤ اپنی قسموں کو اپنے درمیان دھوکے کا ذریعہ کہ پھسل جائے کوئی قدم پختگی کے بعد''

دیکھو، حقیقت یہ ہے کہ تم ہمارے نبی ﷺ کو اچھی طرح پہچان چکے ہو: ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۴۶)۔ اب اس حالت میں اگر تم پھسلو گے تو یاد رکھو سیدھے جہنم کی آگ میں جا کر گرو گے: ﴿فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ﴾ (التوبۃ:۱۰۹)

﴿وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۹۴﴾ ''اور تمہیں عذاب کا مزہ چکھنا پڑے بسبب اس کے کہ تم نے (لوگوں کو) روکا اللہ کے راستے سے اور تمہارے لیے (اس کی پاداش میں) بہت بڑا عذاب ہے۔''

تمہیں تو چاہیے تھا کہ سب سے پہلے کھڑے ہو کر گواہی دیتے کہ ہم نے محمد (ﷺ) کو اپنی کتاب میں دی گئی نشانیوں سے ٹھیک ٹھیک پہچان لیا ہے، آپ (ﷺ) واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اور تمہیں نصیحت بھی کی گئی تھی: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠﴾ (البقرۃ:۴۱) ''اور تم اس کے پہلے منکر نہ بن جانا''۔ اس سب کچھ کے باوجود تم لوگ اس گواہی کو چھپا رہے ہو: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ

مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرۃ: ۱۴۰) ''اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے چھپائی وہ گواہی جو اُس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے!''

آیت ۹۵ ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ﴾ ''اور اللہ کے اُس عہد کو حقیری قیمت کے عوض فروخت نہ کرو۔''

﴿اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹۵﴾ ''یقیناً اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم علم رکھتے ہو۔''

تمہیں دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفادات بہت عزیز ہیں اور ان حقیر مفادات کے لیے تم لوگ اللہ کی ہدایت کو ٹھکرا رہے ہو' مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم لوگ اس ہدایت کو قبول کر لو گے تو اللہ کے ہاں اخروی انعامات سے نوازے جاؤ گے۔ اللہ کے ہاں جنّت کی دائمی نعمتیں تمہارے ان مفادات کے مقابلے میں کہیں بہتر ہیں جن کے ساتھ تم لوگ آج چمٹے ہوئے ہو۔

آیت ۹۶ ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ﴾ ''جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔''

﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶﴾ ''اور ہم لازماً دیں گے صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق۔''

ہر نیکوکار شخص کے تمام اعمال ایک درجے کے نہیں ہوتے' کوئی نیکی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اور کوئی نسبتاً چھوٹے درجے کی۔ مگر جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے' اُن کی اعلیٰ درجے کی نیکیوں کو سامنے رکھ کر اُن کے اجر و ثواب کا تعیّن کیا جائے گا۔

آیت ۹۷ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ﴾ ''جس کسی نے بھی نیک عمل کیا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ ہو وہ مؤمن تو ہم اُسے (دُنیا میں) ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔''

ایسے لوگ بے شک دنیا میں روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کریں مگر انہیں سکونِ قلب کی دولت نصیب ہوگی' ان لوگوں کے دل غنی ہوں گے' کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ)) (۳) کہ اصل امیری تو دل کی امیری ہے۔ اگر انسان کا دل غنی ہے تو انسان واقعتاً غنی ہے اور اگر ڈھیروں دولت پا کر بھی دل لالچ کے پھندے میں گرفتار ہے تو ایسا شخص دراصل غنی یا امیر نہیں' فقیر ہے۔ چنانچہ نیکوکار انسانوں کو دُنیوی زندگی میں ہی غنا اور سکونِ قلب کی نعمت سے نوازا جائے گا' کیونکہ یہ نعمت تو ثمرہ ہے اللہ کی یاد کا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸﴾ (الرعد) ''آگاہ رہو! دل تو اللہ کے ذکر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں''۔ ایسے لوگوں کا شمار اللہ کے دوستوں اور اولیاء میں ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرمایا جاتا ہے اور انہیں حزن و ملال کے سایوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲﴾ (یونس) ''آگاہ رہو! یقیناً اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
((لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ' وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ)) (صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب الغنی غنی النفس۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب لیس الغنی عن کثرۃ العرض)
''دولت مندی اسبابِ دُنیوی کی کثرت سے نہیں ہوتی' بلکہ اصل دولت مند (غنی) تو وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔''

ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾﴾ ''اور (آخرت میں) ہم انہیں ضرور دیں گے اُن کے اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق۔''

آیت ۹۸ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾﴾ ''تو جب آپ قرآن پڑھیں تو اللہ کی پناہ طلب کر لیجیے شیطانِ مردود سے۔''

اس حکم کی رو سے قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا ضروری ہے۔

آیت ۹۹ ﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾﴾ ''اُس کا کچھ بھی زور نہیں چلتا اُن لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں اور جو اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

آیت ۱۰۰ ﴿إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾﴾ ''اُس کا زور تو اُنہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُس سے دوستی کرتے ہیں اور جو اُس کو (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہرانے والے ہیں۔''

شیطان کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُس کو اپنا رفیق اور سرپرست بنا لیتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کے بجائے اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔ گویا اُس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیتے ہیں یا اُس کے بہکانے سے دوسری ہستیوں کو اللہ کا شریک بنا لیتے ہیں۔

آیات ۱۰۱ تا ۱۱۱

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٠٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا ۙ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾ ع يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

آیت ۱۰۱ ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ﴾ ''اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت''

قبل ازیں یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں بیان ہو چکا ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ﴾ (آیت ۱۰۶)۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کے مطالعے کے دوران اس آیت کے تحت اس مضمون کی وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے''

قرآن کا نزول اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ اگر کوئی مخصوص حکم کسی ایک دور کے لیے تھا اور پھر بدلے ہوئے حالات میں اس حکم میں تبدیلی کی ضرورت ہے تو یہ سب کچھ اللہ کے علم کے مطابق ہے اور کسی خاص ضرورت اور حکمت کے تحت ہی کسی حکم میں تبدیلی کی جاتی ہے۔ مگر ایسی تبدیلی کو دیکھتے ہوئے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ﴾ ''یہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ آپؐ خود ہی (اسے) گھڑنے والے ہیں''

کہ پہلے یوں کہا گیا تھا' اب اسے بدل کر یوں کہہ رہے ہیں۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں اس طرح کی تبدیلی کیسے ممکن تھی؟

﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾﴾ ''بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔''

حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت علم سے عاری ہے۔

آیت ۱۰۲ ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اسے نازل کیا ہے روح القدس نے آپؐ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ''

یہاں پر روح القدس کا لفظ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لیے آیا ہے کہ ایک پاک فرشتہ اس کلام کو لے کر آیا ہے۔

﴿لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''تاکہ وہ ثابت قدم رکھے اہلِ ایمان کو''

سورۃ الفرقان میں یہی مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾﴾ ''تاکہ ہم مضبوط کریں اس کے ساتھ آپؐ کے دل کو اور (اسی لیے) ہم نے پڑھ سنایا اسے ٹھہر ٹھہر کر۔''

﴿وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہو فرماں برداروں کے لیے۔''

جیسے جیسے حالات میں تبدیلی آ رہی ہے' ویسے ویسے اس قرآن کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ہدایت و راہنمائی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ مثلاً قصہ آدمؑ و ابلیس جب پہلی دفعہ بیان کیا گیا تو اس میں وہ تفصیلات بیان کی گئیں جو اُس وقت کے مخصوص معروضی حالات میں حضور ﷺ اور مسلمانوں کے لیے جاننا ضروری تھیں۔ پھر جب حالات میں تبدیلی آئی تو یہی قصہ کچھ مزید تفصیلات کے ساتھ پھر نازل کیا گیا اور اسی اصول اور ضرورت کے تحت اس کا نزول بار بار ہوا تاکہ ہر دور کے حالات کے مطابق اہلِ حق اس میں سے اپنی راہنمائی کے لیے سبق حاصل کر سکیں۔

آیت ۱۰۳ ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ﴾ ''اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس کو تو ایک انسان سکھاتا ہے۔''

مشرکین رسول اللہ ﷺ پر ایک الزام یہ لگا رہے تھے کہ آپ نے کسی عجمی غلام کو یا اہلِ کتاب میں سے کسی آدمی کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے' جو تورات کا عالم ہے۔ اس سے آپ یہ ساری باتیں سیکھتے ہیں اور پھر وحی کے نام پر ہمیں سناتے ہیں اور ہم پر رعب

جماتے ہیں۔

﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''یہ لوگ جس کی طرف غلط طور پر منسوب کر رہے ہیں اُس کی زبان تو (ان کے بقول) عجمی ہے اور یہ (قرآن) فصیح عربی زبان ہے۔''

چنانچہ یہ الزام لگاتے ہوئے ان کو خود سوچنا چاہیے کہ کوئی عجمی ایسی فصیح و بلیغ عربی زبان کیسے بول سکتا ہے!

آیت ۱۰۴ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''یقیناً جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے' اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کو زبردستی کھینچ کر ہدایت کی طرف لے آئے۔

آیت ۱۰۵ ﴿اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے' اور وہی لوگ ہیں جو جھوٹے ہیں۔''

آیت ۱۰۶ ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖٓ﴾ ''اور جو کوئی کفر کرے اللہ کا اپنے ایمان لانے کے بعد''

اس کا اطلاق ایمان کی دونوں کیفیتوں پر ہوگا۔ ایک یہ کہ دل میں ایمان آ گیا' بات پوری طرح دل میں بیٹھ گئی' دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہو گئی کہ ہاں یہی حق ہے مگر زبان سے ابھی اقرار نہیں کیا۔ ایمان کی دوسری کیفیت یہ ہے کہ دل بھی ایمان لے آیا اور زبان سے ایمان کا اقرار بھی کر لیا۔ چنانچہ ان دونوں درجوں میں سے کسی بھی درجے میں اگر انسان نے حق کو حق جان لیا' دل میں یقین پیدا ہو گیا مگر پھر کسی مصلحت کا شکار ہو گیا اور حق کا ساتھ دینے سے کنی کترا گیا تو اس پر اس حکم کا اطلاق ہوگا۔

﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ﴾ ''سوائے اس کے کہ کوئی شخص مجبور کر دیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو''

کسی کی جان پر بنی ہوئی تھی اور اس حالت میں کوئی کلمۂ کفر اس کی زبان سے ادا ہو گیا' مگر اُس کا دل بدستور حالتِ ایمان میں مطمئن رہا تو ایسا شخص اللہ کے ہاں معذور سمجھا جائے گا۔

﴿وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''مگر جس نے کھول دیا کفر کے ساتھ (اپنا) سینہ تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے' اور اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

اوپر بیان کیے گئے استثناء کے مطابق مجبوری کی حالت میں تو کلمۂ کفر کہنے والے کو معاف کر دیا جائے گا (بشرطیکہ اُس کا دل ایمان پر پوری طرح مطمئن ہو) مگر جو شخص کسی وجہ سے پورے شرحِ صدر کے ساتھ کفر کی طرف لوٹ گیا' وہ اللہ کے غضب اور بہت بڑے عذاب کا مستحق ہو گیا۔

آیت ۱۰۷ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ ۙ﴾ ''یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو محبوب رکھا آخرت کے مقابلے میں''

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''اور یہ (اللہ کا قاعدہ ہے) کہ اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

آیت ۱۰۸ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں' کانوں

اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۰۸﴾ ''اور یہی لوگ ہیں جو غافل ہیں۔''

آیت ۱۰۹ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۰۹﴾ ''اب اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خسارے والے ہوں گے۔''

یہ وہ لوگ ہیں جو دُنیوی زندگی کی محبت میں حق سے منہ موڑ کر غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اب ان کے اس طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی بھلائیوں میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اگلی آیت میں پھر ہجرت کا ذکر آ رہا ہے' جو اس سے پہلے آیت ۴۱ میں بھی آ چکا ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۰﴾ ''پھر یقیناً آپؐ کا رب اُن کے حق میں جنہوں نے ہجرت کی' اس کے بعد کہ انہیں تکالیف پہنچائی گئیں' پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا' یقیناً آپؐ کا رب اس (سب کچھ) کے بعد بخشنے والا' نہایت رحم والا ہے۔''

جن مؤمنین پر مکہ میں مصائب کے پہاڑ توڑے گئے' ان حالات میں انہوں نے ہجرت کی' پھر وہ جہاد بھی کرتے رہے' اس طرح راہِ حق میں آنے والی آزمائشوں کے تمام مراحل انہوں نے کمال صبر سے طے کیے' اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اِن قربانیوں اور سرفروشیوں کا ضرور اجر دے گا۔ انہیں بخشش عطا فرمائے گا اور ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا۔

آیت ۱۱۱ ﴿يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ ''جس دن آئے گی ہر جان اپنی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے''

روزِ قیامت ہر شخص چاہے گا کہ کسی نہ کسی طرح جہنم کی سزا سے اس کی جان چھوٹ جائے۔ لہٰذا اس کے لیے وہ مختلف عذر پیش کرے گا۔

﴿وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۱۱﴾ ''اور (بدلہ میں) پورا پورا دیا جائے گا ہر جان کو جو کچھ اُس نے کمایا ہوگا اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

آیات ۱۱۲ تا ۱۱۹

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۱۲ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۱۳ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۱۱۴ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۵ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۱۱۶ مَتَاعٌ

قَلِيْلٌ ۖ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

آیت ۱۱۲ ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ ''اور اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک بستی کی جو بالکل امن واطمینان کی حالت میں تھی' آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بافراغت ہر طرف سے''

﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''تو اُس نے ناشکری کی اللہ کی نعمتوں کی' تو اُسے چکھا (پہنا) دیا اللہ نے لباس بھوک اور خوف کا' اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں۔''

اس تمثیل کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ ایک عام تمثیل ہے اور کسی خاص بستی سے متعلق نہیں۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قومِ سبا کی مثال ہے جس کے بارے میں تفصیل آگے چل کر سورۂ سبا میں آئے گی۔ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ اس مثال کے آئینے میں مکہ اور اہلِ مکہ کا ذکر ہے کہ یہ شہر ہمیشہ سے امن وسکون کا گہوارہ چلا آ رہا تھا اور یہاں اہلِ مکہ کی تجارتی سرگرمیوں اور حج وعمرہ کے اجتماعات کے باعث خوشحالی اور فارغ البالی بھی تھی۔ دنیا بھر سے انواع واقسام کا رزق فراوانی سے ان کے پاس چلا آتا تھا' مگر حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپؐ کی دعوت کا انکار کرنے کی پاداش میں اس شہر کے باشندوں پر قحط کا عذاب مسلط کر دیا گیا تھا۔ مکہ میں یہ قحط اسی قانونِ خداوندی کے تحت آیا تھا جس کا ذکر سورۃ الانعام کی آیت ۴۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۹۴ میں ہوا ہے۔ اس اصول یا قانون کے تحت ہر رسولؑ کی بعثت کے بعد متعلقہ قوم پر چھوٹے چھوٹے عذاب آتے ہیں تاکہ انہیں خوابِ غفلت سے جاگنے اور سنبھلنے کا موقع مل جائے اور وہ رسول پر ایمان لا کر بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

تاویلِ خاص کے اعتبار سے اس مثال میں یقیناً مکہ ہی کی طرف اشارہ ہے مگر اس کی عمومی حیثیت بھی مدِنظر رہنی چاہیے کہ کوئی بستی بھی اس قانونِ خداوندی کی زد میں آ سکتی ہے۔ جیسے پاکستان کے عروس البلاد کراچی کے حالات کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب کراچی میں امن وامان' وسائلِ رزق کی فراوانی اور خوشحالی کی کیفیت ملک بھر کے لوگوں کے لیے باعثِ کشش تھی' مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر وہی نقشہ پیش کرنے لگا جس کی جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔ یعنی کفرانِ نعمت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کے باشندوں کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور آیا اُن کے پاس ایک رسول انہی میں سے تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا' پس آ پکڑا انہیں عذاب نے اور وہ خود ہی ظالم تھے۔''

آیت ۱۱۴ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ﴾ ''پس (اے اہلِ ایمان) تم کھایا کرو اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں''

﴿وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم واقعتاً اُسی کی بندگی کرتے ہو۔''

نوٹ کیجیے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر مختلف انداز میں اس سورت میں بار بار آ رہا ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ ''اُس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مُردار' خون' خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔''

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۱۵﴾ ''پھر جو کوئی مجبور ہو جائے' (لیکن) نہ وہ طالب ہو نہ حد سے بڑھنے والا' تو اللہ یقیناً بخشنے والا' نہایت رحم والا ہے۔''

یعنی انتہائی مجبوری کی حالت میں' جان بچانے کے لیے وقتی طور پر بقدرِ ضرورت ان حرام اشیاء کو استعمال میں لا کر جان بچائی جا سکتی ہے' مگر نہ تو دل میں ان کی طلب ہو' نہ اللہ سے سرکشی کا ارادہ' اور نہ ہی ایسی حالت میں وہ چیز ضرورت سے زیادہ کھائی جائے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ﴾ ''اور مت کہو جس کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ گھڑتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے''

حلال اور حرام کا فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے' اس لیے اس بارے میں غیر محتاط رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ بغیر علم' دلیل اور سند کے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

﴿لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ﴾ ''تاکہ تم اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرو۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۱۱۶﴾ ''یقیناً جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۱۷﴾ ''برتنے کا سامان ہے (دُنیوی زندگی میں) تھوڑا سا' اور پھر ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۱۸ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ''اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کی تھیں (وہ چیزیں) جو ہم بیان کر چکے ہیں آپؐ پر اس سے پہلے۔''

اس بارے میں تفصیل سورۂ آلِ عمران: ۹۳' النساء: ۱۶۰ اور الانعام: ۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی مرضی سے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا' جس کی تعمیل بعد میں وہ پوری قوم کرتی رہی۔ اس کے علاوہ مختلف حیوانات کی چربی بھی بنی اسرائیل پر حرام کر دی گئی تھی۔

﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۱۱۸﴾ ''اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔''

آیت ۱۱۹ ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۱۹﴾ ''پھر یقیناً آپؐ کا رب اُن لوگوں کے حق میں جو جہالت سے کوئی بُرا کام کر بیٹھیں' پھر اس کے بعد وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں' تو یقیناً آپؐ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

جو لوگ جذبات کی رو میں بہہ کر یا نادانی میں کوئی گناہ کر بیٹھیں' پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں اور غلط روش سے باز آ جائیں تو ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ ضرور غفور و رحیم ہے۔

آیات ۱۲۰ تا ۱۲۸

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ
اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾
اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ
هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِنْ
عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اصْبِرْ وَ مَا
صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶

آیت ۱۲۰ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''یقیناً ابراہیمؑ ایک اُمّت تھے' اللہ کے لیے فرمانبردار اور یکسو اور آپؑ مشرکین میں سے نہیں تھے۔''

اَمَّ یَؤُمُّ کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں۔ سورۂ یوسف (آیت ۴۵) میں اُمَّۃ کا لفظ وقت اور مدّت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾۔ وقت اور زمانے کے بھی ہم پیچھے چلتے ہیں تو گویا اس کا قصد کرتے ہیں۔ اسی طرح راستے پر چلتے ہوئے بھی انسان اس کا قصد کرتا ہے۔ اس حوالے سے لفظ اُمَّۃ وقت اور راستے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بہت سے لوگ ایک نظریے کا قصد کر کے اکٹھے ہو جائیں تو انہیں بھی اُمَّۃ کہا جاتا ہے' یعنی ہم مقصد لوگوں کی جماعت۔ چنانچہ اسی معنی میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں فرمایا گیا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾۔ اس لحاظ سے آیت زیر نظر میں لفظ اُمّت کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک راستہ بنانے والے' اور ایک ریت ڈالنے والے تھے' اور اس طرح آپؑ اپنی ذات میں گویا ایک اُمّت تھے۔ جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا اور پوری دنیا کفر کے راستے پر گامزن تھی تو آپؑ تنِ تنہا اسلام کے علمبردار تھے۔

آیت ۱۲۱ ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''شکر گزار تھے اُس کی نعمتوں کے۔ اللہ نے اُن کو پسند کر لیا تھا اور اُن کو ہدایت دی تھی سیدھی راہ کی طرف۔''

آیت ۱۲۲ ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''اور اُن کو ہم نے دنیا میں بھی بھلائی عطا کی تھی' اور یقیناً آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں سے ہوں گے۔''

آیت ۱۲۳ ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ ''پھر (اے

محمد ﷺ!) ہم نے وحی کی آپ کی طرف کہ پیروی کیجیے ملّتِ ابراہیمؑ کی یکسو ہو کر اور وہ ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے۔''

آیت ۱۲۴ ﴿اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ﴾ ''ہفتہ کا دن تو انہی لوگوں کے لیے معیّن کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔''

دراصل بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے جمعہ کا دن ہی مقرر فرمایا تھا' مگر انہوں نے اپنی شرارت کی وجہ سے اس کی ناقدری کی اور اسے چھوڑ کر ہفتہ کا دن اختیار کر لیا۔ چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس حیثیت میں ہفتہ کا دن ہی مقرر کر دیا۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۲۴﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب اُن کے مابین فیصلہ کرے گا قیامت کے دن اُن چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

آیت ۱۲۵ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ ''آپؐ دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ''

یہ دعوت الی الحق کا طریقہ اور اس کے آداب کا ذکر ہے' جیسا کہ سورۂ یوسف' آیت ۱۰۸ میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے' مَیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ' مَیں خود بھی اور میرے پیروکار بھی (اس راستے پر گامزن ہیں)۔''

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ﴾ ''اور ان سے بحث کیجیے بہت اچھے طریقے سے۔''

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵﴾ ''یقیناً آپؐ کا رب خوب واقف ہے اُن سے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے اُن کو بھی جو راہِ ہدایت پر ہیں۔''

اپنے موضوع کے حوالے سے یہ بہت عظیم آیت ہے۔ اس میں انسانی معاشرے کے اندر انسانوں کی تین بنیادی اقسام کے حوالے سے دعوتِ دین کے تین مدارج بیان کیے گئے ہیں' مگر عام طور پر اس آیت کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے اس پہلو کو اجاگر نہیں کیا جاتا۔

کسی بھی معاشرے میں علم و دانش کی بلند ترین سطح پر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اس معاشرے کا دانشور طبقہ (intelligentsia) یا ذہین اقلیت (intellectual minority) کہا جاتا ہے۔ اس طبقے کی حیثیت اس معاشرے یا قوم کے دماغ کی سی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے بہت چھوٹی اقلیت پر مشتمل ہوتے ہیں مگر کسی معاشرے کی مجموعی سوچ اور اس کے مزاج کا رخ متعین کرنے میں اُن کا کردار یا حصہ فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جذباتی تقاریر اور خوش کن وعظ متاثر نہیں کر سکتے' بلکہ ایسے لوگ کسی سوچ یا نظریے کو قبول کرتے ہیں تو مصدقہ علمی و منطقی دلیل سے قبول کرتے ہیں اور اگر رد کرتے ہیں تو ایسی ہی ٹھوس دلیل سے رد کرتے ہیں۔

آیت زیر نظر میں بیان کردہ پہلا درجہ ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اور وہ ہے ''حکمت''۔ یہ علم و عقل کی پختگی کی بہت اعلیٰ سطح ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۹ میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو 'خیرِ کثیر' قرار دیا ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾

قرآن میں تین مقامات (البقرۃ:۱۲۹' آل عمران:۱۶۴ اور الجمعۃ:۲) پر اِن مراحل اور درجات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے تحت حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی۔ ان میں بلند ترین مرحلہ یا درجہ حکمت کا ہے۔ حکمت کے سبب کسی انسان کی سوچ اور علم میں پختگی آتی ہے' اس کی گفتگو میں جامعیت پیدا ہوتی ہے اور اس کی تجزیاتی اہلیت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ کسی سے بات کرتے ہوئے یا کسی کو دین کی دعوت دیتے ہوئے معروضی صورتِ حال' مخاطب کے ذہنی رجحان اور ترجیحات کا درست تجزیہ کرنے کے بعد اپنی گفتگو کے نکات اور دلائل کو ترتیب دیتا ہے۔ اسے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ کس وقت اسے کیا پیش کرنا ہے اور کس انداز میں پیش کرنا ہے۔ کون سا نکتہ بنیادی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے اور کون سی دلیل ثانوی اہمیت کی حامل ہے۔ بہرحال کسی بھی معاشرے کے وہ لوگ جو علم' عقل اور شعور میں غیر معمولی اہلیت کے حامل ہوں' اُن کو دعوت دینے کے لیے بھی کسی ایسے داعی کی ضرورت ہے جو خود بھی علم و حکمت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور ان سے برابری کی سطح پر کھڑے ہو کر بات کر سکے۔ کیونکہ جب قرآن اپنے مخالفین کو چیلنج کرتا ہے: ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۱۱﴾ (البقرۃ) ''اپنی دلیل لاؤ اگر تم واقعی سچے ہو''۔ تو ایسی صورت میں ہمارے مخالفین کو بھی حق ہے کہ وہ بھی ہم سے دلیل مانگیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم عقل اور منطق کی اعلیٰ سے اعلیٰ سطح پر ان کی تسلی و تشفی کا سامان فراہم کریں۔ لہٰذا آیت زیر نظر میں دعوت و تبلیغ کا پہلا درجہ حکمت بیان کیا گیا ہے جس کا حق ادا کرنے کے لیے داعی کا صاحبِ حکمت اور حکیم ہونا لازمی ہے۔

حکمت کے بعد دوسرا درجہ ''موعظۂ حسنہ'' کا ہے' یعنی اچھا خوبصورت وعظ۔ یہ درجہ عوام الناس کے لیے ہے۔ کسی بھی معاشرے میں اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کے ذہنوں میں عقل اور منطق کی چھلنیاں نہیں لگی ہوتیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے منطقی مباحث اور فلسفیانہ تقاریر ''تکلیف مالا یطاق'' کے مترادف ہیں۔ ان کے دل کھلی کتاب اور ذہن صاف سلیٹ کی مانند ہوتے ہیں' آپ ان پر جو لکھنا چاہیں لکھ لیں۔ ایسے لوگوں کو دعوت دینے کے لیے ان کے جذبات کو اپیل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ پُرتاثیر وعظ اور خلوص و ہمدردی سے کی گئی بات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ داعی ہم پر اپنے علم کا رعب نہیں ڈالنا چاہتا' ہم پر دھونس نہیں جمانا چاہتا' وہ ہم سے اظہارِ نفرت نہیں کر رہا' ہماری تحقیر نہیں کر رہا' بلکہ اس کے پیش نظر ہماری خیر خواہی ہے۔ چنانچہ داعی کے دل سے نکلی ہوئی بات ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق سیدھی ان کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔

دعوتِ حق کا تیسرا درجہ ﴿جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اُن عناصر کے لیے ہے جو کسی معاشرے میں خلقِ خدا کو گمراہ کرنے کے مشن کے علمبردار ہوتے ہیں۔ آج کل بہت سی تنظیموں کی طرف سے باقاعدہ پیشہ وارانہ تربیت سے ایسے لوگ تیار کر کے میدان میں اتارے جاتے ہیں۔ یہ لوگ خلوص و اخلاص سے کی گئی بات کو کسی قیمت پر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہر حال میں اپنے نظریے اور موقف کی طرف داری کرنا ان لوگوں کی مجبوری ہوتی ہے' چاہے وہ کسی علمی و عقلی دلیل سے ہو یا ہٹ دھرمی سے۔ ایسے لوگوں کو مسکت جواب دے کر لاجواب کرنا ضروری ہوتا ہے' ورنہ بعض اوقات عوامی سطح کے اجتماعات میں اُن کی بحث برائے بحث کی پالیسی بہت خطرناک ہو سکتی ہے' جس سے عوام الناس کے ذہن منفی طور پر متاثر ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بحث و مباحثہ کے عمل کو ہمارے ہاں ''مناظرہ'' کہا جاتا ہے' جبکہ قرآن نے اسے ''مجادلہ'' کہا ہے۔ بہرحال قرآن نے اپنے پیروکاروں کے لیے اس میں بھی اعلیٰ معیار مقرر کر دیا ہے کہ مخالفین سے مجادلہ بھی ہو تو احسن انداز میں ہو۔ اگر آپ کا مخالف کسی طور سے گھٹیا پن کا مظاہرہ بھی کرے تب بھی آپ کو

جواب میں اچھے اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں' جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۸ میں حکم دیا گیا: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ﴾ ''اور جن کو یہ (مشرک) اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں بُرا بھلا نہ کہو کہ کہیں یہ بھی بغیر سوچے سمجھے مخالفت میں اللہ کو بُرا بھلا کہنے لگ جائیں''۔ آج کل مختلف مذاہب کی تنظیمیں مثلاً عیسائی مشنریز باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اسلام کو ہدف بنانے کے لیے کچھ خاص موضوعات اور مسائل کو ایک مخصوص انداز میں پیش کرتی ہیں۔ یہ لوگ ایسے موضوعات و مسائل پر مناظرے کرنے کے لیے باقاعدہ ٹریننگ کے ذریعے سپیشلسٹ (specialist) تیار کرتے ہیں۔ ایسے پیشہ وارانہ لوگوں کے مقابلے اور مجادلے کے لیے داعیانِ حق کو خصوصی تعلیم و تربیت دینے کی ضرورت ہے۔

آیت ۱۲۶ ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) اگر تم بدلہ لو تو اُسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف دی گئی ہو۔''

﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶﴾ ''اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔''

آیت ۱۲۷ ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر ہے''

یہ حکم براہِ راست رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کے لیے بھی۔ اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جس قدر اعتماد ہوگا' جیسا اس پر توکل ہوگا' جتنا پختہ اس کے وعدوں پر یقین ہوگا' اسی انداز میں انسان صبر بھی کر سکے گا۔

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۷﴾ ''اور آپؐ ان پر غم نہ کریں' اور نہ آپؐ تنگی میں پڑیں اس بارے میں جو سازشیں یہ لوگ کر رہے تھے۔''

یہ لوگ اپنے کرتوتوں کے سبب عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپؐ ان کے انجام کے بارے میں بالکل رنجیدہ اور فکر مند نہ ہوں اور نہ ہی ان کی سازشوں اور گھٹیا معاندانہ سرگرمیوں کے بارے میں سوچ کر آپؐ اپنا دل میلا کریں۔

آیت ۱۲۸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝۱۲۸﴾ ''یقیناً اللہ اہلِ تقویٰ اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہوئے درجۂ احسان پر فائز ہو گئے ہیں' اللہ کی معیت' نصرت اور تائید اُن کے شاملِ حال رہے گی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہوگا تو یہ مشرکین آپ کو کچھ گزند نہیں پہنچا سکتے۔ ؎

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے!

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایّاکم بالآیات والذِّکر الحکیم۝۝

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

تمہیدی کلمات

سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف دونوں مل کر ایک حسین و جمیل جوڑا بناتی ہیں۔ قرآن عظیم کے وسط میں یہ دو سورتیں حکمتِ قرآنی کے دو عظیم خزانے ہیں۔ ان دونوں کے مابین کئی حوالوں سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے اور کئی پہلوؤں سے ان کی آپس میں نسبتِ زوجیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دونوں سورتیں کس کس اعتبار سے complementary حیثیت رکھتی ہیں یہ بات ان کے مطالعہ کے دوران واضح ہو جائے گی‘ تاہم اس سلسلے میں اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ...﴾ سے ہوتا ہے‘ جبکہ سورۃ الکہف بھی اللہ کی تحمید ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ...﴾ سے شروع ہوتی ہے۔ ان دونوں کلمات کا باہمی تعلق اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ((اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ یَمْلَؤُہٗ))[1] ”تسبیح نصف میزان ہے اور الحمد للہ اسے بھر دیتا ہے“۔ یعنی سبحان اللہ کہنے سے معرفتِ خداوندی کی میزان آدھی ہو جاتی ہے اور الحمد للہ کہنے سے یہ میزان مکمل طور پر بھر جاتی ہے۔ گویا یہ دونوں کلمات مل کر کسی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اثاثے کی تکمیل کرتے ہیں۔ آگے چل کر المُسَبِّحَات (وہ سورتیں جن کا آغاز اللہ کی تسبیح سے ہوتا ہے) کے مطالعہ کے دوران اس مضمون پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

(۲) سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں مذکور ہے کہ ”اللہ اپنے بندے کو لے گیا“ جبکہ سورۃ الکہف کی پہلی آیت میں فرمایا کہ ”اللہ نے اپنے بندے پر کتاب اتاری“۔ گویا دونوں مقامات کی باہم متلازم (reciprocal) نسبت ہے۔

(۳) دونوں سورتوں کی ابتدائی آیات میں نبی اکرم ﷺ کے لیے ”رسول“ کے بجائے ”عبد“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۴) سورۂ بنی اسرائیل کی آخری دو آیات کا آغاز لفظ ”قُلْ“ سے ہوتا ہے اور اسی طرح سورۃ الکہف کی آخری دو آیات بھی لفظ ”قُلْ“ سے شروع ہوتی ہیں۔ نیز ان دونوں مقامات کی دو دو آیات کے مضامین میں باہم متلازم (reciprocal) نسبت ہے۔

(۵) یہ دونوں سورتیں ریل کے ڈبوں کی طرح آپس میں جڑی ہوئی (inter locked) ہیں۔ وہ اس طرح کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت ایک حکم پر ختم ہو رہی ہے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ...﴾ ”اور کہیے کہ کُل حمد اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے.....“ جبکہ سورۃ الکہف کی پہلی آیت کے مضمون سے یوں لگتا ہے جیسے یہ اس حکم کی تعمیل میں نازل ہوئی ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ...﴾

مضمون اور موضوع کے اعتبار سے سورۂ بنی اسرائیل کا پہلا رکوع بہت اہم اور عظیم ہے۔ اس رکوع میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اُن چار ادوار کا تذکرہ ہے جو حضور ﷺ کی بعثت تک گزر چکے تھے۔ یہاں بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کو چار آیات کے اندر سمو کر گویا اُمّتِ مُسلمہ کے لیے ایک آئینہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ اس آئینے کو سامنے رکھ کر ہم اپنے ماضی‘ حال اور مستقبل کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ اس کی وضاحت اس حدیث نبوی ﷺ میں ملتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

۱۔ سنن الترمذی‘ کتاب الدعوات۔ و مسند احمد‘ ح:۲۱۹۹۵۔

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ...))[۲]

''میری اُمت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے' بالکل اسی طرح جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے.....''

اس حدیث میں جوتی کے دونوں پاؤں کی مشابہت کی یہ مثال اس اٹل حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عروج و زوال کے جو چار اَدوار بنی اسرائیل پر گزر چکے ہیں بالکل ایسے ہی چار اَدوار اُمتِ مُسلمہ پر بھی وارد ہوں گے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو سورۂ بنی اسرائیل کی ان چار آیات (۴ تا ۷) میں علم و معرفت اور معلومات کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے' جبکہ مذکورہ بالا حدیث اس خزانے کی چابی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس چابی کی مدد سے اس خزانے تک رسائی ملی ہے' جس کے نتیجے میں میرے لیے ان بیش بہا علمی و تاریخی معلومات کو ضبطِ تحریر میں لانا ممکن ہوا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر میرا ایک مختصر کتابچہ ''تنظیم اسلامی کا تاریخی پسِ منظر'' کے نام سے اور ایک مفصل کتاب ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے عنوان سے دستیاب ہیں۔

ان دونوں مطبوعات کے انگلش تراجم بھی Rise and Decline of the Muslim Ummah اور Lessons from Histroy کے عنوانات سے طبع ہوتے ہیں۔ (اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ان کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔)

آیات ۱ تا ۱۰

سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا: ۱۱۱ رُكُوْعَاتُهَا: ۱۲

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۠ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ع

۲۔ سنن الترمذی' کتاب الایمان' باب ماجاء فی افتراق هذه الامة۔

آیت ۱ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے (ﷺ) کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (دُور کی مسجد) تک''

یہ رسول اللہ ﷺ کے سفرِ معراج کے پہلے مرحلے کی طرف اشارہ ہے جو مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک کے زمینی سفر پر مشتمل تھا۔ ''سُبْحٰن'' تنزیہہ کا کلمہ ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نقص وعیب سے پاک ومنزہ ہے۔ اس کلمہ سے بات کا آغاز کرنا خود دلالت کرتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارقِ عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا' بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کرایا۔

﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ ''جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا''

اس علاقے کی برکت دنیوی اعتبار سے بھی ہے اور روحانی اعتبار سے بھی۔ دنیوی اعتبار سے یہ علاقہ بہت زرخیز ہے اور یہاں کی آب وہوا خصوصی طور پر بہت اچھی ہے۔ روحانی اعتبار سے دیکھیں تو یہ علاقہ بہت سے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت بہت سے انبیاء یہاں مدفون ہیں۔ ہیکل سلیمانی بنی اسرائیل کی مرکزی عبادت گاہ تھی۔ اس لحاظ سے نہ معلوم اللہ کے کیسے کیسے نیک بندے کس کس انداز میں یہاں عبادت کرتے رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ بیت المقدس کو بنی اسرائیل کے قبلہ کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ چنانچہ مادی وروحانی دونوں اعتبار سے اس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ برکتوں سے نوازا ہے۔

سفرِ معراج کے پہلے مرحلے میں رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے یروشلم لے جایا گیا' وہاں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی ارواح کو جمع کیا گیا' انہیں جسد عطا کیے گئے (ہمارے حواس اس کیفیت کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں) اور وہاں حضور ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ حضور ﷺ کے سفرِ معراج کے اس حصے کا ذکر جس انداز میں یہاں ہوا ہے اس کی ایک خصوصی اہمیت ہے۔ یہ گویا اعلان ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ اور آپؐ کی اُمت کو توحید کے ان دونوں مراکز (بیت اللہ اور بیت المقدس) کا متولی بنایا جا رہا ہے۔ اسی حوالے سے آپ ﷺ کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا اور پھر وہاں سے آپ ﷺ کے آسمانی سفر کا مرحلہ شروع ہوا۔ سفرِ معراج کے اس دوسرے مرحلے کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ سورۃ النجم میں کیا گیا ہے۔

﴿لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①﴾ ''تاکہ ہم دکھائیں اُس (بندے محمد ﷺ) کو اپنی نشانیاں۔ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا۔''

بنی اسرائیل کے اہم ترین تاریخی مقام کا ذکر کرنے کے بعد اب آئندہ آیات میں بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اُن کی تاریخ کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔

آیت ۲ ﴿وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اُسے ہدایت بنایا بنی اسرائیل کے لیے''

یہاں تخصیص کر دی گئی کہ تورات تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ہدایت نہیں تھی' بلکہ درحقیقت وہ صرف بنی اسرائیل کے لیے ایک ہدایت نامہ تھی۔

﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ②﴾ ''کہ تم مت بناؤ میرے سوا کسی کو کارساز۔''

یعنی تورات توحید کا درس دیتی تھی۔ اس کی تعلیمات کا لُبِّ لُباب یہ تھا کہ اللہ کے سوا کسی بھی دوسری ہستی یا ذات کو اپنا کارساز

مت سمجھو! اسے چھوڑ کر کسی دوسرے پر بھروسہ یا توکل نہ کرو۔

آیت ۳ ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝٣﴾ ''اے اُن لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے سوار کرایا تھا نوح کے ساتھ۔ یقیناً وہ ہمارا بہت ہی شکر گزار بندہ تھا۔''

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام' حام اور یافث تھے جن سے بعد میں نسلِ انسانی چلی۔ ان میں سے حضرت سام کی نسل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے' جن کی اولاد کو یہاں بنی اسرائیل کے طور پر مخاطب کیا جا رہا ہے۔ انہیں یاد دلایا جا رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جن لوگوں کو ہم نے بچایا تھا انہی میں سے ایک کی اولاد تم ہو اور نوح ہمارا بہت ہی شکر گزار بندہ تھا۔

آیت ۴ ﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝٤﴾ ''اور ہم نے متنبہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔''

یعنی تم پر دو ادوار ایسے آئیں گے کہ تم زمین میں سرکشی کرو گے' فساد برپا کرو گے' دین سے دور ہو جاؤ گے' لہو و لعب میں مبتلا ہو جاؤ گے' اور پھر اس کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے تم پر عذاب کے کوڑے برسیں گے۔

یہاں پر بین السطور یہ اشارہ بھی ہے کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل پر ایک بہتر دور بھی آیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازا تھا۔ سورۃ البقرۃ میں ان کے اس اچھے دور کی کچھ تفصیلات ہم پڑھ آئے ہیں۔ یاد دہانی کے طور پر اہم واقعات اختصار کے ساتھ یہاں پھر تازہ کر لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چودہ سو قبل مسیح میں بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تھے۔ صحرائے سینا میں جبل طور کے پاس پڑاؤ کے زمانے میں آپؑ کو تورات عطا کی گئی۔ وہاں سے پھر شمال مشرق کی طرف کوچ کرنے اور فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا گیا۔ جہاد کے اس حکم سے انکار کی پاداش میں بنی اسرائیل کو صحرا نوردی کی سزا ملی۔ اسی دوران میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ صحرا نوردی کے دوران پروان چڑھنے والی نسل بہادر اور جفاکش تھی۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں جہاد کیا جس کے نتیجے میں فلسطین فتح ہو گیا۔ فلسطین کا جو شہر سب سے پہلے فتح ہوا وہ اریحا (Jericho) تھا۔ فلسطین کی فتح کے بعد ایک بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ ایک مضبوط مرکزی حکومت بنانے کے بجائے یہ علاقہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں نے آپس میں بانٹ لیا اور ہر قبیلے نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں نہ صرف بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں بہت کمزور تھیں بلکہ بہت جلد انہوں نے آپس میں بھی لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا' جس کے نتیجے میں ان کے زیر تسلط علاقے بہت جلد انتشار اور طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے شام اور اُردن کے ہمسایہ علاقوں میں بسنے والی مشرک اقوام نے ان پر تسلط حاصل کر کے ان کی بیشتر آبادی کو اس علاقے سے نکال باہر کیا۔

اس حالت کو پہنچنے پر انہوں نے اپنے نبی حضرت سموئیلؑ سے مطالبہ کیا کہ اُن کے لیے ایک بادشاہ یا سپہ سالار مقرر کر دیں تاکہ اس کی قیادت میں تمام قبیلے اکٹھے ہو کر جہاد کریں۔ اس مطالبے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو اُن کا بادشاہ مقرر کیا گیا۔ حضرت طالوت نے دشمن افواج کے خلاف لشکر کشی کی' جن کا سپہ سالار جالوت تھا۔ اس جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شامل تھے۔ آپؑ نے جالوت کو قتل کر دیا' جس کے نتیجے میں دشمن لشکر پر بنی اسرائیل کو فتح نصیب ہوئی اور وہ علاقے میں ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد آپؑ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ بنے۔

حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کے فتح ہونے سے لے کر طالوت اور جالوت کی جنگ تک تین سو سال کا وقفہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہدِ حکومت اس تین سو سالہ دور کا نقطۂ عروج تھا۔ حضرت طالوت' حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا دورِ اقتدار تقریباً ایک سو سال کے عرصے پر محیط تھا۔ سولہ برس تک حضرت طالوت نے حکومت کی' اس کے بعد چالیس برس تک حضرت داؤدؑ اور پھر چالیس برس تک ہی حضرت سلیمانؑ برسرِ اقتدار رہے۔ یہ دور گویا بنی اسرائیل کی خلافتِ راشدہ کا دور تھا جو ہمارے دورِ خلافتِ راشدہ سے مماثلت رکھتا ہے۔ اگرچہ ان کی پہلی تین خلافتیں ایک سو برس کے عرصے پر محیط تھیں اور ہماری اُمت کی پہلی تین خلافتوں کا عرصہ چوبیس برس تھا' لیکن جس طرح اُن کے پہلے خلیفہ کا دورِ اقتدار مختصر اور بعد کے دونوں خلفاء کا دور نسبتاً طویل تھا اسی طرح ہمارے ہاں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت مختصر' جبکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا دور نسبتاً طویل تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا تھا' چنانچہ شام اور مصر کے علاقے علیحدہ رہے تھے' بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی مملکت بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد آپؑ کے دو بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ شمالی مملکت کا نام اسرائیل تھا جس کا دارالخلافہ سامریہ تھا' جبکہ جنوبی مملکت کا نام یہود یہ تھا اور اس کا دارالخلافہ یروشلم تھا۔

اس عظیم سلطنت کی تقسیم کے بعد بھی مادی اعتبار سے ایک عرصے تک بنی اسرائیل کا عروج برقرار رہا' لیکن رفتہ رفتہ عوام میں مشرکانہ عقائد' اوہام پرستی اور ہوسِ دنیا جیسی نظریاتی و اخلاقی بیماریاں پیدا ہو گئیں' اور احکامِ شریعت کا استہزا ان کا اجتماعی وطیرہ بن گیا۔ چنانچہ اخلاق و کردار کا یہ زوال منطقی طور پر ان کے مادی زوال پر منتج ہوا۔ بنی اسرائیل کا یہ عہدِ زوال بھی تقریباً تین سو سال ہی کے عرصے میں اپنی انتہا کو پہنچا۔ سب سے پہلے آشوریوں کے ہاتھوں ان کی شمالی سلطنت ''اسرائیل'' (سات آٹھ سو قبل مسیح کے لگ بھگ) تباہ ہوئی۔ اس کے بعد ۵۸۷ قبل مسیح میں عراق کے نمرود بخت نصر (Nebukadnezar) نے ان کی جنوبی سلطنت ''یہودیہ'' پر حملہ کیا اور پوری سلطنت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ یروشلم کو اس طرح تباہ و برباد کیا گیا کہ کسی عمارت کی دو اینٹیں بھی سلامت نہیں رہنے دی گئیں۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر کے اس کی بنیادیں تک کھود ڈالی گئیں۔ اس دوران بخت نصر نے چھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا جبکہ چھ لاکھ مَردوں' عورتوں اور بچوں کو جانوروں کی طرح ہانکتا ہوا بابل لے گیا' جہاں یہ لوگ سوا سو سال تک اسیری (Captivity) کی حالت میں رہے۔ ذلت و رسوائی کے اعتبار سے یہ ان کی تاریخ کا بدترین دور تھا۔

بنی اسرائیل کے دوسرے دورِ عروج کا آغاز حضرت عزیر علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں سے ہوا۔ آپؑ کو بنی اسرائیل کی نشأۃِ ثانیہ (Renaissance) کے نقیب کی حیثیت حاصل ہے۔ ۵۳۹ ق م میں ایران کے بادشاہ کیخورس (Cyrus) یا ذوالقرنین نے عراق (بابل) فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ یہودیوں کے قافلے فلسطین جانے شروع ہو گئے اور یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ ۴۵۸ ق م میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی ایک جلاوطن گروہ کے ساتھ یروشلم پہنچے اور اس شہر کو آباد کرنا شروع کیا اور ہیکلِ سلیمانی کی ازسرِنو تعمیر کی۔ اس سے قبل حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سو برس تک سلائے بھی رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سو سال کے لیے موت طاری کر دی تھی اور پھر انہیں زندہ کیا اور انہیں بچشمِ سر اُن کے مردہ گدھے کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کرایا' جس کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۹) میں پڑھ آئے ہیں۔ بہرحال حضرت عزیر علیہ السلام نے توبہ کی منادی کے ذریعے ایک زبردست تجدیدی اور اصلاحی تحریک چلائی جس کے نتیجے میں ان کے نظریات اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہونا شروع ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے تورات کو بھی یادداشتوں کی مدد سے ازسرِنو

مرتب کیا جو بخت نصر کے حملے کے دوران گم ہو گئی تھی۔

ایرانی سلطنت کے زوال، سکندر مقدونی کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو کچھ مدت کے لیے شدید دھچکا لگا۔ یونانی سپہ سالار انیوکس ثالث نے ۱۹۸ ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یونانی فاتحین نے پوری جابرانہ طاقت سے کام لے کر یہودی مذہب و تہذیب کی بیخ کنی کرنا چاہی، لیکن بنی اسرائیل اس جبر سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں ''مکابی بغاوت'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حضرت عزیرؑ کی پھونکی ہوئی روحِ دینداری کا اثر تھا کہ انہوں نے بالآخر یونانیوں کو نکال کر اپنی ایک عظیم آزاد ریاست قائم کر لی جو ''مکابی سلطنت'' کہلاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے دوسرے دورِ عروج میں قائم ہونے والی یہ سلطنت ۱۷۰ ق م سے لے کر ۶۷ ق م تک پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم رہی۔ مکابی سلطنت اپنے وقت کی معلوم دنیا کے تمام علاقوں پر محیط تھی۔ چنانچہ رقبے کے اعتبار سے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بھی وسیع تھی۔ اس زمانہ عروج میں پھر سے ان کی نظریاتی و اخلاقی حالت بگڑنے لگی۔ مشرکانہ عقائد سمیت بہت سی اخلاقی برائیاں پھر سے اُن میں پیدا ہو گئیں، جن کے نتیجے میں ایک دفعہ پھر یہ قوم عذابِ خداوندی کی زد میں آ گئی۔

مکابی تحریک جس اخلاقی و دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی اور بے روح ظاہرداری نے لے لی۔ آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے خود رومی فاتح پومپئی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پومپئی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ رومیوں نے فلسطین میں اپنے زیرِ سایہ ایک دیسی ریاست قائم کر دی جو بالآخر ۴۰ ق م میں ہیرود نامی ایک ہوشیار یہودی کے قبضے میں آئی۔ یہ شخص ہیرود اعظم کے نام سے مشہور ہے اور اس کی فرماں روائی پورے فلسطین اور شرقِ اردن پر ۴۰ سے ۴ ق م تک رہی۔ اس شخص نے رومی سلطنت کی وفاداری کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کر کے قیصر کی خوشنودی حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی و اخلاقی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد کو پہنچ گئی تھی۔ ہیرود اعظم کے بعد اس کی ریاست اس کے تین بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ لیکن ۶ ء میں قیصر آگسٹس نے ہیرود کے بیٹے ارخلاؤس کو معزول کر کے اس کی پوری ریاست اپنے گورنر کے ماتحت کر دی اور ۴۱ ء تک یہی انتظام قائم رہا۔ یہی زمانہ تھا جب حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے تو یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی اور انہیں واجب القتل قرار دے کر رومی گورنر پونٹس پیلاطس سے ان کو سزائے موت دلوانے کی کوشش کی اور اپنے خیال کے مطابق تو ان کو سولی پر چڑھوا ہی دیا۔

رومیوں نے ۴۱ ء میں ہیرود اعظم کے پوتے ''ہیرود اگرپا'' کو ان تمام علاقوں کا حکمران بنا دیا جن پر ہیرود اعظم اپنے زمانے میں حکمران تھا۔ اس شخص نے برسرِ اقتدار آ کر مسیح علیہ السلام کے پیروؤں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ کچھ ہی عرصے بعد یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہو گئی اور ۶۴ ء تا ۶۶ ء کے دوران یہودیوں نے رومیوں کے خلاف کھلی بغاوت کر دی، جو اُن کے عروجِ ثانی کے خاتمے پر منتج ہوئی۔ یہودیوں کی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لیے بالآخر رومی سلطنت نے ایک سخت فوجی کارروائی کی اور ۷۰ ء میں ٹائٹس (Titus) نے بزورِ شمشیر یروشلم کو فتح کر لیا۔ ہیکل سلیمانی ایک دفعہ پھر مسمار کر دیا گیا۔ جنرل ٹائیٹس کے حکم پر شہر میں قتلِ عام ہوا۔ ایک دن میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودی قتل ہوئے، جبکہ ۶۷ ہزار کو غلام بنا لیا گیا۔ اس طرح رومیوں نے پورے شہر میں کوئی متنفس باقی نہ چھوڑا۔ اس کے ساتھ ہی ارضِ فلسطین سے بنی اسرائیل کا عمل دخل مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ بیسویں صدی کے شروع تک

پورے دو ہزار برس یہ لوگ جلاوطنی اور انتشار (Diaspora) کی حالت میں ہی رہے۔ جنرل ٹائیٹس کے ہاتھوں ۷۰ء میں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا تو آج تک تعمیر نہ ہو سکا۔ حضور ﷺ کی پیدائش (۵۷۱ء) کے وقت اسے مسمار ہوئے پانچ سو برس گزر چکے تھے۔

یہ خلاصہ ہے اُس قوم کی داستانِ عبرت کا جو اپنے وقت کی اُمتِ مُسلمہ تھی۔ جس کے اندر چودہ سو برس تک مسلسل نبوت رہی۔ جس کو تین الہامی کتابوں سے نوازا گیا اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾﴾ (البقرۃ) ''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم لوگوں کو عطا کی اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت دی تمام جہانوں والوں پر۔''

آخر کار بنی اسرائیل کو اُمتِ مُسلمہ کے منصب سے معزول کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو اس مسندِ فضیلت پر متمکن کیا گیا۔ حضور ﷺ نے اپنی اُمت کے بارے میں فرمایا کہ تم لوگوں پر بھی عین وہی حالات وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں کو پہلا عروج عربوں کے زیر قیادت نصیب ہوا۔ اس کے بعد جب زوال آیا تو صلیبیوں کی یلغار کی صورت میں ان پر عذاب کے کوڑے برسے۔ پھر تاتاریوں نے ہلاکو خان اور چنگیز خاں کی قیادت میں عالمِ اسلام کو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعد قدرت نے عالمِ اسلام کی قیادت عربوں سے چھین کر انہی تاتاریوں کے ہاتھوں میں دے دی' جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا تھا ؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چنانچہ ترکوں کی قیادت میں اس اُمت کو ایک دفعہ پھر عروج نصیب ہوا۔ ترکانِ تیموری' ترکانِ صفوی' ترکانِ سلجوقی اور ترکانِ عثمانی نے دنیا میں عظیم الشان حکومتیں قائم کیں۔ اس کے بعد اُمتِ مُسلمہ پر دوسرا دورِ زوال آیا۔ بنی اسرائیلؑ پر دوسرا دورِ عذاب یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھوں آیا تھا جبکہ اُمتِ مُسلمہ پر دوسرا عذاب اقوامِ یورپ کے تسلط کی صورت میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انگریز' فرانسیسی' اطالوی' ہسپانوی اور ولندیزی (Dutch) پورے عالمِ اسلام پر قابض ہو گئے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں عظیم عثمانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ ان حالات و واقعات کا خلاصہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے آیت زیر نظر میں فرمایا ہے کہ ہم نے تو پہلے ہی بنی اسرائیل کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ تم لوگ اپنی تاریخ میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور سرکشی دکھاؤ گے۔

آیت ۵ ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿۵﴾﴾ ''پھر جب ان دونوں میں سے پہلے وعدے کا وقت آ گیا تو ہم نے تم پر مسلط کر دیے اپنے سخت جنگجو بندے تو وہ تمہاری آبادیوں میں گھس گئے' اور (یوں ہمارا) جو وعدہ تھا وہ پورا ہو کر رہا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم پر واضح کیا گیا تھا کہ جب تم لوگ دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے' جب تم اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کو فسق مذاق بنا لو گے تو تم ضرور اللہ کے عذاب کا نشانہ بنو گے۔ چنانچہ ان کے دین سے برگشتہ ہو جانے کے بعد آشوریوں اور عراق کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں ان پر عذاب کا کوڑا برسا' جس کے نتیجے میں دونوں اسرائیلی سلطنتیں ختم ہو گئیں' یروشلم مکمل طور پر تباہ ہو گیا' ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا گیا' چھ لاکھ یہودی قتل ہو گئے جبکہ چھ لاکھ کو غلام بنا لیا گیا۔

آیت ۶ ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ﴾ ''پھر ہم نے تمہاری باری لوٹائی ان پر''

یعنی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر تمہیں سہارا دیا اور ان پر غلبے کا موقع عطا کر دیا۔ اس سہارے کا باعث ایرانی بادشاہ کیخورس (Cyrus) یا ذوالقرنین بنا۔ اس نے عراق (بابل) پر تسلط حاصل کر لینے کے بعد تمہیں آزاد کر کے واپس یروشلم جانے اور اس شہر کو ایک دفعہ پھر سے آباد کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جب تم نے واپس آ کر یروشلم کو آباد کیا تو ہم نے ایک دفعہ پھر تمہاری مدد کی:

﴿وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝۶﴾ ''اور ہم نے مدد کی تمہاری مال و دولت اور بیٹوں کے ذریعے سے اور بنا دیا تمہیں کثیر تعداد (والی قوم)۔''

ہم نے تمہیں مال و اولاد میں برکت دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی۔ تم لوگ خوب پھلے پھولے اور جلد ہی ایک مضبوط قوم بن کر اُبھرے۔

آیت ۷ ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ﴾ ''اگر تم نے کوئی بھلائی کی تو خود اپنے ہی لیے کی اور اگر کوئی بُرائی کمائی تو وہ بھی اپنے ہی لیے کمائی۔''

تمہارے نیک اعمال کا فائدہ بھی تمہیں ہوا اور تمہاری بُرائیوں اور نافرمانیوں کا وبال دنیا میں بھی تم پر آیا اور اس کا وبال آخرت میں بھی تم پر پڑے گا۔

﴿فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ﴾ ''پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا''

جب دوبارہ تم نے اللہ کے دین سے سرکشی اختیار کی' تمہارے اعتقادات' نظریات اور اخلاق پھر سے مسخ ہو گئے تو وعدے کے عین مطابق تم پر عذاب کے دوسرے مرحلے کا وقت آ پہنچا۔

﴿لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ﴾ ''تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں''

اس سلسلے میں آیت ۵ میں یہ الفاظ آئے تھے: ﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ کہ ہم نے تم پر اپنے بندے مسلط کر دیے جو سخت جنگجو تھے۔ اس فقرے کا مفہوم یہاں بھی پایا جاتا ہے' لیکن یہاں دوبارہ اسے دہرایا نہیں گیا۔ چنانچہ اس فقرے کو یہاں محذوف سمجھا جائے گا اور آیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ ہم نے پھر تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کیے تاکہ وہ تمہارے حلیے بگاڑ دیں۔

﴿وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''اور وہ داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے کہ داخل ہوئے تھے پہلی مرتبہ''

یہاں اشارہ ہے بیت المقدس اور ہیکلِ سلیمانی کی بارِدگر بے حرمتی کی طرف۔ جیسے ۵۸۷ قبل مسیح میں بخت نصر نے بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کیا تھا' ویسے ہی رومی جرنیل ٹائیٹس نے ۷۰ء میں ایک دفعہ پھر ان کے تقدس کو پامال کیا۔

﴿وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝۷﴾ ''اور تباہ و برباد کر کے رکھ دیں (ہر اُس شے کو) جس کے اوپر بھی انہیں قبضہ حاصل ہو جائے۔''

ان آیات میں بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کے نشیب و فراز کی تفصیلات کو سمو دیا گیا ہے۔ اس عرصے میں انہوں نے دو مرتبہ عروج دیکھا اور دو دفعہ ہی زوال سے دوچار ہوئے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے زمانے میں ان آیات کے نزول کے وقت ان کے دوسرے دورِ زوال کو شروع ہوئے پانچ سو برس ہونے کو آئے تھے۔ اس سیاق و سباق میں انہیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ:

آیت ۸ ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ﴾ ''ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے' اور اگر تم نے

وہی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے۔''

اگر تم نے پہلے کی طرح ہماری نافرمانیوں اور احکام شریعت سے اعراض کی روش اختیار کی تو ہم بھی اسی طرح پھر تمہیں سزا دیں گے۔

﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸﴾ ''اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔''

نافرمانیوں کی سزا دنیا میں تو ملے گی ہی' جبکہ جہنم کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ جس طرح جانوروں کو گھیر کر باڑے میں بند کر دیا جاتا ہے اسی طرح آخرت میں اللہ کے نافرمانوں کو اکٹھا کر کے جہنم کے قید خانے میں دھکیل دیا جائے گا۔ (اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مَعَھُمْ!)

آیت ۹ ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ ''یقیناً یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اُس راہ کی طرف جو سب سے سیدھی ہے''

یاد رکھو! اب راہِ ہدایت وہی ہوگی جس کی نشان دہی یہ کتاب کرے گی جسے ہم اپنے آخری رسول ﷺ پر نازل کر رہے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے قصرِ رحمت میں داخل ہونے کا ''شاہدرہ'' ایک ہی ہے اور وہ ہے یہ قرآن۔ اب اگر تم اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینا چاہتے ہو تو اس قرآن کے راستے سے ہو کر آؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ کی رحمت کے دروازے ایک بار پھر تمہارے لیے کھل جائیں گے اور جو رفعتیں اور برکتیں اس آخری نبی ﷺ کی اُمت کے لیے لکھی گئی ہیں تم بھی ان میں حصہ دار بن جاؤ گے۔

﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹﴾ ''اور بشارت دیتا ہے اُن اہلِ ایمان کو جو نیک عمل بھی کریں کہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۰ ﴿وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۰﴾ ''اور یہ کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے آخرت پر' اُن کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے ایک دردناک عذاب۔''

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ جہاں کہیں بھی اعمال کی خرابی کی بات ہوتی ہے وہاں ایمان بالآخرت کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔

اس رکوع کے حوالے سے یہ بات بہت اہم ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے آئینے میں جو تصویر دکھائی گئی ہے اس میں ہمارے لیے ایک دعوتِ فکر ہے۔ الحمدللہ! آج ہم (اُمتِ محمد ﷺ) اُمتِ مُسلمہ ہیں' لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک زمانے میں بنی اسرائیل بھی اُمتِ مُسلمہ ہی تھے۔ وہ بحیثیت نسل آج بھی ایک قوم کے طور پر موجود ہیں مگر انہیں اُمتِ مُسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ اب ان لوگوں کی حیثیت سابقہ اُمتِ مُسلمہ کی ہے اور پچھلے دو ہزار برس سے یہ لوگ بہت زیادہ سختیوں کا شکار رہے ہیں۔ ہمیں ان کی قومی تاریخ کے نشیب و فراز کا جائزہ لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ کون سے عوامل تھے اور ان کے عقائد و اعمال کی وہ کون سی خرابیاں تھیں جن کے باعث وہ لوگ اللہ کے ہاں مغضوب و معتوب ٹھہرے۔

یہاں دوسرا نکتہ یہ ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ سابقہ اور موجودہ اُمتوں کے درمیان مقابلے کے لیے میدان تیزی سے تیار ہو رہا ہے اور یوں سمجھئے کہ دو چنگیں اوپر چڑھ رہی ہیں' جن کے درمیان پیچ پڑنے والا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے انتہائی زوال کو پہنچنے کے بعد بحیثیت ایک قوم کے پچھلے ایک سو سال سے مادی لحاظ سے روبہ ترقی ہیں۔ ان کی پتنگ ۱۹۱۷ء میں بالفور (Balfor) ڈیکلریشن کی منظوری سے اوپر چڑھنا شروع ہوئی اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست معرضِ وجود میں آ گئی۔ ۱۹۶۶ء میں اس کی مزید توسیع عمل میں آئی اور اس کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے غیر معمولی اقدامات کیے گئے۔ عرب دنیا کا واحد ملک عراق تھا جس سے اسرائیل کو خطرہ ہو سکتا تھا' اسے باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس پورے خطے میں اب کوئی ایسا ملک نہیں جو اسرائیل کی طاقت کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

دوسری طرف دیکھا جائے تو مسلم دنیا بھی اپنے زوال کی آخری حدوں کو چھونے کے بعد اب بیداری کی طرف مائل ہے اور اس اُمت کے اندر نئی زندگی پیدا ہونے کا وقت قریب نظر آتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ گویا ہمارے زوال کی انتہا تھی۔ اس کے بعد عالم اسلام میں آزادی کی تحریکیں چلیں اور متعدد مسلم ممالک یورپی اقوام کے تسلط سے آزاد ہو گئے۔ مزید برآں اُمتِ مُسلمہ میں بہت سی احیائی تحریکیں اٹھیں' مثلاً پاک و ہند میں جماعت اسلامی' مصر میں الاخوان المسلمون' ایران میں فدائی تحریک اور انڈونیشیا میں مجوی پارٹی وغیرہ' اور اس طرح اس کی نشاۃِ ثانیہ کے عمل کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ پچھلی صدی سے اُمتِ مُسلمہ کی صفوں میں زوال اور احیائی عمل پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ جیسے سورۃ الرحمٰن میں متوازی چلنے والے دو دریاؤں کی مثال دی گئی ہے: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾﴾ ''اُس نے دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے''۔ اب صورت حال یہ ہے کہ سابقہ اور موجودہ اُمتِ مُسلمہ کی صورت میں دو چنگیں فضا میں تیر رہی ہیں اور ان کا آپس میں کسی وقت بھی پیچ پڑ سکتا ہے۔

یہ تمام تفصیلات ان لوگوں کے علم میں ہونی چاہئیں جو دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ انہیں زمان و مکان کے اعتبار سے درست ادراک ہونا چاہیے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں' ان کے دائیں بائیں کیا حالات ہیں؟ ماضی میں کیا ہوتا رہا ہے' ابھی سامنے کیا کچھ ہے اور مستقبل میں کیا امکانات ہیں؟

آیات ۱۱ تا ۲۲

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ
اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ
عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ
عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ
قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا
مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾
اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ
ع ۲ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

آیت ۱۱ ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ﴾ ''اور انسان شر مانگ بیٹھتا ہے (اپنے نزدیک) بھلائی مانگتے ہوئے۔''

یعنی انسان اللہ سے دعا کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! میرے لیے یوں کر دے' یوں کر دے۔ حالانکہ اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ اپنے لیے مانگ رہا ہے وہ اُس کے لیے مفید ہے یا مضر۔ اس طرح انسان اپنے لیے اکثر وہ کچھ مانگ لیتا ہے جو اس کے لیے اُلٹا نقصان دہ ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو' اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے شر ہو' اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔ چنانچہ بہتر لائحہ عمل یہ ہے کہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے انسان اپنے معاملات اس کے حوالے کر دے کہ اے اللہ! میرے معاملات تیرے سپرد ہیں' کیونکہ میرے نفع و نقصان کو تُو مجھ سے بہتر جانتا ہے: ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حسابِ کم و بیش را!

دعائے استخارہ میں بھی ہمیں تفویضِ امر کا یہی انداز سکھایا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ' فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۳)

''اے اللہ! میں تیرے علم کی بدولت تجھ سے خیر چاہتا ہوں اور تیری قدرت کی برکت سے طاقت مانگتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فضلِ عظیم کا' بے شک تُو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں' تُو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ بھی نہیں جانتا' اور تُو ہر قسم کے غیب کو جاننے والا ہے۔''

بہر حال انسان کا عمومی رویہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرنے کے بجائے اپنی عقل اور سوچ پر انحصار کرتا ہے اور اس طرح اپنے لیے خیر کی جگہ شر کی دعائیں کرتا رہتا ہے۔

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴾ ''اور انسان بہت جلد باز ہے۔''

اپنی اس جلد بازی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے وہ شر کو خیر اور خیر کو شر سمجھ بیٹھتا ہے۔

آیت ۱۲ ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اور ہم نے بنایا رات اور دن کو دو نشانیاں' تو تاریک کر دیا ہم نے رات کی نشانی کو اور روشن بنا دیا ہم نے دن کی نشانی کو' تا کہ تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل''

دن کو روشن بنایا تا کہ اس کی روشنی میں تم لوگ آسانی سے کسبِ معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکو۔

﴿وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴾ ''اور تا کہ تم جان لو سالوں کی گنتی اور (نظام الاوقات کا) حساب' اور ہر چیز کو ہم نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔''

یہ دن اور رات کا الٹ پھیر ہی ہے جو نظام الاوقات کا بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے اور دنوں سے ہفتے' مہینے اور پھر سال بنتے ہیں۔

۳۔ صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب الدعاء عند الاستخارۃ۔ وسنن الترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ما جاء فی صلاۃ الاستخارۃ۔

آیت ۱۳ ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ﴾ ''اور ہر انسان کی قسمت چپکا دی ہے ہم نے اُس کی گردن میں۔''

''طائر'' کا لفظ عربی میں عام طور پر شگون' نحوست اور بدقسمتی کے لیے بولا جاتا ہے' لیکن یہاں پر خوش بختی اور بدبختی دونوں ہی مراد ہیں۔ یعنی کسی انسان کا جو بھی مقسوم و مقدور ہے' زندگی میں اچھا بُرا جو کچھ بھی اسے ملنا ہے' جیسے بھی اچھے بُرے حالات اُسے پیش آنے ہیں' اس سب کچھ کے بارے میں اس کا جو کھاتہ ''اُمّ الکتاب'' میں موجود ہے اس کا حاصل اس کی گردن میں چپکا دیا گیا ہے۔ گردن میں چپکانے کے الفاظ کا استعمال محاورۃً بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کچھ مادی حقیقت بھی ہو۔ یعنی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی گردن میں کسی gland کی صورت میں واقعی کوئی مائیکرو کمپیوٹر نصب کر رکھا ہو۔ واللہ اعلم!

﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾﴾ ''اور ہم نکال لیں گے اُس کے لیے قیامت کے روز (اسے) ایک کتاب (کی شکل میں)' وہ پائے گا اسے کھلی ہوئی۔''

ان الفاظ سے تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے اندر ہی کوئی ایسا سسٹم لگا دیا گیا ہے جس میں اس کے تمام اعمال و افعال ریکارڈ ہو رہے ہیں اور قیامت کے دن ایک chip کی شکل میں اسے اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس chip کے اندر اس کی زندگی کی ساری فلم موجود ہوگی' ایک ایک حرکت جو اُس نے کی ہوگی' ایک ایک لفظ جو اُس نے مُنہ سے نکالا ہوگا' ایک ایک خیال جو اُس کے ذہن میں پیدا ہوا ہوگا' ایک ایک نیت جو اس کے دل میں پروان چڑھی ہوگی' سب ڈیٹا پوری تفصیل کے ساتھ اس میں محفوظ ہوگا۔ روزِ قیامت اس chip کو کھول کر کھلی کتاب کی طرح اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور کہا جائے گا:

آیت ۱۴ ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾﴾ ''پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لیے کافی ہو۔''

تمہاری زندگی کی کتاب کا ایک ایک ورق اس قدر تفصیل سے تمہارے سامنے موجود ہے کہ تم خود ہی اپنا حساب کر سکتے ہو۔ تمہارا سارا debit/credit تمہارے سامنے ہے۔

آیت ۱۵ ﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ﴾ ''جس کسی نے ہدایت کی راہ اختیار کی تو اُس نے اپنے ہی (بھلے کے) لیے ہدایت کی راہ اختیار کی' اور جو کوئی گمراہ ہوا تو اُس کی گمراہی کا وبال اُسی پر ہے۔''

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ﴾ ''اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی۔''

روزِ قیامت ہر کسی کو اپنی بداعمالیوں کا بوجھ ذاتی طور پر خود ہی اٹھانا ہوگا۔ اس سلسلے میں کوئی کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکے گا۔ سب اپنے اپنے اعمال کا انبار اپنے اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوں گے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ ''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت رہی ہے کہ کسی بھی قوم پر عذابِ استیصال اُس وقت تک نہیں بھیجا گیا جب تک کہ اس قوم کی ہدایت کے لیے اور حق و باطل کا فرق واضح کر دینے کے لیے کوئی رسولؑ مبعوث نہیں کر دیا گیا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے عذاب اس قانون سے مشروط نہیں۔ قرآن میں قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ وغیرہ کی مثالیں بار بار بیان کی گئی ہیں جن سے اس اصول کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ

کسی قوم کو عذاب کے ذریعے اُس وقت تک مکمل طور پر تباہ و برباد نہیں کیا جاتا جب تک اللہ کا مبعوث کردہ رسولؑ اُس قوم کے لیے حق کا حق ہونا بالکل واضح نہ کر دے اور اس سلسلے میں اُس قوم پر اِتمامِ حُجت نہ ہو جائے۔ یہی مضمون سورۃ النساء' آیت ۱۶۵ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ ''(اُس نے بھیجے) رسولؑ خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حُجت رسولوں کے بعد۔''

آیت ۱۶ ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا﴾ ''اور جب ہم ارادہ کرتے کہ تباہ کر دیں کسی بستی کو تو ہم اُس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے اور وہ اس میں خوب نافرمانیاں کرتے''

﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝۱۶﴾ ''پس ثابت ہو جاتی اُس پر (عذاب کی) بات' پھر ہم اُس کو بالکل نیست و نابود کر دیتے۔''

یہاں کسی بستی پر عذابِ استیصال کے نازل ہونے کا ایک اصول بتایا جا رہا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں اس کا سبب وہاں کے دولت مند اور خوشحال لوگ بنتے ہیں۔ یہ لوگ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی دیدہ دلیری کے سبب ان کی رسی مزید دراز کی جاتی ہے' یہاں تک کہ وہ اپنی عیاشیوں اور من مانیوں میں تمام حدیں پھلانگ کر پوری طرح عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں' عوام انہیں ان کے کرتوتوں سے باز رکھنے کے لیے کوئی کردار ادا نہیں کرتے' بلکہ ایک وقت آتا ہے جب وہ بھی ان کے ساتھ جرائم میں شریک ہو جاتے ہیں اور یوں ایسا معاشرہ اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ ایسے میں صرف وہی لوگ عذاب سے بچ پاتے ہیں جو نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے ہوں۔

آیت ۱۷ ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۱۷﴾ ''اور کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا نوحؑ کے بعد۔ اور کافی ہے آپؐ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے اور ان کو دیکھنے کے لیے۔''

آیت ۱۸ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ ''جو کوئی عاجلہ کا طلب گار بنتا ہے ہم اُس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں سے جو کچھ ہم چاہتے ہیں' جس کے لیے چاہتے ہیں۔''

یہاں پر ''دنیا'' کی بجائے ''عاجلہ'' کا لفظ آیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ مؤنث ہیں۔ ''ادنیٰ'' قریب کی چیز کو کہا جاتا ہے' اس کی مؤنث ''دنیا'' ہے جبکہ ''عاجل'' کے معنی جلدی والی چیز کے ہیں اور اس کی مؤنث ''عاجلہ'' ہے۔ یہ دنیا نقد کا سودا ہے' یہاں پر راحت بھی فوراً آسودگی دیتی ہے اور اس کی تکلیف بھی فوری طور پر خود کو محسوس کراتی ہے۔ اسی لیے اسے ''عاجلہ'' کہا گیا ہے۔ عاجلہ کے مقابلے میں آیت زیر نظر میں ''آخرت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ قرآن حکیم میں اکثر ''دنیا'' کے مقابلے میں بھی آتا ہے۔ دنیا یا عاجلہ کے مقابلے میں آخرت کو آخرت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثواب و عذاب بعد میں آنے والی چیز ہے۔

آیت زیر نظر میں جو اصول بیان ہوا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی عیش اور دنیا کی دولت و شہرت حاصل کرنے کا خواہش مند ہو اور صرف اسی کے لیے منصوبہ بندی' محنت اور دوڑ دھوپ کرے' اُس کی محنت اور دوڑ دھوپ کو اللہ کسی نہ کسی درجہ میں کامیاب کر دیتا ہے' مگر ضروری نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا سمیٹنا چاہے اسی قدر اُسے مل بھی جائے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کوئی بھی

اس ''عاجلہ'' کو پانے کی دوڑ میں شامل ہو' کامیاب ٹھہرے' بلکہ ہر کسی کو وہی کچھ ملے گا جو اللہ چاہے گا' اور صرف اُسی کو ملے گا جس کے لیے وہ چاہے گا۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حصولِ دنیا کے لیے ساری عمر اپنے آپ کو ہلکان کر دیتے ہیں' مگر دنیا پھر بھی ہاتھ نہیں آتی۔ چنانچہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جس کو وہ چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے دنیا میں اس کی محنت کا صلہ دے دیتا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾﴾ ''پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اُس کے لیے جہنّم۔ وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ' دھتکارا ہوا۔''

اُس شخص کی خواہش اور محنت سب دنیا کے لیے کی تھی' چنانچہ دنیا کسی نہ کسی قدر اسے دے دی گئی۔ آخرت کے لیے اُس نے خواہش کی تھی اور نہ محنت' لہٰذا آخرت میں سوائے جہنّم کے اُس کے لیے اور کچھ نہیں ہوگا۔

آیت ۱۹ ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''اور جو کوئی آخرت کا طلب گار ہو' اور اس کے لیے اس کے شایانِ شان کوشش کرے اور وہ مؤمن بھی ہو''

یعنی اس کی یہ طلب صرف زبانی دعویٰ تک محدود نہ ہو' بلکہ حصولِ آخرت کے لیے وہ ٹھوس اور حقیقی کوشش بھی کرے' جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہلِ ایمان میں سے ہو' کیونکہ ایمان کے بغیر اللہ کے ہاں بڑی سے بڑی نیکی بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾﴾ ''تو یہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر افزائی کی جائے گی۔''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! یہ آیت ہم میں سے ہر ایک کے لیے لٹمس ٹیسٹ ہے۔ اس ٹیسٹ کی مدد سے ہر شخص ٹھیک سے معلوم کر سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے کس موڑ پر' کس حیثیت سے کھڑا ہے؟ چنانچہ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی منصوبہ بندیوں اور شبانہ روز بھاگ دوڑ کی ترجیحات کا تجزیہ کر کے اپنا احتساب کرے کہ وہ کس قدر دنیا کا طالب ہے اور کس حد تک فلاحِ آخرت کو پانے کا خواہش مند؟ بہر حال دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا اور پھر اپنے قول و فعل سے اپنی ترجیحات کو ثابت کرنا ایک کٹھن اور دشوار کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آیت ۲۰ ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ﴾ ''ہم سب کو مدد پہنچائے جا رہے ہیں' ان کو بھی اور ان کو بھی' آپؐ کے رب کی عطا سے۔''

یہ دنیا چونکہ دار الامتحان ہے اس لیے جب تک انسان یہاں موجود ہیں' ان میں سے کوئی مجرم ہو یا اطاعت گزار' ہر ایک کی بنیادی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہے جس میں سے وہ اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کو بھی نواز رہا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾﴾ ''اور آپؐ کے رب کی عطا رُکی ہوئی نہیں ہے۔''

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اور بخشش عام ہے۔ اس میں دوست اور دشمن کے امتیاز کی بنیاد پر کوئی قدغن یا روک ٹوک نہیں ہے۔

آیت ۲۱ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ﴾ ''دیکھو کیسے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے!''

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بعض لوگوں کو مال و اسباب' ذہنی و جسمانی صلاحیتوں' شکل و صورت اور مقام و مرتبے میں بعض دوسروں پر فضیلت دے رکھی ہے۔ یہ اس کی مرضی اور مشیت کا معاملہ ہے۔

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾﴾ ''لیکن آخرت کی زندگی درجات اور فضیلت میں اس سے بہت بڑھ کر ہوگی۔''

دنیا میں تو درجات و فضائل جیسے بھی ہوں، جتنے بھی ہوں، محدود ہی ہوں گے، مگر آخرت کی نعمتیں اور نوازشیں ایسی لامحدود اور لامتناہی ہوں گی کہ ان کا موازنہ و مقابلہ دنیا کی کسی چیز سے ممکن ہی نہیں ہوگا۔ یہاں ایک شخص بیس پچیس سال کٹیا میں رہ لے گا اور ایک دوسرا شخص اتنا ہی عرصہ محل میں رہ لے گا تو کیا فرق واقع ہو جائے گا؟ آخر کار تو دونوں کو یہاں سے جانا ہے۔ لیکن آخرت کے آرام و آسائش ابدی ہوں گے۔ وہاں کے نعمتوں کے باغات کی اپنی ہی شان ہوگی: ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾﴾ (الواقعة) ''تو (اُس کے لیے) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔''

آیت ۲۲ ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿٢٢﴾﴾ ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ' کہ پھر بیٹھے رہ جاؤ گے مذموم و بے سہارا ہو کر۔''

آئندہ دو رکوع اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں تورات کے احکامِ عشرہ (Ten Commandments) کو قرآنی اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان احکام کے اندر تورات کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ ان احکام کا خلاصہ ہم سورۃ الانعام کے آخری حصے میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ یہاں پر وہی باتیں ذرا تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔

آیات ۲۳ تا ۴۰

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿٣٠﴾ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿٣٣﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ع ۴

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ
وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا تَمْشِ فِي
الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ
سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

آیت ۲۳ ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ﴾ ''اور فیصلہ کر دیا ہے آپؐ کے رب نے کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اُس کے اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔''

اللہ کے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق ادا کرنے کی تاکید اس سے پہلے ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۳۶ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اس کے بعد سورۂ لقمان کی آیت ۱۴ میں یہی حکم چوتھی مرتبہ آئے گا۔

﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا﴾ ''اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں''

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾﴾ ''تو انہیں اُف تک مت کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے بات کرو نرمی کے ساتھ۔''

اگر کبھی والدین کی بات کو ٹالنا بھی پڑ جائے تو حکمت اور نرمی کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ عقل اور منطق کے بل پر سینہ تان کر یوں جواب نہ دیا جائے کہ اُن کا دل دکھے۔

آیت ۲۴ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ''اور جھکائے رکھو ان کے سامنے اپنے بازو عاجزی اور نیازمندی سے''

جب بھی اپنے والدین کے سامنے آؤ تو تمہاری چال ڈھال اور گفتگو کے انداز سے عاجزی و انکساری اور ادب و احترام کا اظہار ہونا چاہیے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾﴾ ''اور دعا کرتے رہو: اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور ہر وقت ان کے لیے دعا گو رہنا چاہیے کہ اے اللہ! جب میں ضعیف، کمزور اور محتاج تھا تو انہوں نے میری غذا، میرے آرام اور میری دوسری ضروریات کا انتظام کیا۔ میری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا اور میرے لیے اپنے آرام و آرائش کو قربان کیا۔ اب میں تو ان کے ان احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ اس لیے میں تجھی سے درخواست کرتا ہوں کہ تُو ان پر رحم فرما اور اپنی خصوصی شفقت اور مہربانی سے اُن کی خطاؤں کو معاف فرما دے۔

آیت ۲۵ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵﴾ ''تمہارا رب خوب واقف ہے اُس سے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم واقعی نیک ہو گے تو وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کے لیے بڑا بخشنے والا ہے۔''

بوڑھے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے حکم پر کماحقہٗ عمل کرنا آسان کام نہیں۔ بڑھاپے میں انسان پر ''ارذلِ عمر'' کا مرحلہ بھی آتا ہے' جس کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ﴾ (النحل: ۷۰) ایسی کیفیت میں کبھی بچوں کی سی عادتیں لوٹ آتی ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ناقابلِ عمل اور اکثر احکام ناقابلِ تعمیل ہوتے ہیں۔ کہیں انہیں سمجھانا بھی پڑتا ہے اور کبھی روکنے ٹوکنے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ان سب مراحل میں کوشش کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے اور کبھی نہ کبھی کوئی کوتاہی رہ ہی جاتی ہے۔ یہاں اس سیاق و سباق میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے ظاہری عمل اور رویّے ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ چنانچہ اگر بندے کے دل کا رجوع اللہ کی طرف ہو اور نیت اُس کی نافرمانی کی نہ ہو تو چھوٹی موٹی لغزشوں کو وہ معاف فرمانے والا ہے۔

آیت ۲۶ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶﴾ ''اور حق ادا کرو قرابت داروں' مسکینوں اور مسافروں کا اور فضول میں مال مت اڑاؤ۔''

تبذیر کے معنی بلاضرورت مال اڑانے کے ہیں اور یہ اسراف سے بڑا جرم ہے۔ اسراف تو یہ ہے کہ کسی ضرورت میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے۔ مثلاً کھانا کھانا ایک ضرورت ہے اور یہ ضرورت دو روٹیوں اور تھوڑے سے سالن سے بخوبی پوری ہو جاتی ہے' مگر اسی ضرورت کے لیے اگر کئی کئی کھانوں پر مشتمل دسترخوان سجا دیے جائیں تو یہ اسراف ہے۔ اسی طرح کپڑا انسان کی ضرورت ہے جس کے لیے ایک دو جوڑے کافی ہیں۔ اب اگر الماریوں کی الماریاں طرح طرح کے جوڑوں' سوٹوں اور پوشاکوں سے بھری پڑی رہیں تو یہ اسراف کے زمرے میں آئے گا۔ اسراف کے مقابلے میں تبذیر سے مراد ایسے بے تحاشا اخراجات ہیں جن کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہو' مثلاً شادی بیاہ کی رسموں پر بے حساب خرچ کرنا اور نام و نمود کے لیے طرح طرح کے مواقع پیدا کر کے ان پر مال و دولت کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

آیت ۲۷ ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ﴾ ''یقیناً مال کو فضول اُڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔''

یہاں پر مُبذّرین کو جو شیاطین کے بھائی قرار دیا گیا ہے' اس کی منطق اور بنیاد کیا ہے؟ یہ بات جب میری سمجھ میں آئی تو مجھ پر قرآن کے اعجاز کا ایک نیا پہلو منکشف ہوا۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۱ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ...﴾ ''شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے شراب اور جوئے کے ذریعے سے.....'' اس آیت کے مضمون پر غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ شراب اور جوا شیطان کے وہ خطرناک ہتھیار ہیں جن کی مدد سے وہ انسانوں کے درمیان بغض و عداوت کی آگ کو بھڑکا کر اپنے ایجنڈے کی تکمیل چاہتا ہے۔ چنانچہ اگر شیطان کا ہدف انسانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض اور عداوت کے جذبات پیدا کرنا ہے تو اس کا یہ ہدف تبذیر کے عمل سے بھی بخوبی پورا ہو جاتا ہے اور یوں ''مُبذّرین'' اس مکروہ ایجنڈے کی تکمیل کے لیے شیطان کے کندھے سے کندھا اور اُس

کے قدم سے قدم ملائے سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔ اس تلخ حقیقت کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ذرا تصور کریں کہ ایک سیٹھ صاحب کی بیٹی کی شادی کے موقع پر اُس کی کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی ہے' خوب دھوم دھڑکا ہے اور محض نمود و نمائش کے لیے مال و دولت کو بے دریغ لٹایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف اسی سیٹھ صاحب کا ایک ملازم ہے جو صرف اپنی غربت کے سبب اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے نہیں کر پا رہا اور سیٹھ صاحب کے یہ تمام تبذیری چلن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے لازمی طور پر اس غریب کے دل میں نفرت' بغض اور دشمنی کا لاوا جوش مارے گا۔ اب اگر اسے موقع ملے تو یہ آتش فشاں پوری شدت سے پھٹے گا اور وہ غریب ملازم اپنے مالک کا پیٹ پھاڑ کر اُس کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح فضول لٹائی جانے والی دولت کی نمائش سے اُمراء کے خلاف معاشرے کے محروم لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت اور نفرت کی آگ بھڑکتی ہے اور یوں شیطان کے ایجنڈے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی شیطانی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے معاونین کا کردار ادا کرنے کے باعث مُبذّرین کو یہاں ''اِخوان الشّیٰطین'' قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾﴾ ''اور یقیناً شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا﴾ ''اور اگر تمہیں اعراض کرنا ہی پڑ جائے اُن سے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے''

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی محتاج اپنی کسی حاجت برآری کے لیے ایسے موقع پر آپ کے پاس آتا ہے جب آپ کے پاس بھی اُسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے اچھے دنوں اور فراخ دستی کی امید تو ہے مگر وقتی طور پر آپ سائل کی حاجت سے اعراض کرنے پر مجبور ہیں اور چاہتے ہوئے بھی اُس کی مدد نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کسی وقت ایسی صورت حال کا سامان ہو:

﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾﴾ ''تو اُن سے کہو نرم بات۔''

ایسے موقع پر سائل کو جھڑکو نہیں' بلکہ متانت اور شرافت سے مناسب الفاظ میں اس سے معذرت کر لو۔

آیت ۲۹ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ ''اور نہ باندھ لو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ''

یہ استعارہ ہے بخل اور کنجوسی کا۔ یعنی آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر کسی کو کچھ دینے سے خود کو معذور نہ کر لیں۔

﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ ''اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو''

بعض اوقات انسان کے اندر نیکی کا جذبہ اس قدر جوش کھاتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دینا چاہتا ہے۔

﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾﴾ ''کہ پھر بیٹھے رہو ملامت زدہ ہارے ہوئے۔''

ایسا نہ ہو کہ ایک وقت میں تو جذبات میں آ کر انسان سارا مال قربان کر دے مگر بعد میں پچھتائے کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟ اب کیا ہوگا؟ اب میری اپنی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟ چنانچہ انسان کو ہر حال میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ ''یقیناً تمہارا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)۔''

بعض اوقات اللہ کا کوئی بندہ چاہتا ہے کہ میں کوشش کر کے اپنے فلاں نادار رشتہ دار کے حالات بہتر کر دوں' مگر اُس کی پوری کوشش کے باوجود اس کے حالات نہیں سدھرتے۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ کسی کے رزق کی تنگی اور فراخی کا فیصلہ اللہ

تعالیٰ کرتا ہے‘ اس میں تم لوگوں کو کچھ اختیار نہیں۔ لہٰذا تم لوگ اپنی سی کوشش کرتے رہو اور نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۳۰﴾ ’’یقیناً وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا (اور ان کے حالات کو) دیکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ﴾ ’’اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے اندیشے سے۔‘‘

قدیم زمانے میں قتلِ اولاد کا محرک افلاس کا خوف ہوا کرتا تھا۔ آج کل ہمارے ہاں برتھ کنٹرول اور آبادی کی منصوبہ بندی کے بارے میں جو اجتماعی سوچ پائی جاتی ہے اور اس سوچ کے مطابق انفرادی اور اجتماعی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کی کئی صورتیں بھی اس آیت کے حکم میں آتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی طور پر کوئی ایک حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کی تمام صورتیں حرامِ مطلق نہیں‘ بلکہ بعض صورتیں جائز بھی ہیں‘ جبکہ بعض مکروہ اور بعض حرام۔ مگر ایسی سوچ کو ایک اجتماعی تحریک کی صورت میں منظم کرنا بہرحال ایمان اور توکل علی اللہ کی نفی ہے۔ اس کوشش کا سیدھا اور صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے رازق ہونے پر ایمان و یقین نہیں اور وہ خود اپنی جمع تفریق سے حساب پورا کرنے کی کوششیں کرنا چاہتا ہے۔ دراصل انسان اللہ کے خزانوں اور وسائل کی وسعتوں کا کچھ اندازہ نہیں کر سکتا اور اسے اپنی اس کوتاہی اور معذوری کا ادراک ہونا چاہیے۔ مثلاً کچھ عرصہ پہلے تک انسان کو اندازہ نہیں تھا کہ سمندر کے اندر انسانی غذا کے کس قدر وسیع خزانے پوشیدہ ہیں اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ سمندری گوشت ﴿لَحْمًا طَرِيًّا﴾ (النحل: ۱۴ اور فاطر: ۱۲) کی افادیت انسانی صحت کے لیے red meat کے مقابلے میں کس قدر زیادہ ہے۔

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ جاننے کی ہے کہ مختلف مانعِ حمل طریقوں اور کوششوں پر ’’قتلِ اولاد‘‘ کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا‘ لیکن باقاعدہ حمل ٹھہر جانے کے بعد اسے ضائع کرنا بہرحال قتل کے زمرے میں ہی آتا ہے۔

﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ﴾ ’’ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔‘‘

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں جو رزق مل رہا ہے وہ تمہاری اپنی محنت اور منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں‘ تمہارے حقیقی رازق ہم ہیں اور جیسے ہم تمہیں رزق دے رہے ہیں اسی طرح تمہاری اولاد کے رزق کا بندوبست بھی ہمارے ذمہ ہے۔

﴿اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱﴾ ’’یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے۔‘‘

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ ’’اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ‘‘

یہاں ’’زنا مت کرو‘‘ کے بجائے وہ حکم دیا جا رہا ہے جس میں انتہائی احتیاط کا مفہوم پایا جاتا ہے کہ زنا کے قریب بھی مت پھٹکو۔ یعنی ہر اُس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۳۲﴾ ’’یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے‘ اور بہت ہی بُرا راستہ ہے۔‘‘

آیت ۳۳ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ’’اور مت قتل کرو اُس انسانی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔‘‘

یہاں ’’حق‘‘ سے مراد چند وہ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کا قتل جائز ہے۔ ان میں خون کا بدلہ خون‘ اسلامی ریاست میں مرتد کی سزا موت‘ شادی شدہ زانی اور زانیہ کا رجم اور حربی کافر کا قتل شامل ہے۔

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا﴾ ’’اور جسے قتل کر دیا گیا مظلومی میں‘ تو اُس کے ولی کو ہم نے

اختیار دیا ہے‘‘

اسلامی قانون میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ جان کے بدلے جان کی سزا پر اصرار کریں یا معاف کر دیں یا پھر خون بہا لے لیں۔ یہ تینوں اختیارات مقتول کے ورثاء ہی کو حاصل ہیں۔ کسی عدالت یا سربراہِ مملکت کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔

﴿فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ﴾ ’’تو وہ بھی قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔‘‘

یعنی جان کے بدلے جان کا فیصلہ ہو تو اس میں تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک آدمی کے بدلے مخالف فریق کے زیادہ لوگ قتل کر دیے جائیں‘ طریقہ قتل میں کسی قسم کی زیادتی کی جائے یا کسی بھی انداز میں اپنے اس اختیار کا ناجائز استعمال کیا جائے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝﴾ ’’اُس کی مدد کی جائے گی۔‘‘

قاتل کو پکڑنے‘ اس پر مقدمہ چلانے اور انصاف دلانے تک کے طویل اور پیچیدہ عمل میں ہر مرحلے پر مقتول کے ورثاء کی مدد کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قتل کے مقدمات میں ریاست یا حکومت مدعی نہیں بنے گی‘ بلکہ مقتول کے ورثاء ہی مدعی ہوں گے۔ ہمارے ہاں جو ’’سرکار بنام فلاں‘‘ کے عنوان سے مقدمہ بنتا ہے وہ معاملہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ’’اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر احسن طریقے سے‘‘

یہ آیت قبل ازیں ہم سورۃ الانعام (آیت ۱۵۲) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یعنی یتیم کے مال کو ہڑپ کرنے‘ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے یا اسے ضائع کرنے کی کوشش نہ کرو‘ بلکہ اس کی حفاظت کرو اور اسے ہر طرح سے سنبھال کر رکھو:

﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ﴾ ’’یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے‘‘

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾ ’’اور عہد کو پورا کرو‘ یقیناً عہد کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ﴾ ’’اور جب تم ناپو تو پیمانہ پورا بھرو اور وزن کرو سیدھی ترازو کے ساتھ۔‘‘

﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾ ’’یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی خوب تر ہے۔‘‘

اگر تم ناپ تول پورا کرتے ہو اور لین دین کے تمام معاملات دیانتداری سے سرانجام دیتے ہو تو حضرت شعیب علیہ السلام کے فرمان کے مطابق: ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ (ھود:۸۶) ’’اللہ کا دیا ہوا منافع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو‘‘۔ دیانتداری سے کمایا ہوا منافع تھوڑا بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا کرے گا۔

آیت ۳۶ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ﴾ ’’اور مت پیچھے پڑو اُس چیز کے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں۔‘‘

بحیثیت اشرف المخلوقات انسان کا طرزِ عمل خالص علم پر مبنی ہونا چاہیے۔ اُسے زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی عمل یا نظریے کی بنیاد توہمات پر رکھے یا ایسی معلومات کو لائقِ اعتناء سمجھے جن کی کوئی علمی سند نہ ہو۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسانی علم کی بنیاد اور اس کا منبع کیا ہے؟ اس سلسلے میں ہم جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر انسانی علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک اکتسابی علم (acquired knowledge) اور دوسرا الہامی علم (revealed knowledge)۔ اکتسابی علم کی بنیاد وہی علم الاسماء ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا اور جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں پڑھ آئے ہیں۔ اس علم کا تعلق انسانی حواس اور ذہن سے ہے۔ انسان اپنے حواس کی

مدد سے یہ علم حاصل کر کے اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہتا ہے۔ جوں جوں انسان کے تجربے اور مشاہدے کا دائرہ پھیلتا ہے اس علم میں بھی توسیع ہوتی جاتی ہے اور یوں یہ علم کرۂ ارض پر انسانی زندگی کے روزِ اوّل سے لے کر آج تک مسلسل ارتقاپذیر ہے۔ دوسری طرف الہامی علم ہے جس کا انسان کے حواس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس علم کے تمام ذرائع مثلاً وحی (جلی یا خفی)، الہام، کشف اور رؤیائے صادقہ (سچے خواب) کا تعلق انسان کے حیوانی وجود کے بجائے اُس کے روحانی وجود سے ہے۔ انسانی روح اس علم کو براہِ راست موصول کرتی ہے اور اس کا مسکن و مرکز انسانی قلب ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی، چاہے جلی ہو یا خفی، نبوت کا حصہ ہے اور علمی لحاظ سے ایک قطعی دلیل یا بُرہانِ قاطع ہے۔ لیکن کسی عام شخص کو وحی خفی، الہام یا کشف کے ذریعے ملنے والا علم دوسروں کے لیے کوئی علمی دلیل فراہم نہیں کرتا۔ ایسا علم صرف متعلقہ شخص کے لیے دلیل ہو سکتا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب وہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو آیت زیرِ نظر میں انسان کا اکتسابی علم زیرِ بحث ہے۔

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶﴾ ''یقیناً سماعت، بصارت اور عقل بھی کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کے اکتساب و استعمال کے لیے حواسِ خمسہ (جن میں سے دو اہم ترین حواس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے) اور عقل سے نوازا ہے اور اس لحاظ سے اس کی ان صلاحیتوں کا احتساب بھی ہوگا۔ یہاں پر لفظ فؤاد بہت اہم ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ عام طور پر اس لفظ کا ترجمہ ''دل'' کیا گیا ہے، مگر اس ترجمے کے لیے کوئی لغوی بنیاد موجود نہیں۔ اس لفظ کا مادہ وہی ہے جس سے لفظ ''فائدہ'' مشتق ہے اور لفظ ''فائدہ'' کے معنی کسی چیز کے اس جوہر یا لُبِّ لُباب کے ہیں جو اس چیز میں سے اصل مقصود ہوتا ہے۔ پرانے دور کی کتب میں یہ انداز عام ملتا ہے کہ کوئی حکایت یا روایت بیان کرنے کے بعد اس کا نتیجہ بیان کرنے کے لیے لفظ ''فائدہ'' یا صرف ''ف'' لکھ دیا جاتا تھا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تفصیل کے خلاصہ یا کسی کام کے نتیجہ کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ''فئید'' بھی اسی مادہ سے مشتق ہے۔ عربی میں ''فئید'' کسی سبزی یا گوشت وغیرہ کی بھجیا کو کہا جاتا ہے اور اس لفظ (فئید) میں بھی نتیجہ یا خلاصہ وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی گوشت وغیرہ کو ابالنے یا بھوننے سے جب اس کا فالتو پانی خشک ہو جاتا ہے تب اس میں سے بہت تھوڑی مقدار میں وہ چیز حاصل ہوتی ہے جس پر لفظ فئید کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس لغوی وضاحت کے بعد لفظ ''فؤاد'' کے مفہوم اور انسانی حواس کے ساتھ اس کے تعلق کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ حواسِ انسانی اپنے اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کر کے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ دماغ کا کمپیوٹر ان معلومات کو process کرتا ہے، پہلے سے موجود اپنے ذخیرۂ معلومات کے ساتھ ان کا تطابق (tally) یا تقابل (compare) کر کے اس سارے عمل سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور پھر اس نتیجہ کو اپنے ذخیرۂ معلومات (memory) میں محفوظ (store) کر لیتا ہے۔ اسی ذخیرۂ معلومات کا نام علم ہے اور انسان کی وہ قوت یا صلاحیت جو اس سارے عمل کو ممکن بناتی ہے ''فؤاد'' کہلانے کی مستحق ہے۔ عرفِ عام میں اس قوت یا صلاحیت کو عقل یا شعور کہا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک ''فؤاد'' کا درست ترجمہ عقل یا شعور ہی ہے۔

اس پورے تناظر میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مفید حواس (sense organs) عطا کیے ہیں اور ان حواس سے حاصل ہونے والی معلومات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے اسے نوازا ہے۔ اب اگر انسان اپنے ان حواس سے استفادہ نہ

کرے، عقل وشعور کی صلاحیت سے کوئی کام نہ لے اور اپنے نظریات کی بنیاد توہمات پر رکھ لے تو وہ بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہوگا۔ مثلاً زلزلے کے بارے میں کبھی لوگوں میں یہ نظریہ مشہور تھا کہ ہماری یہ زمین ایک بیل نے اپنے ایک سینگ پر اٹھا رکھی ہے۔ جب وہ تھک جاتا ہے تو اسے دوسرے سینگ پر منتقل کرتا ہے، جس سے زلزلہ آ جاتا ہے۔ اس مضحکہ خیز نظریے کے لیے نہ تو قرآن وحدیث میں کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی انسان کے اکتسابی اور تجرباتی علوم اس کے لیے کوئی دلیل فراہم کرتے ہیں —— یہی وجہ ہے کہ انسان کو اپنی ان صلاحیتوں کے حوالے سے اُس ہستی کے سامنے جوابدہ رکھا گیا ہے جس نے اسے یہ سب کچھ عطا کیا ہے۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ جس چیز یا خبر کی بنیاد میں الہامی یا اکتسابی وتجرباتی علم کی کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو اُسے قابلِ اعتناء نہ سمجھے اور اپنے افکار ونظریات کی بنیاد ایسے ٹھوس علمی حقائق پر رکھے جن کی وہ سائنٹیفک انداز میں توثیق وتصدیق بھی کر سکتا ہو۔ یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس نے علمی میدان میں نوعِ انسانی کی راہنمائی اُس راستے کی طرف کی ہے جو انسان کے شایانِ شان ہے۔

یہاں پر ارسطو کے استخراجی فلسفے کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک مدت تک پوری دنیا میں اس فلسفے کا ڈنکا بجتا رہا۔ عالمِ اسلام میں بھی یہ فلسفہ بہت مقبول رہا اور کئی صدیوں کے بعد اب جا کر کہیں اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی ہے۔ استخراجی منطق (deductive knowledge) کے مطابق صرف دستیاب معلومات سے ہی نتائج اخذ کیے جاتے تھے۔ چنانچہ کسی موضوع پر جو تھوڑی بہت معلومات دستیاب ہوتی تھیں، وقت کے فلسفی اور حکیم انہی میں سے بال کی کھال اتار اتار کر نتائج اخذ کرتے رہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں قرآن نے استقرائی منطق (inductive knowledge) کا فلسفہ متعارف کرایا اور انسان کو مشاہدے اور تجربے کی مدد سے مسلسل علم حاصل کرنے کی راہ دکھائی: ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾﴾ (الغاشیۃ) ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کیسے ہموار کی گئی ہے!'' علامہ اقبال نے اس فکرِ قرآنی کی ترجمانی یوں کی ہے: ؎

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

فطرت اور مظاہرِ فطرت کے بارے میں ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے قوانین بہت مضبوط اور مستحکم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے فطرت کے ان قوانین کو معطل کر سکتا ہے یا بدل سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اصل حقیقت یہی ہے کہ اس کائنات کا عمومی نظام بہت مضبوط، محکم اور اٹل طبعی اصول وقوانین پر چل رہا ہے اور ان قوانین کو معطل کرنے کے معجزات روز روز رونما نہیں ہوتے۔ سمندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک ہی دفعہ پھٹا تھا اور آگ نے ایک ہی دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کیا تھا۔ بہرحال دنیا میں طبعی سائنس (Physical Science) کی مختلف ٹیکنالوجیز کا وجود فطرت کے اٹل قوانین کا ہی مرہونِ منت ہے اور اسی وجہ سے آج طرح طرح کی سائنسی ترقی ممکن ہوئی ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن ان مظاہرِ فطرت کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیتا ہے اور انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اللہ کی ان نشانیوں کو غور سے دیکھے، ان کے اندر کارفرما قوانین کا تجزیاتی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کرے اور پھر ان نتائج کو کام میں لا کر اپنی زندگی میں ترقی کی نئی منازل تلاش کرے۔

علامہ اقبال نے اسی حوالے سے اپنے خطبات میں فرمایا ہے: "The inner core of the western civilization is Quranic." کہ موجودہ مغربی تہذیب کا اندرونی محور خالص قرآنی ہے' کیونکہ اس کی بنیاد سائنس پر ہے اور سائنسی علوم کی طرف انسان کی توجہ قرآن نے مبذول کروائی ہے۔ بہرحال قرآن انسان کو ہر قسم کے توہمات' رمل' نجوم' پامسٹری وغیرہ سے بیزار کر کے اپنے معاملات اور نظریات کی بنیاد ٹھوس علمی حقائق پر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

انسانی زندگی کے سفر میں توازن رکھنے کے لیے مذکورہ دونوں قسم کے علوم (اکتسابی اور الہامی) اپنے اپنے دائرۂ عمل میں نہایت اہم ہیں۔ دونوں کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے فوراً بعد آپؑ کو علم الاسماء (یہ وہی علم ہے جس کا تعلق انسانی حواس سے ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ جس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے) سے بھی نواز دیا گیا تھا اور آپؑ کو زمین پر بھیجتے وقت الہامی علم کی اتباع کی ہدایت بھی کر دی گئی تھی: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ) ''پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت' تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

یورپی معاشرہ اس سلسلے میں بہت بڑی کوتاہی کا مرتکب ہوا ہے کہ اس معاشرے میں ساری توجہ اکتسابی علم پر مرکوز کر کے الہامی علم سے بالکل ہی صرفِ نظر کر لیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں دی تھیں' ان میں ایک اکتسابی علم کی آنکھ تھی اور دوسری الہامی علم کی۔ یورپ میں ایک آنکھ کو مکمل طور پر بند کر کے ہر چیز کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے دوسری اکیلی آنکھ پر ہی انحصار کر لیا گیا۔ نتیجتاً نہ تو انسان کی سوچ میں اعتدال رہا نہ عمل میں توازن' اور یوں اس پورے معاشرے نے یک چشمی دجالیت کی شکل اختیار کر لی۔

آیت ۳۷ ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾﴾ ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو' نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے۔''

تم جس قدر چاہو طاقت ور ہو جاؤ' اور ہماری زمین پر جتنا بھی اکڑ اکڑ کر اور پاؤں مار مار کر چل لو' تم اپنی طاقت سے زمین کو پھاڑ نہیں سکتے' اور جس قدر چاہو گردن اکڑا لو اور طرّہ و دستار سے سر بلند کر لو' تم قد میں ہمارے پہاڑوں کے برابر تو نہیں ہو سکتے۔

آیت ۳۸ ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾﴾ ''ان سب باتوں کی بُرائی (کا پہلو) تیرے رب کو بہت ناپسند ہے۔''

یعنی یہ جتنے بھی احکام ہیں ان میں اوامر (Do's) بھی ہیں اور نواہی (Don'ts) بھی۔ جہاں کسی کام کے کرنے کا حکم ہے وہاں اسے نہ کرنا بُرائی ہے اور جہاں کسی کام سے روکا گیا ہے وہاں اس میں ملوث ہونا برائی ہے۔ اور نافرمانی اور برائی اللہ تعالیٰ کو ہر صورت میں ناپسند ہے۔

آیت ۳۹ ﴿ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ ''یہ ہے جو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے حکمت میں سے۔''

یہ احکامِ نوعِ انسانی کے لیے خزینۂ حکمت ہیں۔ انسانی تہذیب و تمدن' ثقافت اور اجتماعیت کے ان اصولوں پر کاربند ہو کر انسان اسی دنیا میں اپنی اجتماعی زندگی کو جنت بنا سکتا ہے۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾﴾ ''اور مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ورنہ تم جھونک دیے جاؤ گے جہنّم میں ملامت زدہ دھتکارے ہوئے۔''

یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ ان احکام میں اوّل و آخر توحید کا حکم دیا گیا ہے۔ آغاز میں ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ کے الفاظ آئے تھے جبکہ آخر میں اسی مضمون کو ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ کے الفاظ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

آیت ﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ﴾ ''تو کیا تمہیں تو منتخب کر لیا ہے تمہارے ربّ نے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے لیے بنا لی ہیں فرشتوں میں سے بیٹیاں؟''

یہ اہلِ عرب کے اس عقیدے کا جواب ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ لوگ بیٹوں پر فخر کرتے تھے اور بیٹیوں کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے تھے۔ ان کی اسی سوچ کی بنیاد پر ان سے سوال کیا گیا ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے عار سمجھتے ہو اسے آخر کس منطق کے مطابق اللہ سے منسوب کرتے ہو؟

﴿اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾﴾ ''یہ تو تم بہت بڑی (گستاخی کی) بات کہتے ہو!''

آیات ۴۱ تا ۵۲

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۱۲

آیت ۴۱ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا ہے اس قرآن میں (اپنی آیات کو) تاکہ یہ سبق حاصل کریں۔''

ان کی نصیحت کے لیے ہم نے قرآن میں اسلوب بدل بدل کر حق کو واضح کیا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں قرآن کا لفظ اور ذکر بار بار آیا ہے۔ گویا اس سورت کے مضامین کا تانا بانا قرآن سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے آیت ۹ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾۔ آیت زیر نظر میں بھی قرآن کا ذکر ہے اور یہ ذکر اس انداز میں آئندہ آیات میں بھی بار بار آئے گا۔

﴿وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝۴۱﴾ ''مگر یہ نہیں بڑھاتا انہیں مگر نفرت ہی میں۔''

یہ ان لوگوں کی بدبختی ہے کہ قرآن میں گوناگوں اسلوبوں میں حق واضح ہو جانے کے باوجود ان کی بیزاری اور نفرت ہی میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ حق سے اور زیادہ دور بھاگے جا رہے ہیں۔

آیت ۴۲ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝۴۲﴾ ''آپؐ کہیے کہ اگر اُس کے ساتھ کچھ دوسرے معبود بھی ہوتے' جیسا کہ یہ کہتے ہیں' تب تو وہ ضرور تلاش کرتے صاحبِ عرش کی طرف کوئی راستہ۔''

اگر واقعی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے معبودوں کا بھی کوئی وجود ہوتا تو وہ ضرور سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے اس کے مقابلے میں آنے کی کوشش کرتے۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے راجوں کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے مہاراجہ کی کرسی تک پہنچ جائیں' اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ بغاوت تک کا خطرہ مول لے لیتے ہیں' اسی طرح اگر اللہ کے بھی شریک ہوتے تو وہ بھی اللہ کے مقابلے میں ضرور مہم جوئی کرتے اور اگر ایسا ہوتا تو اس کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

آیت ۴۳ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴۳﴾ ''وہ پاک ہے اور بہت ہی بلند و برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں۔''

آیت ۴۴ ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ﴾ ''اُسی کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور (وہ تمام مخلوق بھی) جو ان میں ہے۔''

اس کائنات کی ایک ایک چیز' چاہے جاندار ہو یا بظاہر بے جان' وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ تسبیح کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود سے گویا اپنے خالق کی خلاقی اور اپنے صانع کی صناعی کا اعلان کر رہی ہے۔ جیسے ایک تصویر اپنے مصوّر کے معیارِ فن کا اظہار کرتی ہے' لیکن تمام مخلوقات کا ایک طرزِ تسبیح قولی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو زبان عطا کر رکھی ہے اور وہ اپنی زبانِ خاص سے اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے۔

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ﴾ ''اور کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ وہ تسبیح کرتی ہے اُس کی حمد کے ساتھ' لیکن تم نہیں سمجھ سکتے ان کی تسبیح کو۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴﴾ ''یقیناً وہ بہت تحمل والا' بہت بخشنے والا ہے۔''

ہر چیز کا یہی اندازِ تسبیح ہے جس کا ادراک انسان نہیں کر سکتے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیت ۲۱ میں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا ذکر ہے کہ

اُس نے ہر چیز کو قوتِ ناطقہ عطا کی ہے۔ روزِ محشر جب انسانوں کے اپنے اعضاء اُن کے خلاف شہادت دیں گے تو وہ حیران ہو کر اپنی کھالوں سے پوچھیں گے کہ یہ سب کیا ہے؟ ﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ''ان کے چمڑے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اُس اللہ نے قوتِ گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو بولنا سکھایا ہے۔''

آیت ۴۵ ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝۴۵﴾ ''اور جب آپؐ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپؐ کے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔''

اس آیت میں ایک دفعہ پھر قرآن کا ذکر آیا ہے۔ یہاں ایک غیر مرئی پردے کا ذکر ہے جو منکرینِ آخرت اور ہدایت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے ہر عمل کا معیار و مقصود صرف اور صرف دنیا کی زندگی ہے۔ وہ نہ تو آخرت کی زندگی کے قائل ہیں اور نہ ہی وہاں کے اجر و ثواب کے بارے میں سنجیدہ۔ دنیا میں وہ ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کے نظریے پر زندگی بسر کر رہے ہیں اور قرآن کو یا ہدایت کی کسی بھی بات کو توجہ سے نہیں سنتے۔ ایسے لوگوں کو ان کے اسی رویے کی بنا پر ہدایت سے مستقلاً محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ اللہ کا قانون ہے اس لیے آیت زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ جب آپ ﷺ انہیں قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ان کے غیر سنجیدہ رویے کی بنا پر ہم آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک غیر مرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ﴾ ''اور ان کے دلوں پر بھی ہم پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں' اور ان کے کانوں میں ثقل (پیدا کر دیتے ہیں)۔''

﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝۴۶﴾ ''اور جب آپؐ قرآن میں تنہا اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہیں تو یہ اپنی پیٹھیں موڑ کر چل دیتے ہیں نفرت کے ساتھ۔''

یہ لوگ اپنے تعصب کی وجہ سے اکیلے اللہ کا ذکر بطورِ معبود برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ اُن کے معبودوں کا بھی کبھی کبھار ذکر ہوا کرے اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں وہ اکیلے اللہ کا ذکر سننے کو تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ بدک کر نفرت کے ساتھ پیٹھ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے وہ توجہ سے سنتے ہیں اس (قرآن) کو جب وہ کان لگائے بیٹھے ہوتے ہیں آپؐ کی طرف''

قریشِ مکہ کی اس چال کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اُن کے بعض بڑے سردار اپنے عوام کو دھوکا دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور بظاہر بڑے انہماک سے سب کچھ سنتے۔ پھر واپس جا کر کہتے کہ لوجی ہم تو بڑے خلوص اور اشتیاق کے ساتھ گئے تھے محمد (ﷺ) کی محفل میں کہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں اس کو سنیں اور سمجھیں' مگر افسوس کہ ہمیں تو وہاں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اس طرح وہ کوشش کرتے کہ ان کے عوام بھی ان کے ہم نوا بن جائیں اور ان میں بھی یہ سوچ عام ہو جائے کہ یہ بڑے بڑے سردار آخر سمجھدار ہیں' بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' محمد (ﷺ) کی بات سننے اور سمجھنے کے لیے مخلص بھی ہیں اور اسی اخلاص میں وہ خصوصی طور پر آپ (ﷺ) کی مجلس میں بھی جاتے ہیں۔ اگر اس نئے کلام میں کوئی خاص بات ہوتی تو وہ ضرور ان کی سمجھ میں آ جاتی۔

اب جب یہ لوگ وہاں جا کر اور اس کلام کو سن کر کہہ رہے ہیں کہ اس میں کچھ بھی خاص بات نہیں ہے تو یقیناً یہ لوگ سچ ہی کہہ رہے ہیں۔

﴿وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۴۷﴾ ''اور جب وہ علیحدگی میں سرگوشیاں کرتے ہیں' جب یہ ظالم (ایک دوسرے سے) کہہ رہے ہوتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے ہو مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔''

ان میں سے کسی کے دل پر جب قرآن کی کوئی آیت اثر کرتی ہے اور وہ اس کا اظہار اپنے ساتھیوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ہاں بھئی محمد (ﷺ) نے آج جو فلاں بات کی ہے اس میں بہت وزن ہے' اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تو ایسی صورت میں وہ فوراً اس کا توڑ کرنے کے لیے اپنے اس ساتھی کو سمجھانا شروع کر دیتے ہیں کہ جی چھوڑو! تم کہاں ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے چل پڑے۔ اُن (ﷺ) کی باتوں پر کوئی سنجیدہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

آیت ۴۸ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ ''دیکھئے کیسے بیان کرتے ہیں یہ لوگ آپؐ کے لیے مثالیں''

کبھی وہ آپؐ کو سحر زدہ آدمی کہتے ہیں' کبھی کاہن اور کبھی شاعر! دیکھیں کیسی کیسی بیہودہ باتیں کرتے ہیں اور اس میں بھی کسی ایک رائے پر اتفاق نہیں کر سکتے۔

﴿فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۴۸﴾ ''چنانچہ وہ بھٹک گئے ہیں اور اب راہ یاب نہیں ہو سکیں گے۔''

آیت ۴۹ ﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝۴۹﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا' تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے ایک نئی تخلیق میں؟''

یہ لوگ آپؐ سے بڑی حیرت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) جو انسانوں کی دوبارہ زندگی کی بات کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور گوشت گل سڑ جائے گا' تو اس کے بعد ہمیں پھر سے نئی زندگی کیسے مل سکتی ہے؟ گویا ان کی سوچ کے مطابق ایسا ہونا بالکل محال اور ناممکن ہے۔

آیت ۵۰ ﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝۵۰﴾ ''(ان سے) کہیے کہ خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔''

آیت ۵۱ ﴿اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ﴾ ''یا ایسی مخلوق (بن جاؤ) جو تمہارے دلوں میں ان سے بھی سخت ہو۔''

اے نبی ﷺ! ان سے کہیے کہ آپ تو ہڈیوں کی بات کرتے ہو اور اپنے جسموں کے ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جانے کا تصور لیے بیٹھے ہو۔ تم اگر پتھر اور لوہا بھی بن جاؤ یا اپنی سوچ کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر کسی عجیب مخلوق کا روپ دھار لو' تب بھی تمہیں ازسرِنو اٹھا لیا جائے گا۔

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ﴾ ''پھر کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ لوٹائے گا؟''

﴿قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ﴾ ''آپؐ کہیے کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا۔''

﴿فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ﴾ ''پھر وہ آپؐ کے سامنے اپنے سروں کو مٹکائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا؟''

لاجواب ہو کر اپنے سروں کو مٹکاتے ہوئے بولیں گے کہ چلو مان لیا کہ یہ سب کچھ ممکن ہے' مگر یہ تو بتائیے کہ ایسا ہوگا کب؟

﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝۵۱﴾ ''آپؐ کہیے کہ ہو سکتا ہے (اس کا وقت) قریب ہی ہو۔''

عجب نہیں کہ تمہاری شامت کی وہ گھڑی آیا ہی چاہتی ہو‘ زیادہ دور نہ ہو۔

آیت ۵۲ ﴿یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾ ’’جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم (اُس کی پکار پر) لبیک کہو گے اُس کی حمد کرتے ہوئے‘‘

جب وہ گھڑی آئے گی اور تمہارا خالق تمہیں قبروں سے باہر آنے کے لیے بلائے گا تو تمہاری ہڈیاں اور تمہارے جسموں کے بکھرے ذرّات سب سمٹ کر پھر سے زندہ انسانوں کا روپ دھار لیں گے اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کی تعمیل میں بھاگے چلے جا رہے ہو گے۔

﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۵۲﴾ ’’اور تم گمان کرو گے کہ تم نہیں رہے مگر بہت تھوڑا (عرصہ)۔‘‘

اس وقت تمہیں دُنیا اور عالَمِ برزخ (قبر) میں اپنا بیتا ہوا زمانہ ایسے لگے گا جیسے کہ چند گھڑیاں ہی تم وہاں گزار کر آئے ہو۔

آیات ۵۳ تا ۶۰

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝۵۳ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۝۵۴ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۵ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ۝۵۶ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷ وَ اِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۵۸ وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَ اٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۝۵۹ وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ۝۶۰ ع

آیت ۵۳ ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ﴾ ’’اور آپؐ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہی بات کہیں جو بہت اچھی ہو۔‘‘

یہاں وہ نکتہ ذہن میں تازہ کر لیجیے جس کی قبل ازیں وضاحت ہو چکی ہے کہ مکّی سورتوں میں اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اُن سے براہِ راست تخاطب کا سلسلہ (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) تحویلِ قبلہ کے بعد شروع ہوا‘ جب انہیں باقاعدہ اُمّتِ مُسلمہ کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ اس سے پہلے اہلِ ایمان کو رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ہی مخاطب کیا جاتا رہا۔ چنانچہ اسی اصول

کے تحت یہاں بھی حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ میرے بندوں (مؤمنین) کو میری طرف سے یہ بتا دیں کہ وہ ہر حال میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کریں اور گفتگو میں کبھی ترشی اور تلخی نہ آنے دیں۔ اس طرح آپس میں بھی شیر و شکر بن کر رہیں اور مخالفین کے سامنے بھی بہتر اخلاق کا نمونہ پیش کریں۔ اقامتِ دین کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مؤمنین کے سامنے بہت زیادہ رکاوٹیں ہیں۔ ان کے مخاطبین جہالت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے جاہلانہ اعتقادات نسلوں سے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح انہیں اپنے رسم و رواج' سیاسی و معاشی مفادات اور غیرت و حمیت کے جذبات بہت عزیز ہیں۔ انہیں اس سب کچھ کا دفاع کرنا ہے اور اس کے لیے وہ ہر طرح کی قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں داعیانِ حق کو تحمل' بردباری اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اشتعال میں آ کر اعلیٰ اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۵۳﴾ ''یقیناً شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالے گا۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

آیت ۵۴ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ﴾ ''تمہارا ربّ تم سے خوب واقف ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو تم پر رحم فرمائے گا' یا اگر چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا۔''

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۵۴﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔''

ہدایت کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کا ذاتی معاملہ اور ذاتی انتخاب ہے۔ آپ ﷺ ان تک پیغام پہنچانے کے ذمہ دار ہیں' انہیں ہدایت پر لانے کے مکلّف نہیں۔

آیت ۵۵ ﴿وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''اور آپؐ کا رب خوب جانتا ہے اس کو جو کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں۔''

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ﴾ ''اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے''

یہاں اس فقرے کے سیاق و سباق کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل مکی دور کے آخری برسوں میں نازل ہوئی اور اس کا آغاز بھی بنی اسرائیل کی تاریخ سے ہوا۔ اس سورۃ کے نزول سے پہلے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور قرآن کے بارے میں تمام خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں اور یہودِ مدینہ ایک ایک بات اور ایک ایک خبر کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ پھر عنقریب حضور ﷺ خود بھی مدینہ تشریف لانے والے تھے۔ ان حالات میں جب مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ عقائد و نظریات کے بارے میں تبادلہ خیالات ہوتا تھا تو انبیاء کرامؑ کے فضائل کے بارے میں سوالات کا اٹھنا ناگزیر تھا' کہ اگر محمد (ﷺ) نبی ہیں تو آپ ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام میں سے افضل کون ہیں؟ یا یہ مسئلہ کہ محمد ﷺ افضل ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام؟ چنانچہ اس حوالے سے یہاں ایک بنیادی اور اصولی بات بیان فرما دی گئی کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں موجود اپنی تمام مخلوق کے احوال و کیفیات سے خوب واقف ہے اور اس نے اپنے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۳ میں یہی بات یوں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ﴾ ''یہ رسولؑ ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے''۔ ایسا نہ ہو کہ اس بحث میں پڑ کر آپ لوگ اپنے نبی ﷺ کی فضیلت اس طرح بیان کریں کہ مخالفین کے منفی جذبات کو ہوا ملے اور وہ تعصب سے مغلوب

ہو کر آپؐ کی بات ہی سننے سے انکار کر دیں۔

یہ بہت نازک مسئلہ ہے اور اس کی نزاکت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ سب سے افضل ہیں' مگر موقع و محل دیکھے بغیر اپنے اس عقیدے کا اس طرح سے چرچا کرنا درست نہیں کہ اس سے دوسرے مشتعل ہوں اور ان کے مخالفانہ جذبات و خیالات کو انگیخت ملے۔ اس ضمن میں حضور ﷺ کی واضح حدیث ہے کہ ((لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ))(۴) ''اللہ کے نبیوں کے مابین درجہ بندی نہ کیا کرو''۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ((لَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی))(۵) ''کسی شخص کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں (محمد ﷺ) یونس بن متّٰی سے افضل ہوں''۔ آپ ﷺ نے یہاں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر شاید اس لیے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام واحد نبی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ گرفت ہوئی ہے۔ بہرحال آپ ﷺ نے واضح طور پر اس سے منع فرمایا ہے کہ دوسرے انبیاء پر آپؐ کی فضیلت کا پرچار کیا جائے۔

﴿وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾﴾ ''اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی تھی۔''

اسی سیاق و سباق کی مناسبت سے یہاں بنی اسرائیل کے ایک نبی کا تذکرہ فرما دیا اور آپؐ کی فضیلت بھی بیان فرما دی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور جیسی جلیل القدر کتاب عطا فرمائی تھی۔ یہاں پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ موقع و محل کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسلؑ کے فضائل اور اعلیٰ مراتب کے ذکر سے ان کی عزت افزائی کرتا ہے۔

آیت ۵۶ ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾﴾ ''آپؐ کہیے کہ اُن کو پکار دیکھو جن کو تم نے اُس کے سوا (معبود) گمان کر رکھا ہے' تو نہ انہیں کچھ اختیار حاصل ہے تم سے کوئی تکلیف دُور کرنے کا اور نہ ہی (تمہاری حالت) بدلنے کا۔''

آیت ۵۷ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ﴾ ''وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قرب کے متلاشی ہیں کہ ان میں سے کون (اُس کے) زیادہ قریب ہے''

لفظ ''وسیلہ'' بمعنی قرب اس سے پہلے ہم سورۃ المائدۃ (آیت ۳۵) میں پڑھ چکے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں اللہ کے بندے اللہ کے ہاں اپنے درجات بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اسی طرح عالَمِ غیب یا عالَمِ امر میں بھی تقرب الی اللہ کی یہ درجہ بندی موجود ہے۔ جیسے فرشتوں میں طبقۂ اسفل کے فرشتے' پھر درجہ اعلیٰ کے فرشتے اور پھر ملائکہ مقربین ہیں۔

اللہ ربّ العالمین کی شریک ٹھہرائی جانے والی شخصیات میں سے کچھ تو ایسی ہیں جو بالکل خیالی ہیں اور حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ہر زمانے میں لوگ انبیاءؑ' اولیاء اللہ اور فرشتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک سمجھتے رہے ہیں۔ ایسی

۴۔ صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول اللہ تعالٰی وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ... وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب من فضائل موسٰی علیہ السلام۔

۵۔ صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول اللہ تعالٰی وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ... وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فی ذکر یونس علیہ السلام وقول النبی ﷺ لا ینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متّٰی۔

ہی شخصیات کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ چاہے انبیاء و رسل ہوں' یا اولیاء اللہ' یا فرشتے' وہ تو عالَم امر میں خود اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کوشاں اور اس کے قرب کے متلاشی ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں متعدد بار ذکر ہوا ہے کہ ایسی تمام شخصیات جنہیں دنیا میں مختلف انداز میں اللہ کے سوا پکارا جاتا تھا قیامت کے دن اپنے عقیدت مندوں کے مشرکانہ نظریات سے اظہارِ بیزاری کریں گی اور صاف کہہ دیں گی کہ اگر یہ لوگ ہمارے پیچھے ہمیں اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے تھے تو ہمیں اس بارے میں کچھ خبر نہیں۔

﴿وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷﴾ ''اور وہ امیدوار ہیں اُس کی رحمت کے اور ڈرتے رہتے ہیں اُس کے عذاب سے۔ واقعتاً آپؐ کے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے۔''

آیت ۵۸ ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی بستی مگر ہم اُسے ہلاک کر کے رہیں گے روزِ قیامت سے قبل یا ہم عذاب دیں گے اُسے بہت ہی شدید عذاب۔''

یہ اشارہ ہے اُس بہت بڑی تباہی کی طرف جو قیامت سے پہلے اس دنیا پر آنے والی ہے۔ سورۃ الکہف کی دوسری آیت میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾۔ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کا آپس میں چونکہ زوجیت کا تعلق ہے اس لیے یہ مضمون ان دونوں آیات کو ملا کر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔ احادیث میں المَلحَمَۃ العُظمٰی کے نام سے ایک بہت بڑی جنگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو قیامت سے پہلے دنیا میں برپا ہوگی۔ آیت زیر نظر میں اُسی تباہی کا ذکر ہے جس سے روئے زمین پر موجود کوئی بستی محفوظ نہیں رہے گی۔ سورۃ الکہف میں زیادہ صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ آئے گا۔

اِس وقت دنیا میں ایٹمی جنگ چھڑنے کا امکان ہر وقت موجود ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت ایسا سانحہ رونما ہو جاتا ہے تو ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے دنیا پر جو تباہی آئے گی اس کو تصور میں لانا بھی مشکل ہے۔ ان حالات میں المَلحَمَۃ العُظمٰی کے بارے میں پیشین گوئیاں آج مجسم صورت میں سامنے کھڑی نظر آتی ہیں۔

﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۵۸﴾ ''یہ (اللہ کی) کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

یعنی یہ طے شدہ امور میں سے ہے۔ ایک وقتِ معین پر یہ سب کچھ ہو کر رہنا ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ﴾ ''اور ہمیں نہیں روکا (کسی اور بات نے) کہ ہم نشانیاں بھیجیں' سوائے اس کے کہ ان کو جھٹلا دیا تھا پہلے لوگوں نے۔''

اللہ تعالیٰ نے حسّی معجزات دکھانے صرف اس لیے بند کر دیے ہیں کہ سابقہ قوموں کے لوگ ایسے معجزات کو دیکھ کر بھی کفر پر ڈٹے رہے اور ایمان نہ لائے۔ یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ الانعام اور اس کے بعد نازل ہونے والی مکی سورتوں میں تسلسل سے دہرایا جا رہا ہے۔

﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ﴾ ''اور ہم نے قومِ ثمود کو اونٹنی دی آنکھیں کھول دینے والی نشانی (کے طور پر) تو انہوں نے اس کے ساتھ بھی ظلم کیا۔''

قومِ ثمود کو ان کے مطالبے پر اونٹنی کا بصیرت افروز معجزہ دکھایا گیا مگر انہوں نے اس واضح معجزے کو دیکھ لینے کے بعد بھی حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مٹی سے زندہ پرندے بنانے اور ''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ'' کہہ کر مُردوں کو زندہ کرنے تک کے معجزات دیے گئے' مگر کیا انہیں دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے آئے؟

﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝۵۹﴾ ''اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں مگر صرف ڈرانے کے لیے۔''

نشانیاں یا معجزے بھیجنے کا مقصد تو لوگوں کو خبردار کرنا ہوتا ہے' سو یہ مقصد قرآن کی آیات بخوبی پورا کر رہی ہیں۔ اس کے بعد اب اور کون سی نشانیوں کی ضرورت باقی ہے؟ اگلی آیت میں یہی بات تین مثالوں سے مزید واضح کی گئی ہے کہ یہ لوگ کس طرح قرآن کی آیات کے ساتھ بحث برائے بحث اور انکار کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں اور یہ کہ اللہ نے حسی معجزات دکھانا کیوں بند کر دیے ہیں۔

آیت ۶۰ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ﴾ ''اور جب ہم آپؐ سے کہتے ہیں کہ آپؐ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔''

قرآن حکیم کی بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے' مثلاً: ﴿وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۝۲۰﴾ (البروج) ''اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے''۔ یہ لوگ جب ایسی آیات سنتے ہیں تو ڈرنے کی بجائے فضول بحث پر اتر آتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کہاں ہے اللہ؟ ہمارا احاطہ کیوں کر ہوا ہے؟

اگر فلسفیانہ پہلو سے دیکھا جائے تو اس آیت میں ''حقیقت و ماہیتِ وجود'' کے موضوع سے متعلق اشارہ پایا جاتا ہے جو فلسفے کا مشکل ترین مسئلہ ہے اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں ہے' یعنی ایک وجود خالق کا ہے' وہ ہر جگہ' ہر آن موجود ہے' اور ایک وجود مخلوق یعنی اس کائنات کا ہے۔ اب خالق و مخلوق کے مابین ربط کیا ہے؟ اس سلسلے میں کچھ لوگ ''ہمہ اوست'' (Pantheism) کے قائل ہو گئے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ کائنات ہی خدا ہے' خدا نے ہی کائنات کا روپ دھار لیا ہے' جیسے خدا خود ہی انسانوں کا روپ دھار کر ''اوتار'' کی صورت میں زمین پر آ جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا کفر اور شرک ہے۔ دوسری طرف اگر یہ سمجھیں کہ اللہ کا وجود اس کائنات میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس کا وجود کہیں الگ ہے اور وہ نعوذ باللہ کہیں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمیں بس اس قدر سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کا وجود مطلق (Absolute) ہے۔ وہ حدود و قیود' زمان و مکان' کسی سمت یا جہت کے تصور سے ماوراء' وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ ''اور نہیں بنایا ہم نے اس مشاہدے کو جو ہم نے آپؐ کو دکھایا تھا مگر ایک فتنہ لوگوں کے لیے''

یہاں پر لفظ ''رؤیا'' خواب کے معنی میں نہیں آیا بلکہ اس سے رُویتِ بصری مراد ہے۔ انسان اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے اس پر بھی ''رؤیا'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں حضور ﷺ کو جو مشاہدات کرائے تھے اور جو نشانیاں آپ ﷺ کو دکھائی تھیں اُن کی تفصیل جب کُفارِ مکّہ نے سنی تو یہ معاملہ ان کے لیے ایک فتنہ بن گیا۔ وہ نہ صرف خود اس کے منکر ہوئے' بلکہ اس کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو اُن کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر انہوں نے پوری شدّ و مد سے یہ پرچار شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) پر جنون کے اثرات ہو چکے ہیں (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ)۔ اُس زمانے میں جب مکّہ سے بیت المقدس پہنچنے میں پندرہ دن لگتے تھے' یہ دعویٰ انتہائی ناقابلِ یقین معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص راتوں رات نہ صرف بیت المقدس سے ہو آیا ہے بلکہ آسمانوں کی سیر بھی کر آیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت سمجھ کر اس موضوع کو خوب اچھالا اور مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر بحث مباحثے کیے۔ اس طرح نہ صرف یہ بات کُفّار کے لیے فتنہ بن گئی بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی ایک آزمائش قرار پائی۔

جب یہی نا قابلِ یقین بات ان لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی اور آپؓ سے تبصرہ چاہا تو آپؓ نے بلا توقف جواب دیا کہ اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا ہے' کیونکہ جب میں یہ مانتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمانوں سے ہر روز فرشتہ آتا ہے تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ تسلیم کرنے میں آخر کیونکر تامل ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات آسمانوں کی سیر کر آئے ہیں! اسی بلا تامل تصدیق کی بنا پر اُس دن سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب ''صِدِّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ'' قرار پایا۔

﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ﴾ ''اور اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت وارد ہوئی ہے۔''

اسی طرح جب قرآن میں زقوم کے درخت کا ذکر آیا اور اس کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اس درخت کی جڑیں جہنم کی تہہ میں ہوں گی (الصافات: ۶۴) اور وہاں سے یہ جہنم کی آگ میں پروان چڑھے گا تو یہ بات بھی اُن لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گئی۔ بجائے اس کے کہ وہ لوگ اسے اللہ کی قدرت سمجھ کر تسلیم کر لیتے' الٹے اس بات پر تمسخر اور استہزاء کرنے لگے کہ آگ کے اندر بھلا درخت کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ انہیں کیا معلوم کہ یہ اُس عالم کی بات ہے جس کے طبعی قوانین اس دنیا کے طبعی قوانین سے مختلف ہوں گے اور جہنم کی آگ کی نوعیت اور کیفیت بھی ہماری دنیا کی آگ سے مختلف ہوگی۔

﴿وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰﴾ ''اور (ان باتوں سے) ہم تو انہیں تنبیہ کرتے ہیں' مگر یہ تنبیہ ان کی سرکشی ہی میں اضافہ کیے جا رہی ہے۔''

قرآن میں یہ سب باتیں انہیں خبردار کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں' مگر یہ ان لوگوں کی بدبختی ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ڈرنے اور ایمان لانے کی بجائے وہ مزید سرکش ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی سرکشی میں روز بروز مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

آیات ۶۱ تا ۶۵

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝۶۱ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۲ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝۶۳ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۶۴ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝۶۵

آیت ۶۱ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدمؑ کو تو اُن سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہیں کیا)۔''

﴿قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝۶۱﴾ ''اُس نے کہا کہ کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تُو نے پیدا کیا ہے مٹی سے؟''

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا یہ قصہ یہاں چوتھی مرتبہ بیان ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ رکوع ۴' سورۃ الاعراف رکوع ۲

اور سورۃ الحجر رکوع ۳ میں اس قصے کا ذکر ہو چکا ہے۔

آیت ۶۲ ﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۲﴾

''اُس نے (مزید) کہا کہ ذرا دیکھ تو اُس کو جس کو تُو نے مجھ پر فضیلت دی ہے' اگر تُو مجھے مہلت دے دے قیامت کے دن تک تو مَیں اس کی پوری نسل کو قابو میں کر کے چھوڑوں گا' سوائے بہت تھوڑے سے لوگوں کے۔''

آیت ۶۳ ﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝۶۳﴾ ''اللہ نے فرمایا: جاؤ (دفع ہو جاؤ!) ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں گے تو یقیناً تم سب کی سزا جہنّم ہوگی' وافر سزا۔''

آیت ۶۴ ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ ''اور تُو پھسلا لے جس پر تیرا بس چلتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے''

عربی میں بکری کے ایسے نوزائیدہ بچے کو فزّ کہتے ہیں جو ابھی ٹھیک سے چلنے کے قابل نہ ہو اور کھڑا ہونے کی کوشش میں اس کی ٹانگیں لڑکھڑاتی ہوں۔ اس مناسبت سے یہ لفظ محاورۃً اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی ٹانگیں کسی معاملے میں لڑکھڑا جائیں' قدم ڈگمگا جائیں اور ہمت جواب دے دے۔

﴿وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ﴾ ''اور چڑھا لا اُن پر اپنے سواروں اور پیادوں کو اور شریک بن جا اُن کا مالوں میں اور اولاد میں' اور ان سے (جو چاہے) وعدے کر!''

﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۶۴﴾ ''اور نہیں وعدہ کرتا اُن سے شیطان مگر دھوکے کا۔''

آیت ۶۵ ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ﴾ ''یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔''

تم انسانوں کو بہکانے اور پھسلانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو کر لو' ان کے دلوں میں وسوسے ڈالو' ان سے جھوٹے سچے وعدے کرو اور انہیں سبز باغ دکھاؤ۔ یہ تمام حربے تو تم استعمال کر سکتے ہو' لیکن تمہیں یہ اختیار ہرگز نہیں ہوگا کہ تم میرے کسی بندے کو اُس کی مرضی کے خلاف گمراہی کے راستے پر لے جاؤ۔

﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝۶۵﴾ ''اور کافی ہے تیرا رب بطور کارساز۔''

وہ بندے جو شیطان سے بچنا چاہیں گے اللہ اُن کی مدد کرے گا' اور جس کسی کا مددگار اور کارساز اللہ ہو اُسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی' وہی اُس کے لیے کافی ہوتا ہے۔

آیات ۶۶ تا ۷۲

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۶۶ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۶۷ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا

تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ
الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ
حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع
يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا
يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

آیت ۶۶ ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''تمہارا ربّ وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کر سکو۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾﴾ ''یقیناً وہ تم پر بہت ہی رحیم ہے۔''

آیت ۶۷ ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ﴾ ''اور جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے سمندر میں''

جب کشتی طوفان میں گھر جاتی ہے اور موت سامنے نظر آنے لگتی ہے تو:

﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ﴾ ''گم ہو جاتے ہیں وہ سب جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اُس (ایک اللہ) کے۔''

اُس وقت تمہیں اپنے ان معبودوں میں سے کوئی بھی یاد نہیں رہتا جنہیں تم عام حالات میں اپنا مددگار سمجھتے ہو۔ اس آڑے وقت میں تم صرف اللہ ہی کو مدد کے لیے پکارتے ہو۔ یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آ چکا ہے۔

﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾﴾ ''پھر جب وہ تمہیں بچا لاتا ہے خشکی کی طرف تو تم منہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

آیت ۶۸ ﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ ''تو کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ دھنسا دے تمہیں کہیں خشکی میں ہی؟''

جب تم جان بچا کر سمندر سے خشکی پر آتے ہو تو پھر اللہ کی ناشکری کرتے ہوئے اس سے منہ موڑ لیتے ہو۔ کیا تمہیں اس بات سے خوف نہیں آتا کہ اگر اللہ چاہے تو تمہیں خشک زمین ہی کے اندر دھنسا دے؟ کیا خشکی پر لوگوں کو موت نہیں آتی؟ ؎

آسودۂ ساحل تُو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں!

﴿اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾﴾ ''یا وہ تم پر بھیج دے کنکر برسانے والی تیز ہوا، پھر تم نہ پاؤ اپنے لیے کوئی بچانے والا!''

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ چاہے تو سنگریزوں والی خوفناک آندھی سے بھی تمہیں ہلاک کر سکتا ہے۔

آیت ۶۹ ﴿اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ﴾ ''یا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ وہ پھیر لے جائے تمہیں اسی (سمندر) میں دوسری مرتبہ پھر بھیج دے تم پر ہوا کا زوردار جھکڑ''

﴿فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴾ ''سو تمہیں غرق کر دے تمہارے کفر کی پاداش میں' پھر تم نہ پاؤ اپنے لیے ہمارے خلاف اس کی وجہ سے کوئی تعاقب کرنے والا!''

پھر ایسا نہیں کہ کوئی ہم سے باز پرس کر سکے کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کیا؟

آیت ۷۰ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ ''اور ہم نے بڑی عزت بخشی ہے اولادِ آدمؑ کو''

یہ آیت بہت واضح انداز میں اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی معراج (climax) انسان ہے۔ اس فلسفے کی وضاحت سورۃ النحل کی آیت ۴۰ کی تشریح کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ وہاں میں نے بہت تفصیل سے کائنات اور انسان کی تخلیق کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کا نقطۂ آغاز اللہ تعالیٰ کا امرِ کُن ہے۔ حرفِ کُن سے خُنک نُور کا ظہور ہوا' اس نور سے ملائکہ اور انسانی ارواح کی تخلیق ہوئی' پھر Big Bang کے نتیجے میں حرارت کا گولا وجود میں آیا' جس کے متحرک ذرّات سے کہکشائیں' ستارے اور سیارے بنے۔ اسی دور میں اس حرارت سے جِنّات کی تخلیق ہوئی۔ دوسرے بے شمار ستاروں اور سیاروں کی طرح ہماری زمین بھی ابتدا میں بہت گرم تھی۔ یہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔ پھر اس پر ہزاروں برس مسلسل بارش برستی رہی' جس سے زمین پر ہر طرف پانی پھیل گیا۔ اس کے بعد زمین پر نباتاتی اور حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد پھر تمام مخلوق کے بادشاہ ''انسان'' کی تخلیق عمل میں آئی۔ اس پورے فلسفے کو مرزا بیدل نے اپنے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے: ؎

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقشِ آدمی
اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!

اس خوبصورت شعر کا مفہوم و مطلب بھی سورۃ النحل کی مذکورہ آیت کی تشریح کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ ''اور ہم اٹھائے پھرتے ہیں انہیں خشکی اور سمندر میں''

یہاں ''ہم'' سے اللہ تعالیٰ کا نظامِ قدرت مراد ہے' جس کے تحت بحر و بر میں انسانوں کی مختلف نوعیت کی سرگرمیاں ممکن بنا دی گئیں ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے یہ معاون اور دوستانہ ماحول انسان کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہے۔

﴿وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ ''اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور انہیں فضیلت دی اپنی بہت سی مخلوق پر' بہت بڑی فضیلت۔''

آیت ۷۱ ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ ﴾ ''جس دن ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو اُن کے سرداروں کے ساتھ۔''

پھر ذرا اُس دن کا خیال کرو جس دن تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے لیے اس طرح بلایا جائے گا کہ ہر گروہ اپنے راہنما یا لیڈر کے ساتھ حاضر ہوگا۔ پچھلی آیات میں تمام مخلوق پر انسان کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب انسان کو اس کائنات میں اس قدر اعلیٰ مقام اور مرتبے سے نوازا گیا ہے تو پھر اس کا محاسبہ بھی ہونا چاہیے: ع ''جن کے رتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے!''

﴿فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴾ ''تو جس کو دیا جائے گا اُس کا اعمال نامہ اُس کے داہنے ہاتھ میں تو ایسے لوگ پڑھیں گے اپنے اعمال نامہ کو (خوشی کے ساتھ) اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا دھاگے کے برابر بھی۔''

آیت ۷۲ ﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۷۲﴾ ''اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا' اور راہ سے بہت دور بھٹکا ہوا۔''

جس شخص نے اس دنیا میں اپنی پوری زندگی حیوانوں کی طرح گزار دی' جس کا دیکھنا اور سننا حیوانوں کا سا دیکھنا اور سننا تھا' جس نے نہ تو انفس و آفاق میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نشانیوں کو چشمِ بصیرت سے دیکھا نہ ان کے ذریعے سے اپنے خالق و مالک کو پہچانا' اُس نے اپنی زندگی گویا اندھے پن میں گزار دی۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ وہ اندھا ہوگا۔ اسی اندھے پن سے بچنے کے لیے علامہ اقبال نے کیا خوب نصیحت کی ہے: ع ''دیدن دگر آموز' شنیدن دگر آموز!''

آیات ۷۳ تا ۸۴

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝۷۳ وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝۷۴ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝۷۵ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۷۶ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝۷۷ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۸۰ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝۸۲ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝۸۳ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝۸۴ ع ۸

آیت ۷۳ ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ تو اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر اُس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور چیز گھڑ کر ہم سے منسوب کر دیں''

یہ آیت اس بے پناہ دباؤ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کا سامنا رسول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے مکہ میں تھا۔ ایک طرف تو قریشِ مکہ آپ ﷺ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ آپ ﷺ قرآن کے غیر لچک دار احکام میں کچھ نرمی پیدا کریں' اس کلام میں کچھ ترمیم کر لیں' کچھ اپنی بات منوائیں اور کچھ ہماری مانیں۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ یونس (آیت ۱۵) میں بھی آ چکا ہے: ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ﴾ ''(اے محمد ﷺ) آپ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پیش کریں یا پھر اس میں کچھ

ردّوبدل کرلیں۔''

دوسری طرف وہ مسلسل یہ مطالبہ بھی کیے جاتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو نشانی کے طور پر ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں۔ ان کا یہ مطالبہ ان کے عوام تک میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے' مگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ انہیں کوئی حسّی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ اس سے پہلے سورۃ الانعام (آیت ۳۵) میں ہم اللہ تعالیٰ کا دوٹوک فیصلہ بایں الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ﴾ ''اور اگر آپ پر ان کی یہ بے اعتنائی گراں گزرتی ہے تو اگر آپ استطاعت رکھتے ہیں تو زمین میں کوئی سرنگ کھودیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگائیں اور لے آئیں ان کے لیے کوئی معجزہ!'' چنانچہ ان دونوں پہلوؤں سے حضور ﷺ کو شدید دباؤ کا سامنا تھا' اور اسی دباؤ کا اظہار اس آیت میں نظر آ رہا ہے۔

﴿وَاِذًا لَّا تَتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝۷۶﴾ ''اور اگر آپ ایسا کرتے تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔''

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اس نوعیت کی مداہنت (compromise) کے عوض وہ لوگ آپ کو اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے۔

آیت ۷۴ ﴿وَلَوْلَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝۷۴﴾ ''اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو عین ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔''

یہ بہت نازک اور اہم مضمون ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سورۂ یوسف' آیت ۲۴ میں اسی طرح فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ﴾ یعنی عزیزِ مصر کی بیوی نے تو قصد کر ہی لیا تھا' اور یوسفؑ بھی قصد کر لیتے اگر وہ اللہ کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ یعنی یہ امکان تھا کہ بربنائے طبع بشری وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے' مگر اللہ نے انہیں اس سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ حضور ﷺ کے لیے بھی یہاں اسی طرح فرمایا کہ اگر ہم نے آپ کے پاؤں جما کر آپ ﷺ کے دل کو اچھی طرح سے مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ آپ کسی نہ کسی حد تک ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ بہرحال ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اُس دَور میں قریشِ مکہ کی طرف سے کس قدر شدید دباؤ تھا۔

آیت ۷۵ ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ ''(اگر ایسا ہو جاتا) تب ہم آپ کو دُگنی سزا دیتے زندگی میں اور دُگنی سزا دیتے موت پر''

اَلرَّبُّ رَبٌّ وَ اِنْ تَنَزَّلَ وَ الْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی

''ربّ تو آخر ربّ ہے جتنا بھی تنزل فرمالے اور بندہ بہرحال بندہ ہی ہے جس قدر بھی ترقی پالے!''

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝۷۵﴾ ''پھر نہ پاتے آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔''

آیت کا مضمون بہت نازک ہے۔ بہرحال میں نے الفاظ کے مطابق ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن موقع محل اور سیاق و سباق کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اصل مفہوم کو دِقّتِ نظری سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے مگر سخن کا رخ اُن لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے آپ کے مقابلے میں ایسے حالات پیدا کر رکھے تھے۔ ان الفاظ

میں اُن لوگوں کو سنایا جا رہا ہے کہ بدبختو! تم جو چاہو کر لو‘ ہمارے نبی (ﷺ) تمہارے اس دباؤ میں آ کر تمہارے مطالبات ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۷۶ ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ ’’اور یہ تُلے ہوئے ہیں کہ آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں اس زمین سے‘ تاکہ آپؐ کو یہاں سے نکال باہر کریں‘ اور (اگر ایسا ہوا تو) تب وہ خود بھی نہیں ٹھہریں گے آپؐ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ۔‘‘

یہ مکّی دور کے آخری ایّام کے اُن حالات کی جھلک ہے جب اس کش مکش کی شدت انتہا کو پہنچ چکی تھی اور حالات بے حد نازک رخ اختیار کر چکے تھے۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ!) مکّہ سے نکالنے کے لیے قریش کی منصوبہ بندی کا صرف ذکر کیا گیا ہے‘ مگر اس کی نفی کرنے کے بجائے یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ اگر ایسا ہوا تو آپؐ کے بعد وہ خود بھی یہاں پر زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش کے اکثر سردار تو ہجرت کے دوسرے برس ہی جنگِ بدر میں قتل ہو گئے جبکہ صرف آٹھ سال بعد مکّہ شہر پر آپ ﷺ کا باقاعدہ تسلّط بھی قائم ہو گیا۔

آیت ۷۷ ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ ’’یہی (ہمارا) طریقہ رہا اُن کے باب میں جنہیں ہم نے آپؐ سے پہلے بھیجا اپنے رسولوں میں سے‘‘

یعنی آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسولؑ آئے اُن کے بارے میں ہمارا قاعدہ اور قانون یہی رہا ہے کہ رسولؑ کی ہجرت کے بعد متعلقہ قوم پر سے اللہ کی اَمان اٹھالی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ قوم بہت جلد عذاب کی گرفت میں آ جاتی ہے۔

﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝﴾ ’’اور آپؐ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔‘‘

آیت ۷۸ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ﴾ ’’نماز قائم رکھیے سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک‘ اور قرآن کا پڑھا جانا فجر کے وقت۔‘‘

یہ حکم پنج گانہ نماز کے نظام کے بارے میں ہے۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ ہی ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ پھر عصر‘ مغرب اور عشاء کی نمازوں کا ایک سلسلہ ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ پانچویں نماز یعنی فجر کو یہاں پر ’’قرآن الفجر‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے‘ کیونکہ اس میں طویل قراءت کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ نماز پنجگانہ کے اوقات کے بارے میں یہ حکم عمومی نوعیت کا ہے‘ جبکہ ہر نماز کے وقت کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی بعد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کی جس کی تفصیل کتبِ احادیث میں ملتی ہے۔

﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝﴾ ’’یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھا جانا مشہود ہے۔‘‘

گویا فجر کا وقت نماز اور قراءت کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رات بھر جسمانی اور ذہنی آرام کے بعد فجر کے وقت انسان تازہ دم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نماز میں اس کی حضوریٔ قلب کی کیفیت بھی بہتر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فجر کا وقت فرشتوں کی حاضری کے اعتبار سے بھی اہم ہے۔ دنیا کے معاملات کی نگرانی کرنے والے فرشتوں کی ڈیوٹیاں صبح اور عصر کے اوقات میں تبدیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان دونوں نمازوں میں دونوں جماعتوں کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر جانے والے فرشتے بھی اور آئندہ ڈیوٹی کا چارج لینے والے بھی۔ لہٰذا فرشتوں کی اس حاضری کی وجہ سے بھی نمازِ فجر خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

آیت ۷۹ ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ ''اور رات کے ایک حصے میں آپؐ جاگیے اس (قرآن) کے ساتھ''

یہاں لفظ ''بِہٖ'' میں وہی انداز ہے جس کی تکرار اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام میں دیکھ چکے ہیں۔ (اَنْذِرْ بِہٖ ' ذَکِّرْ بِہٖ) یعنی انذار' تذکیر' تبشیر' تبلیغ سب قرآن کے ذریعے سے ہو۔ چنانچہ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دیا گیا تو فرمایا گیا کہ رات کا ایک حصہ آپؐ قرآن کے ساتھ جاگیے۔ تہجد کی نماز آپؐ قرآن کے ساتھ پڑھیں۔ گویا تہجد کا مقصد اور اس کی اصل روح یہی ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھا جائے۔ چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ رکعتوں کی مخصوص تعداد پوری کر لینے سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔

﴿نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ ''یہ اضافی چیز ہے آپؐ کے لیے' امید ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

''مقامِ محمود'' بہت ہی اعلیٰ اور ارفع مقام ہے جس پر آنحضور ﷺ کو میدانِ حشر میں اور جنت میں فائز کیا جائے گا۔ ہم اس مقام کی عظمت اور کیفیت کا اندازہ اپنے تصور سے نہیں کر سکتے۔

آیت ۸۰ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ ''اور دعا کیجیے کہ اے میرے رب مجھے داخل کر عزت کا داخل کرنا اور مجھے نکال عزت کا نکالنا''

یہ ہجرت کی دعا ہے۔ جب ہجرت کا اذن آیا تو ساتھ ہی یہ دعا بھی تعلیم فرما دی گئی کہ اے اللہ! تو مجھے جہاں بھی داخل فرمائے یعنی یثرب (مدینہ) میں' عزت و تکریم کے ساتھ داخل فرما' وہاں پر میرا داخلہ سچا داخلہ ہو' اور یہاں مکہ سے مجھے نکالنا ہے تو باعزت طریقے سے نکال۔ یاد کیجیے کہ سورۂ یونس کی آیت ۹۳ میں بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ عطا کیے جانے کا ذکر بھی ''مُبَوَّاَ صِدْقٍ'' کے الفاظ سے ہوا ہے۔

﴿وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۸۰﴾ ''اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت عطا فرما۔''

یعنی مدینہ میں جس نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اس میں اپنے دین کے غلبے کے اسباب پیدا فرما' اور مجھے وہ طاقت' قوت اور اقتدار عطا فرما جس سے دین کی عملی تنفیذ کا کام آسان ہو جائے۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ کو بالکل وہی کچھ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے جو عنقریب آپؐ کو ملنے والا تھا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ میں آپؐ کا استقبال ایک بادشاہ کی طرح ہوا۔ اوس اور خزرج کے قبائل نے آپؐ کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ یہودیوں کے تینوں قبائل ایک معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ کی مرضی کے تابع ہو گئے اور یوں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوتے ہی وہاں کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔

آیت ۸۱ ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ﴾ ''اور آپؐ کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔''

بظاہر تو ابھی اس انقلاب کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے' ابھی آٹھ سال بعد جا کر کہیں مکہ فتح ہونے والا تھا' لیکن عالمِ امر میں چونکہ اس کا فیصلہ ہو چکا تھا لہٰذا ابھی سے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے حق کی آمد اور باطل کے فرار کا اعلان کرایا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ ''یقیناً باطل ہے ہی بھاگ جانے والا۔''

باطل کو ثبات نہیں۔ جب بھی اس کا حق کے ساتھ معرکہ ہو گا تو حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

آیت ۸۲ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴾ ''اور ہم قرآن سے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو شفا

اور رحمت ہے اہلِ ایمان کے حق میں۔''

یہاں پر پھر قرآن کا لفظ ملاحظہ ہو۔ نوٹ کیجیے کہ خود قرآن کا ذکر اس سورت میں جتنی مرتبہ آیا ہے کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس آیت میں قرآن کے احکام کو اہلِ ایمان کے لیے شفا اور رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے قبل یہی مضمون سورۂ یونس میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت''۔ یعنی قرآن ایک مؤمن کے سینے کو تمام آلائشوں اور بیماریوں (مثلاً کفر، شرک، تکبر، حسد، حُبِ مال، حُبِ جاہ، حُبِ اولاد وغیرہ) سے صاف اور پاک کر دیتا ہے۔

﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾﴾ ''لیکن یہ ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر خسارے ہی میں۔''

جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾﴾

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَي الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ﴾ ''اور جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور (ہم سے) کنی کترانے لگتا ہے۔''

﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾﴾ ''اور جب اس پر کوئی تکلیف آ پڑتی ہے تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔''

آیت ۸۴ ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ ہر شخص کام کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق۔''

''شاکلہ'' سے مراد ہر انسان کی شخصیت کا مخصوص سانچہ ہے، جیسے آپ کو کسی دھات سے کوئی شے بنانی ہے تو پہلے اس کا ایک سانچہ (pattern) بناتے ہیں اور اس دھات کو پگھلا کر اس میں ڈال دیتے ہیں تو وہ دھات وہی مخصوص شکل اختیار کر لیتی ہے۔ انسانی شخصیت کے مخصوص سانچے کی تشکیل میں انسان کے موروثی genes اور اس کا خارجی ماحول بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا موروثی عوامل اور ماحولیاتی عوامل کے حاصل ضرب سے انسان کی شخصیت کا جو ہیولیٰ بنتا ہے وہی اس کا شاکلہ ہے۔ کسی شخص نے نیکی اور بُرائی کے لیے جو بھی محنت اور کوشش کرنی ہے وہ اپنے اس شاکلہ کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ گویا کسی انسان کا شاکلہ اُس کے دائرۂ عمل کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ وہ نہ تو ان حدود سے تجاوز کر سکتا ہے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر عمل کرنے کا وہ مکلّف ہے۔ جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے: One cannot grow out of his skin یعنی کسی نے موٹا ہونے کی جتنی بھی کوشش کرنی ہے اپنی کھال کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ وہ اپنی کھال سے باہر بہر حال نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ ہر شخص اپنے شاکلہ کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ کو خوب علم ہے کہ اس نے کس کو کس طرح کا شاکلہ دے رکھا ہے۔ اور وہ ہر شخص سے اس کے شاکلہ کی مناسبت سے ہی حساب لے گا۔ (اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۶ کی تشریح۔)

﴿فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾﴾ ''پس آپ کا رب خوب جانتا ہے اُسے جو زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔''

اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ)) [۶] کہ انسان معدنیات کی طرح

۶۔ صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء و کتاب المناقب۔ و صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ و الآداب۔

ہیں۔معدنیات میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیات (properties) ہوتی ہیں۔سونے کی ore چاندی کی ore سے بالکل مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔اسی طرح ہر انسان کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی خصوصیات سے خوب واقف ہے۔

آیات ۸۵ تا ۹۳

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝۸۶ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝۸۷ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝۸۸ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۸۹ وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝۹۰ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝۹۱ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝۹۲ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۳

آیت ۸۵ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں۔'' ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵﴾ ''آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا علم مگر تھوڑا سا۔''

روح کے بارے میں یہ سوال ان تین سوالات میں سے تھا جو ایک مرتبہ مدینہ کے یہودیوں نے قریشِ مکہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ بھیجے تھے۔ان میں سے ایک سوال اصحابِ کہف کے بارے میں تھا اور دوسرا ذوالقرنین کے بارے میں۔ ان دونوں سوالات کے تفصیلی جوابات سورۃ الکہف میں دیے گئے ہیں' مگر روح کے متعلق سوال کا انتہائی مختصر جواب اس سورت میں دیا گیا ہے۔

اس بارے میں یہاں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے اور عالمِ امر چونکہ عالمِ غیب ہے اس لیے اس کے بارے میں تم لوگ کچھ نہیں جان سکتے۔انسان کے علم کا ذریعہ اُس کے حواس ہیں اور اپنے ان حواس کے ذریعے وہ صرف عالمِ خلق کی چیزوں کے بارے میں جان سکتا ہے' عالمِ غیب (عالمِ امر) تک اُس کا علم رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔چنانچہ عالمِ غیب کی باتوں کو اُسے ویسے ہی ماننا ہوگا جیسے قرآن اور رسولؐ کے ذریعے سے بتائی گئی ہوں۔اسی کا نام ایمان بالغیب ہے' جس کا ذکر قرآن مجید کے آغاز میں ہی کر دیا گیا ہے: ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳﴾ (البقرۃ)۔قبل ازیں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۴ اور سورۃ النحل کی آیت ۴۰ کی تشریح کے ضمن میں عالمِ خلق اور عالمِ امر کے بارے میں تفصیلی بحث کی جا چکی

ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ فرشتوں' انسانی ارواح اور وحی کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔

آیت ۸۶ ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝۸۶﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس (قرآن) کو جو ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف' پھر آپ نہ پائیں گے اپنے لیے اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔''

آیت ۸۷ ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝۸۷﴾ ''مگر یہ تو رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔''

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے جس کے مطابق بظاہر خطاب تو حضور ﷺ سے ہے مگر اصل میں لوگوں کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ آپ کا اصل مقام و مرتبہ کیا ہے۔ اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ سے بار بار اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا اعلان کرایا گیا کہ اے لوگو! میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں' مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ یہاں اسی بات کی تاکید کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ یہ ہماری عطا اور مہربانی ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی آپ پر یہ عظیم الشان کلام نازل کیا ہے۔ اگرچہ اس کا ہرگز ہرگز کوئی امکان نہیں تھا' مگر محض ایک اصولی بات سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ جس طرح ہم نے یہ کلام نازل کیا ہے اسی طرح ہم اسے واپس بھی لے سکتے ہیں' اسے سلب بھی کر سکتے ہیں۔ یہ کلام نہ تو آپ ﷺ کا خود ساختہ ہے اور نہ ہی آپ ﷺ اسے اپنے پاس رکھنے پر قادر ہیں۔ یہ تو سراسر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مہربانی اور اُس کی رحمت کا مظہر ہے اور وہی اسے آپ ﷺ کے سینے میں جمع کر کے محفوظ فرما رہا ہے۔

آیت ۸۸ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝۸۸﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جن اس بات پر کہ وہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو وہ نہیں لا سکیں گے اس کی مانند' اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''

اس موضوع پر قرآن کا اپنے مخاطبین سے یہ سب سے پہلا مطالبہ ہے جس میں ان سے پورے قرآن کا جواب دینے کو کہا گیا ہے۔

آیت ۸۹ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں''

﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۸۹﴾ ''لیکن اکثر لوگ انکار (اور کفرانِ نعمت) ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔''

آیت ۹۰ ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے''

﴿حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝۹۰﴾ ''یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔''

مشرکینِ مکہ کی طرف سے اس طرح کے مطالبات بار بار کیے جاتے تھے کہ جب تک آپ ﷺ ہمیں کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے ہم آپ کو رسول نہیں مانیں گے۔

آیت ۹۱ ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝۹۱﴾ ''یا آپ کے لیے بن جائے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ' پھر آپ جاری کر دیں اس کے اندر نہریں۔''

آیت ﴿ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا ﴾ ''یا آپ گرا دیں آسمان ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں''

یعنی آپ ﷺ ہمیں قیامت کے حوالے سے خبریں سنا سنا کر جو ڈراتے رہتے ہیں کہ اُس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' تو آپ ﷺ آسمان کا کوئی ٹکڑا ابھی ہم پر گرا کر دکھا دیں۔

﴿ اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴾ ''یا آپ لے آئیں اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے۔''

آیت ﴿ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ﴾ ''یا آپ کے لیے سونے کا ایک محل (تعمیر) ہو جائے' یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں''

﴿ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ﴾ ''اور ہم آپ کے (آسمان میں) چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ایک کتاب جسے ہم خود پڑھیں۔''

ان لوگوں کے ان تمام مطالبات کے جواب میں صرف ایک بات فرمائی گئی:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے' میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول۔''

یعنی مَیں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ میں بھی اسی طرح پیدا ہوا ہوں جس طرح تم سب لوگ پیدا ہوئے ہو۔ میں تمہاری ہی طرح کھاتا پیتا ہوں' دنیا کے کام کاج کرتا ہوں' بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں اور میں نے ہر سطح پر کاروبار بھی کیا ہے۔ میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اور میری سیرت اور اخلاق و کردار روزِ روشن کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ مجھ میں اور تم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے' اور اللہ کا وہ پیغام جو بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتا ہے وہ میں تم لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہوں۔

اگرچہ سیرت و کردار اور مرتبہ رسالت و نبوت کے اعتبار سے عام انسانوں سے نبی اکرم ﷺ کی کوئی مناسبت نہیں' مگر عام بشری تقاضوں کے حوالے سے انہیں یہ جواب دیا گیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۰

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

آیت ۹۴ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾﴾ ''اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی' مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے بھیجا ہے ایک بشر کو رسول بنا کر!''

اُن کا کہنا تھا کہ اس کام کے لیے ان کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا جاتا تو بھی کوئی بات تھی۔ اب وہ اپنی ہی طرح کے ایک انسان کو آخر کیونکر اللہ کا رسول مان لیں؟ ان کے اس اعتراض کے جواب میں جو دلیل دی جا رہی ہے وہ بہت اہم ہے:

آیت ۹۵ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾﴾ ''آپؐ فرمائیں کہ اگر زمین میں فرشتے (آباد ہوتے اور وہ) اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور اُن پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔''

رسول کا کام ہے اللہ کے پیغام کو انسانوں تک پہنچانا' اُس کی ایک ایک بات کو سمجھانا اور پھر اللہ کے احکام کے مطابق عمل کر کے اپنی زندگی کو ان کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنا۔ اب ظاہر ہے انسانوں کے لیے نمونہ تو ایک انسان ہی ہو سکتا ہے' فرشتہ تو ان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اگر ان کے پاس ایک فرشتہ رسول بن کر آ جاتا تو یہی لوگ کہتے کہ یہ تو فرشتہ ہے' اس کی کوئی خواہش ہے نہ ضرورت' نہ رشتہ ہے نہ ناتا' نہ جذبات ہیں نہ احساسات' ہماری اس سے کیا نسبت؟ ہماری تو گھر گرہستی ہے' اہل و عیال ہیں' مجبوریاں ہیں' ضرورتیں ہیں' طرح طرح کے جنجال ہیں' ہم اس کی سیرت اور اس کے کردار کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ البتہ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنا ہوتا تو ضرور کسی فرشتے ہی کو اس کام پر مامور کیا جاتا' مگر اب معاملہ چونکہ انسانوں کا ہے لہٰذا ان پر حجت قائم کرنے کے لیے لازماً کسی انسان ہی کو بطور رسول بھیجا جانا چاہیے تھا' سو ایسا ہی ہوا۔

آیت ۹۶ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔''

ردّوقدح بہت ہو چکی۔ اب میں یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں' جو میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اب وہی فیصلہ کرے گا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾﴾ ''یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور اُن پر نظر رکھنے والا ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ﴾ ''اور جسے اللہ ہدایت دیتا ہے بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے''

﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ ''اور جسے وہ گمراہ کر دے تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار اُس کے سوا۔''

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّصُمًّا ؕ﴾ ''اور ہم انہیں جمع کریں گے قیامت کے دن ان کے مونہوں کے بل (چلاتے ہوئے) اندھے' گونگے اور بہرے۔''

﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝۹۷﴾ ''ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے ان کے لیے مزید بھڑکا دیا کریں گے۔''

آیت ۹۸ ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''یہ سزا ہے اُن کی اس بنا پر کہ انہوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا''

﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝۹۸﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا چورا' تو کیا ہم دوبارہ اٹھا لیے جائیں گے ایک نئی مخلوق کی صورت میں؟''

آیت ۹۹ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کر دے''

جب تمہیں اُس نے ایک دفعہ پیدا کیا ہے تو اب تمہاری طرح کے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہوگا؟

﴿وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۹۹﴾ ''اور اُس نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایک وقت معین جس میں کوئی شک نہیں' مگر ان ظالموں نے انکار ہی کیا سوائے کفر (اور کفرانِ نعمت) کے۔''

انہوں نے اللہ کے ہر حکم اور اُس کی ہر آیت سے کفر اور انکار کی روش اپنائے رکھی۔

آیت ۱۰۰ ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اگر تمہیں اختیار ہوتا میرے رب کی رحمت کے خزانوں پر''

﴿اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ﴾ ''تب بھی تم ضرور روک رکھتے (انہیں) خرچ ہو جانے کے ڈر سے۔''

اگر اللہ کی رحمت کے بے حساب خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم لوگ اپنے فطری بخل کے سبب اُن کے دروازے بھی بند کر دیتے کہ کہیں خرچ ہو کر ختم نہ ہو جائیں۔

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝۱۰۰﴾ ''اور انسان بہت ہی تنگ دل ہے۔''

آیات ۱۰۱ تا ۱۱۱

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝۱۰۱ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝۱۰۲ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝۱۰۳ وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا

جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ
اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ
لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ يَخِرُّوْنَ
لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا السجدة
فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ
قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ
وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

آیت ۱۰۱ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو نو واضح نشانیاں عطا کی تھیں''

ان میں سے دو نشانیاں تو وہ تھیں جو آپؑ کو ابتدا میں عطا ہوئی تھیں' یعنی عصا کا اژدھا بن جانا اور ید بیضا۔ ان کے علاوہ سات نشانیاں وہ تھیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیات ۱۳۰ اور ۱۳۳ میں ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے عذاب تھے (قحط سالی' پھلوں اور فصلوں کا نقصان' طوفان' ٹڈی دل' چمڑیاں' مینڈک اور خون) جو مصر میں قومِ فرعون پر مختلف اوقات میں آتے رہے۔ جب وہ لوگ عذاب کی تکالیف سے تنگ آتے تو اسے ٹالنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ عذاب ٹل جاتا۔

یہاں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ سورت کے آغاز میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اور اب آخر میں بھی آپؑ کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ یہ اسلوب ہمیں قرآن حکیم کی ان سورتوں میں ملتا ہے جو ایک خطبے کے طور پر ایک ہی تنزیل میں نازل ہوئی ہیں۔ ایسی سورتوں کی ابتدائی اور آخری آیات خصوصی اہمیت اور فضیلت کی حامل ہوتی ہیں اور ان کے مضامین میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے۔ سورت کے آغاز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے اُس دور کا ذکر کیا گیا ہے جب آپؑ مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں آ چکے تھے اور وہاں سے آپؑ کو کوہِ طور پر بلا کر تورات عطا کی گئی تھی: ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴿۲﴾﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اُسے بنایا ہدایت بنی اسرائیل کے لیے' کہ تم مت بناؤ میرے سوا کسی کو کارساز''۔ اب آخر میں بنی اسرائیل کے زمانۂ مصر کے حالات کے حوالے سے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے:

﴿فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾﴾ ''تو ذرا پوچھیں بنی اسرائیل سے (اُس زمانے کا حال) جب کہ موسیٰؑ ان کے پاس آئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ اے موسیٰؑ میں تو تمہیں ایک سحر زدہ آدمی سمجھتا ہوں۔''

دیکھئے جو الفاظ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے عین وہی الفاظ حضور ﷺ کے لیے آپؐ کے مخالفین کی طرف سے استعمال کیے گئے ہیں۔ اسی سورت میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ قریشِ مکہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے تھے: ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا

رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ ''تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔''

آیت ﴿۱۰۲﴾ ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: تجھے خوب معلوم ہے کہ نہیں نازل کیا ان (نشانیوں) کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے آنکھیں کھول دینے کے لیے۔''

﴿وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اور اے فرعون! میں تو تمہیں ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں۔''

ایک تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج جلالی تھا' دوسرے آپؑ بچپن سے اس فرعون کے ساتھ پلے بڑھے تھے' اس طرح اس کی حیثیت آپؑ کے چھوٹے بھائی کی سی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے بڑے بارعب انداز میں بلا جھجک جواب دیا کہ تمہیں تو مجھ پر جادو کے اثر کا گمان ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تُو ربِ کائنات کی بصیرت افروز واضح نشانیوں کو جھٹلا کر اپنی ہلاکت اور بربادی کو یقینی بنا چکا ہے۔

آیت ﴿۱۰۳﴾ ﴿فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ''تو اُس نے ارادہ کیا کہ انہیں اکھاڑ پھینکے زمین سے''

فرعون باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بنی اسرائیل کی نسل کشی کر رہا تھا۔ وہ ان کے لڑکوں کو قتل کروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اور کسی بھی قوم کے مکمل استیصال کا اس سے زیادہ مؤثر طریقہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے!

﴿فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾﴾ ''لیکن ہم نے غرق کر دیا اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے سب کو۔''

آیت ﴿۱۰۴﴾ ﴿وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم لوگ زمین میں آباد ہو جاؤ''

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾﴾ ''پھر جب آئے گا پچھلے وعدے کا وقت تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر۔''

اکثر و بیشتر مفسرین نے وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے آخرت یعنی قیامت مراد لی ہے۔ یعنی جب قیامت آئے گی تو تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو گے سب کو اکٹھا کر کے ہم میدانِ حشر میں لے آئیں گے۔ لیکن میرے خیال میں ان الفاظ میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جب آخرت کا وقت قریب آئے گا تو بنی اسرائیل کو ہر کہیں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جھٹلا کر انہوں نے اپنے اس جرم کی مزید توثیق بھی کر دی۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قوم کی حیثیت اس قیدی کی سی ہے جس کو اس کے جرم کی سزا سنائی جا چکی ہو' مگر اس سزا کی تعمیل (execution) ابھی باقی ہو۔

اس سورت کے نزول کے وقت بنی اسرائیل کے دورِ انتشار (Diaspora) یعنی فلسطین سے بے دخل ہوئے ساڑھے پانچ سو سال ہو چکے تھے۔ پچھلی صدی تک بھی ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے۔ چونکہ کسی اجتماعی سزا یا عذاب کے لیے ان کا ایک جگہ اکٹھے ہونا ضروری تھا اس لیے قدرت کی طرف سے اسرائیل کی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا اور آیت زیر نظر کے الفاظ کے عین مطابق دنیا کے کونے کونے سے تمام یہودیوں کو اکٹھا کر کے یہاں آباد کیا گیا۔ اب اپنے زعم میں تو ان لوگوں نے عظیم تر اسرائیل (Greater Israel) کا منصوبہ اور نقشہ تیار کر رکھا ہے اور عین ممکن ہے ان کا یہ منصوبہ پورا بھی ہو جائے' مگر بالآخر یہ عظیم تر اسرائیل ان کے لیے عظیم تر قبرستان ثابت ہو گا (واللہ اعلم!)۔ آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف

لائیں گے اور آپؐ ہی کے ہاتھوں اس قوم کی ہلاکت ہوگی۔

اب آخری آیات میں پھر سے قرآن مجید کا ذکر بڑے عظیم الشان انداز میں آ رہا ہے:

آیت ۱۰۵ ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ ''اور اِس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔''

یہاں ''حق'' کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور اس لفظ کی معنوی تاثیر کو واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے دونوں دفعہ خاص طور پر زور دے کر اور واضح کر کے پڑھا جائے۔ اس آیت کا انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ الطارق کی ان آیات میں پایا جاتا ہے: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾﴾ ''یقیناً یہ (قرآن) قولِ فیصل ہے اور یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے''۔ اس مفہوم کی وضاحت ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث نبویؐ میں ملتی ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) (۷) ''یقیناً اللہ اِس کتاب کی بدولت کئی قوموں کو اٹھائے گا اور کئی دوسری قوموں کو گرائے گا''۔ چنانچہ قرآن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عروج بخشا اور جب ہم اس کے تارک ہوئے تو اسی جرم کی پاداش میں ہمیں زمین پر پٹخ دیا گیا:

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ در بغل داری کتابِ زندۂ (اقبال)

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔''

آیت ۱۰۶ ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ ''اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے (کر کے نازل) کیا ہے' تاکہ آپؐ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں۔''

﴿وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾﴾ ''اور ہم نے اس کو اُتارا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے!''

قرآن کے مختلف احکام حالات کے عین مطابق مختلف مواقع پر نازل کیے جاتے رہے تاکہ جن آیات یا احکام کی جس وقت ضرورت ہو وہی لوگوں کو پڑھ کر سنائے جائیں۔ جیسے جیسے رسول اللہ ﷺ کی تحریک اور دعوت آگے بڑھتی گئی ویسے ویسے قرآن کے احکام کے ذریعے اس کے لیے فکری رہنمائی مہیا کی جاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پورا قرآن یکبارگی نازل نہیں کیا گیا۔

آیت ۱۰۷ ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ!''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب یہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔''

اس آیت میں یہود کے بعض علماء کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ ... وسنن ابن ماجہ' المقدمۃ' باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ۔ وسنن الدارمی' کتاب فضائل القرآن' باب ان اللہ یرفع بھذا القرآن اقواما ویضع آخرین۔

آیت ﴿وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب' یقیناً ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔''

جب قرآن کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ علمائے یہود میں لازماً کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس طرح کے خیالات کے حامل ہوں گے۔ ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں اطلاعات تو یہود مدینہ کو ملتی رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کی کچھ آیات بھی ان تک ضرور پہنچ چکی ہوں گی۔ اس پس منظر میں ہوسکتا ہے کہ ان کے بعض اہلِ علم نہ صرف قرآن کو پہچان کر اللہ کے حضور سجدوں میں گرے ہوں بلکہ اُن کی زبانوں پر بے اختیار یہ الفاظ بھی آ گئے ہوں کہ اللہ نے جو آخری نبی بھیجنے کا وعدہ کر رکھا تھا وہ تو آخر پورا ہونا ہی تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی طرف اشارہ ہے جو بائبل کی کتاب استثناء کے اٹھارہویں باب کی آیت ۱۸ اور ۱۹ میں ان الفاظ میں آج بھی موجود ہے کہ اے موسیٰؑ میں ان کے بھائیوں (بنی اسرائیل کے بھائی یعنی بنو اسماعیل) میں تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا اور اس کے مُنہ میں اپنا کلام ڈالوں گا اور وہ لوگوں سے وہی کچھ کہے گا جو میں اسے بتاؤں گا۔

آیت ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴾ ''اور وہ گر پڑتے ہیں اپنی ٹھوڑیوں کے بَل روتے ہوئے اور یہ (قرآن) اضافہ کرتا ہے ان کے خشوع میں۔''

اب وہ دو آخری آیات آ رہی ہیں جن کے متعلق آغاز میں بتایا گیا تھا کہ وہ معرفتِ خداوندی اور توحیدِ ربانی کے عظیم خزانے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ الکہف کے آخر میں بھی دو آیات آئیں گی جو ان آیات کی طرح بہت عظیم ہیں۔

آیت ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔''

﴿اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ ''جس نام سے بھی تم پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہیں۔''

ہر خیر' ہر خوبی' ہر بھلائی' ہر حسن' ہر کمال' ہر جمال جس کا تم تصور کر سکتے ہو' وہ بہ تمام و کمال اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے۔

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴾ ''اور مت بلند کرو آواز اپنی نماز میں اور نہ ہی بہت پست رکھو اس میں' بلکہ اس کے بین بین روش اختیار کرو۔''

تمہاری نمازیں اور دعائیں نہ تو بہت زیادہ جہری ہوں نہ بالکل ہی سِرّی بلکہ ان کے بین بین کی راہ اختیار کرو۔

آیت ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ کُل حمد اور کُل شکر اللہ ہی کے لیے ہے''

یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ الاخلاص کی ہم وزن ہے۔ اس میں پانچ مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا بیان ہے۔ اس ضمن میں یہ پہلی بات ہے' یعنی حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کہ تمام تعریفیں اور ہر قسم کا شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔

﴿الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ﴾ ''جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد''

یہ دوسری بات ہے' جسے سورۃ الاخلاص میں ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴾ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ﴾ ''اور نہیں ہے اُس کا کوئی شریک بادشاہی میں''

تیسری بات اقتدار و اختیار سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ تنہا ہر چیز کا مالک و مختار اور مالک الملک ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس

کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ ''اور نہ ہی اُس کا کوئی دوست ہے کمزوری کی وجہ سے''

یہ چوتھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کو اپنی دوستیوں پر قیاس مت کرو۔ تم تو دوستیاں اس لیے پالتے ہو کہ تم اپنے دوستوں کے محتاج ہوتے ہو۔ انسان دوست اس لیے بناتا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت کام آئے گا۔ بعض دفعہ انسان اپنے کسی دوست کی انتہائی ناجائز بات صرف اس لیے ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ کل وہ میری بھی کوئی ضرورت پوری کرے گا۔ انسان کی یہی کمزوری اُسے دوست بنانے اور دوستانہ تعلق نبھانے پر مجبور کرتی ہے' مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اُس کے محتاج ہیں۔ چنانچہ اللہ کی دوستی کسی ضرورت کی بنیاد پر نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کا کوئی دوست اس سے اپنی کوئی بات زبردستی منوا سکتا ہے۔

پانچویں اور آخری بات بہت اہم ہے:

﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۱۱﴾ ''اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے۔''

یہ ترجمہ (تکبیر کرو) بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔ صرف زبان سے ''اللہ اکبر'' کہہ دینے سے اللہ کی تکبیر نہیں ہو جاتی' اس کے لیے عملی طور پر بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان سے اللہ اکبر کہنا تو تکبیر کا پہلا درجہ ہے کہ کسی نے زبان سے اقرار کر لیا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد اہم اور کٹھن مرحلہ اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ کو عملی طور پر بڑا کرنے کا ہے۔ یہ مرحلہ تب طے ہوگا جب ہمارے گھر میں بھی اللہ کو بڑا تسلیم کیا جائے گا اور گھر کے تمام معاملات میں اُسی کی بات مانی جائے گی' جب ہماری پارلیمنٹ میں بھی اُس کی بڑائی کو تسلیم کیا جائے گا اور کوئی قانون اُس کی شریعت کے خلاف نہیں بن سکے گا' جب ہماری عدالتوں میں بھی اُس کی بڑائی کا ڈنکا بجے گا اور تمام فیصلے اُسی کے احکامات کی روشنی میں کیے جائیں گے۔ غرض جب تک ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اور ہر کہیں اُس کا حکم آخری حکم کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا' اللہ کی تکبیر کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اللہ کے احکام کو عملی طور پر نافذ نہ کرنے والوں کے لیے سورۃ المائدۃ کا یہ حکم بہت واضح ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴ ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵ ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷﴾۔ آج ہم نے اللہ کو (نعوذ باللہ) اپنے تئیں مسجدوں میں بند کر دیا ہے کہ اے اللہ آپ یہیں رہیں' ہم یہیں پر آ کر آپ کی تکبیر کے ترانے گائیں گے' آپ کی تسبیح و تحمید کریں گے ـــــ لیکن مسجد سے باہر ہماری مجبوریاں ہیں۔ کیا کریں مارکیٹ میں مالی مفادات کے ہاتھوں مجبور ہیں' گھر میں بیوی بڑی ہے' کسی اور جگہ کوئی اور بڑا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارے ہاں اللہ کی تکبیر کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا ہے اور اب تکبیر فقط دو الفاظ (اللہ اکبر) پر مشتمل ایک کلمہ ہے' جسے زبان سے ادا کر دیں تو گویا اللہ کی بڑائی کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم ○○

سُوْرَۃُ الْکَہْفِ

تمہیدی کلمات

سورۃ الکہف اور سورۂ بنی اسرائیل کا آپس میں جوڑے اور زوجیت کا تعلق ہے۔ دونوں سورتوں کے بارہ بارہ رکوع ہیں اور آیات کی تعداد بھی تقریباً برابر ہے۔ دونوں کے عین وسط میں حضرت آدمؑ اور ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں اس حد تک مشابہت ہے کہ نہ صرف دونوں سورتوں کے ساتویں رکوع کا آغاز اس واقعہ سے ہوتا ہے بلکہ دونوں جگہوں پر واقعہ کی ابتدا بھی ایک ہی آیت سے ہو رہی ہے۔ ان کی نسبتِ زوجیت سے متعلق اہم نکات کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں بھی ہو چکا ہے' جبکہ میری کتاب ''قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ'' میں اس مضمون کو مزید جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت اور سورۃ الکہف کی ابتدائی آیت میں ایک خاص ربط و تعلق ہے' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں سورتیں ایک ساتھ قرآن میں وارد ہوئی ہیں اور ریل کے ڈبوں کی طرح باہم interlocked ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا آغاز ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ...﴾ کے الفاظ سے ہو رہا ہے' یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کا حکم دیا جا رہا ہے' جبکہ سورۃ الکہف کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ...﴾ کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ گویا یہاں اس حکم کی تعمیل ہو رہی ہے۔

آیات ۱ تا ۸

سُوْرَۃُ الْکَہْفِ مَکِّیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُهَا: ۱۱۰ | رُکُوْعَاتُهَا: ۱۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا
شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾
مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ یُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۚ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّ لَا
لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ
نَّفْسَكَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً
لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝﴿۷﴾ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۝﴿۸﴾

آیت ۱ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ ''کُل حمد و ثنا اور کُل شکر اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نازل کی اپنے بندے پر کتاب''

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق اور نسبت ہے اسے یہاں لفظ ''عبدؐ'' سے نمایاں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ①﴾ ''اور اس میں اُس نے کوئی کجی نہیں رکھی۔''

آیت ② ﴿قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ ''(یہ کتاب) بالکل سیدھی ہے' تاکہ وہ خبردار کرے ایک بہت بڑی آفت سے اُس کی طرف سے''

یعنی نبی اکرم ﷺ پر نزولِ قرآن کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپؐ لوگوں کو ایک بہت بڑی آفت کے بارے میں خبردار کر دیں۔ یہاں لفظ بَاْسًا بہت اہم ہے۔ یہ لفظ واحد ہو تو اس کا مطلب جنگ ہوتا ہے اور جب بطور جمع آئے تو اس کے معنی سختی' مصیبت' بھوک' تکلیف وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ (آیت البِر) میں یہ لفظ بطور واحد بھی آیا ہے اور بطور جمع بھی: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾۔ چنانچہ وہاں دونوں صورتوں میں اس لفظ کے معنی مختلف ہیں: ''اَلْبَاْسَآءِ'' کے معنی فقر و تنگدستی اور مصائب و تکالیف کے ہیں جبکہ ''وَحِيْنَ الْبَاْسِ'' سے مراد جنگ کا وقت ہے۔

بہرحال آیت زیر نظر میں ''بَاْسًا شَدِيْدًا'' سے ایک بڑی آفت بھی مراد ہو سکتی ہے اور بہت شدید قسم کی جنگ بھی۔ آفت کے معنی میں اس لفظ کا اشارہ اس دجالی فتنہ کی طرف ہے جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال کے فتنے سے خبردار نہ کیا ہو' کیونکہ یہ فتنہ ایک مؤمن کے لیے سخت ترین امتحان ہوگا اور پوری انسانی تاریخ میں اس فتنے سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔

دوسری طرف اس لفظ (بَاْسًا شَدِيْدًا) کو اگر خاص طور پر جنگ کے معنی میں لیا جائے تو اس سے ''اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰى'' مراد ہے اور اس کا تعلق بھی فتنہ دجال ہی سے ہے۔ کُتبِ احادیث (کتاب الفتن' کتاب آثار القیامۃ' کتاب الملاحم وغیرہ) میں اس خوفناک جنگ کا ذکر بہت تفصیل سے ملتا ہے۔ عیسائی روایات میں اس جنگ کو ''ہرمجدون'' (Armageddon) کا نام دیا گیا ہے۔ بہرحال حضرت مسیح علیہ السلام کے تشریف لانے اور ان کے ہاتھوں دجال کے قتل کے بعد اس فتنہ یا جنگ کا خاتمہ ہوگا۔

بہت سی احادیث میں ہمیں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ دجالی فتنہ کے ساتھ سورۃ الکہف کی ایک خاص مناسبت ہے اور اس فتنہ کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے اس سورۃ کے ساتھ ذہنی اور قلبی تعلق قائم کرنا بہت مفید ہے۔ اس مقصد کے لیے احادیث میں جمعہ کے روز سورۃ الکہف کی تلاوت کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے' اور اگر پوری سورت کی تلاوت نہ کی جا سکے تو کم از کم اس کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت کرنا بھی مفید بتایا گیا ہے۔ یہاں پر دجالی فتنہ کی حقیقت کے بارے میں کچھ وضاحت بھی ضروری ہے۔ ''دجل'' کے لفظی معنی دھوکہ اور فریب کے ہیں۔ اس مفہوم کے مطابق ''دجال'' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بہت بڑا دھوکے باز ہو' جس نے دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ اور فریب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ اس لیے نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کو بھی دجال کہا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جن تیس دجالوں کی پیدائش کی خبر دی ہے ان سے جھوٹے نبی ہی مراد ہیں۔

دجالیت کے اس عمومی مفہوم کو مدِنظر رکھا جائے تو آج کے دور میں مادہ پرستی بھی ایک بہت بڑا دجالی فتنہ ہے۔ آج لوگوں کے اذہان و قلوب' نظریات و افکار اور اخلاق و اقدار پر مادیت کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ انسان اللہ کو بھول چکا ہے۔ آج وہ مسبب الاسباب کو بھول کر مادّی اسباب پر توکل کرتا ہے۔ وہ قرآن کے اس فرمان کو یکسر فراموش کر چکا ہے: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵﴾ (آل عمران) یعنی دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے' جبکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ آخرت کی

زندگی پر پڑے ہوئے دنیا اور اس کی مادّیت کے پردے سے دھوکا کھا کر انسان نے دُنیوی زندگی ہی کو اصل سمجھ لیا ہے' لہٰذا اس کی تمام دوڑ دھوپ اسی زندگی کے لیے ہے۔ اسی زندگی کے مستقبل کو سنوارنے کی اس کو فکر ہے' اور یوں وہ مادّہ پرستی کے دجالی فتنے میں گرفتار ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ دجّال اور دجالی فتنے کا ایک خصوصی مفہوم بھی ہے۔ اس مفہوم میں اس سے مراد ایک مخصوص فتنہ ہے جو قُربِ قیامت کے زمانے میں ایک خاص شخصیت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوگا۔ اس بارے میں کُتبِ احادیث میں بڑی تفصیلات موجود ہیں' لیکن بعض روایات میں کچھ پیچیدگیاں بھی ہیں اور تضادات بھی۔ ان کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ علمی سطح پر غور و فکر کی ضرورت ہے' کیونکہ ظاہری طور پر نظر آنے والے تضادات میں مطابقت کے پہلوؤں کو تلاش کرنا اہلِ علم کا کام ہے۔ بہرحال یہاں ان تفاصیل کا ذکر اور ان پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں۔ اس موضوع کے بارے میں یہاں صرف اس قدر جان لینا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قُربِ قیامت کے زمانے میں دجّال کے ظاہر ہونے اور ایک بہت بڑا فتنہ اٹھانے کے بارے میں خبریں دی ہیں۔ جو حضرات اس حوالے سے تفصیلی معلومات چاہتے ہوں وہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تفسیر سورۃ الکہف پر مشتمل کتاب ''دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس موضوع پر ''دنیا کی حقیقت'' کے عنوان سے میری ایک تقریر کی ریکارڈنگ بھی دستیاب ہے' جس میں مَیں نے سورۃ الکہف کے مضامین کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲﴾ ''اور (تاکہ) وہ بشارت دے اُن اہلِ ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہوں کہ ان کے لیے ہوگا بہت اچھا بدلہ۔''

آیت ۳ ﴿مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳﴾ ''وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۴ ﴿وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴﴾ ''اور خبردار کر دے اُن لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔''

دورِ حاضر کی دجالیت کی اصل جڑ موجودہ مسیحیت ہے جس کی بنیاد تثلیث پر رکھی گئی ہے اور اب اسے مسیحیت کے بجائے Paulism کہنا زیادہ درست ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا گیا۔ پھر اس میں کفّارے کا عقیدہ شامل کیا گیا کہ جو کوئی بھی حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے گا اسے تمام گناہوں سے یکمشت معافی مل جائے گی۔ اس کے بعد شریعت کو ساقط کر کے اس سلسلے میں تمام اختیارات پوپ کو دے دیے گئے' کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام۔ ان تحریفات کی وجہ سے یورپ میں عام لوگوں کو لفظ ''مذہب'' سے ہی شدید نفرت ہوگئی۔ پھر جب ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زیرِ اثر جدید علوم کو فروغ ملا تو فرانس' اٹلی' جرمنی وغیرہ کے بے شمار نوجوانوں نے قرطبہ' غرناطہ اور طلیطلہ کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لیا۔ یہ نوجوان حصولِ تعلیم کے بعد جب اپنے اپنے ممالک میں واپس گئے تو یورپ میں ان کی نئی فکر کی وجہ سے اصلاحِ مذہب (Reformation) اور احیائے علوم (Renaissance) کی تحریکات شروع ہوئیں۔ ان کی وجہ سے یورپ کے عام لوگ جدید علوم کی طرف راغب تو ہوئے مگر معاشرے میں پہلے سے موجود مذہب مخالف جذبات کی وجہ سے مذہب دشمنی خود بخود اس تحریک میں شامل ہوگئی۔ نتیجتاً جدید علوم کے ساتھ مذہب سے بیزاری' روحانیت سے لاتعلقی' آخرت سے انکار اور خدا کے تصوّر سے بیگانگی جیسے خیالات بھی یورپی معاشرے میں مستقلاً جڑ پکڑ گئے' اور یہ سب کچھ عیسائیت میں کی جانے والی مذکورہ تحریفات کا ردِّعمل تھا۔ آیت زیرِ نظر میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ

ہے جنہوں نے یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا کہ مسیحؑ (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا ہے۔

آیت ۵ ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ﴾ ''انہیں اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں اور نہ ہی ان کے آباء واَجداد کو تھا۔''

انہوں نے یہ جو عقیدہ ایجاد کیا ہے اس کی نہ تو ان کے پاس کوئی علمی سند ہے اور نہ ہی ان کے آباء واَجداد کے پاس تھی۔

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ﴾ ''بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔''

یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اولاد منسوب کر کے اس کی شان میں بہت بڑی گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵﴾ ''وہ نہیں کہتے مگر سراسر جھوٹ۔''

آیت ۶ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ شاید اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر لیں گے ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات (قرآن) پر۔''

تثلیث جیسے غلط عقائد کے جو بھیانک نتائج مستقبل میں نسلِ انسانی کے لیے متوقع تھے ان کے تصور اور اِدراک سے رسول اللہ ﷺ پر شدید دباؤ تھا۔ آپؐ خوب سمجھتے تھے کہ اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے اور اپنے موجودہ مذہب پر ہی قائم رہے تو ان کے غلط عقائد کے سبب دنیا میں دجّالیت کا فتنہ جنم لے گا' جس کے اثرات نسلِ انسانی کے لیے تباہ کن ہوں گے۔ یہی غم تھا جو آپؐ کی جان کو گھلائے جا رہا تھا۔

آیت ۷ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا﴾ ''یقیناً ہم نے بنا دیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار''

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لیجیے کہ لفظ ''زینت'' اور دُنیوی آرائش وزیبائش کا موضوع اس سورت کے مضامین کا عمود ہے۔ یعنی دنیا کی رونق' چمک دمک اور زیب وزینت میں انسان اس قدر کھو جاتا ہے کہ آخرت کا اسے بالکل خیال ہی نہیں رہتا۔ دنیا کی یہ رنگینیاں امریکہ اور یورپ میں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ انہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسان اس سب کچھ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم امریکی اور یورپی اقوام کی علمی ترقی سے متاثر اور ان کے مادی اسباب ووسائل سے مرعوب ہیں۔ اپنی اسی مرعوبیت کے باعث ہم ان کی لادینی تہذیب وثقافت کے بھی دلدادہ ہیں اور ان کے طرزِ معاشرت کو اپنانے کے بھی درپے ہیں۔

﴿لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷﴾ ''تاکہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں۔''

دُنیا کے یہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ دراصل انسان کی آزمائش کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک طرف دنیا کی یہ سب دلچسپیاں اور رنگینیاں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے احکام ہیں۔ انسان کے سامنے یہ دونوں راستے کھلے چھوڑ کر دراصل یہ دیکھنا مقصود ہے کہ وہ ان میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے یا اپنے خالق ومالک کو پہچانتے ہوئے اُس کے احکام کی تعمیل کو اپنی زندگی کا اصل مقصود سمجھتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی شاعر کا یہ شعر اگرچہ شانِ باری تعالیٰ کے لائق تو نہیں مگر اس مضمون کی وضاحت کے لیے بہت خوب ہے: ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اِدھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے!

اب جس پروانے (انسان) کو اس شمع کی ظاہری روشنی اور چمک اپنی طرف کھینچ لے گئی تو وہ ﴿فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۹﴾ (النساء) کے مصداق تباہ وبرباد ہو گیا اور جو اس کی ظاہری اور وقتی چکا چوند کو نظر انداز کر کے حسن ازلی اور اللہ ربّ العالمین کے جلال و

کمال کی طرف متوجہ ہو گیا وہ حقیقی کامیابی اور دائمی نعمتوں کا مستحق ٹھہرا۔

آیت ۸ ﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸﴾ ''اور یقیناً ہم بنا کر رکھ دیں گے جو کچھ اس (زمین) پر ہے اسے ایک چٹیل میدان۔''

قیامت برپا ہونے کے بعد اس زمین کی تمام آرائش و زیبائش ختم کر کے اسے ایک صاف ہموار میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ نہ پہاڑ اور سمندر باقی رہیں گے اور نہ یہ حسین و دلکش عمارات۔ اُس وقت زمین کی سطح ایک ایسے کھیت کا منظر پیش کر رہی ہو گی جس کی فصل کٹ چکی ہو اور اس میں صرف بچا کھچا سوکھا چُورا اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہو۔

آیات ۹ تا ۱۶

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝۱۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ ع وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝۱۶

آیت ۹ ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹﴾ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور رقیم (تختی) والے اصحاب ہماری بہت عجیب نشانیوں میں سے تھے؟''

اب اصحابِ کہف کے متعلق اس سوال کے جواب کا آغاز ہو رہا ہے جو یہود مدینہ نے قریشِ مکہ کے ذریعے حضور ﷺ سے پوچھا تھا۔ کہف کے معنی غار کے ہیں اور رقیم سے مراد وہ تختی ہے جس پر اصحابِ کہف کے حالات لکھ کر اسے غار کے دہانے پر لگا دیا گیا تھا۔ اس نسبت سے انہیں اصحابِ کہف بھی کہا جاتا ہے اور اصحاب الرقیم بھی۔ مراد یہ ہے کہ تم لوگ شاید اصحابِ کہف کے واقعہ کو ایک بہت غیر معمولی واقعہ اور ہماری ایک بڑی عجیب نشانی سمجھتے ہو، مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری تخلیق اور صناعی میں تو اس سے بھی بڑے بڑے عجائبات موجود ہیں۔

اس قصے کے بارے میں اب تک جو ٹھوس حقائق ہمارے سامنے آئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے: حضرت مسیح علیہ السلام کی فلسطین میں بعثت کے وقت بظاہر یہاں ایک یہودی بادشاہ کی حکمرانی تھی مگر اس بادشاہ کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی اور عملی طور پر یہ پورا علاقہ رومن ایمپائر ہی کا حصہ تھا۔ رومی حکمران مذہباً بُت پرست تھے جبکہ فلسطین کے مقامی باشندے اہلِ کتاب (یہودی) تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفعِ سماوی کا واقعہ ۳۰ اور ۳۳ عیسوی کے لگ بھگ پیش آیا۔ اس کے بعد یہودیوں کی ایک بغاوت کے جواب

میں رومی جنرل ٹائیٹس نے ۷۰ عیسوی میں یروشلم پر حملہ کر کے اس شہر کو بالکل تباہ و برباد کر دیا' ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا گیا' یہودیوں کا قتلِ عام ہوا اور جو یہودی قتل ہونے سے بچ گئے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ مقامی عیسائیوں کو اگرچہ علاقے سے بے دخل تو نہ کیا گیا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور موحد ہونے کی وجہ سے انہیں رومیوں کی طرف سے اکثر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ اسی حوالے سے رومی بادشاہ دقیانوس (Decius) کے دربار میں چند راسخ العقیدہ موحد نوجوانوں کی پیشی ہوئی۔ بادشاہ کی طرف سے ان نوجوانوں پر واضح کیا گیا کہ وہ اپنے عقائد کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار کر لیں ورنہ انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ بادشاہ کی طرف سے انہیں اس فیصلے کے لیے مناسب مہلت دی گئی۔ اسی مہلت کے دوران انہوں نے شہر سے نکل کر کسی غار میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ لوگ غار میں پناہ گزیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان پر ایسی نیند طاری کر دی کہ وہ تقریباً تین سو سال تک سوتے رہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۹ میں بھی اسی نوعیت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اُن کی موت کے سو سال بعد زندہ کر دیا گیا) اور ان کی نیند کے دوران ان کی کروٹیں بدلنے کا بھی باقاعدہ اہتمام رہا۔ جس غار میں اصحابِ کہف سو رہے تھے وہ ایسی جگہ پر واقع تھی جہاں لوگوں کا آنا جانا بالکل نہیں تھا۔ اس غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر روشنی منعکس ہو کر تو آتی تھی' لیکن براہِ راست روشنی یا دھوپ نہیں آتی تھی۔ اس طرح کے غاروں کا ایک سلسلہ افسس شہر (موجودہ ترکی) کے علاقے میں پایا جاتا ہے جبکہ ہندوستان (ایبجنٹا) میں بھی ایسے غار موجود ہیں۔

بعد ازاں قسطنطین (Constantine) نامی فرمانروا نے عیسائیت قبول کر لی اور اس کی وجہ سے پوری رومن ایمپائر بھی عیسائی ہو گئی۔ پھر ۴۰۰ عیسوی کے لگ بھگ Theodosius کے عہدِ حکومت میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو جگایا۔ جاگنے کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو چاندی کا ایک سکّہ دے کر کھانا لینے کے لیے شہر بھیجا اور ساتھ ہدایت کی کہ وہ محتاط رہے' ایسا نہ ہو ان کے غار میں چھپنے کی خبر بادشاہ تک پہنچ جائے۔ (وہ اپنی نیند کو معمول کی نیند سمجھ رہے تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ تین سو سال تک سوئے رہے تھے۔) بہرحال کھانا لانے کے لیے جانے والا ان کا ساتھی اپنی تین سو سال پرانی وضع قطع اور کرنسی کی وجہ سے پکڑا گیا اور یوں ان کے بارے میں تمام معلومات لوگوں تک پہنچ گئیں۔ جب لوگوں کو حقیقت حال کا علم ہوا تو ہم مذہب ہونے کی وجہ سے عیسائی آبادی کی طرف سے ان کی بہت عزّت افزائی کی گئی۔ اس کے بعد وہ لوگ غار میں پھر سے سو گئے یا اللہ تعالیٰ نے اُن پر موت طاری کر دی۔ ان لوگوں کی طبعی موت کے بعد غار کے دہانے کو بند کر دیا گیا اور ایک تختی پر ان لوگوں کا احوال لکھ کر اسے اس جگہ پر نصب کر دیا گیا۔ اصحابِ کہف کا یہ قصہ گبن کی کتاب The Decline and Fall of Roman Empire میں بھی Seven Sleepers کے عنوان سے موجود ہے۔ اس قصے کا ذکر چونکہ رومن لٹریچر میں تھا اور یہودی اِن تمام تفصیلات سے آگاہ تھے' اس لیے انہوں نے یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحاناً پوچھ بھیجا تھا۔

آیت ۱۰ ﴿اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰﴾ ''جبکہ ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے ربّ! تُو ہمیں عطا فرما اپنے پاس سے رحمت اور آسان فرما دے ہمارے لیے ہمارے معاملات میں عافیت کا راستہ۔''

اپنے خاص خزانہ فضل سے ہمارے لیے رحمت کا بندوبست فرما دے۔

آیت ۱۱ ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱﴾ ''تو ہم نے تھپکی دے دی ان کے کانوں پر غار میں کئی

سال کے لیے۔''

یعنی ہم نے غار کے اندر متعدد سال تک انہیں سلائے رکھا۔ یہاں پر یہ بحث نہیں چھیڑی گئی کہ کتنے سال تک انہیں نیند کی حالت میں رکھا گیا۔

آیت ۱۲ ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾﴾ ''پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم دیکھیں کہ دو گروہوں میں سے کس کو بہتر معلوم ہے کہ کتنا عرصہ وہ وہاں رہے تھے۔''

ان دو گروہوں سے کون لوگ مراد ہیں' اس کا ذکر آگے آئے گا۔

آیت ۱۳ ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''ہم سنا رہے ہیں آپؐ کو ان کا قصہ حق کے ساتھ۔''

یہ واقعہ جیسے وقوع پذیر ہوا تھا بالکل ویسے ہی ہم آپؐ کو بلاکم و کاست سنانے جا رہے ہیں۔

﴿اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾﴾ ''وہ چند نوجوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر اور ہم نے خوب بڑھایا تھا انہیں ہدایت میں۔''

آیت ۱۴ ﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا﴾ ''اور ہم نے مضبوط کر دیا اُن کے دلوں کو جب وہ (بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے''

﴿فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے' ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اُس کے سوا کسی اور کو معبود (اگر ایسا ہوا) تب تو ہم بہت غلط بات کہیں گے۔''

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے دربار میں ڈٹ کر حق بات کہی تھی ویسے ہی ان نوجوانوں نے بھی علی الاعلان کہا کہ ہم ربّ کائنات کو چھوڑ کر کسی دیوی یا دیوتا کو اپنا ربّ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ﴾ ''ہماری اس قوم نے بنا لیے ہیں اُس کے سوا دوسرے معبود۔''

﴿لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَیِّنٍ ؕ﴾ ''تو کیوں نہیں پیش کرتے وہ ان کے بارے میں کوئی واضح دلیل؟''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کوئی دلیل یا سند وہ اپنے اس دعوے کے ساتھ کیوں پیش نہیں کرتے؟

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾﴾ ''تو اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا!''

شاہی دربار میں اس تند و تیز مکالمے کے بعد جب انہیں چند دن کی مہلت کے ساتھ اپنا دین چھوڑنے یا موت کا سامنا کرنے کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا تو وہ آپس میں یوں مشورہ کرنے لگے:

آیت ۱۶ ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾﴾ ''اور اب جبکہ تم نے خود کو اُن لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں' ان سے علیحدہ کر لیا ہے تو اب کسی غار میں پناہ لے لو' تمہارا رب پھیلا دے گا تمہارے لیے اپنی رحمت اور تمہارے معاملے میں تمہارے لیے سہولت کا سامان پیدا فرما دے گا۔''

آیات ۱۷ تا ۲۶

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ
الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ
ع ۱۴ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۬ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ
الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۬ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ
فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ
لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ
بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ لْيَتَلَطَّفْ وَ لَا
يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَ لَنْ
تُفْلِحُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا
رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ
الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ
يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ
اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ
ع ۱۵ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَ اذْكُرْ
رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَ لَبِثُوْا فِيْ
كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۪ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

آیت ۱۷ ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ﴾ ''اور تم سورج کو دیکھتے کہ جب وہ طلوع ہوتا تو اُن کی غار سے داہنی طرف ہٹ جاتا''

﴿وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ''اور جب وہ غروب ہوتا تو بائیں جانب ان سے کنّی کترا جاتا''

یعنی اس غار کا مُنہ شمال کی طرف تھا جس کی وجہ سے سورج کی براہِ راست روشنی یا دھوپ اس میں دن کے کسی وقت بھی نہیں پڑتی تھی۔ ہمارے ہاں بھی دھوپ اور سائے کا یہی اصول کارفرما ہے۔ سورج کسی بھی موسم میں شمال کی طرف نہیں جاتا۔ اسی اصول کے تحت کارخانوں وغیرہ کی بڑی بڑی عمارات میں یہاں north light shells کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ ایسے shells سے روشنی تو بلڈنگ میں آئے مگر دھوپ براہِ راست نہ آئے۔

﴿وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ ''اور وہ اس کی کھلی جگہ میں (لیٹے ہوئے) تھے۔''

یعنی غار اندر سے کافی کشادہ تھی اور اصحابِ کہف اس کے اندر کھلی جگہ میں سوئے ہوئے تھے۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔''

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾﴾ ''جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو اُس کے لیے تم نہیں پاؤ گے کوئی مددگار راہ پر لانے والا۔''

آیت ۱۸ ﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۚ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۡ﴾ ''اور (اگر تم انہیں دیکھتے تو) تم سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے اور ہم اُن کی کروٹیں بھی بدلتے رہے دائیں اور بائیں''

گویا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اُن کی دیکھ بھال کے لیے نرسنگ ڈیوٹی پر مامور کر رکھا تھا' جو وقفے وقفے سے ان کی کروٹیں بدلتے رہے تاکہ سالہا سال تک ایک ہی پہلو پر لیٹے رہنے سے وہ bed sores جیسی کسی تکلیف سے محفوظ رہیں۔

﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ﴾ ''اور اُن کا کُتّا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا دہلیز پر''

اس دوران ان کا کُتّا اپنی اگلی دونوں ٹانگیں سامنے پھیلا کر کُتّوں کے بیٹھنے کے مخصوص انداز میں غار کے دہانے پر بیٹھا رہا۔

﴿لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾﴾ ''اگر تم اُن پر جھانکتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور تم پر اُن کی طرف سے ہیبت طاری ہو جاتی۔''

ایک ویرانے میں اندھیری غار اور اُس کے سامنے اپنے بازو پھیلائے بیٹھا ہوا ایک خوفناک کُتّا! یہ ایک ایسا منظر تھا جسے جو بھی دیکھتا ڈر کے مارے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھتا۔

آیت ۱۹ ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔''

﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ﴾ ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنا عرصہ یہاں رہے ہو گے؟''

﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ﴾ ''کچھ بولے کہ ہم رہے ہیں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ کچھ (دوسرے) بولے کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کتنا عرصہ رہے ہو!''

جب کچھ ساتھیوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ انہوں نے ایک دن یا اس سے کچھ کم وقت نیند میں گزارا ہے تو ان کے جواب پر کچھ دوسرے ساتھی بول پڑے کہ اس بحث کو چھوڑ دو' اللہ کو سب پتا ہے کہ تم لوگ یہاں کتنے عرصے تک سوئے رہے ہو۔

﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ﴾ ''اب تم بھیجو اپنے میں سے ایک (ساتھی) کو اپنے اس چاندی کے سکّے کے ساتھ شہر کی طرف''

﴿فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ ''تو وہ دیکھے کہ شہر کے کس حصّے سے زیادہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے اور وہ وہاں سے تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے۔''

ظاہر ہے کہ اپنے اعتقاد اور نظریے کے مطابق انہیں پاکیزہ کھانا ہی چاہیے تھا۔

﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ ''اور وہ نرمی کا معاملہ کرے''

یعنی جو ساتھی کھانا لینے کے لیے جائے وہ لوگوں سے بات چیت اور لین دین کرتے ہوئے خصوصی طور پر اپنا رویہ نرم رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی سے جھگڑ پڑے اور اس طرح ہم سب کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔

یہاں پر نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کے حروف کی گنتی کے اعتبار سے لفظ وَلْيَتَلَطَّفْ کی ''ت'' پر قرآن مجید کا نصف اوّل پورا ہو گیا ہے اور اس کے بعد لفظ ''ل'' سے نصف ثانی شروع ہو رہا ہے۔

﴿وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾﴾ ''اور وہ آگاہ نہ کر دے تمہارے بارے میں کسی کو۔''

آیت ۲۰ ﴿اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾﴾ ''کیونکہ اگر انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں واپس لے جائیں گے اپنے دین میں' اور تب تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے۔''

اگر انہوں نے تمہیں مجبور کر دیا کہ تم پھر سے ان کا دین قبول کر لو تو ایسی صورت میں تم ہمیشہ کے لیے ہدایت سے دور ہو جاؤ گے۔

آیت ۲۱ ﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ﴾ ''اور اس طرح ہم نے مطلع کر دیا (لوگوں کو) ان پر''

چنانچہ اصحابِ کہف کا ایک ساتھی جب کھانا لینے کے لیے شہر گیا تو اپنے لباس' حُلیے اور کرنسی وغیرہ کے باعث فوری طور پر اسے پہچان لیا گیا کہ وہ موجودہ زمانے کا انسان نہیں ہے۔ پھر جب اس سے تفتیش کی گئی تو سارا راز کھل گیا۔ اس وقت اگرچہ اس واقعہ کو تین سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا مگر اس کے باوجود یہ بات ابھی تک لوگوں کے علم میں تھی کہ فلاں بادشاہ کے ڈر سے اس شہر سے سات آدمی کہیں روپوش ہو گئے تھے اور پوری مملکت میں تلاشِ بسیار کے باوجود کہیں ان کا سراغ نہ مل سکا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی لوگوں کے علم میں تھی کہ اس پورے واقعے کو ایک تختی پر لکھ کر ریکارڈ کے طور پر شاہی خزانے میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ لہٰذا اصحابِ کہف کے ساتھی سے ملنے والی معلومات کی تصدیق کے لیے جب مذکورہ تختی ریکارڈ سے نکلوائی گئی تو اس پر اس واقعہ کی تمام تفصیلات لکھی ہوئی مل گئیں اور یوں یہ واقعہ پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے آ گیا۔

﴿لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ﴾ ''تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت کے بارے میں ہرگز کوئی شک نہیں۔''

یہ واقعہ گویا بعث بعد الموت کے بارے میں ایک واضح دلیل تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تین سو سال تک ان لوگوں کو سلائے رکھا اور پھر اٹھا کھڑا کیا تو اُس کے لیے مُردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کیونکر ممکن نہیں ہو گا؟

﴿اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ﴾ ''جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے ان کے معاملے میں''

اس کے بعد اصحابِ کہف تو اپنی غار میں پہلے کی طرح سو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر حقیقی موت وارد کر دی' لیکن لوگوں کے درمیان اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ان کے بارے میں حتمی طور پر کیا معاملہ کیا جائے۔

﴿فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ﴾ ''چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ تعمیر کر دو ان پر ایک عمارت (بطور یادگار)' ان کا رب ان سے بہتر واقف ہے۔''

کچھ لوگوں نے رائے دی کہ اس معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر یہاں ایک شاندار یادگار تعمیر کی جانی چاہیے۔

﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾﴾ ''جو لوگ غالب آئے اپنی رائے کے اعتبار سے انہوں نے کہا کہ ہم بنائیں گے ان (کی غار) پر ایک مسجد۔''

آیت ۲۲ ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ﴾ ''اب یہ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اُن کا چوتھا اُن کا کُتّا تھا' اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اُن کا چھٹا ان کا کُتّا تھا' یہ سب تیر تکے چلا رہے ہیں اندھیرے میں' اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور ان کا آٹھواں اُن کا کُتّا تھا۔''

﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ۚ﴾ ''آپ کہیے: میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو' نہیں جانتے ان (کے معاملے) کو مگر بہت تھوڑے لوگ۔''

قرآن مجید میں ان کی تعداد کے بارے میں صراحت تو نہیں کی گئی مگر اکثر مفسرین کے مطابق بین السطور میں آخری رائے کے درست ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ اس میں ایک نکتہ تو یہ ہے کہ پہلے فقرے ﴿ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ﴾ اور دوسرے فقرے ﴿خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ کے درمیان میں ''و'' نہیں ہے' جبکہ تیسرے فقرے میں ﴿سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ﴾ کے درمیان میں ''و'' موجود ہے۔ چنانچہ پہلے دونوں کلمات کے مقابلے میں تیسرے کلمہ کے بیان میں ''و'' کی وجہ سے زیادہ زور ہے۔

اس ضمن میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جب وہ لوگ جاگے تھے تو اُن میں سے ایک نے سوال کیا تھا: ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ﴾ کہ تم یہاں کتنی دیر سوئے رہے ہو؟ اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم عرصہ تک سوئے رہے ہیں۔ یہاں پر قَالُوْا چونکہ جمع کا صیغہ ہے اس لیے یہ جواب دینے والے کم از کم تین لوگ تھے' جبکہ اس سوال کے جواب میں ان کے جن ساتھیوں نے دوسری رائے دی تھی وہ بھی کم از کم تین ہی تھے' کیونکہ ان کے لیے بھی قَالُوْا جمع کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے: ﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ﴾۔ اس طرح ان کی تعداد سات ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ یعنی ایک پوچھنے والا' تین لوگ ایک رائے دینے والے اور ان کے جواب میں تین لوگ دوسری رائے کا اظہار کرنے والے۔

اس کے علاوہ قدیم رومن لٹریچر میں بھی جہاں ان کا ذکر ملتا ہے وہاں ان کی تعداد سات ہی بتائی گئی ہے۔ قبل ازیں گبن کی کتاب کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے جس میں Seven Sleepers کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں جس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بحث کرنے اور جھگڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے:

﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کے بارے میں جھگڑا مت کریں سوائے سرسری بحث کے' اور نہ ہی آپ پوچھئے ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے۔''

یعنی جو بات دعوتِ دین اور اقامتِ دین کے حوالے سے اہم نہ ہو اس میں بے مقصد چھان بین کرنا اور بحث و نزاع میں پڑنا' گویا وقت ضائع کرنے اور اپنی جدّوجُہد کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

آیت ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾﴾ ''اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کریں کہ مَیں یہ کام کل ضرور کر دوں گا۔''

اس آیت میں ایک بہت اہم واقعہ کا حوالہ ہے۔ جب اہلِ مکّہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے تو آپؐ نے فرمایا کہ مَیں آپ لوگوں کو ان سوالات کے جوابات کل دے دوں گا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سہواً ''ان شآء اللہ'' نہیں فرمایا۔ اس کے بعد کئی روز تک وحی نہ آئی۔ یہ صورتِ حال آپؐ کے لیے انتہائی پریشان کن تھی۔ مخالفین خوشی میں تالیاں پیٹ رہے ہوں گے' آپؐ کو ناکامی کے طعنے دے رہے ہوں گے اور آپؐ کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو کیسی کیسی سخت آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے: ع ''جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے!''

عام لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں کیسی کیسی لایعنی باتیں کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ کے ہاں ان کی پکڑ نہیں ہوتی' اس لیے کہ وہ اللہ کے ہاں اہم نہیں ہوتے' مگر یہاں ایک انتہائی مقرب ہستی سے سہواً ایک کلمہ ادا ہونے سے رہ گیا تو باوجود اس کے کہ معاملہ بے حد حساس تھا' وحی روک لی گئی۔ بالآخر کئی روز کے بعد جب اللہ کو منظور ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سوالات کے جوابات بھی لے کر آئے اور ساتھ یہ ہدایت بھی کہ کبھی کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ میں کل یہ کروں گا:

آیت ﴿اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ﴾ ''مگر یہ کہ اللہ چاہے!''

یعنی مستقبل کے بارے میں جب بھی کوئی بات کریں تو ''اِن شآءَ اللہ'' ضرور کہیں کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں یوں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ خصوصی فضل ہے کہ انہیں اپنی معاشرتی زندگی میں روزمرہ کے معمولات کے لیے ایسے کلمات سکھائے گئے جن میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آپ نے کوئی خوبصورت چیز دیکھی جس سے آپ کا دل خوش ہوا' آپ نے کہا: سُبحَان اللہ! گویا آپ نے اقرار کیا کہ یہ اس چیز کا کمال نہیں اور نہ ہی یہ چیز بذاتِ خود لائقِ تعریف ہے بلکہ تعریف تو اللہ کی ہے جس نے یہ خوبصورت چیز بنائی۔ آپ کی کوئی تکلیف دور ہوئی تو منہ سے نکلا: اَلحمدُ للہ! یعنی جو بھی مشکل آسان ہوئی اللہ کی مدد' اُس کی مہربانی اور اُس کے حکم سے ہوئی' لہٰذا شکر بھی اُسی کا ادا کیا جائے گا۔ آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے' اہل وعیال کو خوش وخرم پایا' آپ نے کہا: مَاشَآءَ اللہ! کہ اس میں میرا یا کسی اور کا کوئی کمال نہیں' یہ سب اللہ کی مرضی اور مشیت سے ہے۔ اسی طرح مستقبل میں کسی کام کے کرنے کے بارے میں اظہار کیا تو ساتھ اِن شآءَ اللہ کہا۔ یعنی میرا ارادہ تو یوں ہے مگر صرف میرے ارادے سے کیا ہوتا ہے' حقیقت میں یہ کام تبھی ہوگا اور میں اسے تبھی کر پاؤں گا جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا' کیونکہ اللہ کی مشیت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ گویا ان کلمات کے ذریعے قدم قدم پر اور بات بات میں ہمیں توحید کا سبق یاد دلایا جاتا ہے۔ اللہ کے علم' اُس کے حکم' اُس کے اختیار و اقتدار' اُس کی قدرت' اُس کی مشیت کے مطلق اور فائق ہونے کے اقرار کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر کلمات (اَلحَمدُ لِلّٰہ ' اِنْ شَآءَ اللہ' مَاشَآءَ اللہ) اس سورت میں موجود ہیں۔

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ﴾ ''اور اپنے رب کو یاد کر لیا کیجئے جب آپ بھول جائیں''

اگر کسی وقت بھول جائیں تو یاد آنے پر دوبارہ اللہ کی طرف اپنا دھیان لگا لیجئے۔

﴿وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾﴾ ''اور کہیے: ہوسکتا ہے کہ میرا رب میری راہنمائی

کر دے اس سے بہتر بھلائی کی طرف۔''

یعنی کسی بھی کام کے لیے کوشش کرتے ہوئے انسان کو ''تفویض الامر الی اللہ'' کی کیفیت میں رہنا چاہیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا' ورنہ ہو سکتا ہے میرا رب میرے لیے اس سے بھی بہتر کسی کام کے لیے اسباب پیدا فرما دے۔ گویا انسان اپنے تمام معاملات ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کیے رکھے:

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را!

آیت ۲۵ ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝۲۵﴾ ''اور وہ رہے اپنی غار میں تین سو برس اور اس کے اوپر نو برس۔''

یعنی غار میں ان کے سونے کی مدت شمسی کیلنڈر میں تین سو سال جبکہ قمری کیلنڈر کے مطابق تین سو نو سال بنتی ہے۔

آیت ۲۶ ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اللہ بہتر جانتا ہے اس میں جتنا (عرصہ) وہ رہے''

یعنی اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ غار میں کتنا عرصہ سوئے رہے۔ اس کا جواب بھی آپؐ ان کو یہی دیں کہ اس مدت کے بارے میں بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

﴿لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ﴾ ''اُسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب۔ کیا ہی خوب ہے وہ اس کو دیکھنے والا اور کیا ہی خوب ہے وہ سننے والا!''

﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶﴾ ''اُس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں' اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو بھی۔''

اُس کے سوا ان کا کوئی ساتھی' کارساز' مددگار' حمایتی اور پشت پناہ نہیں ہے۔ لفظ ''ولی'' ان سب معانی کا احاطہ کرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار اور اپنی حاکمیت کے حق میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ یہ توحید حاکمیت ہے۔ اس بارے میں سورۂ یوسف (آیت ۴۰ و ۶۷) میں اس طرح ارشاد ہوا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ﴾ ''اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے''۔ جبکہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں یوں فرمایا گیا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ ''اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے بادشاہت میں۔''

آیات ۲۷ تا ۳۱

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۣ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝۲۷ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۚ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝۲۸ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۡ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ

كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

آیت ۲۷ ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ کے رب کی کتاب میں سے۔''

یعنی اس وقت آپؐ بہت مشکل صورتِ حال کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کیفیت میں آپؐ کو صبر و استقامت کی سخت ضرورت ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل:۱۲۷) ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ کے سہارے پر ہی ہے''۔ یہ سہارا آپؐ کو اللہ رب العزت کے ساتھ اپنا قلبی تعلق اور ذہنی رشتہ استوار کرنے سے میسر ہوگا اور یہ تعلق مضبوط کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ تمسک بالقرآن کا یہ مضمون سورۃ العنکبوت میں (اکیسویں پارے کے آغاز میں) دوبارہ آئے گا۔ حق و باطل کی کشمکش میں جب بھی کوئی مشکل وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ کو خصوصی طور پر تمسک بالقرآن کی ہدایت کی گئی اور آپؐ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ قرآن کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں' قرآن کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ صَرف کریں۔ اسی طرح وہ مشکلات و شدائد کو برداشت کرنے اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝﴾ ''اُس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے' اور آپؐ نہیں پائیں گے اُس کے سوا کوئی جائے پناہ۔''

یقیناً یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس راستہ کے مسافروں نے سختیوں کو بہر حال برداشت کرنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جو کسی کے لیے تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اس مہم میں واحد سہارا اللہ کی مدد اور نصرت ہے۔ چنانچہ اگر آپؐ کو کہیں پناہ ملے گی تو اللہ ہی کے دامن میں ملے گی' اُس در کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ علامہ اقبالؔ نے اسی مضمون کی ترجمانی اپنے اس شعر میں کی ہے: ؎

نہ کہیں جہاں میں اَماں ملی' جو اَماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو' تیرے عفوِ بندہ نواز میں!

آیت ۲۸ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ ''اور اپنے آپ کو روکے رکھیے اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح و شام''

یہ بلال حبشیؓ' عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ' عمار بن یاسرؓ اور خباب بن اَرت ؓ جیسے لوگ اگرچہ مفلس اور نادار ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت اہم ہیں۔ آپؐ ان لوگوں کی رفاقت کو غنیمت سمجھئے اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کیجیے۔

﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''وہ اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور آپؐ

کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں‘ (جس سے لوگوں کو یہ گمان ہونے لگے کہ) آپؐ دُنیوی زندگی کی آرائش وزیبائش چاہتے ہیں!‘‘

ان غلاموں اور بے آسرا لوگوں سے آپؐ کی توجہ ہٹ کر کہیں مکّہ کے سرداروں اور اُمراء کی طرف نہ ہونے پائے‘ جس سے لوگوں کو یہ گمان ہو کہ آپؐ بھی دنیا کی زیب وزینت ہی کو اہمیت دیتے ہیں۔ لہٰذا ولید بن مغیرہ بظاہر کتنا ہی بااثر اور صاحبِ ثروت سہی‘ آپؐ عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم کو نظر انداز کر کے اُسے ہرگز اہمیت نہ دیں۔ ترجمہ کے اعتبار سے یہ آیت مشکل آیات میں سے ہے۔ یہاں الفاظ کے عین مطابق ترجمہ ممکن نہیں۔ حضور ﷺ کی یہ شان ہرگز نہ تھی کہ آپ ﷺ کی نظریں غرباء سے ہٹ کر اُمراء کی طرف اٹھتیں۔ چنانچہ ان الفاظ سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ دراصل آپؐ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپؐ دعوت وتبلیغ کی غرض سے بھی ان اُمراء کی طرف اس انداز میں التفات نہ فرمائیں جس سے کسی کو مغالطہ ہو کہ آپ ﷺ کی نگاہ میں دُنیوی مال واسباب کی بھی کچھ وقعت اور اہمیت ہے۔ سورۃ الحجر میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾﴾ ’’آپؐ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس مال ومتاع کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے اور آپؐ ان (اُمراء) کے بارے میں فکرمند نہ ہوں اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں!‘‘

کسی بھی داعیٔ حق کے لیے یہ معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ معاشرے کے اونچے طبقے کے لوگوں کا بہرحال اپنا ایک حلقہ اثر ہوتا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی اہلِ حق کی صف میں شامل ہوتا ہے تو وہ اکیلا بہت سے افراد کے برابر شمار ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے کئی دوسرے لوگ خود بخود کھنچے آتے ہیں اور پہلے سے موجود لوگوں کے لیے بھی ایسے شخص کی شمولیت تقویت اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ عمرؓ بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے کسی ایک کو ضرور میری جھولی میں ڈال دے! ان دونوں میں سے کوئی ایک ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ ان جیسی بااثر شخصیات میں سے کسی کا ایمان لانا اسلام کے لیے باعثِ تقویت ہوگا اور اس کی رفاقت سے ان کمزور مسلمانوں کو سہارا ملے گا جن پر قافیہ حیات تنگ ہوا جا رہا ہے۔ اور پھر واقعتاً ایسا ہوا بھی کہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے بعد مکّہ میں کمزور مسلمانوں پر قریش کے ظلم وتعدی میں کافی حد تک کمی آ گئی۔

بہرحال اس سلسلے میں معروضی حقائق کسی بھی داعی کو اس طرف راغب کرتے ہیں کہ معاشرے کے متمول طبقوں اور اربابِ اختیار واقتدار تک پیغام حق ترجیحی بنیادوں پر پہنچایا جائے اور انہیں اپنی تحریک میں شامل کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ مگر دوسری طرف اس حکمت عملی سے تحریک کے نادار اور عام ارکان کو یہ تاثر ملنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ انہیں کم حیثیت سمجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اس طرح اُن کی حوصلہ شکنی ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس معاملے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب کوئی داعیٔ حق اثر ورسوخ کے حامل افراد کی طرف ترجیحی انداز میں متوجہ ہوگا تو عوام میں اُس کی ذات اور اُس کی تحریک کے بارے میں یہ تأثر ابھرنے کا اندیشہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی اُمراء اور اربابِ اختیار سے مرعوب ہیں اور ان کے ہاں بھی دُنیوی ٹھاٹھ باٹھ ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ دولت مند اور اثر ورسوخ کے حامل افراد تک دین کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں مذکورہ بالا دو عوامل کے منفی اثرات سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ آپؐ اس سلسلے میں احتیاط کریں‘ کہیں لوگ یہ تأثر نہ لے لیں کہ محمد (ﷺ) کے ہاں بھی دولت مند لوگوں ہی کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾﴾ ''اور مت کہنا مانیے ایسے شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو چکا ہے۔''

یہ بات متعدد بار بیان ہو چکی ہے کہ کفارِ مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مداہنت پر مُصر تھے اور وہ آپؐ کے ساتھ کچھ دو اور کچھ لو کی بنیاد پر مذاکرات کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں سردارانِ قریش کی طرف سے آپؐ پر شدید دباؤ تھا۔ اس پس منظر میں یہاں پھر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل اور محروم کر دیا ہے آپؐ ایسے لوگوں کی باتوں کی طرف دھیان بھی مت دیجیے!

آیت ۲۹ ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ﴾ ''اور آپؐ کہہ دیجیے کہ یہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے' تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔''

کفارِ مکہ کی طرف سے کوئی درمیانی راستہ نکالنے کی کوششوں کے جواب میں یہاں حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے واضح اور دوٹوک انداز میں اعلان کرایا جا رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے جو حق میرے پاس آیا ہے وہ میں نے تم لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں' اسے من وعن قبول کر لو یا اسے رد کر دو۔ لیکن یاد رکھو اس میں کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر تم سے کوئی سودے بازی ممکن نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ الدھر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾﴾ یعنی ہم نے انسان کے لیے ہدایت کا راستہ واضح کر دیا ہے اور اس کو اختیار دے دیا ہے کہ اب چاہے وہ شکر گزار بنے اور چاہے ناشکرا۔

﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ﴾ ''ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے' اُس کی قناتیں ان کا احاطہ کر لیں گی۔''

جہنم کی آگ قناتوں کی شکل میں ہوگی اور وہ اللہ کے منکرین اور مشرکین کو گھیرے میں لے لے گی۔

﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ﴾ ''اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو (کھولتے ہوئے) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا' جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔''

﴿بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾﴾ ''بہت ہی بُری چیز ہوگی پینے کی' اور وہ (جہنم) بہت ہی بُری جگہ ہے آرام کی!''

''مُہل'' کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ کے علاوہ لاوا بھی کیا گیا ہے اور پگھلا ہوا تانبا بھی۔ سورۂ ابراہیمؑ کی آیت ۱۶ میں جہنمیوں کو پلائے جانے والے پانی کو ''مَّآءٍ صَدِيْدٍ'' کہا گیا ہے جس کے معنی زخموں سے رسنے والی پیپ کے ہیں۔ بہرحال یہ سیال مادہ جو انہیں پانی کے طور پر دیا جائے گا اس قدر گرم ہوگا کہ ان کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔

اب آئندہ آیات میں فوری تقابل کے لیے اہلِ جنت کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے تو ہم نہیں ضائع کریں گے اجر اُس شخص کا جس نے اچھا عمل کیا۔''

آیت ۳۱ ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''ان ہی لوگوں کے لیے ہیں رہنے کے ایسے باغات جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ ''انہیں پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن اور وہ پہنیں گے سبز رنگ کے کپڑے باریک ریشم کے اور موٹے ریشم کے''

یعنی ان کا اوپر کا لباس باریک ریشم کا ہوگا جبکہ نیچے کا لباس موٹے ریشم کا ہوگا۔

﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ﴾ ''ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے تختوں پر۔''

﴿نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾﴾ ''کیا ہی اچھا بدلہ ہوگا (ان کے لیے) اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہوگی!''

آیات ۳۲ تا ۴۴

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا
بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾
وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ
جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ
يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ
اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا
قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ
جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا
فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع ۴

اس رکوع میں دو اشخاص کے باہمی مکالمے کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اور بہت سی دوسری دُنیوی نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔ وہ شخص اپنی خوشحالی میں اس قدر مگن ہوا کہ اس کی نگاہ اللہ سے ہٹ کر مادی وسائل پر ہی جم کر رہ گئی اور انہی اسباب و وسائل کو وہ اپنے توکل اور بھروسے کا مرکز بنا بیٹھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص تھا جو دُنیوی لحاظ سے خوشحال تو نہیں تھا مگر اُسے اللہ کی معرفت حاصل تھی۔ اُس نے اُس دولت مند شخص کو نصیحت کی کہ اللہ نے تمہیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے مگر تم اُسے بالکل ہی بھولے ہوئے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ دولت مند شخص نے گھمنڈ میں آکر اس کی نصیحت کا بہت تلخ جواب

دیا اور کہا کہ مجھے تو یہ ساری نعمتیں اس لیے ملی ہیں کہ میں اللہ کا چہیتا ہوں جبکہ میرے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کے اس بندے نے اسے پھر سمجھایا کہ دیکھو اپنے دُنیوی مال واسباب پر مت اِتراؤ' کیونکہ اللہ اگر چاہے تو تمہارے یہ سارے ٹھاٹھ باٹھ پل بھر میں ختم کر کے رکھ دے۔ وہ چاہے تو تمہاری ساری دولت اور مال واسباب کو ضائع کر سکتا ہے۔ اس نے جواباً کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے اپنے مال واسباب کی حفاظت کا خوب بندوبست کر رکھا ہے۔ الغرض ان تمام نصیحتوں کا اُس شخص پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ دُنیوی اَسباب کے نشے نے اس کو اس قدر اندھا کر رکھا تھا کہ اسے حقیقی مسبّب الاسباب کی قدرت کا کچھ اندازہ ہی نہ رہا۔ بالآخر اُس کے اس رویے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے رویے پر کف افسوس ملتا رہ گیا۔ اپنی بربادی کے بعد جب اس شخص کی آنکھیں کھلیں تو تب بہت دیر ہو چکی تھی۔

یہاں اس دولت مند شخص کا وہ فقرہ خاص طور پر قابلِ غور ہے جو اپنی بربادی کے بعد پچھتاتے ہوئے اس کی زبان سے نکلا تھا کہ ''کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتا!'' دیکھا جائے تو اس سارے واقعے میں کسی ظاہری شرک کا ارتکاب نظر نہیں آتا۔ کسی دیوی یا دیوتا کی پوجا پاٹ کا بھی کوئی حوالہ یہاں نہیں آیا' اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کا بھی ذکر نہیں ہوا' تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا اقدام تھا جس پر وہ شخص پچھتایا کہ کاش میں نے اپنے رب سے شرک نہ کیا ہوتا! اس پہلو سے اگر اس سارے واقعے کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں جس شرک کا ذکر ہوا ہے وہ ''مادہ پرستی'' کا شرک ہے۔ اس شخص نے اپنے مادّی اسباب و وسائل کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو بھروسا اور توکّل اُسے حقیقی مسبّب الاسباب پر کرنا چاہیے تھا وہ بھروسا اور توکّل اُس نے اپنے مادّی وسائل پر کر لیا تھا اور اس طرح ان مادّی وسائل کو معبود کا درجہ دے دیا تھا۔ یہی رویہ اور یہی سوچ مادہ پرستی ہے اور یہی موجودہ دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔

موجودہ دور ستارہ پرستی اور بُت پرستی کا دور نہیں۔ آج کا انسان ستاروں کی اصل حقیقت جان لینے اور چاند پر قدم رکھ لینے کے بعد ان کی پوجا کیونکر کرے گا؟ چنانچہ آج کے دور میں اللہ کو چھوڑ کر انسان نے جو معبود بنائے ہیں ان میں مادّہ پرستی اور وطن پرستی سب سے اہم ہیں۔ آج دولت کو معبود کا درجہ دے دیا گیا ہے اور مادی وسائل اور ذرائع کو مسبّب الاسباب سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ موجودہ دور کا بہت خطرناک شرک ہے اور اس سے محفوظ رہنے کے لیے اسے بہت باریک بینی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آیت ۳۲ ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ بیان کیجیے ان کے لیے دو اشخاص کی مثال''

﴿جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ﴾ ''اُن میں سے ایک کو ہم نے دیے تھے دو باغ انگوروں کے اور اُن دونوں کو گھیر دیا تھا ہم نے کھجوروں کے درختوں کے ساتھ''

انگوروں کی بیلوں کے گرداگرد کھجوروں کے درختوں کی باڑ تھی تاکہ نازک بیلیں آندھی' طوفان وغیرہ سے محفوظ رہیں۔

﴿وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝۳۳﴾ ''اور ہم نے ان دونوں (باغوں) کے درمیان کھیتی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔''

بنیادی طور پر وہ انگوروں کے باغات تھے۔ ان کے اطراف میں کھجوروں کے درخت تھے' جن کی دوہری افادیت تھی۔ ان درختوں سے کھجوریں بھی حاصل ہوتی تھیں اور وہ حفاظتی باڑ کا کام بھی دیتے تھے۔ درمیان میں کچھ زمین کاشت کاری کے لیے بھی تھی' جس سے اناج وغیرہ حاصل ہوتا تھا۔ گویا ہر لحاظ سے مثالی باغات تھے۔

آیت ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ﴾ ''دونوں باغات اپنا پھل خوب دیتے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرتے تھے''

وہ دونوں باغات ہر سال موسم کے مطابق خوب پھلتے تھے اور ان کی پیداوار میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ ان باغوں کا مالک شخص سالہا سال سے ان کی پیداوار سے مسلسل فائدہ اٹھاتے اٹھاتے انہیں دائمی سمجھ بیٹھا اور وہ بالکل ہی بھول گیا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اجازت ہی سے ممکن ہے۔

﴿وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝۳۳﴾ ''اور ہم نے جاری کر دی تھی ان کے درمیان ایک نہر۔''

ان دونوں باغوں کے بیچوں بیچ ایک نہر بہتی تھی۔ گویا ان کی آب پاشی کا نظام بھی مثالی تھا۔

آیت ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ﴾ ''اور اُس کے لیے پھل بھی تھا۔''

اس کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ جب ان دونوں کا آپس میں مکالمہ ہو رہا تھا اُس وقت وہ دونوں باغات پھلوں سے خوب لدے ہوئے تھے' جبکہ دوسرا مفہوم جو میرے نزدیک راجح ہے' یہ ہے کہ اُس شخص کو اللہ نے اولاد بھی خوب دے رکھی تھی۔ اس لیے کہ انسان کے لیے اس کی اولاد کی وہی حیثیت ہے جو کسی درخت کے لیے اس کے پھل کی ہوتی ہے۔

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴﴾ ''تو کہا اُس نے اپنے ساتھی سے ـــــ اور وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے ـــــ کہ مَیں تم سے بہت زیادہ ہوں مال میں اور بہت بڑھا ہوا ہوں نفری میں۔''

یہاں جس فخر سے اُس شخص نے اپنی نفری کا ذکر کیا ہے اس کے اس انداز سے تو ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ﴾ کا یہی ترجمہ بہتر محسوس ہوتا ہے کہ اُس شخص کو اولاد خصوصاً بیٹوں سے بھی نوازا گیا تھا۔

آیت ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ﴾ ''اور وہ داخل ہوا اپنے باغ میں اس حال میں کہ وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔''

﴿قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝۳۵﴾ ''اُس نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو سکتا ہے۔''

یعنی میرا یہ باغ ہر لحاظ سے مثالی ہے۔ اسے میں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہر قسم کے خطرات سے محفوظ بنا رکھا ہے۔ انگوروں کی نازک بیلوں کے گرداگرد کھجوروں کے بلند و بالا درخت سنتریوں کی طرح کھڑے ہر قسم کے طوفان اور بادِ صرصر کے تھپیڑوں سے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ آب پاشی کے لیے نہر کا وافر پانی ہر وقت موجود ہے۔ لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ اسے کبھی کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

آیت ﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ﴾ ''اور مَیں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے''

یہ قیامت وغیرہ کی باتیں سب ڈھکوسلے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کوئی واقعہ حقیقت میں رونما ہونے والا ہے۔

﴿وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶﴾ ''اور اگر مجھے لوٹا ہی دیا گیا اپنے رب کی طرف تو مَیں لازماً پاؤں گا اس سے بھی بہتر پلٹنے کی جگہ۔''

قیامت و آخرت کا اوّل تو میں قائل ہی نہیں' لیکن قیامت اگر ہوئی بھی تو میں بہرحال وہاں اس سے بھی بہتر زندگی پاؤں گا۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص اللہ کا منکر نہیں تھا مگر دُنیوی مال و دولت اور مادی اسباب و ذرائع پر بھروسا کر کے شرک کا ارتکاب کر رہا

تھا۔ یہ شخص یہاں پر جو فلسفہ بیان کر رہا ہے وہ اکثر مادّہ پرست لوگوں کے ہاں بہت مقبول ہے۔ یعنی اگر مجھے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خوشحالی و فارغ البالی سے نواز رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہے۔ اسی لیے اس نے مجھے خصوصی صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کی وجہ سے میں نے یہ اسباب و وسائل اکٹھے کیے ہیں۔ چنانچہ وہ آخرت میں بھی ضرور اپنی نعمتوں سے مجھے نوازے گا۔ اور جو لوگ یہاں دنیا میں جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں وہ آخرت میں بھی اسی طرح بے یار و مددگار ہوں گے۔

آیت ۳۴ ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ﴾ ''اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا''

﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷﴾ ''کیا تو نے کفر کیا اُس ہستی کا جس نے پیدا کیا تجھے مٹی سے' پھر گندے پانی کی بوند سے' پھر تجھے صحیح سلامت انسان بنا دیا؟''

یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ وہ شخص بظاہر اللہ کا منکر نہیں تھا مگر پھر بھی اسے اللہ سے کفر کا مرتکب بتایا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس سے پہلے وہ آخرت کا انکار کر چکا تھا اور آخرت کا انکار دراصل اللہ کا انکار ہے۔ گویا جو شخص آخرت کا منکر ہو اس کا ایمان باللہ کا دعویٰ بھی قابلِ قبول نہیں۔

آیت ۳۸ ﴿لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝۳۸﴾ ''لیکن (میں تو مانتا ہوں کہ) وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''

آیت ۳۹ ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ﴾ ''اور جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یوں کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ! (یعنی یہ سب اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔) اللہ کے بدون کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔''

تجھے جب باغ میں ہر طرف خوش کن مناظر دیکھنے کو ملے اور پورا باغ پھلوں سے لدا ہوا نظر آیا تو تیری زبان سے ''ماشاء اللہ'' کیوں نہ نکلا اور تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ اللہ کی دین ہے جو اصل طاقت اور اختیار کا مالک ہے' اُس کی اجازت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ''ماشاء اللہ'' وہ کلمہ ہے جس میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہے' کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے' کسی اور کے چاہنے سے یا اسباب و وسائل کے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

﴿اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝۳۹﴾ ''اگر تُو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔''

آیت ۴۰ ﴿فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ ''تو امید ہے کہ میرا رب تیرے باغ سے بہتر باغ مجھے دے دے''

مجھے یقین ہے کہ میرا رب اگر چاہے تو تمہارے ان باغوں سے بہتر نعمتوں سے مجھے نواز دے۔

﴿وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝۴۰﴾ ''اور وہ بھیج دے اس (تیرے باغ) پر کوئی آفت آسمان سے تو وہ صاف چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔''

یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے اس کفر و تکبّر کے باعث اللہ تعالیٰ تمہارے باغوں پر کوئی ایسی آفت نازل کر دے کہ اس قطعۂ زمین پر کسی درخت یا کسی بیل وغیرہ کا نام و نشان تک نہ رہے۔

آیت ۴۱ ﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝۴۱﴾ ''یا اس کا پانی گہرائی میں اتر جائے' پھر تم اس (پانی) کو کسی طرح حاصل نہ کر سکو۔''

اللہ تمہارے باغ پر کوئی آسمانی آفت نہ بھی بھیجے تو یوں بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے حکم سے اس کا زیرزمین پانی غیر معمولی گہرائی میں چلا جائے۔ اس کے نتیجے میں تمہارا بنایا ہوا نظام آب پاشی ختم ہوکر رہ جائے اور اس طرح پانی کے بغیر یہ باغ خود بخود ہی اجڑ جائے۔ یعنی حقیقی مسبّب الاسباب تو اللہ ہی ہے۔ اسی نے مختلف اسباب مہیا کر رکھے ہیں جس سے یہ کاروبارِ دنیا چل رہا ہے۔ وہ جب چاہے کسی سبب کو سلب کر لے یا اس کی ہیئت کو بدل دے اور اس کی وجہ سے یہ سارا نظام درہم برہم ہوکر رہ جائے۔ یہ معاملہ تو گویا شیش محل کی طرح کا ہے کہ ایک ہی پتھر اس کو چکنا چور کر کے رکھ دے گا۔

آیت ۴۲ ﴿وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ﴾ ''اور اُس کا سارا ثمر سمیٹ لیا گیا''

اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں دی گئی تھیں وہ سب اس سے سلب کر لی گئیں۔ باغ بھی اجڑ گیا اور اولاد بھی چھن گئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اللہ کا خاص مقرب بندہ تھا۔ مال دار شخص نے اسے اس کی ناداری کا طعنہ دیا تھا: ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴﴾ کہ مال و دولت میں بھی مجھے تم پر فوقیت حاصل ہے اور نفری میں بھی میں تم سے بڑھ کر ہوں۔ اس طعنے سے اللہ کے اس نیک بندے کا دل دُکھا ہوگا' جس کی سزا اسے فوری طور پر ملی اور اللہ نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ اس سلسلے میں ایک حدیث قدسی ہے: ((مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ))[1] ''جو شخص میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرے تو میری طرف سے اُس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے''۔ کسی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے: ؎

تا دلِ صاحب دلے نالد بہ درد ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد!

یعنی کسی صاحبِ دل ولی اللہ کے دل کو جب ٹھیس لگتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری قوم گرفت میں آجاتی ہے۔

﴿فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا﴾ ''تو وہ ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر جو کچھ اُس نے اس میں خرچ کیا تھا''

یقیناً ان باغوں کی منصوبہ بندی کرنے' پودے لگانے اور ان کی نشوونما کرنے میں اُس نے زرِ کثیر خرچ کیا تھا' مسلسل محنت کی تھی اور اپنا قیمتی وقت اس میں کھپایا تھا۔ اس کا یہ تمام سرمایہ آن کی آن میں نیست و نابود ہوگیا اور وہ اس کی بربادی پر کفِ افسوس ملنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔

﴿وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ ''اور وہ (باغ) گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر''

انگوروں کی بیلیں جن چھتریوں پر چڑھائی گئی تھیں وہ سب کی سب اوندھی پڑی تھیں۔

﴿وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝۴۲﴾ ''اور وہ کہہ رہا تھا: ہائے میری شامت' کاش میں نے اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔''

اس مال دار شخص کے مکالمے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار کو بھلا کر ظاہری اسباب اور مادی وسائل پر توکّل کر لیا تھا' اور یہی وہ شرک تھا جس کا خود اس نے یہاں اعتراف کیا ہے۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا مکمل نقشہ اس رکوع میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ شرک کی جدید قسم ہے جس کو پہچاننے اور جس سے محتاط رہنے کی آج ہمیں اشد

۱۔ صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب التواضع۔

ضرورت ہے۔(اس حوالے سے میری کتاب ''حقیقت واقسامِ شرک'' کا مطالعہ مفید رہے گا' جس میں شرک اور اس کی اقسام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔)

آیت ۴۳ ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾﴾ ''اور نہ ہوئی اُس کے لیے کوئی جماعت جو اللہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کو آتی اور نہ وہ خود ہی انتقام لینے والا بن سکا۔''

اللہ کے مقابلے میں بھلا کون اُس کی مدد کر سکتا تھا اور اس صورت حال میں وہ کس سے انتقام لے سکتا تھا؟

آیت ۴۴ ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ﴾ ''یہاں تو تمام اختیار اللہ ہی کا ہے جو الحق ہے۔''

ولایت کے معنی یہاں حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ ''والی'' کسی ملک یا علاقے کے مالک یا حکمران کو کہتے ہیں اور اسی سے یہ لفظ وَلایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) بنا ہے۔ اس لحاظ سے آیت کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ کُل کا کُل اقتدار واختیار اللہ کے لیے ہے جو ''الحق'' ہے۔ اسی مادہ سے لفظ ''ولی'' بھی ہے جس کے معنی دوست اور پشت پناہ کے ہیں۔ اسی مادّے سے وِلایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) بنا ہے اور یہ دوستی اور محبت کے معنی دیتا ہے۔ درج ذیل آیات میں اسی ولایت کا ذکر ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۵۷) اور ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ (یونس)

﴿هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾﴾ ''وہی بہتر ہے انعام دینے میں اور وہی بہتر ہے عاقبت کے اعتبار سے۔''

انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے۔

آیات ۴۵ تا ۴۹

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع ۱۸

آیت ۴۵ ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''اور بیان کیجیے ان کے لیے مثال دُنیا کی زندگی کی''

﴿كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ ''جیسے پانی کہ ہم نے اسے اتارا آسمان سے' پھر اس کے ساتھ مل جل کر نکل آیا زمین کا سبزہ''

﴿فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ﴾ ''پھر وہ ہو گیا چورا چورا' اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿۴۵﴾﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

سبزے کے اُگنے' اس کے نشوونما پانے اور پھر خشک ہو کر خس وخاشاک کی شکل اختیار کر لینے کے عمل کو انسانی زندگی کی مشابہت کی بنا پر یہاں بیان کیا گیا ہے۔ بارش کے برستے ہی زمین سے طرح طرح کے نباتات نکل آتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ جب یہ سبزہ اپنے جوبن پر ہوتا ہے تو بڑا خوش کن منظر پیش کرتا ہے۔ مگر پھر جلد ہی اس پر زردی چھانے لگتی ہے اور چند ہی دنوں میں لہلہاتا ہوا سبزہ خس وخاشاک کا ڈھیر بن جاتا ہے اور زمین پھر سے چٹیل میدان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ سبزے یا کسی فصل کے اُگنے' بڑھنے اور خشک ہونے کا یہ دورانیہ چند ہفتوں پر محیط ہو یا چند مہینوں پر' اس کی اصل حقیقت اور کیفیت بس یہی ہے۔

اس مثال کو مدِنظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو بالکل یہی کیفیت انسانی زندگی کی بھی ہے۔ جس طرح نباتاتی زندگی کا آغاز آسمان سے بارش کے برسنے سے ہوتا ہے اسی طرح روح کے نزول سے انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ انسانی روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے: ﴿قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵)۔ شکم مادر میں جسدِ خاکی کے اندر روح پھونکی گئی' بچہ پیدا ہوا' خوشیاں منائی گئیں' جوان اور طاقت ور ہوا' تمام صلاحیتوں کو عروج ملا' پھر ادھیڑ عمر کو پہنچا' جسم اور اس کی صلاحیتیں روز بروز زوال پذیر ہونے لگیں' بالوں میں سفیدی آ گئی' چہرے پر جھریاں پڑ گئیں' موت وارد ہوئی' قبر میں اتارا گیا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا۔ اس cycle کا دورانیہ مختلف افراد کے ساتھ مختلف سہی مگر انسانی زندگی کے آغاز و انجام کی حقیقت بس یہی کچھ ہے۔ چنانچہ انسان کو یہ بات کسی وقت نہیں بھولنی چاہیے کہ دنیا کا عرصۂ حیات ایک وقفۂ امتحان ہے جسے ہر انسان اپنے اپنے انداز میں گزار رہا ہے۔

آیت ۴۶ ﴿اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ ''مال اور بیٹے دُنیوی زندگی کی زینت ہیں۔''

اس سورت میں دُنیوی زندگی کی زیب و زینت کا ذکر یہاں تیسری مرتبہ آیا ہے۔ اس سے پہلے ہم آیت ۷ میں پڑھ آئے ہیں کہ روئے زمین کی آرائش و زیبائش اور تمام رونقیں انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی گئی ہیں: ﴿اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾﴾۔ پھر آیت ۲۸ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ﴾ کہ اے نبی (ﷺ) کہیں ان لوگوں کو یہ گمان نہ ہو کہ آپؐ کا مطلوب و مقصود بھی دُنیوی زندگی کی آرائش و زیبائش ہی ہے (معاذ اللہ!)۔ گویا یہ موضوع اس سورت کے مضامین کا عمود ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت ہر وقت ہمارے ذہن میں مستحضر رہنی چاہیے کہ یہ زندگی اور دُنیوی مال و متاع سب عارضی ہیں۔ یہاں کے رشتے ناطے اور تمام تعلقات بھی اسی چار روزہ زندگی تک محدود ہیں۔ انسان کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام رشتے اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور اللہ کی عدالت میں ہر انسان کو تن تنہا پیش ہونا ہوگا: ﴿وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾﴾ (مریم) وہاں نہ باپ اولاد کی مدد کرے گا' نہ بیٹا والدین کو سہارا دے گا' اور نہ بیوی شوہر کا ساتھ دے گی۔ اس دن کے محاسبے کا سامنا ہر شخص کو اکیلے ہی کرنا ہوگا۔

﴿وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾﴾ ''اور باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک' ثواب کے لحاظ سے بھی اور امید کے اعتبار سے بھی۔''

اس مختصر زندگی کی کمائی میں اگر کسی چیز کو بقا حاصل ہے تو وہ نیک اعمال ہیں۔ آخرت میں صرف وہی کام آئیں گے۔ چنانچہ دُنیوی مال واسباب سے امیدیں نہ لگاؤ' اولاد سے توقعات مت وابستہ کرو۔ یہ سب عارضی چیزیں ہیں جو تمہاری موت کے ساتھ ہی تمہارے لیے بے وقعت ہو جائیں گی۔ آخرت کا سہارا چاہیے تو نیک اعمال کا توشہ جمع کرو اور اسی پونجی سے اپنی امیدیں وابستہ کرو۔

آیت ۴۷ ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ﴾ ''اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو اور تم دیکھو گے زمین کو صاف چٹیل''

اب قیامت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ اُس دن پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے' زمین کے تمام نشیب وفراز ختم ہو جائیں گے اور پورا کُرۂ ارض ایک صاف چٹیل میدان کی شکل اختیار کر لے گا۔

﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۴۷﴾ ''اور ہم سب کو جمع کر لیں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک پیدا ہونے والے نوعِ انسانی کے تمام افراد کو اُس دن اکٹھا کر لیا جائے گا۔

آیت ۴۸ ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ﴾ ''اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کے سامنے صفیں باندھے ہوئے۔ (تب انہیں کہا جائے گا) آ گئے ہو نا ہمارے پاس' جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا!''

یہاں ''پہلی مرتبہ'' پیدا کرنے سے مراد عالمِ ارواح میں انسانی ارواح کی تخلیق ہے' جبکہ اس زمین پر جسم اور روح کے ملاپ سے کی جانے والی انسانی تخلیق دراصل تخلیق ثانی ہے۔ فرض کریں اس دنیا کی عمر پندرہ ہزار برس ہے' تو ان پندرہ ہزار برسوں میں وہ تمام انسان اس دنیا میں آ چکے ہیں جن کی ارواح اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھیں۔ ان تمام انسانوں کو قیامت کے دن پھر سے اکٹھا کر لیا جائے گا۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام انسان جیسے عالمِ ارواح میں بیک وقت ایک جگہ اکٹھے تھے' اسی طرح قیامت کے دن بھی میدانِ حشر میں سب کے سب بیک وقت موجود ہوں گے۔

﴿بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۴۸﴾ ''بلکہ تم نے تو سمجھ رکھا تھا کہ ہم تمہارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔''

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو قرآن کے الفاظ میں ﴿اَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ (وہ لوگ جنہیں ہماری ملاقات کی امید نہیں) کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسے لوگ جب اللہ ربّ العالمین کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں ان کا وعدۂ الست ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ﴾ (الاعراف:۱۷۲) بھی یاد دلایا جائے گا' کہ تم لوگوں نے مجھے اپنا رب تسلیم کیا تھا' پھر تم دنیا کی زندگی میں اس حقیقت کو بالکل ہی بھول گئے کہ تم نے واپس ہمارے پاس بھی آنا ہے۔ تمہیں گمان تک نہیں تھا کہ ہم تمہارے لیے اپنے سامنے پیشی کا کوئی وقت مقرر کریں گے۔

آیت ۴۹ ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ ''اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ''

یہ پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کی زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک عمل کی تفصیل پر مشتمل ریکارڈ ہوگا۔ گویا یہ ایک

بہت بڑا کمپیوٹر سسٹم ہے جو کسی جگہ پر نصب کیا گیا ہے اور وہاں سے لا کر میدانِ حشر میں رکھ دیا جائے گا۔ آج سے سو برس پہلے تو ایسی تفصیلات کو تسلیم کرنے کے لیے صرف ایمان بالغیب کا ہی سہارا لینا پڑتا تھا مگر آج کے دور میں اس سب کچھ پر یقین کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ آج ہم انسان کے بنائے ہوئے کمپیوٹر کے کمالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اپنے معمولاتِ زندگی میں ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ آج جب ہم ایک بٹن جتنی جسامت کی chip میں مفصل معلومات پر مشتمل ریکارڈ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ ڈیٹا بیس (اَلْکِتٰب) کے بارے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اس میں کس طرح ایک ایک فرد کی ایک ایک حرکت کی ریکارڈنگ محفوظ ہو گی اور پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگے گی کہ اس کا پرنٹ متعلقہ فرد کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔

﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ﴾ ''چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہو گا''

مجرم لوگ اپنی کتابِ زندگی کے اندراجات سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ﴾ ''اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو' مگر اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔''

﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹﴾ ''اور وہ پائیں گے جو عمل بھی انہوں نے کیا ہو گا اُسے موجود۔ اور آپ کا رب ظلم نہیں کرے گا کسی پر بھی۔''

آیات ۵۰ تا ۵۳

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ ع

آیت ۵۰ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ سجدہ کرو آدمؑ کو' تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہ کیا)۔''

یہاں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کی مشابہت کے سلسلے میں یہ اہم بات نوٹ کیجئے کہ سورۃ الکہف کے ساتویں رکوع کی پہلی آیت کے الفاظ بعینہٖ وہی ہیں جو سورۂ بنی اسرائیل کے ساتویں رکوع کی پہلی آیت کے ہیں۔ حضرت آدمؑ اور ابلیس کا یہ قصہ قرآن مجید میں سات مقامات پر بیان ہوا ہے۔ باقی چھ مقامات پر تو اس کا ذکر نہیں مگر یہاں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ابلیس جنّات میں سے تھا:

﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ﴾ ''وہ جنّات میں سے تھا' چنانچہ اُس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔''

یہاں پر ''فَ'' علت کو ظاہر کر رہا ہے کہ چونکہ وہ جِنّات میں سے تھا اس لیے نافرمانی کا مرتکب ہوا۔ ورنہ فرشتے کبھی اپنے رب کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶﴾ (التحریم) ''وہ (فرشتے) اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے وہ جو بھی حکم انہیں دے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ﴾ ''تو کیا تم بناتے ہو اُسے اور اُس کی اولاد کو دوست میرے سوا' درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟''

اے اولادِ آدمؑ! ذرا سوچو تم مجھے چھوڑ کر اس ابلیس کو اپنا ولی اور کارساز بناتے ہو جس نے یوں میری نافرمانی کی تھی۔ تمہارا خالق اور مالک مَیں ہوں' مَیں نے تمہیں اشرف المخلوقات کے مرتبے پر فائز کیا' مَیں نے فرشتوں کو تمہارے سامنے سرنگوں کیا' تمہیں خلافتِ ارضی سے نوازا' اور تم ہو کہ میرے مقابلے میں ابلیس اور اس کی صُلبی و معنوی اولاد سے دوستیاں گانٹھتے پھرتے ہو' جبکہ فی الواقع وہ تمہارے دشمن ہیں۔

﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰﴾ ''کیا ہی بُرا بدل ہے ان ظالموں کے لیے!''

اللہ کو چھوڑ کر اپنے دشمن شیطان اور اس کے چیلوں کی رفاقت اختیار کر کے ان ظالموں نے اپنے لیے کس قدر بُرا بدل اختیار کر رکھا ہے۔

آیت ۵۱ ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠﴾ ''مَیں نے انہیں گواہ نہیں بنایا تھا آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا اور نہ ہی ان کی اپنی تخلیق کا''

﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱﴾ ''اور مَیں بہکانے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہ تھا۔''

یہ جو تم شیطان اور اس کے گروہ کو میرے برابر لا رہے ہو اور مجھے چھوڑ کر انہیں اپنا دوست بنا رہے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ زمین و آسمان کی تخلیق اور خود اپنی تخلیق کے موقع کے گواہ نہیں ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ﴾ ''اور جس دن وہ کہے گا کہ پکارو میرے اُن شریکوں کو جن کا تمہیں زعم تھا''

﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲﴾ ''تو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت (کی گھاٹی) حائل کر دیں گے۔''

یہ شریک ٹھہرائی جانے والی شخصیات چاہے انبیاء ہوں' اولیاء اللہ ہوں یا فرشتے' روزِ قیامت ان کے اور انہیں شریک ماننے والوں کے درمیان ہلاکت خیز خلیج حائل کر دی جائے گی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ان کی مدد کو نہیں آ سکتے۔

آیت ۵۳ ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳﴾ ''اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے اور جان جائیں گے کہ وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں اور وہ نہیں پائیں گے اس سے بچنے کی کوئی جگہ۔''

آیات ۵۴ تا ۵۹

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾
وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۚ
وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ مَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

آیت ۵۴ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کر دی ہیں اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی مثالیں۔''

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل میں بھی (آیت ۸۹) موجود ہے۔

﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾﴾ ''لیکن انسان تمام مخلوق سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔''

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۹ کے پہلے حصے کے الفاظ جوں کے توں وہی ہیں جو اس آیت کے پہلے حصے کے ہیں' صرف لفظوں کی ترتیب میں معمولی سا فرق ہے۔ البتہ دونوں آیات کے آخری حصوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کا آخری حصہ یوں ہے: ﴿فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾﴾ ''مگر اکثر لوگ کفرانِ نعمت پر ہی اڑے رہتے ہیں۔''

آیت ۵۵ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ﴾ ''اور نہیں روکا لوگوں کو (کسی چیز نے) جب ان کے پاس ہدایت آ گئی کہ وہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے مغفرت مانگیں''

اس آیت کی مشابہت سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۹۴ کے ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے پہلے حصوں کے الفاظ ہو بہو ایک جیسے ہیں۔

﴿اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ ''مگر یہ کہ اُن سے پہلوں کا طریق برتا جائے''

یہ لوگ جو ہدایت آ جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لا رہے اور اللہ کے حضور استغفار نہیں کر رہے ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ان کے لیے بھی پہلی قوموں کا سا انجام لکھا جا چکا ہے۔

﴿اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾﴾ ''یا عذاب اُن کے سامنے آ موجود ہو۔''

آیت ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ﴾ ''اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے (بنا کر)''

یہ مضمون جو یہاں سب رسولوں کے متعلق جمع کے صیغے میں آیا ہے' سورۂ بنی اسرائیل میں حضور ﷺ کے لیے صیغۂ واحد میں یوں آیا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر مبشر اور نذیر بنا کر۔''

﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ ''اور یہ کافر لوگ جھگڑتے ہیں جھوٹ کی طرف سے تاکہ بچلا دیں اس کے ساتھ حق کو''

یہ لوگ باطل کے ساتھ کھڑے ہو کر حق کو شکست دینے کے لیے مناظرے اور کٹ حجتیاں کر رہے ہیں۔

﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾﴾ ''اور انہوں نے میری آیات کو اور (اس چیز کو) جس کے ساتھ انہیں خبردار کیا گیا تھا مذاق بنا لیا ہے۔''

آیت ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے نصیحت کی گئی ہو اُس کے رب کی آیات کے ذریعے' تو اس نے اعراض کیا اُن سے اور وہ بھول گیا کہ کیا آگے بھیجا ہے اُس کے دونوں ہاتھوں نے۔''

بجائے ایمان لانے کے اور اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنے کے اس نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کی روش اپنائے رکھی۔ اس ضد اور ہٹ دھرمی میں وہ اپنے اعمال کے اس جھاڑ جھنکاڑ کو بھی بھول گیا جو اُس نے اپنی آخرت کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ﴾ ''یقیناً ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (ڈال دیا) ہے۔''

یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں اس طرح آ چکا ہے: ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾﴾ ''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے لوگوں کے درمیان پردہ حائل کر دیتے ہیں۔''

﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اگرچہ آپ بلائیں انہیں ہدایت کی طرف تب بھی وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔''

کیونکہ حق واضح ہو جانے کے بعد ان کی مسلسل ہٹ دھرمی کے سبب ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں اور اس طرح وہ اللہ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی آخری دفعہ کی زد میں آ چکے ہیں جس کے تحت جان بوجھ کر حق سے اعراض کرنے والے کو ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

آیت ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ﴾ ''اور آپ کا رب بہت بخشنے والا' بہت رحمت والا ہے۔ اگر وہ مواخذہ کرتا ان کا بسبب ان کے اعمال کے تو بہت جلدی بھیج دیتا ان پر عذاب۔''

یہ مضمون سورۃ النحل' آیت ۶۱ اور سورۂ فاطر' آیت ۴۵ میں بھی بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم اور بُرے اعمال کے سبب ان کا مؤاخذہ کرتا تو روئے زمین پر کوئی متنفس زندہ نہ بچتا۔

﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝۵۸﴾ ''بلکہ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت معیّن ہے اور وہ ہرگز نہیں پائیں گے اس کے سوا بچنے کی کوئی جگہ۔''

جب کسی کے وعدے کی مقررہ گھڑی (اجل) آ پہنچے گی تو اسے کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی اور اس کے لیے اس سے سرک کر اِدھر اُدھر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی: ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱﴾ (النحل) ''پھر جب آ جاتا ہے اُن کا وقت معیّن تو نہ وہ پیچھے رہ سکتے ہیں ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

آیت ۵۹ ﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ ''اور یہ ہیں وہ بستیاں جن (کے باسیوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم اختیار کیا''

اَحقاف میں آباد قوم عاد کے افراد ہوں یا علاقۂ حجر کے باشندے' اَصحابُ الایکہ ہوں یا عامورہ اور سدوم کے باسی' سب اسی قانونِ الٰہی کے مطابق ہلاکت سے دوچار ہوئے۔

﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹﴾ ''اور ہم نے مقرر کر دیا تھا ان کی ہلاکت کے لیے وعدے کا ایک وقت۔''

وعدے کے اس طے شدہ وقت سے پہلے کسی قوم یا بستی پر کبھی کوئی عذاب نہیں آیا۔

آیات ۶۰ تا ۸۲

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰ فَلَمَّا بَلَغَا
مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۱ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا
غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝۶۲ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ
نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَ مَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝۶۳
قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝۶۴ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝۶۵ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ
مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝۶۶ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۶۷ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ
بِهٖ خُبْرًا ۝۶۸ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝۶۹ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ
فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝۷۰ ع فَانْطَلَقَا ۟ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ
خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝۷۱ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ
تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۷۲ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝۷۳

فَانْطَلَقَا ۖ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۖ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاۗءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

الجزء الثامن عشر (۱۸)

ان دو رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے اور قدیم اسرائیلی روایات میں بھی، جن میں سے بہت سی روایات قرآن کے بیان سے مطابقت بھی رکھتی ہیں۔ بہرحال ان روایات سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ فلاں جگہ جائیں، وہاں پر آپ کو ہمارا ایک صاحبِ علم بندہ ملے گا، آپ کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہ کر اس کے علم سے استفادہ کریں۔ ممکن ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ابتدائی زمانہ ہو اور اس طریقے سے آپ کی تربیت مقصود ہو، جس طرح بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے لیے ایک فرشتہ تین سال تک مسلسل آپ کے ساتھ رہا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندے کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں قطعی معلومات دستیاب نہیں۔ اس ضمن میں ایک رائے تو یہ ہے کہ وہ ایک فرشتہ تھے، جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق وہ انسان ہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت لمبی عمر دے رکھی ہے۔ یعنی جیسے جنوں میں سے ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا کر رکھی ہے ایسے ہی اُس نے انسانوں میں سے اپنے ایک نیک اور برگزیدہ بندے کو بھی بہت طویل عمر سے نوازا ہے اور ان کا نام حضرت خضر ہے۔ (واللہ اعلم!)

روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی وقت یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید مجھے روئے زمین کے تمام انسانوں سے بڑھ کر علم عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۝﴾ آپ کو ہدایت فرمائی کہ آپ فلاں جگہ ہمارے ایک بندۂ خاص سے ملاقات کریں اور کچھ عرصہ اُس کے ساتھ رہ کر اُس سے علم و حکمت سیکھیں۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ اپنے نوجوان ساتھی حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے۔

آیت ۶۰ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰﴾ ''اور یاد کرو جب موسیٰ

نے اپنے نوجوان (ساتھی) سے کہا کہ میں (چلنا) نہیں چھوڑوں گا' یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں یا مَیں برسوں چلتا ہی رہوں گا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو بتایا گیا تھا کہ وہ شخص مجمع البحرین (دو دریاؤں کے سنگم) پر ملے گا۔ مجمع البحرین کے اس مقام کے بارے میں بھی مفسرین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ بحیرۂ احمر (Red Sea) کے شمالی کونے سے نکلنے والی دو کھاڑیوں (خلیج سویز اور خلیج عقبہ) کے مقامِ اتصال کو مجمع البحرین کہا گیا ہے' جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق (اور یہ رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے) یہ مقام دریائے نیل پر واقع ہے۔ دریائے نیل دو دریاؤں یعنی النیل الازرق اور النیل الابیض سے مل کر بنا ہے۔ یہ دونوں دریا سوڈان کی طرف سے مصر میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک دریا کے پانی کا رنگ نیلا ہے جبکہ دوسرے کا سفید ہے (پاکستان میں بھی اٹک کے مقام پر دریائے سندھ کے صاف پانی اور دریائے کابل کے گدلے پانی کا ملاپ ایسا ہی منظر پیش کرتا ہے)۔ چنانچہ اس رائے کے مطابق جس مقام پر یہ دونوں دریا مل کر ایک دریا (مصر کے دریائے نیل) کی شکل اختیار کرتے ہیں اس مقام کو مجمع البحرین کہا گیا ہے اور یہ مقام خرطوم کی سرحد کے آس پاس ہے۔

آیت ۶۱ ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا﴾ ''پھر جب وہ دونوں پہنچ گئے دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر''

﴿نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۱﴾ ''تو وہ اپنی مچھلی کو بھول گئے اور اس (مچھلی) نے اپنا راستہ بنا لیا تھا دریا میں سرنگ کی طرح۔''

یہ بُھنی ہوئی مچھلی تھی جس کو وہ کھانے کی غرض سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس مچھلی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی بنایا گیا تھا اور انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ جس مقام پر یہ مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے گی اسی جگہ مطلوبہ شخصیت سے ان کی ملاقات ہوگی۔ چنانچہ مجمع البحرین کے قریب پہنچ کر وہ مچھلی زندہ ہو کر ان کے توشہ دان سے باہر آئی اور اُس نے سرنگ سی بنا کر دریا میں اپنی راہ لی۔ اس منظر کو حضرت یوشع بن نون نے دیکھا بھی مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

آیت ۶۲ ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝۶۲﴾ ''پھر جب وہ دونوں (وہاں سے) آگے نکل گئے تو موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب ہمارا ناشتہ لے آؤ' اپنے اس سفر سے تو ہمیں بہت تکان ہوگئی ہے۔''

یہاں مفسرین نے ایک بہت اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ آپؑ کو تھکاوٹ اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ آپؑ مطلوبہ مقام سے آگے نکل گئے تھے۔ ورنہ اس مقام تک پہنچنے میں آپؑ کو کسی قسم کی تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوا تھا۔

آیت ۶۳ ﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫﴾ ''اُس (نوجوان) نے کہا: دیکھئے' جب ہم ٹھہرے تھے چٹان کے پاس تو مَیں بھول گیا مچھلی کو (نگاہ میں رکھنا)''

﴿وَمَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝۶۳﴾ ''اور نہیں مجھے بھلائے رکھا مگر شیطان نے کہ مَیں (آپؑ سے) اس کا ذکر کروں' اور اُس نے تو بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح سے۔''

یعنی اس جگہ وہ مچھلی زندہ ہو کر عجیب طریقے سے دریا میں چلی گئی تھی۔

آیت ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: یہی تو تھا جس کی ہمیں تلاش تھی!''

یہی تو ہمیں نشانی بتائی گئی تھی کہ جس جگہ مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے گی اس جگہ پر اللہ کے اس بندے سے ہماری ملاقات ہوگی۔ چنانچہ چلو اب واپس اسی جگہ پر پہنچیں۔

﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾﴾ ''پس وہ دونوں واپس لوٹے اپنے نقوشِ پا کو دیکھتے ہوئے۔''

واپس اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے وہ عین اسی جگہ پر آ گئے جہاں چٹان کے پاس مچھلی زندہ ہو کر دریا میں کود گئی تھی۔

آیت ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾﴾ ''تو پایا انہوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو جسے ہم نے رحمت عطا کی تھی اپنی طرف سے اور اُسے سکھایا تھا ایک علم خاص اپنے پاس سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے اپنے خاص خزانۂ فیض سے اسے خصوصی علم عطا کر رکھا تھا۔ ''علمِ لدُنّی'' کی اصطلاح یہیں سے اخذ کی گئی ہے۔ لَدُن کے معنی قریب یا نزدیک کے ہیں۔ چنانچہ علمِ لدُنّی سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے کسی کو عطا کر دے۔ یعنی ایک علم تو وہ ہے جو انسان اپنے حواسِ خمسہ کے ذریعے سے باقاعدہ محنت و مشقت کے عمل سے گزر کر حاصل کرتا ہے' جیسے مدارسِ عربیہ میں صَرف و نحو' تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ علوم حاصل کیے جاتے ہیں' یا سکول و کالج میں متداول عمرانی و سائنسی علوم سیکھے جاتے ہیں' لیکن علم کی ایک قسم وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ براہِ راست کسی انسان کے دل میں ڈال دیتا ہے اور اُس کو اُس کی تحصیل کے لیے کوئی مشقت وغیرہ بھی نہیں اٹھانی پڑتی۔

آیت ﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾﴾ ''موسیٰؑ نے اُس سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ آپ مجھے سکھائیں اُس میں سے جو بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے؟''

مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے آپ کو خاص حکمت اور دانائی عطا کر رکھی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہوں اور آپ مجھے بھی اس علمِ خاص میں سے کچھ سکھا دیں۔

آیت ﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾﴾ ''اُس نے کہا: میرے ساتھ (رہ کر) آپؑ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔''

آیت ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰي مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾﴾ ''اور آپؑ کیسے صبر کریں گے اُس چیز پر جس کی آپ کو پوری پوری خبر نہیں!''

میرے ساتھ رہ کر آپ کو میرے کام بڑے عجیب لگیں گے اور آپ صبر نہیں کر پائیں گے' کیونکہ اُن کاموں کی حقیقی غرض و غایت کے بارے میں آپ کو پوری طرح آگاہی حاصل نہیں ہوگی۔ جو باتیں آپ کے دائرۂ علم سے باہر ہوں گی ان پر آپ کیسے صبر کر پائیں گے!

آیت ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے' اور میں خلاف ورزی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔''

یہاں پر ایک اہم نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ جب صبر کرنے کی بات ہوئی تو اس کے ساتھ حضرت موسیٰؑ نے ان شاء اللہ کہا' لیکن

نافرمانی نہ کرنے کے وعدے کے ساتھ 'ان شاء اللہ' نہیں کہا۔ چنانچہ بعد میں ہم دیکھیں گے کہ اسی وعدے کی خلاف ورزی آپؑ سے ہوئی جس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا گیا تھا۔ اس حوالے سے اسی سورت کا وہ حکم بھی ذہن میں رکھیے جس میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾﴾ ''اور کسی چیز کے بارے میں یہ کبھی نہ کہا کریں کہ میں کل یہ کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ چاہے' اور اپنے رب کو یاد کر لیا کیجیے جب آپؑ بھول جائیں اور کہیے کہ ممکن ہے میرا رب میری راہنمائی کر دے اس سے زیادہ بھلائی کی راہ کی طرف۔''

آیت ۷۰ ﴿قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾﴾ ''اُس نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو کسی چیز کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھنا یہاں تک کہ مَیں خود ہی آپ کو اس کے بارے میں بتا دوں۔''

بس آپ میرے ساتھ ساتھ رہیں اور میں جو کچھ کروں یا میرے ساتھ جو کچھ ہو آپ خاموشی سے اس کا مشاہدہ کرتے رہیں' مگر کسی چیز کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔ میں جب مناسب سمجھوں گا اُن تمام چیزوں کی حقیقت اور تفصیل آپ کو بتا دوں گا جو آپ کے مشاہدے میں آئی ہوں گی۔

آیت ۷۱ ﴿فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ﴾ ''پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب وہ دونوں سوار ہوئے ایک کشتی میں' تو اُس نے اس (کشتی) میں شگاف ڈال دیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سوال نہ کرنے والی شرط تسلیم کر لی اور یوں وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ دریا پار کرنے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں (اُن کو صاحبِ موسیٰ کہیں یا حضرت خضر کہیں) نے بیٹھتے ہی کشتی کا ایک تختہ اُکھاڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو آپؑ کہاں خاموش رہنے والے تھے' فوراً ان کو ٹوک دیا۔

﴿قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: کیا آپ نے اسے پھاڑ ڈالا ہے تاکہ غرق کر دیں اس کے تمام سواروں کو؟ یہ تو آپ نے بہت ہی غلط کام کیا ہے۔''

آیت ۷۲ ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾﴾ ''اُس نے کہا: مَیں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟''

اس قصہ میں مذکور تین واقعات کے حوالے سے ایک اہم بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے جن احکام کے مطابق اس کائنات کا نظام چل رہا ہے' ان کی حیثیت تشریعی (شریعت سے متعلق) نہیں بلکہ تکوینی (کائنات کے انتظامی امور سے متعلق) ہے۔ ان احکام کی تنفیذ کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے یہ بھی ہے کہ اس مقصد کے لیے اولیاء اللہ کی ارواح کو بھی ملائکہ کے طبقۂ اَسفل میں شامل کر دیا جاتا ہے اور وہ بھی فرشتوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ میں حصّہ لیتے ہیں۔ بہرحال ان تکوینی احکام کی تعمیل کے نتیجے میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں ہم ان کے صرف ظاہری پہلوؤں کو ہی دیکھ سکتے ہیں۔ کسی واقعہ کے پیچھے اللہ کی مشیت کیا ہے؟ اس کا ادراک ہم نہیں کر سکتے۔ ضروری نہیں کہ کوئی واقعہ یا کوئی چیز بظاہر جیسے دکھائی دے اس

کی حقیقت بھی ویسی ہی ہو۔ ممکن ہے ہم کسی چیز کو اپنے لیے بُرا سمجھ رہے ہوں مگر اس کے اندر ہمارے لیے خیر ہو اور جس چیز کو اچھا سمجھ رہے ہوں، وہ حقیقت میں اچھی نہ ہو۔ سورۃ البقرۃ میں ہم یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو بُرا سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بُری ہو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو تفویض الامر کا رویہ اپنانا چاہیے کہ اے اللہ! میرا معاملہ تیرے سپرد ہے، میرے لیے جو تُو پسند کرے گا میں اسی پر راضی رہوں گا، کیونکہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے: ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ﴾ (آل عمران:۲۶)

آیت ۷۳ ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: آپ میرا مؤاخذہ نہ کیجیے میرے بُھول جانے پر اور نہ ہی میرے معاملے میں زیادہ سختی کیجیے۔''

میں بُھول گیا تھا کہ آپ سے میں نے سوال نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے، لہٰذا آپ میری اس بھول کی وجہ سے میرا مؤاخذہ نہ کریں اور درگزر سے کام لیں۔

آیت ۷۴ ﴿فَانْطَلَقَا ۠ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ﴾ ''پھر وہ دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ اُن کی ملاقات ہوئی ایک لڑکے سے تو اُس (خضر) نے اُس کو قتل کر دیا''

﴿قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: کیا آپ نے قتل کر دیا ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے (بدلے کے)؟''

اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، کسی کا خون نہیں بہایا تھا، پھر بھی آپ نے اسے قتل کر دیا!

﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴾ ''یہ تو آپ نے بہت ہی نامعقول حرکت کی ہے۔''

آیت ۷۵ ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ ''اُس (خضر) نے کہا: کیا مَیں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟''

آیت ۷۶ ﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: اگر مَیں آپ سے سوال کروں کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔''

ایک دفعہ پھر آپ میری اس بھول کو نظر انداز کر دیں، لیکن اگر تیسری مرتبہ ایسا ہوا تب بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیں۔

﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴾ ''آپ پہنچ چکے ہیں میری طرف سے حدِ عذر کو۔''

یعنی آپ کی طرف سے مجھ پر حُجت قائم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس کے بعد آپ مجھے ساتھ نہ رکھنے کے بارے میں عذر کر سکتے ہیں۔

آیت ۷۷ ﴿فَانْطَلَقَا ۠ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ ۙ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا﴾ ''پھر وہ دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب پہنچے ایک بستی کے لوگوں کے پاس تو انہوں نے کھانا مانگا بستی والوں سے''

کہ ہم مسافر ہیں، بھوکے ہیں، ہمیں کھانا چاہیے۔

﴿فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا﴾ ''تو انہوں نے انکار کر دیا اُن دونوں کی مہمان نوازی سے''

اس بستی کے باشندے کچھ ایسے کٹھور دل تھے کہ پوری بستی میں سے کسی ایک شخص نے بھی انہیں کھانا کھلانے کی حامی نہ بھری۔

﴿فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ﴾ ''تو اُن دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی تو اُس (خضر) نے اسے سیدھا کر دیا۔''

﴿قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے۔''

یہ ایسے ناہنجار لوگ ہیں کہ انہوں نے ہمیں کھانا تک کھلانے سے انکار کر دیا تھا اور آپ نے بغیر کسی معاوضے کے ان کی دیوار مرمت کر دی ہے۔ بہتر ہوتا اگر آپ اس کام کی کچھ اجرت طلب کرتے اور اس کے عوض ہم کھانا ہی کھا لیتے۔

آیت ۷۸ ﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾﴾ ''اُس (خضر) نے کہا: بس اب یہ جُدائی (کا وقت) ہے میرے اور آپ کے درمیان' اب میں آپ کو بتائے دیتا ہوں اصل حقیقت ان چیزوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔''

آیت ۷۹ ﴿اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ﴾ ''جہاں تک اُس کشتی کا معاملہ ہے تو وہ غریب لوگوں کی (ملکیت) تھی جو محنت کرتے تھے دریا میں''

وہ بہت غریب اور نادار لوگ تھے' صرف وہ کشتی ہی ان کے معاش کا سہارا تھی۔ اس کے ذریعے وہ لوگوں کو دریا کے آر پار لے جاتے اور اس مزدوری سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔

﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾﴾ ''تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں' اور اُن کے آگے ایک بادشاہ تھا جو پکڑ رہا تھا ہر کشتی کو زبردستی۔''

بادشاہ ہر اُس کشتی کو اپنے قبضے میں لے لیتا تھا جو صحیح وسالم ہوتی تھی۔ ان نادار لوگوں کی کشتی بھی اگر بے عیب ہوتی تو بادشاہ ان سے زبردستی چھین لیتا۔ چنانچہ میں نے اس کا ایک تختہ توڑ کر اسے عیب دار کر دیا۔ اب جب بادشاہ اس عیب دار کشتی کو دیکھے گا تو اسے چھوڑ دے گا اور اس طرح ان کی روزی کا واحد سہارا اُن سے نہیں چھنے گا۔ پوری کشتی چھن جانے کے مقابلے میں ایک تختے کا ٹوٹ جانا تو معمولی بات ہے۔ اس تختے کی وہ لوگ آسانی سے مرمت کر لیں گے اور یوں وہ کشتی ان کی روزی کا ذریعہ بنی رہے گی۔ لہٰذا وہ تختہ ان لوگوں کی بھلائی کے لیے توڑا گیا تھا نہ کہ کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے۔

آیت ۸۰ ﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾﴾ ''رہا وہ لڑکا! تو اُس کے والدین دونوں مؤمن تھے' تو ہمیں خدشہ ہوا کہ وہ سرکشی اور ناشکری سے ان پر تعدّی کرے گا۔''

حضرت خضر کو اپنے خاص علم کی بنا پر معلوم ہوا ہوگا کہ اس بچے کے genes اچھے نہیں ہیں اور بڑا ہو کر اپنے والدین کے لیے سوہانِ روح ثابت ہوگا اور سرکشی اور ناشکری کی روش اختیار کر کے ان کو عاجز کر دے گا۔

آیت ۸۱ ﴿فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾﴾ ''پس ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو بدلے میں دے ان کا رب اس سے بہتر (اولاد) پاکیزگی میں اور قریب تر شفقت میں۔''

بچے کے والدین چونکہ نیک اور صالح لوگ تھے اس لیے ان کے رب نے چاہا کہ اس بچے کی جگہ انہیں ایک ایسا فرزند عطا فرمائے جو پاکیزہ نفسی و پرہیزگاری میں اس سے بہتر اور مروّت و دردمندی میں اس سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ وقتی طور پر تو بچے کے فوت ہونے سے والدین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہوگا لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ ان کی بہتری کے لیے ہی کیا گیا تھا۔

آیت ۸۲ ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ﴾ ''اور رہی وہ دیوار! تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی' اور اس کے نیچے خزانہ تھا اُن دونوں کے لیے' اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا۔''

باپ نے جب دیکھا ہوگا کہ میرا آخری وقت قریب آ لگا ہے اور میرے بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں تو اس نے اپنی ساری پونجی اکٹھی کر کے دیوار کی بنیاد میں دفن کر دی ہوگی' اس امید پر کہ جب وہ بڑے ہوں گے تو نکال لیں گے۔ لیکن اگر وہ دیوار وقت سے پہلے ہی گر جاتی تو اس بستی کے ناہنجار لوگ جو کسی مسافر کو کھانا کھلانے کے بھی روادار نہیں' ان یتیموں کا دفینہ لوٹ کر لے جاتے۔

﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ﴾ ''لہٰذا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور نکال لیں اپنا خزانہ''

باپ چونکہ نیک آدمی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیوار کی مرمت کا اہتمام کر کے اس کے کمسن یتیم بچوں کی بھلائی کا سامان کیا گیا۔

﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ﴾ ''(یہ سب امور) آپ کے رب کی رحمت سے (طے ہوئے) تھے' اور مَیں نے اپنی رائے سے انہیں سرانجام نہیں دیا۔''

یعنی یہ تمام امور اللہ کی رحمت کا مظہر تھے۔ یہ اللہ ہی کے فیصلے تھے اور اسی کے حکم سے ان کی تنفیذ و تعمیل کی گئی۔ میں نے اپنی مرضی سے ان میں سے کچھ بھی نہیں کیا۔ ان امور کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ کرنے والے اللہ کے وہ بندے حضرت خضر تھے' کوئی اور ولی اللہ تھے یا کوئی فرشتہ تھے' اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اس سارے واقعہ میں اصل بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ایسے تمام بندے کارکنانِ قضا و قدر کی فوج کے سپاہی ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے جن احکام کی تنفیذ کر رہے ہیں ان کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ تکوینی امور سے ہے۔ دنیا میں جو واقعات و حادثات رونما ہوتے ہیں ہم صرف ان کے ظاہری پہلو کو دیکھ کر ہی ان پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں یا دل گرفتہ ہوتے ہیں۔ بہرحال ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے اس میں خیر اور بھلائی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے تمام معاملات میں ''تفویض الامر'' کا رویہ اپناتے ہوئے راضی برضائے ربّ رہنا چاہیے کہ: ع ''ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است!''

﴿ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲﴾ ''یہ ہے اصل حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔''

آیات ۸۳ تا ۱۰۱

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝۸۴ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ

فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۚ الْحُسْنٰی ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىٕذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَ كَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ ع ۱۵

اس رکوع میں ذوالقرنین کے بارے میں یہودِ مدینہ کے سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک اکثر مفسرین ذوالقرنین سے ناواقف تھے۔ چنانچہ تیرہ سو سال تک عام طور پر سکندرِ اعظم ہی کو ذوالقرنین سمجھا جاتا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں ذوالقرنین کی فتوحات کا ذکر جس انداز میں ہوا ہے یہ انداز سکندرِ اعظم کی فتوحات سے ملتا جلتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذوالقرنین کی سیرت کا وہ نقشہ جو قرآن نے پیش کیا ہے اس کی سکندرِ اعظم کی سیرت کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔

بہرحال جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ذوالقرنین قدیم ایران کے بادشاہ کیخورس یا سائرس کا لقب تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب ایران کے علاقے میں دو الگ الگ خودمختار مملکتیں قائم تھیں۔ ایک کا نام پارس تھا جس سے ''فارس'' کا لفظ بنا ہے اور دوسرے کا نام ''مادا'' تھا۔ کیخورس یا سائرس نے ان دونوں مملکتوں کو ملا کر ایک ملک بنا دیا اور یوں سلطنت ایران کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔ دو مملکتوں کے فرمانروا ہونے کی علامت کے طور پر اُس نے اپنے تاج میں دو سینگ لگا رکھے تھے اور اس طرح اس کا لقب ذوالقرنین (دو سینگوں والا) پڑ گیا۔

آیت ۸۳ ﴿وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾﴾ ''اور یہ لوگ آپؐ سے ذُوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپؐ کہیے کہ ابھی مَیں آپ لوگوں کو اس کا حال بتاتا ہوں۔''

ذوالقرنین کے بارے میں جدید تحقیق کو اہلِ علم کے حلقے میں متعارف کرانے کا سہرا مولانا ابوالکلام آزادؒ کے سر ہے۔ انہوں

نے اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قدیم ایران کا بادشاہ کیخورس یا سائرس ہی ذوالقرنین تھا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تحقیق کی بنیاد ان معلومات پر ہے جو شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کے دور میں ایک کھدائی کے دوران دستیاب ہوئی تھیں۔ اس کھدائی کے دوران اس عظیم فاتح بادشاہ کا ایک مجسمہ بھی دریافت ہوا تھا اور مقبرہ بھی۔ اس کھدائی سے ملنے والی معلومات کی بنیاد پر رضا شاہ پہلوی نے اُس کی ڈھائی ہزار سالہ برسی منانے کا خصوصی اہتمام کیا تھا۔ دریافت شدہ مجسمے کے سر پر جو تاج تھا اس میں دو سینگ بھی موجود تھے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایران کا یہی بادشاہ (کیخورس یا سائرس) تھا جو تاریخ میں ذوالقرنین کے لقب سے مشہور ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں نے خصوصی طور پر یہ سوال کیوں پوچھا تھا اور ذوالقرنین کی شخصیت میں اُن کی اس دلچسپی کا سبب کیا تھا؟ اس سوال کا جواب ہمیں بنی اسرائیل کی تاریخ سے ملتا ہے۔ جب ۵۸۷ قبل مسیح میں عراق کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کر کے یروشلم کو تباہ کیا تو اس شہر کی اکثریت کو تہ تیغ کر دیا گیا اور زندہ بچ جانے والوں کو وہ اپنی فوج کے ساتھ بابل (Babilonia) لے گیا' جہاں یہ لوگ ڈیڑھ سو سال تک اسیری کی حالت میں رہے۔

جب ایران کے بادشاہ کیخورس یا سائرس (آئندہ سطور میں انہیں ''ذوالقرنین'' ہی لکھا جائے گا) نے ایران کو متحد کرنے کے بعد اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا تو سب سے پہلے عراق کو فتح کیا۔ مشرقِ وسطیٰ کے موجودہ نقشے کو ذہن میں رکھا جائے تو فلسطین' اسرائیل' شرق اردن' مغربی کنارہ اور لبنان کے ممالک پر مشتمل پورے علاقے کو اُس زمانے میں شامِ عرب یا شام اور اس سے مشرق میں واقع علاقے کو عراقِ عرب یا عراق کہا جاتا تھا' جبکہ عراق کے مزید مشرق میں ایران واقع تھا۔ عراق پر قبضہ کرنے کے بعد ذوالقرنین نے بابل میں اسیر یہودیوں کو آزاد کر دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنے ملک واپس جا کر اپنا تباہ شدہ شہر یروشلم دوبارہ آباد کر لیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام کی قیادت میں یہودیوں کا قافلہ بابل سے واپس یروشلم آیا۔ انہوں نے اپنے اس شہر کو پھر سے آباد کیا اور ہیکل سلیمانی کو بھی از سرِ نو تعمیر کیا۔ اس پس منظر میں یہودی ذوالقرنین کو اپنا محسن سمجھتے ہیں اور اسی سبب سے ان کے بارے میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا تھا۔

ذُوالقرنین کی فتوحات کے سلسلے میں تین مہمات کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ ان مہمات میں ایران سے مغرب میں بحیرۂ روم (Mediterranian) تک پورے علاقے کی تسخیر' مشرق میں بلوچستان اور مکران تک لشکر کشی اور شمال میں بحیرۂ خزر (Caspian Sea) اور بحیرۂ اسود (Black Sea) کے درمیانی پہاڑی علاقے کی فتوحات شامل ہیں۔ ذوالقرنین کا یہ سلسلۂ فتوحات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی فتوحات کے سلسلے سے مشابہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی جزیرہ نمائے عرب سے مختلف سمتوں میں تین لشکروں نے پیش قدمی کی تھی' ایک لشکر شام اور پھر مصر گیا تھا' دوسرے لشکر نے عراق کے بعد ایران کو فتح کیا تھا' جبکہ تیسرا لشکر شمال میں کوہ قاف (Caucasus) تک جا پہنچا تھا۔

قدیم روایات میں ذُوالقرنین کے بارے میں کچھ ایسی معلومات بھی ملتی ہیں کہ ابتدائی عمر میں وہ ایک چھوٹی سی مملکت کے شہزادے تھے۔ ان کے اپنے ملک میں کچھ ایسے حالات ہوئے کہ کچھ لوگ اُن کی جان کے درپے ہو گئے۔ وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور کچھ عرصہ صحرا میں روپوش رہے۔ اسی عرصے کے دوران ان تک کسی نبی کی تعلیمات پہنچیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زرتشت ہی اللہ کے نبی ہوں اور انہی کی تعلیمات سے انہوں نے استفادہ کیا ہو۔ بہر حال قرآن نے ذوالقرنین کا جو کردار

پیش کیا ہے وہ ایک نیک اور صالح بندۂ مومن کا کردار ہے اور اس کردار کی خصوصیات تاریخی اعتبار سے اس زمانے کے کسی اور فاتح حکمران پر منطبق نہیں ہوتیں۔

آیت ۸۴ ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾﴾ ''ہم نے اسے زمین میں تمکّن عطا کیا تھا اور اُسے ہر طرح کے اسباب و وسائل مہیا کیے تھے۔''

آیت ۸۵ ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾﴾ ''تو اُس نے ایک (مہم کا) سروسامان کیا۔''

آیت ۸۶ ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچا''

یہ ذوالقرنین کی مغربی علاقوں پر لشکر کشی کا ذکر ہے جب وہ پیش قدمی کرتے ہوئے بحیرۂ روم (Mediterranian Sea) کے ساحل تک جا پہنچے۔ چونکہ اُس زمانے میں ان لوگوں کو پوری دنیا کا نقشہ معلوم نہیں تھا اس لیے وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم اس سمت میں دنیا یا زمین کی آخری سرحدوں تک پہنچ گئے ہیں اور اس سے آگے بس سمندر ہی سمندر ہے۔ وہاں ساحل پر کھڑے ہو کر انہیں سورج بظاہر سمندر میں غروب ہوتا ہوا نظر آیا اور اس طرح وہ اس جگہ کو مَغْرِبَ الشَّمْسِ (سورج کے غروب ہونے کی جگہ) سمجھے۔

﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ ''اُس نے اسے غروب ہوتے ہوئے پایا ایک گدلے چشمے میں''

اس سے بحیرۂ ایجیئن (Aegean Sea) مراد ہے جس کا پانی بہت گدلا ہے۔

﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ﴾ ''اور اُس نے پایا وہاں ایک قوم کو۔''

یعنی اس علاقے کو جب انہوں نے فتح کر لیا تو وہاں بسنے والی قوم ان کی رعایا بن گئی۔

﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾﴾ ''ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! تم چاہو تو انہیں سزا دو اور چاہو تو ان (کے بارے) میں حسنِ سلوک کا معاملہ کرو۔''

یعنی آپ نے اس علاقے کو بزورِ بازو فتح کیا ہے' اب یہاں کے باشندے آپ کے رحم و کرم پر ہیں' آپ کو ان پر مکمل اختیار ہے۔ آپ چاہیں تو ان پر سختی کریں اور آپ چاہیں تو ان کے درمیان حسنِ سلوک کی روایت قائم کریں۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ذوالقرنین کو مخاطب کر کے فرمائی' لیکن ضروری نہیں کہ حقیقت میں ایسا ہی ہوا ہو۔ اگر تو وہ نبی تھے (واللہ اعلم) تو یہ ممکن بھی ہے' ورنہ اس سے مراد القاء یا الہام بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے سورۃ النحل (آیت ۶۸) میں شہد کی مکھی کی طرف وحی کیے جانے کا ذکر ہے۔

آیت ۸۷ ﴿قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾﴾ ''اُس نے کہا: جس نے ظلم کیا ہم اُسے سزا دیں گے' پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف اور وہ اُسے بہت سخت عذاب دے گا۔''

یہاں ظلم سے مراد کفر اور شرک بھی ہو سکتا ہے۔

آیت ۸۸ ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾﴾ ''اور جو کوئی ایمان لایا اور اُس نے نیک اعمال کیے تو اُس کے لیے ہے اچھی جزا' اور اُس سے ہم بات کریں گے اپنے معاملے میں نرمی سے۔''

یعنی اس مفتوحہ علاقہ میں اپنی رعایا کے اہلِ ایمان نیک لوگوں سے ہم تمام معاملات میں نرمی سے کام لیں گے اور خراج وغیرہ کی وصولی کے سلسلے میں ان پر سختی نہیں کریں گے۔

آیت ۸۹ ﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾﴾ ''پھر اُس نے ایک (اور مہم کا) سروسامان کیا۔''

مغربی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ذوالقرنین نے مشرقی علاقوں کی طرف پیش قدمی کا منصوبہ بنایا۔

آیت ۹۰ ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ﴾ ''یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچ گیا''

اس مہم کے سلسلے میں تاریخی طور پر مکران کے علاقے تک ذوالقرنین کی پیش قدمی ثابت ہے۔ (واللہ اعلم!) ممکن ہے ساحلِ مکران پر کھڑے ہو کر بھی انہوں نے محسوس کیا ہو کہ وہ اس سمت میں بھی زمین کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔

﴿وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ﴿۹۰﴾﴾ ''اُس نے اس کو طلوع ہوتے پایا ایک ایسی قوم پر جس کے لیے ہم نے اس (سورج) کے مقابل کوئی اوٹ نہیں رکھی تھی۔''

اس زمانے میں یہ علاقہ Gedrosia کہلاتا تھا۔ یہاں ایسے وحشی قبائل آباد تھے جو زمین پر صرف دیواریں کھڑی کر کے اپنے گھر بناتے تھے اور اُس زمانے تک ان کے تمدن میں گھروں پر چھتیں ڈالنے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

آیت ۹۱ ﴿كَذٰلِكَ ۚ﴾ ''(پھر) ایسا ہی ہوا۔''

پھر یہاں بھی ویسا ہی معاملہ ہوا جیسا کہ پہلی مہم کے سلسلے میں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل فتح عطا فرمائی اور علاقے میں آباد قبائل کے معاملات میں نرمی یا سختی کرنے کا پورا اختیار دیا۔ یہاں بھی ذوالقرنین نے ظالم اور شریر لوگوں کے ساتھ سختی جبکہ نیک اور شریف لوگوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

﴿وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَيۡهِ خُبۡرًا ﴿۹۱﴾﴾ ''اور ہم پوری طرح باخبر تھے اُس کے احوال سے۔''

جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اور جن حالات سے اس کو سابقہ پیش آیا ہم اس سے پوری طرح باخبر تھے۔

آیت ۹۲ ﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾﴾ ''پھر اُس نے ایک (اور مہم کا) سروسامان کیا۔''

آیت ۹۳ ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَيۡنَ السَّدَّيۡنِ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا''

''سد'' دیوار کو کہتے ہیں۔ دو دیواروں سے مراد یہاں دو پہاڑی سلسلے ہیں۔ داہنی طرف مشرق میں بحیرۂ کیسپین تھا اور دوسری طرف بحیرۂ اسود۔ ان دونوں سمندروں کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ دو پہاڑی سلسلے متوازی چلتے ہیں۔ اور ان پہاڑی سلسلوں کی درمیانی گزرگاہ سے شمالی علاقوں کے وحشی قبائل (یاجوج ماجوج) اس علاقے پر حملہ آور ہوتے تھے۔

﴿وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾﴾ ''اُس نے پایا اُن دونوں سے ورے ایک قوم (کے افراد) کو جو کوئی بات سمجھ نہیں سکتے تھے۔''

گویا یہ بھی ایک غیر متمدن قوم تھی۔ اس قوم کے افراد ذوالقرنین اور ان کے ساتھیوں کی زبان سے قطعاً ناآشنا تھے اور حملہ آور لشکر کے لوگ بھی اس مفتوحہ قوم کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے کسی نہ کسی طرح سے ذوالقرنین کے سامنے اپنا مدعا بیان کر ہی دیا:

آیت ﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں بہت فساد مچانے والے لوگ ہیں''

﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾﴾ ''تو کیا ہم آپ کو کچھ خراج ادا کریں کہ اس کے عوض آپ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟''

یعنی آپ ان پہاڑوں کے درمیان واقع اس واحد قدرتی گزرگاہ کو بند کر دیں تاکہ یاجوج و ماجوج ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ یہ وہی تصور یا اصول تھا جس کے تحت آج کل دریاؤں پر ڈیم تعمیر کیے جاتے ہیں۔ یعنی دو متوازی پہاڑی سلسلوں کے درمیان اگر دریا کی گزرگاہ ہے تو کسی مناسب مقام پر مضبوط دیوار بنا کر پانی کا راستہ روک دیا جائے تاکہ دریا ایک بہت بڑی جھیل کی شکل اختیار کر لے۔

یہ یاجوج ماجوج کون ہیں؟ ان کے بارے میں جاننے کے لیے نسلِ انسانی کی قدیم تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔ قدیم روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے بعد نسلِ انسانی آپؑ کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے چلی تھی۔ ان میں سے سامی نسل تو بہت معروف ہے۔ قومِ عاد، قومِ ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی نسل میں سے تھے۔ حضرت یافث کی اولاد کے لوگ وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے شمال کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے ان کی نسل بڑھتے بڑھتے شمالی ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں پھیل گئی۔ چنانچہ مشرق میں چین اور ہند چینی کی yellow races، مغرب میں روس اور سکنڈے نیوین ممالک کی اقوام، مغربی یورپ کے Anglo Saxons، مشرقی یورپ میں خصوصی طور پر شمالی علاقوں اور صحرائے گوبی کے علاقوں کی تمام آبادی حضرت یافث کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ تورات میں حضرت یافث کے بہت سے بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں Mosc, Tobal, Gog & Magog وغیرہ قابلِ ذکر ہیں (ممکن ہے روس کا شہر ماسکو حضرت یافث کے بیٹے ماسک نے آباد کیا ہو)۔ اسی طرح Baltic Sea اور Baltic States کا نام غالباً Tobal کے نام پر ہے۔ بہرحال یورپ کی اینگلو سیکسن اقوام اور تمام Nordic Races یاجوج ماجوج ہی کی نسل سے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ غیر متمدن اور وحشی لوگ تھے جن کا پیشہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری تھا۔ وہ اپنے ملحقہ علاقوں پر حملہ آور ہوتے، قتل و غارت کا بازار گرم کرتے اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے۔ ان کی اس غارت گری کی جھلک موجودہ دنیا نے بھی دیکھی جب Anglo Saxons نے ایک سیلاب کی طرح یورپ سے نکل کر دیکھتے ہی دیکھتے پورے ایشیا اور افریقہ کو نوآبادیاتی نظام کے شکنجے میں جکڑ لیا۔ بعد ازاں مختلف عوامل کی بنا پر انہیں ان علاقوں سے بظاہر پسپا تو ہونا پڑا مگر حقیقت میں دنیا کے بہت سے ممالک پر بالواسطہ اب بھی ان کا قبضہ ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے ادارے ان کی اسی بالواسطہ حکمرانی کو مضبوط کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

قُربِ قیامت میں ان قوموں کی ایک اور یلغار ہونے والی ہے۔ اس کی تفصیلات احادیث اور روایات میں اس طرح آئی ہیں کہ قیامت سے قبل دنیا ایک بہت ہولناک جنگ کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ اس جنگ کو احادیث میں ''الملحمۃ العُظمٰی'' جبکہ بائبل میں ہرمجدون (Armageddon) کا نام دیا گیا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کا علاقہ اس جنگ کا مرکزی میدان بنے گا۔ اس جنگ میں ایک طرف عیسائی دنیا اور تمام یورپی اقوام ہوں گی اور دوسری طرف مسلمان ہوں گے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایک عظیم لیڈر

امام مہدی کی صورت میں عطا کرے گا۔ امام مہدی عرب میں پیدا ہوں گے اور وہ مجدد ہوں گے۔ پھر کسی مرحلے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ خراسان کے علاقے سے مسلمان افواج ان کی مدد کو جائیں گی۔ پھر اس جنگ کا خاتمہ اس طرح ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے' یہودیوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور تمام عیسائی مسلمان ہو جائیں گے۔ یوں اسلام کو عروج ملے گا اور دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ (اللہ تعالیٰ مسلمانانِ پاکستان کو توفیق دے کہ اس سے پہلے وہ یہاں نظامِ خلافت قائم کر لیں اور ہمسایہ علاقہ خراسان سے جو فوجیں امام مہدی کی مدد کے لیے روانہ ہوں ان میں ہمارے لوگ بھی شامل ہوں۔)

جب ہولناک جنگ اپنے انجام کو پہنچ جائے گی تو اس کے بعد یاجوج ماجوج کی بہت بڑی یلغار ہوگی۔ میرے خیال میں یہ لوگ چین اور ہند چینی وغیرہ علاقوں کی طرف سے حملہ آور ہوں گے۔ یہ لوگ Armageddon میں حصہ نہیں لیں گے بلکہ اس کے بعد اس علاقے پر یلغار کر کے تباہی مچائیں گے۔ سورۃ الانبیاء کی آیات ۹۴' ۹۷ اور ۹۸ میں اُن کی اس یلغار کا ذکر قربِ قیامت کے واقعات کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

آیت ۹۵ ﴿قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ ''اُس نے کہا: جو کچھ مجھے دے رکھا ہے اس میں میرے رب نے وہ بہت بہتر ہے''

کہ مجھے تمہارے خراج وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے بہتر مال تو میرے رب نے مجھے پہلے ہی عطا کر رکھا ہے۔ بہرحال تمہارے اس مسئلے کو مَیں حل کیے دیتا ہوں۔ اس جملے سے ذوالقرنین کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔

﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝۹۵﴾ ''البتہ تم لوگ میری مدد کرو قوت (محنت) کے ذریعے سے' مَیں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔''

دیوار بنانے کے لیے جو مادّی اسباب و وسائل درکار ہیں وہ مَیں مہیا کر لوں گا۔ آپ لوگ اس سلسلے میں محنت و مشقت اور افرادی قوت (man power) کے ذریعے میرا ہاتھ بٹاؤ۔

آیت ۹۶ ﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ ''لاؤ میرے پاس تختے لوہے کے۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ ''یہاں تک کہ جب اُس نے برابر کر دیا دونوں اونچائیوں کے درمیان (کی جگہ) کو''

جب لوہے کے تختوں کو جوڑ کر انہوں نے دونوں پہاڑوں کے درمیانی درّے میں دیوار کھڑی کر دی تو:

﴿قَالَ انْفُخُوْا ۭ﴾ ''اُس نے کہا: اب آگ دہکاؤ!''

اس نے بڑے پیمانے پر آگ جلا کر ان تختوں کو گرم کرنے کا حکم دیا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ﴾ ''یہاں تک کہ جب بنا دیا اُس نے اس کو آگ (کی مانند)''

جب لوہے کے وہ تختے گرم ہو کر سرخ ہو گئے تو:

﴿قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝۹۶﴾ ''اُس نے کہا: لاؤ میرے پاس' مَیں ڈال دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔''

اور یوں ذوالقرنین نے لوہے کے تختوں اور پگھلے ہوئے تانبے کے ذریعے سے ایک انتہائی مضبوط دیوار بنا دی۔ اس دیوار کے

آثار بحیرۂ کیسپین کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ دار یال اور در بند کے درمیان اب بھی موجود ہیں۔ یہ دیوار پچاس میل لمبی' انتیس فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی تھی۔ آج سے سینکڑوں سال پہلے لوہے اور تانبے کی اتنی بڑی (مصر کے اسوان ڈیم سے بھی بڑی جسے اَسَدّ الاعلیٰ کہا جاتا ہے) دیوار تعمیر کرنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔

آیت ۹۷ ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝۹۷﴾ ''اب نہ تو وہ (یاجوج ماجوج) اس کے اوپر چڑھ سکیں گے' اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکیں گے۔''

آیت ۹۸ ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ﴾ ''اس نے کہا: یہ رحمت ہے میرے رب کی''

اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینے کے بعد بھی ذوالقرنین کوئی کلمہ فخر زبان پر نہیں لائے' بلکہ یہی کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں' یہ سب اللہ ربّ العالمین کی مہربانی سے ہی ممکن ہوا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ﴾ ''اور جب آ جائے گا وعدہ میرے رب کا تو وہ کر دے گا اس کو ریزہ ریزہ۔''

چنانچہ امتدادِ زمانہ کے سبب یہ دیوار اب ختم ہو چکی ہے' صرف اس کے آثار موجود ہیں' جن سے اس کے مقام اور سائز وغیرہ کا پتا چلتا ہے۔

﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝۹۸﴾ ''اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔''

آیت ۹۹ ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ﴾ ''اور ہم چھوڑ دیں گے اُن کو اُس دن وہ ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہو جائیں گے''

یہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والے جنگی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ قُربِ قیامت کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ یاجوج و ماجوج کا ظہور بھی ہے۔ احادیث میں ان کے بارے میں ایسی خبریں موجود ہیں کہ وہ دریاؤں اور سمندروں کا پانی پی جائیں گے اور ہر چیز کو ہڑپ کر جائیں گے۔ عین ممکن ہے وہ آدم خور بھی ہوں اور ضرورت پڑنے پر انسانوں کو بھی کھا جائیں۔ جیسے آج ہم چینی قوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ سانپ' بچھو' کتا' بلّی' ہر چیز کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ کثرتِ آبادی کے لحاظ سے بھی یاجوج و ماجوج کی بیشتر علامات کا تطابق چینی قوم پر ہوتا نظر آتا ہے۔

یاجوج و ماجوج کی یلغار کا نقشہ سورۃ الانبیاء میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶﴾ ''اور وہ ہر پہاڑ کی ڈھلوان سے اترتے ہوئے نظر آئیں گے''۔ ۱۹۶۲ء میں چین بھارت جنگ کے دوران اخباروں نے چینی افواج کے حملوں کی تفصیلات بتاتے ہوئے بھی کچھ ایسی ہی تصویر کشی کی تھی:

"Waves after waves of Chinese soldiers were coming down the slopes."

بہرحال جس طرح یاجوج و ماجوج آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے اپنے ملحقہ علاقوں کی مہذّب آبادیوں کو تاخت و تاراج کرتے تھے' اسی طرح قیامت سے پہلے ایک دفعہ پھر وہ دنیا میں تباہی مچائیں گے اور ان کا ظہور اپنی نوعیت کا ایک بہت اہم واقعہ ہوگا۔

﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝۹۹﴾ ''اور صور میں پھونکا جائے گا' پس ہم ان سب کو جمع کر لیں گے۔''

آیت ۱۰۰ ﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝۱۰۰﴾ ''اور اُس روز ہم جہنّم کو کافروں کے سامنے لے

آئیں گے۔''

کہ دیکھ لو اپنی آنکھوں سے اسے ہم نے تمہارے انجام کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

آیت ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾﴾ ''وہ لوگ جن کی نگاہیں پردے میں تھیں میرے ذکر سے اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے۔''

وہ لوگ جو اندھے اور بہرے ہو کر دنیا سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے' حقیقی مسبّب الاسباب کو بالکل فراموش کر چکے تھے' صرف دُنیوی اسباب و وسائل پر بھروسا کرتے تھے اور دنیا میں ان کی ساری تگ و دو مادّی منفعت کے حصول کے لیے تھی۔ یہی مضمون اگلے (آخری) رکوع میں بہت تیکھے انداز میں آ رہا ہے۔

آیات ۱۰۲ تا ۱۱۰

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

اس آخری رکوع میں بہت واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں کون لوگ حقیقی گمراہی اور کفر و دجل میں مبتلا ہیں۔ اگرچہ قربِ قیامت کے زمانے میں ایک شخص معیّن ''دجالِ اکبر'' کا فتنہ اور اس کا ظہور اپنی جگہ ایک حقیقت ہے (یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں) مگر عمومی طور پر دجالیت کا فتنہ یہی ہے کہ انسان حصولِ دنیا میں مشغول ہو کر اس حد تک غافل ہو جائے کہ اُسے نہ تو اپنے دارِ آخرت کی کوئی فکر رہے اور نہ ہی اپنے خالق و مالک کی مرضی و منشا کا کچھ ہوش رہے۔ وہ اس ''عروسِ ہزار داماد'' کی زلفِ گرہ گیر کا ایسا اسیر ہو کہ اس کی ظاہری دل فریبیوں اور چمک دمک ہی میں کھو کر رہ جائے۔

آیت ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ﴾ ''کیا کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ میرے ہی بندوں کو میرے مقابلے میں اپنے حمایتی بنا لیں گے؟''

یہ لوگ جن انبیاء و رسل' ملائکہ اور صلحاء کو میرے شریک ٹھہراتے ہیں اور اپنا کارساز سمجھتے ہیں وہ سب میرے بندے ہیں۔ کیا ان

کا خیال ہے کہ میرے یہ بندے میرے مقابلے میں ان کی مدد اور حمایت کریں گے؟ خواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، میرے یہ بندے میرے مقابلے میں ان کے حامی و مددگار اور حاجت روا ثابت ہوں گے؟

﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾﴾ ''یقیناً ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو ایسے کافروں کی مہمانی کے لیے۔''

آیت ۱۰۳ ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾﴾ ''آپ کہیے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟''

یہ ہے وہ مضمون جسے ابتدا میں اس سورت کا عمود قرار دیا گیا تھا' یعنی دنیا اور اس کی زیب و زینت! اس مضمون کے سائبان کا ایک کھونٹا سورت کے آغاز میں نصب ہے جبکہ دوسرا کھونٹا یہاں ان آیات کی صورت میں۔ ابتدائی آیات میں واضح طور پر بتایا گیا تھا کہ دنیا کی زیب و زینت اور رونقوں پر مشتمل یہ خوبصورت محفل سجائی ہی انسانوں کی آزمائش کے لیے گئی ہے۔ اس کے ذریعے سے انسانوں کے رویوں کی پرکھ پڑتال کرنا اور ان کی جدّوجُہد کی غرض و غایت کا تعین کرنا مقصود ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾﴾۔ اب یہاں آیت زیر نظر میں اُن لوگوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے جو اپنے اعمال' اپنی محنت و مشقت' بھاگ دوڑ اور سعی و جُہد میں سب سے زیادہ گھاٹا کھانے والے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس آزمائش میں ناکام ہو کر دنیا کی زیب و زینت ہی میں کھو گئے ہیں۔

جہاں تک محنت اور مشقت کا تعلق ہے وہ تو ہر شخص کرتا ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا)) (۲) ''ہر انسان جب صبح کرتا ہے تو خود کو بیچنا شروع کرتا ہے' پھر یا تو وہ اسے آزاد کرا لیتا ہے یا (گناہوں سے) ہلاک کر دیتا ہے''۔ چنانچہ ہر کوئی اپنے آپ کو بیچتا ہے۔ کوئی اپنی طاقت اور قوت بیچتا ہے' کوئی اپنی ذہانت اور صلاحیت بیچتا ہے اور کوئی اپنا وقت اور ہنر بیچتا ہے۔ گویا یہ دنیا محنت' عمل اور کوشش کی دوڑ کا میدان ہے اور ہر انسان اپنے مفاد کے لیے بقدرِ ہمت اس دوڑ میں شامل ہے۔ مگر بدقسمتی سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی پوری کوشش اور محنت کے باوجود گھاٹے میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے خود کو بیچنے کے اس عمل میں کچھ بھی نفع نہیں بلکہ نقصان ہی نقصان ہے' خسارا ہی خسارا ہے۔ تو اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے یہ کون لوگ ہیں؟

آیت ۱۰۴ ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''وہ لوگ جن کی سعی و جُہد دنیا ہی کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی''

ایسے لوگ جنہیں آخرت مطلوب ہی نہیں' ان کی ساری تگ و دو اور سوچ بچار دنیا کمانے کے لیے ہے۔ آخرت کے لیے انہوں نے نہ تو کبھی کوئی منصوبہ بندی کی اور نہ ہی کوئی محنت۔ بس برائے نام اور موروثی مسلمانی کا بھرم رکھنے کے لیے کبھی کوئی نیک کام کر لیا' کبھی نماز بھی پڑھ لی اور کبھی روزہ بھی رکھ لیا۔ مگر اللہ کو اصل میں اُن سے مقصود و مطلوب کیا ہے؟ اس بارے میں انہوں نے کبھی سنجیدگی سے سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ ایسے لوگوں کو ان کی محنت کا صلہ حسبِ مشیتِ الٰہی دنیا ہی میں مل جاتا ہے' جبکہ آخرت میں ان کے لیے سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کا ذروۂ سنام سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیات ہیں: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

۲۔ صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب فضل الوضوء۔ وسنن الترمذی' کتاب الدعوات۔

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ ’’جو کوئی طلب گار بنتا ہے جلدی والی (دنیا) کا تو ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں‘ جس کے لیے چاہتے ہیں‘ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنّم‘ وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ‘ دھتکارا ہوا۔ اور جو کوئی آخرت کا طلبگار ہو‘ اور کوشش کرے اس کے لیے اس کی سی کوشش اور وہ مؤمن بھی ہو‘ تو وہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی‘‘۔ چنانچہ نجاتِ اخروی کا امیدوار بننے کے لیے ہر بندۂ مسلمان کو واضح طور پر اپنا راستہ متعین کرنا ہوگا کہ وہ طالبِ دنیا ہے یا طالبِ آخرت؟ جہاں تک دُنیا میں رہتے ہوئے ضروریاتِ زندگی کا تعلق ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک و بد سب کی پوری ہو رہی ہیں: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ (بنی اسرائیل) ’’ہم سب کو مدد پہنچائے جا رہے ہیں‘ ان کو بھی اور ان کو بھی‘ آپؐ کے رب کی عطا سے‘ اور آپؐ کے رب کی عطا رُکی ہوئی نہیں ہے‘‘۔ لہٰذا انسان کو اپنی ضروریاتِ زندگی کے حصول کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھنا چاہیے۔ اُس نے انسان کو دنیا میں زندہ رکھنا ہے تو وہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست بھی کرے گا: ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾ (الطلاق: ۳) ’’وہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا‘‘۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو چاہیے کہ فکرِ دنیا سے بے نیاز ہو کر آخرت کو اپنا مطلوب و مقصود بنائے‘ اور ان لوگوں کے راستے پر نہ چلے جنہوں نے سراسر گھاٹے کا سودا کیا ہے‘ جن کی ساری محنت اور تگ و دو دنیا کی زندگی ہی میں گم ہو کر رہ گئی ہے:

﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ ’’اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔‘‘

ایسے لوگ اپنے کاروبار کی ترقی‘ جائیدادوں میں اضافے اور دیگر مادی کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ان کی محنتیں روز بروز نتیجہ خیز اور کوششیں بارآور ہو رہی ہیں۔

آیت ۱۰۵ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات اور اُس کی ملاقات کا‘‘

ایسے لوگ بے شک اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو اور قرآن کو مانتے ہیں‘ لیکن اگر حقیقتاً وہ آخرت کو بھلا کر دن رات دنیا سمیٹنے ہی میں مصروف ہیں تو اپنے عمل سے گویا وہ اللہ کی آیات اور آخرت میں اس سے ہونے والی ملاقات کا انکار کر رہے ہیں۔ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ﴾ (العنکبوت: ۶۴) ’’یقیناً آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے‘‘۔ لیکن طالبانِ دنیا کا عمل اللہ کی اس بات کی تصدیق کرنے کے بجائے اس کو جھٹلاتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو اور اُس کے سامنے روزِ محشر کی حاضری کو عملی طور پر جھٹلا دیا ہے۔

﴿فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ’’تو برباد ہو گئے اُن کے اعمال اور ہم قائم نہیں کریں گے ان کے لیے قیامت کے دن کوئی وزن۔‘‘

قیامت کے دن ایسے لوگوں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اپنے دل کی تسلّی اور ضمیر کی خوشی کے لیے بھلائی کے کچھ کام کیے بھی ہوں گے تو ایسی نیکیاں جو ایمان اور یقین سے خالی ہوں گی ان کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ان کی ایسی تمام نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی اور میزان میں ان کا وزن کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس بھیانک انجام کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی آرائش و زیبائش میں گم ہو کر انسان کو نہ اللہ کا خیال رہتا ہے اور نہ آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ

دنیا کی زیب وزینت کے حوالے سے یہ مضمون اس سورت میں بار بار دہرایا گیا ہے (ملاحظہ ہو: آیت ۷، ۲۷ اور ۴۶)۔

آیت ۱۰۶ ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝۱۰۶﴾ ''ان کا بدلہ جہنم ہے بسبب اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔''

اللہ کی آیات اور رسولوں کے فرمودات کے مطابق تو اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دُنیوی زندگی کی کچھ اہمیت نہیں' مگر ان طالبانِ دنیا نے سمجھ رکھا تھا کہ اصل کامیابی اسی دُنیوی زندگی کی ہی کامیابی ہے۔ چنانچہ اسی کامیابی کے حصول کے لیے انہوں نے محنت اور کوشش کی اور اسی زندگی کو سنوارنے کے لیے وہ خود کو ہلکان کرتے رہے۔ آخرت کو لائقِ اعتناء سمجھا اور نہ ہی اس کے لیے انہوں نے کوئی سنجیدہ تگ ودو کی۔ آخرت کا خیال کبھی آیا بھی تو یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لی کہ ہم نے فلاں فلاں بھلائی کے کام بھی تو کیے ہیں اور پھر ہم حضور ﷺ کے اُمتی بھی تو ہیں۔ آپؐ ہماری شفاعت فرمائیں گے اور ہم کامیاب وکامران ہو کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ یہ عقیدہ یہودیوں کے عقیدے سے ملتا جلتا ہے۔ وہ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں' اُس کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔

ان آیات کے حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی توجہ طلب ہے کہ یہاں کُفار سے مراد اصطلاحی کُفار نہیں' بلکہ ایسے لوگ ہیں جو قانونی طور پر تو مسلمان ہی ہیں' مگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر سرتاپا دنیا کے طالب بنے بیٹھے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مذکورہ مفہوم میں جو شخص بھی آخرت کے مقابلے میں دنیا کا طالب ہے وہی ان آیات کا مصداق ہے' بظاہر چاہے وہ مسلمان ہو' مسلمانوں کا لیڈر ہو' مذہبی پیشوا ہو یا کوئی بہت بڑا عالم ہو۔ اسی مضمون کو کسی بزرگ نے ''جو دَم غافل سو دَم کافر'' کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ آخرت کی نجات کے سلسلے میں یہ بات طے کرنا انتہائی ضروری ہے کہ بنیادی طور پر انسان طالبِ دنیا ہے یا طالبِ آخرت!

آخری رکوع کی ان آیات کا سورت کی ابتدائی آیات کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور دجالی فتنے سے حفاظت کے لیے ان کی خصوصی اہمیت ہے' چنانچہ حدیث میں ان کو فتنہ دجال سے حفاظت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ابتدائی دس آیات اور ان آخری آیات کو حفظ کر لیا جائے اور کثرت سے ان کی تلاوت کی جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو جمعہ کے روز پوری سورۃ الکہف کی تلاوت کو بھی معمول بنایا جائے۔

آیت ۱۰۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۱۰۷﴾ ''(اس کے برعکس) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے۔''

جن لوگوں نے ایمان کے تقاضے بھرپور طور پر پورے کیے اور وہ نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے ٹھنڈی چھاؤں والے باغات ہوں گے۔ آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ باغات کیسے ہوں گے اور کہاں ہوں گے۔ اس کائنات کی وسعت بے حد وحساب ہے اور جنت کی وسعت بھی ہمارے احاطۂ خیال میں نہیں سما سکتی۔ اس کائنات میں اَن گنت کہکشائیں ہیں اور نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کہاں کہاں جنتیں بنا رکھی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نچلے درجے والا جنتی اوپر والے جنتی کو ایسے دیکھے گا جیسے آج ہم زمین سے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جنت کی ابتدائی مہمان نوازی (نُزُل) یہیں اسی زمین پر ہوگی۔ یعنی ''قصۂ زمین برسرِ زمین'' ہی طے کیا جائے گا۔

آیت ۱۰۸ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝۱۰۸﴾ ''وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے' وہاں سے وہ جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔''

یعنی جنت ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں رہتے رہتے کسی کا جی اُکتا جائے۔ دنیا میں انسان ہر وقت تغیر و تبدیلی کا خواہاں ہے۔ تبدیلی کی اسی خواہش کے تحت بُری سے بُری جگہ پر بھی کچھ دیر کے لیے انسان کا دل بہل جاتا ہے جبکہ اچھی سے اچھی جگہ پر بھی مستقل طور پر رہنا پڑے تو بہت جلد اسے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ ہم کشمیر اور سوئٹزرلینڈ کو ''فردوس بر روئے زمیں'' گمان کرتے ہیں' لیکن وہاں کے رہنے والے وہاں کی زمینی و آسمانی آفات سے تنگ ہیں۔ اہلِ جنت مستقل طور پر ایک ہی جگہ رہنے کے باعث اکتائیں گے نہیں اور وہاں سے جگہ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔

اب اس سورت کی آخری دو آیات آ رہی ہیں جو گویا توحید کے دو بہت بڑے خزانے ہیں۔

آیت ۱۰۹ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝۱۰۹﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے میرے رب (کے کلمات کو لکھنے) کے لیے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ اسی کی طرح اور (سمندر) بھی ہم (اس کی) مدد کے لیے لے آئیں۔''

یہاں پر سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے پہلے کی آیت کو دوبارہ ذہن میں لائیں: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ تم پکارو اللہ (کہہ کر) یا پکارو رحمٰن (کہہ کر)' جس (نام) سے بھی تم پکارو' اُسی کے ہیں تمام نام اچھے''۔ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اُسماء کا ذکر ہے' جبکہ یہاں آیت زیر نظر میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کا ذکر ہے۔ اللہ کے کلمات سے مراد اُس کی مختلف النوع مخلوقات ہیں' اور اُس کی ہر مخلوق اُس کے ایک کلمۂ کُن کا ظہور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوقات کا احاطہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ سورۂ لقمان میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۲۷﴾ ''اور اگر زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی ہو' اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ یقیناً اللہ غالب' حکمت والا ہے۔''

آیت ۱۱۰ ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں' مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔''

﴿فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝۱۱۰﴾ ''پس جو کوئی بھی اُمید رکھتا ہو اپنے رب سے ملاقات کی تو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔''

یعنی عبادت خالص اللہ کی ہو۔ یہ تو حیدِ عملی ہے۔ اس بارے میں سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۲۳) میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ﴾ ''اور فیصلہ کر دیا ہے آپ کے رب نے کہ تم لوگ نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اُس کے''۔ سورۃ الکہف کی اس آخری آیت اور سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا بھی آپس میں معنوی ربط و تعلق ہے۔ موازنہ کے لیے سورۂ

بنی اسرائیل کی آیت ملاحظہ کیجیے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ کُل حمد اور کُل شکر اللہ کے لیے ہے جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد اور نہیں ہے اُس کا کوئی شریک بادشاہی میں اور نہ ہی اُس کا کوئی دوست ہے کمزوری کی وجہ سے اور اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا بلند مقام اور اُس کی شان بیان کر کے شرک کی نفی کی گئی ہے۔ دراصل اللہ کے ساتھ شرک کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ کو مرتبہ الوہیت سے نیچے تار کر مخلوقات کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا ہے یا پھر مخلوقات کی صف میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر بٹھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں اللہ کی کبریائی کا اعلان کرنے کا حکم دے کر شرک کی پہلی صورت کا ابطال کیا گیا ہے جبکہ سورۃ الکہف کی آخری آیت میں شرک کی دوسری صورت یعنی مخلوقات میں سے کسی کو اللہ کے برابر کرنے کی نفی کی گئی ہے۔

دیکھا جائے تو اللہ کی مخلوق میں سے اُس کے شریک بنانے کی روایت ہر زمانے میں رہی ہے۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا درجہ دے دیا اور اہلِ عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ ہمارے ہاں بھی بعض لوگوں نے حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) خدا بنا دیا: ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خُدا ہو کر — اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر!

اور کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خُدا کی ذات سے ملا دیا:

ہر چند علیؓ کی ذات نہیں ہے خُدا کی ذات — لیکن نہیں ہے ذاتِ خُدا سے جُدا علیؓ

اور مرزا غالب تو اس سلسلے میں یہاں تک کہہ گئے:

غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بُوئے دوست — مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بُو ترابؓ میں

یعنی جب میں ابوتراب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بندگی کرتا ہوں تو درحقیقت اللہ ہی کی بندگی کر رہا ہوتا ہوں۔ اسی طرح آغا خانیوں کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''دہم اوتار'' قرار دیا گیا۔ ہندوؤں کے ہاں نو (۹) اوتار تسلیم کیے جاتے تھے' انہوں نے حضرت علیؓ کو ''دسواں اوتار'' مان لیا۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک!!

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایّاکم بالآیات والذِّکر الحکیم OO

اللہ
بانی: ڈاکٹر اسرار احمد
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مرکزی **انجمن خُدّامُ القُرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ـــــ اور ـــــ **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ـــــ اور ـــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک بپا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ ـــ اور ـــ **غلبۂ دینِ حق** کے دو رُخانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ